تذکرۂ شعراے کشمیری پنڈتان

المعروف بہ

بہارِ گلشنِ کشمیر

جلد ثانی

مرتبہ و مؤلفہ

جناب پنڈت برج کشن کول صاحب بیخبر

و

جناب پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوق

ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر یو-پی

۱۹۳۲ء
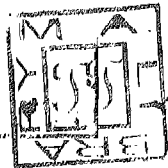
مطبوعہ انڈین پریس لمیٹیڈ الہ آباد
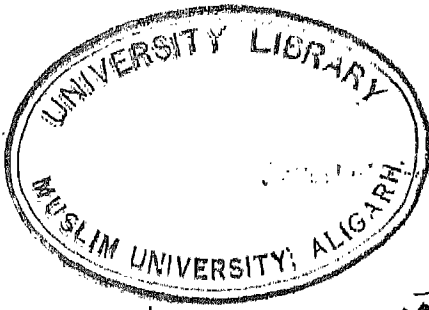
التماسِ شوق

دلاویزیِ بزمِ مے کشاں دارد تماشائے
صراحی نغمہ از قلقل زند پیمانہ می رقصد
خیالِ چشمِ مستِ کیست شور انگیزِ دل یارب
کہ دل در سینہ ام میرقصد و مستانہ می رقصد

ناظرین عالی ہمم سراپا کرم۔ سترہ مہینے ہوئے کہ "بہار گلشن کشمیر" کی جلد اول آپ کی خدمت فیض درجت میں پیش کی گئی تھی اُس کے بعد ناچیز مولف کی دلی خواہش تھی کہ جولائی سنہ رواں میں جلد ثانی بھی شایع ہو کر شرفیاب ملاحظہ ہو جائے۔ مگر خلاف امید کچھ ایسی وجوہ پیش آئیں کہ اُس کی طباعت و اشاعت میں کم و بیش پانچ مہینوں کا توقف وقوع میں آیا۔ انڈین پریس الہ آباد میں سررشتہ تعلیم کے ضروری کام کی کثرت اور کاپی نویس کی تقریباً تین مہینے کی علالت اس توقف کا خاص باعث ہوئی۔ بقول شاعر

یاد آن روزے کہ رازِ عشق در دل داشتم
در نظرہا کارم آساں بود مشکل داشتم

مگر شکر ہے اُس کارساز مستمندان کا کہ باوجود اپنی کم مائگی کے مجھ جیسے ناچیز کی سالہاسال کی کوششیں ٹھکانے لگیں اور حصول مدعا میں کامیابی ہوئی یعنے آج مجھکو وہ فخر حاصل ہے کہ "بہار گلشن کشمیر" کی جلد ثانی مثل ایک ساقی دلفریب کے سرشاران بادۂ سخن کی

بزم میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ حضرت وفاؔ کیا خوب فرما گئے ہیں ؎

بہ کفِ صراحی و ساغر چو بادہ نوشش آمد
زِ مے کشاں بہ درِ میکدہ خروشش آمد

(۲) اس جلد میں "ع" سے "ے" تک تعداد شعرا ۱۶۱ ہوتی ہے۔ ان میں ۵۱ شعرا نو وہ ہیں جنہوں نے فارسی میں گہر بار ہو کر اپنی استادی اور بزرگوئی کا ثبوت دیا ہے اور باقی ۱۱۰ شعرا جولانگاہ اردو کے شہسواران کامل ہیں۔ علاوہ ان کے ضمیمہ جلد اول میں ۳۳ شعرا ایسے ہیں جن کا کلام جلد اول میں درج نہیں ہے اور ان میں فارسی شعرا کی تعداد ۱۳ ہے پس کل میزان شعرا ۱۹۴ تک پہونچ گئی ہے۔ فارسی میں حضرات شیداؔ (پنڈت رام ناتھ صاحبین)۔ عزیزؔ (پنڈت کرتا کشن گورٹو)۔ فرخؔ۔ فگارؔ۔ ماہرؔ۔ مبتلاؔ۔ وفاؔ (پنڈت دیا ناتھ سپرو)۔ عاجزؔ (پنڈت موتی لال شرغہ)۔ کاملؔ (پنڈت بھولا ناتھ سپرو)۔ کاملؔ (پنڈت سدا سکھ کاک)۔ مفتوںؔ (پنڈت بھوانی شنکر شیوپوری)۔ بقاؔ۔ بلبلؔ۔ بیتابؔ (پنڈت تابہ رام ترکی)۔ حضوریؔ۔ صباؔ۔ مسرورؔ (پنڈت بلہ کاک) اور ہریؔ صاحب دیوان تھے۔ منجملہ شعرائے بالا کے صرف نمبر ۱ تا ۷ اور نمبر ۱۱ کے دواوین قلمی موجود ہیں اور باقی شعرا کے دیوان و سنبر و زمانہ کے نذر ہو گئے۔

اردو میں حضرات انورؔ۔ عاصیؔ (پنڈت سروپ نراین بھان) فگارؔ۔ موہنؔ۔ مضطرؔ (پنڈت کنہیالال ہاکسر)۔ نسیمؔ لکھنوی۔ عاشقؔ (کنہیالال صاحبین) کیفؔ۔ ہجرؔ (پنڈت شمبھر ناتھ منشی)۔ مسرورؔ (پنڈت کامتا پرشاد سکھیا) اور ماہر صاحب دیوان گذرے ہیں۔ ان میں سے نسیمؔ۔ عاشقؔ۔ کیفؔ۔ ہجرؔ اور مسرورؔ کے تو دیوان مطبوعہ ہیں اور بقیہ دیوان قلمی ہیں۔ علاوہ شعرائے موصوف کے حضرات کیفیؔ۔ ندیم لکھنوی ہمدمؔ اکبرآبادی۔ فداؔ (پنڈت جگموہن ناتھ ہکو) اور رشاکرؔ (پنڈت شیو ناتھ کول) کے کلیات یا مجموعۂ کلام اردو اور فارسی ہنوز زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے ہیں۔ دیکھنا چاہیئے مصنفین ممدوح ان جواہر ریزوں کو مخملی بستوں میں نظر بد کے خوف سے کب تک محفوظ و پوشیدہ رکھیں گے۔ ناظرین کرام اگر آپ زبان فارسی کی بلاغت و

فصاحت سے لذت اندوز ہونا چاہتے ہیں تو شیدا - عزیز - فرخ - مبتلا - وفا - بلبل - صبا - ہری - نیکو - وارستہ - نادر - عاشق (پنڈت بدری ناتھ منڈیا) - بیتاب حضوری اور مسرور (پنڈت بلہ کاک) کے کلام بلاغت نظام کو بغور ملاحظہ فرمائیے اور ان حضرات کی قادر الکلامی - پختگی اور روانی طبع کی داد دیجئے -

علیٰ ہذا القیاس اردو میں انور - کیف - کیفی - ماہر - ہجر اور مست نے سلاست - فصاحت - سادگی اور زباندانی میں اپنا سکہ بٹھایا ہے - مضطر اور مسرور کے کلام میں عاشقانہ رنگ غالب ہے - پنڈت تربھون ناتھ سپرو، ہجر کو جو حضرت سرشار کے ہمعصر تھے اگر تاجدار اقلیم ظرافت و جدت کہا جائے تو زیبا ہے - آپ کی نظمیں ستھری اور شستہ زبان - انداز بیان - محاورات کی صفائی - شوخی اور سنجیدگی سے مالا مال ہیں - حضرت گلشن کا رنگ سادگی لئے ہوئے پند و نصائح سے مملو ہے -

(۳) مثل جلد اوّل کے اس جلد میں بھی کلام شعرا دو ضمیموں میں تقسیم کیا گیا ہے - ضمیمہ جلد ثانی میں وہ کلام درج ہے جو ردیف وار کلام کی کاپیاں تحریر ہونے کے بعد موصول ہوا تھا - اور ضمیمۂ جلد اوّل میں وہ شعرا ہیں جن کا کلام جلد اوّل کی طباعت کے بعد دستیاب ہوا - ایک کافی حصہ مختلف شعرا کے کلام کا بدیں وجہ اندراج سے رہ گیا کہ جلد ثانی کی ضخامت ایک ہزار صفحات تک پہونچ گئی تھی اور اس سے زیادہ اُس کو ضخیم کرنا مناسب نہ سمجھا گیا - ناچیز مولف کی خواہش تو یہ ہے کہ اگر کسی وقت جلد اوّل کی دوبارہ اشاعت کی نوبت آئی تو بقیہ کلام اس میں شامل کر دیا جائیگا مگر یہ ایک آرزوے موہوم ہے - جلد اوّل کی اشاعت کے بعد جو تجربہ حاصل ہوا وہ ایسا ہمت افزا نہیں ہے جس سے اس آرزو بر آنے کی کچھ امید کیجا سکے - اُس کی طباعت میں جو رقم کثیر صرف ہوئی تھی وہی لاگت اس جلد کی طباعت میں بھی بیٹھی ہے - عطیہ جات موصول شدہ کی تعداد اس لاگت سے کہیں کم ہے اور اب دار و مدار اسی پر ہے کہ قوم کے اکابران عالی ہمم اس کمی کے پورا کرنے کے طرف جلد نظر معاونت فرمائیں -

(۴) "بہار گلشن کشمیر" کی جلد اوّل کا دنیائے ادب میں جس گرمجوشی سے خیر مقدم ہوا ہے اُس کا ذکر شاید اس موقع پر غیر موزوں نہ ہوگا۔ مختلف مشہور ادبی رسالہ جات اردو اُسکی توصیف میں ترزبان ہوئے ہیں۔ چنانچہ انھیں رسالہ جات کے لایق و فایق ایڈیٹر صاحبان کی سخن شناسی اور قدردانی اور نیز اپنی قوم کی چند ممتاز و مایۂ ناز ہستیوں کے اظہار سخن سنجی نے ناچیز مولف کی ہمت افزائی کی اور تکملۂ جلد ثانی میں ہمہ تن مصروف کیا۔ اقتباسات ذیل نہایت پُرلطف ہیں اور اس بات کے شاہد ہیں کہ ہماری قوم کی قابلیت اور ذہانت غیر قوم کے فاضلوں اور قدردانان سخن کی نظروں میں قدر بلند پایہ رکھتی ہے۔

(الف) رسالۂ زمانہ کانپور بابت ماہ اگست ۱۹۳۱ء ایڈیٹر منشی دیا نراین نگم صاحب بی اے۔

"تذکرۂ بہار گلشن کشمیر" کشمیری پنڈت شعرا کا ایک مبسوط تذکرہ ہے۔ اسکی پہلی جلد شایع ہوگئی ہے۔ اس جلد میں ۱۸۵ شعرائے ماضی و حال کے سوانح زندگی معہ انتخاب کلام درج ہیں یہ انتخاب ۶۰۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ لکھائی چھپائی نہایت صاف اور کاغذ اعلیٰ درجہ کا ہے۔ ہر صفحہ پر سرخ جدول ہے اور کتاب مجلد ہے اور پچاس سے زیادہ شعرا کی تصاویر سے مزین بھی ہے۔ غرض ظاہری صورت دیدہ زیب ہے باطنی خوبیوں کا اندازہ کرنے کے لئے صرف اسی قدر کہنا کافی ہوگا کہ یہ اس قوم کے اہل سخن کے حالات و کلام پر مشتمل ہے جو اپنی علمی سرگرمیوں سے ہمیشہ ممتاز رہی ہے۔ ہندوؤں میں فارسی زبان کی تحصیل اور اس میں داد سخن سنجی دینے میں کائستھوں کے علاوہ جس قوم نے ناموری حاصل کی وہ کشمیری پنڈت تھے موجودہ زمانہ میں بھی انکے افراد اپنی علم دوستی میں شہرہ آفاق ہیں چنانچہ اس تذکرہ میں ستر ایسے شعرا کے حالات ہیں جو فارسی میں شعر کہتے تھے۔ باقی اردو زبان میں شعر کہنے والے ہیں۔ پنڈت برجکشن کول بیخبر اور پنڈت جگموہن ناتھ رینہ شوق مبارکباد کے مستحق ہیں کہ برسوں کی محنت اور جستجو کے بعد انھوں نے اتنے شعرا کے حالات و کلام بہم پہونچا کر یہ مبسوط تذکرہ مرتب کیا جو اُن کی علم دوستی اور قوم پرستی کا بہترین ثبوت ہے۔ ہم کو

امید ہے کہ یہ تذکرہ نہ صرف کشمیری صاحبان کے لئے باعث دلچسپی ہوگا بلکہ عام قدردانان اردو بھی اس سے مستفید ہوسکیں گے۔

(ب) رسالہ اردو۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد۔ اپریل ۱۹۳۲ء۔ آنریری سکرٹری۔ مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔

کشمیری پنڈت اپنی حسن صورت و سیرت اور ذہانت و فطانت کی وجہ سے خاص امتیاز رکھتے ہیں اور خصوصاً ہندوستان میں آکر ان کے جوہر خوب کھلے ہیں۔ انھوں نے ملک کی تہذیب و شائستگی اور ادب کی ترقی میں قابل تعریف کام کیا ہے گو ان کی تعداد کم ہے لیکن جس قابلیت اور کمال کی وجہ سے وہ جہاں کہیں بھی ہیں صف اول میں نظر آتے ہیں۔ "بہار گلشن کشمیر" جس کا دوسرا نام تذکرۂ شعرائے کشمیری پنڈتان ہے انکی ادبی کمال کے ثبوت میں کافی شہادت ہے۔ پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوق نے بڑی محنت و جانفشانی سے ان شعرا کا کلام اور حالات جمع کئے ہیں۔ اس کا اندازہ کتاب کے پڑھنے کے بعد ہوسکتا ہے۔ اس میں فارسی اردو دونوں زبانوں کے شاعر ہیں اور قدیم سے لیکر زمانۂ حال تک تمام شاعر آگئے ہیں۔ اس ممتاز فرقے کا شاید ہی کوئی شاعر شوق صاحب کی نظر سے بچا ہوگا۔ قابل مولف نے صرف حالات اور کلام کے جمع کرنے پر اکتفا کیا ہے کلام کے حسن و قبح سے بحث نہیں کی اور تنقید کی الجھن میں نہیں پڑے۔ یہ انھوں نے ناظرین کے ذوق پر چھوڑ دیا ہے کتاب ایسی صاف ستھری اور اعلیٰ درجہ کی چھپی ہے کہ دیکھنے سے جی خوش ہوتا ہے اور کاغذ اور جلد بھی نہایت عمدہ ہے۔ جن شعرا کے فوٹو مل گئے ہیں ان کی تصویریں بھی بہت خوبی سے چھاپی گئی ہیں۔ غرض یہ کتاب ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے اور قابل مولف کی محنت اور ذوق لائق داد ہے۔

(ج) اخبار ذوالقرنین بدایوں مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء۔ ایڈیٹر مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی۔

بہار گلشن کشمیر۔ یہ کشمیر کے پنڈت شاعروں کا تذکرہ ہے جس کی تالیف کا کام

پہلے پنڈت برجکشن کول صاحب بیخبر نے شروع کیا لیکن آخر میں اُس کی تکمیل کا بار پنڈت جگموہن ناتھ صاحب رینہ شوق کو اُٹھانا پڑا۔ پنڈت صاحب کو زمانۂ ڈپٹی کلکٹری میں اردو اور فارسی ادب سے ذوق تھا لیکن جب تک ملازمت کی پابندیاں قایم رہیں آپ علم و ادب کی کوئی مستقل خدمت نہ کرسکے اور اسی انتظار میں رہے کہ پنشن لیکر کوئی علمی خدمت انجام دیں جس کا پتہ آپ کے اس شعر سے چلتا ہے ؎

بُلبلو اب تو قید قفس ہے دیکھئے کب تک چھٹنا ہو

تم کو مبارک سیرِ گلشن ہم تو اسیرِ دام چلے

اس جلد میں ۱۸۵ شعرا کے حالات اور کلام کو جمع کیا ہے۔ ان میں ستر شعرا وہ ہیں جنھوں نے فارسی میں دادِ سخن دی ہے۔ حالات اور کلام جمع کرنے کے لئے قابل مولف کو بڑے بڑے تذکروں کی ورق گردانی کرنا پڑی ہے۔ ادبی ماہوار رسالوں کے فائل بھی ٹٹولے گئے ہیں۔ شعرا کے کلام کے انتخاب میں دوسرے تذکرہ نویسوں کی طرح بخل سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ بلکہ نہایت فیاضی کے ساتھ کلام کی کافی مقدار دی گئی ہے۔ جس سے اس کلام کے نسبت ناظرین تذکرہ کو صحیح رائے قایم کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان خوبیوں کے باوجود بھی اغلاط کتابت سے جو لیتھو پریس کے چھپائی کے ساتھ مخصوص ہوگئی ہیں یہ کتاب بھی نہیں بچی تصحیح اور طباعت کے اس قدر اہتمام کے باوجود جب "بہار گلشن کشمیر" جیسی صاف اور ستھری کتاب کے چہرہ پر اغلاط کی چھائیاں نظر آئیں تو سوا اسکے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ نظر بد سے بچانے کے لئے شاید قدرت نے اس کو روا رکھا ہو۔

(د) رئیس ہند دہلی - بابت فروری و مارچ ۱۹۳۳ء ایڈیٹر منشی سردار بھگونت رائے بہار تُنشاہی مرحوم۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ کشمیری ایسے زیرک اور برتر کیوں ہیں۔ مجھے اس افتخار کی تحقیقات کا جنون تھا پتہ لگا کہ ان کی خوراک طرز بود و باش۔ سب سے زیادہ تر منفائی خصوصیات ان کے دماغی ترقیوں کی مُمد و معاون ہیں۔ جو دستور العمل

قرنوں قبل رشیوں نے دماغی نشو و نما کے لئے تلقین فرمایا تھا وہ اُس کے آج تک
کم و بیش عامل ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ بلحاظ دماغی قابلیت دنیا کے اقوام میں سب سے
بلند اور بالا مرتبہ رکھتے ہیں۔ کشمیری پنڈت دراصل سنسکرت کی فضیلت کے لئے
ممتاز تھے مگر جس شعبہ کی طرف توجہ کی اُسے معراج کمال پر پہنچا دیا۔ جب اسلامی
حکومت آریہ ورت میں پھیلی تو کشمیری پنڈتوں نے علم فارسی و عربی (نظم و نثر) میں
ایرانی فاضلوں کا ناطقہ بند کر دیا اس دعویٰ کی دلیل میں رائے رایان پنڈت
چندر بھان برہمن دیوان اعظم شاہجہاں کا محض ایک نام لیا جانا کافی ہے۔
ان بزرگ اور قابل یادگار ہستیوں کے کارناموں نے ہمارے فاضل فرض شناس
دوست جناب پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوق کو محسوس کرایا کہ انھوں نے
بڑے دل اور درد کے ساتھ سرکاری فرائض کی سبکدوشی کے بعد ایسا بوجھ
اپنے کاندھوں پر رکھنے کی جرات فرمائی۔ آپ نے "بہار گلشن کشمیر" کے نام سے
کشمیری پنڈت صاحبان شعرائے مشاہیر کا تذکرہ مرتب فرمایا ہے یہ تو نہیں
کہا جا سکتا کہ جلد اول میں جو "الف" سے "ظ" تک ہے کُل شعرائے کشمیر آ گئے
مگر ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس قدر اسم شماری ہو گئی وہ بسا غنیمت ہے ہم غافل
ہستیاں اپنے بابرکت بزرگوں کے بھلانے میں سب سے سبقت لیگئی ہیں مگر اب کچھ
آثار بیداری پیدا ہونے لگے ہیں جس کا ثبوت حضرت شوق کا یہ کارنامۂ زریں
ہے۔ آج تک شعرا کے جس قدر تذکرے ہندوستان میں لکھے جا چکے ہیں کوئی تذکرہ
اس کی ایک خوبی کا مقابلہ نہیں کر سکتا نہ اس شان و اہتمام سے شایع ہوا
ہے جس قدر تصاویر تذکرہ موصوف میں دی گئی ہیں وہ سب حالیہ اور قریب تر
زمانہ کی ہیں۔ قدیم زمانے کی ایک بھی تصویر نہیں۔ ضرورت ہے کہ اس کی
طبع ثانی تک یہ کمی بھی پوری کیجائے۔

(س) رسالہ مشاعرہ فرخ آباد۔ بابت ماہ جنوری ۱۹۳۲ء۔ تبصرۂ بہار گلشن کشمیر
از مولوی سید نصیر الدین علوی صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی منصف باندہ۔

حضرت علوی کا تبصرہ درحقیقت ایک پُرزور اور قابل قدر تبصرہ ہے۔ جس فاضلانہ طریقے سے آپ نے "بہارگلشن کشمیر" کے حسن و قبح پر حق تنقید ادا کیا ہے اُس کی جس قدر داد دیجائے وہ کم ہے اس تبصرہ سے جو اقتباسات ناچیز مولف کرنا چاہتا تھا ان کو جناب کیفی کی نظر انتخاب نے بیشتر ہی سے چُن کر اپنی تقریظ میں جگہ دیدی ہے۔ لہذا اُسی مضمون کا یہاں اعادہ کرنا ایک فعل عبث ہے۔ حضرت علوی نے اپنے تبصرہ کو تذکرہ کی ظاہری و معنوی خوبیوں پر بحث کرنے کے بعد فقرات ذیل پر ختم کیا ہے جن کا ایک ایک لفظ معنی خیز اور موتیوں میں تولنے کے قابل ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بہر حال یہ ایک بہت ہی مفید اور دلچسپ کتاب ہے۔ اس میں کہیں رندان مے آشام کے قہقہے ہیں کہیں صوفیان صافی دل کے دنیا ترک کرا دینے والے تخیلات۔ کہیں ارباب علوم و فنون مسند درس پر بیٹھے دکھلائی دیتے ہیں تو کہیں خود اعتمادی کے اعتماد پر ترقی کرنے والے پیش نظر ہیں۔ صاحبان مذاق اور اردو و ہندی کا فضول مسئلہ اُٹھانے والے ارباب افتراق اس کتاب کو بہ غور مطالعہ کریں شاید ان کی ذہنیت کی درستی میں معاونت کرے ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را

حضرت علوی نے ایک جگہ انتخاب اشعار کے متعلق فرمایا ہے کہ "اشعار کے انتخاب میں بعض جگہ احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے اور بعض سُست و قابل اعتراض اشعار حوالہ قلم کر دئے گئے ہیں۔ گو اس طرح سے وہ اشعار محفوظ ضرور ہو گئے لیکن ان کی حفاظت کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی حضرت سرور آنجہانی کا شعر ہے ؎

زاہدا ما رادہ تکلیف از صوم و نماز
بندۂ پیر مغان و خادم میخانہ ایم

ایک اُستاد فارسی ''صوم'' کے ساتھ ''نماز'' کبھی نہ لکھے گا بلکہ ''صوم وصلوٰۃ'' لکھے گا۔ صورت اولیٰ میں صفائی اور روانی اور محاورہ دونوں پر حرف آتا ہے پھر صلواۃ خارج تقطیع بھی نہیں''۔

قابل نقاد کے اعتراض بالا کے نسبت دو باتوں کا اظہار لابدی اور ضروری ہے (۱) یہ کہ شعر زیر بحث کا وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ہے (۲) زبان عرب میں ''صوم وصلواۃ'' نہ بولتے ہیں اور نہ لکھتے ہیں۔ بلکہ محققین نے لفظ ''صوم صلوٰۃ'' تسلیم کیا ہے اور واؤ عطف کو ناجائز قرار دیا ہے۔ (دیے شیکسپیر مطبوعہ ۱۸ دسمبر ۱۸۳۴ء لندن صفحہ ۱۱۹۳ ملاحظہ ہو)۔

مصرعۂ اول کو اگر ''صوم صلواۃ'' کے ساتھ پڑھئے تو وزن سے گر جاتا ہے۔ ''نماز'' کا لفظ باعتبار نفس مضمون جو فارسی بھی ہے واؤ عطف کے ساتھ زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ کلام فارسی ہے نہ کہ عربی۔ ''صوم'' کے معنی روزہ اور صلواۃ کی معنی نماز۔ درود اور دعا کے ہیں۔ اور چونکہ پابندی شریعت کے لئے ''روزہ و نماز'' جز و لاینفک ہیں پس یہ دونوں تزکیۂ انفاس کے لئے لازمی ہیں۔ اگر وزن میں لفظ ''روزہ'' آنا کسی طرح ممکن ہوتا تو ''روزہ و نماز'' لایا جاتا مگر ''بحر'' اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لئے ''صوم'' بمعنی ''روزہ'' اور ''نماز'' بہ معنی ادائے فرائض پنجگانہ لانا لابدی ہوا لہذا ''صوم و نماز'' کی ترکیب کے استعمال اور اجتماع سے کوئی حرف زباندانی اور اُستادی سرور پر نہیں آسکتا۔ سرور نے ''صوم و نماز'' کی ترکیب کو ایک ہی شعر میں نہیں بلکہ دو اور موقعوں پر بھی استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ایک شعر حسب ذیل ہے ؎

چند گوئی زاہد از صوم و نماز
چون من در عاشقی بدنام را

سرور مرحوم فارسی کے عالم متبحر اور عربی زبان کے ماہر تھے۔ اگر ''صوم وصلواۃ'' کی ترکیب کو وہ صحیح خیال کرتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بجائے اُسکے ایک غلط ترکیب کا اعادہ تین تین مقاموں پر جائز رکھتے۔

(۵) یہ التماس نامکمل رہیگا اگر میں اپنے عنایت فرما پنڈت نند لال صاحب کول طالب اور مکرمی دیوان پنڈت رادھے ناتھ صاحب کول گلشن کا ذکر نہ کروں۔ دونوں صاحبوں کے نام نامی آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ یہ حضرت طالب کی سعی مسلسل کا نتیجہ ہے کہ شعرائے کشمیر کا بے بہا کلام زینت افزائے جلد ثانی ہوا ہے اور فراہمی عطیہ جات میں جو سعی بلیغ دیوان صاحب نے فرمائی ہے اور جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے اُس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے زبان مولف قاصر ہے۔

میرے معزز ناظرین میں نے ایک قومی خدمت کی انجام دہی کا بارگراں سر پر اُٹھا لیا تھا مگر شکر صد شکر کہ اُس بار عظیم سے سبکدوش ہو کر میں آج آپ سے رخصت ہوتا ہوں اور حضرت نادر کے ان دو شعروں پر اپنے التماس کو ختم کرتا ہوں:

غرض نقشیست کز ما یاد ماند — کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے برحمت — کند بر حال این مسکین دعائے

ناچیز جگموہن ناتھ رینہ شوق

یکم نومبر ۱۹۳۲ء - باندہ

श्री:

تذکرہ بہارگلشن کشمیر پر تبصرے

تبصرہ رقمزدۂ صدر نشین بزم سخندانی۔ واقف رموز نکتہ دانی

جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی دہلوی

جلد اوّل۔ مرتبہ و مولفہ جناب پنڈت برج کشن کول صاحب بیخبر و جناب پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوق ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر یو۔پی۔ تقطیع ۲۲×۲۹ متعدد تصاویر۔ صفحات ۵۲ + ۶۰۰، مجلد پشتہ مجلّیٰ۔

جناب بیخبر اور جناب شوق نے اس تذکرے کو شائع کر کے جو کار نمایاں انجام دیا ہے۔ توصیف سے مستغنی ہے یہ نہیں کہ بمصداق قول شیخ شیراز؂

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

بلکہ ان اصحاب نے ادب کی وہ خدمت انجام دی ہے۔ جس کے بار تشکر سے ایشائی ادب اور کلچر یعنی اردو اور فارسی شاعری سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ بہت سے ایسے اہل کمال ہوگذرے ہیں جن کو دنیا بھولی ہوئی تھی۔ اُن کے حالات اور کلام کہیں کہیں نام ہی سہی۔ جو اس مجموعے میں آگئے ہیں۔ گویا پھر سے زندہ ہوگئے۔ یہ مسیحائی یا ایک بڑے پیمانے پر مولانا آزاد مبرور کے حصے میں آئی تھی یا حضرات بیخبر و شوق سلمہم کو نصیب ہوئی ہے۔ تذکرے کی تیاری کے آخری زمانے میں ہم نے خود الہ آباد میں دیکھا کہ شوق صاحب اور دیوان رادھے ناتھ صاحب گلشن کس شغف اور تندہی سے تذکرے کی تکمیل میں

مصروف تھے۔ یہ اچیا ہے یا مسیحائی ہے۔ جو ہر ادب دوست سے خراج تحسین وصول کرنے کی شان رکھتی ہے۔ یہ احسان ہم صاف کہتے ہیں۔ کہ اہالیان خطہ کی شہرت ذکاوت وعلم دوستی پر نہیں۔ بلکہ اُس فارسی شاعری پر ہے۔ جو ایران سے مفقود ہو چکی ہے۔ اور ہندوستان وکشمیر سے مفقود ہو رہی ہے۔ اور اُس اُردو شاعری پر ہے جو دو تین قرنوں میں خدا جانے کیا رنگ روپ اختیار کرے۔ علم وادب کے بہت سے جواہر جو مفاک گمنامی وفراموشی میں پڑے ہوئے تھے۔ فاضل مولفوں نے اُنھیں نکالا آنکھوں سے لگایا اور خالص سونے میں جڑ دیا۔ جن کی ضو اور ڈلک سے جواہر خانہ ہند وعجم جگمگا اُٹھا۔ وہ خالص سونا کیا ہے۔ وہ ہے شوق صاحب کی دقت نظر۔ سلیقہ انتخاب اور شعور تنقید۔ آپ کے تبصرے قوم پرستی اور جنبہ داری کے لوث سے پاک ہیں۔ مثلاً پنڈت بھی رام سُرور مہرور کے تذکرے میں آپ نے بلبل شیراز۔ ظہیر فاریابی۔ ہلالی ناصر علی کے ساتھ سُرور کے ہمطرح اشعار لکھدئے اور بس۔ کسی کو کسی سے اپنی زبان سے بڑھایا گھٹایا نہیں۔ حالانکہ خواجہ حالی مرحوم جیسا محتاط نقاد بھی **نظیری** اور **غالب** کے ترکیب بند مرثیہ کے موازنے میں اس تحریص سے معصوم نہ رہ سکا۔

یہ تذکرہ بعض ایسی نظموں کا بھی حامل ہے۔ جو کمیاب۔ کیسا نایاب ہو چکی تھیں جیسے پنڈت رتن ناتھ در کی مثنوی **تحفۂ سرشار** اور پنڈت بشن نرائن در تخلص ابر کا مسدس **تحفۂ کشمیر**۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ یہ نظمیں ان شعرا کے کلام کی ذیل میں مکمل دیدی گئیں۔

اب تک جتنے تذکرے اردو یا فارسی شعرا کے ہندوستان میں شائع ہو چکے ہیں اُن سب میں تذکرہ **خمخانہ جاوید** امتیاز خاص رکھتا ہے۔ بہار گلشن کشمیر کو خمخانہ جاوید سے امر مابہ الامتیاز یہ حاصل ہے۔ کہ اس میں بہت سے شعرا کی تصویریں بھی شامل ہیں۔ یہ رہی دوسری بات کہ خمخانہ میں اس کا انصرام ناممکن کے قریب تھا۔

اس تذکرے میں چند خفیف سی فروگذاشتیں بھی رہ گئیں ہیں۔ اور جن کو تذکرہ نویسی کا کچھ تجربہ ہے۔ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ ایسی جزوی فروگذاشتیں ناگزیر ہیں۔ مثلاً

پنڈت رتن ناتھ بخشی تخلص دریاؔ کے کلام میں جہاں اُن کی تصنیف سے کئی قطعات تاریخ نقل کئے ہیں اچھا ہوتا کہ ان کا وہ قطعہ تاریخ بھی شامل کر دیا جاتا جو جناب دریاؔ نے اپنے ہمنام حضرت سرشار کی معرکتہ الآرا تصنیف **فسانہ آزاد** پر تحریر فرمایا وہ یہ ہے :۔

اے نام تو در جہاں رتن ناتھ — از خامہ دُر سخن بہ سفتی
تاریخ بگو ز عیسوی سال — افسانۂ بے نظیر گفتی

یا پنڈت رام نرائن صاحب تکو **خرد** کے حال میں لکھا گیا ہے کہ :۔ پنجاب میں آپ تحصیلدار پنشنر تھے۔ حالانکہ وہ یو۔پی سے پنشن لے کر اپنے وطن دہلی میں رہے ہیں اور وہیں رحلت فرمائی۔

یہ کہ پنڈت بشن نرائن ہاکسر متخلص صبرؔ کا نام تک تذکرہ میں نہیں آیا یہ بزرگ مشہور ہند کرنل کیلاس نرائن ہاکسر کے پردادا تھے۔ راقم نے اوائل عمر میں دہلی میں اکثر ان کے درشن کئے ہیں۔ شاید کوئی اشاعت مرحوم مراسلہ کشمیر کی ایسی ہو جس میں اس بزرگ کی تصنیف سے کوئی نہ کوئی قطعہ تاریخ شائع نہ ہوا ہو۔ عموماً فارسی قطعات ہی نظر سے گزرے۔ ممکن ہے کہ کرنل صاحب موصوف یا پنڈت شیو نرائن صاحب ہاکسر سے صبر مرحوم کا مزید کلام دستیاب ہو سکے یعنی اُس کے علاوہ جو مراسلہ کشمیر میں شائع ہوتا رہا تھا۔

ہم کو قوی امید ہے کہ نہ صرف اہالیان خطّہ بلکہ ایشیائی ادب اور کلچر کے دلدادہ و محقق اس تذکرے کا استقبال تپاک اور گرمجوشی سے کریں گے۔ اور تسلیم کریں گے کہ اردو ادب کی تاریخ کی تکمیل اس کے بغیر ممکن نہ تھی۔

اس تذکرے کی تیاری اور طباعت و اشاعت پر بڑی رقم صرف ہوئی ہے اور دوسری جلد پر شاید اس سے بھی زیادہ صرف ہو۔ ظن غالب یہ بھی ہے کہ تیسری جلد کی ضرورت پڑے۔ قوم کے اہل ہمّت بزرگوں نے جو مالی امداد فرمائی ہے۔ وہ تذکرے کی دو جلدوں کے مصارف کے لئے کافی نہیں۔ ان

امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ہماری رائے میں چھ روپیہ فی جلد قیمت رکھی جائے تو بہت مناسب ہوگا۔ مفت تقسیم کرنے پر دو اعتراض ہیں۔ اوّل تو یہ کہ کتاب اکثر ناقدروں کے ہاتھ میں جائے گی۔ ورنہ بفحوائے مفت را چہ گفت۔ اس کی قدر نہ ہوگی۔ کُل پانچ سو جلدیں تو چھپی ہی ہیں۔ کس کو دیں گے اور کس کو نہ دینگے اور دوسرے یہ کہ دوسری اور تیسری جلد کے لئے سرمایہ کہاں سے بہم پہنچے گا۔

ہماری خواہش ہے کہ ارباب قوم اور ادب دوست اصحاب اس عجلت سے اوّل جلد کو خریدلیں کہ مایوسی کا موقع نہ آئے اور باقیماندہ جلد یا جلدوں کے ساتھ جلد اوّل کا دوسرا اڈیشن بھی جلد ہی پیش کیا جا سکے۔

یہ کتاب پنڈت جگموہن ناتھ شوق نمبر ۱۸ ۔ البرٹ روڈ۔ الہ آباد سے ملسکتی ہے۔

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا

ساحر صاحب یا ہمدم صاحب یا کوئی کشمیری پنڈت اگر تذکرہ بہار گلشن کشمیر کی مدح اور اعتراض میں آسمان سر پر اٹھائیں تو یہ محض اس شعر کی مصداق ہے۔

بہر کجا کہ روم وصف دوستاں گویم
برائے یار فروشی دکاں نمی باید

دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان کے اور ارباب نقد و نظر جو اُردو فارسی کا ذوق سلیم رکھتے ہیں اس تذکرہ کی اور اُن کی نسبت جن کا ذکر اس میں ہے کیا رائے رکھتے ہیں۔ اس بارے میں آج میں اس زریں تبصرے سے جستہ جستہ اقتباس پیش کرتا ہوں جو جناب مولوی سید نصیر الدین صاحب علوی۔ ایم۔ اے ایل ایل بی منصف باندہ نے فرخ آباد کے رسالہ مشاعرہ بابت جنوری ۱۹۳۲ء میں سپرد قلم فرمایا۔

کوائف تاریخی کے بعد جو ہند و کشمیر میں اہل ہنود و اہل اسلام کے میل جول پر حاوی ہوئے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

(۱) اس اہلیت و قابلیت میں یوں تو تمام اقطاع و حصص ہند اور تمام

طبق اقوام ہندوستان مساوی ہیں۔ لیکن کایستھ اور کاشمیری حضرات خاص طور پر نمایاں ہیں۔ ان ہر دو طبقات میں بھی کاشمیریوں کا پایہ جس قدر بلند ہے وہ اظہر من الشمس ہے یہ ایک حقیقت اور ایک واقعہ ہے کہ بمقابلہ کایستھ حضرات کے کشمیری براہمہ اصحاب میں ایران مثال فارسی دانوں اساتذہ اور مسلم الثبوت ہستیوں کی کثرت ہے اور اس اوّلیت و افضلیت کے کچھ تاریخی اسباب ہیں اور کچھ طبعی وجغرافیائی۔

کشمیری پنڈتوں کا پایہ گزشتہ ہندوستانی اجتماعی تمدن میں فضیلت علمی کے اعتبار سے کیا تھا؟ اس بارے میں صاحب تبصرہ یہ فرماتے ہیں:۔

(۲) پنڈتان کشمیر نے فارسی اور اس میں چاشنی دینے کے لئے بقدر ضرورت عربی کی اس حسن وخوبی کے ساتھ تکمیل کی کہ وہ منشی اور فلسفی وغیرہ جیسے معزز علمی خطابات سے مخاطب کئے گئے۔ ان کی زبان ایرانیوں کی زبان اور ان کا قلم پارسی قلم قرار پایا۔ فضلائے عصر نے ان کے کلام کو ہم پلّہ کلام اہل زبان قرار دیا گو انھوں نے نظم ونثر دونوں میں اظہار کمال کیا ہے لیکن دنیائے شاعری میں تو ان کی کارگذاریاں معجز نما ہیں۔ ان کی شیرینیِ گفتار، بندش محاورہ۔ جدت تراکیب، چستی بندش، اسلوب بیان ایرانی اساتذہ کے ہم رتبہ ہے۔ ان کا کلام بتاتا ہے۔ کہ ان کی فارسیت میں وہی کمالات ومحاسن کارفرما ہیں۔ جو فارسی زبان کے مسلم اساتذہ کے مایۂ ناز ہیں۔

پھر تذکرے کے بعض شعرائے عظام کے دو دو چار چار شعر نمونے کے طور پر درج کرکے لکھتے ہیں:۔

(۳) مندرجہ بالا مختلف کاشمیری پنڈت صاحبان کے جواہر اور بیہ بتلاتے ہیں کہ ان کی غزلیات میں انفانی، سعدی، حافظ شیرازی، جامی، خسرو، طالب آملی، نظیری نیشاپوری، صائب، شیخ علی حزیں اور قاآنی وغیرہم کی کیفیات موجود ہیں۔ رباعیات میں عمر خیام ابو سعید ابو الخیر اور سرمد رحمۃ اللہ علیہ کا رنگ

جھلک رہا ہے۔ قصیدے ہیں وہ فیضی، عرفی، انوری کے پیروان خاص اور مثنوی میں گو فردوسی مثال نہ ہوں۔ لیکن جامی، نظامی کے مقلدین با اختصاص ہیں۔ ان کے قلم نے تصوف، فلسفہ، پند، موعظت، عشق، معرفت، شوخی، معاملہ بندی تخیل و محاکات غرض انواع و اقسام کے جذبات وخیالات کے دریا بہا دیئے ہیں۔ ان کے کلام کو دیکھ کر یہ خیال نہیں ہوتا کہ وہ اساتذہ ایران و اسلام کا کلام نہیں۔ ان کے فضلا و ادباء بزبان حال و قال گویا ہیں۔

بہ عہدِ خویش منم رشک سعدیِ شیراز	اگر از دست گلستان زمن بسے گلزار
بوجد روح کلیم از کلام من شب و روز	من از سلامت طبع سلیم دارم عار
بہ بین بہ نثر چہ مضمون ہا رقم کردم	بہ بین بہ شعر کہ دارد بہ علم من اشعار
پئے فسانہ بود مثنوی مناسب تر	قصیدہ را نہ تعلق نہ ہیچ از و سروکار
پراست ساغر و پیمانہ ام ز بادۂ علم	دہد بہ صدق گواہی تخلصم سرشار
بہ بوستان سخن کبک خوش خرام منم	نمونہ روش من ز زاغ ہا دشوار

ہے کسی کی ہمت جو کہدے "بوئے بکوری سے آید"!

یہاں تک فارسی کے شاعروں کا ذکر تھا۔ اب اردو شاعری میں کشمیری پنڈتوں کا جو عظیم بالشان حصہ ہے اُسکی نسبت فاضل تبصرہ نگار کا قول ہے:۔

(۴) یہ قوم پندرھویں صدی عیسوی میں سلطان زین العابدین مذکور الصدر کے بعد حکمرانوں کے مظالم اوران کے جبر واستبداد کی وجہ سے جب کشمیر سے ہجرت کرکے پنجاب، اودھ، دہلی، آگرہ وغیرہ میں آبسی۔ تو فارسی لٹریچر کی خدمات کے ساتھ ساتھ اس نے عام ہندوستانی زبان "اردو" میں جو اس کی بھی مادری زبان بن گئی تھی۔ شان استادی پیدا کرکے دکھلادی۔ اور وہ کسی طرح مسلمانوں سے جن کے سر زبردستی ایجاد اردو کا سہرا باندھ دیا گیا ہے۔ کم ثابت نہ ہوئی بلکہ شاہراہ ادب میں وہ مسلمانوں کے ہم عنان ہے۔

(۱) مثنوی کے ذیل میں پنڈت دیاشنکر "نسیم" لکھنوی کی "گلزار نسیم"

ایک عجیب و غریب مثنوی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اس قسم کی مثنوی نگاری پر خامہ فرسائی کرنا عبث کہ عیاں را چہ بیاں۔ تفصیلات کے متلاشی کو "معرکہ چکبست و شرر" مطالعہ کرنا چاہیئے۔

(۴) "قصیدہ کے سلسلہ میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ وہ اپنے پیروں پر اپنے آپ کھڑی ہونے والی خود دار اور غیرت مند قوم ہے اور قصیدہ گوئی کے "مہذب کاسہ گدائی" ہونے میں شک نہیں غالباً اس قوم کی غیر تمندی نے اُسے اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیا اور کسی فرد خاص نے اس صنف شعر کو اپنا پیشہ نہ بنایا۔ تاہم جن لوگوں نے ضرورتاً اس میدان میں قلمرانی کی اور قصیدے کہے خوب کہے مثلاً پنڈت رتن ناتھ سرشار آنجہانی کا ایک قصیدہ ہے

پھلیں گے پھولیں گے گلزار قوم کے اشجار

اُٹھا ہمالیہ پربت سے ابر گوہر بار"

کشمیری پنڈت شعرائے اُردو کے کلام کی نوعیت کی نسبت ارشاد ہے:۔

(۵) "کشمیری پنڈتوں نے بھی عام ہندوستانی اساتذہ کی طرح عہد بعہد محبوبہ غزل اردو کو نئے نئے جامے پہنائے اور حسن و عشق، ہجر، وصال، درد سوز، حب قوم، حب ملک، بیزاریِ دنیا، معرفت، تصوّف، فلسفہ وغیرہ کے بیل بوٹوں سے اس کے جامہ کو گلکار کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔"

تبصرہ کے اُس حصّے کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔

(۶) "کلام محولۂ بالا میں میرؔ، سوداؔ، آتشؔ، ناسخؔ، غالبؔ، ذوقؔ، انیسؔ، امیرؔ، داغؔ، اکبرؔ، حالیؔ، اور جملہ اساتذہ اُردو کے کلام کی سی پختگی و سلیم المذاقی موجود ہے۔ یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ آتش، انیس، غالب سے چونکہ اس قوم کو عقیدت خاص ہے لہٰذا اس کے کلام میں ان کی کیفیات زیادہ پائی جاتی ہیں اور لکھنؤ اور دہلی اسکول کا فرق بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔"

عام طور پر معاشرت اور عہد حاضر کی قیادت میں کشمیری پنڈت کس درجہ

تک حصہ وار ہیں اس بارے میں رقمطراز ہیں:-

(۷) "انگریزوں کے ساتھ انگریزی کا دور آیا۔ تو نہ صرف اعلیٰ اعلیٰ ڈگریاں اس قوم نے حاصل کیں بلکہ اپنی ادبیت اور رسائی دماغی سے یہ ثابت کر کے دکھلا دیا کہ وہ اس میدان میں یوروپینس سے کسی طرح حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت اور حسن ادب میں بھی کم نہیں اس سلسلہ میں سر تیج بہادر سپرو ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل ڈی کے۔سی۔ایس۔آئی اور پنڈت بشن نرائن دربار ایٹ لا کا نام لے دینا کفایت کریگا۔"[۵]

مولف کی عرقریزی کی داد ان الفاظ میں دیجاتی ہے:-

(۸) "کس قدر قابل افسوس بات تھی کہ اس جیسی عالی دماغ اور قابل تقلید قوم کا اب تک کوئی مستقل تذکرہ نہ تھا۔ جس سے اس کے کمالات پر بالتفصیل روشنی پڑ سکتی اور جو ہندو مسلمانوں کے اتحاد بیشینہ کا آئینہ ہوتا"

بارے جناب پنڈت برج کشن صاحب کول بیخبر کے قلب حسّاس نے اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے اس کے پورا کرنے پر کمر ہمت باندھی اور جناب پنڈت جگموہن ناتھ صاحب رینہ شوق (پنشنر ڈپٹی کلکٹر یوپی) کے زور قلم نے اس کار اہم کو انجام دیدیا اور آج چشم بد دور "تذکرہ بہار گلشن کشمیر" کے نام سے جنت ارضی کے دلچسپ نظر فروز اور پر بہار علمی پھولوں کا سدا بہار گلدستہ ہمارے پیش نظر ہے۔

ممکن ہے کہ بعض تنگ نظر ہستیاں حضرت شوق کی اس جگر کاوی کو "انکا قومی کام" تصور کریں۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ پنڈت جی نے اس تذکرے کو لکھ کر تمام ملک پر بڑا احسان کیا ہے۔ موصوف کی یہ کتاب ادب اردو میں ایک قابل قدر و عالی پایہ اضافہ ہے۔

---

[۵] چونکہ صاحب ممدوح سرکاری افسر ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے پنڈت موتی لال نہرو وغیرہ اصحاب کے نام نامی کو ترک کر دینا مصلحت سمجھا گیا۔ (کیفی)

"تذکرے کے محاسن صوری و معنوی اور طباعت وغیرہ کی خوبیوں کا ان الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں:۔

(۹) "کاغذ اعلیٰ قسم کا ولایتی استعمال کیا گیا ہے۔ لکھائی چھپائی کے لئے صرف کہنا کہ اعلیٰ قسم کی ہے۔ کتاب کی سخت توہین ہے کیونکہ انڈین پریس (الہ آباد) نے اپنے حسن انتظام سے ہندوستان میں یورپ کی طباعتی کرشمہ سازیوں کے جلوے دکھائے ہیں اور کا دیانی پریس (برلن) کو گرد کر دیا ہے۔ گرد صفحات حواشی کی سرخ نگر گوشوں پر مدوّر لکیریں دلفریبی پر حکومت کناں۔ دیوان غالب کے جرمنی ایڈیشن (مطبوعہ کا دیانی پریس برلن) کو شرمندہ کر رہی ہیں۔

کتاب کی شیرازہ بندی و جلد بندی بھی اس کو عالی پایہ مغربی کتابوں کی صف میں نمایاں کرتی ہے۔"

فاضل مولف کی نظر انتخاب اور وقت نظر کے یوں مداح ہیں:۔

(۱۰) "یہ تو تھے محاسن ظاہری اب اوصاف باطنی پر نظر ڈالیں۔ تو لائق مولف کی محنت و تلاش، دیدہ ریزی و جانفشانی پر منہ سے بے اختیار واہ نکلتی ہے۔ اختصار و جامعیت، برجستگی و خوش ترتیبی، اس کتاب کا جوہر خاص۔ زبان سادہ سلیس اور برمحل، طرز بیان صاف، شستہ و پاکیزہ ہے۔ اور یہ تمام امور فاضل تذکرہ نویس کی قدرت نگارش پر دال ہیں۔"

"اس تذکرہ کو ہم جدید تذکرہ نگاری کی ایک قابل تقلید تمثیل قرار دے سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں حالات مختلف مستند کتابوں سے ماخوذ، مدلل اصول درایت پر بہت کچھ مبنی اور مولف کے ذاتی ریمارک کے ساتھ درج ہیں ادبائے زیر بحث کے متعلق خوش عقیدگی ہی سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ انکے عیب و ہنر دونوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر دلچسپی و دلاویزی نے کتاب کو اس قدر پُر زور اور موثر بنا دیا ہے کہ وہ دل و دماغ پر چھاتی چلی جاتی ہے۔"

ارباب قوم سے کیا یہ توقع نا واجب ہے کہ وہ دوسری جلد کے نشر و اشاعت سے قبل پہلی جلد کو ہاتھوں ہاتھ خرید لیں گے اور اُس ادبی مذاق و علم پرستی کا عملی ثبوت دیں گے جس کو نہ صرف صاحب تبصرہ بلکہ تمام علمی دنیا تسلیم کرتی ہے۔ (کیفی)

قطعہ تاریخ تالیف و اشاعت

جناب شوقؔ اور اُن کے شریک ندوین کو
سراہیں کتنا ہی - پھر بھی سخن رہے مجمل
کیا ہے طبع وہ مجموعۂ کلام لطیف
ملے جہانِ ادب میں نہ شاید اسکا بدل
بہت تھے ایسے زمانہ مٹا چکا تھا جنھیں
مٹانے کو تھی بہت سو کھ وقت کی ہلچل
پھر اُن کو زلیست کی محفل میں لا بٹھایا ہے
یہ معجزہ بھی رہے گا جہاں میں ضرب مثل
بنا صحیفۂ پارین مرقع رنگیں
چلایا اپنی مسیحائی کا وہ طرفہ عمل
نہیں یہ قوم پرستی - ادب پرستی ہے
ہے لاکھ وصف کے لائق یہ ان کا حسنِ عمل
فصاحت اور بلاغت کا ہے یہ گنجینہ
ثنا میں اس کی کسے قیل و قال کا ہو محل
اسے وہ غور سے دیکھیں یقیں نہیں جن کو
ادب ہے نافیِ اضداد و انتشار ملل
ہے دیدہ زیب بھی اور دلفریب یہ تالیف
کہ اک ادیب کی سعیِ جمیلہ کا ہے پھل
ہوا ایک شعر میں تاریخ اور صفت کیفیؔ
یہ لے کے بیٹھا ہے کیا تو حساب بسط و جمل

بہار گلشنِ کشمیر کی ہے روح فزا
بجا ہے کہئے اگر اس کو۔ باغِ فیض ازل
۱۹۳۱ء

تبصرہ از نتائج طبع وقاد ذہن نقاد سخنور بلند فکرت پنڈت دینا ناتھ چکن صاحب مست کاشمیری

کشمیری پنڈتوں کی قوم کچھ سرزمین کشمیر کے محلِ وقوع کی حیثیت سے کچھ آب وہوا کی تاثیر کے سبب سے اور کچھ اپنی مسلّمہ ذہانت۔ سنجیدہ خیالی۔ بیدار مغزی مناسبت طبع (Adaptability) اور حسنِ صورت کے لحاظ سے ہندوستان بھر میں نہایت اہم اور ممتاز درجہ رکھتی ہے۔

اِس قوم کو قدرت نے کچھ اِس طرح کا دل و دماغ عطا کیا ہے کہ گردشِ روزگار کی سخت سے سخت آزمائش میں بھی یہ سُرخرو ہوکر نکلی۔ اور ع
"زمانہ با تُو نہ سازد تُو با زمانہ بساز" کے مصداق چرخِ ستمگر کی متواتر ستم رانیوں اور حشر آرائیوں کے باوجود یہ قوم آج تک برابر پھلتی پھولتی چلی جا رہی ہے۔ اپنی غیر معمولی قوتِ بُردباری۔ تحمّل اور دانشمندی سے اِس قوم نے ہر رنگ میں ایک رنگ پیدا کیا۔ حق شناسی اور روشن ضمیری کے احساسات سے نہ صرف خود استفادہ کیا بلکہ اَوروں کی بھی رہنمائی کی۔

مہرشی کشّپ کے وقت سے لیکر آخری ہندو راجہ سہدیو (جو سنہ ۱۲ء میں کشمیر کا حکمراں تھا) کے وقت تک یہ قوم سنسکرت علم و ادب میں اعلیٰ درجہ کی سرگرمیاں دکھاتی رہی۔ اور اِس میدان میں اَیسے اَیسے شہسواران کامل فن پیدا کئے جنھوں نے نہ صرف ہندوؤں کی عظیم الشان مذہبی روایات کا علم بلند رکھا بلکہ سنسکرت لٹریچر اور ہندوستان کے قدیم سائنس اور آرٹ کو ایک اَیسی روشنی سے مجلّا کیا جو آج بھی تمام اہلِ ہنود کے لئے چراغ راہ اور مشعلِ ہدایت کا کام دے رہی ہے۔

اِس قوم نے شری سہوا جیسے انجینئر پیدا کئے جنھوں نے ستی سر (کشمیر)

کو سوپور اور بارہ مولہ کے نزدیک کاٹ کر پانی سے خالی کیا اور موجودہ کشمیر کی بنیاد رکھی۔ پاتنجلی ایسے "یوگ درشن کرتا" اور عالم بے بدل۔ چرک اور واگ بٹ جیسے فنِ طب اور جراحی کے ماہرانِ کامل۔ جینت جیسے سنسکرت کے سکالر۔ کیئت جیسے ویاکرنی (گریمرین) اُوٹ جیسے ویدوں کا بھاش کرنے والے۔ وشوگپتا۔ اور ابھنوگپتا جیسے شیو فلاسفی کے بانی اور ابھنند۔ بلا۔ رتنا کر۔ کلٹ۔ وغیرہ وغیرہ سینکڑوں عالمانِ باعمل اور عابدانِ اکمل کے علاوہ کلہن جیسے مورخ (جن کی راج ترنگنی کے متعلق مستشرقین مغرب، مسٹر ولسن۔ ونسنٹ سمتھ اور سر سٹائین جیسے باکمال حضرات نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی قدیم تواریخی کتب میں صرف یہی ایک ایسی کتاب ہے جو نہ صرف مستند بلکہ بہترین حالات کی حامل ہے)۔ اسی قوم کے درخشندہ ستارے تھے۔

فارسی ادب کا آغاز اور کشمیر عہد اسلامیہ میں

راجہ سہدیو کی وفات کے بعد ۱۳۸۹ بکرمی میں کشمیر میں رینچن شاہ کے عہد میں اسلامی حکومت کی مستقل طور پر بنیاد پڑی۔ سنسکرت لٹریچر کو لوگوں نے وقت کی مصلحت کے مطابق پسِ پشت ڈال دیا اور فارسی علم و ادب نے فروغ پانا شروع کیا۔ گو کشمیر پر حضرت عیسیٰ سے دو سو سال پیشتر بھی ابوالغازی تاتاری اور چنداور تاتاری حکمرانوں نے بھی حملہ کیا تھا۔ ۹۹۷ء میں محمود غزنوی (جس کا ذکر راج ترنگنی میں بھی پایا جاتا ہے) اور اُس کے بعد تیمور لنگ کے حملوں نے بھی کشمیر میں ہندو مذہب اور سنسکرت لٹریچر کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ لیکن رینچن شاہ کے آغازِ حکومت کے ساتھ ہی اور اس کے بعد سلطان شمس الدین۔ سلطان جمشید۔ علاء الدین۔ شہاب الدین قطب الدین سکندر شاہ اور علی شاہ وغیرہ کے عہد میں تقریباً سو سال کے مسلسل عرصہ تک کشمیری پنڈت جبر و استبداد اور ظلم و ستم کا شکار مسلسل طور پر ہوتے رہے جس سے اُن کی عظیم الشان کلچر تباہ ہو گئی۔ منادر اور عبادتگاہیں مسمار ہو گئیں سنسکرت ادب کے بڑے بڑے اور عالیشان کتب خانے نذرِ آب و آتش

ہوگئے۔ اس افسوسناک صورتِ حالات کا نتیجہ یہ نکلا کہ کشمیری پنڈتوں کی خدا پرست اور امن پسند قوم کا شیرازہ بکھر گیا۔ کچھ تلوار کے گھاٹ اترے۔ کچھ جبراً اسلام قبول کر بیٹھے۔ کچھ جنتِ کشمیر کو حضرتِ آدم کی طرح خیرباد کہہ کر ہندوستان کے اطراف و جوانب میں پھیل گئے۔ بچے کھچے چند گھرانے جو کسی قدر سخت جان نکلے اور حُبِ وطن سے مجبور ہو کر کشمیر کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اُنھوں نے اپنے حکمرانوں کی بیدردی۔ ظلم و ستم اور غیظ و غضب کا بُردباری اور جانفشانی سے مقابلہ کیا۔ اور ایسی صورتِ حالات پیدا کردی کہ نظامِ حکومت کے سرانجام دینے میں اُن کے بغیر کام چلنا دشوار ہوگیا۔ اُنھوں نے فارسی عربی علومِ مروّجہ پر عبور حاصل کرکے سلاطینِ وقت سے کچھ کچھ ملازمتیں حاصل کریں۔ چنانچہ سلطان قطب الدین کے عہد میں (جو خود بھی شاعر تھا اور قطب تخلص کرتا تھا) فارسی خواندہ لوگوں میں کشمیری پنڈتوں کی اکثریت تھی۔

سِشرہ بٹ اس کے بعد ۱۴۹۹ بکرمی میں زین العابدین (بڈشاہ) کے عہد میں قدرت نے کشمیری پنڈتوں کی بے کسی۔ بے لبسی اور آوارہ وطنی پر رحم کھا کر سِشرہ بٹ (جس کی دُکان کے کھنڈرات آج بھی وچارناگ سرینگر میں موجود ہیں) نامی ایک حکیم پیدا کیا جس نے ڈاکٹر بوٹن دربارِ جہانگیری کے مشہور ڈاکٹر کی طرح بڈشاہ کی ایک مُہلک بیماری کا علاج کامیابی کے ساتھ کیا جس کے صلہ میں اُس نے اپنی مظلوم اور مغلوب قوم کے لئے بہت سی مراعات حاصل کیں۔ کشمیری پنڈتوں کو مذہبی آزادی دلوائی۔ تلک لگانے اور پوجا پاٹھ کرنے کی اجازت حاصل کی۔ جزیہ معاف کرایا۔ آوارہ وطن پنڈتوں کو واپس بلوایا۔ اُن کی تعلیم و تدریس کا انتظام کرایا۔ مکاتب اور مدرسے قائم ہوئے۔ فارسی عربی کی باقاعدہ تعلیم کے علاوہ سنسکرت پڑھنے کی بھی عام اجازت ہوئی۔ خود زین العابدین نے بھی سِشرہ بٹ سے سنسکرت پڑھی۔ فارسی جاننے والے پنڈتوں کو حکومت کے اربابِ لبست و کشاد میں داخل کیا۔ دھوری بٹ۔ بودھی بٹ وغیرہ نے سِشرہ بٹ

کے ساتھ مل کر بڈشاہ کے ایما سے سنسکرت اور فارسی لٹریچر کے بڑے بڑے کتب خانے قائم کئے۔ فارس سے فارسی کتب منگوا کر مکاتب میں داخلِ نصاب کی گئیں سنسکرت کتب کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ "مہا بھارت"۔ "برہت کتھا" اور دیگر کئی اور پرانوں کو فارسی زبان کا جامہ پہنایا گیا۔ راجہ جے سنگھ کے (جس کے عہد تک راج ترنگنی لکھی جا چکی تھی) عہد سے اس کے (زین العابدین) وقت تک راج ترنگنی کا ضمیمہ سنسکرت میں لکھوا کر اس کا فارسی ترجمہ کرایا گیا۔ غرضکہ اس طرح بڈشاہ کے عہد میں ایشیا کی دو مایۂ ناز زبانیں سنسکرت اور فارسی ترقی یاب ہوئیں۔ اور کشمیری پنڈتوں کی آوارہ روزگار اور مظلوم قوم کا ستارہ شریہ بٹ کے فیضِ حکمت سے چمک اُٹھا اور انھیں کشمیر جنت نظیر میں آباد ہونے کا دوبارہ موقعہ ملا۔

شاہانِ مغلیہ اور کشمیر

زین العابدین کے عہد حکومت کے بعد کشمیری پنڈتوں کو پھر برے دن دیکھنے پڑے اور بڑی بڑی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن جس فارسی زبان کی عالی شان عمارت کا سنگِ بنیاد اُس کے عہد میں مستقل طور پر رکھا جا چکا تھا وہ بدستور قائم رہا اور آخر اسی سنگِ بنیاد پر شاہانِ مغلیہ کے عہد میں ایک عالی شان محل تیار ہوا۔ عین اُسی زمانہ میں جبکہ اردو زبان دہلی اور اُس کے گرد و نواح میں اچھی طرح منصۂ شہود پر آ چکی تھی۔ کشمیر میں فارسی زبان اپنی ترقی کی انتہائی منازل طے کر رہی تھی۔ اس زمانہ میں کشمیر کے اہلِ کمال کا شہرہ سن کر ہندوستان اور ایران کے کئی مشہور اہلِ قلم اُن کی زیارت کو آئے۔

فیضی جیسے عالم بے بدل نے جب وہ اکبر کے ساتھ کشمیر آیا تھا یہاں کے اہلِ کمال کا اعتراف کیا۔ عُرفی جس کا قصیدۂ کشمیر لافانی شہرت رکھتا ہے۔ کشمیر میں کافی عرصہ تک رہا۔

دربارِ شاہجہاں کا ملک الشعراء کلیم ہمدانی جب شاہجہاں کے ساتھ کشمیر آیا تو یہاں کی علمی ادبی سرگرمیوں اور مناظر کی دلفریبی نے اُسے کچھ ایسا مسحور کر دیا کہ سالہا سال تک یہاں سے جانے کا نام نہ لیا بلکہ بادشاہ نامہ کو بھی یہیں مکمل کیا۔ اسی کلیم نے کشمیر کے مشہور شاعر غنی کی تاریخ وفات بھی کہی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِن دونوں نے ایک دوسرے سے استفادۂ سخن کیا ہے
کیونکہ بعض خصوصیات دونوں کے کلام میں یکساں پائی جاتی ہیں۔

صائب بھی ایران کو واپس ہوتے وقت کشمیر میں کئی برس رہا اور یہاں کے
اہل کمال سے اُسے بہت کچھ یگانگت تھی۔

اِس کے علاوہ اکبر کے عہد میں راج ترنگنی کے ضمیمہ کا ترجمہ فارسی زبان
میں مُلّا شاہ محمد شاہ آبادی نے کیا ابوالفضل کے آئینِ اکبری میں غالباً اِسی کا
خلاصہ درج ہے۔

جہانگیر کے ایما سے حیدر ملک بن حسن ملک نے کشمیر کی ایک قدیم تواریخ
جو راج ترنگنی سے ماخوذ ہے تصنیف کی۔ پنڈت نارائن کول صاحب عاجزؔ نے
سنہ ۱۱۲۲ء میں سری دھر بٹ کے ضمیمۂ راج ترنگنی کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔
(افسوس ہے کہ پنڈت صاحب موصوف کا کلام اور حالاتِ زندگی راقم کو بہت کچھ
تلاش کے بعد بھی ہاتھ نہ آئے اور نہ معزز مولفین "بہارِ گلشنِ کشمیر" کو شاید ان کے
متعلق کچھ معلوم ہو سکا ہے)۔

مندرجۂ بالا سطور سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ شاہانِ مغلیہ کے عہد میں کشمیر
میں فارسی و علم ادب نے انتہائی ترقی اور وسعت حاصل کی۔

فارسی ادب کا عام فروغ

فردوسی۔ نظامی۔ سعدی۔ حافظ۔ مولانائے روم۔ رباعیات
خیام وغیرہ وغیرہ اساتذۂ فارس کا کلام ہر ایک محفل و مجلس کو
گرمانے لگا اور سرزمینِ کشمیر رشکِ ایران نظر آنے لگی۔ گھر گھر میں شعر خوانی۔
بیت بازی۔ غزل سرائی۔ قصیدہ نویسی اور تاریخ گوئی ہونے لگی۔

ہر ایک شادی و ماتم کے موقعہ پر جہاں چار احباب اکٹھے ہوئے فارسی
زبان میں بات چیت ہونے لگی اور شعر و شاعری کے غلغلے بلند ہونے لگے
بڑے بڑے اُستادوں اور شاگردوں کے الگ الگ حلقے قائم ہوئے۔ بڑے
پُرجوش مشاعرے منعقد ہوتے اور ادبی معرکہ آرائیاں بعض اوقات مجادلہ کی صورت بھی اختیار کر لیتیں۔

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ فارسی زبان نے کشمیر میں ایک ہمہ گیر اور بے مثال حیثیت اختیار کر لی۔ چنانچہ اس کا اثر آج تک یہاں موجود ہے۔ شادی بیاہ۔ زنار بندی کے موقعوں پر قصیدے اور تاریخیں کہہ کر لانے کا رواج اب بھی بڑی حد تک موجود ہے اور اس زمانہ میں بھی جبکہ کشمیر میں فارسی جاننے والے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ کشمیری پنڈتوں کی جنتری ہر سال "نوروز" پر فارسی زبان میں شائع ہوتی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کشمیری برہمنوں میں شعر و شاعری اور فارسی علم و ادب کا مذاق کس قدر عام اور خاص تھا۔

کشمیری پنڈت بیرون کشمیر اور فارسی اُردو

اسی طرح کشمیری براہمنوں کی درخشندہ قوم کے جو جو ستارے ہندوستان کی فضا میں بکھر گئے تھے وہ بھی اپنی مناسبت طبع۔ زمانہ شناسی اور خداداد ذہانت کے جوہر سے چمک اُٹھے (اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ انہی بکھرے ہوئے ستاروں سے جبینِ ہند کی افشاں چُنی گئی ہے بلکہ آج بھی ہندوستان کے ظلمت کدہ کو اسی قوم کے چشم و چراغ روشن کر رہے ہیں)۔ علوم و فنونِ متداولہ پر عبور حاصل کر کے وہ کمال پایا کہ جابرسے جابر مسلمان حکمران سے بھی بڑے بڑے منصب۔ جلیل القدر عہدے اور جاگیریں حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

کشمیری پنڈت اور دیگر اقوام ہند نے فارسی ادب میں کیسا حصّہ لیا

راقم کا دعویٰ ہے کہ فارسی ادب کو ہندوستان بھر میں فروغ دینے میں ہندوستان کی دیگر اقوام میں سب سے زیادہ حصّہ کشمیری پنڈتوں کی قوم نے لیا۔

کچھ لوگ کایستھ قوم کی خدمات اس بارے میں افضل تصور کرتے ہیں لیکن میرے پاس وجوہات ہیں جن کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ کشمیری پنڈتوں نے جس پیرایہ میں اور جس شانِ اُستادی کے ساتھ فارسی ادب کو چار چاند لگائے وہ ہندوستان کی کسی دوسری قوم کو نصیب نہ ہو سکا۔

کشمیر کی مختصر اور محدود وادی میں کم و بیش پانسو سال تک یعنی رینچن شاہ کے عہد سنہ ۱۳۸۹ء سے لیکر سنہ ۱۸۱۹ء یعنی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد تک اسلامی حکومت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس اثناء میں کشمیری پنڈتوں نے جن کا میلانِ طبع فطرتی طور پر علم و ادب کی طرف ہے فارسی لٹریچر میں ایک مستقل انقلاب پیدا کر دیا اور شعرائے قوم میں آپ کو اکثر اصحاب۔ فردوسی۔ نظامی۔ خاقانی۔ صائب۔ عرفی۔ طالب۔ کلیم۔ قاآنی۔ خیام۔ وغیرہ وغیرہ اساتذۂ فارس کے ہم پلّہ نظر آئیں گے۔ فارسی شاعری نے کشمیر میں اسلئے بھی نشو و نما پائی کہ جن امور پر فارسی شاعری کی بنیاد ہے وہ کشمیر میں ایران سے ہزار درجہ زیادہ موجود تھیں (اور ہیں) مثلاً حسن صورت۔ مناظرِ قدرت۔ باغ و بہار۔ دریا۔ چشمے۔ پہاڑ۔ برفباری۔ بہار و خزاں کی دلفریبیاں وغیرہ وغیرہ۔ اس سے شعرائے کشمیر کے جذبات کو بھی وہی تحریک ہوتی رہی جو کسی ایرانی شاعر کو ایران میں ہو سکتی تھی۔ یہ بات کایستھ قوم کو ہندوستان کے تپتے ہوئے میدانوں اور جھلسانے والی لُو سے کہاں میسّر آ سکتی تھی۔ ناظرین "بہارِ گلشنِ کشمیر" کی پہلی جلد کے مطالعہ سے دیکھ سکتے ہیں کہ:—

ضمیر۔ برہمن۔ سرور۔ آذر۔ اشکی۔ اصغری۔ اکبری۔ توقیر۔ خازن۔ ترکی۔ (جنکا صحیح تخلص بیتاب ہے اور جنکا جنگ نامہ فردوسی کے شاہنامہ کی ٹکر کا ہے)۔ ذیری (ان کا دیوان ایران کے بڑے سے بڑے شاعر کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے)۔ دریا۔ خرّم۔ خوشدل۔ شعلہ۔ شور۔ سرشار وغیرہ کے علاوہ جلد دوم میں عیاش۔ فرخ۔ وارستہ۔ اخوند۔ مبتلا۔ ہری۔ نیکو وغیرہ وغیرہ حضرات کا کلام ایران کے کسی اچھے سے اچھے شاعر کے کلام کا لگّا کھا سکتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ حضرات کشمیر و ہند کے رہنے والے تھے یا ایران و فارس کے۔ جہاں تک میری معلومات کام کرتی ہیں کایستھ قوم تو کیا ہندستان کی اور کسی بھی قوم نے (بجز اہل اسلام) اتنے ایسے باکمال شعرا پیدا نہیں کئے اور ابھی تو کشمیری پنڈت شعرا کا کلام فراہم کرنے کی ابتدا ہی ہوئی ہے۔ "بہارِ گلشنِ کشمیر" گو آج دو ضخیم

جلدوں میں ہمارے سامنے ہے۔ لیکن تلاش و تجسس اور تحقیقات کا سلسلہ جاری رکھنے سے ابھی ایسی ہی کئی اور جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں۔

فارسی کا زوال اور اُردو ادب کا عروج

زمانے کی عادت ہے کہ جس چیز کو یہ اپنے پورے عروج و اوج پر پہنچاتا ہے اُسے زوال اور ادبار کے دن بھی دکھلا دیتا ہے۔

فطرت کے اسی اصول نے فارسی زبان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو شاہانِ اسلامیہ کے ساتھ روا رکھا۔ اورنگ زیب کے عہد کے بعد شاہان مغلیہ کے نیّر اقبال کے غروب ہونے کے ساتھ ساتھ فارسی زبان بھی زوال پذیر ہونے لگی۔ اور اُردو زبان جسکا دھندلا سا ستارہ خلفاے عبّاسیہ محمود غزنوی اور غوری کے عہد میں ہی شمالی ہند کے اُفق پر نمودار ہونے لگا تھا۔ اب مغلیہ طاقت کے زوال کے دنوں میں ایک آفتابِ عالمتاب کی صورت اختیار کرنے لگا اور آخر ہزار داستان اُردو کی نغمہ ریزیوں اور سحر کاریوں کے مقابلہ میں بلبلِ فارس کی خوش الحانی کام نہ دے سکی اور رفتہ رفتہ فارسی علم و ادب کا چرچا نفی کے برابر ہو گیا۔

غریب الوطن کشمیری پنڈتوں نے (جو زیادہ تر دہلی۔ لکھنؤ۔ آگرہ۔ الہ آباد ایسے مرکزی مقامات میں آباد تھے۔) اپنی موافقتِ طبع اور سریع الفہمی کے فیض سے اردو زبان کو بھی اس طرح اپنا کر لیا کہ گویا ازل سے ان لوگوں کی یہی مادری زبان تھی اور آج اس امر سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جس طرح کشمیری پنڈتوں کے ذکر کے بغیر نہ تو سنسکرت لٹریچر کی تواریخ مکمّل ہو سکتی ہے اور نہ فارسی علم و ادب کا تذکرہ اسی طرح اردو زبان کی تواریخ بھی کشمیری پنڈتوں کے ذکر کے بغیر درجۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی اور آج اُردو ادب کا جس پہلو سے بھی جائزہ لیا جائے اُس میں کسی نہ کسی کشمیری پنڈت کا دماغ ضرور کام کرتا ہؤا نظر آئیگا۔

چونکہ مضمون طول کھینچ رہا ہے اس لئے صرف دو چار مثالیں اپنے بیان کی تصدیق کے لئے پیش کرتا ہوں۔ جن بزرگانِ قوم کے اسمائے گرامی ذیل میں آپ دیکھیں گے وہ "بہار گلشن کشمیر" کی دونوں جلدوں سے متعلق ہیں۔

سرشار | اُردو لٹریچر میں ناول اور افسانہ نویسی کی بنیاد حضرت سرشار مرحوم نے اِس دھوم دھام سے ڈالی کہ آج تک اُن کے پایہ کا کوئی دوسرا شخص نہیں اٹھا فسانۂ آزاد نے (جس کی شہرت اب مغرب کے ممالک میں بھی پھیل چکی ہے) اُردو زبان کو ایسا فروغ بخشا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک شاعر کی حیثیت سے بھی آپ کا کلام وہ مذاقیہ اور خاص قسم کا رنگ لئے ہوئے ہے جسے اکبر الہ آبادی مرحوم نے نئے انداز اور اپنی شوخ طبعی سے چمکایا۔

ہجر | پنڈت تربھون ناتھ ہجر مرحوم کی غیر معمولی لیاقت پر اودھ پنچ وغیرہ کے فائل گواہ ہیں۔ اُن کی نظم و نثر کو آج بھی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

نسیم | جوانمرگ اور مشہور آفاق فطری شاعر دیا شنکر نسیم کی مثنوی گلزار نسیم کا جواب لکھنے کی بڑے بڑے عالموں نے کوشش کی لیکن ناکام رہے یہاں تک کہ علامہ شوق قدوائی مرحوم بھی اُن کے بامِ رفعت تک اپنی کمندِ تخیل نہ پہنچا سکے اور آپ کی غزلوں کا دیوان بھی اپنے رنگ میں خوب ہے۔

چکبست | نظیر اکبر آبادی نے اُردو شاعری میں جس رنگِ جدید کو رائج کیا تھا اور جسے مولانا حالی اور آزاد نے محض "نظم" (Versified Prose) کی صورت بخشی تھی اور نادر کاکوروی اور سرور جہان آبادی نے جسے رنگ و روغن عطا کیا تھا۔ پنڈت برج نرائن صاحب چکبست نے اُس طرز جدید کو اپنی بلند خیالی معنی آفریں طبیعت اور علم و فضل کے فیض سے فروغ بخش کر "سچی اور حقیقی شاعری" کے زیور سے آراستہ و پیراستہ کیا۔ پنڈت صاحب موصوف نے مثنوی گلزار نسیم کا مشہور معرکتہ الآرا دیباچہ اور اُن کے حالاتِ زندگی جدید طرز میں لکھ کر اُردو لٹریچر میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ اِس سلسلہ میں معرکۂ چکبست و شرر کی معرکہ آرائیوں نے اُردو ادب میں جو انقلابِ عظیم پیدا کیا اُس سے کون شخص واقف نہیں اور اردو لٹریچر کو جو عظیم الشان فائدہ اس سے پہنچا اُس سے کون انکار کر سکتا ہے۔

کیفی | علامہ پنڈت برجموہن صاحب دتاتریہ کیفی مدظلہ نے اُردو شاعری کے طرز قدیم و جدید کو ملا کر ایک ایسی اچھوتی اور نئی راہ نکالی جس پر قدامت پسند اور طرز جدید کے پرستار دونوں گامزن ہو رہے ہیں۔ آپ نہ صرف ایک گراں پایہ شاعر ادیب اور نقاد ہیں بلکہ اُردو لٹریچر کے ہر ایک میدان کے شہسوار ہیں۔

صحیح اور جدید طرز تمثیل نگاری کی بنیاد آپ نے ہی اپنا مشہور ناٹک راج دُلاری لکھ کر ڈالی۔ ہندوستان کے طول و عرض میں جہاں کہیں بھی کوئی علمی ادبی کانفرنس خواہ وہ دکن میں منعقد ہو یا یو۔پی اور پنجاب میں آپ کی شرکت ضروری اور اہم خیال کی جاتی ہے۔

شمیم | رائے بہادر پنڈت شیو نرائن صاحب شمیم کی ذاتِ ستودہ صفات سے اُردو لٹریچر کو بیش بہا فائدہ پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے۔

سر سپرو | وقار ہند سر ڈاکٹر تیج بہادر صاحب سپرو کی ذاتِ گرامی سے اُردو لٹریچر زیرِ بارِ احسان ہے۔ اُن کی ناقدانہ نظر کے جوہر کسی سے پوشیدہ نہیں۔

حضرت طالب اور آنند نرائن | نوجوان شعرا میں میرے محترم دوست پروفیسر نند لال صاحب کول طالب ایم۔اے ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور پنڈت آنند نرائن صاحب ملّا (گو بہار گلشن کشمیر میں اُن کے حالات اور اُن کا کلام بہت کم شایع ہوا ہے) کی شاعری اُنہی کی طرح ایک ہنگامہ خیز شباب کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ اور یقین ہے کہ اپنے وقت پر ہر دو اصحاب بہت نام پائیں گے۔

کشمیری پنڈتوں کے اخبارات اور رسالے | اُردو زبان کی عام اشاعت کے سلسلہ میں بھی کشمیری پنڈتوں نے نہایت اہم اور شاندار حصّہ لیا ہے پنجاب میں پنڈت مکندرام صاحب اور اُن کے خلفائے رشید پنڈت گوبند سہائے مرحوم اور گوپی ناتھ صاحب پنڈت نے مطبع متر ولاس اور "اخبارِ عام" جو اردو زبان کا سب سے پُرانا اخبار ہے قائم کرکے اُردو زبان کی بہت کچھ اشاعت کی خصوصاً

ریاست کشمیر میں اردو زبان نے اسی آرگن کے ذریعہ بہت توسیع پائی۔
اس کے علاوہ کشمیری پنڈتوں نے وقت وقت پر بہت سے اخبار اور رسائل جاری کرکے اردو و ادب کی بہت کچھ خدمت کی ہے۔ مثلاً :۔
پنڈت ہرگوپال کول خستہ مرحوم کے متعدد اخبارات "راوی"۔ "ریفارمر"۔ "پبلک نیوز"۔ "خیرخواہ"۔ "ولیش اپکارک"۔
ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کا "کشمیر درپن + جناب چک بست مرحوم کا رسالہ صبح امید اور ان سے پیشتر۔ مراسلۂ کشمیر۔ کشمیر پرکاش۔ مرآۃ الہند۔
پنڈت لچھمی نرائن صاحب کول کا سفیر کشمیر۔ کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور کا "بہار کشمیر"۔ "اخبار صبح کشمیر" کی خدمات کا ذکر کرنا میرے لئے مناسب نہیں کیونکہ اس کے ساتھ راقم کا نام وابستہ ہے۔

دیگر بلند مرتبہ شعرا | مندرجہ بالا اسمائے گرامی اور ممتاز شخصیتوں کے علاوہ "بہار گلشن کشمیر" کی دونوں جلدوں میں آپ کو عالم متبحر اور فخر ہند پنڈت بشن نرائن درآبر۔ مکرمی جناب ساحر مدظلہ جیسے ادیب اور ساقی ۔ سعد ۔ بیخود ۔ شوق (مولف تذکرہ ہذا) شاکر ۔ زار وغیرہ وغیرہ ایسے شاعرانِ نغز گفتار نظر آئیں گے جن کا کلام اردو زبان کے کسی بھی شاعر کے مقابلہ و موازنہ میں پیش کیا جا سکتا ہے ۔

کشمیری پنڈت شعرا کا کلام ابتک کیوں فراہم نہ ہو سکا | مجھے بار بار افسوس ہے تو اس بات کا کہ گردش روزگار نے کشمیری پنڈتوں کو گذشتہ سینکڑوں سال سے آرام اور چین کا سانس نہ لینے دیا۔ اس قوم کی تواریخ ہی کچھ ایسی پُردرد داستان ہے جس کا ایک ایک لفظ خون کے آنسو رُلا دیتا ہے۔ اسے ہمیشہ آوارہ وطنی۔ مصیبت اور سراسیمگی کا سامنا رہا۔ اسی سبب سے آج تک اس قوم کو وہ عروج اور کمال حاصل نہ ہو سکا جو اسے اپنی دانشمندی۔ سیاست دانی۔ حسنِ تدبّر اور ذہانت کے تناسب کے لحاظ سے نصیب ہو سکتا تھا اور یہی باعث ہے کہ کشمیری پنڈت شعرا کے کلام کا کوئی باقاعدہ اور دیرینہ ریکارڈ موجود نہیں۔ گو اب پریس کی برکت سے

بعض مشاہیر قوم کا کلام شائع ہو چکا ہے۔

مطبوعہ کلام شعرائے قوم

مثلاً مثنوی گلزارِ نسیم ۔ دیوان کیف ۔ دیوانِ فرخ ۔ دیوانِ منتظر۔ فسانۂ آزاد اور سرشار صاحب کے دیگر ناول ۔معرکۂ چک بست و شرر ۔ صبحِ وطن (کلام چک بست)۔ مضامین چک بست ۔ بھارت درپن (مسدس علامہ کیفی) خمخانۂ کیفی (جو آپ کی ضخیم بیاضوں کا محض ایک ورق ہے) پریم ترنگنی (کیفی صاحب کی مشہور تمثیلی مثنوی) راج دُلاری (ڈرامہ) تزکِ قیصری ۔ عورت اور اس کی تعلیم ۔ مراری دادا ۔ شوکت ہند وغیرہ (یہ بھی کیفی صاحب کی تصنیفات میں سے ہیں)۔

رشحات التخیل (کلام طالب) جناب شمیم کی متعدد کتب وغیرہ وغیرہ ۔لیکن صرف ان تھوڑی سی کتب سے ایک تشنہ لبِ ادب کی پیاس نہیں بجھ سکتی۔

بہار گلشن کشمیر کی تصنیف و تالیف مولفین کی سعی بلیغ

انتہائی اطمینان اور خوشی کا مقام ہے کہ مکرمی جناب پنڈت جگموہن ناتھ صاحب رینہ شوق معظمی دیوان رادھے ناتھ صاحب کول گلشن اور جناب بیتجر کی مسلسل کوششوں اور محنت شاقہ کی بدولت اس کمی کی بہت بڑی حد تک تلافی ہو گئی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ مولفین "بہار گلشن کشمیر" نے اس تذکرہ کو مرتب فرما کر کشمیری پنڈتوں کی تواریخ میں ایک نئے باب کا افتتاح کیا ہے اور نہ صرف اپنی قوم پر بہت بڑا احسان کیا ہے بلکہ اردو اور فارسی ادب کی شاندار خدمات سرانجام دی ہیں۔

ایسے تذکروں کی تالیف و تصنیف میں جن دقتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اسکا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنھیں ایسے کام سے کبھی واسطہ پڑا ہو۔

اخبار صبح کشمیر مرحوم کی حیات کے دنوں میں راقم نے بھی شعرائے قوم کا تذکرہ مرتب کرنے کی سعی کی تھی۔ لیکن حالاتِ زمانہ اور کاروباری تفکرات نے مجھے ایسا کرنے کی فرصت نہ دی۔ یہ فخر اور عزت قدرت نے جناب شوق کی قسمت میں لکھ رکھی تھی اور شکر بلکہ ہزار ہزار شکر ہے اُس قدرتِ کاملہ کا جس نے جناب شوق

کو یہ اہم کام پایۂ تکمیل پر پہنچانے کا فخر بخشا ہے۔

اگر چند برس اور یہ تذکرہ تالیف نہ کیا جاتا تو جس طرح آج تک اکثر شعرائے قوم کا کلام تلف ہو چکا ہے باقیماندہ جواہر پارے بھی زمانہ کے بے رحم ہاتھوں پیوند خاک ہو جاتے۔

تذکرہ بہارِ گلشن کشمیر تصاویر کے لحاظ سے اپنی قسم کے دیگر تذکروں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ معزز مولفین نے اس التزام اور جدت سے تذکرہ نویسی میں ایک نئی بات پیدا کی ہے۔ آیندہ کے تذکرہ نویس غالباً اس کی تقلید کرنے کی ضرور سعی کرینگے۔

وادیٔ کشمیر میں ابھی تک کئی شعرائے قوم کا کلام اُن کے ورثا اور خویش و اقارب کے پاس موجود ہے لیکن افسوس ہے کہ میری اور جناب طالب کی سعی بلیغ کے باوجود اُن اصحاب نے اُن دواوین اور کلّیات کو ہمارے ہاتھ میں دینا تو درکنار ہماری نظروں تک سے بچائے رکھا۔ شاید یہ لوگ اُنھیں اپنے بزرگوں کی ایسی مقدس اور متبرک یادگاریں سمجھتے ہوں جن پر کسی غیر کی نظر نہیں پڑنی چاہئے۔ یا ابھی تک اُن کے دلوں میں وہ وسعت اور نظروں میں وہ دور بینی پیدا نہیں ہوئی جس سے وہ یہ سمجھنے کے اہل ہوتے کہ اگر اُن کے بزرگوں کا کلام شایع ہو جاتا تو دیمک اور کاغذ کے کیڑوں کی نذر ہونے کی بجائے زیادہ بہتر اور مفید ثابت ہوتا۔

بہرحال انسان ہمت ہار کر بیٹھنے کے لئے پیدا نہیں ہوا۔ اور ہم یا ہمارے دیگر ہمعصر بزرگانِ قوم کا کلام جمع کرنے کی تفتیش و تجسس اور ریسرچ میں منہمک رہ کر "بہارِ گلشنِ کشمیر" کے موجودہ گلدستے کو ایک عظیم الشان اور ہمیشہ بہار روضۂ رضوان کی صورت میں تبدیل کر کے نہ صرف اپنی قوم کے دل و دماغ کے لئے نزہت اور فرحت کا مزید سامان بہم پہنچائیں گے بلکہ دیگر اقوامِ عالم کو بھی اس سے مستفید کرنے کی کوشش میں مصروف رہیں گے۔

———×———

"بہارِ گلشنِ کشمیر" پر تقریظ منظوم و تاریخ

مرے گلشن کے گُل تھے مثالِ بُو پریشاں تھے
نظر آتے تھے افسردہ جو منظر خلد ساماں تھے

شمیمِ مشکبو پھرتی تھی آوارہ وطن ہو کر
صبا کرتی تھی انتشارِ غمازِ چمن ہو کر

بنا تھا سبزہ بیگانہ مرے صحنِ گلستاں کا
تھا اِک اِک تار میں اندازِ مجنوں کے گریباں کا

پریشاں باغ میں سنبل تھی آہوں کا دھواں ہو کر
اُڑا جاتا تھا رنگِ گل بھی گردِ کارواں ہو کر

تڑپتی تھیں دلِ مضطر کی صورت آبشاریں بھی
مرے رخ کی طرح تھیں زرد گلشن کی بہاریں بھی

انگارے گُل تھے آتش ریز تھا سایہ چناروں کا
مثالِ آئینہ تھا خشک پانی چشمہ ساروں کا

زباں تھی بند سوسن کی چمن میں جورِ گلچیں سے
ٹپکتا تھا لہو گلہائے تر کی چشمِ خونیں سے

تڑپ اُٹھتا تھا دل میرا فغاں بلبل کی سن سن کر
مسل ڈالے تھے گلچینوں نے سارے پھول چن چن کر

بڑا تھا تفرقہ ایسا چمن میں بادِ صرصر سے
جدا تھی سرو سے قمری الگ بلبل گلِ تر سے

گریباں کا نشاں ملتا تھا کچھ سنبل کے تاروں میں
مرے لختِ جگر بکھرے پڑے تھے لالہ زاروں میں

خبر لیتا نہ تھا کوئی کسی کی کثرتِ غم سے
چمن والے تھے مصروف بجا تکلیفِ پیہم سے

جگر سے ہوک اُٹھتی تھی نظر پڑتے ہی گلشن پر
ترنم آکے بن جاتا تھا لب پر نالۂ مضطر

نہ زینت تھی نہ نزہت تھی نہ رونق تھی کہیں باقی
نہ تھی آرائشِ گلشن نہ وہ رنگِ زمیں باقی

مرا گلشن تھا القصہ سراسر ننگِ ویرانی
چلا آتا تھا مدت سے برابر ننگِ ویرانی

مرے نالوں نے در کھولے فلک کے با اثر ہو کر
خبر لی میرے گلشن کی کسی نے بے خبر ہو کر[1]

چمن کے بیل بوٹوں کو سنوارا شوق[2] و الفت سے
مرے گلشن[3] کو سینچا خونِ دل سے درد و محنت سے

جو پژمردہ تھے گل اُن کو بہارِ جاوداں بخشی
نئے انداز سے پھر رونقِ باغِ جناں بخشی

بجوئے خشک آب رفتہ آمد باز از رحمت
"بہارِ گلشنِ کشمیر" شد در آئینۂ فطرت"

۵۴   ۱۹۳۲ء   ۱۱۷۸

مرقومہ ۱۹ اپریل ۱۹۳۲ء

مست کشمیری

۱۔ جناب بے خبر کشن کول بے خبر ۲۔ جناب جگموہن ناتھ رینہ شوق ۳۔ جناب دیوان راجہ ناتھ صاحب کول گلشن

تبصرہ چکیدۂ قلم بلاغت رقم فضیلت مآب جناب پنڈت نندلال کول صاحب طالب کاشمیری

اُردو زبان کی خوش نصیبی سمجھئے یا علم دوست کشمیری پنڈت صاحبان کی قابلِ رشک ادب نوازی کا شوق جس نے ہمارے عالی تبار۔ قابلِ تعظیم اور والاہم بزرگ جناب شوقؔ کو تذکرۂ "بہارِ گلشنِ کشمیر" کے مرتب کرنے پر آمادہ کیا۔ ایک ایسی جامع ومبسوط اور معقول "تالیف پر تقریظ کی غرض سے قلم اُٹھانا مجھ جیسے ناچیز۔ ہیچمدان اور بحرِ سخن سے ناآشنا کا کام نہیں ۔ یہ فرض انھیں یا استعداد حضرات سے انجام دیا جا سکتا ہے جو اس کے اہل ہیں لیکن بقول الامر فوق الادب تعمیل ارشاد سے گریز نہیں کر سکتا۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ موجودہ زمانے میں ہمارے بعض ہموطن اور خاصکر انگریزی داں نوجوان شعر وسخن کو ایک فضول اور بے معنی چیز قرار دیکر اس کی طرف سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ قدیم ادب کو نظرِ حقارت سے دیکھا جاتا ہے اور شاعری کو بیکاروں کے مشغلے سے زیادہ وقیع نہیں سمجھا جاتا۔ جہاں تک راقم الحروف کا خیال ہے اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہمارے نوجوان اردو اور فارسی کے علم وادب اور اس کے بیش بہا خزانوں سے ناآشنا ہیں۔ انگریزی لٹریچر کے سطحی مطالعہ نے ان کی طبیعتوں پر ایسا تسلّط جما رکھا ہے کہ مغربی ادب کی کورانہ تقلید معیارِ تہذیب وسخن فہمی سمجھی گئی جس کا تباہ کُن نتیجہ یہ نکلا کہ مشرقی علم وادب اور شعر وسخن سے جو روحانی سرور اور وجدانی کیفیت حاصل ہو سکتی ہے اس کو قبول کرنے کا احساس ان کے دلوں سے مفقود ہو گیا۔

انسان کی فطرت میں اکثر ایسے لطیف و پاکیزہ جوہر پائے جاتے ہیں جن کو جلا دینے کے لئے ادبی قابلیت کا نشوونما پانا ضروری ہے۔ دماغی راحت کے

پاکیزہ جذبات کا بیدار کرنا شاعری کا کام ہے۔ شعر وسخن کا مذاقِ سلیم حاصل کرنے
کے بعد جو کیفیت انسان کے دل و دماغ پر طاری رہتی ہے۔ اس کا لطیف اور پاکیزہ
اثر دنیا کی معمولی اور مصنوعی راحتوں کے اثر سے زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔ عوام کی
خیرہ مذاقی کا یہ عالم ہے کہ اعلیٰ درجے کی علمی و ادبی کتابیں تو بہت کم بک جاتی
ہیں اور ان کے مصنف اکثر خسارہ اٹھاتے ہیں لیکن مبتذل۔ فحش اور بازاری
ناولوں کے مصنف اور ان کو چھاپنے والے مطبعے مالا مال ہو جاتے ہیں۔

شاعرانہ لطافت کا حظ اٹھانے کے لئے شعر وسخن کا مذاقِ صحیح ہونا لازمی ہے۔
بلا اس قید کے شاعری بے تال اور سُر کے گانے سے زیادہ دلکش نہیں ہو سکتی لیکن
اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ محض روزمرہ اور محاورہ کی صفائی اور زبان
کے مصنوعی تکلفات کا نام شاعری نہیں ہے۔ شعر میں زبان کی پاکیزگی و لطافت
کے علاوہ تاثیر بھی ہونی چاہئے۔ برخلاف اس کے حسن کلام اور اندازِ بیان بھی
شاعری کے غیر ضروری جزو نہیں۔ شاعرانہ خیالات وہی ہیں جو جذبات کے
سانچے میں ڈھلکر زبان سے نکلتے ہیں اور حسنِ بیان کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے
ہیں۔ شاعر کے دلی جذبات خیالات کو تاثیر کا لباس پہنا دیتے ہیں اور اس کی
زبان کا جادو مردہ الفاظ کو بیدار بنا دیتا ہے لیکن جیسا کہ ابھی اوپر ذکر ہوا شاعری
کی لطافت اور تاثیر کو محسوس کرنے کے لئے شاعرانہ مذاق کے جوہر سے آشنا ہونا
اور فطری جذبات کا پایا جانا ضروری ہے۔

تقریباً آٹھ سال کا عرصہ ہوا کہ اردو زبان کے مشہور شاعر چکبست مرحوم نے شعر و
سخن سے متعلق باہمی تبادلۂ خیالات کے سلسلے میں راقم کے پاس ایک تحریر ارسال کی
تھی جس میں شاعری کا مفہوم انھوں نے کم وبیش انہی الفاظ میں ادا کیا تھا اور اسکے
ساتھ ہی اپنا ایک منظوم بند بھی لکھ دیا تھا جو اب تک نہیں بھولتا۔ ناظرین کی دلچسپی کے
لئے یہاں درج کیا جاتا ہے ؎

مست کر دیتی ہے ایسا یہ شرابِ سرجوش　　نظر آتی ہے نئے حسن سے دنیا مدہوش

سیرِ جنت میں رہا کرتے ہیں چشم ولب و گوش مجھ سے کہتا تھا جوانی میں مرا بادہ فروش

ہر گھڑی عالمِ بالا پہ نظر رہتی ہے
کہیں انسان کو دُنیا کی خبر رہتی ہے

شعر کی خوبی یہ ہے کہ انسان کے دل و دماغ پر ایسا اثر ڈالے کہ اس کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کر کے اس عالم کی سیر کرائے جو انسانی زندگی کی انتہائی معراج ہے اور جس کے لئے روح بیقرار اور محوِ تلاش ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر شاعر کو یہ بات نصیب نہیں اور نہ ہر شعر میں اس قسم کی تاثیر پائی جاتی ہے لیکن جو شعر شعر کہلانے کا مستحق ہے اس میں یہ خاصیت ضرور موجود ہوگی۔ اس تحریر سے یہ مراد نہیں کہ یہ تذکرہ سراسر ایسے ہی شعرا کے کلام کا مجموعہ ہے اور نہ کسی تذکرے کی نسبت یہ دعویٰ پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس سے فقط یہ دکھانا مقصود ہے کہ شاعری نہ تو بے معنی ہے اور نہ بیکاروں کا مشغلہ۔ بلکہ قوم۔ ملک اور ہر فردِ بشر کے لئے یکساں طور پر مفید ہے بشرطیکہ اس سے متمتع ہونے کی استطاعت انسان میں موجود ہو۔ پس اگر جناب شوق نے اس قومی تذکرے کو مرتب کرنے کا بیڑا اُٹھایا تو بلا شبہ ایک بڑی بھاری کمی کو پورا کیا اور ایک ایسے فرض کو انجام دیا جس کے لئے ہمیں عمر بھر آن کا ممنونِ احسان ہونا چاہیئے۔

یہ تذکرہ بزرگانِ قوم کے حال و قال کا ایک بیش بہا مرقع ہے۔ اس میں ناظرین کو ہر قسم کے نواسنجانِ سخن نظر آئیں گے جو اپنی ترنم ریز نغمہ سنجیوں سے ہر قسم کے میٹھے راگ اور دلکش ترانے پیدا کرنے پر قادر ہیں اور اپنی دلفریب سُریلی آواز سے قارئین کو وجد میں لانے کی کشش رکھتے ہیں۔ اُردو اور فارسی شاعری کو خواہ باعتبارِ نوعیتِ مضامین یعنی تخیل۔ معاملہ بندی۔ جدّت۔ معاملاتِ حسن وعشق۔ بلند پروازی۔ فلسفہ۔ معرفت۔ تصوّف۔ حکمت۔ پند و نصائح۔ زہد و رندی۔ مرثیہ گوئی۔ رزم و بزم۔ سوز و گداز۔ محاکات۔ مناظرِ قدرت کے دلکش سین۔ حُب الوطنی۔ سیاسی تحریک وغیرہ کے ملاحظہ فرمایئے یا صنوفِ شعر مثلاً غزل۔ قصیدہ۔ مثنوی۔ مخمّس۔ مسدس

ترکیب بند۔ ترجیع بند۔ مستزاد۔ رباعی۔ تضمین۔ بے قافیہ وغیرہ کے لحاظ سے دیکھئے تو یہ تذکرہ کسی پہلو سے ناقص نہیں پایا جائیگا۔

خوفِ طوالت کے باعث تذکرے کے محاسن و معائب پر تفصیل کے ساتھ ریویو لکھنا ایک دشوار امر ہے۔ البتہ سرسری طور پر چند اہم اور خاص خصوصیات کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا۔

اردو زبان میں آج تک بیسیوں تذکرے قلمبند کئے گئے ہیں لیکن ان میں اور تذکرہ زیرِ نظر میں جو امتیازی فرق پایا جاتا ہے مندرجۂ ذیل امور سے ان کا اندازہ کسی حد تک لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) اردو کے دیگر تذکروں کا تعلق کم و بیش بہ حیثیت مجموعی بلا امتیاز مذہب و ملت تمام شعرا سے رہا ہے لیکن اس میں فقط ایک خاص قوم کے شاعر جمع کئے گئے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ہماری قوم کی اردو و فارسی ادب کی خدمات تفصیل کے ساتھ محفوظ ہوئیں۔ جن کا اندراج موجودہ صورت میں کسی تذکرے میں ممکن نہ تھا۔

(۲) جتنے تذکرے آج تک لکھے گئے ہیں۔ ان میں کم و بیش یا تو محض فارسی شعرا کے حالات و کلام جمع کئے گئے ہیں یا محض اردو شعرا کے۔ برخلاف ان کے اس تذکرے میں دونوں زبانوں کے شاعر جلوہ گر ہیں۔

(۳) شعراء کے حالات عام طور پر تحقیق و تلاش سے بہم پہنچائے گئے ہیں اور انتخابِ کلام میں بخل سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

(۴) اس تذکرے میں جتنے شعراء درج کئے گئے ہیں ان میں سے جن جن کی تصویریں دستیاب ہوسکیں شامل کی گئی ہیں۔ گویا اس شاہدِ رعنا کو صوری و معنوی دونوں خوبیوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔

(۵) تذکرے کی کتابت۔ طباعت۔ کاغذ۔ صفائی۔ ٹائیٹل پیج اور رنگینی وغیرہ نہ صرف دیدہ زیب اور دلپذیر بلکہ بے نظیر ہیں۔ اردو یا فارسی کی کوئی ایسی ضخیم

کتاب اس سے بہتر کیا اس کے برابر بھی زیور طبع سے آراستہ کی ہوئی راقم کی نظر سے آج تک نہیں گذری۔

کشمیری پنڈت صاحبان میں سے فارسی زبان کی شعر گوئی میں جن حضرات نے نام پیدا کیا ہے ان میں سے کئی ایسے ہیں جن کا کلام اساتذۂ ایران سے ٹکر کھاتا ہے اور تمام خصوصیات کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے کسی طرح یہ گمان نہیں ہوتا کہ اس کلام کے لکھنے والے غیر اہل زبان ہیں۔ جن بزرگان قوم کو نقل وطن کرکے کشمیر سے باہر جانا پڑا ان میں سے ایسے تین صاحب گذرے ہیں۔ پنڈت چندربھان صاحب برہمن۔ پنڈت لچھی رام صاحب سرور اور پنڈت نرائن داس صاحب ضمیر۔ ان تینوں صاحبان کے کلام میں وہ تمام جوہر موجود ہیں جو ایران کے فارسی شعراء کے یہاں ضروری اور باعث زینت سمجھے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام پر نہ صرف فارسی اساتذۂ ہند ہی والہ و شیدا ہیں بلکہ خود ایرانی بجا طور پر ناز کرتے ہیں۔

ان کشمیری پنڈت شعراء میں سے جنہوں نے حدودِ کشمیر سے باہر کبھی قدم نہ رکھا اسی طرح دو صاحب کمال خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ایک پنڈت بھوانی داس کاچرو صاحب نیکو اور دوسرے پنڈت راجہ کول صاحب عرض بیگی المتخلص بہ ویری۔ حضرت نیکو فارسی و عربی کے علامۂ زبردست اور عالم متبحر تھے۔ موسیقی میں اس قسم کی طبعزاد رباعیات اور راگ باندھے ہیں کہ آج تک بے نظیر مانے جاتے ہیں اور ان کی ہر دلعزیزی کا پتہ اس امر سے لگ سکتا ہے کہ کشمیر میں جہاں جہاں پرانے طرز کا گانا اور موسیقی اب بھی بعض ساز و سرود کی محفلوں میں مروج ہے سازندہ و نوازندہ سینہ بہ سینہ ان کو محفوظ کرتے چلے آئے ہیں اور خاص و عام میں پسند کئے جاتے ہیں۔ آپ کا ایک مشہور ترجیع بند (جو راقم نے آپ کی مشہور تصنیف "بحر طویل" کے ساتھ تذکرہ میں شائع کئے جانے کی غرض سے جناب مولف کے پاس بھیجدیا ہے) پٹھانوں کی علداری میں جبکہ فارسی کشمیر کی سرکاری اور درباری زبان تھی اس پایہ کا قرار دیا گیا تھا کہ سعدی۔ نظامی اور حافظ کے کلام کے ساتھ ساتھ درسی کتابوں میں شامل کیا گیا تھا آپ کی

اپنی ایجاد کردہ "بحر طویل" بہت مشہور ہے اور فی الحقیقت لاجواب ہے۔ صاحبان ذوق اس کے مطالعہ سے معلوم کرسکتے ہیں کہ حضرت نیکو فارسی و عربی میں کس قدر دسترس رکھتے تھے۔ یہ دونوں کتابیں مصنف کی وفات کے برسوں بعد طبع بھی ہوئی تھیں اس سلسلے میں یہ بیان کرنا بھی غالباً بے محل نہیں کہ آپ کی زوجۂ محترمہ بھی زبان کشمیری میں نہایت اعلیٰ پایہ کی شاعرہ تھیں اور موسیقی کے راگ باندھنے میں آپ سے بھی گوے سبقت لے گئیں تھیں۔ حضرتِ ویری صاحبِ دیوان تھے۔ یہ دیوان اس وقت تک موجود ہے لیکن افسوس ہے کہ بوجوہ اب تک اس کے طبع ہونے کا انتظام نہ ہو سکا۔ آپ کی نسبت مشہور ہے کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب آنجہانی کے عہد حکومت میں جو سیاح ایران سے واردِ کشمیر ہوتے رہے آپ سے ملنے کا بہت شوق رکھتے تھے اور اکثر آپ کے مکان پر کلام سے لطف اندوز ہونے کی خاطر حاضر ہوتے تھے اور خوب دادِ سخن دیتے تھے۔ بہ اعتبارِ تخیل۔ جدت۔ فصاحت و بلاغت۔ زبان کی بندش اور محاورہ وغیرہ کے آپ کا کلام فارسی کے مشہور شعراء سے کسی طرح کم درجے کا نہیں غنی کے بعد کشمیر میں اعلےٰ درجے کی فارسی شاعری کا چراغ فقط آپ کے دم سے روشن تھا۔

اردو شعراء میں سے چکبست مرحوم کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کا کلام پڑھئے اور ان کی غزلوں کا مقابلہ آتش و غالب سے کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ایسے مستند اور زبردست استادوں کے مقابلہ میں ان کا کلام زبانِ حال سے ہمسری کا دعویٰ کر رہا ہے۔ ان کے مرثیوں میں میر انیس اور مرزا دبیر کے کلام کی شان اور تاثیر بوجۂ احسن موجود ہیں۔ اگر راقم پر ہم قوم ہونے کی طرفداری کا الزام نہ لگایا جائے تو میں یہ کہنے کے لئے بھی تیار ہوں کہ چکبست کی بعض نظموں میں زبان کی صفائی اور زورِ تاثیر کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں۔ آج کل سر محمد اقبال کی شاعری کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہے لیکن غالباً ناظرین کو یہ سن کر تعجب نہ ہوگا کہ علاوہ مغربی استادوں کے وہ اس شہرت کے حاصل کرنے میں چکبست مرحوم کے بھی

مرہونِ منت ہیں۔ اقبال کی کئی مشہور نظمیں مثلاً "میرا وطن وہی ہے"۔ "نیا شوالہ"۔ "ستارہ" وغیرہ کا مضمون مرحوم کی نظم "خاکِ ہند" اور چند متفرق غزلوں کے اشعار سے اُڑا لیا گیا ہے۔ اس کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ مرحوم نے یہ نظمیں اقبال سے برسوں پیشتر کہی تھیں اور آخر الذکر نے بعض نظموں میں تقریباً الفاظ بھی وہی استعمال کئے ہیں جو ان کے اشعار میں پائے جاتے ہیں۔ جدت۔ تاثیرِ سخن۔ زورِ کلام چستیِ بندش اور لکھنؤ کی شستہ اور ٹکسالی زبان کا نمونہ مطلوب ہو تو چکبست کا کلام پڑھئے اور داد دیجئے۔ "صبحِ وطن" کے مطالعہ سے اس قول کی تصدیق ہو جائیگی۔ شاعرانہ مصوری سے قطع نظر کر کے ان کے فنِ تنقید اور نثر نگاری کی بہار مطلوب ہو تو "معرکۂ چکبست و شرر" اور "مضامینِ چکبست" ملاحظہ فرمائیے۔

پنڈت رتن ناتھ در صاحب سرشار مرحوم نے ناول نویسی میں کوسِ لمن الملک بجایا۔ اور فصاحت و بلاغت کے وہ دریا بہا دئے کہ اہلِ ادب اور خاص و عام عش عش کرتے رہ گئے۔ اپنی شوخیِ تحریر اور طرزِ خاص کے باعث نہ صرف اپنے وقت کے اعلےٰ درجے کے مصنف مانے گئے بلکہ آج تک ایک مسلم الثبوت اور لاثانی اُستاد اور اردو میں ناول نویسی کے موجد مانے جاتے ہیں۔ مرحوم کے بعد اُردو زبان نے بہت سے نثار اور فسانہ نگار پیدا کئے لیکن جو مقبولیت اور مرتبہ ان کے حصے میں آیا کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔ اُردو زبان ابتدائے پیدائش سے اس وقت تک اس خاص انداز کی نثر نویسی کا نمونہ پیش نہ کر سکی۔ مرحوم کی ہمہ گیر طبیعت میں وہ جادو بھرا تھا جس کی نظیر ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتی۔ "فسانۂ آزاد" اس امر کا ایک زندہ ثبوت ہے کہ جس طرزِ تحریر کے وہ موجد تھے انہی پر ختم بھی ہوا۔ ان کا کلام منظوم بھی اپنے رنگ میں لاجواب اور خاص انداز لئے ہوئے ہے۔

علامہ کیفی دہلوی مدظلہٗ نے ادبِ اردو کے مختلف شعبوں میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں ان کا مختصر طور پر بھی ذکر کرنا اس تقریظ میں ایک دشوار امر ہے آپکی تصنیف "مسدس بھارت درپن" اہلِ ہنود کی گذشتہ عظمت۔ موجودہ ناگفتہ بہ حالت

اور آئندہ وسائل ترقی اختیار کرنے کا ایک ایسا مرقع ہے کہ جس کے مقابلہ میں مولانا حالی کا مشہور مسدس "مد و جزر اسلام" بھی پانی بھرتا ہے۔ آپ کا ترکیب بند "عشق" باعتبار موضوع و زباندانی کے اردو زبان میں ایک لاثانی یادگار ہے۔ ترکیب بند "باغِ دل" اردو کے شعبۂ تصوف میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ اعلیٰ درجے کی غزلوں سے قطع نظر کر کے مناظرِ قدرت کے جو مرقعے صاحب موصوف نے اپنے معجز نگار قلم سے کھینچے ہیں اہلِ ملک کے لئے بیش بہا نمونے ہیں۔ آپ کے کلام میں سے کئی چیدہ نظمیں "خمخانۂ کیفی" کے نام سے حضرات محمد عمر نور الٰہی نے طبع کرائی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے روشن ہو گا کہ شاعری کی حقیقت کیا ہے۔ چودھری خوشی محمد صاحب ناظر نے (جنھوں نے اس پر ایک مختصر تمہید تحریر فرمائی ہے) اس میں علامہ موصوف کی شاعرانہ قابلیت کی جو تعریف کی ہے قابل دید ہے۔ ان کے علاوہ "پریم ترنگنی" کے نام سے آپ نے جو لاجواب تمثیلی نظم تصنیف فرمائی ہے اسکی نظیر اردو لٹریچر میں ناپید ہے۔ اردو زبان جس قدر بھی اس بیش بہا اضافہ پر ناز کرے بجا ہے۔ بہ حیثیت ایک نقادِ فن اور ڈراما نگار کے بھی آپ کا پایہ نہایت بلند ہے۔ "راج دلاری" اور "مراری داوا" لکھ کر آپ نے اردو میں نئے طرز کی ڈراما نویسی کی بنیاد ڈالدی۔ اول الذکر تصنیف کے لئے پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے آپ کو ۵۰۰ روپیہ کا انعام نذر کیا گیا۔ شہنشاہ معظم جارج پنجم کے جشن تاجپوشی کے موقع پر تمام ہندوستان کے مشہور شعراء نے جو قصائد پیش کئے ان سب میں آپ کا قصیدہ اول درجے کا قرار دیا گیا جس کے لئے آپ کو ایک تمغۂ طلائی عطا ہوا۔ اس سے بڑھکر ہماری قوم کے ایک زبردست شاعر اور نثر نگار کی ہمہ گیر طبیعت اور خداداد ذہانت وطباعی کا اور کونسا ثبوت زیادہ وزن دار ہو سکتا ہے۔

پنڈت دیا شنکر نسیم مرحوم کے نام نامی سے کون واقف نہیں۔ فنِ مثنوی میں آپ یکتائے روزگار تسلیم کئے گئے ہیں۔ "مثنوی گلزار نسیم" کی مرصع کاری کا کون صاحبِ مذاق قائل نہیں۔ جو تشبیہات اور استعارات اس مثنوی کا زیور ہیں اور

جن اشارات و کنایات سے آپ نے کام لیا ہے ان کی تعریف میں کون رطب اللسان نہیں۔ فصاحت و بلاغت میں اس مثنوی کے جزو اعظم ہیں اور اختصار اس کا خاص جوہر ہے۔ سینکڑوں مثنویاں لکھی گئیں۔ ہزاروں قصے منظوم ہوئے۔ بیسیوں شعرائے جان توڑ کوشش کر کے اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مرحوم کے طرز ادا کا تتبع کرنا چاہا لیکن کوئی صاحب کمال ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔

علاوہ بیشمار صاحبانِ ذوق اور دلدادگانِ شعر و سخن کے مولوی محمد حسین صاحب آزاد۔ علامہ شبلی نعمانی اور حضرت شوق قدوائی نے جن الفاظ میں اس مثنوی کی تعریف کی ہے ان سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ نسیم مرحوم کو کس بلا کی دقیقہ رس ذہین اور جدت پسند طبیعت ودیعت ہوئی تھی۔ آخر الذکر نے ان کی عقیدت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خود بھی ایک مثنوی "ترانۂ شوق" کے نام سے لکھی۔ لیکن جیسا کہ حضرتِ شوق نے خود اعتراف کیا ہے "مثنوی گلزارِ نسیم" کے درجے کو نہیں پہنچی۔ بیزبانِ اردو کی بدقسمتی تھی کہ نسیم عنفوانِ شباب ہی میں رحلت کر گئے نہیں تو خدا جانے آپ دنیائے ادب میں کیا کچھ کر دکھاتے۔ آپ کی یادگار غزلوں کی تعداد گو بہت کم ہے لیکن ان سے بھی شانِ استادی ظاہر ہے۔

پنڈت تربھون ناتھ صاحب ہجر مرحوم کا کلام ملاحظہ فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ اس گمنام صاحبِ کمال اور فطری شاعر نے قسامِ ازل سے کس قسم کی رنگین طبیعت پائی تھی۔ آپ کی طباعی۔ جدت پسندی۔ بے تکلفی۔ سلاست۔ روانی اور دیگر خصوصیاتِ کلام ہر ایک طالبِ کمال کے لئے باعثِ رشک ہیں۔ آپ کی شاعری۔ زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی پر چکبست مرحوم نے "مضامین چکبست" میں کافی روشنی ڈالی ہے اور آپ کو پبلک سے روشناس کرا کے ایک قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔

مندرجہ بالا مستند اور چوٹی کے مصنفوں اور شاعروں کے علاوہ آشفتہ۔ ابر۔ بیدل۔ (کیلاس نرائن) ساقی۔ سعد اور شوق (مولف تذکرہ) کا رنگِ تغزل

اس قسم کی جھلک دکھا رہا ہے کہ پرانے مشہور اساتذہ اور شعرائے شیریں مقال کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے۔ تصوّف اور معرفت میں حضرت ساحرؔ دہلوی کا کلام (فارسی و اردو) وجد آفرینی کر رہا ہے۔ شاکرؔ (شیو ناتھ کول) اور رعناؔ (دوارکا ناتھ ریننہ) کا طرزِ سخن پرانے رنگ کے ساتھ ساتھ نئے خیالات اور موضوعات کا جامہ پہنے ہوئے نظر آتا ہے۔ زارؔ کے کلام سے ان کی علمی استعداد (خصوصاً فارسی میں) عیاں ہو جاتی ہے۔ صبرؔ کی قصیدہ گوئی ایران کے اول درجے کے قصیدہ گو شعراء کی نظموں کا وہ جواب پیش کر رہی ہے کہ اس کی نظیر بمشکل ملے گی۔ پنڈت آنند نرائن صاحب ملّا کے رنگِ جدید اور طرزِ سخن کے تیور بتا رہے ہیں کہ اگر آپ کی مشقِ سخن جاری رہی تو وہ زمانہ دور نہیں جب آپ چکبستؔ مرحوم کے ہم پلہ قرار دے جائیں گے اور اس کمی کی تلافی کرینگے جو انکی بے وقت موت سے اردو ادب میں واقع ہوئی۔

بے انصافی ہوگی اگر اس سلسلے میں اپنے مشفق دوست اور خواجہ تاش پنڈت دینا ناتھ چکن صاحب مستؔ کا ذکر نہ کروں۔ اس گئے گذرے وقت میں بھی جبکہ کشمیر سے فارسی شاعری کا چراغ روز بروز گُل ہو رہا ہے اور اکثر اہلِ وطن اُردو کے مذاقِ صحیح سے نابلد ہیں۔ اگر ناظرین ہندوستان کے موجودہ اور نئے رنگ میں کہنے والوں کے دوش بدوش طرزِ جدید کی شاعری کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہوں تو حضرتِ مستؔ کا کلام پڑھکر ان کو مایوسی نہ ہوگی۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اکثر ان شعراء سے متعلق تھا جنھوں نے ہندوستان میں نام پیدا کیا ہے اور جن میں سے بعض صاحبِ طرز کہلائے۔ اب ایک سرسری نظر ان صاحب کمالوں پر دوڑائیے جو کشمیر کی چار دیواری میں محدود رہے اور جن کی شہرت باوجودیکہ اس امر کی مقتضی تھی کہ اطرافِ عالم میں پھیل جاتی زمانہ کی ناسازگاری اور پریس کی عدم موجودگی کے باعث پردہ اخفا میں پڑی رہی۔ پنڈت تابہ رام ترکی صاحب بیتابؔ نے جنھوں نے سنہ ۱۹۰۴ بکرمی میں رحلت کی

رزمیہ نظم لکھنے میں وہ داد سخنوری دی ہے کہ باید وشاید۔ ان کا جنگ نامہ پڑھئے تو یہی معلوم ہوگا کہ فردوسی اور نظامی کی روحیں یکجا ہوکران کے قالب میں جلوہ گر ہوئی ہیں۔

پنڈت آفتاب بھان صاحب ذکا کا (جو ۱۸۳۷ بکرمی میں وفات پاگئے) کلام بلاغت نظام پیش نظر کیجئے تو دیوان شمس تبریز کا رنگ اس میں پرتو پذیر دکھائی دیگا اور بظاہر یہ محسوس ہوگا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی روح ان میں حلول کرگئی تھی۔

کشمیر میں اور کشمیر سے باہر جن کشمیری پنڈت شعراء کا شمار اچھے کہنے والوں میں ہے ان میں سے حضرات بہار۔ خازن۔ خوش دل۔ درویش۔ دیوہ کول رضا۔ زیرک (ہردو)۔ شعلہ۔ وارستہ اور ہری وغیرہم کے اشعار ملاحظہ فرمائیے تو ان میں ایران کے مشہور اساتذہ کی بیشتر خصوصیات کلام نظر آئینگی۔ اسی طرح دیگر شعراء بجائے خود اپنے اپنے رنگ میں یکہ تاز ہیں۔

رسالہ "مشاعرہ" مین پوری بابت ماہ جنوری ۱۹۳۲ء میں مولوی سید نصیرالدین صاحب علوی ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی منصف باندہ نے اس تذکرہ کی جلد اول پر ایک فاضلانہ تبصرہ تحریر فرمایا ہے۔ جس انصاف پسندی اور ژرف نگاہی سے فاضل ریویو نگار نے نکتہ سنجی اور باریک بینی کی داد دی ہے انہی کا حصہ ہے۔ صاحب موصوف کا یہ تبصرہ ایک ادبی مقالہ سے کم نہیں۔ ابتدا میں مختصر مگر جامع طور پر ہندوستان کی تہذیب و تمدن اور تاریخی واقعات کا خاکہ کھینچنے کے بعد ملکی انقلابات اور کشمیری پنڈت صاحبان کا زبان فارسی و اردو سے تعلق دکھاتے ہوئے کتاب کے نفس مضمون پر اپنی زرّیں رائے کا جو اظہار کیا ہے اس سے آپ کی وسیع معلومات اور ادبی لیاقت کی بے اختیار داد دینی پڑتی ہے۔ برہمن۔ درویش۔ اصغری۔ اکبری۔ ضمیر۔ سرور۔ ساقی۔ آذر۔ اخگی۔ ایمن۔ بیدل۔ توقیر۔ خوشدل دریا۔ بسمل۔ رضا۔ صبر۔ سرشار اور تابہ رام ترکی بیتاب کا نمونہ کلام پیش کرکے

آپ فرماتے ہیں اور بجا فرماتے ہیں "مندرجۂ بالا مختلف کاشمیری پنڈت صاحبان کے جواہر ادبیہ بتلاتے ہیں کہ ان کی غزلیات میں فغانی۔ سعدی۔ حافظ شیرازی۔ جامی۔ خسرو۔ طالب آملی۔ کلیم۔ نظیری نیشاپوری۔ صائب۔ شیخ علی حزیں۔ اور قاآنی وغیرہم کی کیفیات موجود ہیں۔ رباعیات میں عمر خیام۔ ابوسعید ابوالخیر اور سرمد رحمۃ اللہ علیہ کا رنگ جھلک رہا ہے۔ قصیدے میں وہ فیضی۔ عرفی۔ انوری کے پیروان خاص اور مثنوی میں گو فردوسی مثال نہ ہوں لیکن جامی۔ نظامی کے مقلدین باختصاص ہیں۔ ان کے قلم نے تصوف۔ فلسفہ۔ پند۔ موعظت۔ عشق۔ معرفت۔ شوخی۔ معاملہ بندی تخیل و محاکات۔ غرض انواع واقسام کے جذبات وخیالات کے دریا بہا دئے ہیں۔ ان کے کلام کو دیکھ کر یہ خیال ہی نہیں ہوتا کہ وہ اساتذۂ ایران واسلام کا کلام نہیں"

قصیدے کے بارے میں صاحب موصوف لکھتے ہیں "قصیدہ گوئی کے 'مہذب کاسہ گدائی' ہونے میں شک نہیں۔ غالباً اس قوم کی غیرتمندی نے اسے اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیا۔ تاہم جن لوگوں نے ضرورتاً اس میدان میں قلم رانی کی اور قصیدے لکھے۔ خوب لکھے"

اپنے قول کی تائید میں مولوی صاحب نے سرشار اور سعد کے قصائد مثال دئے ہیں سلہ

رباعی کے متعلق فاضل مضمون نگار کے الفاظ ملاحظہ ہوں "اردو میں یہ صنف بہت کم لوگوں کا شعار رہی ہے اور ہر ایک شاعر کا اس ذیل میں بہت کم کلام ہاتھ آتا ہے۔ جو رباعیات ہاتھ آئی ہیں خوب اور بہت خوب ہیں" اس کے ثبوت میں اہر۔ راقم الحروف اور آذر کی ایک ایک رباعی درج کی گئی ہے۔

غزل پر اظہار رائے کرتے ہوئے صاحب موصوف رقمطراز ہیں:۔ فارسی کی طرح

سلہ معلوم ہوتا ہے فاضل ریویو نگار نے "ضمیمہ" کا مطالعہ نہیں فرمایا ہے ورنہ ان کی دقیقہ رس نگاہوں سے غزلیات میں دیگری اور قصیدے میں ضمیر نظر انداز نہ ہو جاتے۔ (طالب)

اردو میں بھی یہ قوم اس میدان میں بہت ہی عالی پایہ پر جلوہ گر ہے اور اسکی خاص وجہ
یہ ہے کہ سراپا حسن ہونے کے باعث سراپا درد بھی ہے۔ اسکے احساسات و جذبات مشتعل
ہیں اور یہ وہ شے ہے جس سے قالبِ تغزل میں روح پھونکتی ہے۔ کشمیری پنڈتوں نے بھی
عام ہندوستانی اساتذہ کی طرح عہد بہ عہد محبوبۂ غزلِ اُردو کو نئے نئے جامے پہنائے اور
حسن وعشق۔ ہجر و وصال۔ درد۔ سوز۔ حبِ قوم۔ حبِ ملک۔ بیزاریِ دنیا۔ معرفت۔
تصوّف۔ فلسفہ وغیرہ کے بیل بوٹوں سے اس کے جامہ کو گلکار کیا ہے۔"

اس سلسلے میں مولوی صاحب نے اکبرؔی۔ بیدلؔ۔ تاباںؔ۔ توقیرؔ۔ چاندؔ۔ ابرؔ۔
رکنؔ۔ رندؔ۔ ساحرؔ۔ سرشارؔ۔ شادؔ۔ شوقؔ۔ چکبستؔ اور پنڈت اوتار لال بقایا
کے کلام سے نمونے پیش کئے ہیں۔

آگے چل کر رنگِ جدید میں پنڈت آنند نرائن صاحب ملّا اور راقم الحروف کی
ایک ایک نظم درج کرکے مجموعی طور پر اپنی رائے کا خلاصہ یوں درج کرتے ہیں:۔

"کلام محولۂ بالا میں میرؔ۔ سوداؔ۔ آتشؔ۔ ناسخؔ۔ غالبؔ۔ ذوقؔ۔ انیسؔ۔ امیرؔ
داغؔ۔ اکبرؔ۔ حالیؔ و اقبالؔ اور جملہ اساتذۂ اردو کے کلام کی سی پختگی و سلیم المذاقی
موجود ہے۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ آتشؔ۔ انیسؔ۔ غالبؔ سے چونکہ
اس قوم کو خاص عقیدت ہے لہٰذا ان کے کلام میں ان کی کیفیات زیادہ پائی جاتی
ہیں اور لکھنؤ اور دہلی اسکول کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔"

یہ صاحب موصوف کی دریا دلی کہوں یا حسنِ ظن کہ ناچیز راقم الحروف کو اس قابل
سمجھا گیا کہ رباعی اور طرزِ جدید کے سلسلے میں اسکا بھی ذکر آ گیا۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔
تذکرے کے محاسن کی نسبت تو میں ہرزہ سرائی کر چکا۔ اب اسکے نقائص کی جانب
خیال کیجئے۔ قطع نظر چند فرو گذاشتوں اور خامیوں کے جن کی نسبت مولوی سید نصیر الدین
صاحب علوی نے اشارہ کیا ہے اور جو راقم الحروف سے بھی تذکرہ کے سرسری مطالعہ کرنے
پر نظر انداز نہ ہوئیں اور جن کی طرف حضرت مولف کو اس سے پیشتر توجہ دلائی گئی اس میں
اور نقائص بھی موجود ہیں۔ مثلاً آشفتہ دہلوی کے متعلق فقط تذکرۂ "خمخانۂ جاوید" سے

حالات نقل کرنے پر اکتفا کی گئی ہے حالانکہ ایسے شاعر کی بنسبت مزید حالات اور کلام بہم پہنچانے میں زیادہ تحقیق وتلاش کی ضرورت تھی۔عرصہ ہوا کہ ایک بزرگِ قوم کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ حضرتِ آشفتہ نے ایک قابل قدر مثنوی (غالباً قصّہ حاتم طائی) تصنیف فرمائی تھی اگر بزرگانِ قوم سے استفسار فرمایا جاتا تو غالباً کسی نہ کسی کے پاس اس کی نقل مل جاتی۔ اس کا انتخاب درج کرنے سے قارئین کرام یقیناً محظوظ ہو جاتے اور حضرتِ آشفتہ کے جوہرِ قابلیت زیادہ واضح طور پر نمایاں ہو جاتے۔ پنڈت آنند نرائن صاحب ملا ایک نوجوان ہونہار۔ زندہ دل اور موزوں طبع شاعر ہیں۔ ان کے حالات اور انتخابِ کلام کا حصہ اس تذکرے میں جتنا درج ہونا چاہیئے تھا نہیں ہے۔میری رائے میں انکے متعلق حالات کا دستیاب ہونا یا ان کے کلام کا حسب ضرورت بہم پہنچانا مشکل نہ تھا۔برخلاف اس کے بعض شعراء کے تحت میں زائد از ضرورت اشعار نقل کئے گئے ہیں یعبض شعراء کے حصۂ کلام میں تضمین کی نظمیں بکثرت درج کی گئی ہیں جو طویل ہونے کے باعث پڑھنے والے کی طبیعت پر گراں معلوم ہوتی ہیں۔خصوصاً اس حالت میں کہ جب ان میں کوئی خاص دلکشی یا لطافت نہ ہو۔ مثال کے طور پر صابر کا کلام لیجئے جس کے لئے تقریباً تیس صفحے سیاہ کئے گئے ہیں۔ اس قسم کا انتخاب دینے سے بجائے اس کے کہ ناظرین کی دلچسپی کا سامان مہیا کیا جائے اور شاعر کے حسنِ بیان کا اظہار ہو انسان کی طبیعت اُکتا جاتی ہے اور سخنگو کے عیوبِ کلام بکثرت منکشف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جناب صاحب کے حالات میں اختصار سے کام لینا چاہیئے تھا۔ مانا کہ حضرت صاحب شاعر بھی تھے اور ان کے حالاتِ زندگی سبق آموز بھی ضرور ہیں لیکن ایسے تذکرے میں ہر شاعر کے حالات کی کمی وبیشی کا انحصار اس کی شاعرانہ قابلیت اور زورِ طبع پر ہونا چاہیئے نہ کہ دیگر خصوصیات پر اس لئے کہ یہ تذکرہ ہے نہ کہ تواریخ۔

اخیر میں جناب شوق کی بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کا ذکر نہ کرنا بعید از انصاف ہوگا جنھوں نے نہایت عرقریزی۔ جانفشانی۔محنت شاقہ اور کاوش سے اس تذکرے کو مرتب کرکے اہلِ قوم کے حق میں مسیحائی کی ہے۔ ایک تذکرہ نویس کو سینکڑوں

گمنام شعراء کے حالات بہم پہنچانے اور ان کو بالترتیب یکجا کرنے میں جن جن دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنھوں نے کبھی ایسے مشکل اور اہم کام کے لئے قلم اُٹھایا ہو۔ میرا اپنا تجربہ شاہد ہے کہ جس وقت میں نے جنابِ شوقؔ کی تعمیل ارشاد میں کشمیر کے فارسی شعراء کے حالات و کلام جمع کرنے کی کوشش کی تو کس قدر زیر باری اور دردِ سری کا شکار ہونا پڑا۔ باوجود ان تمام سہولتوں کے جو مجھے ایک مقامی آدمی کی حیثیت سے میسّر تھیں اور اپنے بعض کرمفرماؤں اور علم دوست اصحاب کی اعانت شاملِ حال رہی محض چند شعراء کے حالات و کلام جمع کرنے کے لئے تقریباً دو سال تک در بدر خاک چھاننی پڑی اور پھر بھی خاطر خواہ کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ میرے مشفق دوست حضرت مستؔ جن کو میں نے اکثر اوقات اس تلاش کے دوران میں ہمراہی کی تکلیف دی اس بیان کے شاہد ہیں۔ بصد مشکل آخون[۱] (پنڈت ٹیکارام جیو)۔ آخون[۲] (پنڈت لچھمن بٹ)۔ بدر[۳]۔ بہار[۴] (پنڈت لسہ کول)۔ بقا[۵]۔ بلبل[۶]۔ بیتاب[۷] (پنڈت تابہ رام ترکی)۔ ثابت[۸]۔ چالاک[۹]۔ حضوری[۱۰] (پنڈت دیوہ رام کاچرو)۔ حضوری[۱۱] (پنڈت ہرہ کول)۔ خازن[۱۲]۔ خستہ[۱۳]۔ دلگیر[۱۴]۔ دیری[۱۵]۔ دیوہ[۱۶]۔ روشن[۱۷]۔ سائل[۱۸]۔ سعادت[۱۹]۔ سالک[۲۰]۔ سخنور[۲۱]۔ شاد[۲۲]۔ وفا[۲۳] (پنڈت دیوہ رام سادھو)۔ صبا[۲۴] (پنڈت کیلاس کول)۔ طالع[۲۵]۔ غیوری[۲۶]۔ فرخ[۲۷]۔ ماہ[۲۸]۔ مسرور[۲۹] (پنڈت بلہ کاک فوطہ دار)۔ مسکین[۳۰]۔ ناصر[۳۱]۔ نیکو[۳۲]۔ واسدیو[۳۳]۔ وارستہ[۳۴]۔ ہندوا[۳۵]۔ ہری[۳۶]۔ پنڈت کرشن داس مٹھو[۳۷]۔ بخنور[۳۸]۔ وشن[۳۹]۔ شاکر[۴۰] (پنڈت کاشی ناتھ)۔ وغیرہ کے حالات و کلام (اور وہ بھی بعض صورتوں میں نامکمّل) دستیاب ہوئے۔ اِس سے ناظرینِ والاتمکین خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ جب ان معدودے چند شعراء کی فراہمیِ سوانح و کلام میں مجھے اتنی دقتیں پیش آئیں تو جس صاحب کو

سینکڑوں شاعروں کے حالات وکلام کی تحقیق وتلاش مطلوب ہو اور وہ بھی دور اُفتادہ مقامات سے تو اس کی دقتوں اور مشکلات کا کیا ٹھکانہ ہو سکتا ہے۔

حضراتِ بیخبرؔ اور گلشنؔ بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے اس تذکرے کی اشاعت وترتیب اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

میری دلی دعا ہے کہ جناب شوقؔ اور ان کے معاونین کو خدائے بزرگ وبرتر درازیٔ عمر وصحت عطا کرے تاکہ وہ بیش از بیش ایسے قومی کام انجام دینے کے قابل اور "بہارِ گلشنِ کشمیر" کا دوسرا ایڈیشن جامع ومکمل طور پر عنقریب شائع کرنے پر قادر ہوں۔ آمین ثم آمین۔ فقط

مرقومہ ۲۵؍اپریل ۱۹۳۲ء

تقریظ منظوم از رشحۂ خامۂ جادوطراز سخنور نکتہ سنج
جناب پنڈت شیوناتھ کول صاحب شاکر

اپنے مخدوم و کرمفرما جنابِ شوقؔ کا — شکر ہم ہر وقت کرتے ہیں تہِ دل سے ادا
تذکرے کے دونوں حصّے ہیں جو 'پہلے' 'دوسرے' — ہوگئے ہیں طبع کے زیور سے وہ آراستا
آپ کے لطف و عنایت کا ہو کیا ہم سے بیاں — آپ کے خلق و محبّت کی ہے شہرت جابجا
آپ کا حسنِ لیاقت - آفریں صد آفریں — آپ کا رنگِ طبیعت - مرحبا صد مرحبا
بے گماں ہے لایقِ داد - آپ کی طبعِ بلند — واقعی ہے قابلِ صاد - آپ کی فکرِ رسا
تذکرہ شعرائے قومی کا جو لکھا آپ نے — ہم تو کہتے ہیں کہ کوزے میں سمندر بھر دیا

اس سے پہلے جلد اول چھپ کے جب شائع ہوئی — پڑھ کر اُس کو ہو گیا مسرور ہر چھوٹا بڑا
جس نے دیکھی شان اُسکی - رہ گیا حیران وہ — جس نے دیکھا حُسن اُس کا - بول اُٹھا واہ وا
ہے ورق ایک ایک اسکا رشکِ روئے گلرخاں — اور ہے ایک ایک صفحہ اُس کا ماہ و مہ لقا
اُس پہ ہیں سو جان سے قربان مہر و ماہتاب — اُس کا ایک اک شعر ہے ایسا لطیف و پُرضیا
اُسکے ایک اک حرف سے - بے آب موتی کی لڑی — اُسکے ایک ایک لفظ سے - شرمندہ لعلِ بے بہا
اُس کے صفحوں پر نظر آتے ہیں نقطے اس طرح — آسماں پر جیسے بکھرے ہوں ستارے جا بجا
بندشیں بھی چست ہیں الفاظ بھی ہیں دلفریب — کیوں نہ ہو کانِ فصاحت قوم کا یہ تذکرا
یہ فصاحت - یہ بلاغت - یہ سلاست - یہ زباں — یہ نفاست - یہ لطافت - یہ متانت - یہ ادا
چشم بد دور اس میں آتا ہے نظر ہر اہلِ قوم — اہلِ علم و اہلِ فضل و صاحبِ فکرِ رسا

شاعری کو جو سمجھتے تھے کہ ہے شغلِ فضول — اور شوقِ شعر گوئی کو جو کہتے تھے بُرا
جب پڑھا یہ تذکرہ - عقل اُنکی حیراں ہو گئی — اور ذوقِ شاعری بھی دل میں پیدا ہو گیا
شاعری سے ہی عروجِ فکر ہے انسان کو — شاعری میں ہی زباندانی کا آتا ہے مزا

شاعری سے آدمی میں جوہرِ تہذیب ہے
شاعری سے سیکھتا ہے ہر بشر خلق و وفا

شاعری کا دامنِ دل پر نہ جسکے رنگ ہو
کام کا کب ہے وہ کورا آدمی ہے نام کا

شاعری سے آدمی کو آئی ہے انسانیت
سچ جو پوچھو شاعری میں ہے کوئی جلوہ نما

آدمی وہ کیا۔ جسے شعر و سخن کا ہو نہ ذوق
پھول وہ کیا۔ ہو نہ جس میں رنگ و بو گلزار کا

آنکھ وہ کیا۔ جس میں کچھ تاثیر کی طاقت نہ ہو
دل وہ کیا۔ دردِ محبت سے نہ ہو جو آشنا

وہ بدن کیا۔ ہو نہ جس میں رونقِ عہدِ شباب
وہ چمن کیا۔ ہو نہ جو فرحت فزا و پُر فضا

وہ بیاں کیا ہے۔ نہ ہو جس میں بیانِ جذباتِ دل
وہ زباں کیا ہے۔ جو گویائی سے ہو نا آشنا

مختصر اب عرض کرتا ہوں جو کرنی ہے مجھے
کیوں ہو بارِ خاطرِ احباب طولِ مدعا

یہ بہارِ گلشنِ کشمیر کی جلدِ دوم
ہو گئی تیار چھپ کر اب بہ فضلِ کبریا

طائرِ مضموں ہیں اب شاخوں پہ اسکی نغمہ زن
چھپ گئی یہ کیا کہ گویا درِ قفس کا کھل گیا

درحقیقت یہ "بہارِ گلشنِ کشمیر" ہے
کر نہیں سکتا ہے کوئی اس میں کچھ چون و چرا

سیر کرتے ہیں یہیں سے گلشنِ کشمیر کی
مل گئی گھر بیٹھے ہم کو باغِ جنت کی فضا

کیا طرب افزا بہارِ گلشنِ کشمیر ہے
کیوں نہ ہو قربان اس پر جانِ اربابِ صفا

یہ وہ گلشن ہے۔ خزاں اس میں نہ آئے گی کبھی
یہ وہ گلبن ہے۔ رہیگا جو یہیں پھولا پھلا

اس میں آکر بس گئے ہیں قوم کے خورد و کلاں
اس میں آتے ہیں نظر خویش و عزیز و اقربا

جن کے گھر ہی میں بہارِ گلشنِ کشمیر ہو
گلشنِ فردوس میں کیا آئے پھر اُس کو مزا

ہم کو گھر بیٹھے میسر سیر ہے کشمیر کی
ہم اب اپنے بھائیوں سے ملتے ہیں صبح و مسا

حضرتِ شوق آپ کی فکرِ رسا اعجاز ہے
سارے قومی بھائیوں کو جمع یکجا کر دیا

کر دکھایا زندۂ جاوید اہلِ قوم کو
واقعی یہ آپ نے کارِ مسیحائی کیا

دل میں جو ہردم ہے میرے۔ وہ یہی ہے آرزو　　لب پہ جو ہر وقت ہے میرے۔ یہی ہے وہ دعا

گلشنِ قوم اپنا رونق پر رہے یارب مدام　　ہو نمونہ یہ بہارِ گلشنِ کشمیر کا

سب پر اسکو فوق ہو شاکر۔ یہی فایق رہے

خوبیوں میں اس کا ثانی ہو نہ کوئی دوسرا

فقط

قطعہ تاریخی از نتیجۂ فکر شاعر نازک خیال سخنور عالی ہمم

جناب پنڈت کنور گوری پرشاد صاحب ہمدم اکبرآبادی

رشک فردوس کر دیا کشمیر

ہے بڑی بات نام کا رہنا

سر فدا کرنے آرہی ہے بہار

حضرت شوق واہ کیا کہنا

۱۴۰۸ + ۴۰۶　　۱۲ + ۳۱ + ۷۶

سنہ ۱۹۳۳ء

سنہ ۱۹۳۱ء

قطعہ تاریخ

از نتائجِ افکارِ گُہر بار عندلیبِ ریاضِ سُخن
جناب دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول صاحب گلشن
رئیسِ لاہور

کشمیر کے گُلشن کی بہار — آہا! کیا رُوحانی ہے

سُخن کے پھول کھلاتی ہے — خوشبو بھی مستانی ہے

نغمۂ بُلبُل سُن گُلشن

تذکرہ لاثانی ہے

۱۹۳۲ء

فہرست شعرائے مندرجۂ تذکرہ بہارگلشن کشمیر جلد ثانی
بہ لحاظ تخلص

فہرست شعرا مندرجۂ ضمیمۂ جلد اوّل

فہرست تصاویر شعرائے مندرجہ تذکرہ بہار گلشن کشمیر جلد ثانی
بہ لحاظ تخلص

نمبر شمار	تخلص	نام شاعر	صفحہ	نمبر شمار	تخلص	نام شاعر	صفحہ
۱	اٹل	پنڈت کشن لال اٹل	۸۱۱	۱۵	عاجز	پنڈت شیونراین بھان	۱
۲	الک	شریمتی روپ بھوانی دختر		۱۶	عاشق	پنڈت کنہیالال صاحبین	۱۵
		پنڈت مادھو جیو در	۸۲۱	۱۷	عاشق	پنڈت شیام نراین تکو	۲۱
۳	اوتار	پنڈت اوتار کشن تکو	۸۳۴	۱۸	عاشق	پنڈت شیوراج ناتھ کول لقابلی	۱۹
۴	برہمن	پنڈت چندر بھان	۸۱۱	۱۹	عاصی	پنڈت ہری ہر ناتھ مٹو	۳۸
۵	بیغرض	پنڈت نندلال در	۸۶۵	۲۰	عاصی	پنڈت ہر نراین عرف بشمبر ناتھ ہاکسر	۷۴۸
۶	پران	شریمتی پران کشوری کچلو	۸۶۷	۲۱	عاصی	پنڈت سروپ نراین بھان	۴۰
۷	جلالی	پنڈت دھرم چند کول	۸۱۱	۲۲	عرش	پنڈت رتن نراین در	۷۵۱
۸	در	پنڈت مہاراج نراین در	۸۷۹	۲۳	عزیز	پنڈت کرتا کشن رینہ گورٹو	۴۹
۹	درد	پنڈت مادھو پرشاد کول شہرغہ	۸۸۲	۲۴	عشرت	پنڈت دیاندھان گنجور	۵۲
۱۰	سحر	پنڈت اقبال کرشن	۸۹۷	۲۵	عیش	پنڈت کنور نرنجن ناتھ مدن	۵۹
۱۱	سوشیلا	شریمتی سوشیلا تکو عرف جگکشوری	۹۱۳	۲۶	فدا	پنڈت جگموہن ناتھ ہکو	۶۱
۱۲	شیدا	پنڈت امرناتھ صاحبین	۹۴۱	۲۷	فرخ	پنڈت راجہ کاک در	۹۲
۱۳	صابر	پنڈت بشمبر ناتھ سپرو	۸۱۱	۲۸	فریاد	پنڈت تربھون ناتھ بھان	۸۸
۱۴	صبر	پنڈت بشن نراین ہاکسر	۹۵۵	۲۹	کامل	پنڈت جگجیون ناتھ تکرو	۱۳۷

نوٹ:- تذکرہ "بہار گلشن کشمیر" کی جلد اول کے شایع ہونے کے بعد تصاویر دستیاب ہوئیں اس لئے:

(۱) پنڈت چندر بھان برہمن کے حالات اور کلام جلد اول میں صفحہ ۱۱۲ پہ۔
(۲) پنڈت دھرم چند کول جلالی کے حالات اور کلام جلد اول میں صفحہ ۱۹۵ پر اور
(۳) پنڈت بشمبر نا تھ سپرو صابر کے حالات اور کلام جلد اول میں صفحہ ۵۴۱ پر ملاحظہ کیجئے۔

پنڈت شیونراین بھان ۔ عاجزؔ

اوم

تذکرہ بہار گلشن کشمیر

جلد دوم

عاجز۔ پنڈت شیونرائن بھان صاحب خلف اکبر پنڈت
سروپ نرائن بھان صاحب عاصی۔ آپ ہائی اسکول جموں ریاست کشمیر میں
ایک مدت تک ہیڈ ماسٹر رہے اور اس کے بعد انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے
اب آپ مستفید پنشن ہو کر جموں میں قیام پذیر ہیں۔

قطعہ تاریخ ناول موسوم بہ حیرت مصنفہ جناب ہمدم اکبر آبادی

کیا نثر تمہاری دل کشا ہے — اور نظم تمہاری بے بہا ہے
کیا کہنا تمہارا واہ ہمدم — ہر بات میں اک نیا مزا ہے
ہر بات نئی ہی سوجھتی ہے — کیا ذہن رسا ہے کیا ذکا ہے
مضمون رنگیں عجیب بندش — ہر فقرہ تمہارا چلبلا ہے
حیرت ناول کی دھوم سنکر — ہر ایک خریدنے چلا ہے
حاصل کرتے ہیں لوگ عبرت — ہر قول نصایح سے بھرا ہے
پڑھکر حیرت کو سب ہیں حیراں — ہر لب پہ تمہاری واہ واہ ہے

سال ہجری میں لکھدو تاریخ
اچھا یہ گلشن فضا ہے
۱۳۲۱ھ

عاجزؔ۔ پنڈت لچھمی نارائن بھان صاحب

خلف اکبر پنڈت جگت نرائن بھان صاحب۔ مفصل حالات عاصیؔ اور خادمؔ کی سوانحعمری میں درج ہیں۔ آپ فقیر منش بزرگ تھے ادھر ایشور بھگتی کی طرف آپ کی طبیعت کا زیادہ رجحان تھا۔

پرتھم میں گنیش جی کو دھاؤں ۔۔۔ چرنوں میں اُنھوں کے سر نواؤں
جاسوں مجھے برہم گیان ہووے ۔۔۔ ست کرم میں میرا دھیان ہووے
جے جے سری کرشن جی مہاراج ۔۔۔ جگ کے تمہی سب سنوار ہو کاج
برہما بشن اور مہیش تم ہو ۔۔۔ بھیروں ٹھکُر اور گنیش تم ہو
ایکادش رُدر اور ہنومان ۔۔۔ سب انس تمہارے ہیں یہ بھگوان
نربھے نرلیپ اور نراکار ۔۔۔ تم جوتی سروپ ہو نرآدھار
سب لوک کے ناتھ ہو بدھاتا ۔۔۔ تم سرب سُکھی ہو پران داتا
آکاش پرتھی میں جو رچا ہے ۔۔۔ سارا پرکاش آپ کا ہے
رکھ من دلی دیو اور تپنیسر ۔۔۔ تیرے ہی سروپ میں یہ ایشور
سورج ششو اندر اور چند ۔۔۔ تم سب میں برا جو پرم آنند
سب سے نیلے اور سب تے نیارے ۔۔۔ تم نے یہ اننت روپ دھارے
تم ہیں کہوں استر کون سے کو ۔۔۔ جو درشٹ میں آ رہے ہے سو تم ہو
کچھ اور تو جانتا نہیں میں ۔۔۔ تم سب میں ہو اور تم میں سب ہیں
پرم ایشر پرم برہم ہے ناتھ ۔۔۔ سر پر مرے اپنا تم دھرو ہاتھ
یہ کون سی بات ہے بتاؤ ۔۔۔ اپنی مجھے یاد سے کھلاؤ
مجکو بھی تو اپنی بھگت دیجے ۔۔۔ دھرم اور کرم کی شکت دیجے
بھگوان یہ میری بنتی سُن لو ۔۔۔ نرمل مری بدّھی ایسی کر دو

جس سے تمھیں رات دن میں دھیاؤں کسی اور میں من نہیں لگاؤں

ہے پربھو جو تمھارے چت کو بھاوے مجھے وہی ہر سمے بن آوے

کوئی ایسی کرپا ہو موپہ ہے رام بولیں مرے روم روم ہر نام

اچھا نہیں من میں کچھ دھروں میں سب برہم کے ارپن کروں میں

اُپجے مرے چت سے وہ کوئی گیان جس سیتی پڑے تمھاری پہچان

سنسار کی ساری بات تج دوں چھن چھن میں تمھارا نام سمروں

من اور کرم سے میرا ہٹ جائے چرنوں میں رہے تمھارے ہی آئے

ولہ

گنہ بخشو مرے سیتا کی عصمت کے تصدق میں گنہ بخشو مرے رادھا کی الفت کے تصدق میں

سراپا جرم ہوں افعال سے اپنے میں نادم ہوں مری بخشش ہو جسمت کی محبت کے تصدق میں

تعجب کیا جو ہو وے عفو میرے جرم اور عصیاں شُدآماے سفر کی رنج و محنت کے تصدق میں

خطاؤ جرم سے میرے گذرا اے صاحبِ حشمت ہنومانِ جری کے زور و قوت کے تصدق میں

چھڑاؤ مجکو اس زندانِ غم سے اے مرے مالک جنابِ جانکی کی قیدِ حسرت کے تصدق میں

مجھے اس کلبۂ احزاں سے اب جلدی رہائی دو تمھی ویول منی کے زہد و طاعت کے تصدق میں

ترا ہی نام سمروں رات دن توفیق ایسی دے شری دوارامتی کے کاخِ دولت کے تصدق میں

مجھے دونوں جہاں کی آبرو اور سرخروئی بخش شری دُرپدستا کے پاسِ حرمت کے تصدق میں

مری عرضِ تمنا کو ملے درجہ اجابت کا دُھرو سے بھگت کے ذوقِ عبادت کے تصدق میں

پڑا ہوں بیکس و تنہا خبر اے رام میری لو شہِ سگریو و انگد کی رفاقت کے تصدق میں

کرم سے اپنے میرا نامۂ اعمال دھو دیجے شری گنگا کی ہر اک موجِ رحمت کے تصدق میں

مجھے سر منزلِ مقصودِ دل پر اپنے پہونچا دو طوافِ برج اور اسکی زیارت کے تصدق میں

طلوعِ صبحِ عشرت سے بدل ہو شامِ ناکامی شبِ راس اور اسکے جشنِ عنبر کے تصدق میں

فنا دشمن ہو کو دِ حشم ٹلے ہو کامنا پوری تری قدرت و قوت اور شفقت کے تصدق میں

عطا کر نعمتِ دنیا بحسب خواہش خاطر
شری باونکی چھل بل کی سخاوت کے تصدق میں

مرے دام تمنا میں پھنسا دے صید مطلب کا
جٹایو طائرِ فرخندہ طلعت کے تصدق میں

مری کشتِ تمنا کو کرو شاداب رحمت سے
شری بندرابن محو وجنت کے تصدق میں

میں عاجز تو توانا ہے میں سائل ہوں تو داتا ہے
عفو کر جرم میرا فضل و رحمت کے تصدق میں

ولہ

دلا تجھکو گدائے درِ رگھبیر کافی ہے
حصولِ عیشِ دایم کو یہی تدبیر کافی ہے

نہیں درکار دیہیم و سریرِ خسروی ہم کو
ہمیں اقلیمِ عشقِ رام کی جاگیر کافی ہے

زباں سے نام سیتارام نکلے تا دمِ آخر
دلا وردِ محبت کی یہی تاثیر کافی ہے

برائے قطعِ زنجیرِ غم و افلاس و ناکامی
شری رگھبیر بھجن کی ہاتھ میں شمشیر کافی ہے

نہیں گو ہمکو کا فرغم نہیں تسکین ظاہر کو
جناب جانکی و رام کی تصویر کافی ہے

نہیں ہے منعمانِ دہر کی پروا ذرا ہمکو
ہمیں عاجز گدائے درِ رگھبیر کافی ہے

عاجز۔ پنڈت موتی لال کول شرغہ صاحب خلف پنڈت مہتاب رائے صاحب لکھنوی

آپکے حالات زندگی جناب پنڈت برجکشور شیوپوری صاحب ریٹایرڈ تحصیلدار ریاست بھرتپور کے ارقام فرمائے ہوئے ہیں جو نہایت شکریہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

جناب عاجز کے والد ماجد پنڈت مہتاب رائے صاحب پوسٹ ماسٹر تھے۔ جب دورِ جوانی ہی میں انکی بصارت نے جواب دیا تو انھوں نے اپنی جگہ پر اپنے خویش یعنے پنڈت گوری شنکر صاحب شیوپوری عرف چھجبلی کو مقرر کرایا اور خود خانہ نشین ہوگئے۔ پنڈت موتی لال صاحب کے ایک بڑے بھائی پنڈت کنہیا لال صاحب مشتاق تھے اور چار بہنیں تھیں۔ بڑی ہمشیر پنڈت برجکشور صاحب کی دادی تھیں۔ اور سب سے چھوٹی بہن پنڈت جواہر لال در صاحب کے عقد میں آئی تھیں۔ جنکے لڑکے پنڈت اقبال کشن در صاحب کشمیر میں اکاؤنٹینٹ جنرل رہکر حال میں مستفید پنشن ہوئے ہیں۔ عاجز اور مشتاق دونوں بھائیوں نے اپنی ماموں پنڈت شیو پرشاد کاک صاحب متخلص بہ مجبور کی خدمت میں رہکر تربیت و تعلیم پائی۔ اس سلسلہ میں جناب مجبور کے حالات زندگی ملاحظہ ہوں۔ جناب موصوف جب میر منشی ایجنسی راجپوتانہ مقرر ہوکر

بھرتپور سے اجمیر چلے گئے تو انکی جگہ پر موتی لال صاحب پولیٹکل ایجنسی بھرتپور میں میر منشی مامور ہوئے اور
تین سال بعد آپ بھرتپور سے پولیٹکل ایجنسی الور میں تبدیل ہوگئے۔ پولیٹکل ایجنسی بھوپال میں پنڈت
درگا پرشاد صاحب کاک منجانب ریاست عہدۂ وکالت پر مامور تھے جو اس زمانہ میں ایک ممتاز اور جلیل القدر
عہدہ سمجھا جاتا تھا۔ پنڈت صاحب موصوف نے جناب عاجز کو وہاں طلب کر لیا اور اپنا نائب بنایا۔ بعد
وفات کاک صاحب آپ عہدۂ وکالت پر سرفراز ہوئے کئی سال نیک نامی سے اپنے فرائض منصبی آپنے
انجام دئے اور اسکے بعد آپ رزیڈنسی گوالیار میں میر منشی مقرر کئے گئے۔ بھائی کے انتقال کرنے پر جناب
پنڈت موتی لال صاحب ملازمت چھوڑکر بھرتپور تشریف لے آئے آپکو بھائی کی جدائی کا بڑا غم ہوا تھا۔
اسقدر گریہ وزاری کرتے تھے کہ بصارت میں کمی آگئی۔ [illegible]ء میں مہاراجہ صاحب منگل سنگھ والی ریاست الور
کو ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے ضرورت ایک قابل اور ماہر افسر کی ہوئی۔ مہاراجہ صاحب نے اپنا وکیل و
مختار بنا کر آپکو کوہ آبو پر بھیجا مقدمہ مہاراجہ کے حق میں فیصل ہوا۔ پھر مہاراجہ صاحب نے آپکو خاص الور کا تحصیلدار
مقرر کردیا۔ بینائی نے جواب دیدیا تھا۔ آپکو الور سے بھرتپور آنا پڑا۔ اسی عرصہ میں آپکے اہل خانہ کا بعارضہ تپ دق
انتقال ہوگیا۔ [illegible]ء میں آپنے پنڈت امرناتھ جی کو متبنی کیا۔ [illegible]ء میں بمقام دہلی آپ نے جنت کی راہ لی۔
امرناتھ جی اسوقت تک نارتھ ویسٹرن ریلوے میں بمقام جیند گارڈ ہیں۔ جناب پنڈت موتی لال صاحب بڑے
سادہ مزاج خلیق۔ ماہر فنون تھے آپکو علم موسیقی میں بھی دخل تھا ستار۔ دف و چنگ وغیرہ کے بڑے مشاق تھے
گنجفہ۔ شطرنج۔ چوسر اکثر کھیلتے تھے۔ اور پتنگ اڑانے میں بھی آپکو کمال تھا۔ جناب مرحوم کی پنڈت برجکشور شیوپوری صاحب
پر کمال شفقت تھی۔ حالت بینائی میں تصنیف دیوان فارسی پر توجہ تھی اور اپنا کلام تحریر کراتے تھے۔ افسوس کہ
جناب عاجز کی تصنیفات باوجود کوشش کے دستیاب نہو سکیں

عمر است کہ بیتاب جبینی آں را — نقشے است کہ بر آب ببینی آں را
دنیا خوابے ست زندگانی در وے — خوابے است کہ در خواب ببینی آں را

عقدۂ گیسوے پیچان تو بے چیزے نیست — آب و تاب رخ تابان تو بے چیزے نیست
چشمۂ آب حیات است پئے تشنہ لباں — شہرۂ چاہ زنخدان تو بے چیزے نیست
شمع ساں خامشی از سوختن پروانہ — جا من سوزش پنہان تو بے چیزے نیست
برگ ریزی مگر از نخل حیا تم خواہی — گل صد برگ بداماں تو بے چیزے نیست
پردہ برہم زدی از حسن و مرا جان دادی — ایں نمو داری احسان تو بے چیزے نیست

صاف ایماست بہ گل کردنِ شمعِ جانم — شگفتگی از لبِ خندان توبے چیزے نیست
مصحفِ چہرہ کہ با کاکلِ ہندو یک جاست — دعویٰ کفر بہ ایمان توبے چیزے نیست
دیدہ باید کہ چہ خونہا سرِ بازار کشد — ہر طرف جنبشِ مژگان توبے چیزے نیست
رہزنت زلفِ سیہ آمدہ عاجزؔ ورنہ — ہر شبے خوابِ پریشان توبے چیزے نیست

انداخت گرچہ پردۂ نورِ آفتابِ ما — یک ذرّہ ہم نماند زجاناں حجابِ ما
ازسوزِ معرفت چہ بود التہابِ ما — جز شعشۂ جمال نباشد نقابِ ما
گوہست دامنِ عقبِ خاک و آبِ ما — میخواست ازیکے دلِ خانہ خرابِ ما
دل بستہ ایم تا بجمالِ جمیلِ یار — در سلکِ وحدت آمدہ دُرِّ خوشابِ ما
نقشے برآب در دلِ ما شکلِ عالم است — چہ بید بہ طلاطمِ دریا حبابِ ما
رندیم مست و بیخود و از خود خدا شناس — مفہوم غیر کفر بود در حسابِ ما
از قطرہ بحر آمد و وز بحر قطرہ شد — موجِ تناسخ است دریں انقلابِ ما
آں دل رمیدہ ایم کہ یکدم قرار نیست — سیماب پارہ پارہ شد از اضطرابِ ما

عاجزؔ چو در مقامِ صفوّت قدم زدیم
اللہ باد ناظرِ عیب و صوابِ ما

فدا ایم کرد اگرچہ چشمِ آں شوخ — بود چشمِ ترحم ہم ازاں شوخ
خوشا وقتے زگردش ہائے گردوں — کہ باشم مہمان و میزباں شوخ
خطا ہا بخشد و بے جرم گیرد — نباشد کس نظیرش در جہاں شوخ
خبر داراست لیکن از تغافل — نگیرد نام مارا بر زباں شوخ

خدا محبوب را توفیق بخشد
ز عاجزؔ بے سبب شد سرگراں شوخ

دلبرا مائلِ اغیار مباش — دور از طالبِ دیدار مباش
دلبری لازمۂ عشق بود — بر درِ عشق خطاکار مباش

بجز اشتغالِ دل اندر محفل جز بہ عشاق طلب گار مباش
عاجزا در غمِ جانان پرہیز
غافل از دیدۂ خونبار مباش

اے دل ز خویش رفتۂ رفتار کیستی سودا زدہ ز گیسوئے خمدار کیستی
داری چہ انقباض بہ افراطِ انتشار آخر بمن بگو کہ ہوا دارِ کیستی
دانی۔ مگر بمستی صہبائے عاشقی مطلوبِ کیستی و طلب گارِ کیستی
سرتا بپا چرا شدۂ چشم منتظر آئینہ ساں بخواہشِ رخسارِ کیستی
حسن را مونسِ جان میگویند ہم بدل نسبتِ آں میگویند
آنکہ تارِ نظرم با یار است مردماں موئے میاں میگویند
ناز را تیغ دو سر نام نہند غمزہ را نوکِ سناں میگویند
دارد آں ماہ کہ ابرو و مژہ
طالباں تیر و کماں میگویند

دل مکانیست ولے رازِ مکیں نتواں یافت سرنوشتِ ازلی راز جبیں نتواں یافت
خاک گشتن بسر کوئے بتاں ناموریست گوہر کام بجز خاک نشیں نتواں یافت
آنکہ شد زندۂ جاوید بعشق از مردن تا ابد ہیچ غم و رنج قریں نتواں یافت

مخمس بر غزل حافظ شیرازی

گردشِ تازہ بہر شام و سحر می بینم ہم بعالم ز فلک سخت نظر می بینم
سرِ بیہودہ بہ ہر فردِ بشر می بینم ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم
باشد امروز یکے بہر دگر دشمن کام بختگی ہائے طبایع بود از فطرتِ خام
تکیہ دارند چہ بر دورِ فلک خاص و عام ہر کسے روزِ بہی می طلبد از ایّام

مشکل ایں ست کہ ہر روز بتر می بینم

بر رخِ علم و عمل بابِ سعادت بنداست — تا سعادت تبفوق ز سعادت منداست

نیک را با غم و بد را بخوشی پیونداست — ابلہاں را ہمہ شربت زگلاب و قنداست

قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم

ایں زمانیست کہ باشند شریفاں نالاں — بدگہر راست خصومت بہ فراغت بالاں

نہ شنیدیم چنیں وقت ز دیریں سالاں — اسپِ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالاں

طوقِ زرّیں ہمہ در گردنِ خر می بینم

فتنہ برپاست بہرسمت چو شورِ محشر — ہیچکس را سرِ مہرے نبوَد با دیگر

بدلِ اہلِ جہاں است تخالف یکسر — دختراں را ہمہ جنگ است و جدل با مادر

پسراں را ہمہ بدخواہ پدر می بینم

اختلافات دلِ خلق میسّر دارد — دل و جاں را بہ تحسّر اثرِ شر دارد

ہر یکے واسطۂ کینہ بدیگر دارد — ہیچ شفقت نہ برادر بہ برادر دارد

ہیچ مہرے نہ پدر را بہ پسر می بینم

عاجزِ خستہ چو شگفاند بہ تضمیں گلبن — کندنِ کوہ بود از سرِ زورِ ناخن

بو کہ دلبند شود بندشِ ایں بے سروبُن — پندِ حافظ بشنو خواجہ برَو نیکی کن

زاں کہ ایں پند بہ از گنج و گہر می بینم

تاریخ وفات راے بہادر پنڈت پیم نرائن صاحب ہاکچر

پیم نارائن ازیں دارِ فنا — جانبِ خلدِ مکرّم رفت حیف

وہ چہ گویم از برادر پرورش — با ہمہ خُلقِ مجسّم رفت حیف

نوجوانِ صاحبِ جاہ و حشم — وہ چہ با شانِ معظّم رفت حیف

در جگر وابستگاں را خار داد — او چو گل سرسبز و خرم رفت حیف

روحِ پاکِ او باندازِ ملک — آہ در جنّت بیکدم رفت حیف
عیش و سوز و فرح رفت از فتنش — خرّمی باندزِ ماتم رفت حیف
حسرتے دارم بحالِ والدش — کوزِ لطفِ زندگی ہم رفت حیف
سالِ ہجری چوں زفوتش خواستم — دل زپہلویم ازیں غم رفت حیف

ہاتفم گفتا ررو وائے سال
پیم نارائن زعالم رفت حیف

۱۲۹۰ - ۶ تعمیہ - جملہ عدد ۱۲۹۶ ہجری

تاریخ وفات اہلخانہ خود

دارم از مرگ اہلخانہ غمے — کہ بیانش نمی توانم ہائے
آنکہ با من رفیق عمرے بود — زمشیت سپردمش بخدائے
فرقتش گرچہ شاق تر بہ من است — چارہ ام نیست لیک جز برضائے
بیدلی بود گرچہ از دنیاش — طفلِ معصوم داشت دل برجائے
عالم فانی است جائے گذر — نیست پیش از شبے قیام سرائے
آتش و خاک جائے او چوں گشت — دلِ من سرد شد ز آب وہوائے
بہرِ تاریخ فوت او دلِ من — خواست چوں یادگارے انشائے
برزبانم رسید سالِ مسیح — خانۂ من خراب شد اے وائے
سالِ ہجری دگر چنیں گفتم — ہائے کیں خانہ ام فتاد زپائے
۱۲۹۹ھ

غزل

از پئے خونم کہ ساماں گشتہ است — شاید آں خود سر پریشاں گشتہ است
وائے من گریم بہ ہجرِ غنچہ لب — واں گلِ بیخار خنداں گشتہ است
نالہ ام ماند بہ سوزِ بلبلاں — وز سرِ شکم گُل بداماں گشتہ است

از تناسخ دَورِ ہاشم غالب آ — ربطِ جانم چون بجاناں گشتہ است
از نگاہش حیرتے باشد تمام — ہم بہ زلفش دل پریشاں گشتہ است
روئے آں بت با فروغِ بیشمار — کعبۂ ارباب ایماں گشتہ است
تا پریرو کرد بہ عاجز نظر
وارثِ تخت سلیماں گشتہ است

عارف۔ پنڈت بھولا ناتھ صاحب متوطن فرخ آباد

حضرت عارف ایک ایسے گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے کہ دنیائے ادب میں اب کوئی اُن سے واقف نہیں۔ کوشش کی گئی تھی کہ اُن کے کچھ سوانح دریافت ہوسکیں لیکن ناکامیابی رہی۔ فرخ آباد میں پنڈت گوردھن داس صاحب مشران نے ایک کنواں بنوایا تھا اُس کے ستونوں پر دو تاریخیں فارسی میں کندہ ہیں جو مکرمی پنڈت سندر نرائن صاحب مشران نے عنایت کی تھیں۔ وہ ذیل میں درج ہیں۔

(۱) چوں گشت بنا دہاں ایں چاہ — لبریز شدہ ز آب گوہر
در ایں چاہے بگفت عارف — پیوست دوام آب کوثر ۱۲۵۱ھ

(۲) براہِ خیر منشی گوردھن داس — دہانِ چاہ پختہ کرد تعمیر
نخواہد ماند خالی گفت عارف — دمے ایں جوئے شہد و چشمۂ شیر

عارف۔ راجہ بھولا ناتھ صاحب کول غمخوار۔ راجہ صاحب پنڈت جواہر ناتھ صاحب کول غمخوار المتخلص بہ ساقی کے پردادا تھے آپ کا ذکر حضرت ساقی کے حالات زندگی میں کیا گیا ہے۔ باوجود سعی بسیار آپ کا کلام دستیاب نہیں ہوا۔

عاشق۔ پنڈت شیوکشن صاحب زتو لکھنوی۔ آپ نسیم لکھنوی کے ہم زلف تھے اور ناسخ لکھنوی سے آپ کو تلمذ تھا۔ کشمیری محلہ میں آپ رہتے تھے ضلع باندا اور دیگر اضلاع یو۔پی میں آپ ڈپٹی کلکٹر رہے۔ آپ پنڈت بدری ناتھ صاحب ہرن صاحب اور پنڈت کدارناتھ صاحب کے خالہ زاد بھائی تھے۔ تاریخ گوئی میں آپکو بڑا ملکہ تھا اور آپکی جودت طبع کا اپنے ہمعصروں میں سکہ بیٹھا تھا۔ یوم وفات سے تین روز قبل تک آپ نے مگدر کی ورزش نہیں چھوڑی تھی نوّے سال کی عمر پاکر ۱۸۷۰ء میں بمقام الہ آباد آپ رہگرائے ملک بقا ہوئے آپکے برادر عزیز دیوان ہری کشن تو تھے اور آپکے چچازاد بھائی راجکشن صاحب زتو بمقام لکھنؤ شجاع لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپکے والد کا نام پنڈت سری کشن تھا۔

زود آده دل بہ برد سرِ خویشتن گرفت
بیداد بین کہ دادۂ خودرا زمن گرفت

تا شمع رہ بجائے دگر جائے گرم کرد
آتش بجاں گرفت و دل از انجمن گرفت

بر نعشِ کشتگانِ غمِ عشق نالہ ہا
بر لب چہ گویمت کہ چہامر دوزن گرفت

تا کشتۂ تو رو بہ نقابِ کفن گرفت
بلبل قبا درید و دل از پیرہن گرفت

عاشق تو گفتۂ غزلِ تر دریں زمیں
ناطق زراہِ خشک سوادِ سخن گرفت

رہ بر آہے نیست تا رہ میزند قاتل زسنگ
بر بلا ہا ایں بلا آمد دگر نازل زسنگ

گر رود خونِ جگر از دیدۂ ترد دور نیست
میدہد آبے دمِ شمشیر را قاتل زسنگ

زاہدا بانگے زدن کفر است اینجا دم مزن
مدعائے بت پرستاں میشود حاصل زسنگ

گو رود آبے زسر از دیدہ عاشق باک نیست
سدِّ راہِ سیل گر سازد بہم ساحل زسنگ

ناز و کرشمہ را ادا کرد کہ کرد یار کرد
فتنۂ خفتہ را بپا کرد کہ کرد یار کرد

دل کہ بدرد مبتلا کرد کہ کرد یار کرد
لب کہ بشکوہ آشنا کرد کہ کرد یار کرد

جور و جفا ستم بپا کرد کہ کرد یار کرد
فتنۂ خفتہ را بپا کرد کہ کرد یار کرد

بر درِ جلوہ گاہِ ناز ریختہ خونِ عاشقاں
خانۂ کعبہ کربلا کرد کہ کرد یار کرد

خونِ جگر بسینہ ام ریخت کہ ریخت یار ریخت
قامتِ طاقتم دوتا کرد کہ کرد یار کرد

برہمی بہم نمود بر سرِ عاشقاں زار
رازِ نہفتہ برملا کرد کہ کرد یار کرد

بر غزلِ حزیں غزل گفت چو عاشقِ حزیں
بر سرِ ناقہ این حدی کرد کہ کرد یار کرد

نکند ترکِ جور قاتلِ ما
وائے بر ما و بر سرِ دلِ ما

تا کہ شد جائے غیر منزلِ ما
رہ بجائے نمے برد دلِ ما

گشت خوں خشک بر تنِ مرجاں
تا حنا بست دستِ قاتلِ ما

چوں نہ گردیم گرد خود امروز　　زخمِ تیغِ تو شد حمائلِ ما
تا تو رفتی ز دیدۂ عاشق
ہست نقلِ تو نقلِ محفلِ ما

دارد سرِ سودا زدۂ من گلہ بسیار　　اے وائے من و دشتِ جنوں آبلہ بسیار
گویند بآں مردمکِ دیدہ ز اشکم　　شد غرق دریں آبِ رواں قافلہ بسیار
تا چند کنم ضبط بدل آہ و فغاں را　　دارد نفسِ سینہ ز تنگی گلہ بسیار
عمریست کہ آشفتہ دلی ہائے تو عاشق
دارد ز سرِ زلفِ بتاں سلسلہ بسیار

تا پا فشرد بر سرِ غم ہا غمے دگر　　جز خونِ دل نماند بچشم نمے دگر
ہر کس کہ دید محو تماشائے حسن شد　　دارد دیارِ عشقِ بتاں عالمے دگر
بر نعش کشتگانِ غمِ عشقِ گلرخاں　　جز بلبلِ حزیں کہ کند ماتمے دگر
بر داغِ سینہ پنبۂ مینا چہ می نہی　　باید برائے زخمِ نہاں مرہمے دگر
عاشق چہ بیکسی ست کہ ہنگام نزع نیست
جز آہ و نالہ ہم نفس و ہمدمے دگر

تاریخ وفات میر ببر علی صاحب انیس لکھنوی

انیس مرثیہ گو تا کہ زیں جہاں بگذشت　　چہ گویمت کہ چہا بر سرِ رواں بگذشت
نبود شاعر و ذاکر چو اُو بہ ہند و عجم　　بحیرتم کہ چنیں زندہ دل چساں بگذشت
از انکہ نشو و نمایش ز لکھنؤ بودہ است　　سرِ خیال بلندش ز آسماں بگذشت
بہ بیں نزاکتِ طبعش کہ از سبک روحی　　برنگِ بُو ز گلستاں سبک گراں بگذشت
فغاں کہ مُرد محبِّ امام ہر دو سرا　　ز مُردنش چہ بگویم چہ بر جہاں بگذشت
چہ رفت از کفِ غم بر سرِ کس و ناکس　　چہ گویمت کہ چہا بر سرِ سراں بگذشت

ازاں زماں کہ بگوشم نوائے نوحہ رسید　　بروز وشب چہ بگویم چہ از فغاں بگذشت
گذشت و نام نکورا بیادگار گذاشت　　بدوشِ بادِ صبا بر سرِ جناں بگذشت
چو کرد عاشقِ دل مردہ فکرِ تاریخش　　بارتجال چنیں بر سرِ زباں بگذشت

فغاں زند بہ ندائے ہمیں رسید بگوش
انیسِ مونسِ اہلِ اعزا ز جہاں بگذشت

ہمچو بسمل می طپد ایں عاشقِ شیدا اے تو　　من بقربانت روم پیداست در دل جائے تو
باغِ سبز و راغِ سبز و سبزۂ بیگانہ سبز　　تو کجائی ساقیا سبز است اینجا جائے تو
چوں نہ سازد با شبِ یلدا چہ سازد چوں کند　　ہر کہ دارد دل اسیرِ زلفِ عنبر سائے تو
برق چشمک زن ز کوہ و دشت و صحرا می رسد　　جام پُر کن ساقیا خالی ست امشب جائے تو
گر نہ ریزم خوں ز چشمِ تر چہ سازم چوں کنم　　دل بجاں امروز دارد وعدۂ فردائے تو

گرچہ یک عالم ترا است از حسنِ مہرویاں مگر
عالمے دارد دگر ایں چہرۂ زیبائے تو

تا نالہ ز خونِ شہدا رنگ بر آورد　　گلزار ز چشمِ ترِ ما رنگ بر آورد
از دستِ تو اے شوخ حنا رنگ بر آورد　　یا خونِ کسے بے سر و پا رنگ بر آورد
مالد کفِ افسوس بہم پنجۂ مرجاں　　داغِ سرِ سودا زدہ تا رنگ بر آورد
بہ نشست بخوں ہمچو شفق لالۂ نعماں　　داغِ سرِ سودا زدہ تا رنگ بر آورد
با شمع و گل آمد بسرِ خاکِ شہیداں　　آخر چو حنا دستِ دعا رنگ بر آورد
گل جامہ قبا کرد بہ گلزار چو بلبل　　خونم بکفِ پائے تو تا رنگ بر آورد

پیشِ غزلِ فکرِ شہید ایں غزلِ تر
عاشق چہ بگویم کہ چہا رنگ بر آورد

مرغِ بسمل بخوں طپید کہ من　　طپشِ دل چنیں کہ دید کہ من

رشکِ گلزارِ کوئے او کہ کند　　خوں زچشمِ ترم چکید کہ من
کہ رساند بمن نویدِ وصال　　چشم نم دیدہ اَم پرید کہ من
داغِ عشقش کہ بر جگر دارد　　لالہ از خاکِ من دمید کہ من
کہ فشاند غبارِ خاطرِ یار　　اشک از دیدہ اَم چکید کہ من
کہ رساند بگوشِ او خبرے　　نالہ از سینہ اَم دوید کہ من
ماتمِ بلبلِ حزیں کہ کند　　گل گریبانِ خود درید کہ من
لالہ در خوں نشست تا بکمر　　دلِ بلبل بخوں طپید کہ من

نعشِ عاشق بکوے او کہ برد
گفت چشمِ ترِ شہید کہ من

طرفِ گلشن اشکِ گلگوں گل بدامانِ کسے است　　جعدِ سنبل طرّۂ زلفِ پریشانِ کسے است
شورِ محشر خندۂ زخمِ نمایانِ کسے است　　مرہمِ دل خستگان شورِ نمکدانِ کسے است
صبحِ محشر خندۂ چاکِ گریبانِ کسے است　　بر سرِ شامِ غریباں چشمِ گریانِ کسے است
بلبلِ بیدل برنگِ گل دَرَد بندِ قبا　　در دلِ شوریدہ پیدا دردِ پنہانِ کسے است
بے تو در محفل دلِ پروانہ سوزد چوں کباب　　نیخ آہِ آتشیں شمعِ شبستانِ کسے است
رخنۂ بر روے کارِ زخمِ دل بیفتاد آہ　　کارِ خود در پردہ سازد چشمِ فتانِ کسے است

روئے آسایش نداری از چہ رو پیشِ نظر
با تو عاشق صحبت دست و گریبانِ کسے است

تا نالہ ہا ز سینۂ سوزاں برآمدہ　　دود از دماغِ گنبدِ گردوں برآمدہ
برہم نمود کارِ دو عالم بہ یک نظر　　تا آں پری بزلفِ پریشاں برآمدہ

قطعہ تاریخ

ملکۂ وکٹوریا چوں شد شہنشاہِ جہاں　　گشت دہلی از قدومِ راجہا رشکِ ارم

پنڈت کنہیالال صاحب عاشق

چوں بجایش ویسرائے ہند آنجا جا گرفت | داد انعام وخطاب از بخشش وجود وکرم
تا زمان مہر و ماہ و تا زوالِ مشتری | بادۂ جشن و طرب بادا ترا چوں جشنِ جم
گفت عاشق از جلوسش سال صوری معنوی | یکہزار و ہشت صد ہفتاد و چار و سہ بہم ۱۸۷۷ء

تاریخ ولادت فرزند بہ مشکوے پنڈت نرنجن ناتھ عرف صاحب

شد تولد طفل نیک اختر زہے عیش و عرب | رقص زہرہ یک طرف گل با تنگ بلبل یکطرف
سال ہجری عیسوی آمد بہ یک مصرعہ بہم | دہ چہ نیک اختر نمایاں گشتہ از بیت شرف ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۳ء

عاشق ۔ پنڈت کنہیالال صاحب صاحبوں رازداں خلف پنڈت ٹھاکر داس صاحب دہلوی

آپ کے والد مدرس اول مدرسہ شاستری دہلی میں تھے ۔ اور آپ خود اکثر عہدہ ہائے گورنمنٹ انگریزی پر مامور رہے ۱۸۸۵ء میں راجہ مادھو سنگھ بہادر رئیس گڈھ امیٹھی ضلع سلطانپور اودھ کی ملازمت میں تھی دیوان عاشق ۔ باغ عاشق معروف مثنوی گل باصنوبر چہ کرد ۔ بحر العروض مطول بحر العروض سا مکہ شتوکومدی ۔ ترجمہ عہدنامجات ۔ سیر کشمیر ۔ تاریخ بغاوت ہند آپ کی تصنیفات ہیں ۔

باغ میں جبکہ وہ گل برزدہ داماں نکلا | شوق دیدار میں گل چاک گریباں نکلا
جیب نہ پردے سے وہ غارتگرِ ایماں نکلا | دل مرا سینۂ مشتاق بیاباں نکلا
سربسر شیفتۂ کاکل پیچاں تھا مگر | شب جو دم سینے سے نکلا وہ پریشاں نکلا
دلکو چاہا تھا کروں مقدم جاناں پہ نثار | اسکو دیکھا تو تصور ہی پہ قرباں نکلا

ولہ

بنا نا سنگ مقناطیس سے تعویذ مدفن کا | بنا ہے دل مرے دلدار سنگیں دل کا آہن کا
گرفتار دو روزہ ہوں نہیں اک بات بھی آتی | طریق نالہ آتا ہے نہ مجھکو طرز شیون کا
نگہ جادو ہو انداز و کرشمہ سحر ہو جس کا | دل ناداں نہ کیونکر کھائے دھوکا ایسے پُرفن کا

وله

صبح جس گل کو برنگِ رخِ خنداں دیکھا
شام کو زلف نمط اس کو پریشاں دیکھا

کون کہتا ہے کہ ہے جان کا دینا مشکل
عشق میں ہمنے تو مشکل کو بھی آساں دیکھا

وله

عشق میں چاک گریباں یہ فقط صبح نہیں
کہکشاں سے ہے عیاں چاکِ گریبانِ شب

واہ رے چرخِ ستمگر جو ہوا وعدۂ صبح
دامنِ صبح کو ٹانکا بگریبانِ شب

وله

ابھی پھنسا ہوں بتاؤ مجھے یہ ہم قفسو
کہ رسمِ نالہ ہے یاں یاکوئی بکا کا رواج

نہ کیونکہ توڑیں یہ بُت حجرۂ دلِ عاشق
کہ کافروں میں نہیں خانۂ خدا کا رواج

وله

رنگیں ادائے پان جو کھایا تو مل گئے
جتنے تھے رنگ سرخ و سفید و سیاہ سبز

تجھے نصیب ہے تشبیہ چشمِ محبوباں
عجب نصیب ہیں تیرے بھی او گلِ نرگس

فرقت کی تیرہ شب میں یہ عالم ہے ماہ کا
جیسا ہو جھلملاتا کوئی دور کا چراغ

صبر اسکندرِ رومی پہ بتِ چیں اپنا
آئینہ نے کیا انداز و ادا سے واقف

عاشق۔ پنڈت شیوراج ناتھ صاحب بقایا خلف اکبر پنڈت کاشی ناتھ صاحب تقایا۔ تبرِ ضمیمہ ملاحظہ ہو۔

تلمیذ مولوی سید نظام الدین صاحب نظام مصاحب نواب صاحب جاؤرہ

ہے آتشِ فراق سے سیمابوار دل
کیونکر قرار پائے مرا بیقرار دل

ہے عشق ایک پردہ نشیں سے تو چاہئے
اسرارِ عشق کا بھی رہے پردہ دار دل

وله

ہوں میں خود رفتہ نہالِ قامتِ پُر نور کا
سایہ میری قبر پہ لازم ہے نخلِ طور کا

دیدۂ ساغر سے کیا چشمک زنی ہے بار بار
حال کچھ کھلتا نہیں اُس نرگسِ مخمور کا

کہتے ہیں وہ چھیڑ نیکو شعر سنکر غیر کے
تھا پسند انداز ہمکو عاشقِ مغفور کا

کعبہ چھوڑا دیر چھوڑا خاک چھانی دربدر
عشق میں ہمنے بتوں کے اپنی مٹی خوار کی

جب سے دیکھا ہے آئینہ عاشق
خود وہ عاشق ہیں اپنی صورت کے

پنڈت شیوراج ناتھ کول بقایا۔ عاشق

دو دو چیزوں کا مقابلہ مع خوبی جدا جدا ہے

دو پھول ساتھ پھولے قسمت جدا جدا ہے
نوشہ نے ایک پہنا لاشہ پہ اک چڑھا ہے

نکلے صدف سے موتی دو ایک ساتھ لیکن
اک پس گیا کھرل میں ایک تاج میں لگا ہے

ایک ہی شجر کی شاخیں دو ایک ساتھ کاٹیں
اک آگ میں جلائی اِک کا بنا عصا ہے

دو بھائیوں کو دیکھو باہم جو ہیں حقیقی
ایک شاہ نامور ہے اِک شاہ جی بنا ہے

دو مُرغ اسیر آئے اُنکے نصیب دیکھو
صدقہ میں ایک چھوٹا۔ اک ذبح ہو رہا ہے

عاشق۔ بخشی پنڈت بھولا ناتھ صاحب خلف راجہ پنڈت گوپی ناتھ صاحب دیوان سرکار مجد الدولہ

قیس نادان سراسر نظر آیا ہمکو
چاہئے تم دشت میں کیوں کوچۂ دلدار کو چھوڑو

ولہ

غیروں کے بغل میں تو مریجاں ہا گرم
اس رشک سے آنکھوں نے مری خوں بہا گرم

عاشق۔ پنڈت دیارام صاحب سابق صدر الصدور بنارس خلف پنڈت روپچند صاحب متوطن دہلی

عاشق اگرچہ یار نہیں تجھسے بولتا
بول اُس سے جس طرح سے بنے چھیڑ چھاڑ کر

تیزیِ نوکِ مژہ کو مرے دلسے پوچھو
دیکھا اس کانٹے کو آنکھوں نے تو کھٹکا دل میں

عاشق۔ پنڈت بدری ناتھ صاحب عرف صاحب خلف پنڈت سدا سکھ صاحب دہلوی

آپ ضلع متھرا میں بعہدہ پٹیرول (سپرنٹنڈنٹ) نمک بمشاہرہ تین سو روپیہ ماہوار مامور رہے اور آپ کے والد ماجد ریاست حیدرآباد دکن میں بعہدہ ریونیو منسٹری بارہ سال تک ممتاز رہے۔ ۱۸۵۵ء میں بمقام دہلی تقریباً ۵۴ سال کی عمر میں بدری ناتھ صاحب نے رحلت فرمائی۔

نوحه گری خامهٔ سیاه رقم در شیون بلبل شیواز بان همدم

اے بلبل گلبن نکوئی — وے تازہ بہار خوبروئی
اے تازہ نہال باغ رافت — گلدستۂ بوستان الفت
اے روضۂ گلشن جوانی — وے نوبر نخل کامرانی
اے سرور ہمدمان سابق — وے مونس با دلم موافق
صد آہ کہ از نظر نہفتی — در خواب اجل دراز خفتی
ناکام شدی ہزار افسوس — از مکر و فریب چرخ سالوس
چوں یافت خزاں بہار عمرت — شد زرد چرا نگار عمرت
چوں بلبل نغمہ ریز جانت — پرواز نمود ز آشیانت
چوں برق اجل بہ ناگہانی — افتاد بہ خرمن جوانی
آں سرو روان رشک شمشاد — چوں گشت ز باد مرگ برباد
نازک بدن تو اے دلارام — پوشیدہ چرا کفن بہ اندام
سیمیں بدنت چو نقرۂ ناب — تابوت گزید از پئے خواب
زیں شیون رستخیز آثار — صد شورش حشر شد نمودار
یکتار ز سنبل پریشاں — مو در خم زلف عنبر افشاں
گردید شکستہ رنگ گلشن — از صرصر تند و تیز شیون
پوشید بہ تن پرند مشکیں — ریحان سیاہ پوش غمگیں
افسوس کہ نو گل جوانی — افتاد ز سیلئ خزانی
دل تنگ چو غنچہ چوں نباشم — کز ناخن غم بود خراشم
اے لالہ عذار سرو قامت — ہجر تو بود مرا قیامت
غم برق بلا بخرمن من — افگند و بسوخت پاک خرمن

صد تیر جفا بہ پہلوے دل — انداخت غم و نمود بسمل
جز گریۂ تلخ و اشکِ گلگوں — روزیم نشد ز بختِ وا ژوں
از جورِ فلک گہے دلم تنگ — با بختِ سیاہ گاہ در جنگ
دنیاست مقام رنج و کلفت — پیدا کنِ صد ہزار حسرت

تاریخ

چو آں عفیفۂ عصمت قبابِ عفّت کوش — زتنگنائے جہاں رفت سوے دار بقا
گداختم بہ غمش بسکہ روز و شب از درد — شدم زغایتِ کاہش تنِ ہلال آسا
زماتمش ہمہ عالم بچشم تیرہ نمود — صباح در نظرم جلوہ کرد ہمچو مسا
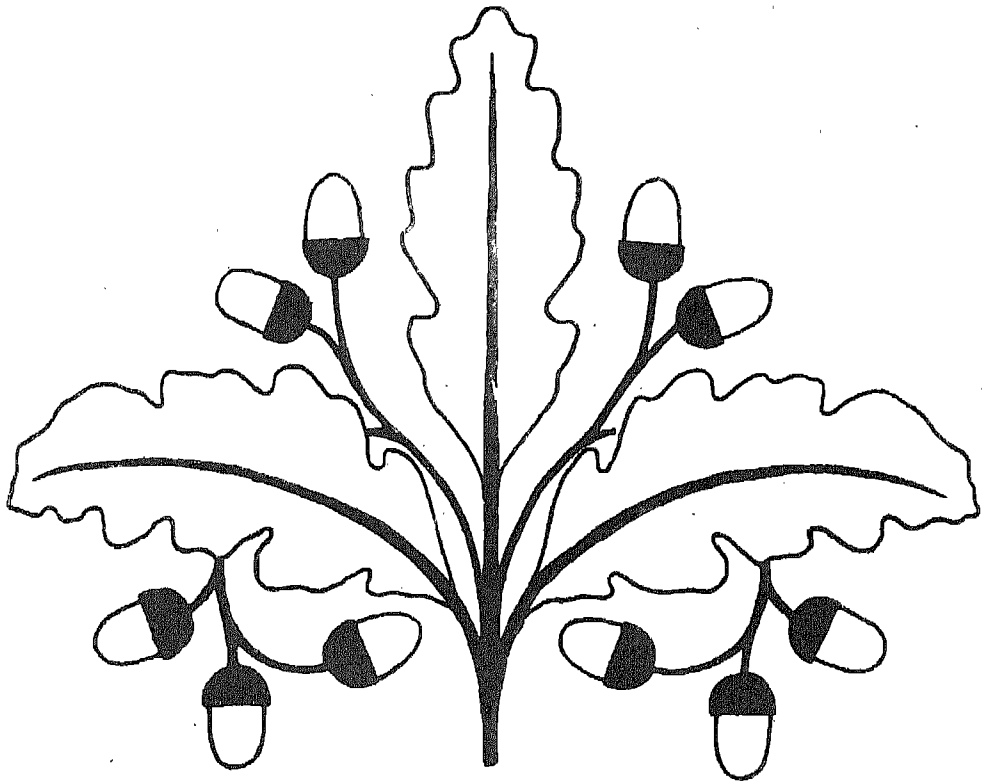
عاشق - پنڈت اودت نراین صاحب لکھنوی

آپ کے سوانح عمری کے متعلق چند اصحاب سے جنکا وطن لکھنو ہے دریافت کیا گیا مگر کچھ حال معلوم نہ ہو سکا۔ آپ عاشق مزاج اور رنگین طبع تھے۔ آپکے چند اشعار ہاتھ آئے درج کئے جاتے ہیں:-

تو رہا کرتا تھا کیوں حسن پہ نازاں کیسا　　آئینہ دیکھا تو دل میں ہوا حیراں کیسا
جوہر چشم مرا دیکھ لیا صاحب نے　　قطرۂ اشک بنا گوہر غلطاں کیسا
چاک دامن ہے گریباں ہے پھٹا سر ہے کھلا　　کر دیا زلف پریشاں نے پریشاں کیسا
بلبل زار تجھے گل کی قسم سچ کہنا
عاشق زار ہمارا ہے غزل خواں کیسا

کج رہا کج ہی سدا مجھسے تجھے اے گردوں　　آج سیدھا نہ بنا دوں تو میرا نام نہیں
وصل دلدار نہیں ہے غم دلدار تو ہے　　دلکو ایک شغل ہے گو صورت آرام نہیں
جبکہ آغاز رہ عشق میں لب پر جاں ہے　　اس کا اچھا نظر آتا مجھے انجام نہیں
چھوڑ کے کعبہ۔ طے کیوں بتوں سے عاشق
تابع کفر ہے نہ۔ تابع اسلام نہیں

بدن ہے یاسمن یا نسترن ہے　　الٰہی قد ہے یا سرو چمن ہے
نہیں معلوم کیا کچھ ہے وہ دلدار　　کہ جسکو دیکھ حیراں انجمن ہے
خیال زلف میں رہنا پریشاں　　ارے دل یہ تیرا دیوانہ پن ہے
خبر ہے کسکے آنے کی چمن میں　　کہ گل پر تنگ اپنا پیرہن ہے
سراسر موج بحر حسن سمجھو　　وہ پیشانی کی جو اسکی شکن ہے
پری میں ہے نہ حور جنتی میں　　انوکھی آپکی جو یہ پھبن ہے

پنڈت شام نراین تنکو۔ عاشق

صفت میں اب نہیں کتے ہو عاشق
کہ وہ ننگ شکر ہے یا دہن ہے

عاشق ۔ پنڈت شیام نرائن صاحب تکو ۔ خلف پنڈت رام نراین صاحب تکو

آپ ریاست جیپور کی فتح پلٹن میں کپتان کے عہدہ پر ممتاز تھے ۔ تمام عمر آپکا تعلق ریاست جیپور سے رہا اور تقریباً ۳۵ برس ہوئے کہ وہیں آپنے رحلت کی آپ موتی لال ٹہل صاحب کے صلبی لڑکے تھے اور رام نرائن تکو صاحب نے متبنیٰ کیا تھا۔

نوحہ وفات کنجبہاری لال خلف پنڈت کشن لال صاحب ٹہل

حسرتا کیونکر لکھوں اس غم کا حال
کی فلک نے مفت بیٹھے بیٹھے چال

دشمنی کیا تھی بھلا اس چرخ سے
بانٹنا کیا مال تھا اس چرخ سے

اسکو کس نے ایسا سکھلایا غضب
راستہ کس نے یہ بتلایا غضب

یوں ہی کج رفتار اسکا نام ہے
دیکھکر جلنا اسی کا کام ہے

کنج میں شامل بہاری لال تھا
کرشن کے گھر کا وہ گویا لال تھا

چار دن کی بات ہے ہم سب میں تھا
چار دن کی بات ہے وہ چل بسا

اس کی فرقت میں کلیجہ شق ہوا
اس کی رحلت سنتے ہی منہ فق ہوا

اور جانب دھیان کچھ جمتا نہیں
اشک بھی آنکھوں سے ٹک تھمتا نہیں

ہے بلاشک رنج کی لایق یہ بات
بر تمہ مالک ہے نہیں کچھ اپنے ہات

جسکو چاہے جب وہی پیدا کرے
یا امانت ہے اسے الٹی چھین لے

قادرِ مطلق اسی کی ذات ہے
رنج و راحت دنیا اسکے ہات ہے

جسم خاکی خاک بھی یا ور نہو
اس میں نور و انجلا بے گھر نہو

جسم میں جب نور ذاتِ حق پڑا
برہم سے جیو آتما تا حق ہوا

جسم کے باعث ہوا موسوم وہ
جسم کی صورت ہوا موہوم وہ

باپ کہلایا کہیں بیٹا کہیں — بھائی کہلایا کہیں پوتا کہیں
ماں کہیں بیٹی کہیں ماما کہیں — زن کہیں پھوپھی کہیں خالا کہیں
جبکہ نورِ حق ہوا ان سے جدا — جسم نامی خاک میں بس مِل گیا
کس کا بھائی کسکا بیٹا کسکی ماں — کس کی دولت کسکی ثروت اور مکاں
ہے فقط مایا کا یہ جنجال سب — اسکے ہاتھوں سے ہوا پامال سب
ہے یونہی آواگون ہر صبح و شام — مستقل رہتا نہیں کوئی مدام
حق تو یوں ہے ذات اسکی ایک ہے — جملہ شے میں جلوہ گر وہ ایک ہے
جسم فانی ہے فنا سے مت اُلجھ — بات جو تجھکو کہوں ہیں وہ سمجھ
برہم کو دایم بقا ہے ہم سفوا — اپنے دلکو بس اُسی سے تو لگا
تاکہ استغراق کا درجہ ملے — دایما سرور کا رتبہ ملے
ہے یہ سب اگیان سے سارا ظہور — گیان ہوئے پر نہیں اُٹھتے فتور
اپنے صانع کو نہ بھولا جو کوئی — عیش و عشرت میں بھولا جو کوئی
رنج و غم پر قانع و صابر رہا — مرضیِ مولا ہی پہ شاکر رہا
الغرض ہر کی ہوئی اُس پر نظر — مبند صن اور مایا سے چھوٹا وہ بشر
جس نے سمجھا اسکو وہ عاقل ہوا — سِرِّ حق سے واقف و کامل ہوا

قول لو اور آہ کھینچو عاشقا
برہم جوتی میں یہ لگا مل گیا
۱۲۹۹ھ

نوحہ و تاریخ وفات پنڈت برج ناتھ ہکو داروغہ مستری خانہ ریاست جیپور

دور ایام کی خلش دیکھو — گردش چرخ کج روش دیکھو
کیا کہوں کس بلا کا حادثہ ہے — غم فزا کیسا سخت واقعہ ہے
ہائے افسوس برج ناتھ ہکو — نیم جاں کرکے چل بسا سب کو

کیسا ہشیار اور لئیق تھا وہ — کیا مہذب تھا کیا خلیق تھا وہ
قوتِ بازوئے برادر تھا — ہائے وہ نورِ چشمِ مادر تھا
چشمِ مادر سے نورِ عین گیا — برِ دلبر سے عیش و چین گیا
غمِ حسرت دیا عزیزوں کو — رنجِ فرقت دیا رفیقوں کو
حسرتا ایسا مونس و ہمدم — ہو جدا دوستوں سے وائے ستم
وہ اُدھر رہروِ نجات ہوا — مجھکو فکرِ سنِ وفات ہوا
میں تفکر میں سر بجیب ہوا — کہ نزدِ دل سروشِ غیب ہوا

کھینچ کر آہ یہ کیا غوغا
کہ مُوا برج ناتھ داروغہ

۱۹۴۴-۶ = تخرجہ باقی ۱۹۳۸ بکرمی

عاشق نوحہ گر نے دی یہ صدا — واصلِ برہم ہوا جیب مرا

ولہ

جو بات بات پہ رُوٹھے علاج کیا اسکا — کہاں تلک اُسے ہر روز ہم منائینگے

غزل

مرجائے کوئی رنج کسی کا نہیں ہوتا — بے درد مگر کوئی بھی تمسا نہیں ہوتا
تو غیر کا دم بھرتا ہے اپنا نہیں ہوتا — شکوہ نہیں کچھ کوئی کسی کا نہیں ہوتا
میں ہجر میں اے گل ترے جسطرح ہوا زار — اسطرح کوئی سوکھ کے کانٹا نہیں ہوتا
اے دل غمِ فرقت کو غذا اپنی سمجھ لے — کچھ عشق مگر منہ کا نوالا نہیں ہوتا
اے ابر مرے نالوں سے ہو جائیگا طوفاں — فرقت میں ستانا ہمیں اچھا نہیں ہوتا

دل اپنا مکدر یہ جدا رہتا ہے عاشق
پہلو میں جو وہ چاند کا ٹکڑا نہیں ہوتا

عاشق - پنڈت بدری ناتھ صاحب مندیا دھلوی

آپ کی فارسی کی قابلیت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ آپ نہایت خلیق تھے اور پاکیزہ طبیعت رکھتے تھے دہلی میں آپ کی رشتہ داریاں مشہور خاندان وکیل والا اور پنڈت پربھاکر راؤ شیوپوری صاحب سے تھیں۔ آپ نے ۱۲۳۰ھ میں بمقام سردھنہ وفات پائی۔

اے رُخت بُردہ رونقِ گل را　　زلفِ تو دادہ تابِ سنبل را
ابرِ جاں پروراست اے ساقی　　بدہ از لطف ساغرِ مل را
آں کہ بشنید نالۂ زارم　　نشنود نغمہ ہائے بلبل را
از غمِ زلفِ مشکبارِ تو آہ　　تیرہ شد روزگار سنبل را
اے کہ چشمِ فسوں گرت دردم　　داد برباد سحرِ بابل را
از رہِ لطف خیز و بر عاشق
زود پیمائے ساغرِ مُل را

بیا کہ بے تو لبِ جانِ عاشقِ تو رسید　　بیا کہ گشت بر او تیرہ روزگار امشب
بیا کہ تابِ فراقِ تو نیست بیش ازیں　　بیا کہ ریختہ خوں چشمِ اشکبار امشب
بوعدۂ کہ تو کردی دلم بسے خوش بود　　ولے گذشت بحسرت در انتظار امشب
بیا ز راہِ مروّت بطرفِ بالینش　　کہ ہست عاشقِ تو سخت بیقرار امشب

تا نقشِ تو در دلِ حزین ست　　دل جمعِ بُتانِ چین ست
ترکِ غمِ عشقِ دلبراں کُن　　ہشدار کہ فتنہ در کمین ست
ترسم کہ بعالم افگند شور　　حُسنِ نمکیں گر تو این ست
تیرِ نگہ تو بے خطا زد　　بر سینہ ازاں کہ دلنشین ست
تصویرِ تو در غمِ فراقت　　تسکین دہِ خاطرِ غمین ست
تنگ آمدہ از دہانِ تنگت

دل تنگیٔ عاشقت ازین ست

جہاں اگر دہدت رنج زینہار مرنج — کہ نیست بوئے نشاطے دریں سرائے سپنج
جمال یار چناں دلفریب و دلجو یست — کہ برنہ سنجد میزانِ عقل نادرہ سنج
جبینِ روشنش از جبین نکو بود زاں سال — چناں کہ خوش بہ نماید بزلفِ یار شکنج

جہاں ثبات ندارد مبند دل دروے
کہ نیست عاشق ازاں ہیچ امید غیر از رنج

حلال نیست شکایت زیارہ نیست مباح — کہ ہست خوردنِ غم در فراقِ یار صلاح
حکایتِ غمِ ہجراں و آرزوے وصال — بود بہ نوک زبانم ز شام تا بصباح
حبیب و ہم نفسِ خود ز جنسِ خویش بخواہ — کہ ہست صحبتِ نا جنس سوہنِ ارواح

حدیثِ شکوہ مکن گاہ عاشقا کیں قفل
بغیر صبر نہ بود ست دیگرش مفتاح

خراب کرد ہرایک ادائے آں گلرخ — وگرچہ شرح دہم از جفائے آں گلرخ
خیال ہم نکند گرچہ من برنگِ حنا — ہزار بار فتادم بپائے آں گلرخ

خبر ز حالِ خودم ہیچ نیست اے عاشق
ازاں زماں کہ شدم آشنائے آں گلرخ

داد از دستِ جورِ گردوں داد — کہ دلِ عاشقاں ندارد شاد
داورے کو کہ پیشِ او بہ برم — از جفائے سپہرِ دوں فریاد
دست بر دل گذار و شکوہ مکن — باش از ہر چہ نیست خوش آزاد
داروے درد از و نمی آید — آہ ازیں گنبدِ کہن بنیاد
دردمندے کہ دل طپد بہ برش — کند از دردِ بیکسی فریاد

داستانِ فراق اے عاشق

چہ کنم سر کہ بس دراز افتاد

روئے تو چوں لالہ بفصلِ بہار — زلفِ تو مشکیں چو نسیمِ تتار
رسمِ محبت ز جہاں گشتہ گم — جنسِ وفا نیست دریں روزگار
رفتنِ تو رفتنِ عمرِ من ست — آمدنت آمدِ خوشش روزگار
رنگِ حنا بر کفِ پائے تو نیست — خونِ دلِ خستہ ام ست اے نگار

ولہ

ساختن با غمِ جاناں نبود کارِ ہوس — کارِ پروانۂ دل سوختہ نایاب زکس
سر قدم ساختہ در کوئے تو آئیم شاداں — ہمچو آں مرغ کہ بیروں جہد از بندِ قفس
سر مکن حرفِ شکایت ز سپہرِ گردوں — بر میاور بجز از شکرِ خداوند نفس
سینہ آماجِ خدنگِ نگہ ساختہ ام — دلِ پر خونِ نخچم طرۂ تو بستم و بس

ولہ

شفیق تر ز دلِ خود مجو و شاداں باش — بگوشۂ بنشیں و ز خلق پنہاں باش
شراب ساغرِ توحید اگر بدست آید — بحکمِ قاضیِ دل در کش و غزلخواں باش
شکستہ رنگ برنگِ خزاں نبایا بود — شگفتہ چوں گل و مانندِ لالہ خنداں باش

شتاب مے زد ایں پیکِ عمر اے عاشق
تو نیز از پئے رفتن بفکرِ ساماں باش

صبوریت دہد از فلکِ روزگار خلاص — صبوریت دہد از چرخِ فتنہ بار خلاص
صنم پرست مباش و خدا پرستی کن — کہ تا شوی ز الم ہائے بیشمار خلاص
صفیرِ نالۂ پُر دردِ من اگر شنود — ز بندِ الفت گلہا شود ہزار خلاص

صدائے صورِ قریب ست عاشقا خواہم
کند ترا ز بلا فضلِ کردگار خلاص

طلب مکن ز جہانِ خراب آسایش — کہ می کند بہ وہ رسمِ دلنوازی خط
طمع مدار ز دنیا کہ راحتے بخشد — کہ نشترِ المش خورد واں کند چوں قسط

طبیب دردِ دلِ عاشقت اگر باشی
بمرض وارس و ہرگز مپوئے راہ غلط

عاجز بود بوصفِ جمالت زبانِ شمع — افزوں بود ثنائے رُخت از دہانِ شمع
عشق است ایں کہ آتشِ سودا بدل زند — کو بر کشد زمانہ روشن بسانِ شمع
عیبِ کسے بہ پیشِ کسے گو یدار کسے — باید زبان بُرید نش آں دم بسانِ شمع

عاشق شد است بر رخِ یار و بغیرِ من
کس نیست آگہ از غم و دردِ نہانِ شمع

فرصت نشد کہ دامنِ وصلش رسد بکف — ایں عمر حیف در غمِ ہجراں بشد تلف
فرخندہ بخت آنکہ بعالم بکامِ دل — با اُو بود متاعِ گرانمایہ چوں صدف

فارغ گہے نیَم ز ستم ہائے اے سپہر
گردیدہ ام خدنگِ جفائے ترا ہدف

قرار نیست دلِ زار را بدردِ فراق — کہ ہیچ درد نباشد چو دردِ دوری شاق
قبول گر نکنی پیش کش کہ جانِ من ست — بسے بعید بُود ایں طریق از اخلاق

قیامت است کہ اغیار را بہ بزمِ وصال
نوازی و منِ مہجور در بلائے فراق

کارِ عاشق اگر کشد بہ ہلاک — دلِ جاناں نمی شود غمناک
کس چو عاشق بعشقِ خوباں نیست
سینہ آماج کردہ دلے باک

لالہ زیخ تو داغ بر دل — سرو از قدِ تست پائے در گل
لبریز شکایتم ز جور ت — اے کردہ درونِ سینہ منزل
لب بستہ ز شکوہ ٔ تو عاشق

گردیده اگرچه نیسم بسمل

مرا بے روئے جاناں نیست آرام | بہ برد آرامم آں سروِ گل اندام
مرا روے تو خوشتر باشد از صبح | سیہ زلفِ تو بہر ما بود شام

مشو غافل چنیں از عاشقِ خویش

بسوئے اُو زن اے طنّاز یک گام

نیست چو روئے تو گلے در چمن | روح فزا اے بُتِ سیمیں بدن
ناقۂ لیلیٰ نکند رہ غلط | گاہ سوئے عاشقِ خونیں کفن
نقدِ دل و دیں ہمہ بُردی زکف | باز نکردی نگہہ سوئے من

نالۂ عاشق کہ بود شورِ حشر

لرزہ در افگند بچرخِ کہن

ویراں شدست کشورِ دل از جفائے تو | خلقے شہید غمزۂ تیغ ادای تو
در دم چہ صبح و شام چہ روز و چہ شب بود | شکرانۂ نوازشں و مدح و ثنای تو
واقف ز حالِ خویش نیم ہرگز اے نگار | تا گشتہ چشم اشک فشاں آشنای تو

ولہ

ہر کہ اورا بُود رخِ چوں ماہ | مے زند بر دلم خدنگِ نگاہ
ہمہ عمرم گذشت در حسرت | آہ از بختِ خفتہ ام صد آہ

ہست محبوبِ من ہماں عاشق

آنکہ در مُلکِ حسن باشد شاہ

یار من گرچہ میکنی زاری | نگذرد از رہِ ستم گاری
بارہ گو نیستم کہ در صفِ عشق | آہ من میکند علم داری
یارہ ات مے بَرَد دلم از دست | غم تو مے رسد بہ غم خواری

یارب ایں عشقِ دلبراں چہ بلاست

که بعاشق کند جفا کاری

در وصف تو خون شد جگر سعی بیانها
چون غنچه بود در صفت لال زبانها

خورد آنکه ز سرچشمهٔ عشق تو دم آب
چون بحر به شور آمد و بگسست عنانها

زلف تو کمند افگن و چشم تو سنان باز
وان غمزهٔ خون خوار بود آفت جانها

از بهر تماشا به بسرم آی که اکنون
از داغ تو شد سینه و دل لاله ستانها

گر فهم کنی نغمهٔ توحید چو عاشق
یکسان شنوی نالهٔ ناقوس اذانها

الهی شمع فانوس محبت کن زبانم را
[illegible] کن از سوز عشق خود بیانم را

بجان سوزی عطا کن از غم حسن ملاحت را
درین جا شوق افزا صفا ده کتابم را

سراسر سینه‌ام را نقش لوح بینشی گردان
ز ابر فیض لطف خود گلستان کن خزانم را

بکش در چشم عاشق توتیای عین حیرانی
نشان خانهٔ صفا بکن نام و نشانم را

گشادم سیل خون از چشم [illegible] آب روانم را
سراپا داغ گشتم کن تماشا گلستانم را

منم آن بلبل شوریده کز گل چون جدا گشتم
بسوزد شعلهٔ آه و فغان خویش جانم را

شبی در بزم وصالش [illegible] گر داستان خود
رود در خواب و زین حیلت فرو بندد زبانم را

فزاید شور عشق دیوانه از زنجیر عاشق
خیال زلف او افزون کند سودای جانم را

تا یافته است لذت نامش زبان ما
شد کوزهٔ نبات ز فیضش دهان ما

واکن در قفس که ز دستت نمی رویم
ظالم شکسته پای ما شد ضمان ما

فریاد میکنیم بگرد حریم او
شاید اثر کند بدل او فغان ما

زنجیرسان فتاده گریبان ما بپای
خم بسکه گشت قامت همچون کمان ما

عاشق شدیم زار و نزار آں قدر بہ ہجر
کز نالۂ بدر رود از جسم جانِ ما

چند یدل نہاں کنم عشقِ جنوں فزاے را　　رخصتِ دلخراشی است نالۂ ہاے ہاے را
آہ ز ظالمے کہ در موسمِ گل نمی برد　　سوے چمن بسہو ہم مرغِ شکستہ پاے را
سوزِ دلِ تو آتشے تا بزند بجانِ غیر　　آہ اثر کجا بود نالۂ واے واے را
جاں باجل چساں دہد آہ کسے بدیں ادا　　رخصتِ قتل اگر دہی چشمِ کرشمہ زاے را

آنکہ ترا جمال داد دہ چہ شود اگر ز لطف
صبر عطا کند بدل عاشقِ مبتلاے را

ازبسکہ شرر بار بر آمد نفسِ ما　　آتش ہمہ بگرفت بچوبِ قفسِ ما
کز خون شود از زخمِ جگر ہر نفسِ ما　　جز زخم دگر ہیچ نباشد ہوسِ ما
تا نالۂ گرم از پئے محمل نکشیدیم　　[illegible] آبلہ گردید زبانِ جرسِ ما
از یُمنِ خیالِ رُخت اے سروِ گل اندام　　ہر برگِ سمن خندہ زند خار و خسِ ما

عاشق سرِ خود برسہ افلاک رسانیم
تا بوسہ بپابَش بود [illegible] ما

تنہا نہ من شدم بغمت از وطن جدا　　نالہ روانِ قیس جدا کوہکن جدا
دل خون و سینہ چاک ز رشکِ لبِ وخت　　[illegible] یمن جدا و گل اندر چمن جدا
یارب خیالِ او نشود محو از دلم　　تا تن ز جاں جدا شود و جانِ تن جدا
بیتابیِ شہیدِ تو کرد است [illegible] خاک　　[illegible]

یا رب [illegible] دل عاشق [illegible]
[illegible]

فکر آں کاکلِ دوتاست مرا　　[illegible]

منکہ زار و نزارم از ہجرت طاقتِ بارِ غم کجاست مرا
دل بیک عشوہ بُرد و جاں خواہد
عاشق ایں طرفہ دلرباست مرا

اے سہی قد چو بسویت نظر افتاد مرا نخلِ ہوش و خرد از بیخ بر افتاد مرا
مثلِ پروانہ برخسار تو دیدن اے شمع آتشے بود کہ در بال و پر افتاد مرا
خانۂ صبر ز طوفانِ سرشک آب گرفت کار از بسکہ بایں چشمِ تر افتاد مرا
از ہوائے چمنِ خلد گذشتم عاشق
بر سرِ کوچۂ او تا گذر افتاد مرا

کشم از دل گر آہِ آتشیں را بسوزم خرمنِ چرخِ بریں را
نگاہت بس بود جانِ حزیں را مکش اے یار بر من تیغِ کیں را
ہلال از شرم سر افگند در پیش چو دید ابروے آں روشن جبیں را
رسد یارب گہے تا دامنش دست من شیدائے جاں در آستیں را
عنانِ ہوش رفت از دستِ عاشق
چو دید آں لیلیِ محمل نشیں را

شمع ساں بر روے گرمش تا نظر داریم ما جا میانِ آب و آتش تا بسر داریم ما
حاصلِ ما بے نوایاں کے شود نقدِ وصال یا سبے پرواؤ آہِ بے اثر داریم ما
ہمتے اے خضرِ فرخ پے کہ تا منزل رسیم ورنہ پائے لنگ و راہِ پُر خطر داریم ما
از تو کم اے شمعِ روشن اندریں محفل نئیم آہِ گرم و رنگِ زرد و چشمِ تر داریم ما
کشتیِ گردوں شود طوفانی از طغیانِ اشک آستیں از چشمِ تر روزے کہ بر داریم ما
عاشق از یادِ دُرِ دندان و یاقوتِ لبش
چشم پرنم دایم و خوں در جگر داریم ما

به نگارم اگرش حالِ دلِ محزوں را | وهم از خونِ جگر رنگِ دگر مضمون را
ماجرا کم کن و اے ابر برو از پیشم | اشکِ من داده بسیلاب دو صد جیحوں را
نه درونم شده پُر داغ ز دستِ عشقت | کرده ام از غمِ تو لاله ستاں بیروں را
فکرِ من راست شده معنیِ من گشت بلند | در نظر داشتم از بسکه قدِ موزوں را
نکشم آهِ شرر بار ز دل بیهوده | مگر آں روز که آتش بزنم گردوں را
تنها نه جانِ زارِ خود اے جان وهم ترا | (دل) دین و دل و تحمّل و ایماں وهم ترا
گر بعدِ مرگ بر سرِ خاکم گذر کنی | آتش ز سوزِ سینه بداماں وهم ترا
تو شمعِ بزمِ کسی و پروانه اَت منم | تو آتشے بمن ده و من جان وهم ترا
بااین همه جفا و ستم کے متاعِ دل | اے زود رنج دیر پشیماں وهم ترا

دل داغ و سینه چاک و جگر ریش و جاں نگار
عاشق چه شرحِ حالِ پریشاں وهم ترا

شد عشق رفیق و یار با ما | اے عقل ترا چه کار با ما
بلبل تو و صد هزار گلشن | ویں سینهٔ داغ دار با ما
بُردی آرام و صبر و طاقت | بگذاشتی انتظار با ما
کردیم چساں قرار در خاک | رفت ار دلِ بیقرار با ما

عاشق-بغلش ندیم-زیں بیش
بوده است دلِ فگار با ما

گر بوے او ز دلا نشنیدی چه شد ترا | چوں گُل سحر قبا بدریدی چه شد ترا
شبها فغانِ من نشنیدی چه شد ترا | روزے بدادِ من نرسیدی چه شد ترا
باآں که در رهِ تو فتادیم مثلِ خاک | بر پشتِ پاے خویش ندیدی چه شد ترا
شب از غمِ فراق بجاں آمدم اجل | بیرحم بر سرم نرسیدی چه شد ترا

صد نو بہار آمد و بگذشت صد خزاں
عاشق گلِ وصال نہ چیدی چہ شد ترا

موم شد آہن و سنگ آب شد از گریۂ ما — کوہ یکدانہ سیماب شد از گریۂ ما
دلِ مرغانِ اسیر آب شد از گریۂ ما — حلقۂ دام چو گرداب شد از گریۂ ما
نہ ہمیں دیدۂ پرخوں شدہ چوں لالہ تر — کہ مژہ سبزۂ سیراب شد از گریۂ ما
عاشق خستہ شبِ ہجر زبس زار گریست
آسماں کشتیِ گرداب شد از گریۂ ما

وہ کہ سویم نظرے نیست ترا — از فغانم خبرے نیست ترا
خاکِ رہ گشتم و گاہے بغلط — بر سرِ من گذرے نیست ترا
از تپِ عشق چہ دانی زاہد — کہ کنوں دردِ سرے نیست ترا
نالہ ام سوخت دلِ اہلِ فلک — لیک در دل اثرے نیست ترا
چہ زنی گام براہِ عاشق
باش عشق جگرے نیست ترا

بشمع و با گل و شمس و قمر چکار مرا — من و خیالِ رخت با دگر چکار مرا
بہ نالۂ کہ نبارد شرر چکار مرا — باں فغاں کہ ندارد اثر چکار مرا
من و خیالِ گل و گوشۂ قفسِ صیاد — بسیرِ گلشن و با بال و پر چکار مرا
منم کہ سوختہ ام تخمِ آرزو ہارا — نہالِ آہ شدم با ثمر چکار مرا
چو شب فسانۂ عاشق بیار گفتم گفت
برو برو کہ بایں دردِ سر چکار مرا

ماہی شود کباب و ز تا شعلہ خس در آب — گر بر کشم ز سینۂ سوزاں نفس در آب
غیر از دلم کہ غرقہ بخوں نالہ میکند ؟ — گویا کسے شنیدہ زبانِ جرس در آب

دل شد برونِ زخم ونشانش نیافتم — آرے سراغِ دُزد نیابد عسس درآب
تیرِ نگہ ز دیدہ گذشت و بدل رسید — چوں نرگسِ تو تیر نزد ہیچ کس درآب
عاشق بہ بحرِ اشک نشد ساحل آشنا
کے بر جہد زسعی فتد چوں مگس درآب

کدام دل کہ بدام نظر شکارِ تو نیست — کدام جاں کہ بہ تیغِ ستم بکارِ تو نیست
کدام شب کہ مرا دل بہ بر نگردد خوں — کدام روز کہ چشمم در انتظارِ تو نیست
دجورِ ہجر تو مشکل کہ جاں برد عاشق
کہ بوئے مہر و وفا در گلِ دیارِ تو نیست

پیش ازینم اعتبارے بودہ است — زانکہ بر دل اختیارے بودہ است
نے غمت امروز دلجوئی نمود — بامنش پیوستہ کارے بودہ است
وحشتم کے شد زدل ہر گرد باد — از سرِ خاکم غبارے بودہ است
چوں توکے صیاد راچندیں تلاش — بہرِ خونِ ہر شکارے بودہ است
کے چنیں در ہجر بودم ناشکیب — بادلم صبر و قرارے بودہ است
وائے عاشق را بدل تاروزِ مرگ
حسرتِ دیدارِ یارے بودہ است

زبسکہ روز و شبم اشکباریِ ذکر است — زچشم ہر نفسم شرمساریِ ذکر است
بداغِ سینہ اگر مرہمے نمی آید وست — چہ میشود کہ بدل زخم کاریِ ذکر است
ہزار بار بخونم فگند و رفت و لے — ہنوز در دلم امیدواریِ ذکر است
مگر خیالِ من امشب بخاطرش بگذشت
کہ ہرزمان بدلم بیقراریِ ذکر است

بے حساب از تو کشیدم ستم وروزِ حساب — چہ شکایت کہ مرا از تو برد اور نیست

عالمے بسکہ زدستِ تو گریباں زدہ خاک
نیست دستے کہ بہ دامانِ تو در محشر نیست

سوخت سیارۂ من بسکہ ز آہِ پُر سوز
ہمچو من زیر فلک ہیچ سیہ اختر نیست

لذتے ناوک دلدوز نگاہش دارد
کہ بشمشیر و خدنگ و دمِ صد خنجر نیست

از خیالِ شکنِ سنبل و بالائے چو سرو
چہ بلا ہا کہ بہر لحظہ مرا بر سر نیست

رحم بر عاشقِ مسکیں بکن اے سنگین دل
منزل او خانماں برباد دریں کشور نیست

ہر چراغے کہ شبِ ہجر دل افروختہ بود
بود داغے کہ بجاں عشقِ توام سوختہ بود

مژدہ اے جان کہ غمِ تازہ خریدم امروز
دادم آں نقدِ شکیبے کہ دل اندوختہ بود

از مژہ سوزن و تارے ز نگہ چشمش داشت
صورتِ خرقہ زصد جا جگرم دوختہ بود

وہ چہ آتش بہ دمت بود کہ عاشق امشب
خواب در چشمِ من افسانۂ تو سوختہ بود

درد از ہجرِ تو دیدم کہ ندیدم ہرگز
آنچہ ایں بار کشیدم نہ کشیدم ہرگز

کامم ایں بود کہ در پائے تو میرم روزے
مردم از حسرت و ایں کام ندیدم ہرگز

ہر کرا حالِ نکو بود بکامے برسید
منِ ناکام بکامے نرسیدم ہرگز

باغباناں مکن از گوشۂ باغم بیروں
کہ من از باغِ تو یک میوہ نچیدم ہرگز

منم آں بلبلِ شوریدہ چو مرغِ خانہ
بر درت ماندم و جائے نہ پریدم ہرگز

گر فہم کنی نغمۂ توحید چو عاشق
یکساں شنوی نالۂ ناقوس اذاں را

ولہ

دوشش داغِ تو چہ آتش بدل افروختہ بود
صبح دیدم کہ ہماں جان و جگر سوختہ بود

دی ز شاگردیش استادِ قضا دم زد
سبقِ فتنہ ندانم ز کہ آموختہ بود

داغِ عشقِ شفقی چہرہ بتے سوخت و بس
سوخت خود ہم بشرارے کہ مرا سوختہ بود

دستِ بیدردِ جنوں چاکِ گردد در جیب
عاشقِ دل شدہ از تارِ جگر دوختہ بود

آں قیامت قد چو در گلشن خراماں بگذرد — سرو ماند پا بگِل کبک از سرِ جاں بگذرد
روزگارِ ہجر گر چندے بدینساں بگذرد — وقتِ چاکِ دل رسد کار از گریباں بگذرد
آرزو باشد شہید و یاس و حرماں زندہ شد — اے اجل زود آکہ کار از دردِ درماں بگذرد
غمزہ ات زینساں اگر تاراجِ دین و دل کند — زاہدِ صد سالہ ہم از دین و ایماں بگذرد
نوحہ گر باشد مصیبت بیکسی ماتم کند
از جہاں عاشق چو با صد یاس و حرماں بگذرد

بازکارِ دلِ دیوانہ زساماں افتاد — مژدہ اے دوست کہ دستم بگریباں افتاد
جاں زہجراں بلب آمد جگر از غم بگداشت — دل ببرخون شد و از دیدہ بداماں افتاد
قمری و سرو بہم سوخت چو پروانہ بشمع — طرفہ آتش زفغانم بگلستاں افتاد
شد ازاں روز کہ خونابہ نصیبِ چشمم — لختِ لختِ جگرم قسمتِ مژگاں افتاد
نیست شبنم عرق افتادہ ز خجلت بر گل — تا بہ گلزار نقاب از رخِ جاناں افتاد
منتِ مرہمِ عیسیٰ نکشد عاشقِ زار
الفتے داغِ جگر را بہ نمکداں افتاد

بر جمال تو نقاب است ضرور — کہ بگلزار سحاب است ضرور
مستم از گردشِ چشمِ تو مدام — کہ مرا جام شراب است ضرور
چشمِ عاشق کشِ فتانِ ترا — سرمۂ ناز و عتاب است ضرور
ز سرِ مازدہ سر آبلہ ہا — بحر را جوشِ حباب است ضرور
در غم از سوزِ جگر عاشق را
اشکِ گرمے چو کباب است ضرور

جانان زغمت چنان بجانم | کز جان گذرم اگر توانم
از یادِ تبسمِ تو هر دم | بر زخم جگر نمک فشانم
چون وصلِ تو دائما نباشد | دایم بفراق شاد مانم

عاشق شدن است زنده مردن
خود لذتِ زندگی ندانم

پس از مردن گذارد پا بخاکم گر نگارِ من | بگیرد دامنِ گلبرگ او خارِ مزارِ من
نشانِ تیرِ او گردد اگر مشتِ غبارِ من | ز مقناطیس باید ساختن سنگِ مزارِ من
برو اے ناصحِ بیدرد عیشم را مکن ضایع | چو بلبل صرفِ عشقِ گلرخان شد روزگارِ من

جوانی رفت و عیشِ زندگی هم رفت اے ساقی
بیک شب گشت آخر شمع سان فصلِ بهارِ من

خبرش نیست ز دردِ دلِ بیمار کسے | یارب او نیز شود محوِ گرفتار کسے
صبر و آرام و خرد طاقت و هوش و دل و دین | بفسون برد ز من عشوهٔ عیار کسے
نشود داغِ دلت تازه غمِ لاله رخے | چه خبر باشدت از سینهٔ افگار کسے
واے بر حالِ منِ سوخته آخر که نرفت | تا دمِ مرگ ز دل حسرتِ دیدار کسے
اے خوش آن ذوق که صد پاره جگر خون کردم | می نمودم زدمِ خنجرِ خونخوار کسے

ولہ

تا کے فتد بخاک کند خون جگر کسے | اے واے اگر بما و برساند خبر کسے
زینسان رعایتِ دلِ عشاق اگر کنی | مشکل که دل بمهرِ تو بندد دگر کسے
خوش لذتے گرفته تیرش دلِ حزین | اے واے حسرت ار کشد از دل بدر کسے
اے دل چه ز فکرِ سفر غافلی هنوز | کوسِ رحیل کوفت ازین شهر هر کسے

بر نعشِ عاشقِ تو که جان داد در فراق
جز بیکسی نبود دگر نوحه گر کسے

عاشق۔ پنڈت مہاراجکشن مدن صاحب خلف پنڈت دیاندھان مدن صاحب دہلوی

آپ کا اور حضرت ساحر دہلوی کا خاندان ایک ہے۔ اس خاندان کے مفصل حالات جناب پنڈت جانکی ناتھ مدن صاحب تخلص بیجانؔ کے سوانح عمری میں درج کئے گئے ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ کا کلام بجز دو تاریخوں کے دستیاب نہوا۔

تاریخ وفات پنڈت شیو نراین بہار

شیو نرائن خاور مہر وفا　　　وا دریغا شد نہاں زیر زمیں

گفت ہاتف سال رحلت برملا　　　یکھزار و ہشت صد ہفتاد و چار

۱۸۷۴　　　ایضاً

دلِ عاشق شدہ در رنج و غمش گوشہ نشیں　　　شیو نرائن چو ازیں دار فنا کرد رحیل

گفت در فکر مباش و بہ تفکر منشیں　　　بہرِ تاریخ وفاتش چو ز ہاتف پرسید

بہرِ تاریخ وفاتش بسرِ نیت فکر

عددِ نام سہ چند ان بکن و ثبت ببیں

عاصی۔ رائے بہادر پنڈت ہر ہر ناتھ صاحب مُٹّو خلف پنڈت جانکی ناتھ صاحب مُٹّو لکھنوی آپ کی تاریخ ولادت ۱۹ اکتوبر ۱۸۷۲ء ہے۔ آپ کے مورث زمانہ نواب شجاع الدولہ بہادر میں لکھنؤ آکر آباد ہوئے۔ آپکے جد امجد پنڈت پریم ناتھ صاحب مُٹّو۔ شہید۔ چکلہ دار حضور تحصیل لکھنؤ تھے آپ نے تعلیم لکھنؤ میں پائی اور ۱۸۹۳ء میں بی۔ اے۔ کی ڈگری کیننگ کالج سے حاصل کی اور اُس کے بعد سلسلۂ ملازمت شروع ہوا۔ اولاً سرشتہ کورٹ آف وارڈس بریلی میں رہے ۱۹۰۱ء میں ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے۔ اور بیس سال مختلف اضلاع صوبہ متحدہ میں تعینات رہے۔ ۱۹۲۱ء میں عہدہ اسسٹنٹ کمشنری انکم ٹیکس کانپور کے لئے

پنڈت ہری ہرناتھ مٹو۔ عاصی

آپ منتخب ہوئے اور اُسی سال خطاب رائے صاحب ملا ۱۹۲۳ء میں عہدہ کمشنری انکم ٹیکس صوبۂ متحدہ پر قایم مقامی کا فخر آپ کو حاصل ہوا اور بصلۂ خدمات حسنہ خطاب رائے بہادر گورنمنٹ عالیہ ہند سے عطا ہوا۔ اکتوبر ۱۹۲۸ء میں بعمر ۵۵ سال آپ مستفید پنشن ہوئے اور بالفعل کانپور میں قیام پذیر ہیں۔

ہمکو صورت نہ دکھاتے نہ دکھاتے لیکن — غیر سے بھی تو نہ در پردہ اشارے ہوتے
جذبہ اتنا تو اثر تو نے دکھایا ہوتا — ہم تو اُنکے تھے مگر وہ بھی ہمارے ہوتے

ولہ

رد کا جگر پہ جب سے ہے چتوں کے وار کو — آتا نہیں قرار دلِ بیقرار کو
میں جانتا ہوں آپکے قول و قرار کو — سمجھاؤں کس طرح دل امیدوار کو
دیکھا جمال یار جدھر کو اٹھی نگاہ — کیوں کیجئے تلاش عبث کوئے یار کو
جوشِ جنوں میں ہمکو تو صحرا ہوا نصیب — گلشن پسند آیا ہے اُس گلعذار کو
کسکی مجال دیکھے تجلی روے یار — ہے انتظارِ وصل محض انتظار کو
محروم لوٹے کعبۂ و دیر و حرم سے ہم — دل ہی میں پایا جلوۂ روئے نگار کو
قطعِ امیدِ وصل ہے صورت سے آشکار — کرتا جدا ہوں جامہ کے ہر تار تار کو

جب یار ہو نہ پاس تو اپنا سلام ہے
مے کو گلوں کو باغ کو ابرِ بہار کو

اے ابر رحمت بر من نگاہے — پیہم نہ داری باشد کہ گاہے
تو شاہِ شاہاں۔ من مورِ بے پر — عاجز و خستہ چوں پرِ کاہے
بگذر ز عصیاں بہ پذیر پوزش — سر تا بموئیم پُر از گناہے
از فیض مرشد امید دارم — کہ دیگر ندارم من دستگاہے
بر من فگندہ امشب نگاہے — کردہ است بیروں از قعر چاہے

وہ وہ تجلی نماید بہ گفتن
خورشید بے ضو بر تر ز ماہے
خاموش عاصی ایں سر نگوید
شکرش ادا کن شام و پگاہے

عاصی جناب پنڈت سروپ نرائن بھان صاحب خلف پنڈت جگت نراین صاحب اکبرآبادی

جہاں کہیں انقلاب روزگار اپنا قدم جماتا ہے وہیں سرد گرم کے مزے لوگوں کو چکھاتا ہے۔ حالانکہ کشمیر جنت نظیر مجسّم خطہ زمہریر ہے مگر اس کو بھی اس سہ قدم نے ایسے ایسے گرم گرم مزے چکھائے کہ سرد مہری بتاں بھی پائی پائی ہو گئی کچھ عرصہ ہوا دشمنوں و حاسدوں کی دست برد نے اس کو بہت کچھ لوٹا کھسوٹا۔ مذہبیوں کے خون ہو گئے۔ سرمائے تلف ہو گئے۔ قحط الرجال ایسا واقع ہوا کہ آدمی عنقا ہو گئے ہماری قوم کشمیری پنڈتان پر بھی ایسا وبال آیا کہ وہاں اسنے گنے گھر باقی رہ گئے۔ مستورات برائے نام رہ گئیں۔ سنتے ہیں صرف گیارہ گھر ایسے رہ گئے تھے جن میں کشمیری دیویاں موجود تھیں۔ مجبوراً کشمیری پنڈتوں کو دکھنی عورتوں سے شادیاں کرنی پڑیں۔ انھیں گیارہ گھروں میں بھان خاندان بھی تھا۔ عاصی صاحب کے بزرگ کشمیر سے دہلی میں آکر سلطنت مغلیہ سے وابستہ ہوئے۔ آپ کے والد اور دادا صاحبان ممالک متحدہ آگرہ اودھ میں نمک کے محکمہ میں ملازم تھے۔ سنہ ۱۸۵۰ء میں اس خاندان کی قسمت کا ستارہ طلوع ہو کر آفتاب بنا یعنی عاصی سا ہونہار سپوت تولد ہو کر اندھیرے گھر کو روشن کر گیا۔ زمانہ کے موافق آپ کی تعلیم انگریزی اور اُردو میں ہوئی۔ آغاز ملازمت نمک کے محکمہ میں ہوا تھا مگر جگہ تخفیف میں آجانے سے تین چار برس ہی میں یہ سلسلہ قطع ہو گیا۔ آخر کار آپ متھرا چلے گئے وہاں سے جناب دیبی پرشاد صاحب سے سفارشی خط بنام پنڈت ہیت رام صاحب دیوان ریاست ریواں ملک بگھیلکھنڈ

پنڈت سروپ نراین بھان - عاصی

لیکن تن تنہا آپ مددانہ کے تلاش میں کالے کوسوں روانہ ہوگئے ہمت مرداں مدد خدا کہتے ہوئے ریواں جا پہنچے مقدر نے یاری کی سررشتہ دار دیوانی و فوجداری مقرر کئے گئے۔ تیس برس تک ریاست کا کام بحسن تمام انجام دیتے رہے۔ مجسٹریٹ درجہ اول کے ہوکر خوب داد عدل گستری دی۔ چند بار رئیس ہیشر ریاست اور مہاراجگان ریواں نے انھیں فاخر خلعتوں سے مزین و مفتخر کیا۔ عہدۂ مجسٹریٹی سے آپ نے پنشن لی۔ آٹھ نو برس مشکل سے اسے حاصل کیا ہوگا کہ مرض فالج نے اکتوبر ۱۹۱۴ء میں آپ کو نکمہ کر دیا۔ پہلے دو حملے برداشت کرکے جان بچا گئے مگر آخری تیسرے حملہ سے آپ ایسے زیر ہوئے کہ مرکر ہی اوٹھے۔ چونسٹھویں سال منزل کو کرشن بھگوان کی بھگت اور پریم میں طے کر گئے۔ آپ کا سنہ ولادت ۱۸۵۰ء تھا آپکو جسمانی کثرت کا شوق تھا۔ ہندوستانی ورزش مرغوب تھی جفاکشی راست گوئی آپ کا شیوہ تھا۔ غیظ و غضب مزاج میں ضرور تھا مگر انصاف پسند بھی حد درجہ کے تھے۔ وضع قطع ہمیشہ سادہ رکھی۔ عمر بھر دنیاوی نمایشوں سے نفرت رہی۔ صبر و شکر۔ ضبط و تحمل تمام خوبیوں سے مملو تھے۔ منعم حقیقی نے آپ کو دولت اور اولاد دونوں سے صاحب نصیب کیا تھا پہلے پہل آپ کی طبیعت کا رجحان اُردو شاعری کی طرف ہوا۔ اپنا اُستاد کسی کو نہیں بنایا۔ آپ کی سب سے پہلی نظم اُردو کی اپنے مربی و معاون پنڈت بینت رام صاحب کے مستقل دیوان ہو جانے پر شایع ہوئی۔ اس کے بعد عاشقانہ غزلوں کا سلسلہ ملتاہے۔ جس میں قدیم طرز اور پرانی طرحوں پر گوہر افشانی کی گئی ہے۔ ایک دیوان ردیف وار خود آپ کے دست مبارک کا لکھا ہوا آپ کے سب سے بڑے صاحبزادہ پنڈت شیو نرائن صاحب بھاآن عاجز کے پاس موجود ہے مگر افسوس کہ ہنوز زیور طبع سے مزین نہیں ہوسکا ہے۔

ریاست ریواں کی ملازمت میں ناگری پڑھی سنسکرت میں اچھی مہارت حاصل کی۔ وہاں کے راجہ صاحب کی بنائی ہوئی بھاگوت سنسکرت کی راتدن پڑھا کرتے تھے۔ خود بھی کبت دوہے۔ چھند۔ چوپائیاں ہندی میں کہنے لگے۔ جن کی تعداد بھی بے شمار ہوگئی

آپ کی بنائی ہوئی سروپ ساگر دربار کشمیر میں انعامی کتابوں میں منظور شدہ ہے اور ہزاروں کاپیاں اسکی وہاں کھپ چکی ہیں آپ کے تینوں صاحبزادگان پنڈت بشو نرائن بھان عاجز پنڈت پریم نرائن بھان اختر اور پنڈت تربھون ناتھ صاحب بھان فریاد بی-اے کو شوق سخن ہے اور حضرت عاصی مغفور کے جوش طبع کو بحر عالم میں نمودار کر رہے ہیں

قطعہ تاریخ وفات از ہمدم اکبر آبادی

بزم شعرا ہائے بے رونق ہوئی — ہوگیا ہے کون یہہ برباد آہ
لکھدو ہمدم ہائے تم تاریخ مرگ — حضرت عاصی گئے ناشاد آہ

سمبت ۱۴۰۸-۱۷۱-۳۰+۳۵۶+۶ سمبت ۱۹۷۱

قطعہ

ہوش ہی اپنے ٹھکانے ہیں کہاں — سانحہ جانسوز سے ہوں مطلع
ہائے ہمدم اب کہاں عاصی نصیب — رشتۂ الفت ہے رائج منقطع

۱۴۱۶-۱۵-۲۱۲-۲۶۹ ، ۱۴۶ ۱۹ء

غزلیات

ہاتھ سے گر آپ کے ساغر عطا ہو جائیگا — خشک لب میں کچھ تو ہمکو آسرا ہو جائیگا
اُسکی الفت کی نہ کی کچھ قدر تمنے تو کبھی — دل ہمارا پھیر دو بس اور کیا ہو جائیگا
بے سبب عاشق کو اپنے کوستے ہو کس لئے — اسکے حق میں دیکھہ لینا یہ دعا ہو جائیگا
میں بھی جھوٹا التجا بھی میری ٹھہری سب غلط — آپکا تو جا و بیجا سب بجا ہو جائیگا

ولہ

شوریدہ تیرا سوئے بیاباں نکل گیا — وحشت کے ساتھ لیکے وہ ساماں نکلگیا
بادِ خزاں سے رنگ چمن کا خراب ہے — مدت ہوئی وہ بلبل بستاں نکل گیا
واللہ بدگمانی کی کچھ حد نہیں رہی — تربت سے کیا بچا کے وہ داماں نکلگیا

ولہ

نظر آتے ہیں میری جاں کے خواہاں کیا کیا — سنگدل ملتے ہیں غارت گر ایماں کیا کیا

ضبط کو دیکھئے بولا میں نہیں آپ سے کچھ
جی میں جو آیا کیا آپ نے جاناں کیا کیا

سوز سے عشق میں پروانہ کے حالت یہ ہے
گل کترتی ہے کھڑی شمع شبستاں کیا کیا

ولہ

رخصت ہے ساتھ ہیرے بے سر و سامانی کا
لو نزد و نہ رہا جامۂ عریانی کا

زخم دل اور جگر میں یہ تڑپ ہے کیسی
کچھ مزہ ملتا ہے دیکھو نمک افشانی کا

سوز پروانہ کی کیا لو سی لگی ہے دلمیں
ہوگیا عشق عیاں شمع شبستانی کا

در بتخانہ ہے اور پائے بتاں پر سر ہے
اب نہ دعوے رہا کچھ ہمکو مسلمانی کا

ولہ

آہ سوزاں کا اثر کچھ بھی جو جاناں ہوگا
ہاتھ مل مل کے تو پھر کیسا پشیماں ہوگا

ظلم کا ہمتو خدا سے بھی کرینگے دعوے
حشر کو ہاتھ میں میرے ترا داماں ہوگا

چار دن فصل بہاراں کو اڑا لے گلچیں
پھر نہ گل ہوگا نہ بلبل نہ گلستاں ہوگا

دہن شیریں سے کوثر کا پتہ ملتا ہے
کوچۂ یار بس اب روضۂ رضواں ہوگا

آگئی دست درازیِ جنوں کی باری
چاک وحشت سے ابھی جیب و گریباں ہوگا

دستِ قاتل سے تو ہے ہمکو شہادت منظور
منت احسان تیرا خنجر براں ہوگا

ولہ

کعبہ کی یا کلیسا کی عاصی نہیں ہوس
ہمکو تو بتکدہ کا فقط آسرا رہا

ولہ

قاتل کے دلکا آج تو ارماں نکل گیا
اچھا گلو پہ خنجر بیداد چل گیا

صورت بھی ہائے میری وہ پہچانتے نہیں
کیسا مزاج اونکا یکایک بدل گیا

پہلو میں دلکو ہاتھ سے تھاما نہیں رہا
کوچہ میں اوسکو دیکھ کے ظالم مچل گیا

دلمیں تھی سوز عشق کی جو لو لگی ہوئی
محفل میں غم سے شمع کے پروانہ جل گیا

ولہ

پامال ادا ناز کا کشتہ مجھے سمجھو
بے واسطہ مٹی مری برباد نہ کرنا

اس کنج قفس میں ہی پڑا رہنے دو صیاد
اب فصل خزاں ہے مجھے آزاد نہ کرنا

اے شوخ یہاں عاصی بسمل کی لحد ہے
یاں ناز سے چل کر ستم ایجاد نہ کرنا

زلف کھولے ہوئے وہ بیٹھے ہیں　　قہر ہے ظلم ہے بلا ہے آج
کیسے دامن میں سرخ ہیں دھبے　　کسی عاشق کا خوں بہا ہے آج
حال بیمار کا ترے ہے خراب　　کاہشِ ہجر جانگداز ہے آج

کل تو عاصی کا حال تھا ابتر
اوس کا کچھ حال پھر سنا ہے آج

ولہ

اے ساقی اسطرف بھی ذرا مہر کی نظر　　ملجائے ہمکو ہاتھ سے ساغر کسی طرح

ولہ

تک رہی ہے مجھے حسرت سے قضا میرے بعد　　ہاتھ ملتی ہے الگ دیکھو حنا میرے بعد
پیچ کھاوے گی جواب زلف دوتا میرے بعد　　کس کے سر جا کے پڑیگی یہ بلا میرے بعد
قتل کرتا ہے تو کر سوچ لے لیکن دل میں　　کون اُٹھائیگا ترے ناز و ادا میرے بعد

ولہ

ساقی ہے مے ہے باغ ہے ابرِ بہار ہے　　میخوار خوش ہیں خانۂ خمّار دیکھکر
زخمی ہوا تھا دل مرا تیرِ نگاہ سے　　سر بھی جھکا ہے ہاتھ میں تلوار دیکھکر
طے ہو گی دیکھیں کسطرح ملکِ عدم کی راہ　　گھبراتا دل ہے منزلِ دشوار دیکھکر

عاصی ہمیں بھروسہ رحیمی کا اوسکی ہے
بخشے گا کیا نہیں وہ گنہگار دیکھکر

ولہ

اے بے وفا رہی نہ تمنّا ہی دید کی　　انکار کا نہ غم ہے نہ اقرار سے غرض
روزے نماز ہو چکے کعبہ کو جا چکے　　زاہد کسے ہے مفت کی بیگار سے غرض
بے یار کیا کرینگے صراحی و جام کو　　ساقی ہمیں ہے مے سے نہ گلزار سے غرض
ہم مست ہیں الست کے اے شیخ و برہمن　　تسبیح کا نہ ورد نہ زنار سے غرض

محشر میں عاصی ہم نہ ڈرینگے عذاب سے
ہو گی وہاں خدا کو گنہگار سے غرض

اُن نگاہوں کی نہ شوخی کم ہوئی　　چل رہی ہے ہر طرف تلوار صاف

جان جب نکلی تو جھگڑا مٹ گیا — عشق کا اچھا ہوا آزار صاف

کعبہ میں ناحق تلاشِ یار کی — بتکدہ میں ملگیا دیدار صاف

ہم تیرے ناز اُٹھانے کے قابل نہیں ہے — پتھر کا اپنا کوئی کہاں سے بنائے دل

دن رات ہمکو رہتا ہے کھٹکا لگا ہوا — آفت کہیں سے ڈھونڈ کے تازہ نہ لائے دل

مے کے بجائے ہجر میں رونے کا شغل ہے — خونِ جگر کو پیتے ہیں غم ہے غذائے دل

اتنا ضرور اُسے قدر انداز دیکھنا — تیرِ نگاہ ناز سے بچنے نہ پائے دل

عاصی ہم آج دیکھنا روئیں گے زار زار
کہو اسطے کوئی مرا آکر ستائے دل

ہوئے ہیں وہ زلفیں بنانیکے قابل — ہیں کالے کے منتر جگانے کے قابل

سمجھ لینا ظالم یہ نازک بہت ہے — نہیں دل ہے میرا ستانے کے قابل

مرے قتل میں دکھ نجائے کلائی — یہ شمشیر کب ہے اوٹھانے کے قابل

سمجھ لیجے عاصی یہ مہماں سرا ہے
ہے دنیا نہیں دل لگانے کے قابل

پہلو سے دلکو کوئی چورا کرہے لے گیا — کسکی نظر لگی کہ ہوے بے خبر سے ہم

فرقت میں آپکی ہمیں وحشت یہ ہو گئی — کرتے ہیں باتیں راتو نکو دیوار و در سے ہم

کعبہ کو چھان ڈالا ہے جاتے ہیں دیر کو — عاصی تلاش یار میں نکلے ہیں گھر سے ہم

یہ آئینہ میں بھی اوپری رُو کچھ آج قدرت خدا کی دیکھی
یہ عکس کرتا ہے کیا اشارہ ہیں تیرا ثانی جواب میں ہوں

گہ انکساری ہے گاہ زاری بتوں سے بس اپنی لو لگی ہے
خدا گنہ اپنے بخش دیگا میں فکرِ روزِ حساب میں ہوں

نہ عاصی محشر کا کچھ ہے کھٹکا ازل سے میں بھی ہوں مستِ وحدت

کبھی خیالِ کباب میں ہوں کبھی میں شغلِ شراب میں ہوں

حرم چھوڑ کر بت کو کرتے ہیں سجدہ
سلمان بھی سارے کافر ہوئے ہیں

بکھرنے لگے دیکھو گیسوے جاناں
جو کالے تھے بے پردہ بے ڈر ہوئے ہیں

خدا حشر میں دیکھیں بخشے گا کیونکر
گناہوں سے تو کالے دفتر ہوئے ہیں

دیکھو قاتل کا کبھی تیور نہ بدلجائے کہیں
مفت میں خنجر بیداد نہ چل جائے کہیں

رقص بسمل کا ذرا آنکھ بچا کر دیکھو
تھام لو اسکو کلیجہ نہ دہل جائے کہیں

شیخ جی محفلِ رنداں میں نہ آؤ جاؤ
سر سے دستارِ فضیلت نہ اچھل جائے کہیں

ولہ

نیم جاں خستہ جگر او بتِ کافر میں ہوں
مایلِ شور و فغاں ہائے نہ کیونکر میں ہوں

رات دن غیروں پہ رہتی ہے تلطف کی نگاہ
ناز بیجا ترے سہنے کو ستمگر میں ہوں

ہتکڑی ہاتھوں میں پاؤں میں پڑی ہے بیڑی
اے جنوں دیکھ یہ پہنے ہوے زیور میں ہوں

ہے خزاں رہنے دے اب کنجِ قفس میں صیاد
جان سے تنگ ہوں بے زار ہوں بے پر میں ہوں

کس ستمگار کے آنے کی خبر دیتے ہیں
نامہ بر دل کو تو سیماب سا کر دیتے ہیں

خم کے خم لاکے پلائے جاہیں تو ساقی
ہاتھ سے پیالے کو لے طاق پہ دھر دیتے ہیں

جان پروانہ کی لیتے ہیں تماشا کرکے
شمع کے گل کو وہ قینچی سے کتر دیتے ہیں

شعلہ رویوں سے ذرا دور رہو تم عاصی
ہنستے ہنستے ہی جلا سیکڑوں گھر دیتے ہیں

ہاے نازک مزاج ہو کتنے
باتوں باتوں میں روٹھ جاتے ہو

شکوۂ جور ہم نہیں کرتے
اولٹی صلواتیں تم سناتے ہو

آفتیں عشق کی کڑی ہیں بہت
شور دیوانوں کیوں مچاتے ہو

کبھی بنتے کبھی بگڑتے ہو
روپ کیا کیا نئے دکھاتے ہو

ولہ

نگہِ ناز کا ظالم تری بسمل میں ہوں
آبِ شمشیر کا پیاسا مرے قاتل میں ہوں

تمہیں سچے سہی سب باتیں تمھاری سچّی — میں ہی جھوٹا سہی خود دعویِ باطل میں ہوں

ہجرِ دلدار میں کیا ہوگئی حالت میری — درد پہلو میں ہے نم آنکھ میں بیدل میں ہوں

راتدن دلکو قیامت کا لگا ہے کھٹکا — فکر ہے راہ عدم کے نہیں غافل میں ہوں

دل میں ہے ٹھان لیا سر ہوں ہتیلی پہ لئے — آج قاتل سے مقابل سرِ محفل میں ہوں

ولہ

آج اپنے دلِ ناداں کو تو سمجھا دیکھو — اپنا دشمن ہے بنا آپ۔ ہوا کیا دیکھو

دوستو ایک نیا اور تماشا دیکھو — عشق کا لائے ہیں بازار سے سودا دیکھو

بے وفاؤں سے پڑا کام خدا خیر کرے — دل پلٹتا نہیں تقدیر کا پلٹا دیکھو

خاک کیوں چھانتے ہو کعبہ میں رکھّا کیا ہے — بتکدے چل کے مرے یار کا جلوا دیکھو

پالی پی پی کے جسے کوس لیا کرتے تھے
آسی عاصی کا یہ نکلا ہے جنازا دیکھو

نیم بسمل ہیں ادھر ایک اشارہ پھر ہو — نام ہو آپ کا اور کام ہمارا پھر ہو

دیکھئے کیا ہو مرے سینہ پہ رکھدو تم ہاتھ — اپنے جینے کا تو اے جاں سہارا پھر ہو

آئینہ خانے میں لیجا ئینگے دم میں آکر — او پری دیکھا شیشہ میں اوتارا پھر ہو

ولہ

لاکھوں منّت سے بھی ساقی نہ ملا ایک چلّو — ہم بھی کیا یاد رکھیں گے ترے میخانے کو

لو لگی شمعِ شبستاں کو۔ کہو ہے کس کی — عشق کا سوز یہ کیا رہتا ہے پروانے کو

کعبہ جانیکی ہے خواہش نہ کلیسا کی ہوس — دل فدا ہوتا ہے بس دیکھ کے بتخانے کو

ولہ

ناز سے چل کے یہ کیوں فتنہ بپا کرتے ہو — خیر ہے تمکو ہوا کیا ہے یہ کیا کرتے ہو

چل کے بتخانہ خدائی کا تماشا دیکھو — کعبہ میں خاک ملے گا جو رہا کرتے ہو

کعبۂ دل کی مرے سیر کرو تم چل کر — بیٹھے بتخانہ میں کیوں بت بنے رہا کرتے ہو

چاندسے چہرہ کو لگ جائیگا ناحق سہا — منہ پہ کیوں برقع یہ ہر وقت رکھا کرتے ہو

ولہ

ایک پیالے سے بھلا سیری کہاں — خُم کے خُم لاکر ہمیں پلوا ایئے

لگ بجاے آپ کو اپنی نظر — آئینہ کو یوں نہ دیکھے جایئے
بندہ پرور کچھ تو ہو خوف خدا — بے سبب کیوں جھوٹی قسمیں کھایئے
کشتۂ حرماں کی آگے ہے لحد — پھول دو اسپرچڑھاتے جایئے

دلِ شیدا کو ترسایا نہ کیجے — دکھاکر منہ تو چھپ جایا نہ کیجے
مری تربت کو ٹھکرایا نہ کیجے — قیامت چالسے ڈھایا نہ کیجے
ذرا گیسو کو سلجھایا نہ کیجے — نیا اندھیر دکھلایا نہ کیجے

ولہ

یار کی یاد مجھے روز دلا دیتے ہیں — داغِ دل داغِ جگر کیسا مزا دیتے ہیں
ہو گئے محو ہیں کچھ یادِ بتاں میں ایسے — جاکے کعبے میں بھی ناقوس بجا دیتے ہیں
آج کھوئے ہوئے بیٹھے ہیں وہ گیسو رخ پر — روز و شب دیکھو وہ کسطرح ملا دیتے ہیں

ولہ

نگاہِ ناز میں جادو گری ہے — تبسم میں طلسم سامری ہے
گلے مل مل کے کیا روئی ہے شبنم — نمی سبزہ میں ہے گل میں تری ہے
چمن میں کیا خزاں آئی ہے عاصی — نہ غنچہ ہے نہ شاخِ گل ہری ہے

آئینہ خانہ میں حیران بنایا تمکو — ابتو کچھ سمجھے کہ اللہ کی قدرت کیا ہے
سینے تاکا بھی نہیں آنکھ سے دخترِ رز کو — ساقی یہ جھوٹی لگاتا ہے تہمت کیا ہے

عالم۔راجہ پنڈت لچھمی نرائن کول غمخوار

راجہ صاحب مرحوم پنڈت جواہر ناتھ صاحب کول غمخوار التخلص بہ ساقی کے والد کے پردادا تھے آپ کے حالات حضرت ساقی کی سوانح عمری کے ساتھ مفصل درج ہیں۔ افسوس ہے آپ کا ایک شعر بھی دستیاب نہیں ہوا۔

عبرت۔پنڈت بشن نرائن ہانگل صاحب خلف پنڈت رادھا کشن صاحب

پنڈت کرتا کشن رینہ گرٹو۔ عزیزؔ

آبروئے گردِ صحرا اشک بس دھو دیتے ہیں ۔ یہ لڑکپن سے مرا منہ دوڑ کے دھو دیتے ہیں
یاد آجاتی ہیں وہ جوشِ جنوں کی سختیاں ۔ دیکھتے ہیں جب کسی مجنوں کو ہم رو دیتے ہیں
میرے حالِ زار پر کیونکر نہ ابر آنسو بہائے ۔ نرم دل انسان پہ سختی دیکھکر رو دیتے ہیں

عجز۔ پنڈت نرائن صاحب کول

۱۱۲۱ء ہجری میں پنڈت نرائن کول صاحب متخلص بہ عجز نے عارف خان صوبہ دار کشمیر کے عہد میں مختصر تاریخ کشمیر فارسی میں بحوالۂ کلہن پنڈت کے تالیف کی تھی اسکا ایک قلمی نسخہ بمقام دہلی پنڈت بشمبر ناتھ صاحب دہلوی کی نظر سے گذرا تھا۔ آپ کا کلام نظم تبرکاً بھی کہیں نہیں ملا۔

عزیز۔ پنڈت کرتا کشن صاحب رینہ گرٹو ولد پنڈت جہناب رائے صاحب مسکین

خط پنڈت کرتا کشن صاحب رینہ گرٹو از مقام دہلی

برضمائر صاحبان حکمت و تدبیر اعنے مہتمان مراسلہ کشمیر روشن و ہویدا با نمسکار۔ بمعائنہ مراسلہ ماہ جولائی سنہ حال کہ بنام رہین رنگِ چہرۂ شاہدِ وصول ریختہ انکشاف اکثر حقایقِ شبینہ اش گردیدہ لاریب اصحابِ والا تمکین و ارباب دانش آئین ہر انچہ زیبِ تسطیر فرمودہ اند بس نیکوست و خالی از نقودِ صداقت نیست میدانم و منقوشِ صفحۂ خاطرِ فاتر می نمایم کہ ہر رسمے از شہر بابرکت لکھنؤ سمت رواج خواہد یافت بلا تامل و اہمال سکنائے اقوام ایں دیار ہم بہ تتبع آں خواہند پرداخت دریں روز ہا بحسب اتفاق روزے در گوشہ خانہ جا داشتم و خاطر ژولیدہ ام ملحوق بعض تعلقات بجا ہا میکشید یکبار نسب حب وطن و برعکس آں شعرے چند از خانۂ خام رقم ترا دیدہ حسب منشاء مراسکہ برائے ملاخطہ اربابِ قوم ذیلِ ایں کتاب درج کردہ میشود بچشم اصلاح ملاخطہ فرمایند و سہو و خطار امعاف زیادہ بجز نیاز چہ۔

خوش آں رسم و آئیں دیرِ کہن ۔ خوشا ذوقِ مستی ز اہلِ وطن

خوش آں گل کہ در گلستاں بشگفد — خوش آں بلبلے کز چمن پر نخرد
خوش آں سروِ یکتا بپائے قیام — نمودست در باغ آں بے خرام
خوش آں قمریاں در چمن نغمہ زن — بخاکستری جامہ کردہ وطن
ختادست سنبل دریں گلزمیں — پریشاں چو موہائے خوبانِ چیں
نسیمِ بہاری بگلشن خوش ست — شمیمِ بہاری بگلشن خوش ست
بہارِ چمن از وطن برترست — قیامِ وطن از چمن خوشترست
بہارست در گلشنِ جائے خویش — نباید کشید از وطن پائے خویش
بہارست اے بلبلِ نکتہ داں — بہارست اے مرغِ رنگیں بیاں
کسے گو نہد از وطن پا بروں — خطا میکند می نماید زبوں
ز دریا اگر ماہی آید کنار — شود بیقرار و شود بیقرار
گہر از صدف سر چو آرد بروں — بغلطد دوام و رود سرنگوں
بہارست ای ساقیِ لالہ رنگ — بدہ پر لکالی مرا بے درنگ
چو حبِ وطن روز افزوں کند — تہی ساغرم ز ابِ پر خوں کند
بقولِ ظہوریِ صاحب ظہور — کشیدن مئے ناب باشد ضرور
حرامست بے می حرامست زیست — براحوالِ زہاد باید گریست
نہ چنداں کہ سازد ترا پر غرور — ولے آں قدر تا رساند سرور
پئے خور دنش در وطن خوشترست — ویا میل او در چمن خوشترست
مئہ پلئے بیروں ز اندازۂ — کہ تا بر نگوئی سخن تازۂ
بگرداں عنانِ سخن زیں خیال — قلم را رواں کن سرِ صفحہ حال
زحبِ وطن گرچہ گفتم بسے — اجابت کند یا نسازد کسے
کنوں خامہ ام میرود زیں سخن — رقم می نماید خلافِ وطن

هوای وطن گرچه بس خوشترست
سواد وطن از سفر بهترست

ولی نیک بشنو تو ای نیک روز
چراغِ سفر را بدل بر فروز

نرفته اگر آدمی در سفر
بود مثلِ حیوان سراپا مگر

سیاحت بود کارِ اهلِ همم
سیاحت نمایند صاحب حشم

ز سیاحیِ دهر آید خرد
بماند جدا از علمائے بد

ثمر از ولایت در آید بهند
فرنگی ز مشرق شد آنروی سند

شهانِ زمانه ز اطراف ها
نشستند هر یک بجا ها بجا

کشیدند اقلیم ها زیرِ تیغ
نمودند جائے خودش بیدریغ

خصوصاً کسے کو بدہلی رسید
درین شهر یکچند منزل گزید

به حُبّ وطن گه نکرد التفات
درین سرزمین گشت ویرا برات

ز تاجر به بین کز وطن میروند
بدریاؤ ہاموں قدم میزنند

فروشند سودا بگیرند سود
گذارند عمرے برقص و سرود

یکے اسپ ها میخرد ز اصفهان
یکے پیل هندی ز هندوستان

به بین نکته سنجانِ عرب و عجم
بعهدِ ملوکانِ دارا حشم

چه اکبر جهانگیر و شاهِ جهان
ثریّا مکاں بلکه عرش آشیاں

همه آمدند از پئے چاکری
رسیدند بر منصبِ حاضری

نکردند یادِ وطن گاه باز
همیں جا سپردند جاں در نیاز

چه خوش گفت ابوالفضل مردِ پیر
سخن ہائے پاکیزه و دلپذیر

سفر کن سفر کن سفر کن سفر
سفر کن که بسیاری آرد ظفر

غرض قصه کوته نما اے عزیز
که کم خوش بود گفتگو ہائے نیز

تاریخ وفات پنڈت شیو نرائن بہار

زگیتی چو بربست رختِ سفر — فلاطوں خرد عاقل و پُر ہنر
ثمین گوہرِ بحرِ عقلِ کمال — گلِ گلشنِ دانش و خوش خصال
بہارِ چمن شیو نرائن بنام — سہی سروِ باغِ فراست تمام
گُلے بود در گلستانِ فرنگ — بہارِ چمن زو شدے لالہ رنگ
بیفسرد چوں غنچۂ عمرِ اُو — زگلہا بروں شد ہمہ رنگ و بو
عنادل بگلشن شدہ نالہ زن — ہمہ قمریاں کُو بکو نعرہ زن
بباغِ جہاں شور محشر فتاد — چو آں سروِ یکرنگ از سر فتاد

شدہ زعفرانی چمن در چمن
نسیمِ بہاری گذشت از وطن

کہ سوخت خار و خسِ آشیان بلبل را — وگر بہار برافروخت آتشِ گل را
ز اشکہا کہ فشانید در چمن بلبل — قبائے آبِ رواں زیب شد برِ گل را
بزیرِ آبِ طرب خیز ساقیا در جام — بلند ساز دریں بزم بانگِ قلقل را

عزیز منتِ دُوناں چرا تواں برداشت
گرفتہ ایم بکف دامنِ توکّل را

عشرت ۔ پنڈت دیا ندھان گنجور صاحب خلف پنڈت مہتاب رائے صاحب

آپ ۱۸۲۴ء میں بمقام چھپور راجپوتانہ پیدا ہوئے اور ۱۸۰۱ء میں بمقام لکھنؤ آپنے سفر آخرت اختیار کیا راجپوتانہ سے آپ پنجاب چلے گئے اور ہوشیار پور سے کرنل ایبٹ کے ہمراہ لکھنؤ میں آئے جہاں تحصیلداری کے عہدہ پر آپ مامور ہوئے اور مجسٹریٹ درجہ اول اور

پنڈت دیاندھان گنجور۔عشرت

دیوانی کے اختیارات آپ کو عطا کئے گئے۔ ۱۸۵۷ء کے زمانہ غدر میں گورنمنٹ برطانیہ کے
آپ ایک بڑے وفادار خیر خواہ ملازم ثابت ہوئے۔ حکام اعلیٰ کے دلوں پر آپکی وفاداری
کا ایک خاص اثر تھا چنانچہ مسٹر ایس۔اے۔ ایبٹ کمشنر لکھنؤ نے لندن پہونچکر اپنے ایک
خط میں آپ کی حسن خدمات کا خاص طور پر اعتراف کیا۔ ۱۸۷۵ء میں جب شہنشاہ ایڈورڈ
ہفتم بہ حیثیت پرنس آف ویلس لکھنؤ تشریف لاے تھے تو شہنشاہ مغفور کی استقبال کا کل
انتظام پنڈت صاحب کے سپرد کیا گیا تھا چنانچہ اس خدمت کے صلہ میں گورنمنٹ سے آپکو
خلعت عطا کیا گیا اور حضور قیصرہ ہند ملکہ وکٹوریا نے لندن سے ایک سرٹیفکٹ آف میرٹ
مرحمت فرماکر ایک خاص اعزاز آپ کو بخشا۔ آپ کے اکلوتے لڑکے پنڈت اقبال نراین
آپ کے زمانہ حیات ہی میں جوانمرگ ہوئے مگر آپ کے ہر سہ نبیرگان پنڈت جگپال کرشن
صاحب۔ پنڈت اندرکشن گنجور صاحب اور پنڈت کنور کرشن صاحب اپنے جد بزرگوار
مرحوم کے نقش قدم کے پیرو ہیں۔ لکھنؤ میں ایک چھوٹا سا پارک موسوم بہ دیا ندھان
پارک پنڈت صاحب مرحوم ہی کی یادگار میں تیار کیا گیا ہے اور پبلک کے لئے ایک فرح
بخش مقام ہے۔

داد خم زلفیں سیاہش تاب دگر در تاب دگر — آہ دگر شد دام بلا آں کاکل مشکیں تا بکمر
گر ببرم از غمزۂ خوبان جاں بسلامت اے عشرت — کافر باشم گر بکنم در کوچۂ ایشاں باز گذر

عمدہ۔ راے سیتارام صاحب خلف راے زندہ رام صاحب مؤبد دہلوی شاگرد انعام اللہ خاں یقین

تیسرے فرزند راے پنڈت زندہ رام صاحب مؤبد کے راے پنڈت سیتارام صاحب
عمدہ تھے۔ جب مؤبد صاحب معہ فرزندان کے الہ آباد میں بمنصب جلیلہ مامور ہو کر آئے
بیچارہ عمدہ پچیس ۲۵ سال کی عمر میں جوانمرگ ہوا۔ اور اس حادثہ کے غم و اندوہ سے مؤبد صاحب
چھ مہینہ کے بعد رحلت گزیں جنت ہوئے۔ عمدہ کے دیوان فارسی کو جو دس ہزار بیت

سے کم نہ تھا خود مُوبد صاحب نے بعد اُسکی وفات کے مرتب کیا۔ تذکرۃ الشعرا موسومہ
گلزار مضامین مرتبہ راے پنڈت ٹیکارام ظفر میں ظفرؔ نے حضرت مُوبد کی حالت جو
جوانمرگ بیٹے کے صدمہ سے ہوگئی تھی اس طور پر بیان کی ہے کہ" از مرگِ پسر پدر را
خواب و خور و راحت نفور شد۔ دریں غم بعرصۂ شش ماہ آں عارفِ کامل و عابد دریا
دل چوں قطرہ بدریا واصل بحق گردید۔"

باہمدمے نفس زدنِ ہم غنیمت است　　ہمچوں حباب ہر نفسے دم غنیمت است
غمگیں مشو چو رام دلارام مانشد　　اے عمدہ از غزالِ حَرَم رم غنیمت است

ولہ

دردِ دلِ مرانشود از دوا علاج　　افتادہ ام طبیب بدستِ تو لا علاج
عمدہ جاں دادم وگفتم بہ طبیب　　مرگ را ہیچ دوا می باشد

ولہ

ناگہاں بُرد از دلم آرام　　نور الابصار عمدہ سیتارام
شاعرِ خوش کلام و رنگینے　　قال وفاتش بہر دو عالم نام
سوختہ بر کنار تربینی ہا　　خوش نمودہ بباغِ طُور مقام
گنگ و جمنا و سرسوتی باہم　　مے وحدت کشند جام بجام

ولہ

حکایتہا کنم مستانہ از جام و چمن دیگر　　کشم مے ساقیا گویم سخن از عالمے دیگر
بوقتِ واپسیں شاید دمِ تیغ تو بنوازد　　بود زاں جام برلب آمدہ مہماں مے دیگر
بریں دل مُردگاں چوں شمع ما را گریہ می آید　　دریں محفل نباشد غیر از ینہم ماتمے دیگر
مکن آں زلف را بر چہرہ۔ جاناں درہم و برہم　　شود درعالمِ جاں ورنہ درہم برہمے دیگر
بروزِ وصل او دارم غمِ روزِ جدائی را
شبِ ہجراں ز فکرِ وصل او دارم غمے دیگر
زفیضِ اشک بالادر دلِ شب کشتِ اعمالم　　شود اے عمدہ سیراب ایں زمیں از شبنمے دیگر

اشعار اُردو

مرے تابوت پر حاجت نہیں پھولونکی چادر کی | کہ میری نعش پردہ سرو گل اندام پہونچیگا
خراب مجھکو نہ کر جان۔ آشنا کہکر | بُرا کرے ہے کسو سے کوئی بھلا کہکر

عیاش۔ جیرام پنڈت گھڑیالی ساکن طوسی مسجد سرینگر کشمیر

خاص کشمیر کے شعراکے حالات زندگی دریافت کرنے میں ناچیز مولف کو سخت ناکامی ہوئی ہے۔ جناب عیاش کے سوانح باوجود سعی بسیار معلوم نہو سکے صرف اس قدر دریافت ہوا کہ آپ عدالت دیوانی یا فوجداری میں ایک اہلکار تھے۔ معلوم نہیں کہ کس سنہ میں آپنے انتقال کیا۔ چند غزلیات جو دستیاب ہوئی ہیں اُنکے ملاحظہ سے اندازہ فرمائے کہ آپکی طبیعت کس قدر سلاست پسند۔ فصیح اور رواں تھی۔

غزلیات فارسی

دلبرا گوش کن تو زاریِ ما | رحم آور بدل فگاری ما
راز عشقے کہ در دل است مرا | فاش گردد ز اشکباریِ ما
خرمنِ ماہ بر فلک سوزد | گر بچرخ آمد آہ وزاریِ ما
ہیچو من کیست بختور امروز | کہ کند یار غمگساریِ ما
رُد بہ کوتاہی آورد عمرم | کہ دراز است بیقراری ما
رفت بیروں زچشم طفلِ سرشک | چکنم نیست اختیاریِ ما
داغِ مُہرِ نبوت است بدل | آفریں ہا بہ بختیاریِ ما
در فنِ دل دہی و عشاقی | استوار است استواریِ ما
دین و دنیا و دل فدائے توشد | چہ شود گر کنی تو یاری ما
آنچناں بختِ بد گرفت گلو | کہ بجاں است جاں سپاریِ ما

مست گشتم زچشم او درخواب — صاف آں بہ زہوشیاریِ ما
بند سازم بدام زلفش دل — غیر ازیں نیست رستگاریِ ما
با تو اے عقلِ خام کارے نیست — در جنوں است پختہ کاریِ ما
پا بگل ماندہ ام بہ کوئے غمت — بخدا کن تو دستیاریِ ما
نعش من چوں بکوئے تو گذرد — یاد کن یاد دوستداریِ ما
بادۂ خونِ دل مدام خوریم — اے خوشا حال میگساریِ ما

تازہ شعرے فصیح گو عیاش
کہ ہمیں است یادگاریِ ما

اے مہرباں تو دور بیفگن زرو نقاب — تا آفتاب و ماہ نتازد بہ آب و تاب
دیدم رخش ز دیدہ فزوں شد سرشکِ من — نورے ز آفتاب فزاید بچشم آب
دامن تراست از عرقِ تو بہ امشبم — ساقی ز ابرِ شیشہ بروں آر آفتاب
زیں بعد منع گریہ کنم ہر دو دیدہ را — کز آبِ اشک باشدہ یک عالمے خراب
از چرخِ پر فریب امیدِ بہی مدار — راضی نکرد تشنگیِ ہیچ کس سراب
طاقت کجا کہ تابِ فراقِ تو آورد — ایں دل بسانِ زلف درافتد بہ پیچ و تاب
جامم زمے تہی است خرابم دریں بہار — برخیز ساقیا تو قدح پر کن از شراب
ایدل کدام عیش بہ ایں عیش میرسد — کز اشک خویش بادہ خورم از جگر کباب

ثابت قدم بر استی عیاش ار شوی
باشی زبخت سبز چو شمشاد کامیاب

در آمد از درم جانانہ امشب — ز نورش شد منور خانہ امشب
بگرد روے آں شمعِ گل اندام — ہجوم بلبل و پروانہ امشب
بدہ پیمانہ پر ساقی پیاپے — مبادا پُر شود پیمانہ امشب

هوس پروانہ وارم چوں سمندر | برآتش پر زنم مردانہ امشب
دلم از یادِ چشمش شد چناں مست | کہ گویا بود در میخانہ امشب
پئے تاراجِ دیں و عقل و ایماں | بتازاے شوخ من ترکانہ امشب
درآیم درچمن چوں عندلیباں | غزلخوانی کنم مستانہ امشب
برآمد آں پری از پردہ ناصح | بگو خود چوں شوم فرزانہ امشب
خیالِ آں صنم بگذشت در دل | دریغا کعبہ شد بتخانہ امشب

سرِ آشفتگی داری گر عیاش
بخواں از زلفِ او افسانہ امشب

گلِ روے تو دیدنم ہوس است | خار از دل کشیدنم ہوس است
در گلستان چمیدنم ہوس است | گل ز گلزار چیدنم ہوس است
دل ز دنیا بریدنم ہوس است | دامن از خلق چیدنم ہوس است
بہرِ پابوسِ آں پری رخسار | ہمچو کاکل خمیدنم ہوس است
پیرہن دوختی عبث ناصح | کہ گریباں دریدنم ہوس است
در تہِ پاے لالہ رخسارے | ہمچو سبزہ دمیدنم ہوس است
اندریں باغ ہمچو مرغِ چمن | یکدو روزے پریدنم ہوس است
یادِ تند وصال راچکنم | زہرِ ہجراں چشیدنم ہوس است
نشترِ غمزہ را تو آبے دہ | کہ رگِ جاں بریدنم ہوس است
بخدا دُور کن نقاب ز رو | حسنِ بے پردہ دیدنم ہوس است

خیز عیاش ہمرہِ ما شو
کہ بجاناں رسیدنم ہوس است

عیش آں کس مدام می باشد | کہ شرابش بکام می باشد

نسبت قامتش مکن با سرو — سرورا کے خرام می باشد
خال در زیر زلف پیچانت — دانہ در زیر دام می باشد

ولہ

لبش بخندہ کہ بازاست چہ می باید کرد — شیوہ اش راکہ درازاست چہ می باید کرد
عمر کوتاہ شدو راہ بپایاں نرسید — منزلِ عشق درازاست چہ می باید کرد
بہریک ناز بجاناں دل و ایماں دادن — لازم اہلِ نیازاست چہ می باید کرد
روز وصلش دلِ من گریہ کناں میگوید — کہ شبِ ہجر درازاست چہ می باید کرد
بردہ ہوش و خرد و جان و دلم دلبرِمن — چشم باغمزہ براز است چہ می باید کرد

بیخود از دیدۂ عیاش بروں آمد اشک
اشک در پردہ درازاست چہ می باید کرد

لالہ رخسارے مرا دیوانہ کرد — کبک رفتارے مرا دیوانہ کرد
اے طبیباں حال زارم شنوید — چشم بیمارے مرا دیوانہ کرد
خال ابرویش دلم دز دیدہ برد — دزد طرارے مرا دیوانہ کرد
مہرورزی کردم و قہرش فزود — رحم بیزارے مرا دیوانہ کرد
اے سخنداناں دماغ آشفتہ ام — نغز گفتارے مرا دیوانہ کرد

ولہ

بہرتاراج عقل و ہوشم کرد — غمزہ باچشم اتفاق امروز
عشق پر سوز خانۂ دل را — کرد غارت بہ طمطراق امروز
کن غدر کن حذر کہ مردم را — اتفاق است در نفاق امروز

بہر تو خوار و زار شد عیاش
بخدا کن تو اش وفاق امروز

دلا بہ درد فراقش بگو چہ چارہ کنم — ہمیں بس است کہ سویش یکے نظارہ کنم
اگر بنالہ درآیم زسستی طالع — اثر درونِ دلِ سخت سنگ خارہ کنم

پنڈت کنور نرنجن ناتھ مدن۔ عیشؔ

پیادہ در برِ جاناں رسید نتوانم | بمرکبِ دلِ خود جانِ خود سوارہ کنم
آمد آں شوخ بہ بازار چہ باید کردن | برقع افگندہ ز رخسار چہ باید کردن
اے کماں ابروے من گر تو نہ دشمن دینی | پشتِ محراب بدیوار چہ باید کردن
نبض بیں باش طبیبا بمراراست بگو | کہ علاجِ دل بیمار چہ باید کردن
گفتم ار بوسہ دہی زندہ شوم گفت از ناز | زندگی پیشِ من اظہار چہ باید کردن
زلفِ پر پیچ و خمِ خویش مفگن بررو | حافظ گنج سیہ مار چہ باید کردن

گر ز سرِ دانشِ نیستی آگہ عیاش
سخنِ مخزنِ اسرار چہ باید کردن

عیش ۔ کنور پنڈت نرنجن ناتھ ۔ مدن صاحب خلف راجہ دینا ناتھ

مدن صاحب آپ راجہ دینا ناتھ مدن کے اکلوتے لڑکے تھے ۔ زمانہ عروج سلطنت پنجاب میں راجہ صاحب مرحوم مہاراجہ رنجیت سنگھ کے مشیر خاص تھے اور مہاراجہ انکو اپنا سچا خیر سگال سمجھتے تھے ۔ کنور صاحب فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے ۔ آپ ظریف الطبع خلیق اور منکسر المزاج رئیس تھے ۔ منکا ایشور ناتھ مدن اور برجموہن ناتھ مدن آپ کے دو لڑکے تھے ۔ دونوں بھائیوں نے عالم شباب میں رحلت کی ۔ کنور صاحب نے ۴۹ برس کی عمر پاکر ۱۸۹۲ء میں بمقام لاہور بہشت بریں کی راہ لی ۔ صرف ایک نظم ذیل بمشکل دستیاب ہو سکی ۔

خُم کے خُم کے جوشش مستی میں لُنڈھا دیتے ہیں | شور میخانہ میں ہو حق کا اُڑا دیتے ہیں
دبسے سب فکر دو عالم کی مٹا دیتے ہیں | دمبدم ساقی و مطرب کو صدا دیتے ہیں
موسم گل میں ہم اک دھوم مچا دیتے ہیں

دیکھتے جاتے ہو کیسا ہے میرا حال تباہ | نام جانے کا کبھی پھر لیتے ہو خالق کی پناہ
ابھی مر جاؤ لگا دم توڑ کے اے غیرت ماہ | نزع میں ہوں میری بالیں سے نہ اُٹھے للہ

آپ کس وقت میں بندے کو دغا دیتے ہیں

کیا سمائی ہے ولا طبعِ بُتِ خود سر میں　　کیا وہ سوچے ہیں طبیعت ہے پڑی چکر میں

ظلم ایسا نہ سنا ہو گا زمانہ بھر میں　　یہ نئے طور کا انصاف ہے اُن کے گھر میں

غیر کرتے ہیں خطا ہمکو سزا دیتے ہیں

کس کا قابو میں ہے جی جوشِ جنوں میں ناصح　　پھر نہ سمجھانا کبھی جوشِ جنوں میں ناصح

یاں ہے کچھ اور چڑھی جوشِ جنوں میں ناصح　　کون سنتا ہے تیری جوشِ جنوں میں ناصح

خضر بھی آئیں تو ہم راہ بتا دیتے ہیں

یا خدا کیوں میں ہوا عاشق و شیدا اُن کا　　ہے سراپا ستم و جور کا پُتلا اُن کا

ظلم اسمیں بھی ہے شامل جو ہے غمزہ اُنکا　　جب میں روتا ہوں تو اللہ رے ہنسنا اُنکا

قہقہوں میں میرے نالوں کو اُڑا دیتے ہیں

اُٹھ گیا ہائے زمانہ سے محبت کا اثر　　ایسی بے قدر ہوئی چیز یہ اے رشکِ قمر

غور تو کیجئے اس وقت طبیعت ہے کدھر　　جنسِ دل آپ گراں سمجھے ہیں اک بوسے پر

دھیان اتنا نہیں کیا لیتے ہیں کیا دیتے ہیں

عیش جو اُن کا طریقہ ہے وہ سب بیجا ہے　　غور تو کیجئے اس میں اُنھیں ملتا کیا ہے

رُو برُو اُن کے صبا کی جو غزل گاتا ہے　　کریں تعریف بھلا ذکر تو اُس کا کیا ہے

چٹکیوں میں وہ مغنّی کو اُڑا دیتے ہیں

غافل۔ پنڈت سروپ نرائن صاحب ہاکسر دہلوی خلف پنڈت

بشن نرائن صاحب ہاکسر۔ آپ اندازاً سترہ سال کی عمر میں دہلی سے بمشاہرہ سو روپیہ ماہوار ریاست اندور میں سپرنٹنڈنٹ پریس مقرر ہو کر گئے تھے۔ جب آپکی لیاقت کا حال مقامی حکام انگریزی کو معلوم ہوا تو آپکی خدمات اپنی گورنمنٹ میں منتقل کرالیں آپ اولاً بعہدہ میر منشی یعنی نیٹو اسسٹنٹ ایجنٹ گورنر جنرل سنٹرل انڈیا مامور ہوئے اور ترقی پاکر مستقل پولیٹکل ایجنٹ کے عہدہ تک پہونچے۔ آپنے تقریباً ۲۰ سال تک پنشن پائی اور ۷۵ سال کی عمر پاکر بمقام اندور سنہ ۱۹۰۵ء میں انتقال کیا۔

پنڈت جگموہن ناتھ ہکو - فدا

غافلا بس کن وزیں شعلہ زبانی باز آ تا بدل داغ بسوزند سخن‌دانے چند

ولہ

در خواب دیدم لام الف دل گفت تعبیرش چنیں باشد قدِ دلبر یکے زلفِ چلیپائے دگر

ولہ

چوں خود در آہ نیست تاثیر اے دل شوے دہنہ فریاد

از پندِ من وز صبر حرفے برگیر کہ آخرت کند شاد

ولہ

بپا لید آں قدر سرو از پناہش کہ ماہ و مہر باشد حدِّ جاہش

فدا۔ پنڈت جگموہن ناتھ ہکّو صاحب دہلوی۔ خلف پنڈت جوالا ناتھ ہکّو صاحب

پنڈت جگموہن ناتھ صاحب ہکّو متخلص بہ فدا آپ کا زمانہ دہلی کے نامی گرامی شعرا آغا شاعر صاحب ارشد گرگانی۔ سائل دہلوی وغیرہ وغیرہ کے صحبت میں گذرا ہے آپ دہلی کے ایک معزز خاندان کشمیری پنڈتان میں سے ہیں جنکے بزرگان معزز رؤسائے دہلی میں سے تھے آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی پنڈت جوالا ناتھ صاحب عرف ہکّو تھا۔ بچپن ہی سے شعر و سخن کی جانب میلان طبع تھا ابتدا میں عالیجناب مرزا سرفراز حسین صاحب طرار دہلوی شاگرد رشید مرزا نوشہ غالب سے فخرِ تلمذ حاصل کیا کچھ عرصہ تک اُستاد مرحوم سے اصلاح پائی حسب اتفاق ایک روز آپ نے ایک غزل تصنیف کر کے اُستاد مرحوم کے روبرو پیش کی جسکا مطلع یہ تھا۔

جلاتے آہِ شرر فشاں سے فلک سے ہم انتقام لیتے

جو رہتے جیتے ہم اور کچھ دن تو تجھسے بدلے تمام لیتے

اُستاد مرحوم نے سُنکر فرمایا کہ صاحبزادے اب تمہارے کلام کو اصلاح کی ضرورت نہیں ہے خُود ہی اپنا کلام پڑھا کرو یہ حکم اُستاد مرحوم کی زبان سے کچھ ایسا نکلا کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد اُستاد رہگرائے عالم بقا ہوئے اسی عرصہ میں آپ کے والد بزرگوار کا تبادلہ بمقام انبالہ چھاؤنی بعہدہ وکیل کمشنری ہو گیا چنانچہ آپ بھی اُن کے ہمراہ انبالہ

تشریف لائے اور یہیں ملازمت اختیار کی وہاں بھی آپ کے کلام نے شہرت پائی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں بیرشاعرہ کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی جسپر آپ عرصہ قریباً دس سال تک ممتاز رہے اس دوران میں معزز شعرا و اصحاب نامی گرامی کے اصرار سے آپ نے اپنا کچھ کلام بشکل دیوان ترتیب دیکر دیوان فدا کے نام سے طبع کرایا جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگیا حتیٰ کہ ایک نسخہ بھی آپ کے پاس نہ رہا۔ اس وقت آپ کا سن ۸۴ سال کا ہے مگر خدا کے فضل سے آپ کی تندرستی ابھی تک بدستور ہے آپ کا سن ولادت ۱۸۶۸ء ہے یہ وہ سال مبارک تھا جسوقت ایشیای شاعری کا عروج کمال پر تھا معلوم ہوتا ہے کہ آپنے مرزا غالب۔ خواجہ حیدر علی آتش۔ حضرت ناسخ و امانت کے کلام کی خوب سیر کی ہے۔ بندش الفاظ۔ محاورات اور ضرب المثل کی آپ کے کلام میں کمی نہیں ہے۔ تشبیہہ اور استعارات سے آپکے اشعار مالا مال ہیں قریباً بیس بائیس سال کا عرصہ ہوا کہ آپ کی طبیعت میں کچھ ایسی تبدیلی واقع ہوئی کہ علم تصوف و فلسفہ کی جستجو میں سرگرداں رہنے لگے آخرکار جویندہ یابندہ کا مضمون صادق آیا اتفاقاً شیخ المشائخ مولانا و سیدنا حضرت سیّد ابرار صاحب مکیّ مدنی کی خدمت میں آپ کی رسائی ہوگئی تھوڑے ہی عرصہ میں آپ اُنکے طالب ہوئے۔ مُرشد کی نظر آپ پر کچھ ایسی پڑی کہ آپ نے اپنا کلام عشقیہ ترک کرکے نعتیہ کلام کی طرف قلم اُٹھایا۔ اس میں بھی وہ نمایاں ترقی حاصل کی کہ نعت گو اساتذہ نے آپ کی پختہ کلامی کی داد دی۔ حضرت مضطر مرحوم خیرآبادی آپ کے کلام کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔

اوس پڑ جائیگی گلشن میں گلو پر آخر — گر ترا عارض رنگیں عرق افشاں ہوگا
جوشش اشک کا اپنے بھی عجب ہے عالم — قطرہ سے بحر ہوا بحر سے طوفاں ہوگا
چل فدا جانب صحرا کہ بہار آئی ہے — راہ تکتا تری ہر خار بیاباں ہوگا

ولہ

قاصد اجسکو سمجھتا تھا میں نامہ اُن کا — وائے حسرت کہ مرے قتل کا محضر نکلا
تھی رکاوٹ نہ ترے دل میں تو کیوں اے قاتل — ہم پہ رُک رُک کے ترا میان سے خنجر نکلا

دل مرا پھر عاشقِ زلفِ چلیپا ہوگیا — پانوٗں پھر زنجیر میں پھر سر میں سودا ہوگیا
موسمِ گل کو تو آنے دے ذرا دستِ جنوں — چاکِ دامن کا ابھی سے کیوں تقاضا ہوگیا
اور بھی پھیری چھری اُس نے گلے پر روک کر — رقصِ بسمل بھی ستمگر کو تماشا ہوگیا
گر نہ تھے تم باعثِ مرگِ فداؔ اے خستہ تن — کیوں عزاداروں میں پھر چرچا تمہارا ہوگیا

ولہ

اس اُجڑے ہوئے دل کو کیا دیکھتے ہو — کبھی یہ مکاں بھی تھا مسکن کسی کا
نہ گنجِ شہیداں میں ٹھکرا کے چلئے — کہ آخر تو یہ بھی ہے مدفن کسی کا
کسی نے تو مجھسے چھڑایا کسی کو — قیامت میں پکڑوں گا دامن کسی کا
جھلکتا ہے آنکھوں میں کیا کیا ہمارے — فداؔ جلوۂ روئے روشن کسی کا

ولہ

مردمِ دیدۂ عاشق سے اگر پردہ ہے — خانۂ دل میں بنا لیجئے مسکن اپنا
کیوں نہ کانٹوں پہ گلستاں میں عنادل لوٹیں — حیف گلچیں نے بھرا پھولوں سے دامن اپنا

ولہ

اب میرے آہ و نالہ کی تاثیر دیکھنا — رہنا سنبھل کے او فلکِ پیر دیکھنا
مانی سمجھ کے کھینچنا خاکہ اوڑاوں گا — بگڑی کہیں جو یار کی تصویر دیکھنا
زنداں میں غل یہ کیا ہے کہیں ہلگئی نہو — اُنکی اسیرِ زلف کی زنجیر دیکھنا
مضموں نئے ہیں طرز نئے بندشیں نئی — ہے کس بلا کی یار کی تحریر دیکھنا
اُمیدِ قتل قطع ہوئے اسکے ہاتھ سے — کھچتی ہے مجھسے یار کی شمشیر دیکھنا
دھبے ہمارے خوں کے ہیں قاتل جو تیغ پر — بنجائینگے یہ جوہرِ شمشیر دیکھنا

ولہ

نہ نکلا دودِ دل ضبطِ فغاں سے ہمنے گو مانا — مگر آخر تو دلکو تونے اے سوزِ نہاں پھونکا
تری برقِ تبسم نے سپہرِ حسن کیا کہئے — ہمارے خرمنِ ہستی کو دم میں ہگیاں پھونکا

ولہ

آہ سوزاں کی مری تاثیر کیا جاتی رہی — کیوں اثر ہوتا نہیں یارب مری فریاد کا
دیدۂ حسرت سے تکتا ہے گلوئے سخت جاں — ہاتھ رُک جاتا ہے وقتِ ذبح جب جلّاد کا

ایک مرتبہ آپ گوالیار سے کسی وجہ سے ناخوش ہوکر بھوپال تشریف لے گئے اور خان بہادر اسرار حسن خانصاحب نصیر المہام ریاست بھوپال کے مکان پر فروکش ہوئے اور ایک درخواست دربارہ حصول ملازمت پیش کی خانصاحب نے فرمایا کہ اس درخواست کو نظم کرکے عنایت فرمائیے تو مناسب ہوگا چنانچہ آپ نے فی الفور قلم برداشتہ اُس کو نظم میں تحریر فرمایا جو یہاں پر درج کی جاتی ہے واقعی خوب فرمایا ہے۔

مشعل سے آفتاب کے ڈھونڈوں اگر جہاں
سلطانہ عالیہ* سا میں کب پاؤں مہرباں

چارہ گر غریب دواساز بے کساں
ہم نطق و فضل و فیض ہم کی تمام جاں

یہ باغ سبزہ بختوں سے خالی نہیں کبھی
جنکی شمیم خلق سے گلزار بوستاں

ابلغ وہ اسقدر کہ بلیغوں کے ہوش گم
افصح وہ اسقدر کہ زباں گنگ خوش بیاں

لکھوں جو وصف جوہر شمشیر آبدار
آب رواں کی طرح ہو سیف قلم رواں

جلاد چرخ کانپ اُٹھے دیکھ لے اگر
گاوِ زمیں بھی مانگے پناہ کہکے الاماں

تعریف راہوار میں لکھوں تو ہے بجا
چلنے میں باد تُند فلک سیر بیگماں

تعریف نظم و نسق بیاں تو کروں مگر
یہ طاقت و مجال یہ تاب قلم کہاں

القصہ اسکو ختم کروں لکھ کے مختصر
دارا حشم فریدوں فروشاہ نکتہ داں

لازم ہے اب مجھے بھی کروں عرض حال کچھ
پر جو لکھوں یہ فکر ہے ہو مختصر بیاں

بیمار کردیا مجھے بیکاری نے حضور
ہاتھ آئے اپنے شربت دیدار تو کہاں

افلاس بے قیاس نے ثابت نہیں رکھا
ہے انتہا کہ پانوں میں ٹوٹی ہیں جوتیاں

اوراس پہ کار شادی دختر ہے زود تر
ہر لحظہ فکر میں ہوں کروں کیا شہ زماں

ناچار عرض خدمت عالی میں ہے حضور
بہر خدائے عزّ و جل شاہ دو جہاں

مجھ خاکسار کی بھی ہو اک عرض مستجاب
مل جائے روزگار مجھے بھی شہِ جہاں

خدمت میں تا کروں دل و جاں سے تیری شہا
اور تجھ پہ اپنے جوہر ذاتی کروں عیاں

*علیا نواب سلطان جہان بیگم

ہے مجھکو چار علم میں اے شاہ دسترس انگریزی اُردو فارسی و ناگری زباں
دیوانی فوجداری و قانون حال سے ہے مجھکو پُوری واقفیت اے شہِ جہاں
حاضر ہوں امتحان کو بھی اے شاہ ذی حشم طیار ہوں میں حکم ہو گر بہرِ امتحاں
ہوں دارثی فقیر شہا مجھ پہ رحم ہو دیجے طفیل وارث و مولا علی اماں

بہ تقریب جشن ولادت شریمنت ہز ہائنس مہاراج جیواجی راؤ سندھیا عالیجاہ بہادر والئ ریاست گوالیار ایک جلسہ زیر صدارت حضرت مضطر خیر آبادی بمقام ٹاؤن ہال لشکر ریاست گوالیار میں منعقد کیا گیا تھا جسمیں بیرون جات سے نامی گرامی شعرا مدعو کئے گئے تھے اس میں آپ کو بھی بغرض شرکت مدعو کیا گیا تھا اور مصرع مطرحہ دُعائیہ تھا اور یہ قید تھی کہ غزلیات دعائیہ ہونی چاہئیں چنانچہ اس موقع پر آپ نے جو مخمس دعائیہ تحریر فرمایا تھا وہ درج ذیل ہے۔

مصرعہ طرح تجھے اے موتیوں والے بنا گوہر مبارک ہو

یہ تاجِ شانِ شاہانہ ترے سر پر مبارک ہو یہ شوکت اور یہ حشمت اے فریدوں فر مبارک ہو
سرِ دُنیا کو تیری خاکِ سنگِ در مبارک ہو ہمیں تجھسا لئیق اور قدرداں افسر مبارک ہو
تجھے اے موتیوں والے بنا گوہر مبارک ہو

چمن میں شاخِ نخلِ عیش جب تک بارآور ہو قدِ موزوں سے جب تک منفعل سرو و صنوبر ہو
خوشی سے چہچہ زن تا بہ بلبل شاخِ گُل پر ہو گلوں کے بھیس میں جب تک شمیمِ روح پرور ہو
تجھے اے موتیوں والے بنا گوہر مبارک ہو

فلک جب تک رہے سایہ فگن دنیائے فانی پر مسیحا حکمراں جب تک ہو چرخ آسمانی پر
رہے یہ آبِ قلزم جوش سے جب تک روانی پہ خضر کو ناز ہو جب تک حیاتِ جاودانی پر
تجھے اے موتیوں والے بنا گوہر مبارک ہو

تری تلوار جو ہر دار میں نصرت کا ہو جوہر رہے زیبِ کمر دائم ترے شمشیر اور خنجر

رہے چشم عطائے دولتِ برطانیہ تجھپر ملے پھر جاہ و حشمت تجھکو اس سے اور بھی بڑھکر

تجھے اے موتیوں والے نیا گوہر مبارک ہو

کہاں چرچا ترے مولود کا جاکر نہیں پھیلا صبا نے کون سے گلشن میں پہنچایا نہ یہ مژدہ

جو دیکھا دیر و کعبہ میں تو تھا واں بھی یہی چرچا ہر اک شیخ و برہمن انگلیوں پر اپنے جپتا تھا

تجھے اے موتیوں والے نیا گوہر مبارک ہو

کرے تحریر کیا تابِ قلم جو عدلِ سلطانی پلایا تونے بکری شیر کو اک گھاٹ پر پانی

بجا ہے گر کہیں ہم تجھکو اب نوشیرواں ثانی رہے تجھپر فدا کی یہ دعا ہے ظلِ سبحانی

تجھے اے موتیوں والے نیا گوہر مبارک ہو

میری بزمِ سخن میں خوش بیانی دیکھتے جاؤ میرے جوشِ طبیعت کی روانی دیکھتے جاؤ

ستم ہے میری میت پر کسی کا ناز سے کہنا کسی کمبخت کی مٹتی جوانی دیکھتے جاؤ

بوقت ذبح بھی اُف تک نہ کی ضبط اسکو کہتے ہیں تہِ شمشیر میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

مری شمعِ لحد یوں دم بدم خاموش ہوتی ہے پسِ مُردن بھی میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

گلے پر پھیر کر میرے وہ قاتل ہنسکے کہتا ہے شہیدِ نازِ خنجر کی روانی دیکھتے جاؤ

غزل لکھی ہے تمنے یا فدا موتی پروئے ہیں

ہے ہر مصرعہ میں جسکے دُرفشانی دیکھتے جاؤ

کیا رسائی کی توقع آہ بے تاثیر سے سر پٹک کر آگئی واپس درِ بے پیر سے

جب مقدر ہیں نہو ممکن نہیں تدبیر سے پیش کچھ جاتی نہیں تدبیر کی تقدیر سے

ہر طرح سے دل کو لے لیتا ہے آخر شوخ چشم ناز سے انداز سے تحریر سے تقریر سے

مانی و بہزاد کیوں خاک اُڑاتے ہیں عبث جبکہ گویائی نہیں کیا فائدہ تصویر سے

سخت جانی نے مری قاتل کو عاری کر دیا کام خنجر سے بر آیا اور نہ کچھ شمشیر سے

پائے وحشی کیا سمجھتے ہیں جنوں کے جوش میں لاکھ گو باندھا کرے ان کو کوئی زنجیر سے

وہ لپٹ جائیں جو آکر میرے سینہ سے فداؔ
حسرتیں دم میں نکل جائیں دلِ دلگیر سے

خوب آیا رحم اُن کو حالِ مضطر دیکھکر ۔ اور بھی برہم ہوئے حالت کو ابتر دیکھکر
صبح کو دیکھا جب اُس آئینہ رو نے آئینہ ۔ رہ گیا حیران وہ حیراں کو ششدر دیکھکر
ہم ہیں مستِ جامِ عشقِ چشمِ میگونِ صنم ۔ کیا کرینگے اب سوئے مینا و ساغر دیکھکر
نونہالانِ چمن پر اوس سی کچھ پڑ گئی ۔ باغ میں بوٹا سا قد تیرا گلِ تر دیکھکر
ہم وہ مشتاقِ شہادت ہیں جھکا دیتے ہیں سر ۔ نیام سے قاتل تیرے خنجر کو باہر دیکھکر

ایک دفعہ سوامی دیانندجی اُیسے ملنے کے لئے تشریف لائے آپ نے اُن کو قصیدہ مختصر لکھکر پیش کیا جسکو سُنکر وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہم اسکو طبع کرا کر معتقدین میں تقسیم کرینگے چنانچہ اُس کا درج کرنا یہاں بھی خالی از لطف نہ ہوگا۔

قصیدہ

مژدہ اے فصلِ بہاری کہ جنوں کا ہے اُبھار ۔ دل کو پھر دشت نوردی کا ہوا شوق اکبار
دیتی ہے بادِ صبا آبلہ پائی کو نوید ۔ سروقد ہے پئی تعظیم ہراک نوکِ خار
بلبلیں باغ میں پھرتی ہیں عجب اترائی ۔ چلتی سونا زسے ہیں کبکِ دری کی رفتار
دیکھکر ہوتا ہے لعلِ یمنی شرمندہ ۔ سرخ پوشاک پہنکر ہے کھڑا لالہ زار
بیگماں ہوتا ہے مستی کی او داہٹ کا گماں ۔ دیکھکر غنچۂ سوسن کا نظارہ اکبار
باغ میں نرگسِ شہلانے ہیں کھولی آنکھیں ۔ گیندے باندھے ہوئے ہیں سر پہ بسنتی دستار
سرو و شمشاد و صنوبر ہیں کھڑے صف بستہ ۔ واہ کس شان سے واللہ کھلا ہے گلزار
منتظر کسکی ہیں آمد کے جو یوں پھرتی ہیں ۔ نوعروسانِ چمن پہن کے جوڑے گلنار
کسکی آمد کا ہے سامان یہ نسیمِ سحری ۔ کس گلِ رعنا کی خاطر ہے یہ اتنا بستار
ایک حیرت ہے کہ چھائی ہے عجب گلشن میں ۔ دم بخود دیکھکے تھا جسکو میں شکلِ دیوار

آئی اتنے میں ندا ہاتفِ غیبی کی وہاں پاسبانانِ چمن خواب سے جاگو ہشیار
بہرِ گلگشتِ چمن آتے ہیں سوامی مہاراج قدمِ فیض سے جنکے ہوا صحرا گلزار
نام نامی بھی ہے کیا پیارا سوامی دیانند شُبدھ سے جنکے ہے آنند و دیا کا اظہار
فیض بخشی کا یہ عالم ہے کہ سبحان اللہ نظرِ مہر سے جس سمت کو دیکھا اکبار
کر دیا دولتِ دُنیا سے اُسے مالا مال نہ رہا فکرِ معیشت کا اُسے ڈر زنہار
کیا لکھوں آپ کے اوصافِ حمیدہ کا بیاں بے شمار ہو جو کوئی شئے تو ہو کسطرح شمار
پھر بھی لازم ہے لکھوں مختصراً کچھ احوال مہرشیِ عارفِ کامل شہِ ذی عزّ و وقار
الغرض آپکے لکھوں میں کہانتک اوصاف کہ ہے اس طُولِ امل کے لئے دفتر درکار

اے فدا روک قلم نغمہ سرائی کب تک
کہ نہیں وقت ہے اب کرنیکا کچھ اور اظہار

جو شکایت سے مُبرّا ہو وہ اُلفت کیا ہے جسمیں الفت نہ ہو شامل وہ شکایت کیا ہے
خاک ہو ایسے مسیحا سے بھی اُمیدِ شفا جس نے اتنا بھی نہ پوچھا تری حالت کیا ہے
دیکھکر زخم ہلالی مرے تن پر پوچھا کُشتۂ ابروے خمدار۔ یہ حالت کیا ہے

اُمّتِ آں شہِ والا ہے تُو پھر تجھکو فدا
دغدغہ حشر کا کیا فکرِ شفاعت کیا ہے

بام پر پھر آج وہ بُت بے نقاب آنیکو ہے شرم سے رُوئے قمر پر پھر سحاب آنیکو ہے
جذبِ الفت نے پسِ مردن بھی دکھلایا اثر میری تربت پر عدو بھی ہمرکاب آنیکو ہے
اُوس سی پڑ جائیگی سارے گلو نپر باغباں سیرِ گلشن کو مرا رشکِ گلاب آنیکو ہے

سایۂ مشکل کشا جب سر پہ اپنے ہے فدا
پھر ہمیں کیا ڈر اگر روزِ حساب آنیکو ہے

چشمِ مستِ یار میں سُرمہ کی کب تحریر ہے قتلِ عاشق کے لئے چلتی ہوئی شمشیر ہے

محوِ گیسو کو تمہارے خوب یہ زیور ملا
زیبِ گردن طوق ہے تو پاؤں میں زنجیر ہے

جائے عبرت ہے مُرقعِ عالمِ ایجاد کا
جسجگہ دیکھو نئی صورت نئی تصویر ہے

خوفِ خُورشیدِ قیامت ہو فدا کو کسطرح
آپ کے جب سایۂ دامن میں یا شبّیر ہے

قضا دیتی ہے ہمکو ہر گھڑی آنیکی کیا دھمکی
توقع زندگی کی اپنی کسکو ہے یہاں دم کی

نمایاں جلوۂ طاقِ حرم ہے بیت ابرو سے
ترے چاہِ ذقن میں کیفیت ہے چاہِ زمزم کی

اُٹھا پھاہا نہ زخموں سے مرے جرّاح چٹکی سے
بھری ہر ایک زخم دل میں اپنے آگ ہے غم کی

گماں ہوتا ہے چشمانِ صنم سے ہو نہ ہم چشمی
نظر آتی ہے گر صُورت کہیں بادام توام کی

نہ ڈر جائیں کہیں وہ اے فدا دیکھو کہا مانو
وہ کم سن ہیں نہ دکھلاؤ اُنھیں تصویر ضیغم کی

جلاتے آہِ شرر فشاں سے فلک سے ہم انتقام لیتے
جو جیتے رہتے ہم اور کچھ دن تو تجھسے بدلے تمام لیتے

مری بھی پُر درد وہ کہانی اگر وہ سنتے مری زبانی
تو بیٹھ جاتے پکڑ کے دل کو جگر کو ہاتھوں سے تھام لیتے

جو نام تیغِ نگاہِ قاتل زباں پہ آتا زبان کٹتی
وہ مار کھاتے کہ یاد رکھتے کبھی جو زلفوں کا نام لیتے

زمیں پہ پھینکی شراب ساری یہ بات کیا محتسب تھی تیری
اگر بگڑتے یہ رند تجھسے تو قطرے قطرے کے دام لیتے

اگر تصوّر میں بھی تم آتے فدا کے ایماں قسم خدا کی
تمہاری تسبیح پھیرا کرتے تمہارا ہر وقت نام لیتے

گذر وحشت میں گر اپنا کبھی سوئے بیاباں ہو
پئے تعظیم استادہ ہر اک خارِ مغیلاں ہو

اگر رونے پہ آمادہ ہماری چشمِ گریاں ہو
تو ہر قطرہ بنے دریا بپا دریا سے طوفاں ہو

رہا گر پنجۂ وحشت کا یونہی زور اور کچھ دن
تعجب کیا جو پُرزے پُرزے اپنا جیب و داماں ہو

نفس بھرتا ہے دم دم میں سر دم بے ثباتی کا
بھروسا ایسے دم پر کیا ہو جو دم بھر کا مہماں ہو

تلاوت زُلفِ کافر مصحفِ رُخ کی کرے ہر دم
غضب ہے سامنے رکھا ہوا ہندو کے قرآں ہو

تمہیں بت ہو تمہیں بتخانہ ہو تم ہی برہمن ہو | تمہیں دل ہو جگر ہو جان ہو اور دین و ایماں ہو
دل پُر داغ کی دیکھو بہار اگر مرے دل میں | اگر منظورِ خاطر آپ کو سیرِ گلستاں ہو

تمنا ہے فدا کی بس یہی اک شافعِ محشر
کہ سر پر سایہ افگن آپکی رحمت کا داماں ہو

ہجر کا عالم بسرا ہے دلربا کیونکر ہوا | کیا بتاؤں حال دل کیا کیا ہوا کیونکر ہوا
تو ہی چارہ گر ہوا تو ہی دوا ٹھیرا تو پھر | عقل حیراں ہے یہ دردِ لا دوا کیونکر ہوا
غیر اچھا میں بُرا یونہی سہی پر اے حضور | یہ تو کہئے وہ بھلا اور میں بُرا کیونکر ہوا
دیکھکر تجھکو نہ گر خود بیں ہوا وہ کم نُما | پھر بتا اے آئینہ وہ خود نما کیونکر ہوا
حالِ دل سُن سُن کے میرا اُن کو آتا ہے مزہ | پوچھتے ہیں بار بار سہاں کیا ہوا کیونکر ہوا
اور سے رکھتا نہیں جب میں غرض تیرے سوا | پھر گمانِ بد تجھے اے دلربا کیونکر ہوا
غیر کا شکوہ عبث ہے اے فدائے کم نصیب | تیری قسمت ہی بری ہے وہ بُرا کیونکر ہوا
کیوں بٹھاوں نہ تجھے رشکِ قمر آنکھوں پر | مجھکو منظور ہے خاطر تری سر آنکھوں پر
چشمِ مخمور پہ کس کے ہوئیں شیدا یار و | نشہ سا رہتا ہے کیوں آٹھ پہر آنکھوں پر
عین دھوکا ہوا خورشید گہن میں آیا | بال بکھرے کبھی آئے جو نظر آنکھوں پر

تیغ و خنجر سے نہ الفت ہو تیرے کیوں مجھکو
دل جو ابرو پہ فدا ہے تو جگر آنکھوں پر

تمہاری چشمِ فتاں پر نہ کب میں دل سے مائل ہوں | تری تیغ نظر کا کب نہ میں اے جان بسمل ہوں
لگاوٹ قاتل و مائل کی جلاّ داسکو کہتے ہیں | ہے خنجر میرا دلدادہ میں اُسپر دل سے مائل ہوں
تحمُّل دیکھکر میرا ہوا جلاّد بھی ششدر | صدائے مرحبا خنجر سے نکلی میں وہ بسمل ہوں

ولہ

دوستی تجھ بت سے او پیماں شکن کیونکر بنے | تو مسلماں ہو گیا جب تجھپہ ہم کافر بنے
تا بہ کے ضبطِ فغان و آہ و نالہ تا بہ کے | تا بہ کے مُنہ سے نہ بولے آدمی پتھر بنے

چشمِ میگوںِ صنم کے عشق کا مارا ہوں میں
ساقیا مٹی سے میری شیشہ و ساغر بنے

دل لگانے کا مزہ جب تجھکو آئے ناصحا
جو مرے دلبر بنی ہے وہ ترے دلبر بنے

ولہ

جھکا سر عجز سے اے کلک لکھ کچھ حال سرور کا
بیاں کرنا ہے تجھکو وصف نورِ پاک اطہر کا

پلا دے کھول کر دل مجھکو بھی اے قاسم کوثر
کہ میں بھی ایک مدت سے ہوں پیاسا جام کوثر کا

ہیں عاشق حق کے نورِ پاک ہیں محبوب خالق ہیں
فرشتوں اور رسولوں سے بڑھا رتبہ ہے سرور کا

شرف کیونکر مدینہ کی زمیں کو ہو نہ عالم میں
بنا ہے روضۂ اقدس جہاں پر اپنے سرور کا

شفیع المذنبیں صاحب ہوا اپنا ہادی و رہبر
فدا پھر خوف ہو کیا ہمکو کئے روز محشر کا

دیر سے رتبہ بڑا کعبے کا ایجاں ہوگا کیا
ہم بھی دیکھیں گے کہ اب ہندو مسلماں ہوگا کیا

خُم کے خُم پی کر بھی جو بہکے نہ انساں ہے وہی
پی کے تھوڑی سی بہک جائے وہ انساں ہوگا کیا

ہیں غلامانِ غلام سیدِ ابرار ہوں
میرے آگے قصۂ گبر و مسلماں ہوگا کیا

شیخ نے اب بیعتِ پیرِ مغاں کر لی قبول
آج میخانہ میں دیکھیں عہد و پیماں ہوگا کیا

ولہ

یہ مورد ستم ہے حسانہ خراب کیسا
جس پر عنایتیں ہوں اس پر عتاب کیسا

رخ سے ہٹا کے پردہ دکھلا جمال اپنا
پہلو میں بیٹھکر پھر مدنی حجاب کیسا

سب کچھ دیا ہے سیدم چاہا جو کچھ عدو نے
دیتے ہو مجھکو مدنی سو کھا جواب کیسا

عشق بتاں میں کسکو ہے دھیانِ نیک و بد کا
واعظ عذاب کیسا زاہد ثواب کیسا

حامی ہے اسکا مدنی اور ہے شفیع سنوسی
محشر میں پھر فدا کو خوفِ حساب کیسا

تمنا دل کی بر آئیگی ختم المرسلیں کب تک
میں ان آنکھوں سے دیکھونگا مدینے کی زمیں کبتک

یہ ڈر ہے راز سربستہ کہیں افسانہ ہو جائے
چھپاؤں رازِ الفت میں شفیع المذنبیں کب تک

برستی ہے تری رحمت جہاں آٹھوں پہر یارب
میں دیکھونگا الٰہ العالمیں وہ سرزمیں کب تک

کروایفائے وعدہ خاک ڈالو پچھلی باتو پر — رہیگی یہ تری مدنی نہیں ہاں ہاں نہیں کبتک

میں مداحِ سخن سنجی ہوں نیا رنگِ طبیعت ہے
رہینگے اے فدا میرے سخنور نکتہ چیں کب تک

جلوۂ دیر و حرم مدنی کے میخانے میں ہے — لذّتِ جامِ سے عرفاں پیمانے میں ہے
چھوڑکر بتخانہ میں کیوں جاؤں کعبہ زاہدا — جب تیرے اللہ کا گھر میرے بتخانے میں ہے
ایک ہی ساغر میں مدنی سیر دو عالم ہو ئی — کیا اثر اللہ و اکبر تیرے پیمانے میں ہے
دیر سے مطلب ہمیں کیا ہمکو مسجد سے غرض — نُورِ وحدت کی جھلک جب دل کے پیمانے میں ہے

میکدہ سے اپنے تُو مدنی نہ اسکو دُور کر
بھیک منگا اک یہ فدا بھی تیرے میخانے میں ہے

عشق کی منزل میں مومن اور کافر ایک ہے — راستے دو ہیں مگر دونوں کا رہبر ایک ہے
لوگ کہتے ہیں محمدؐ مصطفےٰ محبوب ہیں — میں یہ کہتا ہوں احد احمد سراسر ایک ہے
ہر دو نُور العین ہیں چشمِ بصیرت کور کو — شانِ احمد رتبۂ سبطِ پیمبر ایک ہے
سنگِ موسیٰ ہے کوئی اور سنگ مرمر ہے کوئی — رنگیاں گو مختلف ہیں پھر بھی پتھّر ایک ہے
مسجدوں میں ہے موذّن مندروں میں برہمن — شورِ ناقُوس و صدا اللہ و اکبر ایک ہے

گر خُدا کعبہ میں ہے تو کون بتخانے میں ہے
اِس سے ثابت ہے فدا اللہ و اکبر ایک ہے

خانۂ کعبہ جو ٹوٹا غم نہیں بن جائے گا — بن سکیں گے قصر ہائے دل نہ پھر ٹوٹے ہوئے
ہے وہ مجھ رندِ خرا باتی کی تُربت کا نشاں — شیشہ و ساغر کے ٹکڑے ہوں جہاں ٹوٹے ہوئے
کس طرح ہو بزمِ مدنی میں بھلا میرا گذر — پاسباں مانع ادھر مدنی اُدھر رُوٹھے ہوئے
وائے قسمت زہ بلا ہمکو کبوتر نامہ بر — جسکے بازو بھی ہیں شل شہپر بھی ہیں ٹوٹے ہوئے
ابتو کہنا مان لو مدنی فدا آئے زار کا

تُم رہوگے کب تک اے آقا پرے روٹھے ہوئے

کوئی غافل کوئی بیخود کوئی مستانہ رہے
اس طرح آباد مدنی تیرا میخانہ رہے

حالِ دل مدنی سناؤں یوں سنوُسی کے حضور
اشک آنکھوں میں زباں پر تیرا افسانہ رہے

آج تو برآئے ساقی تیرے رندوں کی مُراد
عید کا دن ہے کھُلا دِن رات میخانہ رہے

ولہ

کروں وصفِ پیمبر میں کہاں ایسی زباں میری
رقم ہو شانِ مدنی مُجھسے یہ طاقت کہاں میری

فلک چکر میں آتا ہے زمیں تک کانپ اُٹھتی ہے
پہنچتی ہے درِ ایجاب پر جسدم فغاں میری

سُناؤں کسکو جاکر قصۂ رنج و الم اپنا
تمہیں سنتے نہیں مدنی جو غم کی داستاں میری

کھٹکتی ہیں یہ چشم باغباں میں بیطرح ہر دم
جلادے آتشِ گلزار تو اِہی ہڈیاں میری

تمُہارے عشق میں مدنی جو کچھ دیکھا نہ تھا دیکھا
دکھائے دیکھئے اب اور کیا قسمت یہاں میری

اپنی رحمت سے تُو مولا رنگدے
جیسا جی چاہے تو ویسا رنگدے

رنگ دیتا ہے تو اچھا رنگدے
وارث و ابرار کا سا رنگدے

شوخ رنگوں کا تو میں قائل نہیں
ہلکا ہلکا جو گیا سا رنگدے

گو کہ میں اس رنگ کے قابل نہیں
صدقۂ ابرار مولا رنگدے

ہے فدؔا کی تجھسے اتنی التجا
او رنگیلے شاہ بطحا رنگدے

حُسنِ خوباں میں نیا گُل یہ کھلا میرے بعد
زُلف کا رنگ دھواں بنکے اُڑا میرے بعد

میں تو یہاں چین سے مرقد میں پڑا سوتا ہوں
اب کسے ڈھونڈ تی پھرتی ہے قضا میرے بعد

ولہ

کُن فکاں کس نے کہا تھا مُجھے معلوم نہ تھا
کون پردے میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا

کون تھا عاشقِ شیدا مجھے معلوم نہ تھا
کون معشُوق بنا تھا مجھے معلوم نہ تھا

قُم باذنی و انا الحق کی صدا کسکی تھی
شمس و منصُور میں کیا تھا مجھے معلوم نہ تھا

ہر جگہ تو ہی تو تھا یہ مجھے معلوم نہ تھا
میم احمد میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا

میں تو سمجھا تھا نکلتی ہے میرے دل سے صدا
تو میرے دل میں بسا تھا مجھے معلوم نہ تھا
تنِ خاکی کو سمجھتا تھا میں اپنا مسکن
گھر مرا زیر زمیں تھا مجھے معلوم نہ تھا
طُور کو تو نے جلا کر کیا سُرمہ اک دم
بنکے مُوسیٰ تُو ہی غش تھا مجھے معلوم نہ تھا

ولہ

کہیں شاہِ ہر دو سرا بن گیا تو
کہیں شانِ شمس الضحیٰ بن گیا تو
کہیں بنکے منصور بولا انا الحق
کہیں دار کا فیصلا بن گیا تو
کہیں بنکے ساقی بنا رندِ مشرب
کہیں عابدِ پارسا بن گیا تو
کہیں بنکے خوشبو تو پھولوں میں مہکا
کہیں بُلبُلِ خوش نوا بن گیا تو
بنا دردِ دل دردمندانِ الفت
کہیں آپ دارالشفا بن گیا تو
کہیں بنکے مدنی ہوا آشکارا
فدا کا کہیں رہنما بن گیا تو

فدا۔ پنڈت شیوکشن لال صاحب ہستوالو خلف پنڈت سریکشن لال صاحب ہستوالو فرخ آبادی

پنڈت شیوکشن لال ہستوالو تخلص فدا عالی خاندان آدمی تھے۔ آپ کے والد ماجد امیں منصفی تھے اور آپکے دادا کا نام پنڈت دیارام ہستوالو تھا جو بنارس میں سب جج اور نہایت متدین حاکم تھے۔ پنڈت دیارام اور ان کے بھائی پنڈت سیتارام کو فرخ آباد میں حکام ضلع کی خدمت میں بہت رسوخ حاصل رہا۔ حضرت فدا پانچ برس کی عمر میں نورِ نظر دیبی ماتا کے نذر کر چکے تھے مگر دیدۂ دل اسقدر بینا تھا کہ سبحان اللہ صل علیٰ ایک مرتبہ کسی سے ملے تو عمر بھر اُس کی آواز سے شناخت کر لی۔ اپنے مکان میں اور باہر اسطرح ٹہلتے تھے گویا ذرا بھی آنکھوں سے معذور نہیں۔ علم موسیقی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے اور ستار۔ دلربا۔ سُرسنگھار۔ الغوزہ۔ ہارمونیم وغیرہ بجا سکتے تھے مثل ابراہیم عادل شاہ حاکم بیجاپور ممدوح ظہوری کے اُن کا قول تھا کہ علم موسیقی اصل ہے اور دیگر علوم اس کے

فروع ہیں۔ اُن کا کتب خانہ فارسی اور اردو کتابوں کا فرخ آباد میں لاجواب تھا جو کتاب چاہتے فوراً صندوق یا الماری سے اس طرح نکال لاتے تھے کہ انکھیاروں کو رشک ہوتا تھا۔ کسی کی پشت دست پر ایکدفعہ ہاتھ رکھکر اُسکی شناخت ایسی کر لیتے تھے کہ اگر وہ شخص بیس تیس برس بعد ملے اور خاموش رہے تو فقط اُسکی پشت دست پر ہاتھ رکھکر اُسکو پہچان لیتے تھے۔ آریا سماجی تھے اور اُردو فارسی اور زبانِ دری پر عبور کامل رکھتے تھے۔ بھاشا سے بھی بدرجۂ اوسط واقف تھے۔ دری زبان میں خطوط ایسے لکھوا سکتے تھے کہ سوائے واقف زبانِ دری کے کوئی دوسرا انہیں سمجھ سکتا تھا اردو فارسی کے شاعر تھے سخن سنجی کا ملکہ اور ذہن نقّاد خداداد پایا تھا اردو کا روزمرّہ بہت فصیح بولتے تھے۔ صفیر فرخ آبادی کے شاگرد رشید تھے اور فن موسیقی میں رجب علی بیگ کلاونت (اُستاد مہاراجہ صاحب جے پور) کے شاگرد تھے۔ زبان فارسی میں اسپیچ دینا اُن کے لئے مشکل نہ تھا اور مقفیٰ عبارت فی البدیہہ بول سکتے تھے۔ نہایت حاضر جواب اور لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھے۔ آخر عمر میں اپنے والد ماجد سے ناخوش ہو کر ترک وطن کیا اور ریاست شاہ پورہ میں ایک مدرسہ میں مدرس فارسی مقرر ہوئے۔ اور چار برس راجہ کی خدمت کر کے ۱۸۹۶ء میں بعارضہ لوا سیر خونی راہیِ ملک بقا ہوئے۔ افسوس ہے کہ ایسے عجیب غریب شخص کی سوانح عمری مفصل نہیں لکھے گئے۔ اگر ایسا شخص یورپ میں پیدا ہوا ہوتا تو اُسکے سوانح اسقدر لکھے گئے ہوتے کہ اُسکی اصلی تصویر کا ایک ایک خط و خال نظر کے سامنے آجاتا۔ کلام بھی اُن کا تلف ہو گیا بمشکل چند اشعار ہاتھ آئے جو درج کئے جاتے ہیں

کہاں ہیں موج کے پر ساغر شراب میں تیر | خطِ شعاع کے ہیں جرم آفتاب میں تیر
ہر ایک اہل فنا کو ہدف بنا نہ سکا | کبھی دوسارنہ دیکھا دلِ حباب میں تیر
چُنا جو گردن و پہلو نے تیغ و خنجر کو | ہمارے دلکو پسند آئے انتخاب میں تیر
وہ میرے خون میں تر کر کے مجھسے کہتی ہیں | بھگو کے لائے ہیں دیکھو تو ہم شہاب میں تیر

جگر ہے اپنی طرف کھینچتا دل اپنی طرف
ہمارے سینہ میں آکر پڑا عذاب ہے تیر

مری گزک میں بھی سامان نُقل ہے منظور
بجائے سیخ پروتے ہیں وہ کباب ہے تیر

شام سے ہے شب وصل آج یہ دھڑکا مجھکو
کل چلے جاؤگے تم چھوڑکے تنہا مجھکو

چپ کیا ہے دہنی نے تیری ایسا مجھکو
بات کرنی بھی نہیں آتی ہے گویا مجھکو

ہوگئی آج دعائے ملک الموت قبول
دم بخود اب نظر آتے ہیں مسیحا مجھکو

خیر کچھ بات نہیں ہے وہ نہ مانیں کہنا
میں بھی جانے کا نہیں اب جو بلایا مجھکو

اب اگر چھوڑکے جاتے ہو کہاں جائے غریب
عمر بھر میں تو غم ہجر نے پایا مجھکو

سنتے ہی نام حسیناں اسے غش آتا ہے
خاک خوش آئے فدا کا یہ طریقا مجھکو

فدا۔ پنڈت دیا ندھان صاحب اکبر آبادی

سنہ ۱۲۷۵ھ میں مہاراجہ بلونت سنگھ بنارس کے مشاعروں میں جایا کرتے تھے صرف دو شعر ایک تذکرہ شعرا میں نظر سے گذرے۔

تیرے جاں باز نہیں آئینہ رُوہن ہم بھی تو ہیں
بے ستونِ عشق کے فرہاد فن ہم بھی تو ہیں

دے رہیں اپنی نیابت باغیں اے باغباں
خوب رکھوالی کرینگے نعرہ زن ہم بھی تو ہیں

فدا۔ پنڈت برج کشن صاحب گنجور۔ خلف پنڈت ہری کشن گنجور صاحب فیض آبادی

آپ کو تھوڑے زمانہ سے فکر سخن کا شوق پیدا ہوا ہے۔ تازہ کلام ملاحظہ ہو۔ ماشا اللہ انداز سخن خوب ہے۔

دل سے نکل کے آئی تھی دلمیں نہاں ہوئی
جو برق عشق دہر میں شعلہ فشاں ہوئی

پُر درد وہ فسانہ تھا میرا کہ میرے بعد
دنیا نہ حشر تک کبھی افسانہ خواں ہوئی

شوق بتاں سے دلکو ہوئی گو خلش مگر
دلکی خلش ہی رہبر کوئے بتاں ہوئی

کیا کیا حسین آئے ہیں پڑھنے کو فاتحہ
تربت ہماری مرکز حسن جہاں ہوئی

کچھ ہو سکا سکون کا ساماں نہ اے فدا
جب جب وہ آئے بام پہ آہ وفغاں ہوئی

تعلق عشق سے رکھے نہ بام ہوش پر جائے
کمال بیخودی یہ ہے کہ ہستی سے گذر جائے

نہ صحرا کو ترا دیوانہ بستی چھوڑکر جائے
کہاں اُٹھے کہاں بیٹھے کدھر آئے کدھر جائے

ہماری یاس کا عالم بھی یارب کیا قیامت ہے
دعاؤں سے تسلّی ہو نہ تشویش اثر جائے

کبھی تو میں شمیم زلف سے بدست ہو جاؤں
کبھی تو میرے شانہ پر ترا گیسو بکھر جائے

نہ پر وا ہو ہمیں پھر ایک قطرہ کی بھی محشر تک
جو تیرے ہاتھ سے ساقی ہمارا جام بھر جائے

وہ برق عشق جسکو درد کہتے ہیں محبت میں
کبھی دل کے طرف آئے کبھی سوئے جگر جائے

فدا گھر بیٹھے چشم شوق پر جلوے ہویدا ہوں
اگر صحرا نوردی چھوڑ کر تو اپنے گھر جائے

روئے منیر زلف سیہ فام چاہئے
اک صبح چاہئے مجھے ایک شام چاہئے

برہم نظام دہر ہو تیری بلا سے ہو
تیری نظر کو اک دل بدنام چاہئے

حسرت سے تک رہا ہوں ترے ہاتھ کیطرف
اب اور کس طرح سے کہوں جام چاہئے

دلکو نگاہ ناز کی جنبش کے ساتھ ساتھ
اک اضطراب و لرزش ناکام چاہئے

قربت کی خواہشیں ہیں نہ شوق وصال ہے
مجھکو تو ایک جلوۂ سر بام چاہئے

زاہد کے لب پہ نام بھی جسکا نہ آسکے
مجھکو فدا وہ بادۂ بے نام چاہئے

فراق - پنڈت موتی رام صاحب منشی - دہلوی

آپ پنڈت اجودھیا پرشاد صاحب منشی متخلص بہ بتلا کے جدّ امجد تھے۔

اے ز روئے تو گل تر در کنار آئینہ را
وے ز مژگان تو در دل خار خار آئینہ را

بسکہ در ہجران او رُد مخیر اشد از الم
زخم ناخن گشتہ جو ہر در کنار آئینہ را

تا چہ سازد با دلِ زارِ فراقِ ناتواں
آنکہ کرد از سایۂ مژگاں فگار آئینہ را

فداؔ۔ حکیم سیتل پرشاد صاحب گنجور

شب کو جو سرِ گیسوئے شبگوں آیا — بس مارِ سیہ کا ہمیں افسوں آیا
مصرع جو لکھا بن گیا سروِ گلشن — جب یاد کسی کا قدِ موزوں آیا

ولہ

بین العدم میں ہے وجودِ انساں — اس گردشِ چرخ سے ہے عالم حیراں
یہ نقشِ جہاں ہے صورتِ وہم و خیال — باقی و مدام ہے خدائے سبحاں

ولہ

اک سطحِ خاک کو کیا ہے گلشن — اک لوحۂ ارض کو بنایا مدفن
بخشا ہے کسی کو یاں سمور و قاقم — رکھتا ہے کسی کو یاں تہِ گور و کفن

ولہ

گلرویوں میں اصلا نہیں کچھ بوئے وفا — کچھ بھی نہ ملیگا اُن سے جُز جور و جفا
پامالِ خزاں ہوتا ہے یاں باغِ وصال — ہے بادِ سموم یاں کی سب آب و ہوا

ولہ

ناظر جو نظر کرے بعینِ خاطر — ہر صنع میں صانع ہے عیاں و ظاہر
ہر گل میں ہے مثلِ بو شجر میں ہے نمو — موجود ہے ہر جگہ خدائے قادر

ولہ

جلوہ ہے شجر میں اور ثمر میں اُس کا — جاری ہے نام بحر و بر میں اُس کا
ہر برگ زباں ہے حمدِ باری میں ولا — ہے تخم نما عجب ثمر میں اُس کا
آثارِ جلالِ حق نہیں ہیں پنہاں — انوارِ جمال آپ ہیں مہ سے رخشاں
سیارہ سے ہے عجب مشیت ثابت — افلاک سے سب رفعتِ قدرت ہے عیاں

ولہ

امید مجھکو ہے یہی لطفِ کریم سے — ہر وقت ہے دعا یہی ربِ رحیم سے
داخل ہو دل مرا تیری عرفانِ ذات میں — چھٹ جائے ہر گھڑی کی یہ امید و بیم سے

ولہ

بنیادِ جہاں کی بے بقائی ظاہر — ہر شے کی یہاں ہے بے وفائی ظاہر
کاشانہ ہے وجودِ گل میں فطرت سے نہاں — ہر غنچہ دہن کی کج ادائی ظاہر

ولہ
نقاشِ ازل کا نقش قدرت دیکھو | صناعِ جہاں کا رنگ صنعت دیکھو
صورت سے عیاں ہے سرِ معنیٔ ازل | گلرویوں کے رخسار کی رنگت دیکھو

فرحت۔ پنڈت دیبی پرشاد صاحب شنگلو لکھنوی

ہمہ جا جلوۂ جانانہ و جانانہ یکیست | پیشِ صاحب نظراں کعبہ و بتخانہ یکیست
بحقیقت چو رسیدیم نہ دیں ماند و نہ کفر | راز چوں فاش شود محرم و بیگانہ یکیست
دیدۂ آئینہ محو است بروے بد و نیک | پیشِ حیراں تو زنداں و پریخانہ ہمہ یکیست

شدہ غواص بدریاے حقیقت فرحت
در نگاہش خذف و گوہر یکدانہ یکیست

اگر آہے کشم از سینۂ تالب ہاے من سوزد | جگر سوزد گلو سوزد زباں سوزد دہن سوزد
منِ بیمار دل سوزے ندارم از پے تسکیں | مگر شمع کہ شبہا بر سرِ بالین من سوزد

باایں قامت کہ در گلشن شود گرم خرامیدن
صنوبر چوں چنار از نارِ غیرت در چمن سوزد

ولہ
آئی ہر ایک مصیبت یوں ہی ٹل جاتی ہے | کام چل جاتے ہیں ہر بات تو رہ جاتی ہے

ولہ
کشمیر میں تاریک گھٹا ہیضہ کی چھائے | مظلوموں کے گھر بار کو یوں آگ لگائے
پھر قحط کا طوفان وہ خاک ایسی اُڑائے | دانہ بھی کسی گھر میں کوئی رہنے نہ پائے

حیرت ہے کہ اس موقع پہ ہم آنکھ چرائیں
کہلائیں تو ہم قوم مگر کام نہ آئیں

فرحت۔ راجہ پنڈت کیشو ناتھ منشی صاحب بنارسی خلف بالا جی منشی

شاگرد حضرت امانت لکھنوی ۱۸۸۸ء میں آپنے وفات پائی

لبوں پہ نالہ ہے اشک آنکھوں سے صورتِ شمع ڈھل رہے ہیں
تپ جدائی میں آج کیا کیا بخار دل سے نکل رہے ہیں

جو حال پوچھیں تو کہیو قاصد عدم کے جانے کے قصد سے وہ
لحد میں ٹھہرینگے آج جا کر مکاں سے اپنے نکل رہے ہیں
کچھ ایسی دریا سے آشنائی بڑھی ہے صدقے میں چشم ترکے
کہ موجیں ہم سے لپٹ رہی ہیں حباب ٹوپی بدل رہے ہیں
خط اُس ستمگر کو دیکے قاصد یہ کہنا احوال سب ہمارا
کہ اب تو نبضوں سے ہاتھ اُٹھا کر طبیب ہاتھوں کو مل رہے ہیں

کیا یہ کہا حضور نے گھر میں ہمارے آئے کیوں — جذبۂ عشق آپ کا کھینچ کے ہمکو لائے کیوں
اُٹھتے ہی خواب ناز سے ہائے غضب وہ کہتے ہیں — قہر خدا سے جو ڈرے فتنہ کو وہ جگائے کیوں
سن کے شکایت جفا کہتے ہیں مسکرا کے وہ
نازو ادا کو جو ستم سمجھے وہ دل لگائے کیوں

سواری در پہ آ پہونچی جب اُس لیلی شمائل کی — بلائیں لینے کو دوڑیں تمنّائیں مرے دل کی
خیال کوچۂ دلدار وقت نزع آتا ہے — کہ جیسے جستجو ہو ڈوبنے والے کو ساحل کی
جو رکھتے ہیں تحمّل اُف نہیں کرتے اذیّت میں — صدا سُننے میں کب آئی شکستہ شیشۂ دل کی
تڑپ کر رنگ کیا اپنا جمائے گی برے آگے
ادائیں کچھ دنوں سیکھے ابھی بجلی مرے دل کی

نظر آئی جہاں شکل اے بت بے پیر پتّھر کی — تصوّر میں ترے میں بن گیا تصویر پتّھر کی
ترے کوچے میں او بت دیکھکر ساری خدائی کو — فرشتے کہتے ہیں اللہ رے تسخیر پتّھر کی
نظر آتی ہے جب تختی بشب کی اسکے سینہ پر — تو کہتا ہے مرا دل ہائے رے تقدیر پتّھر کی

ولہ

خال عارض پہ ترے آتے ہیں اُوڑ کر گیسو — گرتے ہیں دانہ پہ مانند کبوتر گیسو
اُترے دریا میں نہانے جو فسوں گر گیسو — پانی پی پی کے اُگلنے لگے گوہر گیسو

فرحت - پنڈت کدار ناتھ کاؤ صاحب خلف پنڈت بدری ناتھ صاحب

وہ مجھ بیمار کو جب دیکھنے آئے تو یہ بولے ٹھکانہ میرے کوچے میں نہیں ہے تیرے مدفن کا
متاعِ صبر و طاقت لیگئے وہ لوٹ کر فرحت دکھاکر راہ میں صورت کیا یہ کام رہزن کا
عنادل کو فقط افسوس ہے اپنے نشیمن کا خزاں کی فصل آتے ہی مٹا سب رنگ گلشن کا
ہے قد شمشاد نرگس آنکھ سنبل زلف چہرہ گل انہیں کو دیکھکر ہے لطف ملتا سیر گلشن کا
کڑی کب تک اُٹھائے اور کہانتک سختیاں جھیلے الٰہی یہ کلیجہ ہے نہ پتھر کا نہ آہن کا
مثالِ مہر و مہ دایرہ تابندہ ہوتا ہے اگر قرطاس پر لکھتا ہوں وصف اُس روئے روشن کا
چمن میں آتشِ گل اسقدر بھڑکی ہے اے گلچیں گماں ہوتا ہے ہر اک دیکھنے والے کو گلخن کا
گریباں کی طرح سے چاک کر اے پنجۂ وحشت رہے ثابت نہ کوئی تار مجھ وحشی کے دامن کا

فرحت - پنڈت شیو ناتھ صاحب - شاگرد ہجر و امانت لکھنوی

۱۸۸۰ء میں جونپور میں سکونت پذیر تھے اور زیادہ حال معلوم نہوا۔

اکیلے میں کتنے اگر کچھ گلا تھا بگڑنا تمہیں غیر کے آگے کیا تھا
دمِ نزع تم آگئے خیر گذری نہیں تو یہاں خاتمہ ہو چکا تھا

ولہ

ہنستے ہیں میرے زخم چھڑکتے ہو جب نمک ایسے نہ دیکھے ہونگے نمکخوار بے نظیر
سینے پہ اُس پری کے نظر آتے ہیں حباب کچھ معجزے یہ محرم آبِ رواں کے ہیں

ولہ

خدا کے نام دولت کو یہ بخشتا ہے شرف دیکھو اُچھلتا آبِ فوارہ ہے دولت خزانے کی

فرحت - پنڈت کدار ناتھ صاحب دکھنی عرف ناتھن پرشاد ولد پنڈت بستی رام صاحب دکھنی شاگرد امانت -

پہونچا فلک پہ شکوہ میرا پائے افتخار اُس نے کہا جو مجھسے دبا میرے آکے ہاتھ

کیوں قاصدوں نے در پہ کیا ہے مرے ہجوم
اُس گل کو خط میں بھیج چکا ہوں صبا کے ہاتھ

رسوا کیا ہے الفتِ دندان یار نے
نیچی ہے آبرو گہرِ بے بہا کے ہاتھ

کب دیکھتے ہیں آئینگے اُس شوخ کے قدم
ہم برہمن سے پوچھتے ہیں یہ دکھا کے ہاتھ

فرحت نہ بند غم سے ہراساں ہو اسقدر
مشکل کشائی ہے تیری مشکل کشا کے ہاتھ

فرحت۔ پنڈت اندر پرشاد کچلو صاحب خلف پنڈت کالکا پرشاد صاحب دہلوی

آپنے دہلی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ آپ کی طبع نہایت رسا تھی مذاق میں خاص ملکہ تھا نثر نہایت سلاست اور خوبی سے تحریر فرماتے تھے۔ مراسلہ کشمیر اور سفیر کشمیر میں اپکے دھواندار مضامین قومی تنازعہ اور دیگر امور کے نسبت نکلتے تھے۔ کشمیر پرکاش بھی آپ کے مضامین سے بہرہ ور ہوتا تھا مظفر نگر میں بہ سلسلہ وکالت مستقل قیام تھا اور وہیں ۱۱۵۵ء ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی

ہاں دلا چوں شعلۂ و موج از چہ داری اضطراب
زاہ و اشکِ خویش تا کے گہ بہ آتش گہ بہ آب

ہمچو تارِ زلفِ یار از لطمۂ موج ہوا
از پریشانی بود تارِ نفس را پیچ و تاب

در بہارستانِ ہستی غافل از فکر خزاں
گاہ خنداں گاہ گریاں صورتِ برق و سحاب

ماندۂ سرگشتہ در دشتِ خطا چوں گرد باد
دُور بر فرسنگہا اُفتادی از راہِ صواب

بستۂ دل را پئے کسب لذائذ در جہاں
ہمچو آہو می دوی از تشنگیہا بر سراب

اینکہ میدانی نباشد جز تو ہم در خیال
وینکہ مے بینی نباشد جز تعین در حساب

میکنی بر عہد پیری تکیۂ ایں ابلہی است
رفت چوں طفلی ز دست افسوس ایام شباب

تکیہ بر دنیا و ما فیہا چرا داری چرا
ایں ہمہ باشد بنائے بر ہوا نقشِ بر آب

بہتر آں باشد کہ داری بر کلامم گوش دل
از صفا و صدق رُو آری بداں عالیجناب

حبذا عالی جنابے کز شعاعِ ذرّہ اش
میکند از صدقۂ دل مہر و مہ نور اکتساب

جگت پت دشرتھ منن سیتا رمن شری رامچندر
ماحیِ جُرم خلایق حامیِ روزِ حساب

وہ چہ نام است اینکہ از فیض کرامتہاکے او
سر بسر عصیاں شود طاعت خطا گردد صواب

وہ چہ نام است اینکہ در کاشی سداشیو گاہ گر — مجرماں را میکند ایمن بہ یمنش از عذاب
وہ چہ نام است اینکہ چوں بالقلب خو اندش بالیبک — راز پنہاں کرد پیدا در رقم زد خوش کتاب
وہ چہ نام است اینکہ چوں سہوا اجاگل یا دکرد — دیدہ تا براہم زد از عیش ابد شد بہرہ یاب
وہ چہ نام است اینکہ تو انست از فیضش رسید — ز آتش جو الہ تا قصر بہیکن التہاب
درا دب گاہش بود شیورا کجا تاب سخن — غیر تسلیم است برہما را کجا دخل جواب

ہاں دلا بگذار غیبت را کہ میخوانم کنوں
حاضرانہ مطلع روشن تر ین از آفتاب

مطلع ثانی

اے فروغ جلوہ ات در دیر ہستی بے نقاب — پردہ ہائے چشم خود بیں را مگر گویم حجاب
از محیط حلم سنگین تو کف باشد زمیں — گنبد گردوں بود در قلزم علمت حباب
میتواں بردن بسر عمر عزیز از لطف تو — کیست در عالم کہ آرد شمہ ات تاب عتاب
اے توئی کز جلوہ روئے منور دادہ — گوہر ایلاں دشمر بھر راچو خورشید آب و تاب
اے توئی کز بازوئے پر زور بشکستی دہنک — دار ہانید می جنک را از شکنج پیچ و تاب
اے توئی کز دولت دیدار کردی ستفید — عابدان صاف دل را از قدوم مستطاب
اے زہے طالع کہ بر خاک درت سایم جبیں — اے خوشا بختی کہ گردم بر درِ تو بہرہ یاب
رحمت ہادی شود سوئے اجودھیا رو کنم — از غبار رہ کنم گلگونہ روئے ستاب
فیض بخشا آستعانت قبلۂ حاجت رواست — غیر ازیں فرحت نمی خواہد دعائے مستجاب
بر زمیں تا انقلاب آسماں دارد قرار — از تناسخ تا پذیرد از قوالب انقلاب

از قیود ایں و آں آزادگی بخشی بروح
فارغم داری ز بیم جرم و امید تو

آزاد ترے سینہ میں کینہ نہیں رکھتے — جس سینہ میں کینہ ہو وہ سینہ نہیں رکھتے

ہو جاتے ہیں دریائے محبت کے وہی پار — تنکے کا بھی جو لوگ سہارا نہیں رکھتے
رنگت ہے نزاکت ہے لطافت ہے مگر حیف — ایک بوئے وفا یہ گلِ رعنا نہیں رکھتے
لقمان بھلا عشق کا کیا ہو گا معالج — اس درد کی درماں تو مسیحا نہیں رکھتے
گو نرگس و گل نام کو اچھے ہیں پہ فرحت — گوشِ شنوا دیدۂ بینا نہیں رکھتے

مناجات

اے مائلِ حرص و ہوا سریرام رادھا کرشن گو — تا کے بغفلت مبتلا سریرام رادھا کرشن گو
بنیاد بودِ خود بہ بیں بیجاست فکر آن و ایں — یلوآر وقت واپسیں سریرام رادھا کرشن گو
پر غافلی در کار خود از نا سزا کردار خود — بگذر ز گیر و دار خود سریرام رادھا کرشن گو
تا جان در آمد در جسد گشتی اسیر نفس بد — خواہی اگر عیشِ ابد سریرام رادھا کرشن گو
ثبت اینچہ شد در ابتدا بے جہد پیش آید ترا — بیہودہ میگردی چرا سریرام رادھا کرشن گو
جسم و جہاں فانی ست بس قطعِ نظر کن زاں اساس — تا مینوالی ز دنفس سریرام رادھا کرشن گو
چشمِ تأمل باز کن برگِ سفر را ساز کن — وارستگی آغاز کن سریرام رادھا کرشن گو
حرص و ہوا را ترک دہ بر حبِّ دنیا دل منہ — خواہی اگر انجام بہ سریرام رادھا کرشن گو
خود می نیندیشی بدل دنیاست قید جاں گسل — خواہی شدن آخر خجل سریرام رادھا کرشن گو
در بند غم ہستی چرا بالا ستی پستی چرا — دل در جہاں بستی چرا سریرام رادھا کرشن گو
ذی عزتی عزت طلب ذلت چہ جوئی بے سبب — فکر کن و باز از ادب سریرام رادھا کرشن گو
راہے است تنگ و پرخطر بار گراں بر دوش و سر — بر منزل ار خواہی گذر سریرام رادھا کرشن گو
زور و ریا نبود نکو باز آ ازیں گفت و شنو — صدق و صفا کن آرزو سریرام رادھا کرشن گو
سودے نیابی جز زیاں در چار سو کن فکاں — نقدے میفگن رائگاں سریرام رادھا کرشن گو
شہوت طمع نخوت غضب نفعے نہ بخشد جز تعب — بگذر ازیں شور و شغب سریرام رادھا کرشن گو
طبع از فسادت صاف کن ترک خودی و لاف کن — لختے بدل انصاف کن سریرام رادھا کرشن گو

ظلم است بر جاں بے جہت غفلت ز فکرِ عاقبت
آخر بکن فکرِ خودت سریرام رادھا کرشن گو

عمرے بدنیا ساختی دُر در خلاب انداختی
چوں قدر خود نشناختی سریرام رادھا کرشن گو

غول اند در شکلِ بشر از اہلِ دنیا کن حذر
گر خیر خواہی سر بسر سریرام رادھا کرشن گو

فرصت ز کف شد حسرتا بگذشت عمرِ بے بقا
بر مطلبِ ماشد جفا سریرام رادھا کرشن گو

کارِ تو نبود تازیوں بگذار بندِ نفسِ دُوں
یعنی کہ از صدقِ دروں سریرام رادھا کرشن گو

گاہے چنیں گاہے چناں یکساں نمی ماند جہاں
خواہی اگر آرام جاں سریرام رادھا کرشن گو

لطف و عطایش واہ واہ گفتار و کردارت چہا
حق ناشناسی تا کجا سریرام رادھا کرشن گو

مستی چرا ہشیار شو خوابی چرا بیدار شو
در فکرِ استغفار شو سریرام رادھا کرشن گو

نابود دان ایں بود را نقصاں شمار ایں سود را
در موقفِ یا ہُو درآ سریرام رادھا کرشن گو

والہ مشو غزلت گزیں دل نہ پئے بہبود دیں
مرگ است ہر دم در کمیں سریرام رادھا کرشن گو

ہر چند خوانی سر بسر بید و پران و شاستر
نبود جُز ایں حرف دگر سریرام رادھا کرشن گو

باری ز کس ہرگز مجو فرحت بگوشِ دل شنو
سریرام رادھا کرشن گو سریرام رادھا کرشن گو

فرقت۔ پنڈت دیبی پرشاد صاحب خشا بہ خلف پنڈت ٹھاکر پرشاد صاحب خشا یہ لکھنوی شاگرد امانت

قصیدہ در مدح جناب ڈیس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع اناؤ

حمدے کہ خدائے دو جہاں را شاید
نعتے کہ رسول انس و جاں را باید

از خامۂ خشک و دو زبانِ تر ما
الحق کہ بہ تحریر و بیاں کے آید

قصیدہ

دے مجھے فکر بلند ایسی اب اے ربِّ قدیر
عرش سے لاؤں وہ مضموں کہ نہ ہو جسکا نظیر

اس قصیدہ کا وہ ہو مطلع و حسنِ مطلع | بڑھ کے ہو مطلعِ خورشید سے جسکی تنویر

معجمہ حرفوں کے نقطے جو بنیں سیارے | دائرے مہملہ حرفوں کے ہوں کُل مہرِ منیر

کہے سورج کہ یہ ہے میرے کرن کا کوئی تار | مرکزِ کافِ مطلع میں بھی ہو یہ تنویر

استدعا ہے میری طبع رسا کا ہو بلند | مرغِ زرّینِ فلک کو کروں جب چاہوں اسیر

بعد مطلع کے جو ہر شعر کروں میں موزوں | اُن پہ تاروں کو اُتارے یہ فلک بے تاخیر

ابر ہر مصرعۂ برجستہ سے ہو بارش نور | طبع روشن میری دکھلائے جو اپنی تاثیر

ہو نہ قرطاس کو افشاں کی بھی حاجت اصلا | اپنی قدرت سے وہ لفظوں کو عطا کر تنویر

چھین لوں معرکۂ نظم میں میں گردوں سے | مہر تاباں کی سپر اور مہِ نو کی شمشیر

تھا میں مشغول دعا جو ہوئی پیدا اک حور | جس سے کاشانہ میرا ہو گیا جنّت کا نظیر

عالمِ نور جو تھی سر سے وہ تا ناخنِ پا | میں نے پوچھا یہ کہ اے رشکِ دہِ مہر منیر

کس چمن کی گل رعنا ہے تو اُس گلشن میں | کونسا ہے وہ مرقع تو ہے جس کی تصویر

لعلِ خوش رنگ تو ہے جسکی وہ معدن ہے کہاں | دُر ہے جس بحر کی تو ہے کہ نہیں اس کا نظیر

کی ہے جو جلوہ گری میرے سیہ خانہ میں | شمع کی طرح نہ کر بند زبان تقریر

مہرباں دل سے مجھے پاکے وہ رشکِ خورشید | دُر فشاں یوں ہوئی تھی گو کہ حیا دامنگیر

ہے اگر مدِّ نظر اپنی ترقی تجھکو | مدحِ ممدوح میں کر ایک قصیدہ تحریر

سن کے اُس مہر سے یہ بہر حصولِ مقصد | نظم یہ مطلعِ روشن کیا با صد توقیر

مطلع

آسماں سے ہے تیری بڑھ کے جہانیں توقیر | ذرّۂ خاکِ کفِ پا ہے تیرا مہر منیر

کیا تیرے چہرۂ روشن کو قمر سے نسبت | کہ یہ ہے شمس تو وہ شمس سے پاتا تنویر

مصحفِ رخ کی صفت میں ترے مداح کو ہے | احتیاجِ قلم خاطۂ بیضا تفسیر

شاہد آئینہ ہے اس قول کا میرے یا تو | تیرے ہمشکل اگر ہے تو ہے تیری تصویر

قطع بند

تیرے اجلاس کی تعریف بھلا کیا میں کروں
که عدالت اسے کہتے ہیں صغیر اور کبیر

جلوه گر ہوتا ہے دم بھر کو تو جس کرسی پہ
ناز کرتی ہے وہ کرسی کہ میں ہوں عرش نظیر

بعد تحریر بیانات فریقین و گواہ
جبکہ لکھوائے کسی مثل پہ تو حکم اخیر

ہوکے ناراض ترے حکم سے گر کوئی فریق
صدر میں جاکے مرافع کرے یا صرف کثیر

حکم منسوخ ہو تیرا نہ کسی صورت سے
خط تقدیر سے کچھ کم نہیں تیری تحریر

روبکاری میں ہر ایک وقت میں پیش حکام
وکلا دیتے ہیں سب فیصلوں کی تیرے نظیر

نام قانون ہے جسکا وہ زباں ہے تیری
ایکٹ کہتے ہیں جسے سب وہ ہے تیری تحریر

فیصلہ پر ترے ممکن نہیں دست اندازی
ہیں وہ نادان جو مرافع کی ہیں کرتے تدبیر

شرق سے غرب تلک فیصلوں کی تیرے ہے دھوم
ہند کیا دیتے ولایت میں ہیں سب اسکی نظیر

لوگ سب کہتے ہیں یہ طرفہ عدالت ہے تری
وہ بھی خوش ہوتا ہے دیتا ہے جسے تو تعزیر

ہے عدالت کا تیری جانوروں کو بھی لحاظ
شیرنی بچۂ آہو کو پلاتی ہے شیر

دل جلائے جو تیرے عہد میں پروانہ کا
بزم میں کاٹے سر شمع کا فوراً گلگیر

بخشتا ہے تو اسے کوہ طلائے احمر
مانگتا ہے جو طلا کوئی بمقدار شعیر

مشک مانگا جو کسی نے تو دیا اسکو ختن
زعفراں جس نے طلب کی اسے بخشا کشمیر

جود سے تیرے ہی آباد ہوا قیصر گنج
فیض سے تیرے کاب گھر یہ ہوا ہے تعمیر

لکھا حکم ایسا کہ جس سے وہ ہوا باغ و بہار
خط گلزار میں کی جس نے کہ عرضی تحریر

تو سکندر ہے اسسٹنٹ ارسطو ہیں تیرے
تیرا اقبال ہے مشہور تو ان کی تدبیر

جسکا ہے ابر سیہ نام وہ ہے تیری سپر
برق کہتے ہیں جسے سب وہ ہے تیری شمشیر

تتمہ

ہوگیا خلق کو راحت کا سفینہ اناؤ
تجھے دریائے کرم کا ہوا جب وہ جاگیر

خاص بنگلہ تیرے رہنے کا ہے جواے فیّاض
فیض آباد ہے نام اُسکا اودھ میں تحریر

خاکِ درکو ہے تیری حق نے دیا یہ رتبہ
آگے ہے جسکے کہیں خاک سے بدتر اکسیر

ہے جو دیوانہ تیرے حکم رواں کا دریا
پاؤں میں موج کی رہتی ہے ہمیشہ زنجیر

بس قصیدہ کو کراب ختم یہاں سے فرقت
چند اشعار دعائیہ تو اب کر تحریر

لعل خوش رنگ کا جب تک کہ یمن ہے مسکن
دُرِ شہوار کی جب تک کہ صدف ہے جاگیر

جب تلک باغ میں گل اور ہے گل میں خوشبو
جب تلک بلبلِ شیدا کی ہے گلشن میں صفیر

جب تلک چرخ بریں پر ہیں کواکب روشن
جب تلک دھر میں ہے شمس و قمر کی تنویر

جو کہ ہیں دوست ترے وہ رہیں دلشاد مدام
جو کہ اعدا ہیں تیرے وہ رہیں ہر دم دلگیر

اشعار اُردو

ولہ

مہندی سے چھلے نقرہ سونے کے ہو گئے
اے سیمتن عجب ہیں تیرے کیمیا کے ہاتھ

اختر مرے نصیب کا ہو جائے آفتاب
پاؤں جو اپنے ہاتھ میں اُس مہ لقا کے ہاتھ

ملتا ہوں رو کے خوں کفِ افسوس رات دن
دکھلادے اے خدا بتِ رنگیں ادا کے ہاتھ

فرقت رکھا ہے بزم امانت میں ہنے پاؤں
چومے نہ کس طرح سے سخن پرور آکے ہاتھ

فریاد۔ پنڈت ترِبھون ناتھ جی صاحب ہجان بی۔ اے۔
بی۔ ٹی۔ اکبرآبادی حال مقیم کھڑگپور بنگال

صاحبزادہ اصغر جناب پنڈت سروپ نرائن صاحب ہجان التخلص عاصی عمر ۴۲ سال۔ خویش پنڈت کاشی ناتھ صاحب دَر متوطن ریاست جاورہ۔ آگرہ میں اسکول

پنڈت تربھون ناتھ ہجان۔ فریاد

کی زندگی ختم کرکے ملازمت کی تلاش میں خلاف مرضی والدین کھڑگپور بنگال چلدے۔ وہاں ریلوے اسکول میں ملازم ہوگئے۔ وہاں بھی علم کا شوق دامنگیر رہا۔ کلکتہ یونیورسٹی کے گریجویٹ ہوئے۔ مدرسی کا امتحان بی۔ ٹی۔ بھی وہیں پاس کیا۔ ابھی تک وہیں ملازم ہیں۔ سنجیدگی و متانت ان کے مصاحب خاص ہیں۔ گوشۂ تنہائی کی زندگی پسند ہے۔ تکبر و نخوت سے سروکار نہیں۔ جفاکشی تن دہی کے عاشق ہیں۔ صبر و شکر ان کے مزاج کا خاصہ ہے۔ والد صاحب کی طرح ان کا بھی اُستاد سوائے منشی ازل کے کوئی نہیں۔

تمام کلام خداداد قابلیت کا نمونہ ہے۔ پُرانی اور نئی شاعری دونوں کے طرفدار ہیں۔ گو پُرگو نہیں ہیں مگر جسقدر کہتے ہیں خوب کہتے ہیں۔ جناب ہمدم اکبرآبادی سے خصوصیت کے ساتھ اُنس رکھتے ہیں۔

قطعہ تاریخ ولادت فریاد صاحب مصنفہ جناب ہمدم

سنئے سن ولادت فریاد اہل فن کا — صانع نے جب بنائی شکل اُسکی پیاری پیاری

ہاتف پکارا ہمدم کیا منشی ازل نے — عاصی کے سر پہ باندھی دستار بختیاری

۱۸۹۸ء

غزل

خیال یار ہمیں صبح و شام رہتا ہے — یہ درد وہ ہے جو دل میں مدام رہتا ہے

شب فراق میں اپنا یہ کام رہتا ہے — کہ دل میں یاد تری لب پہ نام رہتا ہے

تمام حسرت و ارمان گھر کے آئے ہیں — مری لحد پہ بڑا اژدحام رہتا ہے

پلادے ساقیا جی بھر کے آج رندونکو — چھلکتا بادۂ ہستی کا جام رہتا ہے

سنا ہے ابتو خدادوست ہوگئے فریاد

لبوں پہ وِرد سدا رام رام رہتا ہے

وہ جلوہ پھر آیا نظر بیٹھے بیٹھے — دیگر — چلا پھر مرا دل کدھر بیٹھے بیٹھے

چلاتے ہیں تیر نظر بیٹھے بیٹھے — بڑھے کیوں نہ درد جگر بیٹھے بیٹھے

تلاطم ہو اشکوں کا دنیا میں برپا جو برسیں میری چشم تر بیٹھے بیٹھے

کہاں ایسی تقدیر فریاد تیری

چلے آئیں وہ تیرے گھر بیٹھے بیٹھے

ہاتھ دکھ جائیگا کیوں ہاتھ میں تلوار رہے وار کرنے کو یہی ابروئے خمدار رہے

وائے ناکامیٔ تقدیر رہیں وا آنکھیں بعد مرنے کے بھی ہم طالبِ دیدار رہے

لطمۂ موج کا کیا ہو مری کشتی پہ اثر ناخدا جب کہ میرا خالق و ستّار رہے

مرضِ عشق سے اچھے نہ ہوئے جیتے جی نازِ عیسیٰ بھی اُٹھا کر یہاں بیمار رہے

رنج و غم درد و الم ہائے شب فرقت میں یہی ہمدم یہی مونس مرے دو چار رہے

سر بگرداں رہے ہم دائرہ الفت میں جستجو میں تری ہم صورتِ پرکار رہے

آئے فریاد جو وہ غیرت یوسف اس جا

اکبرآباد بھی اک مصر کا بازار رہے

شباب آیا یوں گلبدن دھیرے دھیرے پھلے پھولے جیسے چمن دھیرے دھیرے

لٹکتی ہیں پھر اُن کے عارض سے زلفیں لگا چاند میں پھر گہن دھیرے دھیرے

مقدر کی گردش نہیں ہے تو کیا ہے چھٹا آگرہ سا وطن دھیرے دھیرے

ملے لذتِ عشق رہ رہ کے دل کو چلا تیر ناوک فگن دھیرے دھیرے

دیگر

کیا دھواں دھار گھٹا عشق کی چھائی ہے یہاں لو چلو میکشو پھر اپنی بن آئی ہے یہاں

ہم نہیں ڈھونڈتے کعبہ میں کلیسا میں تجھے تیری تصویر کلیجہ سے لگائی ہے یہاں

رنج و غم حسرت و ارمان تھے سب آگے پیچھے لاش دل کی انہیں چاروں نے اُٹھائی ہے یہاں

سرنگوں بیٹھے ہیں ارمان میری میت پر بیکسی دیکھئے سر پیٹنے آئی ہے یہاں

وحشتِ قیس کی اب کچھ بھی حقیقت نہ رہی تیرے دیوانہ نے وہ شکل بنائی ہے یہاں

شاعری لوگ بُرا سمجھیں تو سمجھیں فریاد

ڈگری بی۔اے کی اسی شوق سے پائی یہاں

خزاں میں شکل دکھاتی ہے پھر بہار مجھے
چڑھانے آیا ہے تربت پہ کوئی ہار مجھے

بتوں کے عشق میں کیونکر۔خدا کی یاد آئے
ابھی تو بادۂ نخوت کا ہے خمار مجھے

بنا ہوں ساکن بنگال چھوڑ کر کشمیر
ہوا ہے صندلی رنگوں کا جب سے پیار مجھے

تُلے ہوئے ہیں وہ فریاد قتل پر میرے
ہے لاکھ شکر کہ سمجھا ہے جاں نثار مجھے

ملاتی نہیں شرم سے آنکھ دیکھو
نظر جب سے نرگس پہ ڈالی ہے تم نے

یہ کیسے مسیحا ہو۔قاتل ہو سب کے
کبھی جاں مردہ میں ڈالی ہے تم نے

جھکی جاتی ہے شرم سے تیغ ابرو نا
کسی بے گنہ پر نکالی ہے تم نے

تصدق نہ فریاد ہو شمع رو پر
اگر تو خدا سے لکالی ہے تم نے

ملے کیوں نہ فریاد بی ٹی کی ڈگری
بزرگوں کی اکثر دعا لی ہے تم نے

پیغام مبارکبادی تبقریب شادی کتخدائی پنڈت سری نرائن جی فرزند پنڈت شیو نرائن بھان صاحب

مہمان بنا بیٹھا ہے وہ ماہ لقا آج
شاید کہ مقدّر کا مرے چاند چڑھا آج

کھلنے لگیں کلیاں مرے پھر گلشن دل کی
پھر عیش و مسرت کی لگی چلنے ہوا آج

ہوتی ہے خزاں آج ہوا میرے چمن سے
لائی ہے خبر فصل بہاری کی صبا آج

گلگشت میں مصروف حسینان چمن ہیں
اٹھلاتی ہوئی پھرتی ہے پھر باد صبا آج

آئی ہے مرے گھر پہ کسی گل کی سواری
صدقہ میں اترتی ہے جو رہ رہ کے صبا آج

مسرور نہ کیوں اختر و فریاد ہوں عاجز
بھائی کا جو دلبند ہے پر دھان چڑھا آج

کچھ شغل ضرور ایسا ہو دل جس سے بہل جائے
اچھی سی پلا ساقیا بدمست بنا آج

انکار نہ پینے سے ہو اب حضرت ہمدم
ساقی ہے نیا شیشہ نیا۔ جام نیا آج

میخانہ کا در کھول دے ساقی ترے صدقے
خوشبو سے بھری آتی ہے جنّت کی ہوا آج

خرّم رہیں دولہا و دلہن بزم جہاں میں
بیٹھا ہوں اُٹھائے ہوئے میں دستِ دعا آج

بیساختہ تحسین نکل آئی زباں سے
جب کان میں فریادؔ ترا نام پڑا آج

مزار دل کا الگ ہو ہماری تربت سے
کہ بعد مرنے کے آئے ذرا قرار مجھے

تری زلف پیچاں کے سودے میں پھنس کر
ہوا مفت یہ دردِ سر بیٹھے بیٹھے

نوک کی ہم سے نہ لی خار مغیلاں نے کبھی
عمر بھر دشت نوردی میں بھی ہشیار رہے

گلوں میں تیری سی کچھ بھی نہ رنگ و بو نہ ملی
حسین جتنے تھے آئے نظر میں خار مجھے

بزم اغیار میں شرکت مجھے منظور نہ تھی
کششِ یار مجھے کھینچ کے لائی ہے یہاں

فرخ۔ پنڈت راجہ کاک در ساکن صفاکدل سری نگر کشمیر

آپ نے بعمر باسٹھ سال سمت ۱۹۰۷ بکرمی میں در عہد مہاراج گلاب سنگھ رحلت کی

بنازم نرگ چشم شوخ کمانے را
چو برگردد کند از یک نگہ کار جہانے را

چناں در ہجر گا روے دہم سر نالۂ رنگیں
کہ بلبل گرد سر گردد چو من رنگیں بیانے را

بقصد من کمان زہ کردہ می آید نگہ طالع
ہدف از سینہ میسازم خدنگ سخت جانے را

ز دلقِ کہنۂ تزویر بگذر شو اے زاہد
روانِ تازہ گر خواہی ببیں سرو روانے را

پنڈت راجہ کاک در - فرخ

بگل میتازی اے بلبل کہ دارد خار در بستر قبائے نازمی زیبد بہ بر نازک میانے را

ولہ

ناگہاں از پردہ بیروں تاختہ دلدار ما اے حریفاں پردہ بگذارد خدا درکار ما

چشم میدارد نگاہے از نوائے نور نگاہ با ہمہ تر دامنی ہا چشم گوہر بار ما

بسمل تیغ نگاہم از تبسم شربتے تازہ مرہم بر نمی تابد دل افگار ما

رفتن زخویش دیدن یار است پیش ما دیوانگی نشانۂ کار است پیش ما

از صاف باطنی شدہ ام محو روئے او خورشید و ماہ آئینہ دار است پیش ما

رنگے نہ بست گل بہ بہاراں بچشم من رنگِ شکستہ رشک بہار است پیش ما

پروانہ شد ولیکہ بشمع رخش ز ذوق
فرخ بداں چراغ مزار است پیش ما

شمع میگو ید بہ اہل بزم ہنگام سحر نیست اینجا پائیداری گریہ می آید مرا

خاک راہش گشتم و دامن فشاں از من گذشت بُرد باراں خاکساری گریہ می آید مرا

از کمند زلف او فرخ دل بیچارہ را
نیست روئے رستگاری گریہ می آید مرا

نہاں میداشتم داغِ دل و درد نہانی را چہ سازم چہرۂ کاہی و اشک ارغوانی را

اگر خواہد شبیہہ چشم بیمارت کشد شاید بعینہ گر شود نرگس قلم در دست مانی را

ولہ

تنہا بہ آب دیدہ نہ بستیم خواب را بے آب ساخت چشم ترما سحاب را

برچرخ میشود گل خورشید جعفری چوں جلوہ میدہی سیہ سنبل نقاب را

فرخ اسیر زلف تو دارد دل عزیز
ظالم متاب سنبل پر پیچ و تاب را

از تعلق خاطر آزاد میخواہیم ما ایں دل ناشاد خود را شاد میخواہیم ما

دین و ایماں جان و دل نذر رہت کردم نثار خیر مقدم اے جنوں امداد میخواہیم ما

دلنوازی از دم شمشیر او دارم امید — آب کام تشنه از پولاد میخواہیم ما
خاک راہت گشتم و دامن کشاں رفتی زمن — داد از دست تو اے بیداد میخواہیم ما

ولہ

برداشتی ز چہرۂ گلگوں نقاب را — بے پردہ ساختی بخدا آفتاب را
گر ز گستش نکرد فسونہائے سامری — در چشم ما کہ بست بگوئید خواب را
خواہم کہ بر کنم ز بتاں دل کجا برم — ایں سینۂ پر آتش و چشم پر آب را
بیحاصلی است حاصل ایں سبز کشت چرخ — ما آزمودہ ایم جہاں خراب را
میخواستم کہ پاکشم از دست بیخودی — یاراں چہ میکنم دل پر اضطراب را
فرخ حیات نقش بر آب است ہوش دار
چشمے کشا بہ عبرت و بنگر حباب را

نمود اشکم چناں طوفاں کہ گیرد کوہ و صحرا را — چساں می بندم از خاشاکِ مژگاں روئے دریا را
صبا از من پیامے بر بمجنونِ جنوں پیکر — جنوں سالار می آید بروں خالی کند جا را
نکرد آہم اثر در خاطرت ظالم عجب دارم — کہ آہ آتشینم تو تیا میکرد خارا را

ولہ

چو شمع آتش اشکے کہ ریخت چشم ترا مشب — گداخت قالب ما را ز پاے تا بسر امشب
چو شمع سوزم و دم بر نمیزنم ز غمت — چرا بحال نزارم نمیکنی نظر امشب
چو فرخ از تب شمع رخش دلم سوزد
ز سوزشِ دلم او را کہ میبرد خبر امشب

ز اشک دیدۂ ما آبشار را دریاب — ز داغ شیشۂ ما لالہ زار را دریاب
ستارہ ریز ز شام است تا سحر چشمم — بر آ و دیدۂ شب زندہ دار را دریاب
اسیر دام ہوس تا بکے شوی فرخ
ز کار بیخبری روزگار را دریاب

بالاے بلند تو بر افراخت چو قامت — برخاستہ از روے زمیں شور قیامت

بربادشد از تابِ غمت جانِ دل آخر — اینک رخِ زرد است و دمِ سرد علامت
فرخ چہ کنی شکوہ زناکامی دوراں
یک قطرہ نریزد فلکِ سفلہ بکامت

در چمن آمد چو چماں آں پری — رنگ گل از چہرہ پریدن گرفت
بہر سراغِ دلِ گم کردہ پے — خون دل از دیدہ دویدن گرفت
تا شدہ فرخ بہ غمش آشنا
از خود و بیگانہ رمیدن گرفت

جاں سپردم بغمت نمت جانے باقی است — قدمے رنجہ کن از لطف کہ آنے باقی ست
از گل و لالہ نماند چمنِ دھر تہی — رفت گر پستہ لبے غنچہ دہانے باقی ست
فرخ امروز رود از تبِ ہجرش برباد
گر مرا در تن بیتاب توانے باقی ست

غمم دہی و دلم میبری چہ عیار یست — مرو مرو کہ نہ شرطِ مروت و یار یست
شنو کہ چوں دلِ من گرم نوحہ و زاریست — ببیں کہ خون دل از دیدہ ام چساں جاریست
بدوش بارگنہ خار معصیت در پا — امید یاریم از فضل حضرتِ باریست
زکار ہائے جہاں دست کش نشیں بیکار — کہ ختم کار جہاں عاقبت بہ بیکاریست
مجوے رسم وفا از پری رخاں فرخ
کہ راہ و رسم پری طلعتاں جفا کاریست

زآئینہ ہمچو آئینہ غرقاب حیرتم — کاں سادہ دل زسادہ دلی رو بروئے کیست
دامن کشاں گذشتی و ظالم نگفتی آہ — کایں از فتادگانِ سرِ خاکِ کوئے کیست
فرخ چو نیست منزلِ او جز حریم دل
در حیرتم کہ سجدۂ مردم بسوئے کیست

چشم مردم شود از دیدن خالت روشن | مردم دیدۂ و خالِ تو گر ہر دو یکے است
پرتو روے تو و پرتوِ خورشید سحر | بخدا در نظر اہل نظر ہر دو یکے است
پیکرم دیدۂ تر سوز دو دل ز آہ جگر | دل سوزانِ من و دیدۂ تر ہر دو یکے ست

دیگر

بنوش بادۂ گلرنگ اگر دلت تنگ است | علاج تنگدلی با شراب گلرنگ است
فداے قدرت اویم کہ در خزاں و بہار | برنگ ہا شدہ ظاہر اگرچہ بیرنگ است

غم ز دل زاد چہ بیبا ید کرد | بر دل افتاد چہ بیبا ید کرد
بہ چمن رفتی و بلبل با گل | کرد فریاد چہ بیبا ید کرد
مشقِ دیوانگیم پیر جنوں | کرد ارشاد چہ بیبا ید کرد

لبِ لعل تو دل فرخ را
نکند شاد چہ بیبا ید کرد

دل سر زلف او رہا نکند | آشنا ترک آشنا نکند
ظالم از سوز عشق بیخبر است | خندہ بر گریہ ام چرا نکند
دل ز جورِ لبِ تو پُر خوں است | چہ شد ار لب بشکوہ وا نکند
گفتم از زلف او بگیرم دل | دل ہمی گو یدم خدا نکند

نشود وا دلِ غمیں فرخ
جامۂ صبر تا قبا نکند

سحر آگہ ز بوے نافۂ گل | بلبل از نالۂ حزینم کرد
عشق عقلم ربود و داد جنوں | آں چناں بود م ایں چنینم کرد

سر سوداے زلف او فرخ
فارغ از فکر آں و اینم کرد

در دلِ ہر کہ خیالِ تو بیکدم گذرد | سر سوداے دو عالم بدلش کم گذرد

نگسلد رشتۂ عشق تو ام از گردن جاں — گرچہ سر رشتۂ عمرم ہمہ از ہم گذرد
نگذشتہ است ز طوفان فنا بر مردم — ہر چہ بر روئے من از دیدۂ پرنم گذرد
در شب ہجر تو از غم نہ نہم دست بدل — غم اینست مبادا کہ دل از غم گذرد

دلہ

چشم بیمار تو بیمارم کرد — خم زلف تو گرفتارم کرد
بود در خواب بزلفت دستم — بخت بد آمد و بیدارم کرد
از گرانباری ایں عمر دراز — طرز ناز تو سبکسارم کرد
کردہ بود عقل ز خود بیخبرم — چشم مخمور تو ہشیارم کرد

فرخ از اشک بخوں بودم غرق
خندہ بر گریۂ من یارم کرد

کردہ منظور نظر خود بینی — تا در آئینہ تماشا میکرد
آب گردید و شد از دیدہ بروں — یافت دل انچہ تمنا میکرد
نہ حنا بود کہ ز انگشتِ نمود — فتنۂ بود کہ برپا میکرد

فرخ از زیر و زبر کردن زلف
دل مارا تہ و بالا میکرد

باز دل برد ز من غمزۂ پنہانے چند — دوستاں باز ستانید ید ستانے چند
پشت ایماں شدہ از مصحفِ روئے تو قوی — کفر زلفت زرہ افگند مسلمانے چند

ز اشکِ خونیں مے ناب وز جگر لخت کباب
چیدہ در بزم تو فرخ سر و سامانے چند

بعد ازیں ترک حیا خواہم کرد — جامۂ صبر قبا خواہم کرد
داد از دست تو فردا ندہم — محشر امروز بپا خواہم کرد

بہوائے سر زلفش فرخ

فکر در فکر رسا خواهم کرد

زسر جامے دہد لعل سخندانِ تو اے کافر | زبر دل می برد برگشته مژگانِ تو اے کافر
گریبانت بصد جا پاره خواهی دید در یکدم | اگر دستم رسد فردا بدامانِ تو اے کافر
زعارض آب و گل بردی ز کاکل تاب سنبل هم | گل و سنبل ازاں شد بنده فرمانِ تو اے کافر

رقیباں گرم مے نوشی به بزمت بیچ میدانی
که فرخ بود وقتے از ندیمانِ تو اے کافر

ز دل تنگی نمی نالم بدل دارم غمے دیگر | غم دل با تو گویم گر دہی دل یک دمے دیگر
در مسجد ہیچ نکشاید بعالم گفتمت زاہد | درِ میخانه بکشا تا به بینی عالمے دیگر
بلند و پست گوید ناصحِ عاقل نمیداند | که میر فصد دلِ دیوانه بر زیر و بمے دیگر

چه پرسی جسته جسته فرخ از درمان دردِ من
نسازد خسته اش را غیر مردن مرہمے دیگر

ظالم ز بندِ زلف تو دل چوں رود جائے دگر | دام است در یکپاے او زنجیر در پائے دگر
دیوانه نارد بیت شوم آشفته صورت شوم | در دل ندارم غیر ازیں جاناں تمنائے دگر
فرزانه گو یک نظر بیند رخِ خوبِ ترا | دیوانه باشد گر کند میلِ تماشائے دگر
عرق از روئے چو گل ریختنش را بنگر | آب و آتش بہم آمیختنش را بنگر
می رہد از من و از غمزه کشد سوئے خودم | باز پیوستن و بگسیختنش را بنگر
چشم از چشم تو دارد نگہے چشم ترم | خونِ دل از مژہ ہا ریختنش را بنگر

دلِ فرخ حذر از دام بلا کے دارد
با سر زلفِ خود آویختنش را بنگر

گشته ام نغمه سرا در ہوسِ تازه گلے | بلبل ایں نغمه سرائی زمن آموز امروز
در بغل شیشه و در دست قدح یار آمد | چه مدد کرد بمن طالعِ فیروز امروز

پختۂ کار جنوں گو پند مجنوں را دلے
خاطر سوزندۂ ما خام میداند ہنوز

شہرۂ آفاق گردیدم ز عشقش در جنوں
شہرۂ آفاق را گمنام میداند ہنوز

دیگر

خوشا روزیکہ سازد عزم میداں وقت جولانش
شوم خاک رہ و برخیزم آویزم بداما نش

نہ پندش جائے میگیرد نہ بندش پائے می ساید
دلِ دیوانۂ دارم کہ در ماندم بدر ما نش

ز کفر و زلف او از رہ فتادم ہمرہاں راہی
کہ دوزد دیدۂ ایماں دو چشم نامسلمانش

نیاید جائے در دل جلوۂ قدِ دلارائیش
نشاند پائے در گل سرو را سروِ خرامانش

نہ تنہا روز من چوں شب شود از زلف او فرخ
نشانِ صبح محشر ہم دہد چاکِ گریبانش

لافید شکر بالبت از پوست بیروں کردمش
خندید مینائے کفت مے در گلو خوں کردمش

دانی کہ دلبر با دلم چوں کرد من چوں کردمش
او از غضب خوں کرد و من از دیدہ بیروں کردمش

جوشم زند بسینہ غم او بہ یکطرف
ہوشم برد دو نرگس جادو بہ یکطرف

دیدم کہ دیر و کعبہ شود رہزنم ز عشق
زانرو نمود روے دلم رو بہ یکطرف

دیگر

ہرگز نگرد آشنا با نبض من انگشت کس
درماندہ از درماندگی دستِ طبیباں در بغل

دانا ے رازم کے کند در روز دیوانم خجل
کاوردم از بیدانشی دیوانِ عصیاں در بغل

بہر نثارِ مقدمت اے نور چشم مردمے
دارم ز چشم خونفشاں یاقوتِ رماں در بغل

ہر داغ پنہانی نگر شمعے است تاباں در نظر
بہرِ تماشایت دلم دارد چراغاں در بغل

دیگر

سیخ برتن شدہ مویم ز سیہ کاریِ دل
وائے اگر اشک ندامت نکند یاریِ دل

در شبِ ہجر تو خوں گشت و شد از دیدہ بروں
قدمے رنجہ کن از لطف بدلداریِ دل

نیست تنہا جگرم از ستم او پر خوں
چہ جگرہا کہ نشد خوں ز ستمگاریِ دل

دیگر

دل بے سکون و دامن دلبر ز کف بروں
از کار رفت کار رشد از چارہ چارہ ام

گفتی کہ آہ سرد و رخ زرد ت از چہ رو ست
ظالم ندیدۂ جگر پارہ پارہ ام

فرخ نمود دست صبا جیب غنچه چاک
دستم نمیرسد بگریبان پاره ام

نه از دورنگی لیل و نهار می ترسم — زگردش نگه چشم یار می ترسم
دراز وعدهٔ وصل است و عمر پا برکاب — ز فرصت کم و از انتظار می ترسم
زخون ماست به پرهیز چشم بیمارش — ز گوشه گیری پرهیزگار می ترسم
دلم از خویش غافل بود شب جائیکه من بودم — رخش آئینهٔ دل بود شب جائیکه من بودم
ید بیضا کف ساقی تجلی جلوهٔ مینا — چه جاے سحر بابل بود شب جائیکه من بودم
بچشم نیم بازم خواند و از چشم دگر راندم — حیا با ناز شامل بود شب جائیکه من بودم

ولہ

دم گرم از غمش گر سر نمیکردم چه میکردم — چو اخگر فرش خاکستر نمیکردم چه میکردم
بمینای بادهٔ گلگون و مینا در کف ساقی — بمے سجاده رنگین گر نمیکردم چه میکردم
خطرناک است راه عشق بازان در خطرناکی — دل دیوانه را رهبر نمیکردم چه میکردم
ز استاد جنون فرخ بدرس عشقبازیها
کتاب بیخودی از بر نمیکردم چه میکردم

در روز بهی چه میکنم من — با دست تهی چه میکنم من
از خاک در تو سر فرازم — با تاج شهی چه میکنم من
بر پاے دلم ز زلف زنجیر — ظالم چو نهی چه میکنم من
فرخ در کوے میفروشان
با دست تهی چه میکنم من

مردیم و بردیم با خویش همراه — آهے و صد درد، درد ے و صد آه
با روے خوبت مه را چه نسبت — استغفر الله استغفر الله
لعل لبش را شنفتم و گفتیم — الحمد لله الحمد لله

برزلف وروئش میخوانم از بر والیل و والشمس شام وسحرگاه
دیدیم وچیدیم مادستہ دستہ گلہائے حیرت زیں باغ دلخواہ
دور از تو گر حور کوثر فروشد
فرخ نخوشد واللہ و باللہ

ہم ما دلشدگاں بادہ میارائے ساقی ہست یک گردش چشم تو بکارائے ساقی
بشمارم قدح مے دہ واندیشہ مدار ہرچہ آید بسرم روز شمارائے ساقی
بزم گرم است و بیک جرعہ نسازی با ما گلہ دارد ز جفایت دل یارائے ساقی
مے بدہ مے کہ بفرد انفتد در دستت سر مینا و سر زلف نگارائے ساقی
فرخ آں روز شود از غم ہستی آزاد
کہ کشد نرگس مستت بخمارائے ساقی

ساقی ار بادۂ نابے داری بخشش دہ کہ صوابے داری
گرت از خون شہیداں پرسند بشکر خندہ جوابے داری
تشنگاں را بدہ مے چند بیاب تو ئی امروز کہ آبے داری
خانہ آباد نداری خبرے کہ چو من خانہ خرابے داری
فرخ از دیدۂ تر وز لب خشک
لب نانے در آبے داری

دلم از دست تو تنگ است تو ہم میدانی پائے دیوانہ لنگ است تو ہم میدانی
با دل بیدل یکرنگ خودائے شعبدہ باز چشم شوخ تو دو رنگست تو ہم میدانی
سرو لافی بقد دلبر ما گاہ خرام؟ پائے رفتار تو لنگست تو ہم میدانی
دیگر
اے آنکہ خدا دادت مہ روی و گل بوئی بگذر ز جفا جوئی خو کن بہ نکو خوئی
مینوش مئے باقی می بوس لب ساقی اے شیخ ازیں بہتر از جنت چہ میجوئی

نُقل ہست مے رنگیں ساقی و لب شیریں — ناصح بخدا بنگر نادیدہ چہ میگوئی
طرّاری و بیباکی ختم است بتو ظالم — غم دادی و دل بُردی دل بُردی و جاں جوئی
داغ سیہ دل را ہرگز نتواں شستن
از دیدۂ تر فرخ بگذر ز سیہ شوئی

فغاں۔ پنڈت لالجی پرشاد صاحب ہکّو

آپ مولوی امام بخش صہبائی دہلوی کے شاگرد تھے ریاست بہاولپور میں عرصہ دراز تک مدارالمہام رہے۔

آنکہ بر ہیچو دیم طعنۂ بیجا سے کرد — نشۂ حُسنِ ترا کاش تماشا سے کرد
کاش از بہر ساواتِ من و خصم فلک — قہر با لطفِ ترا عام بہرجا سے کرد
بہم تکلیف مداوائے دلم داشت لبت
چشم بیمار ترا ورنہ مداوا سے کرد

بر رُخِ تابانِ خویش زلف معنبر شکن — زاہد صد سالہ را خار بہ بستر شکن
نالۂ مارا چو نیست رنگ تماشائے دوست — صرصرِ جاں سوز خیز بالِ کبوتر شکن
غمزۂ و ناز و ادا تشنۂ خوں اند و بس — در رگِ جانیم ما ایں دو سہ نشتر شکن
توبۂ عشّاق چیست مشغلۂ روز ابر — گر شب وصلے رسد از مے احمر شکن
یار طلب میکند نقد دلت را فغاں
دل بدہ از دست یا خاطرِ دلبر شکن

فقیر۔ گوپال پنڈت در ساکن صفاکدل سری نگر کشمیر

آپ نے بعمر ۹۵ سال سمت ۱۸۵۵ بکرمی میں وفات پائی۔ عبداللہ خاں حاکم کشمیر اُس وقت برسرِ حکومت تھے۔

رفتم بکوئے میکدہ در وا نشد نشد — گفتم فلک بکامِ دل ما شود نشد

دانم کہ ایں معاملہ در حشر او فتد — گفتم کہ صلح ما و تو اینجا شود نشد
آں پیر میفروش کہ عمر عزیز ماست — ہر چند خواستیم کہ از ما شود نشد
اے گوش بحر فم نگذاری چہ تواں گفت — نے عجز شنیدی و نہ زاری چہ تواں گفت
با غیر ہزار مہر و با ما صد کیں — دیدیم کہ داری و نداری چہ تواں گفت
فانی شدنِ جہاں کہ آں در نظر است — اندیشۂ آخرت ازاں خوبتر است
امروز بکن کہ ہست پا بر سر خاک — فردا چہ کنی چارہ کہ خاکت بسر است

ولہ

در علم ظہور را و ہمہ خلق جہاں — گویند یکے یکے چنیں است و چناں
من گفتم و گویم کہ نہاں است و عیاں — چیزیکہ عیانست چہ حاجت بہ بیاں

ولہ

اے یار دمے چہ بیتو نتوانم زیست — پس گو کہ میاں ما و تو فرق ز چیست
بینی چو بہ تحقیق بروے من و خود — دانی کہ تو معشوق کدام عاشق کیست

ولہ

در جان و دلم حرص و طمع پا نہاد — فکر زر و سیم بیش از بیشم داد
جز رنج ز زندگی بگو حاصل چیست — امروز مرا کہ غم ز فردا افتاد
اے یار تو از نیک و ز بد ہوش نکردی — گفتم کہ بما رحم بکن گوش نکردی
یک ذرہ و یک روز فراموش نکردی — امروز مرا جور کم از دوش نکردی

مستزاد

مائیم کہ ترک مال و دنیا کردیم ہمت اینست — از بہر خود آرام مہیا کردیم دولت اینست
در راہ وخیال دوست از دل وز جاں بستیم کمر — چیزیکہ نداشتیم پیدا کردیم قدرت اینست

دیگر

زیں غمکدہ آہ غمگساراں رفتند غم ماندہ بجاں — نسرین بدناں و گلعذاراں رفتند بلبل بفغاں
ما در پس ایں قافلہ ماندیم چو گرد افتادہ براہ — یاری ز کہ جوئیم کہ یاراں رفتند دامن افشاں

دیگر

پیری آمد دل ز تمنا شد سرد و چشم از دیدن — در چہرہ شکن نشست و در پہلو درد و پا از گشتن
بے گوش بجا ماند و نے طاقت و ہوش افسوس افسوس — یاراں رفتند چہ میباید کرد باید رفتن

درد تو کردہ است شیدا دلِ من	درد دلِ من ور دا دلِ من
بیداد تاکے داد از تو دارد	اینجا دلِ من آنجا دلِ من

غزل

امروز سوے ما نظرے کن اگر کنی	فردا کنی چو برسرِ خاکم گذر کنی
گر بعد من بخاک من آئی ازیں چہ سود	دستے بدست مالی و خاکے بسر کنی
یکبار شکوہ گوش اگر سر بسر کنی	ترکِ ستم اگر نہ کنی مختصر کنی
بینی چگونہ حال ستمدیدگانِ تست	یکبار اگر نگاہ بہ ایں چشم تر کنی
گفتم کہ درد عشق بگویم بہ پیش تو	ترسم کہ راز فاش بجاے دگر کنی
جور و جفا بگفتِ رقیباں بحال ما	چند انکہ گو ییت کہ مکن بیشتر کنی
کردم فغان ز وعدہ خلافی تمام شب	آں نیستی کہ ترس ز آہِ سحر کنی
روزیکہ لطف عام کنی درمیان خلق	دارم امید آنکہ مرا ہم خبر کنی
طالع کجا و بخت کجا یاوری کند	بر رُوے ما بزعم رقیباں نظر کنی

خوانند اے فقیر ترا مرد آں زماں
خود را بہ تیر غمزۂ او چوں سپر کنی

نگار۔ پنڈت دیا شنکر صاحب نسیم لکھنوی خلف پنڈت گنگا پرشاد صاحب کول

آپ کی تعلیم فارسی زبان میں لکھنو میں ہوئی منتہی کتب درسیہ پڑھنے کے بعد آپ کو شاعری کا شوق ہوا فارسی زبان میں آپ مرزا ناطق مکرانی کے اور اردو میں خواجہ آتش کے شاگرد ہوئے آغاز شباب میں کلکٹری ضلع گونڈہ کی سرشتہ داری پر تقرر ہوا پھر مہاراجہ صاحب بہادر بلرام پور نے آپ کو اپنی ریاست میں لیکر افسر منشی خانہ مقرر کیا آپ کی وفا شعاری اور خوش لیاقتی جب رئیس کے دلنشین ہوگئی

تب آپ اسسٹینٹ نائب ریاست مقرر ہوئے بعد انتقال مہاراجہ صاحب کے مہارانی صاحبہ منتظم ریاست ہوئیں اور انھوں نے آپ کو مشیر خاص مقرر کیا۔ ۶۰ سال کی عمر میں رہگرائے ملک بقا ہوئے۔

آپ کے پاکیزہ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس میں دشوار پسندی کی جھلک کہیں نہیں پائی جاتی بلکہ آپ کی طبیعت کو سلاست اور لطافت زبان سے ایک خاص لگاؤ تھا۔ آپ صاحب دیواں تھے اُس کا ایک قلمی نسخہ آپ کے خلف اکبر پنڈت شیوشنکر صاحب ٹکّو جج عدالت خفیفہ ریاست دھولپور نے عنایت فرمایا تھا چنانچہ اُس کا انتخاب قدردانان سخن کے تفنّن طبع کی غرض سے پیش کیا جاتا ہے۔

غزلیات اُردو

سودا ہے اپنی آنکھ کو چشم سیاہ کا — خار مژہ میں الجھا ہے دامن نگاہ کا

سودا تمام عمر بتوں کا رہا مجھے — سر پر پہاڑ ے کے چلا ہوں گناہ کا

پائے نگہ میں کسکے چبھا میں نہیں فگار — مہماں سرائے دہر میں کانٹا ہوں راہ کا

ولہ

نہ کوئی راہبر اپنا ہے نہ یاور اپنا — ساتھ اپنے ہے فقط ایک مقدّر اپنا

مست رکھتا ہے مجھے دل مئے وحدت سے مدام — یہی خُم ہے یہی مینا یہی ساغر اپنا

ولہ

میں کیا کہوں کہ اپنا سامنہ لیکے رہ گئے — صاف آئینہ نے مُنہ پہ جو اُن کے دیا جواب

لکھتا نہ ہوں خط اُس بت بیرحم کو فگار — پر دل میں خوب سمجھا ہوں جو آئیگا جواب

دیگر

نغمۂ مینا وُ رقص ساغر و رنگِ شراب — خون رُلواتی ہے یادِ صحبتِ دوشینہ آج

ڈر یہ ہے اپنے وہ عاشق خود نہو جائیں کہیں — بس چلے تو روبرو آنے نہ دوں آئینہ آج

ولہ

جب شب فرقت میں دھوکے سے چلی آتی ہے نیند — آنکھوں کے ڈھیلوں سے کیا کیا ٹھوکریں کھاتی ہے نیند

کون کہتا ہے کہ فرقت میں نہیں آتی ہے نیند — آتی ہے پر اپنا سا منہ لیکے پھر جاتی ہے نیند

چبھتے ہیں خارِ مژہ گڑتے ہیں ڈھیلے آنکھ کے — یہ بہانہ کرکے فرقت میں سرک جاتی ہے نیند

بند ہیں جب تک کہ آنکھیں نیند بھی ہے قید میں
چشم کے وا ہوتے ہی کافور ہو جاتی ہے نیند

میں نے ہجرِ یار میں سونے کی کھائی ہے قسم
گرد میری آنکھوں کے بیکار منڈلاتی ہے نیند

مردمانِ چشم کے حصہ میں ہے شرم و حیا
بند کر لیتی ہیں آنکھیں جب کبھی آتی ہے نیند

ہجر میں سوتے رواں رہتے ہیں اشکوں کے نگار
آنکھوں میں جانے کا موقع ہی نہیں پاتی ہے نیند

صدمہ ہائے ہجر کے کس منہ سے ہم شکوے کریں
زخم دل خود دیدۂ گریاں پہ ہیں خنداں ہنوز

واہ رے ضبط و تحمل واہ رے صبر و قرار
دل نہیں افشارِ رازِ درد کا خواہاں ہنوز

دیکھا ہے دزدیدہ نظروں نے جو عاشق کی طرف
چشم شوخِ یار سے برگشتہ ہیں مژگاں ہنوز

وصل میں بھی یادِ فرقت کی ڈرائی ہے نگار
طفل اشک چشم سے چھوٹا نہیں داماں ہنوز

وله

آشنائے گوش ہوتی ہی نہیں آوازِ شمع
دید کے قابل ہے اس محفل میں سوز و سازِ شمع

باعثِ جلوہ ہوا برقع حسینوں کے لئے
پردۂ فانوس میں چھپتا نہیں ہے رازِ شمع

کب تلوّن کو گذر ہے اہل دل تک دیکھ لو
ایک ہی صورت پہ ہے انجام تک آغازِ شمع

آتشِ سوز اور ہے نورِ تجلی اور ہے
جلنے میں پروانہ کے مطلق نہیں اندازِ شمع

دمبدم سرگوشیوں سے صاف روشن ہو گیا
کوئی جز گلگیر محفل میں نہیں ہمرازِ شمع

نشۂ صہبائے عشقِ یار ہے دل میں نگار
ہے پرِ پروانہ میں مضمونِ سوز و سازِ شمع

وله

لائے ہیں مستِ ازل ساتھ ہی میخانۂ عشق
سینہ خُم شیشہ ہے دل آنکھیں ہیں پیمانۂ عشق

جل گیا شمع کے آگے تو کھلا یہ مضمون
پرِ پروانہ میں تھا مطلبِ پروانۂ عشق

بلبلوں کی نہیں گلشن میں عبث نغمہ زنی
گوش گل کے لئے درکار ہے افسانۂ عشق

وله

خون آنکھوں سے جاری ہے مگر اف نہیں کرتے
رونے کا ہمارے ہے نیا ڈھنگ نیا رنگ

جب تک تھی گلستاں میں رہی سبز قدم یہ
قدموں سے ترے لگ کے نیا لائی حنا رنگ

وله

بزم جاناں میں جو پہونچے تو گئے ہوش و حواس
نہیں معلوم کہاں آئے کدھر بیٹھے ہم

اپنی عالم سے نرالی ہے نشست و برخاست   اُٹھے با آہ تو با دیدۂ تر بیٹھے ہم

ولہ

رو رو کے کیا ہے راز افشا   یہ مردُمِ چشم پردہ در ہیں
دیوانے ہیں دید کے ہم عاشق   پابندِ سلاسلِ نظر ہیں
بے نام و نشان کے ہم ہیں بندے   ماشا اللہ نامور ہیں ہا
آزاد ہیں قید سے قفس کی   ہم طائروں میں شکستہ پر ہیں
تسکین سی دل کو ہو گئی ہے   عزم آج کچھ اور ہی مگر ہیں
واں زلف اگر ہوئی پریشاں   یاں ہوش و حواس منتشر ہیں

ولہ

زہے زیرِ کلاہ سرِ دلبر گیسو   اپنے جامے سے ہوئے جاتے ہیں باہر گیسو
چھین لیتے ہیں دل عاشقِ مضطر گیسو   سر چڑھے یار کے کیونکر نکریں شر گیسو
کبھی ہٹتے ہیں کبھی آتے ہیں رُخ پر گیسو   خوب پہچانتے ہیں یار کے تیور گیسو
دل صد چاک ستانے کا بلا یہ بدلا   ہاتھ سے شانہ کے تنگ آتے ہیں اکثر گیسو
آئینہ روبرو ہے حسن کی آرائش ہے   بھویں تنتی ہیں سراسر ہیں بلوں پر گیسو
کاکل آشفتہ ہے زلفیں ہیں پریشاں خاطر   مانگ ہے سکتہ کی حالت میں تو ششدر گیسو
کیوں نہ مغرور ہوں کس طرح نہ لیں بل کی فگار   دولتِ حسن سے ہیں آج تو نگر گیسو

ولہ

لے چلی ہے کھینچکر اس انجمن کی آرزو   دیکھئے کیا گُل کھلاتی ہے چمن کی آرزو
کیا توقع کوئی رکھے اور تجھسے اے فلک   لے گئے ہیں سیکڑوں دلمیں کفن کی آرزو

ولہ

لٹا یا کارواں عمرِ رواں کا   ارے بیہوش گردن موڑ کر دیکھ
نہیں صحبت بھلی حیرت زدوں کی   نہ اے گل آئینہ آٹھوں پہر دیکھ
بیابانِ جنوں یہ کہہ رہا ہے   ابھی لیجاتی ہے وحشت کدھر دیکھ
دمِ شمشیر کو کیا دیکھتا ہے   شہیدِ نازپرور کا جگر دیکھ
تری الفت ہی بس زنجیرِ پا ہے   ہمیں صیّاد تو آزاد کر دیکھ

صورت تازہ دکھاتا ہے ہر اک انساں کو | صاف تو یوں ہے کہ ہے بیشک فسونگر آئینہ
واہ ری عظمت تری اللہ رے قدرت تری | جائے مصحف رکھتے ہیں بت اپنے سر پہ آئینہ
بسکہ پیرو یہ بھی ہے دیوانگان عشق کا | خاک اپنے منہ پہ مل لیتا ہے اکثر آئینہ

ولہ

آج سنتے ہیں کہ دور جام و اں محفل میں ہے | واہ ری قسمت یہاں دل کی تمنا دل میں ہے
کون ہے ساقی سے جو کرتا نہیں اظہار عشق | جوش صہبائے محبت شیشہ ہائے دل میں ہے
ہجر میں اُس گل کے نالے ہیں نہاں پر لب پہ آہ | اشک آنکھو میں جگر میں سوز حسرت دل میں ہے

ولہ

ہر ہر قدم پہ لوٹتی پھرتی ہے باغ میں | باد صبا کی چال بھی مستانہ پن کی ہے
کعبہ میں کچھ کنشت میں کچھ میکدہ میں کچھ | کیفیت اک نئی تری ہر انجمن کی ہے
آرائش جمال میں شانہ کے ہاتھ سے | شامت اسیر زلف شکن در شکن کی ہے

خمسہ بر غزل نامی

قصد خونریزی کا دل میں ہے نہ کچھ بیداد کا | کسطرح شکوہ کروں میں اُس ستم ایجاد کا
ہے نزاکت سے گراں نالہ مری فریاد کا | قتل سے میرے یہی مطلب ہے اُس جلاّد کا
ہو نہ آیندہ کسی کو حوصلہ فریاد کا

نام ہے گلشن خزاں میں اک اسیر آباد کا | خار کو حاصل ہے رتبہ خنجر فولاد کا
کالعدم ہے سننے والا نالۂ و فریاد کا | نخل بند باغ بھی ہے آشنا صیاد کا
ہم صفیر اللہ ہے اب بلبل ناشاد کا

بوئے گل سونگھی نہ دیکھی صورت سرو چمن | صحبت شیریں ہوئی حاصل نہ دید نسترن
کیوں نہ ہر ساعت رہے گھیرے مجھے حُبّ وطن | میں وہ بلبل ہوں دکھا عمر بھر روئے چمن
آنکھ کھلتے ہی نظر آیا قفس صیاد کا

پھنس گیا ہوں وائے قسمت کو نسے آزار میں | بلبلیں کانٹا سمجھتی ہیں مجھے گلزار میں
کاہ کی مانند کاہیدہ ہوں ہجر یار میں | ناتواں ایسا ہوں یاد قامت دلدار میں

جانتی ہیں قمریاں سایہ مجھے شمشاد کا

فصل گل ہے آج مرغان چمن کا ہے عروج
سرو سے سرسبز کیا شانِ چمن کا ہے عروج
پھولوں کے خرمن میں دہقانِ چمن کا ہے عروج
پھر بہار آئی عروسانِ چمن کا ہے عروج

دے رہی ہیں بلبلیں مژدہ مبارکباد کا

رابطہ تو نے بڑھایا بادِ صرصر سے مگر
چار ہی دن میں مٹا خاطر سے صحبت کا اثر
کج ادائی چھوڑ او ظالم خدا کا خوف کر
اے صبا جوشِ خزاں کی آئی گلشن میں خبر

مُنہ کو آتا ہے کلیجہ بلبلِ ناشاد کا

دل میں کیا کیا ولولے اُٹھتے ہیں کیا کیا ہے ہوس
جان کو صیاد کی روتے ہیں ہر دم ہر نفس
بیکسی کا ہو بُرا یارب نہیں چلتا ہے بس
موسم جوشِ بہارستاں ہے مُرغانِ قفس

تک رہے ہیں دیدۂ حسرت سے مُنہ صیّاد کا

ہو گئے نخل چمن یکبار بے برگ و نوا
منہ لپیٹے باغباں رہتا ہے دن دن بھر پڑا
رنگ گلشن چار ہی دن میں مبدّل ہو گیا
آئی ہے فصل خزاں بدلی گلستاں کی ہوا

آشنا کوئی نہیں اب بلبل ناشاد کا

خاک میں ملنا ہے اک دن بیگماں سمجھے رہو
ہے سفر درپیش زادِ راہ کا ساماں کرو
خانماں برباد لوگوں کا بھی کہنا مان لو
غافلو نقش و نگارِ قصر پر نازاں نہو

خواب مرقد ہے تماشا عالم ایجاد کا

بلبل آزاد ہوں ہے قید کی طاقت کہاں
پانوں رکھنے کا نہیں اصلا قفس کے درمیاں
طائرِ جاں صاف اڑ جائیگا بے شبہ و گماں
کیا سزاوارِ جفا ہو وہ اسیر ناتواں

ناز اُٹھانا ہی جسے دشوار ہو صیّاد کا

قول ہے صادق فگار خستہ و افگار کا
ہے سراسر ظلم اب مجنوں کو کہنا بیوفا
آفریں احسنت اے رحمت خدا کی مرحبا
دیکھکر رنگ شفق ناحی یہ شیریں نے کہا

سرپہ اُس پیرِ فلک کے خون ہے فرہاد کا

عریاں جو انکے ہاتھ میں شمشیر ہو گئی | بے پردگیِ شاہدِ تقدیر ہو گئی
دیکھا نگاہ گرم سے ہمنے تو وہ چھپے | در پردہ اپنی آنکھوں کی تقدیر ہو گئی

ولہ

حالِ دل جو ہے بیاں کیا کیجئے | رازِ پنہاں کو عیاں کیا کیجئے
دردِ دل اور شبِ ہجرِ صنم | اک کہانی ہے بیاں کیا کیجئے
جس جگہ کوئی کسی کی نہ سنے | حضرتِ دل کہو۔ واں کیا کیجئے
ننگ و ناموس وفا مانع ہے | شبِ فرقت میں فغاں کیا کیجئے
دَم نہ مارا تہِ خنجر ہمنے | بے زبانی کا بیاں کیا کیجئے

ولہ

مانند آسمان دلِ پُر اضطراب ما | داغِ فراق یار بود آفتاب ما
ہنگام قتل با ہمہ خونِ جگر گریست | ابرِ سیاہ تیغ بحالِ خراب ما
ما شہسوار عرصۂ ایام فرقتیم | رنج و غم است قطرہ زناں در رکاب ما
آزادگیست مشربِ رندانِ بادہ نوش | آتش زند بہ پنبۂ مینا شراب ما

عشقِ پریرخاں بدلِ ماست اے فگار
گنجیدہ است بحر درونِ حباب ما

شد آتش زدہ از آہ جگر خانۂ ما | مردم دیدہ کند گریہ بافسانۂ ما
بسکہ ما گوشہ نشینیم بخمخانۂ عشق | ہوش از مغز فلاطوں بُرد افسانۂ ما
شعلۂ عشق کے بسکہ سراپایم سوخت | کارِ صد شمع نماید پرِ پروانۂ ما
گریہ بر برق کند خندۂ بیحاصلِ ما | خندہ برابر زند گریۂ مستانۂ ما

ولہ

اے مہ برافگن از رخِ زیبا نقاب را | چوں شبنم آب کن زحیا آفتاب را
ناصح چہ صرفہ می برد از ما کہ میدہیم | از خامشی جواب سوال و جواب را
در بحرِ خلق واقف ہستی اگر شویم | دانیم عمرِ خضر ثباتِ حباب را

غم چیست یار مائلِ قتل است اگر فگار
رہ نیست در حریم دلم اضطراب را

ہمچو آہم کشم آہے کہ سوزد چرخ گرداں را — عطا کن قوتے یارب دلِ زار و پُر ارماں را
اگر عشق بتاں در دل چنیں ناخن زنی دارد — یقینم شد کہ خواہم چاک زد داماں ایماں را
نگاہِ پاکِ من ہر دم بود بر مصحفِ رویش — مجلا کردہ ام از پردہائے چشم قرآں را
فگار از تختۂ مشق خیال کفر و دیں تا کے
بیا اکنوں بسر کش ساغر صہبائے عرفاں را

در شب ہجرش بلب آہ و فغاں داریم ما — شکوہ از دستِ جفائے آسماں داریم ما
نیست صیادے کہ در بند قناعت افگند — بر سرِ نخلِ تمنا آشیاں داریم ما
شکوۂ جور و جفایت نیست بر لبہائے ما — ہمچو زخم خود دہانِ بے زباں داریم ما
نیست در عالم کسے کز حال ما دارد خبر — اندرونِ سینہ صد زخم نہاں داریم ما
از نصایح دل تنگ آمد ہمانا چوں جرس — نالہ ہا از دستِ جورِ کارواں داریم ما
در تلاش آں مہ بے مہر و بدخوائے فگار
ہر زماں گردش برنگِ آسماں داریم ما

از داغ و اشک و آہ بہارِ خودیم را — حیرت نگر کہ آئینہ دارِ خودیم ما
دیوانہ گشتہ ایم و تغافل شعار ما — داند کہ ہوشیار بکارِ خودیم ما
بر حالِ زارِ ما نتواند رسید کس — خوش حال بیکسی کہ حصارِ خودیم ما
از خویش رفتہ ایم و ندادیم جائے خویش — چوں قلزم رواں بکنارِ خودیم ما
صد شکر شکوۂ ز جفائے کسے نماند
نازیم نام را کہ فگارِ خودیم ما

در بیابانے کہ مجنوں گم شود جائے منست — داغ بر دل خاک بر سر خار در پائے منست

بارخِ خنداں تہِ شمشیر اُو جاں میدہم — وائے بر حالم کہ جانبازی تماشائے منست
گردشِ گردونِ دُون اے ہجر ہو جہ نئیت — روز و شب ایں خرقہ پوشِ چرخ جویائے منست

ولہ

درخیالِ اورسیدن آرزوست — درمیاں خود راندیدن آرزوست
حیف تاثیرِ فغاں نشنا ختم — حالیا دم درکشیدن آرزوست
درہوائے کوئے آں رشکِ پری — ہمچو رنگِ رخ پریدن آرزوست
خنجرش تیز است و قاتل شوخ تر — وائے بردل کش طپیدن آرزوست

عاشقم مجنوں نیم گو را فگار
ہر زماں داماں دریدن آرزوست

ہوس راخواندہ ام از خود فراموشی بتِ مسجد — ندادم دست خود گاہے در آغوشِ بتِ مسجد
تمنائے دلم چوں دامنم بگرفت نالیدم — بخواندم آیت تکبیر در گوشِ بتِ مسجد
ہوائے دل بہر جائیکہ خواہد می برد مارا — مگر تختِ سلیمانی بود دوشِ بتِ مسجد

سلامے از فگار بے سر و پا خواہش دل را
معاذ اللہ دستِ پاک و آغوشِ بتِ مسجد

دردمندم ہمدم من نالۂ زار است و بس — طایر جانرا دلِ پر داغ گلزار است و بس
چوں بمنزل گاہ راحت میتوانی وارسید — بال دل پر آرزو ییت بس گراں بار است و بس
ہمسری با سرفرازاں کردن از دیوانگیست — سایۂ دیوار زیر پائے دیوار است و بس
اے کہ پروازت میسر نیست بر بامِ علا — بال و پر بر کن کہ ایں ہم از تو بسیار است و بس

ولہ

ہمچو آئینہ رخت پاک و صفا می بینم — حیرتم می برد از خود چو ترا می بینم
صورت یار ندانم چہ فسوں پرداز است — واللہ و شیفتہ اش خلق خدا می بینم

روز و شب قافلۂ عمر روانست فگار
نالہائے کہ کشم بانگِ درا می بینم

دیدہ را از اشک خونیں رشک دریا ساختم ۔۔۔ سینہ را از خار ہائے ہجر صحرا ساختم
نالہ ام در ہجر کار صور اسرافیل کرد ۔۔۔ بیتوائے خورشید طلعت حشر برپا ساختم
بسکہ یادِ زلف مشکینت پریشاں ساخت دل ۔۔۔ چاک دامانِ شکیبائی دصد جا ساختم
کردم اعجازے ہجرت اے مہ بے مہر من ۔۔۔ آب و آتش از سرشک و آہ یکجا ساختم
حیف می آید مرا بر کردۂ خود ہر زماں ۔۔۔ تکیہ بر کار جہانِ بے سر و پا ساختم
عشق تو ورزیدم و از کفر و دیں فارغ شدم ۔۔۔ مرغ دل را در ہوایت رشتہ برپا ساختم

ولہ

خاک گشتم و ہما مایۂ صد گوں ہوسیم ۔۔۔ بالِ پرواز کشادیم و درونِ قفسیم
بے زبانی چہ بلا شہرۂ آفاق نمود ۔۔۔ نالہ در دل گرہ و قافلۂ را جرسیم
وائے بر ما و صد افسوس براین غفلت ما ۔۔۔ کہ ندانیم کجا آمدہ ایم و چہ کسیم
مایۂ صبر کسے بُرد و ندانیم فگار
مدتے ہست کہ در سعی و تلاش عسیم

یاد آں روزے کہ رازِ عشق در دل داشتم ۔۔۔ در نظر ہا کارم آساں بود مشکل داشتم
بے نوائے بت چوں نگہ صد راہ چشم بود من ۔۔۔ مردمک ساں پائے در آغوشِ منزل داشتم
نازشِ دارم بشوقِ خویشتن ہنگام قتل ۔۔۔ چشم بر شمشیر و سر بر پائے قاتل داشتم
شکوہ برلب نیامد و آمد بلب جانِ عزیز ۔۔۔ للہ المنت عیارِ عشق کامل داشتم

خوشتر بود گریستن از ناگریستن ۔۔۔ امّا بہ پردۂ دل شبہا گریستن
شرط است در طریق وفا ہر پیشہ را ۔۔۔ رفتن ز چشم و ز آبلۂ پا گریستن
گرد و غبار ہستی خود را بآب دہ ۔۔۔ دردِ فراق راست مداوا گریستن
نیاموز کس چو آبلہ پایانِ دشتِ شوق ۔۔۔ بر داغہائے لالۂ صحرا گریستن
آموخت از کہ چشم منِ ابر نو بہار ۔۔۔ از شرم آب گشتن و دریا گریستن
شادی و غم یکیست اگر نیک بنگری ۔۔۔ خندیدن از پیالہ ز مینا گریستن

مفگن بنائے کون و مکاں را بسیلِ اشک
بس کن بس اے نگار خدا را گریستن

ایکہ بعشقِ تو بُود جور و جفا سزائے من
زین ہمہ بگذری اگر وائے من و وفائے من

طاق شد است طاقتم در غمِ ہجر تو صنم
اینکہ زہوش میروم نالہ بود عصائے من

داغِ الم ز دیدہ ریخت خونِ دلم بجائے اشک
کم نبود ز خندۂ گریۂ ناروائے من

رنج و الم کشیدۂ صدمۂ ہجر دیدۂ
حیف ستم رسیدۂ اے دلِ باوفائے من

پیشِ کسے نبردہ ام حاجتِ خویشتن نگار
بندۂ دیگرے نساخت شکر خدا خدائے من

گفتم کہ بود رہزنِ دیں گفت نگاہ ہے
گفتم کہ دگر باز ہمیں گفت نگاہ ہے

گفتم دلِ عاشق کہ بُرد گفت کہ عشوہ
گفتم کہ دگر خوشتر ازیں گفت نگاہ ہے

گفتم چہ بود شادی و غم گفت کہ حرفے
گفتم چہ بود مہر و چہ کیں گفت نگاہ ہے

گفتم کہ بیک چشم زدن جان و دل و دیں
آیا کہ برد چیں بہ جبیں گفت نگاہ ہے

گفتم کہ فریبندۂ دل گفت کہ امید
گفتم کہ دم باز پسیں گفت نگاہ ہے

گفتم دلِ عاشق چہ بود گفت حبابے
گفتم صنم پردہ نشیں گفت نگاہ ہے

گفتم کہ سراپائے نگار است ہمہ زخم
یارب کہ زند بخیۂ بریں گفت نگاہ ہے

مخمس بر غزل صائب

چو غنچہ حجلہ نشینِ ریاضِ امکاں باش
چو لالہ با دلِ پُر داغ شاد و خنداں باش

درونِ گلشنِ عالم چو اہلِ عرفاں باش
ز خار زارِ تعلق کشیدہ داماں باش

بہر چہ میکشدت دل ازاں گریزاں باش

جہاں گذشتنی و منزلے سرِ راہ است
ز حرص ہا طلبِ عز و دولتِ جاہ است

بہ ایں ترانہ رسد ہر دلے کہ آگاہ است
درونِ خانۂ خود ہر گدا شہنشاہ است

قدم بروں منہ از حدّ خویش و سلطاں باش

تلاشِ نام و نشانِ خود فراموشی خلق است — در طلب زدن از ہرزہ کوشیِ خلق است
اگر بہ طینتِ تو حق بپوشیِ خلق است — کدام جامہ بہ از پردہ پوشیِ خلق است

بہ پوش چشمِ خود از عیب خلق عریاں باش

اگر بہ تخت نشینی ز افتخار تو نیست — وگر بخاک سرشتی ز انکسار تو نیست
از ینکہ چشم زدن ہم بہ اختیار تو نیست — تمیزِ نیک و بدِ روزگار کار تو نیست

چو چشمِ آئینہ در خوب و زشت حیراں باش

سخن شناس و سخن گوست بے سخن صائب — بہ آفریدنِ معنیٰ است ذوالمنن صائب
چہ نغمہ ایست کہ سر دادہ ہمچو من صائب — ز بلبلانِ خوش الحانِ ایں چمن صائب

مریدِ زمزمۂ حافظِ خوش الحاں باش

مخمس بر غزل نوری

یار پیش نظر و چرخ بکام است اینجا — فارغ از ہر دو جہاں مست مدام است اینجا
بیخود از خویش شدن عیش تمام است اینجا — بزم عشقست و حدیث از مے و جام است اینجا

سخن پختۂ واعظ ہمہ خام است اینجا

نہ چو فرہاد نہ چوں قیس جدا می بینم — جلوۂ یار نمایاں ہمہ جا می بینم
صاف گویم کہ چو ارباب صفا می بینم — ہر طرف می نگرم نور خدا می بینم

کعبہ و دیر ندانم کہ کدام است اینجا

بر رخت تا نظر افتاد مرا اے ساقی — شدم از عالمِ اسباب جدا اے ساقی
رنگ حالِ من بے سر و پا اے ساقی — از مئے عشق بود مستیٔ ما اے ساقی

بادۂ و جام و خُم و شیشہ حرام است اینجا

مُہر بر لب زدۂ رمز و اشارات فروش — یا بہ نغز آمدۂ دست تہی بر سر دوش

دی چہ خوش گفت بدر آز درِ خانۂ ہوش　　گوش برگفتۂ زاہد مکن و بادہ بنوش

فکرِ ناموس مکن ننگ زنام است اینجا

رنج و غم عیش و فرح بادلِ آگاہ یکیست　　بانگ شادی و طرب نالۂ جانکاہ یکیست

معنیِ نکتۂ توحید ہر آن گاہ یکیست　　تو ریا شاہ و گدا ہر دو دریں راہ یکیست

گر شہنشاہِ جہانست ـ غلام است اینجا

تضمین بر غزل حزیں

فکر وارین نمودیم عبث　　گوئے مقصد نہ ربودیم عبث

حیف بر خویش فزودیم عبث　　ہر چہ بستیم و کشودیم عبث

ہر چہ گفتیم و شنودیم عبث

شادی و غم کہ بعالم برپاست　　طرح ہر نگیِ بالِ عنقاست

مشکلے ہست کہ از ما بر ماست　　غفلتِ حادثۂ دہر بلاست

در رہِ سیل غنودیم عبث

گاہ در بیت و حرم رخت کشید　　گہ بہ بتخانہ اقامت ورزید

گرچہ ہر سو دلِ دیوانہ دوید　　راہِ مقصود بجائے نرسید

پائے بر آبلہ سودیم عبث

بے ثباتی جہاں خود پیداست　　ہست گر نیست عدم نیز کجاست

طائرِ روح چنیں نغمہ سراست　　عرصۂ ہر دو جہاں تنگ فضاست

بالِ پرواز کشودیم عبث

قطرہ از بحر جدا گشتہ حزیں　　دل چو پابند ہوا گشتہ حزیں

بود نابود زما گشتہ حزیں　　عالمے چہرہ نما گشتہ حزیں

عیبِ آئینہ زدودیم عبث

مناجات

اے خیالت کلید قفل بقا — گنج وحدت نما دلِ ما را
اے کہ یادِ تو گوشۂ تسلیم — وے کہ ذکرت فراز بام رضا
اے کہ ذاتِ تو لایزال آمد — قدرتت لاتعد و لا تحصےٰ
اے کشایندۂ درِ روزی — وے نمایندۂ صباح و مسا
اے فروزندۂ مہ و خورشید — وے فرازندۂ خیام سما
اے برآرندۂ مرام قلوب — وے نگارندۂ خطِ سیما
اے گدائے درت شہانِ زمن — وے شہنشاہ ملکِ استغنا
من وآوارگیِ دشت فضول — بود آمادگیِ دست عطا
منم آں زاہدِ زمانہ فریب — کہ دہد بور یاش بوئے ریا
دلِ من وقفِ بسترِ غفلت — جانِ من صرفِ کاہشِ بیجا
نہ سرم را دماغ روزِ شمار — نہ دماغ مرا سرِ عقبیٰ
سینہ ام عادتش جگر خائی — جگرم کارش سینہ کوبی ہا
چشم من زآبِ اشکِ غم لبریز — لبِ من چشم برمطالب ہا
پائے من دستبرد ہرزہ دوی — دست من پائمال حرص وہوا
آخر ایں باکہ بتواں گفتن — خضر راہم ولے بہ ظلمت ہا
آہ و اشکم بہاکو رفت بخاک — ایں یکے تحت وآں دگر بالا
ہمہ عمرم گذشت درغفلت — نے عبادت نہ زہد نے تقویٰ
ہمہ طاعات ماست مکر و جہل — ہمہ عادات ماست عُجب و ریا
آب اشکم کہ شور افتاد است — چکند دور خشکیِ لب را
جز متاعِ گنہ چہ میدارم — کہ کنم پیش روزِ بیم و رجا

در خرابات دھر افتادم | سخت بدست و محض لا پروا
بشکند تا خمار محشر و می‌ها | جرعۂ از شراب صدق و صفا
آخر این درد و غم مرا تا کے | آخر این داغ و زخم تا بکجا
من اگر عاصیم تو غفّاری | من اگر خاطیم تو رحم نما
گر نسازی دراز دست قبول | وائے بر ما و عذر خواہی ما
این فگار حزین و دل خستہ | غم مخور گرچہ کردۂ بیجا
گوش کن گوش وقت شادیہاست | کز سر عرش میدہند ندا
زین ندامت کہ پیش آوردی | موج زد بحر رحمت مولےٰ
داغ عصیاں کہ بر جبیں داری | ہمہ صاف است ز آب رحمت ہا

فہیم- پنڈت سندر لال صاحب ولد پنڈت بدری ناتھ صاحب لکھنوی- شاگرد منیر

آپ کا قیام کانپور میں رہتا تھا

عارض پہ اُنکے کیوں نہ ہلے بار بار زلف | ہے باغ حسن کے لئے ابر بہار زلف
زنجیر توڑی پنجۂ شُل نے غضب کیا | شانے سے اُس پری کے ہوی تار تار زلف
خوشبو ہے زلف حور کی موج نسیم میں | صحن چمن میں کس کی ہوئی مشکبار زلف
سنبل کا بوجھ اُٹھ نہیں سکتا ہے باغ سے | رخسار پہ ہے فرط نزاکت سے بار زلف
نرگس کے پھول بالوں میں رکھے اگر وہ گل | بنجائے صاف شاخ گل انتظار زلف
ڈوبی ہوئی ہے عطر لطافت میں اسقدر | اے گل بنی ہے موج شمیم بہار زلف
شبّو کے پھول کھل گئے کھولی جو تمنے زلف | صحن چمن میں ہوگئی شام بہار زلف
شانہ سے بال ایک نہ سیدھا ہوا اے فہیم | قسمت سے میری پیچ ہوے مستعار زلف
جس روز بے نقاب وہ صورت دکھائینگے | ولہ قلعی کھلےگی آئینۂ آفتاب کی

قائم مزاج ہینے نہ دیکھا کوئی حسیں دیکھا دن آفتاب کا شب ماہتاب کی

فیض۔ پنڈت کرتا کشن صاحب زتو لکھنوی

لوٹتے خوں میں ہے خاک سے بسمل آکر دیکھتا میرے تڑپنے کو جو قاتل آکر

ولہ

قامتِ دلجو ترا دیکھ کے کل باغ میں بھول گئیں قمریاں سرو کی رعنایاں

ولہ

قبر پوشم کنید بعد از مرگ جیب و دامانِ تار تار مرا

ولہ

شد کشتہ بہ تیغ کہ جہاں سر بسر امروز بر نعش کسے نیست کسے نوحہ گر امروز

از بلبلِ شوریدہ کہ دی بود غزلخواں در صحنِ چمن نیست بجز مشتِ پر امروز

از سرمہ زدی سنگ و دمش تیز نمودی داری سرِ قتلِ کہ بہ تیغِ نظر امروز

از ناز شکستی تو بسر طرفِ کلہ را بر ریختنِ خونِ کہ بستی کمر امروز

چشمِ تو چہ چشم است کہ از تیز نگاہش بیزخم ندیدم بجہاں یک جگر امروز

عشق کہ زد اے فیض ترا در جگر آتش
کز چشمِ تو اشکے نہ چکد جز شرر امروز

ہمیں نہ شمع بشعقت در انجمن میسوخت دلم بسینۂ و پروانہ در لگن میسوخت

زخون بیگنہش داشت مایۂ روغن چراغ لالہ کہ بر گورِ کوہکن میسوخت

دلم چگونہ نمودے فغاں بلند آنجا زبانِ شمع بہ بزمے کہ بے سخن میسوخت

پس از ہلاک تنِ من چو شمع در فانوس بداغِ عشق جگر سوز در کفن میسوخت

ہمی نہ بود دلم گرم نالہ چوں بلبل ہزار داغ بدل بے رخت چمن میسوخت

جدا از بزم نوائے دشمنِ قرار مرا بسانِ برق رگ جانِ پر محن میسوخت

چہ سوز بود کہ امشب تمام شب اے فیض
ترا چو شعلۂ سر تا بپا بدن میسوخت

مشتعل کردم ز اشکِ گرم داغِ خویش را روشنی از روغن افزودم چراغِ خویش را

درتمنائے وصالش زیں جہاں تا لامکاں
آنچناں رفتم کہ گم کردم سراغِ خویش را

لالہ زارِ داغِ غم شد تازہ از فیضِ سرشک
ما ز آبِ شور پرور دیم باغِ خویش را

با حریفاں ہمی زنی جامِ شراب و من ز غم
بے تو بر سر می زنم خالی ایاغِ خویش را

گر بہ بزمِ میکشاں زاہد نیاید نیست غم
بہتر از گلزار کردم راغ راغِ خویش را

ساختم ما ہمچو فیضؔ مبتلا با داغِ دل
یافتم باغِ جناں گنجِ فراغِ خویش را

قمرؔ - پنڈت بشن چندر صاحب وشن کول -

تاریخ وفات شری مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب بہادر والیٔ کشمیر -

چو رحلت کرد از دنیائے فانی
شہِ رنبیر سنگھ والیٔ کشمیر

بہ ہر جا شد خبر از رحلت او
نمودہ ماتمش ہر طفل و ہر پیر

شنیدہ چوں قمرؔ ایں حال جانکاہ
پئے تاریخ او شد عزم تحریر

بگفتم سال رحلت از سرِ آہ
کہ شد ماتم ز جموں تا بہ کشمیر

دیگر

شہِ رنبیر سنگھ چوں از جہاں شد
نمودہ ہر کسے افسوس رحلت

شنیدم اے قمرؔ چوں ایں خبر را
ز ہاتف خواستم تاریخ رحلت

بگفتا در جوابم از ہمہ واے
بگو ایں ہندوی تاریخ سموت

۱۹۴۲

دیگر

شہنشاہ کشمیر جنت نظیر
بہ بستند رخت از سرائے فنا

بہ ہر گوش ایں رنج ماتم رسید
دریں ورطۂ غم شدہ مبتلا

پئے سال ہجری چو از فکر بس
کہ ہاتف قمرؔ را ہمیں زد ندا

حسابش پئے سال گر تو زنی
برفت از فنا سوے دار البقا

۱۳۰۳ ہجری

کی زندگی ختم کر کے ملازمت کی تلاش میں خلاف مرضی والدین کھڑگپور بنگال چلدے۔ وہاں ریلوے اسکول میں ملازم ہو گئے۔ وہاں بھی علم کا شوق دامنگیر رہا۔ کلکتہ یونیورسٹی کے گریجویٹ ہوئے۔ مدرسی کا امتحان بی۔ ٹی۔ بھی وہیں پاس کیا۔ ابھی تک وہیں ملازم ہیں۔ سنجیدگی و متانت ان کے مصاحب خاص ہیں۔ گوشۂ تنہائی کی زندگی پسند ہے۔ تکبر ونخوت سے سروکار نہیں۔ جفاکشی تن دہی کے عاشق ہیں۔ صبر وشکر ان کے مزاج کا خاصہ ہے۔ والد صاحب کی طرح ان کا بھی اُستاد سوائے منشی ازل کے کوئی نہیں۔

تمام کلام خداداد قابلیت کا نمونہ ہے۔ پُرانی اور نئی شاعری دونوں کے طرفدار ہیں۔ گو پُرگو نہیں ہیں مگر جسقدر کہتے ہیں خوب کہتے ہیں۔ جناب ہمدم اکبرآبادی سے خصوصیت کے ساتھ اُنس رکھتے ہیں۔

قطعہ تاریخ ولادت فریاد صاحب مصنفہ جناب ہمدم

سنئے سنِ ولادت فریاد اہل فن کا — صانع نے جب بنائی شکل اسکی پیاری پیاری
ہاتف پکارا ہمدم کیا منشی ازل نے — عاصی کے سر پہ باندھی دستار بختیاری
۱۸۸۸ء

غزل

خیال یار ہمیں صبح وشام رہتا ہے — یہ درد وہ ہے جو دل میں مدام رہتا ہے
شب فراق میں اپنا یہ کام رہتا ہے — کہ دل میں یاد تری لب پہ نام رہتا ہے
تمام حسرت وارمان گھر کے آئے ہیں — مری لحد پہ بڑا ازدحام رہتا ہے
پلادے ساقیا جی بھر کے آج رندونکو — چھلکتا بادۂ ہستی کا جام رہتا ہے

سنا ہے ابتو خدادوست ہو گئے فریاد
لبوں پہ وِردِ سدا رام رام رہتا ہے

دیگر

وہ جلوہ پھر آیا نظر بیٹھے بیٹھے — چلا پھر مرا دل کدھر بیٹھے بیٹھے
چلاتے ہیں تیر نظر بیٹھے بیٹھے — بڑھے کیوں نہ دردِ جگر بیٹھے بیٹھے

تلاطم ہو اشکوں کا دنیا میں برپا جو برسیں میری چشم تر بیٹھے بیٹھے

کہاں ایسی تقدیر فریاد تیری

چلے آئیں وہ تیرے گھر بیٹھے بیٹھے

ہاتھ دکھ جائیگا کیوں ہاتھ میں تلوار رہے وار کرنے کو یہی ابروئے خمدار رہے

وائے ناکامیٔ تقدیر رہیں وا آنکھیں بعد مرنے کے بھی ہم طالبِ دیدار رہے

لطمۂ موج کا کیا ہو مری کشتی پہ اثر ناخدا جب کہ میرا خالق وستار رہے

مرضِ عشق سے اچھے نہ ہوئے جیتے جی نازِ عیسیٰ بھی اُٹھا کر یہاں بیمار رہے

رنج و غم درد و الم ہائے شب فرقت میں یہی ہمدم یہی مونس مرے دو چار رہے

سر بگرداں رہے ہم دائرہ الفت میں جستجو میں تری ہم صورتِ پرکار رہے

آئے فریاد جو وہ غیرت یوسف اس جا

اکبرآباد بھی اک مصر کا بازار رہے

شباب آیا یوں گلبدن دھیرے دھیرے پھلے پھولے جیسے چمن دھیرے دھیرے

لٹکتی ہیں پھر ان کے عارض سے زلفیں لگا چاند میں پھر گہن دھیرے دھیرے

مقدر کی گردش نہیں ہے تو کیا ہے چھٹا آگرہ سا وطن دھیرے دھیرے

ملے لذتِ عشق رہ رہ کے دل کو چلا تیر ناوک فگن دھیرے دھیرے

دیگر

کیا دھواں دھار گھٹا عرش پہ چھائی ہے یہاں لو چلو میکشو پھر اپنی بن آئی ہے یہاں

ہم نہیں ڈھونڈتے کعبہ میں کلیسا میں تجھے تیری تصویر کلیجہ سے لگائی ہے یہاں

رنج و غم حسرت و ارمان تھے سب آگے پیچھے لاش دل کی انہیں چاروں نے اُٹھائی ہے یہاں

سرنگوں بیٹھے ہیں ارمان میری میت پر بیکسی دیکھئے سر پیٹنے آئی ہے یہاں

وحشتِ قیس کی اب کچھ بھی حقیقت نہ رہی تیرے دیوانہ نے وہ شکل بنائی ہے یہاں

شاعری لوگ بُرا سمجھیں تو سمجھیں فریاد

ڈگری بی۔اے کی اسی شوق سے پائی ہے یہاں

خزاں میں شکل دکھاتی ہے پھر بہار مجھے
چڑھائے آیا ہے تربت پہ کوئی ہار مجھے

بتوں کے عشق میں کیونکر۔خدا کی یاد آئے
ابھی تو بادۂ نخوت کا ہے خمار مجھے

بنا ہوں ساکن بنگال چھوڑ کر کشمیر
ہوا ہے صندلی رنگوں کا جب سے پیار مجھے

تُلے ہوئے ہیں وہ فریاد قتل پر میرے
ہے لاکھ شکر کہ سمجھا ہے جاں نثار مجھے

ملاتی نہیں شرم سے آنکھ دیکھو
نظر جب سے نرگس پہ ڈالی ہے تم نے

یہ کیسے مسیحا ہو۔قاتل ہو سب کے
کبھی جاں مردہ میں ڈالی ہے تم نے

جھکی جاتی ہے شرم سے تیغ ابرو
کسی بے گنہ پر نکالی ہے تم نے

تصدق نہ فریاد ہو شمع رو پر
اگر لو خدا سے لگالی ہے تم نے

ملے کیوں نہ فریاد بی ٹی کی ڈگری
بزرگوں کی اکثر دعا لی ہے تم نے

پیغام مبارکبادی بتقریب شادی کتخدائی پنڈت سری نرائن جی فرزند پنڈت شیو نرائن بھان صاحب

مہمان بنا بیٹھا ہے وہ ماہ لقا آج
شاید کہ مقدّر کا مرے چاند چڑھا آج

کھلنے لگیں کلیاں مرے پھر گلشن دل کی
پھر عیش و مسرت کی لگی چلنے ہوا آج

ہوتی ہے خزاں آج ہوا میرے چمن سے
لائی ہے خبر فصل بہاری کی صبا آج

گلگشت میں مصروف حسینان چمن ہیں
اٹھلاتی ہوئی پھرتی ہے پھر باد صبا آج

آئی ہے مرے گھر پہ کسی گل کی سواری
صدقہ میں اترتی ہے جو رہ کے صبا آج

مسرور نہ کیوں اختر و فریاد ہوں عاجز
بھائی کا جو دلبند ہے پہ دھان چڑھا آج

کچھ شغل ضرور ایسا ہو دل جس سے بہل جائے
اچھی سی پلا ساقیا بدمست بنا آج

انکار نہ پینے سے ہو اب حضرت ہمدم
ساقی ہے نیا۔ شیشہ نیا۔ جام نیا آج

میخانہ کا در کھول دے ساقی ترے صدقے
خوشبو سے بھری آتی ہے جنّت کی ہوا آج

خرّم رہیں دولھا دولہن بزم جہاں میں
بیٹھا ہوں اُٹھائے ہوئے میں دست دعا آج

بیساختہ تحسین نکل آئی زباں سے
جب کان میں فریادؔ ترا نام پڑا آج

مزار دل کا الگ ہو ہماری تربت سے
کہ بعد مرنے کے آئے ذرا قرار مجھے

تری زلف پیچاں کے سودے میں پھنس کر
ہوا مفت یہ دردِ سر بیٹھے بیٹھے

نوک کی ہم سے نہ لی خار مغیلاں نے کبھی
عمر بھر دشت نوردی میں بھی ہشیار رہے

گلوں میں تیری سی کچھ بھی نہ رنگ و بو نہ ملی
حسین جتنے تھے آئے نظر میں خار مجھے

بزم اغیار میں شرکت مجھے منظور نہ تھی
کشش یار مجھے کھینچ کے لائی ہے یہاں

فرخ۔ پنڈت راجہ کاک در ساکن صفاکدل سری نگر کشمیر

آپ نے بعمر باسٹھ سال سمت ۱۹۰۱ بکرمی میں در عہد مہاراج گلاب سنگھ رحلت کی

بنازم ترک چشم شوخک ابرو کمانے را
چو بر گردد کند از یک نگہ کار جہانے را

چناں در ہجر گاروے دہم سر نالۂ رنگیں
کہ بلبل گرد سر گردد چو من رنگیں بیانے را

بقصد من کمان زہ کردہ می آید زہے طالع
ہدف از سینہ میسازم خدنگ سخت جانے را

ز دلق کہنۂ تز ویر بگذر بشنو اے زاہد
روانِ تازہ گر خواہی ببیں سرو روانے را

پنڈت راجہ کاک در - فرخ

بگل مینازی اے بلبل کہ دارد خار در بستر ۔۔۔ قبائے نازمی زیبد بہ بر نازک میانے را

ولہ

ناگہاں از پردہ بیروں تاختہ دلدار ما ۔۔۔ اے حریفاں پردہ بگذار و خدا در کار ما

چشم بیدار دنگاہے از نوائے نو ر نگاہ ۔۔۔ باہمہ تر دامنی ہا چشم گوہر بار ما

بسمل تیغ نگاہم از تبسم شربتے ۔۔۔ تا زمرہم بہ ستی تا بہ دل افگار ما

رفتن زخویش دیدن یار است پیش ما ۔۔۔ دیوانگی نشانۂ کار است پیش ما

از صاف باطنی شدہ ام محو روے او ۔۔۔ خورشید و ماہ آئینہ دار است پیش ما

رنگے نہ بست گل بہ بہاراں بچشم من ۔۔۔ رنگ شکستہ رشک بہار است پیش ما

پروانہ شد ولیکہ بشمع رخش ز ذوق

فرخ بداں چراغ مزار است پیش ما

شمع مبگو بدیہ اہل بزم ہنگام سحر ۔۔۔ نیست اینجا پایداری گریہ می آید مرا

خاک راہش گشتم و دامن فشاں از من گذشت ۔۔۔ بُرد بار ایں خاکساری گریہ می آید مرا

از کمند زلف او فرخ دل بیچارہ را

نیست روے رستگاری گریہ می آید مرا

نہاں میداشتم داغ دل و درد نہانی را ۔۔۔ چہ سازم چہرۂ کاہی و اشک ارغوانی را

اگر خواہد شبیہہ چشم بیمارت کشد شاید ۔۔۔ بعینہ گر شود نرگس قلم در دست مانی را

ولہ

تنہا بہ آب دیدہ نہ لبنیم خواب را ۔۔۔ بے آب ساخت چشم ترما سحاب را

بر چرخ میشود گل خورشید جعفری ۔۔۔ چوں جلوہ میدہی سیہ سنبل نقاب را

فرخ اسیر زلف تو دارد دل عزیز

ظالم متاب سنبل پر پیچ و تاب را

از تعلق خاطر آزاد مبخو اہیم ما ۔۔۔ ایں دل ناشاد خود را شاد مبخواہیم ما

دین و ایماں جان و دل اندر رہت کردم نثار ۔۔۔ خیر مقدم اے جنوں امداد مبخواہیم ما

دلنوازی از دم شمشیر او دارم امید — آب کام تشنه از پولاد میخواهیم ما
خاک راہت گشتم و دامن کشاں رفتی ز من — داد از دست توای بیداد میخواہیم ما

ولہ

برداشتی ز چہرۂ گلگوں نقاب را — بے پردہ ساختی بخدا آفتاب را
گر نرگسش نکرد فسونہائے سامری — در چشم ما کہ بست بگوئید خواب را
خواہم کہ برکنم ز بتاں دل کجا برم — ایں سینۂ پر آتش و چشم پر آب را
بیحاصلی است حاصل ایں سبزکشت چرخ — ما آزمودہ ایم جہاں خراب را
میخواستم کہ پاکشم از دست بیخودی — یاراں چہ میکنم دل پُراضطراب را

فرخ حیات نقش برآب است ہوش دار
چشمے کشا بہ عبرت و بنگر حباب را

نمو و اشکم چناں طوفاں کہ گیرد کوہ و صحرا را — چساں می بندم از خاشاک مژگاں روئے دریا را
صبا از من پیامے بر بمجنون جنوں پیکر — جنوں سالار می آید بروں خالی کن جا را
نکرد آہم اثر در خاطرت ظالم عجب دارم — کہ آہ آتشینم تو تیا میکرد خارا را

ولہ

چو شمع آتش اشکے کہ ریخت چشم ترامشب — گداخت قالب ما را ز پا بسر امشب
چو شمع سوزم و دم بر نمیزنم ز غمت — چرا بحال نزارم نمیکنی نظر امشب

چو فرخ از تب شمع رخش دلم سوزد
ز سوزش دلم اوراکہ میبرد خبر امشب

ز اشک دیدۂ ما آبشار را دریاب — ز داغ شیشۂ ما لالہ زار را دریاب
ستارہ ریز ز شام است تا سحر چشمم — بر آ و دیدۂ شب زندہ دار را دریاب

اسیر دام ہوس تا بکے شوی فرخ
ز کار بیخبری روزکار را دریاب

بالائے بلند تو برافراخت چو قامت — برخاستہ از روئے زمیں شور قیامت

بر باد شد از تابِ غمت جان و دل آخر — اینک رخ زرد است و دمِ سرد علامت

فرخ چه کنی شکوه ز ناکامی دوراں

یک قطره نریزد فلکِ سفله بکامت

در چمن آمد چو جاناں آں پری — رنگ گل از چهره پریدن گرفت

بهر سراغِ دلِ گم کرده پے — خون دل از دیده دویدن گرفت

تا شده فرخ به غمش آشنا

از خود و بیگانه رمیدن گرفت

جاں سپردم بغمت نیمت جانے باقی است — قدمے رنجه کن از لطف که آنے باقی ست

از گل و لاله نماند چمنِ دهر تہی — رفت گر پسته بلے غنچه دہانے باقی ست

فرخ امروز رود از تبِ ہجرش برباد

گر مرا در تن بیتاب توانے باقی ست

غمم دہی و دلم میبری چه عیاریست — مرو مرو که نه شرطِ مروت و یاریست

شنو که چوں دلِ من گرم نوحه و زاریست — ببیں که خون دل از دیده ام چساں جاریست

به دوش بارِ گنه خارِ معصیت در پا — امید یاریم از فضل حضرتِ باریست

ز کار ہائے جہاں دست کش نشیں بیکار — که ختم کار جہاں عاقبت به بیکاریست

مجوے رسم وفا از پری رُخاں فرخ

که راه و رسم پری طلعتاں جفا کاریست

ز آئینه ہمچو آئینه غرقاب حیرتم — کاں ساده دل ز ساده دلی روبروے کیست

دامن کشاں گذشتی و ظالم نگفتی آه — کایں از فتادگانِ سرِ خاکِ کوئے کیست

فرخ چو نیست منزلِ او جز حریم دل

در حیرتم که سجدهٔ مردم بسوئے کیست

چشم مردم شو واز دیدن خالت روشن — مردم دیدهٔ و خالِ تو نگر ہر دو یکے است
پرتو روے تو ؤ پرتو خورشید سحر — بخدا در نظر اہل نظر ہر دو یکے است
پیکرم دیدهٔ تر سوز دو دل ز آه جگر — دل سوزانِ من و دیدهٔ تر ہر دو یکے ست

دیگر

بنوش بادهٔ گلرنگ اگر دلت تنگ است — علاج تنگدلی ہا شراب گلرنگ است
فدائے قدرت اویم کہ در خزاں و بہار — برنگ ہا شده ظاہر اگر چہ بیرنگ است

غم ز دل نزاد چہ بیبا ید کرد — بر دل افتاد چہ بیبا ید کرد
بہ چمن رفتی و بلبل با گل — کرد فریاد چہ بیبا ید کرد
مشقِ دیوانگیم پیر جنوں — کرد ارشاد چہ بیبا ید کرد

لبِ لعل تو دل فرخ را
نکند شاد چہ بیبا ید کرد

دل سر زلف او رہا نکند — آشنا ترک آشنا نکند
ظالم از سوز عشق بیخبر است — خنده بر گریہ ام چرا نکند
دل ز جورِ لبِ تو پُر خوں است — چہ شد ار لب بشکوه وا نکند
گفتم از زلف او بگیرم دل — دل ہمی گو یدم خدا نکند

نشود وا دلِ غمین فرخ
جامۂ صبر تا قبا نکند

سحر آگہ ز بیوفائیِ گل — بلبل از نالۂ حزینم کرد
عشق عقلم ربود و داد جنوں — آں چناں بود م ایں چنینم کرد

سر سودائے زلف او فرخ
فارغ از فکر آں و اینم کرد

در دلِ ہر کہ خیالِ تو بیکدم گذرد — سر سودائے دو عالم بدلش کم گذرد

کند عبورِ خیالش چو در دلِ خصمت — چو مردمک بنظرہا شود عیاں گوہر
بہ بیں کہ مثقبِ فکرم بسفتہ است چساں — بمدح سنجی ذاتِ خدایگاں گوہر
امیر محتشم الدولہ آنکہ از سخنش — بدیدہ رشتۂ جانہائے قدسیاں گوہر
گہر فروشِ ضمیرش ز معنیِ روشن — بچار سوے جہاں چید صد دکان گوہر
منم کہ خامہ ام از گنج خانۂ معنی — بفرقِ مدح تو افشاندہ بیکراں گوہر
فزاید آبِ رخِ من اگر بدہر سزد — کہ از ثنائے تو دارم بگوشِ جاں گوہر

بیادِ یارِ تو در دہر بخت تا باشد
فروغ بخشِ سرِ تاجِ خسرواں گوہر

تاریخ طیاری محل مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر بہادر اندور

سزد کہ چرخ بگردد بکر سیش نازاں — کہ شودہ خوش سرِ رفعت باوجِ عرشِ عظیم
ز عظمتش چہ بپرسی کہ گنبدِ گردوں — چو نقطہ ایست کہ بینی درونِ دائرہ جیم
چو دید شمۂ او شمس با ہزار زباں — شدہ است گرم ثنایش دوام از تعظیم
چو سر کنم سخن از استواریش چہ عجب — شود متانتِ فکرم محیطِ ہفت اقلیم
ز نقشِ کاریِ او دیدہ یک قلم بجہاں — نگار خانۂ ارژنگ صورتِ تقدیم
عجب مداں کہ قلم ہمچو شاخِ زر گردد — بہ مدح سنجی زرکار آں خجستہ حریم
بسانِ نور کہ در چشم جائے او باشد — قیام گاہ امیریست آں مقامِ نعیم
غلط سپردہ ام این رہ کہ نیر اعظم — شرف طرازِ محل شد ز روئے فیضِ عمیم
ہمائے دولت جاوید با ہزار شرف — بآشیانۂ اقبال بودہ است مقیم
ہماں کہ روزِ تقابل بعرصۂ ہیجا — وجودِ خصم بیک ضرب تیغ اوست دونیم

ہماں کہ گشتہ بمیداں ز سطوتِ ذاتش
ہزبر برِ او بہ صفت روبہ آہ از بس بیم

کامل - پنڈت سدا سکھ کاک صاحب

عربی فارسی میں استعداد کامل رکھتے تھے اور نظم و نثر میں دستگاہ تام عربی کی تحقیق ایسی تھی کہ کلام مجید سب حفظ تھا فصاحت اور بلاغت میں دستگاہ تام رکھتے تھے عمر قریب سو برس کی تھی تمام عمر سفر میں صرف کی آخر کار لب گنگا جی عالم بالا کی راہ لی چند غزلیں بطور یادگار درج کیجاتی ہیں۔

فسردہ خاطر ہجرم ز وصل یار مپرس — خزاں رسیدہ بہارم ز نو بہار مپرس

خراب سرمۂ دنبالہ دار آں چشم — ز نیزہ داری آں ترکِ شہ سوار مپرس

باشکِ سرخ و رُخِ زرد چشم تر بنگر — بیانِ حالِ دلِ خستۂ نزار مپرس

کتابت لبِ لعلش برنگ غنچہ بگو — چو گل حقیقتِ چاکِ دلِ فگار مپرس

مشبک آبلہ ہا شد بپائے چوں غربال — زکارِ کارِ سرِ نوکِ خار زار مپرس

ز دیدہ جز برہِ انتظارِ یار مبیں — زلب بغیر حدیث وصال یار مپرس

صفائے معنی و الفاظ کاملا دریاب
نتیجہ ماحصلش - یا مآلِ کار مپرس

یاقوت بخوں غوطہ خورد گر دہن اینست — گوہر بصدف آب شود گر سخن اینست

چوں سنبلِ مشکیں نشود درہم و برہم — گر پیچ و خم زلف شکن در شکن اینست

خالت حبشی زادۂ رخسارہ یمانی — الحق کہ خطا نیست سہیلِ یمن اینست

کامل چہ گہرہائے سمیں ریختی از کلک
بر نظمِ تو احسنت کہ سلکِ کہن اینست

میخواہم ازیں دائرۂ تنگ برایم — برنام قلم در کشم از ننگ برایم

تنگ آمدہ از گوشہ نشینی دلم اکنوں — سر بر کشم و چوں شرر از سنگ برایم

بے رنگ شوم آب صفت از ہمہ رنگی — زیں خرقۂ ایوانی نیرنگ برایم

چوں نیست مراد اعیہ جز نقش شکستن | از صلح گذشتم زدرِ جنگ برایم
اکنوں منِ صحرائے جنوں خار مغیلاں | بے پیش و پس از قافیۂ تنگ برایم
پیش نظرِ قافیہ سنجانِ معانی | آں قدر ندارم کہ بہ پاسنگ برایم

اے آنکہ کنوں با دلِ پُر درد چو کامل
از سازشِ یاراں کج آہنگ برایم

تیر مژگان تو در سینہ وطن پیدا کرد | خاک زد بر دل و صد گونہ چمن پیدا کرد
آنکہ عمرِ ابد از آبِ دمِ تیغ تو یافت | رشتۂ زندگی از تارِ کفن پیدا کرد
ترکِ چشم تو زد نبالۂ و مژگانِ دراز | دشنۂ و نیزہ پئے کشتنِ من پیدا کرد
برلبِ غنچہ کہ نز دیک رہت بود بہ باغ | بہر بوسیدن پائے تو دہن پیدا کرد
خامہ در دست من از وصفِ لبِ خاموشی | چاک زد بر جگر و صیتِ سخن پیدا کرد
باز دیوانہ دلم ہمچو گلِ تازہ بہار | چاک در پیرہن از پنجہ زدن پیدا کرد
ستم ایجاد نگاہِ تو زد بدمستی ہا | دورِ صد حشر بہ یک چشم زدن پیدا کرد
طوطئِ طبع بخلوت گہِ دل بود خموش | پردۂ آئینہ بکشا دو سخن پیدا کرد
چرخ مائل برہِ وصل شبِ ہجراں بود | رشتۂ آہ کمند ز زمیں پیدا کرد
جوشِ آنکس کہ ز شوقِ دمِ شمشیر کسے | شمع گردید و سرِ تازہ بہ تن پیدا کرد
گر قدم رنجہ کنی صد طبق آرم بہ نیاز | چشم از گریہ بسے دُرِّ عدن پیدا کرد

کامل تازہ خیال از مئے دیریں سالہ
معنیِ تازہ در الفاظِ کہن پیدا کرد

امروز بسنت است و بہار است بہ بینید | نُقل و مئے گلگوں و نگار است بہ بینید
بر شاخِ صنوبر گلِ اگر دیدہ نباشد | پیمانۂ مے برکفِ یار است بہ بینید
چوں رازِ دلم فاش نمود اشک بمژگاں | منصور صفت بر سرِ دار است بہ بینید

در صحنِ چمن یاسمن و سرو بنفشہ | گل جلوہ کناں یا دو سہ یارست بہ بینید
گل چاک زدہ جیب خود و رفت بہ بازار | دیداست رُخے ورنہ چہ کاراست بہ بینید

در جمع عزیزاں بہ پریشانیِ غربت
خارِ دو جہاں کامل زاراست بہ بینید

دم درکشِ و پاسے دلِ آں ماہ نگہدار | آئینہ مکدر نشود آہ نگہدار
پاسے دلِ شب گر نتوانی ز کہولی | دستِ زن و دامانِ سحرگاہ نگہدار
بیخود شو و فکرِ دو جہاں را بہ لگد زن | خود را ز سرِ صحبتِ خودخواہ نگہدار
غافل مشو از پاسِ نفس یک نفس ایجاں | زآمیزشِ خامانِ دل آگاہ نگہدار
رسوائیِ عشق است کشادن لبِ افغاں | گر بر جگرے لب بہ گزد آہ نگہدار

پا بر مکش اے کاملِ مہجور ز کویش
شاید گذرے بر تو کند راہ نگہدار

مست ذوقم در خراباتِ مغاں جائے منست | دل صراحی۔ دیدہ ساغر گریہ صہبائے منست
مسند آرائے بیابانم کہ در دیوانگی | خشتِ بالیں۔ خار قالیں خاک دیبائے منست
نازپرورِ تغافل بیقراری تا بکے | دیدہ گریاں۔ سینہ بریاں۔ جاں بلبہائے منست
از صفائے طینتم جوہر شناساں آگہ اند | طبع دریا موجِ مضموں در سخنہائے منست

بادشاہِ ملکِ فقرم کاملا در عہدِ خویش
تخت ہاموں چترِ گردوں نالہ شہنائے منست

تیر ترا ہدف کنم از جان تازہ | باشد عزیز خاطرِ مہمان تازہ
بلبل کرا دماغ کہ سیرِ چمن کند | دارم ز داغِ سینہ گلستانِ تازہ
چندانکہ کاستم بخیالِ جمال تو | دیگر فزود حسن تراشان تازہ
خاکم بباد رفتہ و بر مشہدم ہنوز | دارد سمند نازِ تو جولانِ تازہ

از بہر آنکہ تازہ گرفتار گشتہ ام
زنجیر تازہ خواہم و زندان تازۂ

کامل بقول طالب آمل بفصل گل
گشتیم عندلیب گلستان تازۂ

دل خوں شدن از طرز جفائے کہ تو داری
جاں سوختہ از رسم وفائے کہ تو داری

واللہ بہ خوبانِ جہاں نیست سکے را
ایں عشوۂ وایں نازو ادائے کہ تو داری

جانبر نشود عاشق بیچارہ بعالم
زیں خنجر مژگانِ رسائے کہ تو داری

از عرضِ تمنائے دلِ خویش گذشتم
راضی شدم اے جان برضائے کہ تو داری

اے ہرزہ دراز اہر کم حوصلہ خاموش
بیزارم ازیں وضع ریائے کہ تو داری

گفتی بخدا رخ بنمایم نہ نمودی
محجوب شوا اے بت زخدائے کہ تو داری

شب تا بہ سحر شعلۂ آواز تو کامل
میسوخت دلِ من بہ ہوائے کہ تو داری

چنانکہ شد زمۓ لعل چشم جاناں سرخ
نشد شگوفۂ بادام در بہاراں سرخ

صبا ز خاک شہیداں چو بگذرد بہ چمن
بدیدہ جلوہ کند داغ ولالہ یکساں سرخ

چہ قدر وقیمت و مژگان خوں فشاں داند
ندیدہ ہر کہ ز ابرِ سیاہ باراں سرخ

برد چو قطرۂ اشک من ابر نیسانے
شود بہ بطنِ صدف دُر برنگ مرجاں سرخ

بخون کامل من دست خویش رنگین کن
کہ از حنا نشود پنجۂ تو چنداں سرخ

ترجیع بند اردو

گبر کو معجزا دکھائیں گے
آتشِ رشک میں جلائیں گے

شیخ کو راہِ دیں بتائیں گے
ہم حرم کو کبھی نجائیں گے

درِ جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے

دیر سے برہمن کو مطلب ہے شیخ مسجد میں طالب رب ہے
سب کا دنیا میں دین و مذہب ہے ملت عاشقاں یہی اب ہے

در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے

سیر کی ہمنے باغ عالم کی دیکھی شان بہار ایکدم کی
کچھ خبر تھی نہ رنج کی غم کی آتش عشق دل میں یوں چمکی

در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ الگ بنائیں گے

ساقیا بھر کے جام مے لانا کس کی مسجد کہاں کا میخانہ
ہمکو معبد اگر ہو بنوانا جس زمیں پر ہے تیرا بتخانہ

در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے

کہتے ہیں ہم پکار کر سر عام دیں و مذہب سے کچھ نہیں ہمیں کام
دوست رندوں کے ہے خدا کا نام ہمکو سوئے حرم ہے سجدہ حرام

در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے

بتکدے میں جو نور کا ہے ظہور نار کی جا شرار شعلۂ طور
لن ترانی ہو گبر کی معذور کار موسیٰ نہیں ہے ہمکو ضرور

در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے

ہے وہی خاک دو جہاں کی بنا اور بنا جسم آدم و حوا

ہمکو طوفِ حرم کی ہو جو ہوا   پھر کمر باندھ کے بنام خدا
در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے

ہے جہاں میں وہی بحق واصل   جسکو حاصل ہوئی صفائی دل
قصۂ کفر و دیں ہے سب باطل   راہِ حق بس یہی ہے اے کاملؔ
در جاناں کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ الگ بنائیں گے

کاملؔ ۔ پنڈت سورج بھان زتّو صاحب

محوِ توحیدم مرا وصل و فراقِ یار چیست   از خودم نا آشنا یا آشنایم کار چیست
مست او بیخود بود از نشۂ جام الست   مشربِ رند و طریقِ زاہد ابرار چیست
دفترِ عالم عبارت باشد از یک نقطۂ عشق   چونکہ این حرفم سبق شد حاجتِ تکرار چیست
دودِ آہم کردہ سقفِ آسماں را نیلگوں   ماہِ من بینم اثر در شعلۂ این نار چیست
نیست سنبل مشکبوئے گل بود خارے زخار   نسبتے با کاکُلِ یار و گلِ رخسار چیست
کاملؔ از مدحِ جمالش مہرِ تاباں شد غزل
با فروغِ مقطع تو مطلعِ انوار چیست

منم مشتاقِ دیدارِ نگارے   بتِ غارتگرِ صبر و قرارے
گلستاں پیکرے غنچہ دہانے   سمن برسرو قدے گلعذارے
شبِ تار است یا زلفِ سیاہش   جبینش ماہ یا صبحِ بہارے
بعشقِ چشمِ او نرگس بگلشن   سراپا گشتہ چشمِ انتظارے
سزد گر ابروے خمدار اُو را   واہم نسبت بہ تیغِ آبدارے
بعیّاری ست یکتائے زمانہ   بشوخی دلربائے روزگارے

ستم ہایش۔ نگنجد درحسابے کرم ہایش نیاید درشمارے

من اے کامل رضایش بہرحال

رضا دارم کہ دارد اختیارے

کامل۔ پنڈت ٹھاکرداس صاحب اکمل دہلوی

۱۸۶۵ء میں آپ دہلی میں وکیل دیوانی تھے اور پنڈت نرائن داس صاحب اکمل ضمیر کے بڑے بھائی تھے آپ کی اولاد ابتک دہلی میں سکونت پذیر ہے اُن کے نبیرہ زادہ پنڈت اومکار ناتھ صاحب اوکمل بے۔اے۔ ایل۔ ایل بی وکیل ہائی کورٹ پنجاب دہلی۔ پی میں وکالت کرتے ہیں۔

مثلِ مہتاب روے تو چہ خوش است عنبریں زلف موے تو چہ خوش است

شوق در وصل عاشقاں داری چشم بد دور خوے تو چہ خوش است

بہ تمنا کلام از تو کنم اے صنم گفتگوئے تو چہ خوش است

کردہ ام ہر طریق سیرِ جہاں استقامت بہ کوئے تو چہ خوش است

ساقیا بخش جام پے در پے ایں پُر از مے سبوئے تو چہ خوش است

شوق داری بہ دیدنش کامل

بخدا آرزوے تو چہ خوش است

مرا راحت از زندگی دوش بود کہ آں ماہ رویم در آغوش بود

چناں مستِ دیدار حیرانِ عشق کہ دُنیا و دینم فراموش بود

چگویم مئے لعلِ نوشیں گوار کہ زہر از کفِ دست اُو نوش بود

بدیدار و گفتارِ جاں پرورت سراپائے من دیدۂ ہوش بود

موذن غلط کرد بانگ نماز کسے باز داند کہ باہوش بود

بخواہش مگر دیدۂ کاملا

پنڈت جگجیون ناتھ تکرو - کامل

زباں در کشِ امروز کاں دوش بود

تاریخ ولادت نبیرۂ خود پیارے لعل اوکل مہجور

از کائنات بسکہ تعلق نمودہ ام — در شوقِ پُور پُور تعشق نمودہ ام
الہام غیب داو ندا از دماغِ خویش — شد نونہال سپ تصدق نمودہ ام

۱۲۵۴ سنہ ہجری

ولہ

پلٹ کر جو دیکھا سرِ راہ اُسنے — لگا تیر اک باز گشتی جگر پہ

کاؔمل - پنڈت جگ جیون ناتھ تکرو بی۔اے۔ایل۔ایل بی

خلف پنڈت راج ناتھ تکرو صاحب مقیم الہ آباد - آپ کی تاریخ ولادت ۲۸ر نومبر ۱۸۸۲ء تھی آپکو مرض تھائیسس لاحق تھا۔ افسوس کہ ۸ر فروری ۱۹۱۳ء کو بمقام الہ آباد آپنے بہشت بریں کی راہ لی۔

بس دم بخود ہوں کس سے کہوں حالِ زار کو — پتھر بنا لیا ہے دلِ بیقرار کو
وعدہ کیا انہوں نے غنیمت سمجھ لیا — تسکین تو ہوئی دلِ امیدوار کو
گیسو بکھر کے کیا رخِ تاباں پہ آگئے — شرما دیا ہے جلوۂ لیل و نہار کو
غفلت کی نیند کم نہیں سوئے حضور آپ — اُٹھئے بھی دور کیجئے اب تو خمار کو
ہر اک جا جلوہ آرا ہے لگا ہونے نہاں ہوکر — ہوا ہے خانۂ دل میں مکیں تو لامکاں ہوکر
بھٹکتا پھر رہا ہوں بھولکر راہ حقیقت کو — سمائے جیب سے ہو دل میں میرے وہم و گماں ہوکر
گلِ عارض پہ اترانا عبث ہے ان حسینوں کا — نہ اوڑ جائے بہار آئی ہوئی رنگِ خزاں ہوکر
نگاہِ شوخ پر ہے ابروئے خمدار کا طرّہ — شکار آساں ہے انکے لئے تیر و کماں ہوکر
جسے آنسو سمجھتے ہو وہ قطرہ خونِ دل کا ہے — تڑپتی ہیں رگیں پہلو کی غم میں بجلیاں ہوکر

یہ اپنی شومیِ قسمت کہوں اور کیا کہوں کاؔمل
تجھے مایوس رکھیں وہ مسیحائے زماں ہوکر

کچلو- جناب پنڈت کامتا پرشاد صاحب کچلو خلف پنڈت کالکا پرشاد کچلو صاحب

آپ کا مولد شہر دہلی ہے۔ آپ نے ریاست گوالیار میں عہدہ ہائے مختلف پر ممتاز رہکر خدمات سرکاری انجام دیں۔ ابتداً آپ تحصیلدار مقرر ہوئے اور اپنی محنت اور کارگذاری سے کچھ عرصہ بعد عہدہ صوبات پر ترقی یاب ہو گئے۔ اس ذمہ دار عہدے کے فرائض بھی آپنے اس قابلیت سے انجام دئے کہ وہاں سے آپ ممبر پنچ اپیل مال مقرر فرمائے گئے۔ یہاں بھی آپنے جس فراست و دانائی سے خدمات انجام دیں انکی قدر افزائی ہوکر آپکو عہدۂ جلیلہ منتظم جاگیرداران عطا فرمایا گیا۔ اُسی عہدہ سے آپ پنشن پر رٹائر ہوکر بمقام گوالیار سکونت پذیر ہیں۔ رقم پنشن آپ کو ساٹھ ماہوار ملتی ہے۔ فخر روسائے زماں ہز ہائنس مہاراجہ سرمادھوراؤ صاحب بہادر سبندھیا خلد آشیاں آپ کو بزمرہ وفاداراں و بہی خواہاں خاص تصور فرماتے تھے اور آپ کو بھی حضور ممدوح سے خاص عقیدت تھی جسکی تصدیق آپ کی غزلیات کے اکثر اشعار سے بخوبی ہوتی ہے۔ آپ کی عمر ساٹھ سال کی ہو چکی ہے۔

غزلیات کچلو صاحب

رہنے کو کوچۂ بت عیار چاہئے ۔۔۔ سجدے کو آستانۂ دلدار چاہئے

او کتا گیا ہوں ہجر میں دلدار چاہئے ۔۔۔ جو میرا دل سنبھالے وہ غمخوار چاہئے

مجھکو ہے عشق ایک پریرو کا اے طبیب ۔۔۔ نسخہ میں صرف شربت دیدار چاہئے

میں داستان غم اُنھیں اپنی سناتو دوں ۔۔۔ لیکن زباں میں طاقت گفتار چاہئے

خود رفتہ ہو رہا ہے جو دُھن میں تری اسے ۔۔۔ تسبیح سے غرض ہے نہ زنار چاہئے

ولہ

جیتے جی اپنی رعایا کا بھلا کرتے رہے ۔۔۔ خیر خواہوں کا وہ پورا مدعا کرتے رہے

ہاتھ سے اپنے رفاہ عام کرتے تھے کام ۔۔۔ اور دل ہی دل میں یاد کبریا کرتے رہے
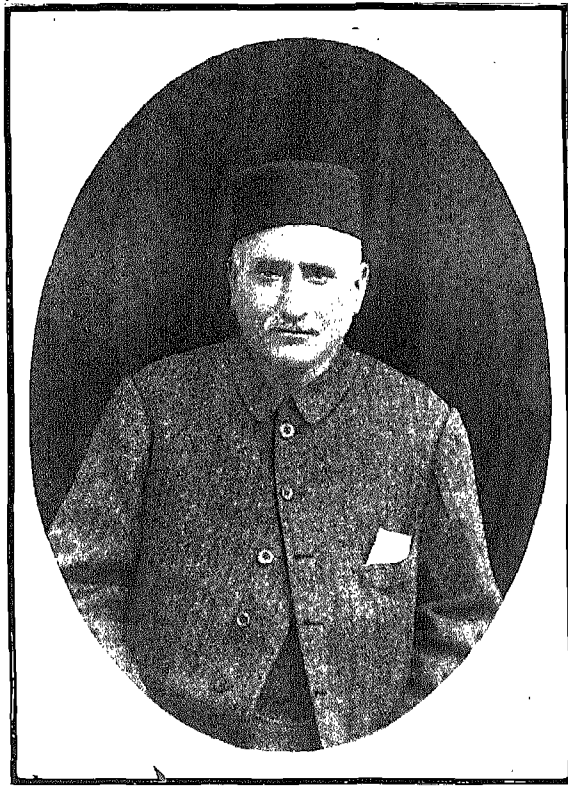
پنڈت کامتا پرشاد کچلو۔ کچلو

جان دی پیری میں اسدؔ رحمہ تھا حُبّ وطن　　نزع میں بھی یادِ لشکر برملا کرتے رہے

آشیانِ یار کے ایسے رہے کچھ جبہ سا　　ہم نمازوں کو برابر ہی قضا کرتے رہے

زندگی سے تنگ ہیں۔ اب موت آجائے کہیں
حق سے چھلوؔ رات دن یہ التجا کرتے رہے

جہاں دیکھئے وہیں پایئے یہ بتایئے وہ کہاں نہیں
جو ہے کور باطن و بیخبر اُنہیں ملتا اُسکا نشاں نہیں

ترے ظلم او بتِ بیوفا میں کہونگا حق سے ذرا ذرا
مرا دل نہیں کہ جگر نہیں کہ دہن نہیں کہ زباں نہیں

وہ ہے کیف بادۂ عشق یار کہ ہے اسمیں مست بھی ہوشیار
یہ سرور ساغر مے نہیں یہ خمار خواب گراں نہیں

مٹے حیف کتنے ہی خانداں نہیں آج انکا کہیں نشاں
وہ زمیں نہیں وہ فلک نہیں۔ وہ مکیں نہیں وہ مکاں نہیں

تری قدرتوں کو سمجھ سکیں یہ نہیں ہے عقل ہمیں ذرا
ترے وصف کو جو بیاں کریں تو ہمارے منہ میں زباں نہیں

کہوں تجھسے چھلوؔ ئے خستہ کیا کہ سرور عشق میں کیا ملا
ہے دہن ہیں یوں تو مرے زباں پہ زبان کو تابِ بیاں نہیں

تمہارے قول کا مجکو بھروسہ میسر جاں کیا ہو　　زباں سے کہتے کیا ہو اور کرتے برملا کیا ہو

فدا تھا دل سے میں جسپر بھروسہ جسکو تھا مجھپر　　وہی جب ہاتھ سے جاتا رہا تو پھر گلا کیا ہو

وہ الفت وہ عنایت وہ کرم وہ لطف وہ احساں　　قلم عاجز ہے کیفیت رقم کس کس کی کیا کیا ہو

نہ وہ ساقی نہ وہ مطرب نہ دخت زر۔ نہ پیمانہ　　جو محفل ایسی پھیکی ہو تو پھر اُسمیں مزا کیا ہو

تیرے ہی دم قدم سے تھی بہارِ گلشنِ عالم　　نہیں ہے تو تو رنگ بزمِ ہستی خوشنما کیا ہو

اے حضرتِ دل اُنکے اب ظلم کا کیا شکوا
پہلے ہی سمجھنا تھا جب آپ نے الفت کی

جب پردہ نشینوں کو پردے سے ہوئی نفرت
پرواہی نہیں رہتی پھر عزت و حرمت کی

دنیا میں رہے جب تک عقبیٰ کا نہ کچھ سوچا
جب وقتِ سفر آیا تب سوجھی عبادت کی

کیا حشر کے دن ہوگا دھڑکا ہے یہی دل میں
امید ہے بس تیری۔ اور تیری شفاعت کی

ولہ

روز کے وعدوں سے تیرے میں پریشاں ہوگیا
خانۂ دل کیا مکانِ یاس وحرماں ہوگیا

تیرے دل لینے سے اک گونہ تسلّی ہوگئی
میرا اُجڑا سا مکانِ دل گلستاں ہوگیا

کیا بتاؤں میں نظر کس خوبرو کی کھاگئی
خانۂ کچلو ارم تھا اب بیاباں ہوگیا

کشتہ۔ پنڈت جگت نرائن صاحب دہلوی مقیم لاہور

قطعہ

ہمارا بس چمنِ دہر میں ہو گر بلبل
ورق گلوں کے زرِ گل سے زرنگار کریں

حضور بادشہِ عشق غمزہ و عشوہ
ہمارے واسطے گر عجز و انکسار کریں

ولہ

یقین ہے کہ رہائی غم فراق سے ہو
بقول شخصے کہ جو چاہیں اہلکار کریں

ہمارے قتل پہ قاتل کمر کسے کیونکر
وہ ڈھونڈھتا ہے خود اپنی کمر کئی دن سے

کشتہ۔ پنڈت ترلوکی ناتھ صاحب

نظم بر اتفاق

اس نظم کو جناب کشتہ نے کشمیری پنڈت نیشنل ایسوسی ایشن لاہور کے ایک جلسہ منعقدہ ستمبر ۱۹۱۱ء میں پڑھا تھا۔

زاتفاق مگس شہد مے شود پیدا
خدا چہ لذّتِ شیریں در اتفاق نہاد

کیا ہوا بدلی ہوائے دوجہاں ہے آجکل
ہوگیا مشکل حصول آب و ناں ہے آجکل

قوم کیا۔ پسماندگانِ کارواں ہے آجکل
نام تھا جسکا کبھی۔ وہ بے نشاں ہے آجکل

مٹ گئی دل سے ہمارے سب امنگ قومیت
دن بدن پھیکا ہوا جاتا ہے رنگِ قومیت
دیکھتے ہیں روبرو آنکھوں کے سب تصویر ہم　　اور سنتے ہیں ہمہ تن گوش ہو۔ تقریر ہم
کھو کے سب بیٹھے ہیں اپنی طاقتِ تسخیر ہم　　خاک ہیں اب۔ گو کبھی مشہور تھے اکسیر ہم
باہمی نااتفاقی نے کیا رسوا و خوار
ہو گئیں ناچاقیاں پیدا۔ کہاں ہے اقتدار
دیکھئے ہم میں ترقی کی عجب رفتار ہے　　اک سبھا کیا۔ یاں سبھاؤں کی ہوئی بھرمار ہے
دیس کا دھوکا کہیں نام دھرم پرچار ہے　　شاہ راہِ کامیابی کا نیا معیار ہے
جو ہوا غصے وہیں اس نے نئی کھولی سبھا
ہو گئے والنیٹرز اسمیں وہی ہولی سبھا
مان لیں لوہا سب اپنا ایسے ہوں اپنے اصول　　منہ بندھی کلیاں بنو۔ بنتے ہو کیوں تم ہار پھول
چھوڑ دو نااتفاقی سے بھلا ہے کیا حصول　　یہ سبھاؤں کے بھی جھگڑے جتنے ہیں۔ سب ہیں فضول
لطف اسمیں کچھ نہیں۔ رنگت ہو اور نکہت نہ ہو
صورتیں چینی کی ہوں۔ اچھی مگر سیرت نہ ہو
قوم کا شیرازہ جب بگڑیگا تو ہوگے خراب　　اپنی بربادی کو دیکھوگے بنظر خوف و یاس
سانس ہے جب تک کہ سینہ میں تو قائم ہے حواس　　دیکھ لو انجام کو اپنے ذرا کر لو قیاس
ان دنوں نااتفاقی کا دلوں پر دور ہے
دیکھو سنبھلو اب زمانے کی ہوا کچھ اور ہے
سنتے ہو اے حاضرین قوم اپنی سرگذشت　　جامِ غفلت سے رہوگے کب تلک تم بادہ مست
مٹ چلے ہو تم۔ سمجھ لو۔ وقت ہے بالا و پست　　اب قیامِ زندگی کا ہے ضروری بند و بست
گر نہ سمجھوگے تو ہو جاؤگے سب برباد تم

شان و شوکت اپنی کھو بیٹھو گے رکھنا یاد تم

کشتہ شوق حمیت قوم کا ہو ہر بشر ہے دعا راضی ہو اپنے کام سے پر پیشور
پھر دکھا دیں غیر قوموں کو محبت کا اثر ہمت و محنت کا آخر کچھ تو پاؤ گے ثمر

باگ اٹھیگی تمہاری قوم اک آواز سے
مثل آئینہ جلا دینا اُسے اعجاز سے

کشمیری۔ پنڈت کیشو ناتھ صاحب چکبست لکھنوی

چڑھو جو کوٹھے پہ رخ سے نقاب اٹھائے ہوئے تو بھاگے ابر میں چاند اپنا مُنہ چھپائے ہوئے
اٹھا نہ بار محبت کا ہم سے دنیا میں ۱۱۱ کفن میں اسلئے اپنا ہیں مُنہ چھپائے ہوئے

اخیر وقت ہے کشمیری ہو ر ہوشیار
وہ چلدئے کہ جو گودونکے تھے کھلائے ہوئے

نوحہ در وفات پنڈت پچھمی نرائن صاحب

کیا شقاوت ہے تجھے اے فلک ظلم نشاں غنچے جو کھلنے نہ پائے وہ ہوے صرف خزاں
کیسے شمشاد قدوں کو کیا تو نے پامال خاک میں تو نے ملایا ہے ہر ایک سرو رواں
نونہالوں کو تو پامال کیا کرتا ہے تیرے اس جور و تعدی کا کروں کس سے بیاں
سب سے بڑھکر ستم تو یہ کیا ہے تو نے اُس کو بیجان کیا یعنی جو تھا جانِ جہاں
جسکے مرنے سے ہر اک شخص کو ہے رنج والم اور زباں پر یہی جاری ہے بصد آہ وفغاں

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

آتش غم نے گلستاں میں کیا ہے وہ اثر گل گلنار بھی سوزاں ہے برنگ اخگر
نہیں سنبل نظر آتا ہے گلزار میں جو پھیلا ہے بلبل ناشاد کا بس دود جگر
برگ سوسن ہیں نہیں ٹوٹے پڑے گلشن میں بیٹھنے کو صف ماتم کے ہے نیلی چادر

پہلوئے گل میں نہیں خار، لگے ہیں بیو جو — پھول کے غنچۂ دل پر ہیں یہ چلتے نشتر
پتیاں بھی کفِ افسوس ہیں ملتی غم سے — آہ بھر بھر کے یہی کہتا ہے ہر ایک شجر

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ماتمی کپڑے ہے پہنے ہوئے سوسن یکسو — قمریاں ایک طرف غم سے ہیں کرتی کُو کُو
قطرے شبنم کے سمجھتے ہیں جسے اہل نظر — چشم سے نرگس شہلا کے ہیں نکلے آنسو
گلِ صد برگ نے بھی سینہ زنی ایسی کی — کپڑے سب خون میں ڈوبے ہیں ٹپکتا ہے لہو
سوگ میں ایک جگہ ہے گل مشکیں بیٹھا — نخل تابوت شدہ نخل چمن در غم او
ہیں کھلے بال پریشان اُدھر ہے سنبل — سرو کہتا ہے اُدھر خاک بسر برلب جو

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

بسکہ ماتم ہے عروسانِ چمن میں برپا — باغ میں غنچے چٹکتے ہیں یہ آتی ہے صدا
چاک دامان ہیں کسی جا گلِ نسرین وسمن — زہر اس رنج میں کھاتا ہے کہیں پر سبزا
سینۂ لالہ کا بھی پُر داغ ہے اس حسرت سے — بلبلیں باغ میں دیتی ہیں گلوں کو پرسا
فرطِ اندوہ سے شق ہے جو شقائق کا جگر — کثرتِ غم سے چمن حلقۂ ماتم ہے بنا
حادثہ جب سے یہ جانکاہ سنا ہے اس نے — خاک اُڑاتی ہوئی کہتی ہے یہی بادِ صبا

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

داستانِ الم انگیز کا لکھنا ہے محال — رنج جتنا ہے لکھے یہ نہیں خامہ کی مجال
مہر کا رنگ ہوا زرد اسی صدمہ سے — ماہِ نو کو بھی اسی رنج سے ہے اضمحلال
ضبط گر یہ نہیں گو فرطِ الم میں ہوتا — اشک کے قطروں سے اس آگ کا بجھنا ہے محال

صبر لازم ہے بہر کیف کہ ہے باعث اجر | اس مصیبت میں ہے ہر شخص کو گو سخت ملال
ختم کر حال جگر سوز کو اے کشمیری | کافی ہے ایک ہی بیت فقط بہر مقال

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

تاریخ وفات پنڈت لچھمی نرائن صاحب در

ایں چنیں مرگ نوجوان خلیق | ہر کہ بشنود ملال افزاید
از سر نوحہ کلک من فی الفور | گفت او را خدا بہ بخشاید

۳۲ – ۱۸+۵۰ = ۱۸۵۴ء

تاریخ وفات پنڈت امر ناتھ کول ولی

دلا چوں امرناتھ پنڈت ولی | ز دنیا سفر کرد سوے بہشت
ز روے غم و شیون جانگزا | سن ہجریش خانہ من نوشت

۱۰۰۰ ۳۰۰ سنہ ۱۳۰۰ھ

تاریخ جشن کتخدائی پنڈت راج نراین چکبست

کہ خدا شد چو نور دیدہ من | شکرہا مر خداے را بیحد
بست چارم ربیع الاول داں | سال ہجری ست یکہزار و سہ صد

دیگر

سنہ ۱۳۰۰ھ

برادرزادہ ام از فضل خالق | شدہ چوں کتخدا با عز و تمکیں
ز روے انبساط و فرح گفتم | قران شمس با زہرہ شدہ است ایں

۸۰

۱۸۰۲
۱۸۸۱
سنہ ۱۸۸۳ء

پنڈت کشوری لال کاٹھجو۔ کشور

پنڈت کشوری لال کاٹھو صاحب خلف پنڈت جواہر لال کاٹھو صاحب

آپ بتاریخ ۱۹ ر اکتوبر سنہ ۱۸۸۱ء بمقام دہلی پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے جد بزرگوار پنڈت موتی لال کاٹھو صاحب بسمل تھے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں فورمن کرسچین کالج میں تعلیم پاکر آپ نے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور سنہ ۱۹۰۴ء میں ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان پاس کیا اس امتحان پنجاب یونیورسٹی میں آپ کا دوسرا نمبر تھا۔ ماہ نومبر سنہ ۱۸۹۷ء میں آپ کی شادی رائے صاحب پنڈت روپ کشن ہنڈو صاحب کی بڑی صاحب زادی سے ہوئی تھی سنہ ۱۹۰۴ء میں آپ نے بمقام گجرات وکالت شروع کی اور سنہ ۱۹۱۱ء میں لاہور آکر عدالت العالیہ چیف کورٹ پنجاب کے ایڈووکیٹ ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں گجرانوالہ ڈویژن کے آپ گورنمنٹ پلیڈر مقرر کئے گئے۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں بوجہ تندرستی خراب رہنے کے آپ گجرات کو واپس چلے گئے۔ ۲ ر اگست سنہ ۱۹۲۰ء کو بمقام بیکانیر رہگرائے ملک بقا ہوئے۔ آپکی نظمیں جوش بہبودی قوم سے مملو ہیں۔

آہ جب کوئی میرے دل کا شرارا چمکا — چرخ پر بن کے وہ مریخ کا تارا چمکا
تیری ابروی کی کافی ہے ذراسی حرکت — اپنی شمشیر کو ظالم نہ خدارا چمکا

ولہ

دیکھکر مجکو عبث آپ خفا ہوتے ہیں — میں تو لایا ہی نہیں حال زباں پر اپنا
مارے غیرت کے تو ہو جائیگا پانی پانی — گر دکھاؤں میں تجھے اشک کا گوہر اپنا

ولہ

مرے رونے پہ وہ بھی بول اُٹھے — تھمینگے آخر اب اشکِ رواں کب
نہو کیونکر مرا دل پارہ پارہ — قمر کے سامنے ٹھہرے کتاں کب
قیامت قد ترا رفتار محشر — بپا محشر نہیں سرو رواں کب
جنہیں اک بات کرنا شاق گذرے — سُنینگے وہ ہماری داستاں کب
میں ہوں وہ تشنہ لب میکش کہ جسکے — قدم لیتا نہیں پیر مغاں کب

کب سمندر کو کہیں ہم دیدۂ تر کا جواب
جبکہ اک اک اشک اپنا ہو سمندر کا جواب

ہر قدم رفتار کا تیری ہے محشر کا جواب
ہر ادا تیری ہے اعجازِ پیمبر کا جواب

ولہ

دیوانہ ہوں نہیں مجھے زنجیر سے غرض
مجکو ہے اسکی زلف گرہ گیر سے غرض

آنکھوں میں دل میں سینہ میں ہر جا بسے ہیں آپ
ہمکو نہیں ہے آپ کی تصویر سے غرض

کیا ضرورت ہے اگر ہاتھ میں تلوار نہیں
قتلِ عشاق کو کم ابروے خمدار نہیں

دیکھ لی آپ کی بس ہمنے نشانہ بازی
ایک بھی تیر کلیجہ کے ہوا پار نہیں

ولہ

میرے قاتل کے ابرو میں جو خم ہے
مقابل اسکے کب تیغ دو دم ہے

ترحم کاتب قسمت۔کہ تیرے
زمین و آسماں زیر قلم ہے

ولہ

ادھر بھی اک نگاہِ لطف کیجئے
کہ جاں اب شایقِ سیرِ عدم ہے

پیچ کھائی ہے تیری زلف جو ناگن کیطرح
دیکھ ظالم مجھے ڈسنے یہ بلا آتی ہے

اسنے امید وفا تم بھی عبث رکھتے ہو
ان جفا پیشوں کو کب کرنی وفا آتی ہے

ولہ

او جفاکار تجھے کیا پایا
مفت میں تجھ پہ جاں فدا کر کے

اے فلک تیرے ہاتھ کیا آیا
مجھسے بیکس سے یوں دغا کر کے

تم سنو یا نہ کچھ سنو میری
جاؤنگا عرض مدعا کر کے

ولہ

ملا تجکو نہ میرے بعد مجھسا جاں فروش آخر
مری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے

ولہ

دل دکھانا ترا قیامت ہے
یوں ستانا ترا قیامت ہے

ایک بجلی سی کوند جاتی ہے
مسکرانا ترا قیامت ہے

رنگ لایا نکر دلِ غمگیں
رنگ لانا ترا قیامت ہے

بل نہ اے زلف عنبریں کھا تو
پیچ کھانا ترا قیامت ہے

آزمایش میں قتل عام ہوا
آزمانا ترا قیامت ہے
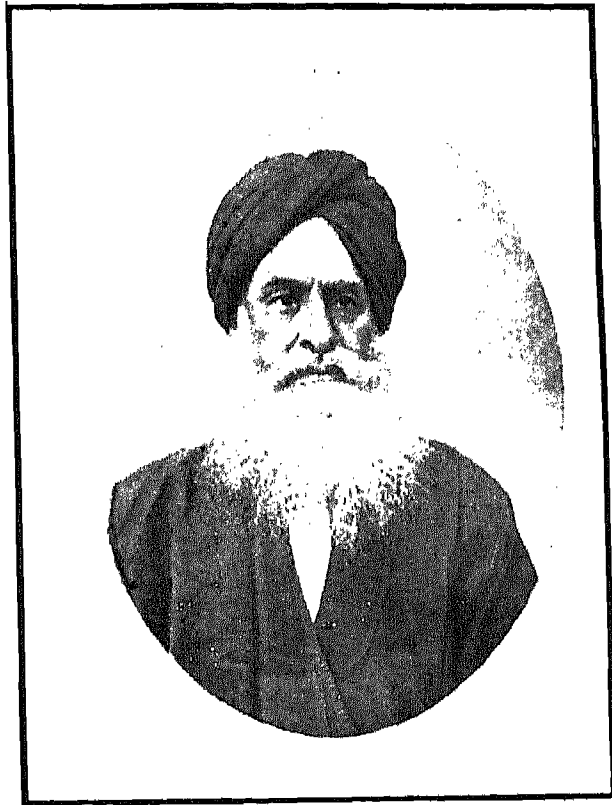
پنڈت شیو ناتھ چک۔ کیفؔ

کشورؔ - پنڈت برج کشور صاحب دہلوی

۱۸۸۱ء کے قریب آپ میواڑ میں داروغہ سایر تھے اور فارسی اُردو دونوں میں فکر سخن کرتے تھے آپ کا ایک شعر تذکرہ شعراء ہنود میں درج ہے۔

کہتے ہیں رکھ کے زلف کو رخسار صاف پر
گویا کہ آئینہ میں نمو دار بال ہے

کولؔ - ایم پی - کول صاحب

آپ دربار ہائی اسکول جودھپور میں اسسٹنٹ ماسٹر ہیں

شب تنہائی میں کیا ہو گی حالت اُس پریشاں کی
کہ جس نے دیکھی ہو مر مر کے صورت شام ہجراں کی

ہماری جاگی قسمت جب قضا کی نیند سوے ہم
کہ سوجھی ہے پس مردن اُنھیں اب قاپچاں کی

مکرتے ہیں مکرنے دو اُنھیں روز جزا آے دل
شہادت دینگی چھینٹیں خود بخود خونِ شہیداں کی

نگاہِ ناز سے شاید کسی نے مجھکو دیکھا تھا
کسک سی ہو رہی ہے دلمیں میرے نوک پیکاں کی

تجھے بھی کولؔ اب اہل وطن مجنوں سکتے ہیں
سراسر ہے تو بندش میں کسی کی زلف پیچاں کی

زمانے میں کسی کو بھی نہ ہمنے ہمنوا پایا
جسے دیکھا الگ دیکھا جسے پایا جدا پایا

جگر کیا پوچھتے ہو تم دلِ وحشی کے رہنے کی
وہیں کا ہو رہا جس جا کسی کا آسرا پایا

نہ کوئی ہے مرا ہمدم نہ کوئی مہرباں اپنا
زمانہ میں جسے پایا اُسے ناآشنا پایا

کیفؔ - پنڈت شو ناتھ صاحب چک خلف پنڈت بیجناتھ چک صاحب

آپ ممالک متحدہ کے مختلف اضلاع سہارنپور - فیض آباد - گونڈہ اور اُناؤ میں ایک نیک نام اور ہر دلعزیز تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر رہے گورنمنٹ برطانیہ سے پنشن لینے کے بعد آپ ریاست جیپور اور ٹھکانہ کیتھری میں دیوان اور سپرنٹنڈنٹ رہے اور اسکے بعد ۱۹۰۹ء میں واپس تشریف لاکر لکھنؤ میں قیام پذیر ہوئے۔ فن شاعری سے آپ کو ایک خاص اُنس تھا جس زمانہ میں کہ آپ گونڈہ میں تشریف رکھتے تھے آپنے ایک ماہواری رسالہ موسوم بہ گلدستہ کیف جاری کیا تھا۔

افسوس ہے کہ اُس گلدستہ کی ایک کاپی بھی باوجود تلاش کے دستیاب نہیں ہوئی۔ آپ ۱۹۱۴ء میں رہگرائے ملک بقا ہوئے آپنے ایک دیوان مطبوعہ اپنی یادگار میں چھوڑا ہے۔ آپ ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ آپ کا دیوان سلامت ولطافت زبان اور دلنشین تراکیب اور بندشوں کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

کس جگہ ڈھونڈے تجھے والۂ وشیدا تیرا ۔۔۔ جب کہیں خاص نہیں کوئی ٹھکانا تیرا
دلِ سرگشتہ جو شیدا ہو تو شیدا تیرا ۔۔۔ سرِ شوریدہ کو سودا ہو تو سودا تیرا
جب نہیں دیر و حرم میں ہے ٹھکانا تیرا ۔۔۔ پھر تجھے پائے کہاں چاہنے والا تیرا
تو وہ یکتا ہے کہ جس کا نہیں ثانی پیدا ۔۔۔ کوئی بتلائے کہاں ہے کوئی ہمتا تیرا

کچھ نظر آئے نہ پھر اُسکو بجز نورِ جمال
ہو خبردار اگر ڈھونڈنے والا تیرا

اُس بت کافر پہ اپنا دل جو شیدا ہوگیا ۔۔۔ کفر ایماں ہوگیا کعبہ کلیسا ہوگیا
دیں و ایماں جاں و دل ہوش و خرد صبر و قرار ۔۔۔ کھو چکے سب آفت اس دلکا لگانا ہوگیا
پھینک دونگا چیر کر پہلو سے تجکو بیگماں ۔۔۔ ہجرِ جاناں میں دلا گر درد پیدا ہوگیا

کیفؔ امیدِ رہائی قیدِ وحشت سے نہیں
پاؤں کی زنجیر اب دامانِ صحرا ہوگیا

ہے دردِ جگر ضبطِ فغاں ہو نہیں سکتا ۔۔۔ رازِ دلِ شوریدہ نہاں ہو نہیں سکتا
مٹھی میں دبایا ہو مرے دلکو چرا کر ۔۔۔ کیا دزدِ حنا پر یہ گماں ہو نہیں سکتا
کیوں آہ ہے لب پر جو نہیں عشق کی لو ہے ۔۔۔ جبتک کہ نہیں آگ دھواں ہو نہیں سکتا

کیسا ہے کہاں ہے وہ بتائے کوئی کیا کیفؔ
بے نام ونشاں کا تو نشاں ہو نہیں سکتا

آہ بھی لب پہ تھی اور نالۂ شبگیر بھی تھا
رات مجھسا کوئی اور ایفلک پیر بھی تھا
اپنے شکووں کا بتا یا اُسے خود ہتے جواب
ساتھ ہی نامہ کے تھی خطِ تقدیر بھی تھا
پیاس بسمل کی بجھانے کے لئے مقتل میں
آب خنجر بھی تھا آبِ دمِ شمشیر بھی تھا
اُس کی محفل میں سوا تیرے بتا تو اے کیفؔ
کوئی خاموش بھلا صورت تصویر بھی تھا

گلہ جور و جفا کا عاشقِ ناشا د کیا کرتا
تیرے بیداد کی پیشِ خدا فریاد کیا کرتا
نہ تھا جوشِ جنوں میں جب لہو کا ایک قطرہ بھی
رگوں کو چھیڑ کر پھر نشترِ فصّاد کیا کرتا
حرم اور دیر میں تھا شورِ ناقوس و اذاں بیجد
کوئی جب سُن نہ سکتا تھا تو میں فریاد کیا کرتا
تیری قدرت کا جلوہ دیکھتا تھا میں حسینوں میں
سوا وحدت کے کثرت میں کسی کو یاد کیا کرتا
رہا چپ اور دیکھا آنکھ بھر کر اُسکی صورت کو
اب اس سے بڑھکے یہ دل کیفؔ اور امداد کیا کرتا

کسے خبر ہے کہ روزِ شمار کیا ہوگا
خدا ہی جانے کہ انجام کار کیا ہوگا
دبائے دلکو ہوں پہلو میں ہاتھ سے لیکن
جو بیقرار ہے اُسکو قرار کیا ہوگا
گناہگار و نہیں روزِ حساب گر اے کیفؔ
جو سب سے پہلے ہو میری پکار کیا ہوگا

دیکھئے اللہ اکبر ہے یہ شانِ کوے دوست
ہوش میں آتے نہیں وارفتگانِ کوئے دوست
بند ہوتا ہی نہیں ہے راستہ آٹھوں پہر
آتے جاتے ہیں ہمیشہ رہروانِ کوئے دوست
جو گیا واپس نہ آیا بس وہیں کا ہو رہا
پوچھے پھر کوئی کسی سے کیا نشانِ کوے دوست

فصلِ گل آئی میانِ بوستاں مدت کے بعد
عندلیبوں نے بسایا آشیاں مدت کے بعد
طائرِ جاں تن سے کہتا ہے یہ وقتِ واپسیں
چھوٹتا ہے اب یہ اپنا آشیاں مدت کے بعد

قتل تو کرتے ہو لیکن حشر کی بھی ہے خبر — رنگ لائیگا یہ خونِ عاشقاں مدت کے بعد
چین سے میں کیوں نہ سوؤں قبر میں پھیلا کے پاؤں — ہاتھ آئی ہے عجب جائے اماں مدت کے بعد
ہے مجھے اس ڈر سے کھٹکا یا الٰہی خیر ہو — پھر نہ ہو پیدا کہیں دردِ نہاں مدت کے بعد
چشم پرنم نے کیا رسوا مجھے اُس کے حضور — فاش آخر ہو گیا رازِ نہاں مدت کے بعد

وہ ہوں گم گشتہ میں راہِ عشق میں اے کیفؔ زار
خضر بھی ڈھونڈے تو پائے کچھ نشاں مدت کے بعد

کچھ نہ پوچھو کیا مچاتے دھوم ہیں میخانہ میں — بر سرِ لطف و کرم ساقی کو جب پاتے ہیں رند
جب نہیں رہتی خبر دنیا و ما فیہا کی کچھ — "خاک بر سر کن غمِ ایّام را" گاتے ہیں رند
نشّہ میں ہوں چُور کتنا ہی مگر یہ لطف ہے — محتسب کا نام سنتے ہی سنبھل جاتے ہیں رند

دورِ ساغر سے نہیں ملتا ہے اک دم بھی قرار
گر کبھی اے کیفؔ میخانہ میں پا جاتے ہیں رند

جنوں میں بھی پھٹے کپڑے نہیں آرائش رہی باقی — کہ ٹانکا گوکھرو صحرا نے میری جیب و داماں پر
ہوئے وارفتہ زاہد دیکھکر شکلِ صنم ایسی — اُٹھا جب ہاتھ سبحہ پر پڑا تارِ گریباں پر
ہمیں بھی سخت جانی پر ہے اپنی ناز اُتنا ہی — ہے جتنا ناز اے قاتل تجھے شمشیرِ براں پر
چھپاؤں کس طرح رونیکو اپنے روزِ ہجراں میں — مچل جاتے ہیں طفلِ اشکِ غم گرتے ہی داماں پر

رہائی قیدِ بدنامی سے مرنے پر بھی کب پائی
بنی ہے شکلِ مجنوں چار سو دیوارِ زنداں پر

اُنھیں پردہ ہے کس سے جلوہ دکھلائیں عیاں ہو کر — وہ میرے دل میں بیٹھے ہیں نظر سے کیوں نہاں ہو کر
تلاشِ یار میں نابود ہو کر بعد مدت کے — پتا اُسکا لگایا ہمنے آخر بے نشاں ہو کر
نمک پاشی کی کرتا التجا زخمِ جگر کیونکر — نہ تھی جب نطق کی طاقت اُسے شکلِ دہاں ہو کر

بتا اے سینۂ صد چاک دل سے کیا عداوت ہے

جورو کا تیر کو رستہ میں تو نے درمیاں ہو کر

پاے وحشت دوڑتا ہے پھر بیاباں کی طرف | بڑھ رہا ہے ہاتھ پھر جیب و گریباں کی طرف
ہو بُرا اس ضعف کا اب پاؤں بھی اُٹھتے نہیں | تک رہے ہیں اسلئے خارِ مغیلاں کی طرف
قبل محشر ہو اگر منظور محشر دیکھنا | چلتے پھرتے جائے گور غریباں کی طرف

سینہ چاکی صبحِ محشر کی جسے ہو دیکھنا
اک نظر دیکھے مرے چاکِ گریباں کی طرف

آہ کے ہمراہ ہر دم منہ کو آجاتا ہے دل | آتشِ فرقت سے سینہ میں جلا جاتا ہے دل
آسماں تک ہے پہونچتا بعد مرنے کے غبار | خاک ہونے پر بھی اوج اپنا دکھاتا ہے دل
سہتے سہتے رنج و غم حالت یہ اپنی ہو گئی | دلکو کھاجاتا ہے غم اور غم کو کھاجاتا ہے دل

عشق کے دربار میں بھی کیا عجب دستور ہے
نذر میں دینار کے بدلے دیا جاتا ہے دل

چشمِ مستِ یار کا بیمار ہوں | تشنہ کام شربتِ دیدار ہوں
مرکے لاتا ہیں وہاں کا کچھ پتہ | دُور ہے ملکِ عدم ناچار ہوں
آمد و شد سے نفس کی دمبدم | ہو گیا ثابت کہ میں اک تار ہوں

گلرخوں کو دل میں دی پینے جگہ
اس لئے آنکھوں میں سب کے خار ہوں

کیا خرابی ہے بادہ خوار د نکی | ساقیا بزم میں شراب نہیں
روئے زیبا کا والہ و شیدا | کونسا خانماں خراب نہیں
بھولتا ہے عبث تو ہستی پر | آسرا دم کا اے حباب نہیں

کیفؔ اب سنبھلو ہوش میں آؤ
شیب ہے عالم شباب نہیں

دل کے شکوے اے پری ہم کیا کریں — ہو گیا دیوانہ جب غم کیا کریں
کھل کھلا کر ہنسکے غنچے کہتے ہیں — روے گر روتی ہے شبنم کیا کریں
بندگی کا جب نہیں دیتے جواب — سر بتوں کے سامنے خم کیا کریں
تو سلامت ساقیا دے ایک جام — تیرے ہوتے منّتِ جم کیا کریں
دل ہے پہلو میں طرفدارِ بتاں — ایسے بیگانہ کو محرم کیا کریں

دلہ

میری چپ میں تیری طرزِ بیاں میں — مزہ دلمیں میرے تیری زباں میں
پلا دے آبِ خنجر اور قاتل — ابھی باقی ہے دم اس نیم جاں میں
دہانِ زخم کرتا وصفِ خنجر
مگر خود ہے کلام اُسکی زباں میں

پہلے اک تیر کرکے سر دیکھو — پھیر کر پھر مرا جگر دیکھو
ناتواں اور سہوں میں جورِ فلک — مجھکو دیکھو مرا جگر دیکھو
چھوڑ کر دیر و کعبہ دل میں رہو — گر بتو تم کہیں یہ گھر دیکھو
گم ہوا دل ہے اور جگر زخمی — سینہ شق ہے اِدھر اُدھر دیکھو
دل لگا ہوں سے ہو گیا گھائل
اشک لائے ہیں یہ خبر دیکھو

آتے ہیں تیر نظر آنے دو — ہم بھی ہیں سینہ سپر آنے دو
گرمیاں اُن کی کرینگی ٹھنڈا — تا بلب آہِ سحر آنے دو
دل جگر تکتے ہیں تیرِ مژگاں — ایک ادھر ایک اُدھر آنے دو
تیر نظّارہ ادھر آنے دو — ہیں یہ غمخوارِ جگر آنے دو
کعبۂ دل میں بتو تم آجاؤ — جلوہ اپنا ہی نظر آنے دو
ہم بھی جائینگے سوے ملکِ عدم — جانے والوں کی خبر آنے دو

ان بتوں کا دیکھکر حسن و جمال — کافر اک دم میں خدائی ہو گئی
دل گیا ایماں گیا اس عشق میں — جان بھی اپنی پرائی ہو گئی
جب گلے ملنے لگا یا پیار سے
تیغ قاتل سے صفائی ہو گئی

خنجر لینا خبر گلو کی — ہے تجھکو قسم مرے لہو کی
عریانیِ تن لباس اپنا — حاجت اُس کو نہیں رفو کی
اللہ رے ہماری سخت جانی — تیغ قاتل بھی خون تھوکی
دل لے گئی جاں ہے تن میں باقی — چوکی ظالم نگاہ چوکی
ساقی بھر کر پلا دے اک جام — ہو خیر تری - تیرے سبو کی
دل لے گیا ناز سے ادا سے
گھاتیں دیکھو تو حیلہ جو کی

نظر اُس آنکھ پر جب سے پڑی ہے — ہماری آنکھ جادو سے لڑی ہے
مسیحا کیا خبر لیگا کسی کی — جب اُسکو آپ ہی اپنی پڑی ہے
قضا لڑتی ہے مجھسے اُنکے آگے — اُسے اپنی مجھے اپنی پڑی ہے

کیا دلاور ہے کہ ہر دم تری تلوار سے دل — کہے جاتا ہے کہ ہاں اور نیا وار چلے
بعد مرنیکے کسی کو نہ دکھائی صورت — منہ لپیٹے ہوئے چادر سے خطاوار چلے
محبسِ زلف میں جاکر ہوئے ہمسر دونوں — ایک رسی میں بندھے کا فرو دیندار چلے
مرتے دم وضع کے پابند یہ دونوں نرہے — اک روش راہِ عدم غافل و ہشیار چلے
بزمِ رنداں میں یہ چرچا ہے کہ میخوار و نہیں
کیفؔ کے نام پہ کیوں زور نہ ہر بار چلے

کہے میری بھی کچھ اور پھر سنے تیری بھی کچھ باتیں تیرے کوچہ میں گر اک دم کے دم بادِ صبا ٹھہرے
نہ پوچھا دردِ دل دیکھا نہ بیمارِ محبت کو بوقتِ نزع دم بھر کے لئے ٹھہرے تو کیا ٹھہرے
اُڑا لیجائے گا وارِ حنا دستِ نگاریں سے اگر ہاتھوں میں تیرے طائرِ رنگ حنا ٹھہرے

کرے ضبطِ فغاں جب دل تو مبتلا کیف فرقت میں
لبوں پر آ کے پھر کس طرح آہ نارسا ٹھہرے

غزلیات فارسی

عمرے گذشت جاناں در اشتیاق رویت جاں بر لبم رسیدہ اکنوں در آرزویت
در دیر و کعبہ رفتم سے خانہ نیز دیدم صحرا نوردگشتم آخر بہ جستجویت
نہ بہ کفر آشنایم نہ بسوئے دیں گرایم زدم بدیر و کعبہ کہ فتادہ ام بکویت

ز نشاط سر خوشم من ز خمار فارغ ام من
کہ شراب صاف خوردم ہمہ نوش از سبویت

نوشم شرابِ شوق و ندانیم زاہدا خوفِ غذاب پرسشِ روزِ حساب چیست

اے رند گوش بر سخنِ واعظاں منہ
از کیف پرس لذتِ جامِ شراب چیست

دلم بجُرد بفرمود ابتدا ایں است سرم برید و بگفتہ کہ انتہا ایں است
گہے بسُوئے حرم گہ بہ دیر می آئی دلا ہنوز تو یکسو نئی خطا ایں است
جمالِ دوست چو دیدی چرا شدی بیخود تو خود بگو کہ داند چو ماجرا ایں است

بکُشت خندۂ آں نازنیں چو کیف مرا
بغمزہ گفت ادائیش ہمیں قضا ایں است

قصہ از دیر و حرم خوانی ہنوز واعظا طفلِ دبستانی ہنوز
مُردم و ہستم بحیرانی ہنوز تو زمن غافل زنادانی ہنوز

عمرِ فانی آخر آمد آہ آہ — خستہ جانم از پشیمانی ہنوز
حیف از سرِ نفس واقف نئی — بیخبر از حالِ عمرِ فانی ہنوز
کن تلاشِ رہبرِ کامل بدل
کیفؔ سرِّ حق نمیدانی ہنوز

محوِ دیدارِ دلربا شدۂ — زاہدا غافل از خدا شدۂ
دل زخود می بری در آئینہ — اللہ اللہ چہ دلربا شدۂ
میروی سوئے خانۂ کعبہ — دشمنِ دینِ پارسا شدۂ
آہِ دل۔ باز جذبِ خود بنما — تا نگویم کہ نارسا شدۂ
چہ بدیر و حرم چہ ارض و سما — جلوہ افروز جا بجا شدۂ
در حریمِ دلم نمی آئی — گرچہ باہر دل آشنا شدۂ
کیفؔ از پیچ زلف حور وشئے
مبتلائے عجب بلا شدۂ

مناجات

اے نام تو حرزِ جاں جہاں را — اے ذکرِ تو زندہ دار جانرا
حمدِ تو ترا سزد خدایا — وصفت چہ کند زبانِ گویا
اے داورِ داوراں بہ ہستی — پیشت چہ بلندی و چہ پستی
اے شافیِ درد دردمنداں — اے حامیِ کار کار بنداں
تو مالک و خالقے و معبود — تو حاکم دعا و سے و مسجود
ستّار کریم و یاور ے تو — غفار و رحیم و داور ے تو
رزّاقی و شانِ تو ہمیں است — وز خوان تو خلق ریزہ چین است
از کن شدہ ہر چہ ہست ظاہر — وز راز تو کس نگشت ماہر

هر آنچه بخواستی عیان شد — هر آنچه بخواستی نهان شد
امرِ تو بعلم عالم آرا — مشیت به اراده کارفرما
ذاتِ پاکِ تو هست اکبر — وز هر چه صفت کنند برتر
ذاتت بصفات شد هویدا — اسرار نهفته گشت پیدا
وادی مارا هر آنچه داریم — شکرِ تو چرا بجا نیاریم
این حشمت و جاه ارمغانی — وین دولت و مال و کامرانی
این عشرت و عیش و رسنجی — وین صورت و فهم و نکته سنجی
علم و ادب اندر آفرینش — حلم و ادراک و عقل و بینش
وادی مارا بری ز شرکت — از جود و کرم بلطف و رحمت
امّا چو ز هول راهِ مازو — شکرِ تو گهی ز ما نیامد
نفسِ امّاره شد چو غالب — برگشته شده دلم بقالب
قلبی که سلیم و رهنما بود — گم گشت و رهِ خطا بپیمود
مجهول بماند از عبادت — مشغول نشد گهی بطاعت
صد حیف که زندگی سر آمد — صد حیف که مرگ بر سر آمد
کشتیِ عمل به بحرِ عصیان — در عین تلاطم است هر آن
دارد چشمی ز جوشِ رحمت — جوید موجی ز بحرِ رحمت
باشد بکنار آرد آنرا — موجِ کرمت ز قعرِ دریا
شرمنده و نادمم ز افعال — ظاهر بر تست جمله احوال
شد فسق و فجور دشمنِ من — بهتان و دروغ رهزنِ من
غرقِ گنه است هر بنِ مو — بیهات که بوده ام سیه رو
اکنون بکمال جست و جوئی — دارم بضمیر آرزوئی

پنڈت برج موہن دتاتریہ ۔ کیفیؔ

خواہم کہ بقیۂ حیاتم | از بند ہوس دہی نجاتم
رحمے کن و ساز رستگارم | کز کردۂ خویش شرمسارم
اینک بدرت نہادہ ام سر | با حال تباہ و دیدۂ تر
مطلوب توئی دعا بہانہ | مقصود توئی دگر فسانہ
از لطف بہ بخش ہر گناہم | وز نیک و بدم مپرس الہم
فردِ عصیانِ من بکن چاک | اے پاک نمائے پاک و ناپاک
یارب چو ہمیشہ وغفار | بگذر زخطائے ایں گنہگار
یارب بطفیلِ کبریائی | یارب بتصدقِ خدائی
یارب بکرامتِ کریمے | یارب بہ بزرگئ رحیمے
یارب بکمالِ ذاتِ پاکت | یارب بہمہ صفاتِ پاکت

مقبول دعائے کیفؔ راکُن
فارغ زدعاؤ مدعا کُن

کیفی۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب خلف پنڈت کنھیالال صاحب

یقیناً وہ لوگ یادگار زمانہ کہلانے کے مستحق ہیں جنھوں نے پرانا اور نیا دونوں زمانوں کا رنگ دیکھا ہو۔ نہ صرف یہ بلکہ پرانی مشرقی تہذیب اور مغرب کی نئی روشنی کے محاسن کو اپنی طرز زندگی اور ادبی مذاق میں سمویا ہو۔ ایسی مبارک ہستیاں ملک میں اب کم نظر آتی ہیں۔ علامہ پنڈت برج موہن دتاتریہ صاحب کیفی اُن معدودے چند ہستیوں میں سے ہیں۔ شاعری کے اعتبار سے آپ اس وقت دہلی کے اُن چار استادوں میں ہیں جن کو دہلی کی موجودہ شاعری کے عناصر اربعہ کہنا زیبا ہے۔ یعنی سائلؔ۔ بیخودؔ۔ ساحرؔ۔ اور کیفیؔ۔

آپ کے بزرگ خطۂ جنت نظیر کشمیر سے بادشاہ فرخ سیر کے عہد میں ہندوستان آئے اور دہلی میں سکونت پذیر ہوئے۔ چونکہ فارسی میں طاق اور سیاق و سباق میں کامل تھے سلطنت

کے مرکزی دفاتر میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز ہو گئے۔ انیسویں صدی عیسوی کے اول ربع میں بوجہ انتزاع سلطنت ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کی اور اُس وقت کے اعلےٰ عہدوں پر سرفراز ہوئے۔ آپ کے والد پنڈت کنہیا لال راجہ بھرپور سنگھ کے عہد میں نابھہ میں افسر پولیس تھے۔ کیفی صاحب کی ولادت ۱۲ر دسمبر ۱۸۶۶ء کو بمقام دہلی ہوئی۔ ابھی بہت صغر سن تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ انکی تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی۔ بازار سیتارام میں رہتے تھے۔ قریب ہی چلکم پورئے والے کا مطب تھا اور ان کے ہاں مکتب بھی تھا اُسمیں آپ کو داخل کیا گیا اور پرانے طریق کے مطابق میانجی سے فارسی کی تعلیم شروع ہوئی۔ آپ کی فارسی کی تکمیل گھر پر اپنے نانا صاحب سے ہوئی جو اس زبان کے جیّد فاضل تھے اور انگریزی کی تعلیم سینٹ سٹیفنس کالج دہلی میں،

شاعری کا مذاق آپ نے اپنے ایک بزرگ پنڈت نرائن داس ضمیر دہلوی سے ورثہ میں پایا۔ شاعری کی ابتدا اس زمانہ کے مذاق اور رواج کے مطابق غزل سے ہوئی مگر خود آپ کے قول کے مطابق یہ رنگ پختہ نہ ہونے پایا تھا کہ اسے ترک کر دیا۔ اس کا باعث اول تو زمانہ کی رفتار اور پسند عام ہے اور دوسرے حضرت آزاد مرحوم و خواجہ حالی مغفور کی صحبتوں اور ادب مغرب کا اثر کہنا چاہئے نیچرل شاعری کے رنگ میں جناب کیفی نے ایک جدت یہ داخل کی کہ خشک موضوع میں رنگین بیانی کی چاشنی آمیز کی۔ شاید آپ پہلے شاعر ہیں جس نے تغزل کا رنگ و روغن سیدھی سادی نیچرل شاعری پر چڑھایا آپ کی شاعری کا تیسرا دور تصوف کے دلکش مرقعے پیش کرتا ہے۔ اس میں بھی تغزل کی دلاویزی چمکتی ہے۔ اس ضمن میں آپکی طویل نظمیں عشق مجاز و ب کی لہر۔ ترانۂ حقیقت۔ باغ دل۔ اور بزم ترنگی۔ قابل ذکر ہیں اب چند سالوں سے آپ کی وقاد کا رجحان روحانیت کی طرف ہے۔ مگر بخلاف مغربی روحانیت کے آپ کے ہاں روحانیت و تصوف کی چسکا اس روحانیت جدیدہ کو دو آتشہ کر دیتا ہے۔ علامہ کیفی فارسی اور انگریزی کے فاضل اجل ہیں۔ سنسکرت ہندی کے پورے ماہر عربی اور سنسکرت بھی جانتے ہیں۔ ان کا مطالعہ یورپ کے ادب اور ڈراما میں مکمل اور عہد حاضر تک ہے۔ آپ اوّل شخص تسلیم کئے جاتے ہیں جس نے اردو میں ڈراما کے موضوع پر مضمون لکھا۔ ۱۹۲۶ء میں لکھنؤ یونیورسٹی نے آپ کو اکسٹنشن لکچر دینے کے لئے مدعو کیا اور آپ نے کئی نہایت عالمانہ لکچر تاریخ اور اردو شاعری پر انگریزی زبان میں دئے۔ اسی سفر میں انجمن اردو لکھنؤ کی درخواست پر ایک لکچر اردو میں بھی دیا جس کا موضوع تھا اردو اور لکھنؤ۔ یہ معرکۃ الآرا لکچر لکھنؤ ہی کے ایک رسالہ الناظر میں چھپ چکا ہے اور علامہ کیفی کے تبحر اور سلجھے ہوئے طرز تنقید کا زندہ ثبوت ہے۔ اسی طرح ستمبر اکتوبر ۱۹۳۲ء میں آپ اردو کے متعلق ایک کانفرنس میں حیدرآباد بلائے گئے جو حضور نظام دکن کے حکم سے منعقد ہوئی تھی۔ اس موقع پر آپ نے ایک نہایت عالمانہ لکچر مبادیات فصاحت کے موضوع پر عثمانیہ یونیورسٹی میں دیا جو رسالہ اردو اورنگ آباد دکن میں شایع ہوا ہے۔ آپ کے حیدرآباد کے قیام میں ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر بالقابہ وزیر اعظم دکن نے

آپکے خیر مقدم میں ایک عظیم الشان دعوت دی اور ایک بزم مشاعرہ منعقد کی۔ ہز اکسلنسی نے سر مشاعرہ ان الفاظ میں علامہ کیفی کا ذکر کیا ہے۔

کہتا ہے شاد بھی یہی کیفی سے باخلوص   مشہور خاص و عام ہے اُن کی سخنوری   جو جو نفوس اب ہیں غنیمت سمجھ انہیں

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے   کامل ہیں ایسے شاعر غرا کہیں سے   ہر اک وحید دہر ہے یکتا کہیں جسے

(رسالہ بزم شاد)

کیفی صاحب نے ۱۶-۱۹۱۵ء میں یورپ کا سفر کیا اور وہاں اکثر علما اور ادیبوں سے ملاقات کی۔ تقریباً تیس سال کے عرصہ سے پنجاب میں قیام ہے زیادہ تر پنجاب اور کشمیر کے خوش کلام آپ کے مشورۂ سخن سے فیضیاب ہیں۔ جن میں خواجہ عبدالسمیع پال ایم اے۔ ایل ایل بی۔ اثر صہبائی پروفیسر بشارت نند لال کول طالب۔ ایم اے۔ ایم او ایل۔ سید ذوالفقار علی رضوی نسیم۔ ملک حبیب اللہ حبیب اور پنڈت دینا ناتھ مست قابل ذکر ہیں آپ کی نظموں کا ایک مختصر مجموعہ شایع ہو چکا ہے۔ دیگر تصانیف مطبوعہ جہاں تک معلوم ہوا ہے حسب ذیل ہیں۔ نظم میں بھارت درپن۔ خمخانہ کیفی پریم ترنگنی۔ شوکت ہند۔ توزک قیصری۔ اور نثر میں عورت اور اسکی تعلیم۔ چراغ ہدایت۔ پریم دیوی بہنسارا تا (نیم تاریخی ناول) ڈراما راج دولاری۔ اور ڈراما مراری دادا۔ دونوں ڈرامے اپنے طرز میں بےنظیر ہیں۔ آپ کے مضامین نثر کا مجموعہ بھی جلد طبع ہونے والا ہے۔ کیفی صاحب کا طالب علمی کا زمانہ تھا کہ پنڈت بشن نرائن صاحب در مرحوم کی یورپ سے واپسی پر ہندوستان کی کشمیری پنڈت برادری میں بہت ہلچل پڑی کیفی صاحب نے اس موقع پر ایک نہایت جوشیلی اور پرزور نظم لکھ کر شایع کی۔ اگرچہ اس کا لب و لہجہ کچھ تو عمر اور کچھ اسوقت کے ہنگامہ خیز حالات کے تقاضے سے کئی جگہ کرخت اور ناخوش آیند ہو گیا ہے لیکن اوایل شباب سے آپ کے حب قومی کے جوش کا ثبوت پیش کرتا ہے لکھنؤ کی سوشل کانفرنس اور لاہور کی کشمیری پنڈت نیشنل ایسوسی ایشن کے اجلاسوں میں آپنے اکثر حصہ لیا اور اپنے خیالات کا اظہار نظم و نثر میں کرتے رہے۔ اس کے علاوہ کشمیری پنڈتوں کے قومی رسالے مثل سفیر کشمیر۔ مراد آباد۔ کشمیر پرکاش لاہور کشمیر درپن الہ آباد آپ کے رشحۂ قلم سے شاداب اور مالا مال ہوتے رہے ہیں۔ اب بھی لاہور کے بہار کشمیر پر کبھی کبھی عنایت ہوتی رہتی ہے۔ ملیات سے آپ کا قلم ہمیشہ محترز رہا۔ سیاسیات پر بہت کم لکھا لیکن جو کچھ کبھی لکھا وہ سلیم المزاجی اور اعتدال کا جوہر ہے۔ ایک امر قابل ذکر یہ ہے آپنے مدح میں کسی والئے ریاست کی کبھی ایک سطر بھی نہیں لکھی البتہ شہنشاہ جارج پنجم دہلی میں دربار تاجپوشی کے لئے جب تشریف لائے تھے تو آپ نے اس موقع پر ایک قصیدہ تصنیف فرمایا تھا جو تمام اردو منظومات میں بہترین قرار دیا گیا اور گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو ایک تمغہ اور سند اعزازی عطا ہوئی۔ حضرت کیفی نے نہایت صلح پسند اور مرنجان مرنج طبیعت پائی ہے لیکن نقد و نظر کے بارے میں آپ کی سخت گیری بےپناہ ہے۔ (اون کا پایۂ فضیلت کیا ہے؟) اس کے اظہار کے لئے ہم بزم شاد کے قول پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ ہندوستان کے ایک پختہ مغز اور کہنہ مشق شاعر ہیں صاحب موصوف اس زمانہ کی یادگار ہیں جبکہ ہندوستان اور خصوصاً دہلی کے ہندو مسلمان ماں جائے بھائیوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک مذاق، ایک رنگ، اور ایک زبان تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کیفی صاحب میں اسلامی کلچر اور قدیم مودۃ کے نمایاں آثار نظر آتے ہیں۔ اردوئے معلیٰ ان کی مادری زبان ہے نظم اور نثر میں انکی کئی کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔ آج کل ڈراما کی طرف خاص توجہ ہے۔ ان کی بعض تصنیفات گورنمنٹ سے انعام اور پبلک سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ علامہ موصوف ریاست کشمیر میں اسسٹنٹ فارن سکریٹری کے عہدہ جلیلہ سے سبکدوش ہونے کے بعد ایک پہاڑی ریاست چنبنی میں مجسٹریٹ اور کلکٹر کے فرائض ادا کرتے رہے۔ لیکن ادبی مشاغل برابر

رُوپ چا لیسا یا حُسن قطرت

بزمِ حُسن فطرت کیا بیخودی کی دنیا ہے — ذرّہ ذرّہ ساغر ہے قطرہ قطرہ صہبا ہے
غور سے اگر دیکھو کائینات عالم میں — حسن کا ہے اک طوفاں جو ازل سے برپا ہے
سنگ میں شجر ہیں وہ برگ میں ثمر ہیں وہ — رنگ حسن میں ڈوبا اس کا چپّا چپّا ہے
نغمۂ یہ جنّت کا وہ ربابِ فطرت کا — گل میں پتّیاں کچھ ہیں بلبل ایک چڑیا ہے
بلبل ایک مشتِ پر گل ہے برگ ہائے تر — کیا انھوں نے دیوانہ دہر کو بنایا ہے
گل تو کیا ہے سبزے میں دیکھو اسکی بیداری — جو ہے تم کو بیگانہ حسن کو یگانا ہے
پنکھڑی سے کم دلکش کب ہے داغ لالہ کا — گوپیوں کے جھرمٹ میں جلوہ گر کنھیا ہے
اس میں کچھ تنوّع ہے اور نہ پھول پھل اسمیں — سرو پر ہے جو عالم کس قدر سہانا ہے
قمری اس پہ مرتی ہے اس پہ وجد کرتی ہے — حُسن اسکو کہتے ہیں حُسن تمام اس کا ہے
حُسن چاند تاروں میں حسن ہے بہاروں میں — حُسن ہے خزاں میں بھی آنکھ کو جو پیکا ہے
دادِ حُسن سہ کی دی تم نے میگساری میں — کبک کو ذرا دیکھو کتنا اس کا شیدا ہے
آنکھ خلق کی پڑتی کیوں نہ بزمِ انجم پر — ہے وہ روح خوبی کی حُسن کی وہ دنیا ہے
ہے زمیں سے گردوں تک حسن کی ضیا پاشی — کہکشاں تجلّی کی ایک بہتی گنگا ہے
وہ دھنک کی دلدوزی اور رنگ آمیزی — شاہ عشق نے اٹھکر یا کبادہ کھینچا ہے
وہ کلیلیں موجوں کی سینے پر سمندر کے — ان کے سر پہ کیا سجتا موتیوں کا سہرا ہے
ڈل میں شام کو جاکر تم شفق کی چھب دیکھو — جذبِ حُسن فطرت کا دلربا نظارا ہے
حُسن کیا ہے انسان کا ایک قیدی زنداں کا — ایک قطرہ طوفاں کا اس میں آسمایا ہے
حسن نوعِ انساں کا بھی ہے دلربا۔ لیکن — نسبت ایک قطرے میں اور بحر میں کیا ہے
اس کی آنکھ کی تشبیہہ کیوں ہے چشمِ نرگس سے — آدمی ہی خلقت میں حُسن کا جو پتلا ہے
کیوں مُماثلت ہے یہ گل سے ایک چہرے کی — حُسن کا اگر مرکز حرف جسم زیبا ہے

تم میں لالہ رخ کوئی اور سیمتن کوئی
کوئی مہر طلعت ہے کوئی ماہ سیما ہے

آنکھ نرگسی ٹھیرے زلف عنبریں ٹھیرے
اور سچ کہے جاؤ حُسن آدمی کا ہے

دیکھ کر تم آئینہ کیا ہو ساجد و شاکر
تم نیاز سمجھے ہو جس کو ناز بیجا ہے

حُسن کب مقیّد ہو ایسی تنگ نظری کا
اک بہار عارض سے کیوں یہ جوش سودا ہے

حُسن کی ہے آئینہ فطرت اور مشاطہ
غازہ اور گلگونہ اس کے منہ کو تکتا ہے

شان حُسن کی یہ ہے دل میں ولولے اُٹھیں
رُوح تازگی پائے اس کا جذب ایسا ہے

تازگی دلوں کو ہو اوج حوصلوں کو ہو
امرت اس کو کہتے ہیں یہ دم مسیحا ہے

ہوں تعیّنات اس کے دائرے پہ کیا عامل
حُسن حاوی کُل ہے اس کی ہر کہیں جا ہے

حُسن ہے ہر اک شے میں حسن ہے ہر اک ئے میں
کوئی دیکھنے والا کوئی سننے والا ہے!

دل بھی کھینچ لیتا ہے چین بھی ہے یہ دل کا
دلبری و دلداری کا یہ ڈھب نرالا ہے

خواہشوں کے محشر کو اس سے ہے سکوں ملتا
نفس کی ہواؤں کو خاک میں ملاتا ہے

حُسن ہے فنا کرتا حسیات اسفل کو
ذہنیاتِ الطف کو رنگ روپ دیتا ہے

فیلسوف کی حجت اس میں چل نہیں سکتی
حُسن روحِ ہستی ہے حُسن عالم آرا ہے

یہ جمال روح افزا جس کے قلب میں چمکا
جنّتِ نظر اُس کو یہ تمام دنیا ہے

پتّا پتّا جنگل کا اُس کو سورۂ یوسف
جس کے دیدۂ دل میں حُسن کا اُجالا ہے

ایک رنگ کا پرتو دہر کی ہے نیرنگی
کثرت اور وحدت میں فرق جزو و کُل کا ہے

آدمی بک اُٹھتا ہے جہل کے تقاضے سے
دم بخود ہے کُل خلقت کچھ تو اس نے دیکھا ہے

جلوہ حُسنِ فطرت کا اپنے دل کے اندر دیکھ
یہ جو تیرا سینہ ہے ایک طورِ سینا ہے

حُسن عشق کا ہادی عشق خلق کا ناجی
راز ہے یہ ہستی کا مت سمجھ تماشا ہے

اس کا راگ گاتا ہوں اس سے کیف پاتا ہوں
سطح بیں تو کچھ سمجھا حُسن نام کس کا ہے

حُسن کی دنیا

دَیر و حرم میں کس لئے بھٹکا کرے کوئی
خالق کو کیوں نہ خلق میں دیکھا کرے کوئی

حُسن ازل کی ہر کہیں ظاہر ہے آب و تاب
ہاں شرط ہے کہ دیدۂ دل وا کرے کوئی

مشاطۂ ازل نے جہاں کو سجا دیا
اس کا مشاہدہ نہ کرے یا کرے کوئی

دیکھے ہلال کا جو افق میں یہ بانکپن
ابروئے ناز پھر نہ اشارا کرے کوئی

افشاں جبیں چرخ پہ کیا کہکشاں کی ہے
اختر شمار اس کا نظارہ کرے کوئی

ہے حُسن ڈال ڈال تو خوبی ہے پات پات
کانٹوں میں کیوں گلو نکو گھسیٹا کرے کوئی

قطرے میں بحر۔ ذرّے میں خورشید دیکھ لے
یہ آنکھ یہ نگاہ تو پیدا کرے کوئی

دُنبالہ نوک خار ہے چشم غزال کا
مژگاں سے شانہ کاری صحرا کرے کوئی

یہ تیرہ خاکدان بنے خلد کا سماں
چشم دروں کو گرم تماشا کرے کوئی

تسنیم حُسن کا ہے رواں چشمہ رات دن
کیا خواہش صراحی و صہبا کرے کوئی

اب وقت ہے کہ پھول گل و یاسمن کے ہوں
کب تک مروں کو رات کے رویا کرے کوئی

محدود ہے یہی گل و سنبل تک اون کا علم
زیبا نہیں کہ نازش بیجا کرے کوئی

یہ بھی تو زلف و رخ کے تصدق ہیں جو ہے
وابستہ کیوں پھر اس سے دل اپنا کرے کوئی

ہم نے یہ کب کہا کہ جو انسان ہو حسیں
اُس کی طرف سے آنکھ کو اندھا کرے کوئی

اپنا تو یہ یقیں ہے ہر شئے میں حُسن ہے
مُوئے میاں سے کیوں اُسے باندھا کرے کوئی

وہ شئے ہے کونسی کہ میسّر نہیں یہاں
ولہ کس چیز کی جہاں میں تمنا کرے کوئی

شکر خمار جس کے ہو در پئے وہ کیا سرور
کیوں آرزوے ساغر و مینا کرے کوئی

خود بند یاس میں نہیں پھنستا تو کیا ہے یہ
کیوں بڑھ کے اپنی حد سے تمنا کرے کوئی

کشت امید سبز نہ ہو جوئے اشک سے
پایاب کیوں نہ سر کا پسینا کرے کوئی

کب نوک دار کز لک حرف ازل بنی
کیوں بانس پر کسی کو چڑھایا کرے کوئی

ولہ

پیک خیال کی بھی ہو حرکت جسے گراں ۔۔۔ کیا چشم شوق سے اُسے دیکھا کرے کوئی

کیا کہہ رہا تھا اور کدھر جا پڑا خیال ۔۔۔ یہ شان بیخودی ہے نہ شکوا کرے کوئی

جو نظریہ ہے حُسن کا وہ ناقص الاساس ۔۔۔ اس پر نہ قصر وہم بنایا کرے کوئی

خط کا تناسُب اور تو اُڑان ہے رنگ کا ۔۔۔ جو کچھ بھی حُسن ہے اُسے پیدا کرے کوئی

چند آڑے ترچھے نشیمن میں ہیں فقط ۔۔۔ ہاں! ہے کہ اس کی نقل کا دعوےٰ کرے کوئی

مکسوب فن ہے۔ فن جو ہے نیچر کی نقل ہے ۔۔۔ کیا فرقِ اصل و نقل کو افشا کرے کوئی

پھر بھی جو سچّی نقل کے ماہر ہیں اہل فن ۔۔۔ اُن کے کمال ہی سے افادا کرے کوئی

قدرت نے جو دیا تمھیں رعنائی کا سبق ۔۔۔ ہے یہ بھی شاذ اُس کا اعادا کرے کوئی

دنیا بھری پڑی ہے مناظرے حُسن کے ۔۔۔ ہو دل کا تزکیہ جو نظارا کرے کوئی

بدخلقیوں نے خلق کی بدنام کر دیا ۔۔۔ وہ شے ہے ورنہ حُسن کو پوجا کرے کوئی

بویا غرض کا بیج جو اس حُسن زار میں ۔۔۔ ثمرہ عمل کا اپنے سمیٹا کرے کوئی

بندہ جو نقش کا ہے نہ ہو بندہ حُسن کا ۔۔۔ کیوں ننگ خلق حُسن کو رسوا کرے کوئی

جو شے ہے وہ نظر میں ہے اپنی تو دلفریب ۔۔۔ اس کو جنوں جو سمجھا ہے سمجھا کرے کوئی

فطرت کا حُسن شان جمالی کا ہے شہود ۔۔۔ پیدا تو ایسی حُسن کی دنیا کرے کوئی

کیفؔی تو اس کی خوبی ذاتی پہ ہے فدا
ناظورۂ سخن کو سنوارا کرے کوئی

کیف بہار

کیا مست گھٹا چھائی ۔۔۔ متوالی ہوا آئی

پھولوں کی یہ رعنائی ۔۔۔ سبزے کی یہ زیبائی

ہے فضل خدا ساقی
دے خُم ہی لنڈھا ساقی

پرجوش وخروش آئے خمخانہ بدوش آئے
تسنیم فروش آئے وہ صیقل ہوش آئے
آنکھیں تو اُٹھا ساقی
ہاں خوب چھکا ساقی

پیمانہ بکف ہے گل مستانہ نوا بلبل
جو دکشِ صد قلقل ہے مست جہاں بالکل
دے تو بھی صلا ساقی
رندوں کو بلا ساقی

اس بحر ترنم میں امواج تبسم میں
طوفان تکلم میں دلچسپ تلاطم میں
اُٹھ بہر خدا ساقی
بن راہ نما ساقی

گردش میں ہو پیمانہ چکر میں ہو میخانہ
فرزانہ ہو دیوانہ دیوانہ ہو فرزانہ
وہ دور چلا ساقی
دوران کو جگا ساقی

سرمعرض طوفاں ہو دل حشر بہ داماں ہو
ہوش آتنا مگر ہاں ہو بیہوشی کا ساماں ہو
سب ہوش مٹا ساقی
مدہوش بنا ساقی

آنکھوں میں سرور آئے اور قلب میں نور آئے

مشعل لئے طُور آئے   شیشہ لئے حور آئے
وہ جام پلا ساقی
اعجاز دکھا ساقی
اک شور مچا دے تو   اک آگ لگا دے تو
سوتوں کو جگا دے تو   مُردوں کو جِلا دے تو
کر حشر بپا ساقی
خمخانہ لٹا ساقی
رندوں کی یہ تقریریں   کوثر کی ہیں تفسیریں
زاہد کی وہ تکبیریں   ماضی کی ہیں تعزیریں
فردا کو بھلا ساقی
لطف آج اُڑا ساقی
امرت کی وہ ماں جائی   ہے دخترِ رز آئی
سب اس کے ہیں شیدائی   کیفی ہے کہ صہبائی
چھلک اور چھلکا ساقی
پی اور پلا ساقی
ہاں دَور پیاپے ہو   ہر رند جم و کے ہو
یہ فرض نہیں مے ہو   ہاں ایسی کوئی شے ہو
چھوڑے نہ خودی باقی
چیز ایسی پلا ساقی

طلوع سحر

تھا دُور ابھی منزل ایک لشکرِ سحر   سرہنگ شب نے بھانپ کے دنیا کو دی خبر

شبنم کے قاصد آئے غباروں میں بیٹھکر   ان سے صبا نے سن کے خبر کی یہ مشتہر

سرگوشیاں تھیں غنچوں میں ہے کس کا انتظار

جو رایت شفق ہوا مشرق سے آشکار

آکر جو کی نسیم نے شوخی سے گدگدی   تو ہر کلی کی آنکھ وہیں چپ سے کھل گئی

بلبل کی جانب اُس نے اچانک نگاہ کی   کچھ دیکھکر ادھر اُدھر اک بار ہنس پڑی

تھی تاک میں شمیم وہیں پر لگی ہوئی

اسکی بدولت اسکی چمن میں ہنسی اوڑی

چپکے سے کیا نسیم سحر نے سنا دیا   غنچوں کے دل کو فرط طرب سے کھلا دیا

بادِ سحر نے معجزہ اپنا دکھا دیا   شبنم کے چھینٹے دے کے چمن کو جگا دیا

غنچے بھی کھل کھلا کے گلستاں میں ہنس پڑے

انگڑائی لے کے سرو وصنوبر ہوئے کھڑے

رنگِ شفق سے تھا جو افق ملک زر نگار   یکمشت گل نے کیسۂ زر کر دیا نثار

دلکش عروس باغ کا تھا حسن او نکھار   صدقہ ہزار جاں سے تھی عندلیب زار

مُنہ شاہدان گل کے جو شبنم نے دھوئے تھے

سنبل کے بال بال میں موتی پروئے تھے

چھایا ہوا تھا دہر میں اک نور کا سماں   دھویا ہوا تھا آب رُخ حور سے جہاں

انجم کا آسماں سے کھسکا تھا کارواں   مہتاب کے بھی منہ پہ اُڑی تھیں ہوائیاں

شب زندہ دار چرخ کا بھی رنگ فق ہوا

غالب ہر ایک رنگ پہ رنگ شفق ہوا

نکلا جو خیمے سے شہ گیتی ستانِ صبح   حاضر پئے سلام ہوئے افسرانِ صبح

فوجِ شعاع لے کے بڑھا قہرمانِ صبح   لہرا رہا تھا بیلِ فلک پر نشانِ صبح

ڈنکا ہوا طیورِ چمن کی صفیر کا
اک غل تھا آمدِ شہِ گردوں سریر کا

فوجِ شعاع کی ہوئی آمد کی جب یہ دھوم — تو ہو گیا فلک سے ہوا لشکرِ نجوم
مشرق میں یوں ہوا شہِ خاور کا جب قدوم — آنکھوں پہ رکھے سب نے قدم اس کے چوم چوم

اک دم میں شب کی تیرگی کافور ہو گئی
دُنیا چمک کے اک کرۂ نور ہو گئی

برسات کی بہاریں

برسات کی بہاریں — موروں کی وہ چنگھاڑیں
وہ جاں فزا پھواریں — وہ گاین آبشاریں
پُر جوش جوئباریں
دھومیں مچا رہی ہیں
برسات کی بہاریں — دل کو لبھا رہی ہیں

اک دھوم سی مچا دی — گھنگھور چھا رہی ہیں
دنیا کی نیند اُڑا دی — سوتے جگا رہی ہیں
امرت کی مے کے دھاریں
کیا اُمڈی آ رہی ہیں
برسات کی بہاریں — دل کو لبھا رہی ہیں

آئیں اور آ کے چھائیں — اٹھلاتی وہ گھٹائیں
کوئل نے بھی سنائیں — مستانی وہ صدائیں
زاہد کا دل سنواریں
مستی سی چھا رہی ہیں

برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں
کیا سج گئی ہے ہستی وہ دھندو کار آئے
چھائی دلوں پہ مستی میخانے وہ لنڈھائے
ہوش و خرد سدھاریں
کسریں ہی کیا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں
ہے دل میں جوش اٹھاتا بادل کا وہ گرجنا
کیا ناچ ہے نچاتا وہ جلترنگ بجنا
جذبوں کو جو ابھاریں
حوریں یہ گا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں
مدماتی لڑکھڑاتی چلتی ہیں کیا ہوائیں
مہکاتی وجد لاتی اُن کی ہیں سب ادائیں
حسن جہاں نکھاریں
قسمیں یہ کھا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں
ہے وہ طلسمی موسم اُترا ارم زمیں پر
پست و بلند عالم گم ہو گیا ہے یکسر
جنّ و ملک پکاریں
آوازیں آ رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں

کیا دن لگے گلوں کو پھلواریاں کھلی ہیں
دیکھو تو بلبلوں کو کیا چہچہا رہی ہیں
بھولیں وہ سب پکاریں
منگل منا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں
پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو ہے کیا انیلی
مینا کی اور چپے کی آوازیں وہ رسیلی
نایک بھی بازی ہاریں
وہ سُر ملا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں
برپا جہاں فغاں تھی بلبل کے چہچے ہیں
خاک اوڑ رہی جہاں تھی سبزے کے لہلہے ہیں
پھولوں کی یہ قطاریں
کیا گُل کھلا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں
کوثر ہو پانی پانی جھرنے کی وہ پھبن ہے
پائے نئی جوانی جو اس میں غوطہ زن ہے
امرت کی ہیں یہ دھاریں
مُردے جلا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں

چھایا وہ جوشِ شادی   غم جانتا نہیں دل
تیغِ ادا کا اس کی   ہے گر کوئی ہے بسمل
ہیں پیار کی یہ ماریں
سب دُکھ بھلا رہی ہیں
برسات کی بہاریں   دل کو لبھا رہی ہیں
ارمان و شوق کی ہیں   دل میں بھری ترنگیں
کیا کیا مچل رہی ہیں   بے چین ہیں اُمنگیں
وہ شوق کی پکاریں
جی میں سما رہی ہیں
برسات کی بہاریں   دل کو لبھا رہی ہیں
تمکین و ضبط بھولے   حسن و شباب والے
گھر سے نکل کے جھولے   اُمرئیوں میں ہیں ڈالے
کب تک وہ من کو ماریں
پینگیں بڑھا رہی ہیں
برسات کی بہاریں   دل کو لبھا رہی ہیں
مسحور کر رہی ہیں   ڈھولک کی پیاری تھاپیں
دل میں اُتر رہی ہیں   کجری کی وہ الاپیں
وہ میگھ اور ملاریں
جادو جگا رہی ہیں
برسات کی بہاریں   دل کو لبھا رہی ہیں
اُٹھتی امنگ کیونکر   دابیں۔ دبوچ ڈالیں

قابو نہیں ہے دل پر آنچل کو کیا سنبھالیں
بالوں کو کیا سنواریں
آپے سے جا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں
یہ دیکھ کر کلیلیں چپلا بھی مسکرائی
مژگاں کی تیز بھالیں کھائیں تو تلملائی
تیر نظر کی آریں
کیا قہر ڈھا رہی ہیں
برسات کی بہاریں دل کو لبھا رہی ہیں

تخلیق عالم۔ ترجمہ رگ وید منڈل ۱۰-۱۲۹

محقق سوچ میں ہے کیونکر اس کا ماجرا کہئے
جہاں کیونکر ہوا پیدا۔ اسے کہئے تو کیا کہئے
اسے مایا کا کھیل۔ اسکا سبب حکم خدا کہئے
ہے عاجز فہم انساں۔ مُدرکہ کو نارسا کہئے
نہاں پردے کے پیچھے کیا ہوا کرتا ہے عالم میں
بتاتے ہیں تمھیں لکھا ہے جو ویدِ معظم میں

نہ ہستی کی حکومت تھی نہ راج اس جا عدم کا تھا
نہ تھا یہ آسماں ہی۔ اور نہ پُر نور اسکا جلوا تھا
نہ امبر کا یہ دل بادل زمیں کے سر پہ چھایا تھا
نہ تھا چاند اور نہ تھا سورج نہ نور افشاں ستارا تھا
محیط اور حاویِ کُل کون تھا کون اسمیں مضمر تھا
اگھم پانی تھا یا ذخار و موّاج اک سمندر تھا

نہ تھی جب موت تو کیسے حیاتِ جاوداں ہوتی
تعیّن اور حد کی قید دنیا میں کہاں ہوتی
تمیزِ روز و شب پھر جلوہ گر کیونکر یہاں ہوتی
یہ حالت وید میں ہے اُس زمانے کی بیاں ہوتی
وہی اک واحدِ مطلق تھا کُل برہمانڈ میں حاوی
یہاں اسکے علاوہ کوئی شے تھی اور نہ تھا کوئی

اندھیرا ہر کہیں گھنگھور عالمگیر چھایا تھا
نہ تھی جب روشنی پیدا۔ نمایاں جب نہ سایا تھا
سمندر تھا کہ تاریکی کی موجوں میں سمایا تھا
سراسر تخم ہستی کو اندھیرے نے چھپایا تھا
مگر کب تک چھپا رہتا وہ یوں اس خاک ظلمت میں
ظہور اس کا ہوا اگنی سے پرکرتی کی صورت میں

ہوا تب سب سے اوّل پریم کا دلکش گذر اس پر
اُبل اُٹھا یکایک ایک چشمہ قلب کے اندر
ہوا رشیوں کا ہردے اسکی تحریکوں سے متاثر
تصور میں وہ ڈوبے دیکھ کر یہ تازہ تر منظر
تجلی ریز دل میں معرفت کا جب ہوا جلوا
تمیز اُن کو ہوئی مخلوق و نا مخلوق میں پیدا

اندھیرا ہو گیا کافور ان کرنوں سے جب یکسر
ہوئی یہ فکر دامنگیر اس کا کس جگہ ہے گھر
وہ اوپر ہے کہ ہے نیچے۔ یہ غوطہ تھا یہی چکر
یہی تھی جستجو اُن کو وہ اندر ہے کہ ہے باہر
ادھر مصروف تکوین اور تھی حاوی کل شکتی
محیط کل اُدھر چیتنیہ تھا۔ عامل تھی پرکرتی

کسے عین الیقیں ہے کون ہے دعوے کہہ سکتا
کہ یہ خلقت ہوئی کیونکر، کہاں وہ بیج اُپجا تھا
جگت اُپتی کی اس خلاق کو تھی یا نہ تھی اِچھا
یہ ہے وہ راز سربستہ کہ حیرت میں ہیں سب دانا
ہے جس کو غیب کا علم اور گہری ہے نظر جس کی
حقیقت اُس پہ بھی شاید نہیں یا ہے کھلی اس کی

گیتا کا فلسفۂ عمل

جب کرو چھیتر کے میدان میں لشکر آئے
سُورما خود و زرہ پہنے میں سج کر آئے
برق دم۔ سیل صفت۔ تند۔ دلاور آئے
اور تھے وال مہادت کے برابر آئے
فوجیں ترتیب سے جمتی تھیں صف آرا ہو کر
جگمگاتی تھی انی نیزوں کی تارا ہو کر

اونچی بن کے نبرد آزما آئے رن میں تن زرہ میں تھا تو تھا جوش جلادت من میں
ان میں مشہور تھا ایک ایک وغا کے فن میں فوجِ ارجن میں تھا یا لشکرِ دریودھن میں
تھی چکا چوند وہ کھانڈونکی چمک سے چھائی
دھند سی آنکھ میں اک سپیر فلک کے آئی

جنگجو دونوں فریقوں کے ابھی آتے تھے اور ترتیب سے میداں میں جم جاتے تھے
شہسواروں کے پرے گھوڑونکو چمکاتے تھے پیدلوں کے جتھے قلعوں کو بھی لرزاتے تھے
اک نیستاں تھا وہ میدانِ وغا بھالوں سے
دن تھا کھانڈوں کے چمکنے سے تو شب ڈھالوں سے

حال یہ تھا کہ یکایک ہوا اک شور بلند آگئے لے کے وہ ارجن کو کشن چند مکند
جو مچلتے تھے وہ چپ چاپ ہوئے پیل و سمند جھنجھناتی تھی نہ تلوار نہ ہلتی تھی کمند
ایک دم چھا گیا جنگاہ میں سناٹا سا
بت کدہ بن گیا گویا کہ وہ میدانِ وغا

سب کی آنکھیں تھیں ادھر انکی تھیں فوجونکی طرف جانچی ارجن نے کشن جی نے وہاں اک اک صف
تب دل ارجن کا جسے جنگ میں تھا بسکہ شغف دفعتاً ہوگیا مایوسی کے پیکاں کا ہدف
یاس نظارۂ جنگاہ سے نرغہ لائی
دل پہ ارجن کے غضبناک اداسی چھائی

ان عوارض میں جو مہراج نے اُپدیش کیا اُس کے ہر رمز کی۔ نکتے کی ہے حامل گیتا
جس کو آنکھوں پہ جگہ دیتی ہے ساری دُنیا مجھ کو منظور نہیں اسکا یہاں دوہرانا
عطر جو اُس کا ہے وہ تمکو بتاتا ہوں میں
حکم پاک آپ کا بس یاد دلاتا ہوں میں

"نیتم" کہہ کے کشن جی نے کیا ختم کلام فلسفہ اس میں کرم یعنی عمل کا ہے تمام

سنئے کرتے ہیں جو ارجن کو ہدایت گھنشام ۔۔۔ یاس کو چھوڑ دے اور کر تجھے کرنا ہے جو کام

تجھ پہ جو فرض ہے کرنا وہ تو ہر حال میں کر
عظمتِ فعل ہے محظلات سے کہیں بالا تر

فرض سے اپنے جو ہٹ جائے گنہگار ہے وہ ۔۔۔ اُسکو ہمدرد نہ کہہ۔ سخت غرضدار ہے وہ
رحمدل وہ نہیں۔ بزدل ہے جفا کار ہے وہ ۔۔۔ مکت پد پانے کا ہرگز نہ سزاوار ہے وہ

کیونکہ یہ فرض ہے۔ کر اس لئے تو فرض ادا
اُس کے پھل اور نتیجے کی نہ الجھن میں جا

غور سے سُن۔ تو سمجھتا ہے جسے دل یا من ۔۔۔ اُس کے اندر تو جلا بھگتی کی پاکیزہ اگن
ہر نفس چاہئے جاری رہے یہ پاک ہون ۔۔۔ آہوتی کے لئے کر باسنا من کی ارپن

رہ کے پانی میں نہ تیرا ہو ذرا دامن تر
ہے نجات اس میں۔ یہی مارگ ہے سب سے بہتر

ادب اور شعر کی تجدید

نظر ایثار کی گر چشمِ دل میں جاگزیں ہوتی ۔۔۔ ہماری سعی میں توفیق "اجر المحسنیں" ہوتی
نظر آتی اُسے خورشید کی تنویر ذرّے میں ۔۔۔ بجائے خوردہ بیں گر آنکھ اپنی خوردبیں ہوتی
جنوں کیسا؟ کہاں کی اشک شوئی عشق صادق میں؟ ۔۔۔ نہ ہوتا چاک دامن میں نہ منہ پر آستیں ہوتی
گذاری عاشقی میں عمر۔ پھر بھی یہ تمنّا ہے ۔۔۔ الٰہی ترجمانِ دل نگاہِ واپسیں ہوتی
اسی مجہول و عاطل عشق پر دل سے نکلتا ہے ۔۔۔ نگاہ آخری یارب نگاہ اوّلیں ہوتی
جو کوشش ہے تو یہ۔ اور دل کی خواہش ہے تو بس اتنی ۔۔۔ جہاں کو پھونک دیتی ایسی آہِ آتشیں ہوتی
محبت ہے وہ شعلہ جو دبانے سے بھڑک اٹھا ۔۔۔ کسک اس درد کی وہ ہے جہاں اُٹھتی وہیں ہوتی
نہ پہنچا خاکِ راہِ عشق تک کتنا جھکا گردوں ۔۔۔ فرومایوں کی ہمسایہ نہیں یہ سرزمیں ہوتی
جدا اس عشق سے ہے یہ خیالِ عشق شاعر کا ۔۔۔ ہے آبِ زر بھلا سونے کے پانی میں کہیں ہوتی

سخن سنجی کی ہم بس یہ غرض غایت سمجھتے ہیں
کہ بزمِ شعر میں برپا صدائے آفریں ہوتی

اثر اخلاق پر جو اس سخن سنجی کا پڑتا ہے
نہ کیوں بے ربط اُس سے اپنی تحریرِ حسیں ہوتی

مذاقِ شعر بگڑا اور طرزِ معشرت بگڑی
طبیعت کیوں نہ درد انگیز نالوں سے حزیں ہوتی

اثر کو کر دیا محدود و مطلق دور میں ہم نے
نہ کیوں تعریف اچھے شعر کی اندوہگیں ہوتی

محاسن میں سخن کے گرچہ درد و سوز ہیں شامل
مگر موقوف انھیں پر شعر کی ہستی نہیں ہوتی

خلوص اور عشق ہوتے ہم ردیفِ شعر تو دل میں
حسد ہوتا نہ عالم سوز نا یہ بغض و کیں ہوتی

ادب اور شعر سے جو کام دنیا میں نکلتے ہیں
یہاں بھی اُنکی وقعت کاش مانوسِ یقیں ہوتی

ادیب اور شاعر ایسے تھے یہاں اک تا بھی جنکی
برائے دفعِ صد آفات سدِّ آہنیں ہوتی

چلن ایسا کہ اُن کی ہاں میں کن کی تاب و طاقت تھی
نہیں جس بات پر کرتے قیامت تک نہیں ہوتی

جو کہتے منہ سے وہ کرتے۔ وہی کرتے جو شایاں تھا
عمل کیا ہاں اُن کی غور و فکر بھی حق کے قریں ہوتی

اگر باغِ سخن کو خونِ دل سے سینچتے شاعر
زمینِ شعر میں پیدا فضائے علّیین ہوتی

حقیقی کھینچتا جذبات و محسوسات کی شکلیں
تو حصے میں قلم کے عظمتِ روح الامیں ہوتی

دلی جذبات پر گر نظم کا نظم و نسق ہوتا
زباں سے جو نکلتی بات بیشک دلنشیں ہوتی

بھرے ہوتے یہاں خرمن حقائق اور معانی کے
بجائے نکتہ چیں گر طبع اپنی خوشہ چیں ہوتی

بلندی ولولوں میں اور ہوتی عزم میں رفعت
تو مشتِ خاک اپنی زینتِ چرخِ بریں ہوتی

زبانوں میں اگر اردو کو جا ملتی تو کیا ملتی
نہ کیوں وقعت جہاں میں اپنی کم سے کمتریں ہوتی

جو اخذ و ترکِ جذبِ منفعت ہوتا شعار اپنا
تو پھر قبضے میں اپنے دولتِ دنیا و دیں ہوتی

جو لینا چاہیئے تھا کام اگر وہ شعر سے لیتے
مکاں سے لامکاں کی ملک تک زیرِ نگیں ہوتی

جلے دل کی یہ باتیں گوشِ دل سے گر سنی جاتیں
تو یاروں کی زباں پر جائے نفریں آفریں ہوتی

تمنّا ہے یہ کیفی کی یہی اُس کی دعا تجھ سے
ادب اور شعر کی تجدید ربّ العالمیں ہوتی

زندہ دلی

جیتے جی موت کے دھڑکے سے مرجاتے ہو
یہ بھی اے دوستو جینے میں ہے جینا کوئی

موت آنی تو ہے لابُد - مگر اک بار فقط
خالی آن کا تو نہیں موت سے لمحہ کوئی

جب مروگے تو بہت روئیں گے کیا فکر اسکی
سوگ اپنا بھی کیا کرتا ہے دانا کوئی

موت کی تم کو ہے فکر تمھارے دل کی
مردہ دل شخص کا جینا بھی ہے جینا کوئی

زندہ دل مر کے بھی دنیا میں جیا کرتے ہیں
ہے یہ وہ راز کہ اس راز کو سمجھا کوئی

زندگی یہ ہے کہ ہو زندہ دلی انساں میں
اس سے بڑھکر نہیں دنیا میں مسیحا کوئی

نقش خاتم کی طرح دب کے ابھرتے ہیں سوا
اہل ہمت کو مٹائیگا بھلا کیا کوئی

اصل میں موت کا بیماہے وہ - یہ یاد رہے
زندگانی کا بھی کرسکتا ہے بیما کوئی

زندگی کا ہو تو بس زندہ دلی سے بیما
کہ سقوط اور تعطل نہیں جس کا کوئی

اُس کو بیدردو کہو درد کی ہے جس کو تلاش
عشق کا دل میں نہیں اُسکے شرارا کوئی

تو یہاں آیا ہے خوش رہنے کو خوش کرنے کو
رونے رلوانے سے تو خوش نہیں ہوتا کوئی

معجزے اور چمتکار پہ سر دُھنتا ہے
کیونکہ پھر تجھ سے یہاں کام ہو سیدھا کوئی

کشمکش زیست کی ہر صیغے میں جو ہے جاری
اُس کے سر کرنے کا پہلو بھی نکالا کوئی

یہ صفِ جنگِ حیات اور وہ صفِ ماتم ہے
عمل اور مرثیے کا فرق سمجھتا کوئی

ہمت اور زندہ دلی سے اسے حل کرنا ہے
رونے دھونے سے بھی حل ہوتا ہے عقدہ کوئی

بہارِ کشمیر

سرنگوں کب تک رہوگے رنج اور افکار میں
آؤ تم کو لے چلیں اک پُر فضا گلزار میں

ہے یہ وہ گلشن ہے بلبل جسکی ہر اہل نظر
ہے ثنا جس کی برابر یار اور اغیار میں

طبع شاعر کی روانی کی دکھاتی ہے ادا
ہے وفورِ جوش اتنا نہر و جوئبار میں

چشمے سرچیون ہیں ایسے جن پہ کوثر ہو نثار
چشم گردوں نے بھی دیکھے ہونگے اس سنسار میں

آنکھ جب اس پر پڑی جنّت نظر سے گر گئی ایسی کب ہونگی بہاریں سُرگ کے گلزار میں
ہے ہتک کشمیر کی کہنا اسے جنّت نظیر سامنے آنکھوں کے یہ۔ وہ بس دل احرار میں
لالۂ و ریحاں۔ سمن اور گل اگر ہیں باغ میں بن بہار اور بُو سے کستوری بسی کہسار میں
حسن فطرت کے مناظر صحت افزا اس قدر ہے مرض مفقود چشم نرگسِ بیمار میں
برمحل ہے گر نسیم باغ ہے جلوہ فروش سبزے کی لپٹیں کہاں ہیں نافۂ تاتار میں
تم نہ پاؤگے کہیں جو ہے یہاں جوشِ نمو پھوٹتی کونپل ہے چوبِ دشنۂ نجّار میں
ہے لبِ آب ایک گلشن اور ہے اک زیرِ آب ڈل بھی لاثانی ہے دنیا کے دیار امصار میں
مارتا ہے کیا سفیدہ آب دُر کو ٹھوکریں روندے جاتے ہیں گہر اس بزم گوہر بار میں
دست افشاں ہے چنار اس درجہ ہے جوشِ نشاط ہے بھرا خون حنا یاقوتِ دست افشار میں
برف کی یہ چوٹیاں الماس کے سرپیچ ہیں ان بزرگوں کو ملے قدرت کے جو دربار میں
ایک سے اک بڑھ کے ملتے ہیں مناظر دلفریب دیکھو وادی میں جدھر جاؤ جہاں کہسار میں
پھول ہیں چشمے ہیں۔ میووں کے شجر اور مرغزار چپّہ چپّہ دب رہا ہے لطف حق کے بار میں
نیچر اس دریا دلی سے یہ خزانے بے بہا کیا نچھاور کر رہی ہے وادی و کہسار میں
قدرتِ حق صنعتِ انساں سے ہے شیر و شکر کھولکر آنکھیں ذرا دیکھو تو شالا مار میں

گلشن کشمیر کے اوصاف قابضِ دل پہ ہیں
ہو سکیں کیونکر بیاں کیفی وہ چند اشعار میں

حکیم اجمل خانصاحب کے مرثیے میں سے

کہتے ہیں نام کو باقی ہے نشانِ دہلی چل بسے لوگ جو تھے روح و روانِ دہلی
مٹ چکی گرچہ بہت شوکت و شانِ دہلی کچھ ہو۔ تھی ذاتِ مقدّس تری جانِ دہلی

جانِ دہلی میں نہیں وہ سہی اجڑا سا دیار
آج پھر کس لئے کل ہند ہوا ماتم دار

تجھ سے دلّی کی نہیں ہند کی دلداری تھی ہر رگ و پے میں ترے حُبِّ وطن ساری تھی
دوستداری تھی۔ رواداری تھی۔ غمخواری تھی ہاں۔ تعصّب سے تری طبع بہت عاری تھی

جن میں ہوں جمع یہ کُل وصف وُہ کم انساں ہیں
یہی اوصاف حَسَن حُبِّ وطن کی جاں ہیں

اک سرِ حلقۂ اربابِ صفا تھا نہ رہا ایک روحِ تنِ اخلاص و وفا تھا نہ رہا
محفلِ شعر میں جانِ فصحا تھا نہ رہا خدمتِ ملک پہ دل جس کا فدا تھا نہ رہا

تو نہ ہوگا تو تری یاد رہیگی دل میں
شمع محفل ہو ترا ذکر ہر اک محفل میں

سیکھتا تجھ سے کوئی قوم پہ قرباں ہونا درد سینے کو وطن کا ہمہ تن جاں ہونا
قول اور فعل کا آساں نہیں یکساں ہونا جو ہر انسان کا ہے ہمدردِ انساں ہونا

سروری چیست بگو خادمِ اخواں بودن
غم ابنائے وطن خوردن و شاداں بودن

لالہ لاجپت رائے صاحب کے مرثیے میں سے

جرم میں عشق کے مستوجبِ تعزیر بھی ہو طوق گردن میں ہو اور پاؤں میں زنجیر بھی ہو
ہو سناں دل میں کُھبا سینے میں اک تیر بھی ہو ہو کے بسمل خمِ فتراک کا نخچیر بھی ہو

حُرّیت کے تو وکیلوں کا یہی زیور ہے
چھاؤں تلواروں کی اور جیل ہی اون کا گھر ہے

حُرّیت کیا ہے بلا بیم و رجا ہو جانا قومیت کیا ہے عزیزوں پہ فدا ہو جانا
زندگی ہے رہِ خدمت میں فنا ہو جانا وطنیّت ہے تعصّب سے رہا ہو جانا

اس حقیقت کو وطن کا جو ہوشیدا جانے
اس کی در خود غرض اور تنگ نظر کیا جانے

داغِ دل چاکِ جگر نقشِ تسلی نہ ہوا
خونِ عاشق سے وہ جب تک متجلّی نہ ہوا
اس پہ بھی شک سے بری جذبۂ قومی نہ ہوا
مان لیں جس کو سبھی ایسا تو کوئی نہ ہوا

دیش بھگتی کے ترے گُن تو سبھی گاتے ہیں
مدعی تک تری نیکی کی قسم کھاتے ہیں

رنگ تغزل

حُسن جلبابِ عدم سے جو درخشاں نکلا
وجد میں کون و مکاں بیخود و رقصاں نکلا
ہے جہانگیر ضیا پاشئ حُسنِ تکویں
اب تو ارمان ترا عالمِ امکاں نکلا
ہے حظوظِ دل و روح بشریّت اسمیں
حُسن کی بزم سے کوئی نہ پریشاں نکلا
موقع حیرت کا نہیں یہ تو ہے خوش مستی کا
کام تجھ سے نہ کوئی دیدۂ حیراں نکلا
ہے عدو ذہنیت خلق کا رنج اور ملال
قید اندوہ میں پھنس کر کوئی انساں نکلا
جو سمجھتا ہے کہ انساں ہے ضعیف البنیاں
ذہن سے اُس کے نہ اندیشۂ شیطاں نکلا
حُسن کو جس نے دو روزہ کہا کوتہ بیں تھا
اُس کے سینے سے نہ خارِ غم عصیاں نکلا
گوش و گردن نے جو پھیلائے ترے دست سوال
لعل و الماس سے پُر کوہ کا داماں نکلا
عارضی زیب گلے کا جو ترے ہار ہوئی
بحر سے سلسلۂ گوہرِ غلطاں نکلا
حُسنِ قدرت سے ہے انسان کی حُسن آرائی
غازۂ عطر کا گل بوٹے سے ساماں نکلا
ہے شرابورِ حُسن سے عالم کی فضا
اس کا گلشن ہی نہ اک بندۂ احساں نکلا
برق کا ہے وہ تبسم کہ شکر خندۂ گل
حُسن ہر رنگ میں ہر شان میں لرزاں نکلا
حُسن کا ہے یہ وفور اس کو نہ کہہ دل تنگی
رنگ بھی سینے سے غنچے کے پرافشاں نکلا
دُرّۃ التاج سعادت ہے پرستارِ حُسن
نفس کا لوث ہی رہزنِ ایماں نکلا
تُرّۂ کاہ ہے یا ہے گل و برگِ گلبن
حُسنِ ہر رنگ شعینِ سرو ساماں نکلا

ہے کُل حُسن سے لبریز یہ دنیا کیفی

نظر قلب کا بھی تنگ ہی داماں نکلا
جو محو محویت نظارہ وہ حسن ہنگامہ کار ہوگا
جو گل عروس چمن بنا ہے گلے کا بلبل کے ہار ہوگا
بت اُٹھ کے بھاگینگے بتکدے سے پناہ لینگے حرم میں جاکر
نقاب اٹھاکر جمال آرا اگر وہ رعنا نگار ہوگا
وہ نور جب ہوگا محفل آرا تو شمع و پروانہ جل بجھینگے
رہینگے ہم۔ تم ہی جب نہ باقی تو کون کس پر نثار ہوگا
دوئی کی حد سے جو عشق گزرا تو کچھ نہ برقِ نظر نے چھوڑا
شہید الفت کا سینۂ اہل دل کے اندر مزار ہوگا
جو برق بن کر تڑپ رہی جو ابر بن بن کے رو رہا ہے
وہ میری بے چین آرزو ہے یہ میرے دل کا بخار ہوگا
بچے نہ تم شمع ساں پگھل کر بجھے نہ پروانہ وار جل کر
تو پھر محبت کی انجمن میں کہاں تمھارا شمار ہوگا
ریاضِ الفت ہے بیتِ راحت یہاں ہے کیا دخل آہ و زاری
یہاں جو ہوگا ملول و محزون وہی فنا کا شکار ہوگا
جو آہ نکلے گی قید ہوگی برنگ بو غنچے کے دہن میں
جو نالہ اٹھیگا سرو آسا وہ قیدیِ جوئبار ہوگا
وہ داغ لالہ کے دل کا ہوگا پڑیگا چھالا جو جگر میں
بنیگی پتھرا کے آنکھ جھرنا اگر کوئی اشکبار ہوگا
ہے شرط پھنک جائے جسم و جاں تک مگر نہ اٹھے ذرا دھواں تک
نہیں سر ضبطِ راز جس کو وہی سزا وارِ دار ہوگا

پیا پیالۂ مئے مغاں کا تو شورِ محشر سے بھی نہ چونکا
ہے نشۂ دُرد عشق ایسا کبھی نہ جس کا خمار ہوگا

لگی ہے دھن جب سے اُس صنم کی رہی سدا ہکو تن پہ نگی
یہ ہم نہ پھر ہم رہینگے کیفی یہی جو لیل و نہار ہوگا

بتائیں کیا تجھ کو چشمِ پرنم ہوا ہے کیا خون آرزو کا
بنا گلِ داغِ یاس وحسرت جو دل میں قطرہ بچا لہو کا

دبے جو گھٹ گھٹ کے دل میں ارماں وہ برق بنکر فلک پہ تڑپے
جو ولولہ جی میں رہ گیا تھا وہ بلبلہ اب ہے آب جو کا

عبث ہے تو چارہ گر پریشاں نہ تجھ سے کچھ بن پڑیگا درماں
کہ ہو تو تارِ نفس سے ساماں جراحت دل کے ہو رفو کا

کھلا لبِ گور سے یہ عقدہ کہ خواب تھی سب نمودِ ہستی
وقوفِ نا محرمِ منزل کہاں ہے میری جستجو کا

ہے نفی ذات اور نسخ ہستی وصال جاناں کی شرط اول
بھرا مناظر سے کل جہاں ہے اگر ہے تو درشنوں کا بھوکا

طلسم دیر و حرم ہے تجھ پر ہنوز دلّی ہے دُور ناداں
وہاں ترا خاک دل لگے گا وہ ہے سراسر مقام ہُو کا

خبر کسے صبح و شام کی ہے تعیُّنات اور قیود دیکھے
نماز کس کی وہاں کسی کو خیال تک بھی نہیں وضو کا

نہیں محیطِ رسوم و ملّت ہے بے نشاں منزل حقیقت
وہاں نہ سمرن کی ہتکڑی ہے نہ طوق زنّار ہے گلو کا

ہیں غرق بحرِ مئے محبت وہاں ہے کیفی یہ سب کی حالت

ہے دخل ساقی کی بزم میں کیا صراحی و ساغر و سبو کا

دل اگر لب پہ جگر نوک مژہ پر ہوگا | آہ و گریہ میں اثر تیرے برابر ہوگا
مانعِ گردشِ تقدیر سلاسل ہے نہ طوق | گر نہیں پانوں میں تو سر میں یہ چکر ہوگا
آہِ سوزاں کی ہے اشکوں سے اگر لاگ تو ہو | قطرہ گر بحر نہو گا تو سمندر ہوگا
ہوں تصنّع سے بری ایک ہے ظاہر باطن | دل میں جو ہوگا وہی اپنی زباں پر ہوگا
مُنہ سے جو کہہ دیا سمجھو اُسے پتّھر کی لکیر | فرق اُس میں نہ کبھی بال برابر ہوگا
نورِ الفت کے سوا کچھ دلِ صافی میں نہیں | نالہ جو اُٹھیگا آئینہ کا جوہر ہوگا
صاف و شفّاف ہے آئینہ صفت دل اپنا | میل لائیگا جو ہم سے وہ مکدّر ہوگا
ہوگیا وقت ہر اک شے کا مقرر کب کا | وصلِ جاناں کا مگر وقت مقرر ہوگا
کل کے خطبے کی تو شب رندوں نے دیکھی تفسیر | آج کیا حضرت واعظ سرِ ممبر ہوگا
زاہد آئینہ ہے مرکوزِ دل اس حلقہ میں | شیشۂ مے تجھے آئینۂ محشر ہوگا

ولہ

کیا ہوا مرکزِ ہستی اگر انساں نہ ہوا | آبرو خاک ہے قطرہ کی جو طوفاں نہ ہوا
سخت مشکل ہے کہ ہمت یہ ہوئی سہل پسند | کام ٹھہرا وہی دشوار کہ آساں نہ ہوا
پھر عجب کیا ہے عدم سے جو ہوئی دلچسپی | درخورِ وسعتِ دل عالمِ امکاں نہ ہوا
کھیل سمجھا کئے عالم کے کرشموں کو ہم | دلِ خود رفتہ کسی بات سے حیراں نہ ہوا
ہیں مرے دل میں وہ آہیں نہ نہیں جو بجلی | آنکھ میں ہے مری وہ قطرہ کہ طوفاں نہ ہوا
حوصلہ کس کو ہے دل چیر کے دکھلاؤں کسے | وہ شرر اس میں ہے جو سنگ میں پنہاں نہ ہوا
جامہ پہنے رہا پروانوں کی جانبازی کا | شعلہ فانوس کے پردے میں بھی عریاں نہ ہوا
قید میں سبحۂ و زنّار کی پھنستا کیونکر | حلقہ در گوش رہا مرکزِ ایماں نہ ہوا
غم رہا اُن کا جو دوزخ میں پڑے جلتے ہیں | میرے خوش ہونے کا جنّت میں بھی ساماں نہ ہوا

اب تو یہ حضرت ساحر کو شکایت نہ رہی

کیفیؔ سحر نوا آج غزل خواں نہ ہوا

یا الٰہی مجھ کو یہ کیا ہو گیا
دوستی کا تیری سودا ہوگیا

دوستی کیا ہمسری کا دھیان ہے
قید سے آزاد اتنا ہوگیا

کیسی آزادی اسیری کیا ہے شے
جب فنا رنگِ تمنّا ہو گیا

جب تمنّا اور ڈر جاتا رہا
تو ہر اک شے سے مبرّا ہوگیا

یوں مبرّا ہو گئی جب کوئی ذات
بند پھر نغمہ صفت کا ہوگیا

جب ہوا اوصاف سے کوئی بری
عیب کیونکر اُس میں پیدا ہوگیا

خود پرستی یا اسے جو کچھ کہو
اب تو یہ عالم ہمارا ہوگیا

بیخودی نے محو حیرت کردیا
آپ میں اپنا تماشا ہوگیا

جسکو دیکھا آپ ہی آیا نظر
رنگ اب کیفیؔ یہ اپنا ہوگیا

کرشمہ ریزیِ حُسن سے کیوں بھٹک رہا ہے تو دنگ ہوکر
شکستہ پا ہوکے کاش گرتا اک آستانے پہ سنگ ہوکر

شکست رنگ امید کی ہے صدا وہ ضبط آزما کہ نکلی
گلوے مینا سے ہوکے قلقل جگر سے یم کے ترنگ ہوکر

ہے دعوئے عشق خامکاری یہ ظالم ایسا ہے سمِّ قاتل
چڑھا جو سر کو بخار بن کر تو دل میں بیٹھا ہے زنگ ہوکر

تعطّلِ حسِّ ظاہری بھی نہیں سکونِ دلی کا موجب
کہ صبر سے ایک لحظہ بیٹھا کہیں نہ تیمور لنگ ہوکر

یہ باغ عالم ہے جائے عبرت دو روزہ دولت ہے حسن صورت
وہ پھول کانٹوں میں رل رہا ہے جو سر چڑھا شاخ و سنگ ہوکر

شباب میں بھی عجب فسوں تھا بہار ہستی تھی یا جنوں تھا
جو سر میں آیا سرور ہو کر تو دل پہ چھایا اُمنگ ہو کر

ہے انکی گمنامی عین شہرت ہے ان کی وارستگی تشخّص
کہ روشناسِ شہ و گدا ہیں فقیر بے نام و ننگ ہو کر

وہ حُسن نے پائی رم شعاری ہے جس سے چشم سراغ عاری
ہوا میں بُو ہو کے جا سمایا کھلا رخِ گل پہ رنگ ہو کر

کرشمۂ حُسن جانستاں کی ستم ظریفی کا کیا بیاں ہو
کہ دل میں یہ درد بن کے بیٹھا جگر سے نکلا خدنگ ہو کر

نہ کوہ و صحرا میں نکلی حسرت کہیں بھی پائی نہ جب فراغت
میں نقطۂ دل میں آ سمایا جہاں کی وسعت سے تنگ ہو کر

یہ مجھ کو بیحس کیا ہے کیفیؔ مئے محبّت کی بیخودی نے
کہ خواہشیں دل کی اُڑ رہی ہیں گلوں کے چہرے کا رنگ ہو کر

کہاں تم رہ سکو گے مجھ سے پردے میں نہاں ہو کر
یہ چھپنا آنکھ سے ممکن نہیں دل میں عیاں ہو کر

خیالِ یار ہم سے دُور ہو تو پھر کہاں ہم ہوں
سمایا ہے رگوں میں خون ہو کر تن میں جاں ہو کر

کیا دم ناک میں اس دانتا کلکل نے زمانے کی
رہے کب تک کوئی بتّیس دانتوں میں زباں ہو کر

شہیدستانِ الفت گر تمنّا جذب کی کرتے
اثر آہوں سے اُڑتا پیرہن کی دھجیاں ہو کر

نہ آنا تھا نہ آیا چین بیمارِ محبّت کو
کسی صورت۔ کسی پہلو۔ یہاں رہ کر وہاں ہو کر

نئے روپ اور رنگت سے مرے ارماں نکلتے ہیں
شرارِ آہ ہو کر۔ اشک ہو کر اور فغاں ہو کر

پتا پوچھو نہ تم گم گشتگانِ راہ الفت کا
ہیں عنقا کی طرح مشہور بے نام و نشاں ہو کر

کروں رو دھو کے جی ہلکا تو کس کے سامنے یارب
جنوں سا لگ گیا ہے ہمنشیں کو رازداں ہو کر

جو دیکھا بیکسی گورِ غریباں پر برستی ہے
تو حسرت چھا گئی ہے شمعِ کشتہ کا دھواں ہو کر

تم اب خود دیکھ لو اعجاز کیا ہے بزم ساقی میں
جو ناصح بنکے آئے تھے گئے پیر مغاں ہو کر

ولہ

عہد وفا سے یہ نہیں اقرار ہی نہیں
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں انکار ہی نہیں
اُن کو تو ضد یہ ہے کہ نہ ہوگا جو میں کہوں
بھولے نہیں وہ قول سے انکار ہی نہیں
کیا بھولے بنکے کہتے ہیں پھر کوئی کیا کرے
اُس کو تو اک جنوں ہے وہ بیمار ہی نہیں
اس کا علاج ایک ہے اب تم سے کیا کہیں
اچھا دوا سے ہو یہ وہ آزار ہی نہیں
نظروں میں تیرا داؤں ہیں خنجر بھرے ہوئے
پھر کیا ہوا کمر میں جو تلوار ہی نہیں
گل کیا ہے پتّے پتّے میں اک شان دلبری
آنکھیں تمھاری طالب دیدار ہی نہیں
اب آپ ہی بتائیں کہیں کس سے کیا کہیں
جب کوئی امر حق کا روادار ہی نہیں
کایا پلٹ ہوا ہے زمانہ کچھ اس قدر
وہ خلق وہ سلیقۂ گفتار ہی نہیں
دنیا کی بات کیفیؔ بیہودے سے کیا کریں
مست الست وہ تو ہے سرشار ہی نہیں

پردہ دار ہستی تھی ذات کے سمندر میں
حُسن خوب کھل کھیلا اس صفت کے منظر میں
حُسن عشق میں ہے یا عشق حُسن میں مضمر
جوہر آئینہ میں یا آئینہ ہے جوہر میں
عشق محشر آرا کی طور پر گری بجلی
حُسن لنترانی کی رہ سکا نہ چادر میں
خاک دیر و کعبہ کی خوب چھان لی تو نے
اب ذرا جھکا کر سر دیکھ من کے مندر میں
دیکھ اے تماشائی گل ہے رنگ بو بالکل
امتیاز ناممکن ہے عرض سے جوہر میں
گل میں اور بلبل میں کون جانے کیا گزری
چشم پوش ہستی تھی اس برہنہ منظر میں
اوچھی بناتے ہیں حُسن کو سخن گو کیوں
کاٹ اُن اداؤں کا کب ہے تیغ و خنجر میں
فرط سوز الفت میں دیکھ کر سکون دل کا
بجلیاں مچلتی ہیں بادلوں کے محشر میں
چارہ گر کو حیرت ہے ارتقائے وحشت سے
پالوں میں جو چکر تھا آرہا ہے وہ سر میں
حسرت اور ارماں کی ہو کہاں سے گنجایش
ہے وہی میرے دل میں ہے وہی مرے سر میں

ہوں وہ رند یا صوفی مست اُسکی دھن میں ہیں
جانے کتنے میخانے بھر دئے ہیں کوثر میں

چرخ کیا اُتر آیا آج فرش گیتی پر
رند بھی ہیں چکر میں میکدہ بھی چکر میں

مے وہ ہوش بر افگن اور نظر وہ صہبا پاش
مست کیوں نہ ہو کیفی ایک دو ہی ساغر میں

ولہ

غم دنیا نہیں پھر کونسا غم ہے ہم کو
فکر و اندیشۂ عقبےٰ سے بھی رم ہے ہم کو

دہن غنچہ سے پیغام وفا سنتے ہیں
غازۂ عارض صد ہست عدم ہے ہم کو

قول یہ سچ ہے کہ خود کردہ کا درماں کیا ہے
داور حشر پہ ناحق کا بھرم ہے ہم کو

اُگلے لقموں میں نہیں قند مکرّر کا مزا
سخت بے لطف حیات پیہم ہے ہم کو

زیست کی کشمکش اور مرگ کی قربت کا الم
آمد و رفت نفس تیغ دو دم ہے ہم کو

بیٹھے بیٹھے جو کٹے بھر تگ و دَو سے حاصل
ہر نفس جادۂ ہستی میں قدم ہے ہم کو

ذرّہ ذرّہ میں نظر آتی ہے تصویر صنم
سر بسر رُو کش صد دیر حرم ہے ہم کو

حال دل لکھتے نہ لوگوں کی زباں میں پڑتے
وجہ انگشت نمائی یہ قلم ہے ہم کو

آنکھ کیا ڈالئے اُس گل پہ جو کُمھلا جائے
کیفی دل اپنا ہی گلزار ارم ہے ہم کو

لطفِ ایام جوانی اور ہے
دن کٹے کی زندگانی اور ہے

الفتِ دل کی نشانی اور ہے
ظاہری شیریں زبانی اور ہے

ہیں بناوٹ کی یہ سب باتیں حضور
دل سے ہو جو مہربانی اور ہے

کیا ہوا دنیا پہ جو قبضہ کیا
ملکِ دل کی حکمرانی اور ہے

داستانِ عشق تم مجھ سے سنو
قیس و لیلےٰ کی کہانی اور ہے

ذرّہ ذرّہ سے عیاں نور ازل
اب کی طرز لنترانی اور ہے

برق میں شعلے میں یہ گرمی کہاں
سوزشِ درد نہانی اور ہے

آدمی بت اور بت تصویر ہو
گفتگوئے بے زبانی اور ہے

اب تو جاتے ہیں ملینگے پھر کبھی ۔ گر یہاں کا دانہ پانی اور ہے
بندشِ الفاظ ہے کچھ اور شے ۔ لطفِ اسلوبِ معانی اور ہے
اسکو کیفیؔ کب پہنچ سکتا کوئی
میرؔ کی شیوا بیانی اور ہے

زندگی کا کس لئے ماتم رہے ۔ ملک بستا ہے مٹے یا ہم رہے
دل رہے پیری میں بھی تیرا جواں ۔ آخری دم تک یہی دم خم رہے
چاہئے انسان کا ہو دل غنی ۔ پاس مال و زر بہت یا کم رہے
کیا اُسی جنّت کی یہ تحریص ہے ۔ جس میں کچھ دن حضرتِ آدم رہے
وصل سے مطلب نہ رکھ تو عشق کا ۔ دم بھرے جا دم میں جب تک دم رہے
لاگ اک دن بن کے رہتی ہے لگاؤ ۔ ہاں لگاوٹ کچھ نہ کچھ با ہم رہے
عشق نے جس دل پہ قبضہ کر لیا ۔ پھر کہاں اُس میں نشاط و غم رہے
شرق سے جب نور چمکا پھر کہاں ۔ برگِ گل پر قطرۂ شبنم رہے
حُسن کی دنیا کا دایم ہے شباب ۔ حشر تک اس کا یہی عالم رہے
ہے سرورِ حُسن کیفیؔ لازوال
درخورِ ظرف اس میں بیش و کم رہے

اک خواب کا خیال ہے دنیا کہیں جسے ۔ ہے اُس میں اک طلسم تمنا کہیں جسے
اک شکل ہے تفنّنِ طبعِ جمال کی ۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں دنیا کہیں جسے
خمیازہ ہے کرشمہ پرستیٔ دہر کا ۔ اہلِ زمانہ عالمِ عقبیٰ کہیں جسے
اک اشک وارمیدۂ ضبطِ غمِ فراق ۔ موجِ ہوائے شوق ہے دریا کہیں جسے
باوصفِ ضبط رازِ محبت ہے آشکار ۔ عقدہ ہے دل کا عقدِ ثریا کہیں جسے
بر ہمزنِ حجاب ہے خود رفتگیِ حُسن ۔ اک شانِ بیخودی ہے زلیخا کہیں جسے

عکس صفائے قلب کا جوہر ہے آئینہ
وارفتۂ جمالِ خود آرا کہیں جسے
رم پیشوہ ہے صنم تو ہے رم آشنا یہ دل
حاصل ہے مجھ کو عیش مہیا کہیں جسے

سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں دہر کا وجود
کیفی یہ بات وہ ہے معمّا کہیں جسے

جس کو ظاہر نہ کیا شعلۂ سینائی نے
راز وہ فاش کیا حُسن کی رعنائی نے
چشم دل وا ہوئی اے حُسن محبّت بیدار
طرفہ جادو یہ جگایا تری انگڑائی نے
گل پہ بلبل ہے فدا سرو پہ قمری ہے نثار
گل کھلائے ہیں یہ کس کی چمن آرائی نے
کر دیا کثرتِ جلوہ نے نظر کو خیرہ
دیکھنا تھا جو نہ دیکھا وہ تماشائی نے
دلِ صافی میں نہیں جوہرِ ذاتی کے سوا
دیکھ لو رکھ کے ہزار آئینوں پر آئینے
ایک دم بھی نہ تصور میں اکیلا چھوڑا
انجمن میں مجھے رکھّا مری تنہائی نے
پیکرِ خاک ہے تو چرخ پہ چھا مثلِ غبار
تجھ کو مٹّی میں ملایا ہے جبیں سائی نے
روحِ تازہ دلِ مردہ میں سرایت کرتی
مردہ تن ہی تو کئے زندہ مسیحائی نے
کاش ہر چیز میں تو اپنا ہی جلوہ دیکھے
محو کر رکھّا ہے تجھ کو جو خود آرائی نے

سوچ تو کس کو سناتا ہے یہ باتیں کیفی
تجھ کو دیوانہ بنایا تری دانائی نے

نسیم باغ ارم ہے صبا جہاں کے لئے
نہیں وہ روح رواں صرف گلستاں کیلئے
ہے مہر و ماہ کا فیض ایک سا ہر اک شے پر
یہ راہ باٹ کے دیوے ہیں کل جہاں کیلئے
زباں بنی ہے بشاشت کا راگ گانے کو
نہ داستانِ غم و حسرت و فغاں کیلئے
کھلینگے دیدۂ دل چھوڑ گریہ۔رہ آنند
ہے سرمہ خاکِ الم چشمِ خوں فشاں کیلئے
تو مست کھا کے ہے پھل اور سونگھ کر یہ پھول
نہ تجھے مزے یہ مشام اور فقط دہاں کیلئے

ہو نورِ حسن جو دل میں تو ہر نفس تیرا
شمیم باغ جناں ہو مشام جاں کے لئے

سمجھ کے زیست کو دو روزہ کیوں ہوا مایوس
جہاں ہے تیرے لئے اور تو جہاں کے لئے

جو موت آنی ہے آکر رہیگی اپنے آپ
تو پالتا ہے یہ کیوں روگ اپنی جاں کیلئے

شباب جیسے لڑکپن کے بعد لابُد ہے
اسی طرح ہے بڑھاپا بھی ہر جواں کیلئے

بنی ہے تیری ہی خاطر تو ساری موجودات
زمیں کا لقمہ نہ تو جو رِ آسماں کے لئے

جو کائنات کا خلاق ہے خدا تیرا
تو دل میں آگ نہیں کیوں ہر انس و جاں کیلئے

ہے وقت حل ہو معمائے حال و استقبال
زمانہ یہ نہیں ماضی کی داستاں کے لئے

عیاں جو ہے اُسے پنہاں پہ چھوڑتا کیوں ہے
کیا یہاں کا ہی کام آئیگا وہاں کے لئے

نہیں ہے تجھ میں جو ایثار اور جانبازی
تو مُنہ اُٹھائے چلا کیوں ہے امتحاں کے لئے

ہو جس میں حوصلہ وہ ڈگڈگائے یہ ساغر
ہے ظرف کی بھی ضرورت مئے مغاں کے لئے

اٹل ہے عزم ہی تیرا نہ حوصلہ ہی بلند
مُرَمّے کس لئے پھر تو نے آسماں کے لئے

رہین بخت کا اختر بھی اوج پر ہو گا
بنینگے اور ستارے "حبب" آسماں کے لئے

تو ہی دلوں کو ہے میدانِ امتحاں دنیا
تماشا گاہ ہے اک قلبِ ناتواں کے لئے

وہ آئیں بزمِ عمل میں جو کام کے ہیں لوگ
جگہ نہیں یہ تماشائی نوحہ خواں کے لئے

تسلّی رکھ ابھی ترکش سے آیا چٹکی میں
جو تیر چاہئے اس سینۂ تپاں کے لئے

جو حوصلوں کو اُبھارے وہ جذبِ شانِ قلم
اُجالے قلب کو یہ شرط ہے بیاں کے لئے

تو کیا غرابت و تعقید لے کے بیٹھا ہے
دلوں پہ قبضہ ہے معراج ہے زباں کے لئے

غزل نے پائی ہے کیفی نئی نرالی شان
یہ ظرف تنگ نہیں وسعتِ بیاں کے لئے

انتخاب کلام فارسی

بیا ساقی بدہ گردش بہ محفل جامِ مینا را
بدرکن از دلِ رنداں غبارِ رنجِ دنیا را

چہ رنجِ دہر ایں بازیچۂ اطفال را ماند — بزن یک جام و از سر پاک برکن فکرِ عقبیٰ را
گر آید گر بہ بالا خوانیِ ایں چرخ فرو پایہ — بیفگن ورتہ تحت الثریٰ عقدِ ثریا را
چہ وقتِ خوش قدح برکش ز دستِ ساقیِ مہوش — غمِ دنیا و دیں از خطّۂ نظری شدہ مارا
تصرف بر حواسِ خویش شرطِ بادہ پیمائیست — دہد ساقی نہ ایں پیمانہ دستِ بادپیما را
سویدا می شود ہر قطرۂ خوں در تنِ عاشق — چہ دانی منزلت اے چارہ گر ایں جوشِ سودا را
چو ذوقِ دردِ مضرابے پئے تارِ نفس آمد — پذیرد کے مریضِ عشق از عیسیٰ دوا را
گرت چشمِ بصیرت ہست در ہر ذرہ دریابی — تجلائے کہ سر در پائے خود افگند موسیٰ را
در آشوبِ تمنائی کہ آزادی ازاں خواہی — ہنوز اندر قفس دانند مرغِ رشتہ برپا را
میسر شد کسے راپئے سپردن در رہِ الفت — زپا از پنجۂ مژگاں برآرد خارِ صحرا را
بہ خود چوں در زند خود را اُو رشہوار می گردد — کمالِ قطرہ افزوں می کند توقیرِ دریا را

ترا معجز بیاں گفتن سزد اے کیفیِ خوش گو
کہ در یک کوزہ کردی آبِ رکنا باد و جمنا را

شہیدِ خنجرِ نازِ تو تیغ دارانند — نثارِ گردۂ کوئے تو شہریارانند
ترا حیا و مرا ضبطِ عشق شد غماز — زبانِ حال شناسا چہ پختہ کارانند
بہ آہ و گریۂ عاشق فلک ہم آہنگ است — ظہورِ جذبِ دلِ خستہ باد و بارانند
مسلّم ست کہ ہست اضطراب ضدِ سکوں — اسیرِ عشق ازیں راہ بیقرارانند
ز فورِ نورِ جمالش حجابِ چشم گشت — خوشا کساں کہ طلبگارِ پردہ دارانند
کجائی ساقیِ مہوش بیا و حلقہ بزن! — کہ مستِ ساغرِ دل جملہ میگسارانند
بیا بہ بزم نما جلوہائے حسنِ ازل! — ز شوقِ چشم بہ راہت امیدوارانند
نہ ارزد ایں کہ تو ساغر کشیدی بر سرِ شیخ! — بہ بیں غریقِ خمِ بادہ۔ بادہ خوارانند
بہ بزمِ ساقیِ ما بیں کہ طرفہ یکرنگیست — بہ حالتے ہمہ مستاں و ہوشیارانند

مگر بود که آہنگ من یکے فہمند　زقید کعبہ و دیراں کہ رستگار انند
منم نہ کیفی جام مغاں کہ مست الست
زرنگ مستیم آگاہ راز دار انند

راحت جاں افتنہ سامانی ہنوز　در دل واز دیدہ پنہانی ہنوز
ذرہ ذرہ آئینہ دار جمال　آشکار از پنہانی ہنوز
مایۂ ہستی دل و دل نذر تو　تانہ پنداری کہ ارزانی ہنوز
خود شناسی ہست از خود رفتگی　تو نہ آنی خود کہ میدانی ہنوز
دل رہین یاس و جاں وقف سکوں　ایں چنیں ذوق تن آسانی ہنوز
کارفرما ہست در ہمت کہ بود　سحر ایں ہنگامۂ فانی ہنوز
تو بہ حاشا کہ اہل درد عشق　در پئے تاشیر و درمانی ہنوز
می شناسی صومعہ را از حرم　شادزی یار امسلمانی ہنوز
حل راز عشق می خواہی زعقل
دم مزن کیفی کہ نادانی ہنوز

ساقیا رطل گران دہ در خمار افتادہ ام　از غم دنیا و عقبیٰ زیر بار افتادہ ام
از کف افسوس یاراں دستگیری مشکل است　من برنگ سبزہ در پائے چنار افتادہ ام
خاکسارم گو بہ ظاہر نسبت اعلیٰ مراست　مثل آب جو ز تیغ کوہسار افتادہ ام
جوہر ذاتم بہ میزان فلک سنگین شد　تاز چشم اعتبار روزگار افتادہ ام
استوارم لیک ز آشوب زماں ایمن نیم　سایہ بر آبم ز سرو جوئبار افتادہ ام
راحت و رنج دو عالم محو گردید از دلم　تا من از تیر نگاہ تو شکار افتادہ ام
زاہدا جذب و کشش دارد چہ خاک میکدہ　بارہا استادہ گشتم بار بار افتادہ ام
مشک در تاتار کیفی کے ہمی ازرو بہ ہیچ

قدر من افزود تا دور از دیار افتاده ام

من نہ از گفتۂ ہماں و فلاں می گویم | آنچہ دارم بہ دلِ خویش ہماں می گویم
اے بسا من سخن از راز بہ خود می رانم | داوری ہائے جہاں را بہ جہاں می گویم
در دلِ آئینہ جوہر صفتم جلوہ نما | آنچہ از حال تو پیداست ہماں می گویم
سر کنم زمزمۂ عشق و محبت شب و روز | نہ حدیثِ غم و اندوہ و فغاں می گویم

ہندیم حُبِّ وطن ہست سرورم کیفی
ایں سخن گرچہ بہ حرفِ صفہاں می گویم

نیست آساں بہ رہِ عشق تو قرباں بودن | تا ز ہر موئے تن آید نہ رگِ جاں بودن
ہست در قعرِ فنا گوہرِ محبوبِ خلق | نیست آساں بخدا یوسفِ کنعاں بودن
جامہ شد جملہ قبا جوشِ جنون است ہموں | کاش بودے پئے ہر چاک گریباں بودن
طرّہ بر طرّہ کشودہ و نہ دلے رفت ز دست | از خم زلف بیاموز پریشاں بودن
عشق ایمانِ من و حُسن پرستی دینم | اندریں حال چہ کافر چہ مسلماں بودن

ولہ

ببند دیدہ کہ آں نیست کفر و ایماں بیں | نظارۂ کہ جہاں دیدہ است کم آں بیں
شگاف و چاک دل خستہ کے تو انی دید | نگاہ نیست ہمیں چاک جیب و داماں بیں
بہ کُنہِ عشق نہ رسیدہ ز علم می لافند | بہ خیرگی و دلیری نکتہ چیناں بیں
بیا بہ چشم و باز از گدا نہ عشق ملاف | نہاں بہ پردۂ چشم ہزار طوفاں بیں
بہ حُسن نرگس و ریحاں چہ می فروشی دل | فگن بہ سینۂ سر و طرفہ تر گلستاں بیں
دل و جاں بیقرارم نپذ از غمِ جدائی | سزدار ز مہر رویت بہ مریضِ خود نمائی
ہمہ تن غبار گشتم بہ رہت نثار گشتم | بہ ہوائے آں کہ گاہے سرِ رہگزار آئی
ہمہ فخر و بے نیازی ہمہ غمزہ عشوہ سازی | من و عجز و راستبازی تو و ناز و کج ادائی
تو ز صدق دور گشتی ز ریا نفور گشتم | بہ تو زاہدا مبارک رہ و رسمِ پارسائی

کرنل سر کیلاس نراین ہاکسر۔ کیلاسؔ

تو ز دیر چوں گسستی بہ حرم دل از چہ بستی ۔ نہ ایں راز بر تو وا شد کہ خدا ہست در خدائی
ہمہ رند میگساراں ز زمانہ رستگاراں ۔ ق ۔ بہ ولائے دوستداراں ز خلوص آشنائی
در میکدہ کشادند بہ گروہے بار دادند
بہ دروں خرام کیفی کہ تو یار باصفائی

کیلاس ۔ کرنل کیلاس نارائن صاحب ہاکسر بی ۔ اے ۔ سی ۔ آئی ۔ ای
خلف پنڈت ہرنرائن ہاکسر صاحب

آپ کی ولادت باسعادت ۱۸۷۸ء میں بمقام دہلی ہوئی آپ کے دادا صاحب راے بہادر پنڈت دہرم نرائن صاحب ہاکسر سی ۔ آئی ۔ ای اندور میں بعہدہ میر منشی صاحب ایجنٹ گورنر جنرل مامور تھے بعدہ چند سال تک گوالیار میں مہاراجہ مادھوراؤ صاحب سیندھیا کے اتالیق رہے اور بالاخر اسی شہر لشکر گوالیار میں رہگرآے عالم جاودانی ہوئے ۔ آپ کے دادا صاحب کی وفات کے تقریباً تین سال بعد آپ کے والد ماجد نے بھی یہیں انتقال فرمایا ۔ کرنل صاحب موصوف نے وکٹوریہ کالج گوالیار سے امتحان بی ۔ اے الہ آباد یونیورسٹی کا پاس کیا اور بعد سند یابی اسی کالج میں ۱۸۹۹ء لغایت ۱۹۰۲ء آنریری پروفیسر ہسٹری اور فلسفہ کے رہے ۔ بعد ازاں ۱۹۰۳ء لغایت ۱۹۱۲ء آپ سرینت کیلاس باشی مہاراجہ مادھوراؤ صاحب سیندھیا کے پرائیوٹ سکریٹری رہے اور اسی درمیاں میں آپ نے کچھ عرصہ تک عہدہ انڈر سکریٹری پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کی خدمات بھی انجام دیں ۔ ۱۹۱۲ء میں آپ پولیٹکل ممبر حضور دربار مقرر ہوئے چنانچہ ابھی تک آپ اسی عہدہ پر ممتاز ہیں مگر چند سال سے مہاراجگان ہند نے آپ کی قابلیت کی قدردانی فرماکر آپ کو بعہدہ ڈائرکٹر پرنسیز اسپیشل آرگنائزیشن مامور فرمایا ہے اور آپکی خدمات دربار گوالیار سے عاریتاً لے لی ہیں ۔ اسی سلسلہ میں صاحب ممدوح نے

کئی بار انگلستان تشریف لیجاکر وہ کام انجام دئے ہیں جو فی زمانہ کسی پر مخفی نہیں ہیں آپ نے ریاست گوالیار میں جس قابلیت و محنت و جانفشانی و دیانت سے کام انجام دیا ہے اگر اُسکی تشریح کی جاوے تو اُس کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ حضور مہاراجہ صاحب بہادر کیلاس باشی آپ کو ایک انمول مددگار و جاں نثار اور ایک بے نظیر وفادار سمجھتے تھے جسکی تصدیق آپ کے ٹائیٹل مشیر خاص بہادر سے بھی ہوتی ہے۔ کرنل صاحب موصوف کو حضور کیلاس باشی شبانہ روز ایوان شاہی میں اپنے پاس ہی رکھتے تھے اور کسی وقت بھی اُن کو آپ کی جدائی گوارا نہوتی تھی۔ جسوقت کہ مہاراجہ مادھوراؤ صاحب فرمانروائے ریاست گوالیار نے بمقام پیرس اس جہان فانی کو پدرود کیا تو اُس وقت بھی کرنل صاحب موصوف حضور ممدوح کے پاس تھے بلکہ جہاں تک معلوم ہوا ہے حضور کیلاس باشی انھیں کے زانو پر واصل بحق ہوئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کرنل صاحب موصوف اپنے اوصاف حمیدہ کے خود ہی جواب ہیں آپ کو ذہانت و ذکاوت و فراست خداداد حاصل ہے جو انسانی کوشش سے میسّر ہونا دشوار ہے۔ آپ کی تحریر انگریزی بے نظیر ہے تو تقریر بے مثال ہے کسی صاحب نے آپ کی شان والا میں کیا خوب کہا ہے۔

آپ کے حسنِ لیاقت کی کروں کیا توصیف / قافیہ تنگ ہے میرا مری عاجز ہے زباں
اہلِ علم۔ اہلِ عمل۔ اہلِ ذکا۔ اہلِ خرد / اہلِ سیف۔ اہلِ قلم۔ اہلِ ہنر۔ اہلِ زباں
عقل سے علم سوا۔ علم سے ہے عقل مزید / اسپہ نازاں ہے جو وہ اُسپہ ہے وہ بھی نازاں
علم انگریزی میں وہ آپ نے پایا ہے کمال / کہ ہیں سب اہل فرنگ آپ کے آگے حیراں
جو یہاں آپ کو سرگرم تکلّم دیکھے / شہر لشکر پہ گذرنے لگے لندن کا گماں
آپ حل کردیں اگر عقدہ ہو مالاینحل / آپ کی عقل غضب۔ فہم بلا۔ عمر جواں

آپ دربار میں اس طرح نظر آتے ہیں — جسطرح بزم میں ہو شمع ۔ کہ ہو جسم میں جاں

آپ کی ذات سے ہے قوم کا بھی روشن نام — کہ ہیں کشمیریوں کے آپ یہاں پشتیباں

قوم کا فرض یہ ہے آپ پہ ہو دل سے نثار — کون ہے وہ جو نہیں آپ کے زیرِ احساں

آپ کو دیکھ کے ہوتی ہے مسرت دل میں — فکر و اندوہ کا رہتا نہیں پھر نام و نشاں

آپ کی دید سے بیمارِ غم اچھا ہو جائے — ناتواں دیکھے تو حاصل ہو اُسے تاب و تواں

آپ کے حق میں نکلتی ہیں دعائیں دل سے — ہر بنِ مو مرا کہتا ہے یہی ہو کے زباں

یا الٰہی رہیں جب تک یہ مہ و خور روشن — اور جب تک رہے گردش میں یہ چرخ گرداں

صورتِ باغ تر و تازہ رہیں آپ سدام — سایۂ عاطفتِ شاہ میں با امن و اماں

فتح و نصرت ہو پرستار ہمیشہ کے لئے — مہرِ اقبال رہے آپ کے گھر میں رخشاں

روز افزوں ہو ترقئ زر و عیش و طرب — شاد و آباد رکھے آپ کو ربِّ دو جہاں

شاد سے بڑھکے نہیں کوئی لُغت دفتر میں — چھان مارو جو جہاں ہند سے تا انگلستاں

لکھے بُرہان سے تا قاطع بُرہاں دیکھو تا — اسی اک لفظ میں مضمر ہے مرادِ دو جہاں

ناتوانوں کو توانا ہی مدد دیتے ہیں — شاد و آباد وہی رہتے ہیں بے ریب و گماں

جو کہ دیگا وہی لیگا یہ ہے اک امر بدیہہ — یہی قرآن کہے ۔ یہ ہی کہے وید و پُران

اُسکو سب کہتے ہیں داتا جو دیا کرتا ہے — اور داتا ہے وہی جو کہ ہے ربِّ دو جہاں

دو جہاں تک کہ بنے ۔ دینا ہے فرضِ اعظم — لینا ہے کارِ زناں دینا ہے کارِ مرداں

مہر کی طرح جلال آپ کا چمکے دن بھر — ماہ کی طرح جمال آپ کا شب بھر تاباں

آپ کی استعداد علم فارسی کی بھی درجہ کمال کو پہونچی ہوئی ہے ۔ آپ شاعر نہیں ہیں لیکن اپنی علیت و فطری ذکاوت سے جب کبھی آپ کو نظم لکھنے کا موقع پیش آیا تو آپ نے وہ اشعار موزوں فرمائے جو ہر آئینہ قابل قدر و لایق داد ہیں چنانچہ آپ کا کچھ کلام جو دستیاب ہوا ہے پیش کیا جاتا ہے ۔

نظم تہنیت وقت ولادت باسعادت ولیعہد مبارک یعنی حضور مہاراج جیواجی راؤ سندھیا بہادر

ہزاروں شکر لاکھوں شکر درگاہ الٰہی میں
کلی کے بعد پھول آیا نہالِ باغ شاہی میں

اک ایسا نور چمکا روزنِ دیوار شاہی میں
سپیدی گھول لی تقدیر نے اپنی سیاہی میں

سمندر کہہ رہا ہے چپکے چپکے گوش ماہی میں
مبارک ہو خدا نے لعل بخشا قصر شاہی میں

کسر عزت کی کیا تھی اس سے پہلے تاج شاہی میں
اب اک طرّہ زیادہ ہوگیا ہے کج کلاہی میں

خدا نے پھل جو لکھا تھا نصیبِ عالیجاہی میں
بہاریں لیکے آخر آہی پہونچا باغِ شاہی میں

اک ایسا ناخدا آیا کہ دریا نے قسم کھالی
کہ اب میں ایک بھی کشتی نہ ڈالونگا تباہی میں

زوالِ تیرہ بختی کے لئے تعطیل ہے کچھ دن
قلم بھی اب کئی دن تک نہ ڈوبے گا سیاہی میں

دعا کیا موتیوں والیکے بیٹے کے لئے کی تھی
جو چلّہ کھینچ کر یونس رہے تھے بطن ماہی میں

خدا سے یہ دعا آٹھوں پہر کیلاس کرتا ہے
بسر ہو عمر یونہیں دامنِ دولت پناہی میں

مناجات

خدایا حال من غیر است اکنوں
دلم خستہ و بشکستہ و پُر خوں

ترا شایان کنی بر من ترحّم
مرا واجب کنم قطعِ تنعّم

زمان بے بہائے عمر خود را
تصرّف کردہ ام بیکار و بیجا

عبث کردم فرامش وعدۂ خود
نکردم خیر در امکان من بود

حقیرِ کون را نعمت شمردم
عمل والنّتہ سم را من بخوردم

کنونم شد زماں از دستاے وائے
سزد گر نالہ پردازیم چوں نائے

لعینِ نفس این بربادیم کرد
مطیع و ساعیِ دنیائے دوں کرد

چناں در بند خود این زال پیچید
کہ یابم ہستیِ خود من بوا دید

تسلسل بوده است افعال مذموم
ندانم چارۂ از طالع شوم

ز تو دارم امید رستگاری
قلم در کش گنا ہم را تو باری

کنوں شرم آیدم از کردۂ خود
قصورم نیست شیطاں رہبرم بود

برفتم ہر کجا او رہبری کرد
منِ گمراہ را او گمرہی کرد

خداوندا ہدایت کن تو مارا
براہِ راست در آور تو مارا

کہ جز ذاتِ تو شافیعم کسے نیست
مفر جز دستِ خاوندیِ تو نیست

نصیب من مکن نارِ جہنم
نجاتم وادی ور دنیا چو از غم

چو فردا حال کردارم بہ پرسی
مدہ پاداش اعمالم بہ ترشی

دعائے باگیر اینست شاہا
کہ در آور براہ راست اُو را

گرامی۔ پنڈت شنکر جیو آخون۔ ساکن رعناواڑی سرینگر کشمیر

آپ نے پچہتر سال کی عمر پاکر سمت ۱۹۱۲ بکرمی میں وفات پائی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اُس وقت حکمراں کشمیر تھے۔

رباعی

خارخارے نیست از قاقم قناعت کیش را
پُشت تختِ بہر راحت بس بود درویش را

یک رباعی ہر کہ میگوید گرامی ایں زماں
چوں مسیحا می بَرد بر چرخ چارم خویش را

زاں شمع لالہ رخ ہمہ کس در دو داغ داشت
شعر
پروانہ خویش را ز میاں با چراغ داشت

غزل

نباشد شیوۂ غیر از تحمل بردبارانرا
ز حرف سخت نتوان بردن از جا کوہسارانرا

نباشد در میاں گر روے ابر امروز میدانم
جوابِ صاف خواہد داد ساقی بادہ خوارانرا

گرامی با زبان حال شمع بزم میگوید

باشک و آه باید ساختن بشب زنده دارانرا

چو آب حکم کسے در دیار ما جاریست | کہ خامہ اش چو رگِ ابر در گہر باریست
زبخت خون دلم چشم یار دانستم | کہ ترک آب گرفتن دلیل بیماریست
ہزار داغ فلک خود ز اختراں دارد | ترا توقع مرہم ز چرخ زنگاریست
ہمیشہ برلب فوّارہ ایں سخن جاریست | کہ اوج دولت دنیاے دوں نگونساریست
روشنم گردید ایں معنی زگردِ کارواں | ولہ وقت رفتن زیں جہاں ہر کس مکدر میشود
از پرِ طاؤس ایں معنی گرامی روشن است | ہر کہ دارد بخت سبزے صاحب زر میشود
نے ہمیں از زلف او کارم بجاں افتادہ است | ولہ دل بہ آں چاہِ ذقن زیں ریسماں افتادہ است
ہیچکس بے داغ از دستِ بتانِ ہند نیست | آتشے زیں دودماں در ہر طرف افتادہ است
شمع آساں ایں رہِ تاریک باید کرد صاف | چوں بگردن رفتن ہندوستاں افتادہ است
شب اگر راہِ عدم دشوار پس یاراں چرا | در پئے ہم کارواں در کارواں افتادہ است

ہمچو نارنجے کہ ہر فوّارہ بگذارد کسے
خوف آں خود سر گرامی بر زباں افتادہ است

بسان شمع کافوری نہ تنہا گریۂ شب کردم | چناں از سرد مہری ہاش افسردم کہ تب کردم
ندارم غیر وصفِ چشم خوباں بر زباں حرفے | جدا چوں توأمِ بادام از ہم تا دو لب کردم

گرامی میگزم زاں روے انگشت ندامت را
کہ در ہنگام مستی از لبش بوسہ طلب کردم

نگسلد چوں گہر و رشتہ گرامی از ہم | ہست پیوند سر زلفِ بتاں باسرِ ما

واسوخت مسدس بمنزلہ سراپا

اے سہی سرو خیال قدِ تو یار من است | جلوۂ نازِ تو آرام دلِ زارِ من است
سرکنم شکوہ کہ زلفِ تو درازارِ من است | عشوہ با غیر و تغافل ہمہ در کارِ من است

برمن ایں جور وستم اے شہِ خوباں تاچند
لطف کن لطف کہ برباد تو باشم تاچند

ماہ من رشکِ قمر چہرۂ تاباںِ توشد — نورِ حورِ فلک از جبہۂ رخشاںِ توشد
دین و دل باختۂ نرگس فتانِ توشد — چشم آہو ہدفِ ناوک مژگاں توشد

اے ہلال ابروے خورشید لقا مہر نما
دردمندم نگہے از تو مرا ہست دوا

سرمۂ چشم تو من عین بلا می بینم — وسمۂ ابروئے تو ہوش ربا می بینم
نوکِ مژگانت سرِ خارِ جفا می بینم — عشوہ ات رخنہ گرِ قصرِ وفا می بینم

گوشۂ چشم تو آہوئے حرم کردشکار
چشم عنبر شدہ حیران و گرفت است خمار

رنگ گلگونہ ات اے شوخ صنم رشکِ چمن — خالِ مشکین تو شد داغ غزالانِ چمن
حسنِ جاں بخشِ تو زینت دہِ خوبانِ زمن — کے تواں گوش ترا کرد لقب برگِ سمن

بُن گوشِ صدفیں رنگ ترا بندہ شوم
طرز بیباکی و نیرنگِ ترا بندہ شوم

بینیت برگ گلِ گلبن نازست و ادا — معنیِ شق قمر گشت ہویدا آنجا
غنچہ تنگ است بہ پیشِ دہنِ تو گویا — زاں سبب چاک گریباں زند از بادِ صبا

لب لعلت ز سخن دُرج لعلست و گہر
دُرِ دندانت ز یاقوت لبانت خوشتر

از زبانت چہ دہم شرح کہ گلبرگ تراست — نمک خندۂ تو چاشنیِ گل شکراست
بوسہ ات روح فزا تر ز نسیم سحراست — ذقنت نخل بہی را ز نکوئی ثمراست

زلف پیچاں ترا دام بلا می بینم

گردنت قبۂ از چیترِ صفا می بینم

ہست آغوش تو چوں باغ جنان پُر ز سرور   بدنِ نازکت از زینت وزین غیرتِ حور
برد دوشے بصفا باد گزنداز وے دور   گرد از چاکِ گریبانِ تو خورشید ظہور

سرو را بار نباشد ز قدت شد پیدا
از دو پستانِ مصفّا دو ترنج زیبا

تننت از قند زو قاقم بخدا یاد دہد   عرقت شبنم گلبرگ صبا یاد دہد
چاکِ پیراہنت از نور و ضیا یاد دہد   سینہ ات آئینۂ تازہ جلا یاد دہد

تارِ پستانِ تو افشرد دلم اے رعنا
ساعدت مشعلِ نور است مرا راہ نما

پنجہ ات پنجۂ خورشید جہاں افروز است   بر از حنائے کف تو رنگ شفق فیروز است
ناخنت تاب دہِ ماہ شب نوروز است   شکمت گردۂ مہ را ز صفا جانسوز است

ناف را گر بدہد نسبتِ چشم آہو
خامہ باریک شود از کمرت یکسر مو

درمیان دو سرینت کہ بلور ناب است   ناخنے سر زدہ پنہاں وخفی نایاب است
دستۂ نسترن از ساق تو بس بے آب است   وز کفِ پات چگویم کہ سر سنجاب است

سایہ ات نور دہِ عالم بالا باشد
مہوشے کو کہ بایں حُسن و سراپا باشد

وصف خوبیت ہمیں بود کہ کردند نہاں   در اماں باشں بہ الطاف خداوند جہاں
وار داز لطف گرامی ز تو امید چناں   بگذر از جور و جفا مہر و وفا کن اے جاں

دل خوشم ساز بنازے بہر اندازے
بہ نگاہے سخنے عشوۂ جاں پروازے

شامہ پیرائے دماغ دگرانت بینم — پرتو شمع و چراغ دگرانت بینم
مے گلرنگ ایاغ دگرانت بینم — مایۂ عیش و فراغ دگرانت بینم

مثنوی در زینت بادشاہ

سحرگہ چوں ز شیر آتشیں دم — گوزن و گورکرد از آسماں رم
شکار افگن شکار افگن بہر سو — فرس را کرد مہمیز تگاپو
خدنگش حلقہ بستہ گرد آہو — چو مژگاں گرد چشم آں کج ابرو
غزالے دید ناگہ در تگ و تاز — چو چشم خود سراپا شوخ و طناز
دل صیاد صید گردن او — شکار آہوئے شیر افگن او
بہ نخچیرش شہنشہ آرزو کرد — سمند شیر پیکر گرم پو کرد
غزال از ہیبت آں شیر بدمست — بوحشت زاں شکارستاں بروں جست
شہ از دنبال او گرم تگاپو — رواں آہو دواں شہ در پئے او
رم آہو چشمش گرد انگیخت — تو گوئی سرمۂ افسونگراں ریخت
بگرد دشت گشت و کوہ بنوشت — نہ از کوہش نشانے یافت نہ از دشت
درآں حسرت کہ نیمے رفت از روز — ز گرمی شیر گردوں شد جہانسوز
فلک قارورۂ آتش فشاں شد — بیاباں کوزۂ میناگراں شد
لبش کز تشنگی چوں کوزہ تفتید — زبانش چوں خزف در کوزہ ترکید
چناں از جوش دل آمد بفریاد — کہ آہوئے رمیدہ رفتش از یاد
درآں وادی کہ دشت پر بلا گشت — ز بے آبی شہید کربلا گشت
نہ دریائے رواں جز چشم پر آب — نہ آبے درمیاں جز قطرۂ آب
قضارا دید نزہتگاہے از دور — بنا میزد چو باغ خلد پرنور
سبک رو اسپ چوں باد سحر کرد — نسیم آسا براں بستاں گذر کرد

بهرسو باغ را میگشت و میدید | گل امید از ہر شاخ میچید
چمن گاہش فرح بخش دل تنگ | شگفته ہمچو باغ حسن صد رنگ
نشسته زیر شمشادے کہ یور | بسان عاشقے در پائے دلبر
ہنر پرورده پیرے نغز گفتار | ز نخل عمر برخوردار سرشار
بگفتش اے گل گلزار خوبی | غلامم سرو آزاد تو طوبی
چه نامے نامدارم می نمائی | چه کامے کامگارم می نمائی
ملک گفتش کہ اے پیر نکوفن | سپاہی مردے از فوج شہم من
بہ نخچیر آمدم باشہ سحرگاه | فگندم صید ہا در مطرح شاه
غزالے دیدم از پیغوله تنگ | فرس کردم بصیدش تیز آہنگ
پلنگ آسا براں آہو دویدم | چو عنقا گردے از راہش ندیدم
بروبہ بازی آں صید طنّاز | فتادم از رکاب خسروی باز
ز رنج راه دور و تاب گرما | وے از آب دارم ناشکیبا
ز روے لطف بالب تشنگاں ساز | دریں گرمی بہ آب سرد بنواز
رواں شد در زماں پیر یکبار | ز شاخ ناربن برچید یک نار
لبالب کرد جام از شربت نار | بدست شاه دا داں جام سرشار
بخورد از دست خضر آب حیاتش | رواں شد آب در جوئے حیاتش
زمانے رفته گفتش اے کہن زاد | ز بار غم دلت چوں سرو آزاد
بر باغت کہ شیریں تر ز قند است | زکاتش سوئے دیواں گو کہ چند است
بگفتا شاه نیکو نیّت افتاد | رعیّت از چنیں بند است آزاد
چو شہ بشنید اندیشید زیں پس | اگر بیش و کمی گیرم ز ہر کس
فراہم میشود بے رنج گنجے | زراعت پیشه راز اں نیست رنجے

پس آنگہ رفتن رہ کرد تدبیر
بمنّت خواست جام دیگر از پیر

گراں تمکین سبک از جائے برجست
بخدمت ہمچو ساقی جام در دست

بہ آئیں بختیں چند نارے
کہ ز آبش پُر کند پیمانہ بارے

نہ جامے کفایت کرد آبش
جگر خوں شد چو نار از اضطرابش

گرفت از ناربن یک نار دیگر
دہاں کاسہ نصفے ہم نشد تر

چنیں از شاخ چندیں نار برچید
بر ویش ہم لب ساغر بخندید

زد از حیرت زمانے دست بر دست
بنا کامی ز پائے نخل برجست

برِ شہ نار در دل شد روانہ
گرفتہ برکف آبِ نار دانہ

بنوشانید جامش کام ناکام
خود از اندوہ خوں میخورد چوں جام

شہنشہ نیز ہم زاں شربتِ کم
بلب گر خورد از دل خورد برہم

بدو گفت اے چو من صد تشنۂ آب
ز شربت خانۂ جودِ تو سیراب

دریں نوبت بقرما بر چہ تقدیر
تو خود دیر آمدی و کاسہ باسیر

جوابش داد پیرِ نغز گفتار
کہ اے معنی رسِ ماہیّت کار

نکردہ حرفہ من یا چوں تو مہماں
ز شرمت درگذر در شیرۂ جاں

ولیکن ماجرائے کار اگر ہست
بگویم با تو بر نوع دگر ہست

کہ در اول شدم یک نار چیدم
ز آبش جام را سیراب دیدم

کنوں از یک رساندم کار تا دہ
تہِ ساغر نیامد پُر ز ما دہ

ازیں نیرنگِ رنگ از رہ پریدم
برنگِ نار دل در بر کفیدم

بپرسیدش کہ اے پیرِ کہن سال
چہ باشد باعثِ تبدیل ایں حال

بگفتا اے جوانِ نیک محضر
یقیں دانم کہ شاہِ عدل پرور

بدل اندیشۂ بیداد کرد است
دلِ دولت ز خود ناشاد کردہ است

فلک را نیّت بد نارے افروخت — کہ آب اندر عروق نار بن سوخت

چو بشنید ایں سخن زاں پیرِ دلریش — پشیماں گشت از اندیشۂ خویش

کہ از خود کامی از جویم چنیں کام — نبید خام خونم باد در جام

زباں بار دگر بکشاد از بند — بخواہش گفت اے نخل برومند

سبک برخیز از جا پا برہ نہ — گراں گر نایدت جام گراں دہ

رواں شد سوے نخلِ نار چوں آب — کہ برگیرد ز آبِ نار جلّاب

چو جوے عدل جاری شد دگر باز — قدح لبریز گشت از آب یک بار

ز شادی باز آمد پیشِ مہماں — شگفتہ چوں گل و چوں نارِ خنداں

لبِ ساقی چو خنداں دید چوں جام — بشکرِ عدل شکّر ریخت از کام

بشد جام از کفِ ساقی و نوشید — بشکرانہ کفِ دستش ببوسید

چو از احسانِ خویشم شاد کردی — ز بندِ تشنگی آزاد کردی

کنو دارم امیدے اے نکتہ پرداز — کنی واقف مرا بر رمزِ ایں راز

بگفتش اے جوانِ معرفت جو — نکو راے و نکو روے و نکو خو

مگر نشنیدی از پیرِ سخن سنج — تو ایں پندِ گرامی پُر ز صد گنج

چو نیّت نیک باشد پادشا را
گہر خیزد بجاے گل گیا را
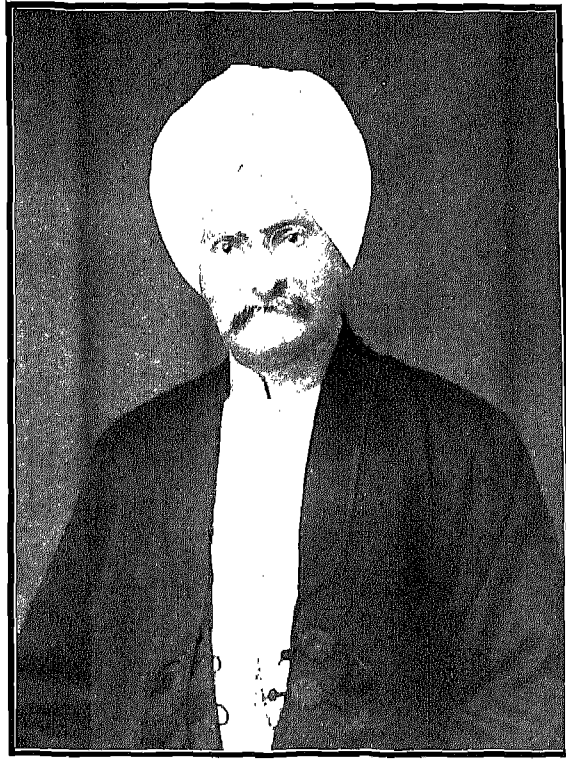
دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول۔ گلشن

گلشن۔ دھرم رتن دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول صاحب

خلف پنڈت دوارکا ناتھ کول صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر پنجاب نبیرہ دیوان پنڈت شنکر ناتھ صاحب کول بھرلالی رئیس و آنریری مجسٹریٹ لاہور

آپ کی ولادت ۹۔ جنوری ۱۸۸۰ء کو لاہور میں ہوئی ۱۸۹۹ء میں ایف اے کا امتحان فارمن کرشچین کالج لاہور سے پاس کیا ۱۹۰۱ء میں بوجوہات خانگی آپ کو کالج چھوڑنا پڑا۔ اور بی۔ اے کی ڈگری آپ حاصل نہ کرسکے۔ آپ پنجاب کے نامی خاندانی رؤساء میں سے ہیں ۱۹۱۶ء میں پنجاب گورنمنٹ نے ڈویژنل دربار کی کرسی کا اعزاز آپ کو عطا فرمایا ۱۸۸۰ء میں گورنمنٹ عالیہ نے ضلع لاہور میں ایک ہزار ایکڑ آراضی کا آسان شرائط کا پٹہ بیس سال کے لئے پنڈت پریم ناتھ صاحب فرزند اکبر دیوان پنڈت شنکر ناتھ صاحب کو اُن کے والد مرحوم کی وفادارانہ خدمات کے صلہ میں عطا کیا تھا۔ اُس جنگل کو آباد کرکے موضع کا نام پریم نگر رکھا گیا اور ۱۹۰۵ء میں جناب گلشن نے اُس کی سند ملکیت حاصل کی۔ آبادی سے ایک میل کے فاصلہ پر ریلوے اسٹیشن بھی موسوم بہ پریم نگر ۱۹۱۳ء میں قائم ہوگیا ہے۔ پریم نگر میں ڈاکخانہ اور مدرسہ آپ ہی کی توجہ سے قائم ہوا۔ اور علاوہ ایک کوٹھی اور باغ کے رفاہ عام کے لئے آپ نے ایک تالاب آٹھ چاہات آبنوشی اور ایک شادی خانہ بھی تعمیر کرایا ہے۔ ماسوا اسکے آپ نے سناتن دھرم کالج لاہور کی لائبریری اور سرسوتی بھنڈار اٹاوہ کے پُستک آلیہ کی تعمیروں اور فراہمی کتب میں۔ اور کشمیری پنڈتوں کی دھرم شالاؤں کی تعمیروں میں جو بمقام اٹاوہ جمنا گھاٹ اور ہردوار اور نیز بندرابن ملحقہ ٹھاکر دوارہ آنندی بائی واقع ہیں زر کثیر صرف کیا ہے۔ امرتسر میں بٹ کھوکے شوالہ کشمیری پنڈتان کے فنڈ۔ دریائے راوی کے قریب جارج گئوشالہ لاہور کے فنڈ۔ کانگڑہ بھگوتی کے نئے مندر کے تعمیری فنڈ اور کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن

لاہور کے قومی اخبار۔ تہواراور سالانہ جلسوں کے انعامات۔ تعلیم اور یتیمان وبیوگان کے امدادی فنڈوں میں کافی روپیہ دیاہے۔ سناتن دھرم کالج لاہور میں آپ کے ۱۹۱۹ء کے ایک مستقل فنڈ سے عہ۵ ماہوار کا وظیفہ ایف۔اے کلاس کے ایک مستحق طالب علم کو ہر سال دیا جاتا ہے اور آپ کورکھشیتر کی کشمیری پنڈتوں کی دھرم شالہ میں ستیہ نارائن کا ایک مندر بھی عنقریب تعمیر کرانے والے ہیں جس کی بُنیاد رکھی جاچکی ہے۔

نیز آپ نے کنگ ایڈورڈ میموریل فنڈ لاہور کو ۱۹۱۰ء میں۔ کارونیشن سیلیبریشن فنڈ کو ۱۹۱۱ء میں۔ پنجاب امپیریل انڈین ریلیف فنڈ کو ۱۹۱۴ء اور ۱۹۱۹ء میں۔ پنجاب ایئروپلین فلیٹ فنڈ کو ۱۹۱۵ء میں۔ موٹر ایمبولینس فنڈ کو ۱۹۱۶ء میں۔ سنٹ جارج ایمبولینس لوکل کمفرٹس فنڈ کو ۱۹۱۶ء میں۔ لیڈی او ڈائرز پنجاب کمفرٹس فنڈ کو ۱۹۱۷ء میں۔ اوّل و دویم انڈین وار بونڈ کو ۱۹۱۸ء میں۔ لیڈی چیمس فورڈ میٹرنٹی اینڈ چائلڈ ویلفیئر لیگ کو ۱۹۲۰ء میں۔ پرنس آف ویلز ریسپشن فنڈ کو ۱۹۲۲ء میں اور وائسرائے کے جاپان ریلیف فنڈ کو ۱۹۲۳ء میں اپنے چندوں سے بہت کچھ امداد پہنچائی ہے۔

دیوان صاحب اپنے عقیدہ میں اعلیٰ درجہ کے سناتن دھرمی۔ مخیّر۔ ہمدرد اور منکسرالمزاج ہیں ۱۹۱۷ء سے ۱۹۱۹ء تک سناتن دھرم سبھا لاہور کے آپ وائس پریسیڈنٹ رہ چکے ہیں اور ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۳ء تک آپ نے پنجاب چیفس ایسوسی ایشن کے آنریری اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدہ کی خدمات انجام دی ہیں۔ سناتن دھرم کالج لاہور کی مینیجنگ کمیٹی کے ممبر آپ پانچ سال رہے اور ۱۹۱۹ء سے اس وقت تک شری سنسکرت پُستک اُنتی سبھا اٹاوہ کے بورڈ آف ٹرسٹیز کے پریسیڈنٹ ہیں ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۰ء میں کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور کے بھی آپ پریسیڈنٹ رہ چکے ہیں۔ کین ٹمپرنس فیر۔ پنجاب برہمن سبھا۔ سناتن دھرم سبھا اور کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور کے سالانہ جلسوں کی صدارت کا اعزاز آپکو حاصل ہو چکا ہے۔

۱۹۳۰ء میں شری بھارت دھرم مہامنڈل بنارس نے آپکو "دھرم رتن" کے خطاب کا اعزاز بخشا ہے۔

آپ کی زوجہ محترمہ آنریبل پنڈت بشمبر ناتھ صاحب عرف صاحب ایڈوکیٹ الہ آباد کی پوتی ہیں اور آپ کی اکلوتی دختر پنڈت مدنموہن ناتھ رینہ ایم۔اے۔ایل ایل۔بی ایڈوکیٹ ہائیکورٹ الہ آباد خلف پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر کو منسوب ہیں۔آپ نے بنگلہ نمبر ۱۸۔ البرٹ روڈ الہ آباد موسوم بہ ''سرسوتی نواس'' خرید لیا ہے اور ۱۹۲۱ء سے آپ مستقل طور پر الہ آباد ہیں سکونت پذیر ہیں۔

آپ کو شاعری کا شوق یوں تو کالج کی تعلیم کے زمانہ ہی سے تھا مگر جب سے آپ نے الہ آباد کو اپنا مستقل قیام گاہ قرار دیا اس شوق میں ترقی ہوتی گئی چنانچہ ۱۹۲۲ء و ۱۹۲۴ء میں دو عالیشان مشاعرے آپ نے اپنے بنگلے پر منعقد کئے جن میں منتخب شعرائے دہلی و لکھنؤ و دیگر مقامات کے شریک ہوئے تھے۔جو لطف اُن مشاعروں میں حاصل ہوا تھا وہ ابھی تک ساکنان الہ آباد کے دلوں میں تازہ ہے۔آپ کی شاعری کا ایک خاص رنگ ہے اور اُس رنگ میں آپ خوب کہتے ہیں۔

آپ کی تصنیفات ''پیام گلشن بہ مشتاق جام''۔ ''اتفاق''۔ ''مختلف کھیلوں کے کھلاڑی''۔ ''پن کی کہانی''۔ ''خطاب بہ بھارت''۔ ''خطاب بہ کشمیری پنڈتان'' اور کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور کی چار صدارتی تقریریں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

۱۹۰۱ء میں رامائن اور مہابھارت کی کتھا کے متعلق ایک بند آپ نے کہا تھا وہ درج ذیل ہے

کتھا رام / کرشن جی کی کہانی نہیں ہے
طبیعت کی خالی روانی نہیں ہے

رہائی کے طالب کا رہبر وہی ہے — امر کے شجر کا بھی اک بر وہی ہے
مصیبت کو کاٹے جو خنجر وہی ہے — حقیقت کے عاشق کا دلبر وہی ہے

جو دم بھر کرے رام / کرشن کی یاد جی سے
بجھائے بجھیگی نہ یہ لو کسی سے

سُخن

الفاظ کے ہر پردہ میں مانند بوئے گُل
رہتے ہیں چُھپے رازِ حقیقت کے معانی
جب دل سے کرو ساز تو وہ سوز ہو پیدا
کُھل جائے درِ گلشنِ اسرارِ نہانی

لفظ سُخن تین حروف س ۔ خ ۔ ن سے مرکب ہے ۔ اگر س سے مراد سرچشمہ خ سے خیالات ۔ ن سے نفیس ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ

سُخن نفیس خیالات کا سرچشمہ ہے

دہن میں آدمی کے ہے سُخن گویا زباں ہوکر
سُخن الفاظ کے پیکر میں ہے روحِ رواں ہوکر
سُخن رہتا ہے دائم مُردوں کا اک نشاں ہوکر
سُخن کے پھول کِھلتے ہیں گلستاں بوستاں ہوکر
خدا کا حکمِ کُن بھی اک سخن تھا جسکی قدرت سے
نہاں ارض و سما جو تھے نظر آئے عیاں ہوکر
سُخن واعظ کا کرتا ہے اثر پیدا ہر اک دل میں
کبھی ایمان و دیں ہوکر کبھی وہم و گماں ہوکر
دلِ دشمن کو کرتا ہے سخن تسخیر دم بھر میں
محبّت قطع کرتا ہے کہیں "تیغِ زباں ہوکر
جُداگانہ سُخن کا جلوہ ہے معشوق و عاشق میں
اِدھر ہے آفتِ جاں تو اُدھر آرامِ جاں ہوکر
سُخن سے جبکہ ہوجاتا ہے طاری وجد کا عالم
بیاں کچھ کر نہیں سکتے وہ حالت ہم زباں ہوکر
سُخن ہی کا دھواں تھا جو گُھٹا تھا اُٹھ کے سینے میں
دلِ مظلوم سے نکلا وہی آہ و فغاں ہوکر
سُخن ہی ہے جو بھڑکاتا ہے اک شعلہ عداوت کا
وہی دیتا ہے پیغامِ محبّت درمیاں ہوکر
کبھی بے پردہ ہوتا ہے وہ بنکر رہنما سب کا
کبھی پردے میں آتا ہے سُخن اک رازداں ہوکر
شگفتہ ہیں جو گلہائے سُخن علمی گلستاں میں
بن اُن کی بوئے مستانہ کا شیدا باغباں ہوکر
سخنداناں نامی جن پہ ہم کو ناز ہے اب تک
رہے ہیں اِس سُخن ہی کی زمیں پر آسماں ہوکر
یہ وہ جوہر ہے جسکے جوہری ہی قدرداں دیکھے
صِلہ شاہوں سے پایا ہے سخن نے مدح خواں ہوکر
سخن ہی اک دعا ہے اور سخن ہی بددعا بھی ہے
سُخن کلمہ ہے جو زیبِ گلو ہے حرزِ جاں ہوکر

سخن اک سچا وعدہ ہے جو ہرگز ٹل نہیں سکتا ۔ سمجھ کر قول دے۔ پھر جو منا سب جانِ جاں ہو کر
سخن کندہ نہیں ہے گر تو سکہ بے حقیقت ہے ۔ حقیقت میں سخن ہے حکمراں شاہِ جہاں ہو کر
سخن ہی کی کسوٹی پر بشر کو لوگ کستے ہیں ۔ کھرا کھوٹا نکل آتا ہے آخر امتحاں ہو کر
مُرید و پیر جو پاسِ سخن کرتے ہیں دُنیا میں ۔ چمکتے ہیں وہی روشن ضمیرانِ زماں ہو کر
سُخن ہیں؟ سُخن فہمو! سُخن سنجو! سخندانو! ۔ یہ ہے وقت مدد رہیے سخن کے پاسباں ہو کر

سخن گنجینہ ہے گلشن خیالاتِ نفیسہ کا
لٹاؤ جتنا تم چاہو بڑھے گا بیکراں ہو کر

ناروا بھی ہمکو ناصح سب روا ہو جائیگا ۔ جب کبھی دل اپنا راضی برضا ہو جائیگا
قرض جس جس کا ہے دینا جب ادا ہو جائیگا ۔ قید سے قیدی بھی اپنی بس رہا ہو جائیگا
دل مرا جب رازِ حق سے آشنا ہو جائیگا ۔ اُس کا میں ہو جاؤنگا اور وہ مرا ہو جائیگا
خاک میں جب مل کے تو بھی خاک سا ہو جائیگا ۔ سہل تر منزل کا تیرا راستہ ہو جائیگا
دل کا آئینہ ترا جس دم صفا ہو جائیگا ۔ عکس وحدت دیکھکر اُس میں فدا ہو جائیگا
جب نشانِ بے نشاں ڈھونڈھے گا اپنے دل میں تو ۔ ہو کے روشن داغِ دل خود رہنما ہو جائیگا
لوحِ دل سے جب دوئی کا نقش تو دیگا مٹا ۔ لطفِ دُنیا خود بخود سب بے مزہ ہو جائیگا
کیا رہیگا جُز دلِ بے درد خود غرضوں کے پاس ۔ دل سے درد اور درد سے جب دل جدا ہو جائیگا
نغمۂ دلسوز سُننے کو بھی ترسیں گے یہ کان ۔ ایک دن جب سازِ ہستی بے صدا ہو جائیگا
خواہشوں کا اک عجب پُتلا ہے انسانِ لطیف ۔ جب ہوس بُجھ جائیگی وہ بھی ہَوا ہو جائیگا
چشمِ باطن سے کریگا اپنی جانب جب نظر ۔ تجھ پہ ظاہر زندگی کا مدّعا ہو جائیگا
اسقدر ہے محوِ غفلت کچھ نہیں تجھکو خبر ۔ کیا ہُوا کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو جائیگا

بندۂ عاصی کو گلشن وقت کا ہے انتظار
جب خودی کو چھوڑ دیگا خود خدا ہو جائیگا

نئی تدبیر سے بنتی ہوئی تقدیر دیکھیں گے
جب آئینہ میں دل کے یار کی تصویر دیکھینگے

اِدھر کھینچ آئینگے خود یا وہ کھینچینگے اُدھر ہمکو
کششِ کس دل کی کتنی ہے یہ اب تاثیر دیکھینگے

مقابل ہوں خمِ ابرو کے کیونکر روبرو اُنکے
سرِ تسلیم خم کر دینگے جب شمشیر دیکھینگے

نہیں سُنتے جو میری زندگی میں بات تک میری
مرے مرنے کے پیچھے کیا مری تحریر دیکھینگے

نکلکر ہم تو گلشن جا رہے ہیں کوئے جاناں سے
دکھائیگی ہماری جو ہمیں تقدیر دیکھینگے

جب ہاتھ دھو کے بیٹھے ہیں دنیا میں دیں سے ہم
ہیں تو سبھی جہاں میں مگر ہیں نہیں سے ہم

گھر اس نے لاکھوں پھونکے۔ کلیجے جلائے ہیں
پس دُور کیوں نہ بھاگیں مئے آتشیں سے ہم

در پردہ راہبر وہ رہِ جلوہ گر بنا
بے پردہ تا کہ مل سکیں پردہ نشیں سے ہم

خود جال ہم بنا کے پھنسے مثلِ عنکبوت
باندھا کسی نے ہے نہ بندھے ہیں کہیں سے ہم

اس آس میں کہ ہو کبھی ہم پر نگاہِ مہر
جی سے لگائے بیٹھے ہیں لو مہ جبیں سے ہم

اختر فلک پہ جیسے دُرخشاں ہیں رات دن
چمکیں گے اس زمین پہ گلشن نگیں سے ہم

نہیں میں ہے قیامت آفرینش اُسکی ہے ہاں میں
وہی ہے درد کا درماں وہی ہے درد درماں میں

نہ گھبرا عیش کے مفتوں کبھی رنج و مصائب سے
کہ راحت کا ہے پنہاں راز غم کے ساز و ساماں میں

بہارِ عیش کا آخر خزانِ غم پہ ہوتا ہے
یہی پژمُردہ گُل کہتا تھا بُلبل سے گلستاں میں

جو گُل ہیں خوشنما اُن میں نہیں ہے نام کو خوشبو
محبت سے ہے خالی دل کا ساغر چرخِ دَوراں میں

مثالِ آب و روغن یہ جدائی تو نہیں اچھی
تعلّق کیجئے پیدا کہ جیسا ہے تن و جاں میں

جہاں کے آئینہ میں دیکھ کر نقشے میں حیراں ہوں
کوئی خنداں۔ تو روتا ہے کوئی حالِ پریشاں میں

ہر اک اپنی جگہ سے جا رہا ہے بامِ ترقی پر
مخل کوئی کسی کے کیوں ہو راہِ دین و ایماں میں

سمجھ کا پھیر ہے اس کی نہ سمجھے گر کوئی انساں
نہ کچھ مشکل ہے مشکل میں نہ آسانی ہے آساں میں

ہر اک کا درس باقی تا دمِ آخر رہا۔ گلشن
نہیں کامل ہوا کوئی بھی دُنیا کے دبستاں میں

چمن کو من کے سینچو دے کے گلشن پریم کا پانی — کھلیں گے خوشنا گل اور خوشبو دار و لاثانی
تکبّر کی جھلک ہر بات سے اُن کی نمایاں ہے — کریں گے خاک وہ اپنے درِ دل کی نگہبانی
کسی کی رہبری کیا کر سکیں گے خود جو گمرہ ہیں — کبھی اندھے نے بھی کی ہے کسی اندھے کی دربانی
پُرانے چونہ مٹّی کی عمارت مثلِ آہن ہے — سمجھ کر قدر کر تُو اے نئی بنیاد کے بانی
دلوں کا انقلاب ایسا ہوا ہے اس زمانے میں — نہیں سُنتا کسی کی کوئی سب کرتے ہیں من مانی
دلِ روشن وہ ہے جو جان لے اک رازِ عالم کو — وہی ہے چشمِ بینا دیکھ لے جو راہِ حقّانی

سخن سے اس قدر نا آشنا ہوں دُور ہے مجھسے
سخن گیری سخن دُزدی سخن سازی سخن دانی

ستارا جبکہ روحانی بلندی پر دُرخشاں تھا — نہ جھگڑے تھے نہ فکریں تھیں نہ دل میں کوئی ارماں تھا
تلاشِ گوہرِ مضموں میں تھا بحرِ تفکّر میں — جب اُبھرا اِس تلاطم سے تو دیکھا اک گلستاں تھا
عدالت جب تھی عادل کی تو دل ہی دیکھے جاتے تھے — گرانبارِ گنہگاری سے دل۔ دل ہی میں لرزاں تھا
بشر شر سے بھرا ہے اُنس ہو تو جانیے انساں — بگاڑا حضرتِ آدم کو جس نے دل ہی شیطاں تھا
نہ جانا زندگی کا مدّعا جس نے تو کیا جانا — گیا جو وقت غفلت میں تھوما ہو نا یکساں تھا
دگرگوں ہو گیا رنگِ رُخِ عاشق مگر پھر بھی — زباں سے اُف نہیں نکلی کچھ ایسا درد پنہاں تھا

سخن گیری سخن سازی سخن دُزدی تھی دُور اُس سے
مگر پاسِ سخن تھا اِس لئے گلشن سخن داں تھا

وہ گُل میں مثلِ بُو ہے وہ نور میں ضیا ہے — ہو کر عیاں نہاں ہے یہ طرفہ ماجرا ہے
کرتا بشر وہی ہے ہوتی ہے جیسی خواہش — ہوتا ہے دل میں جیسا ویسا ہی دیکھتا ہے
مِلتی ہے رنج و راحت اُتنی ہی ہر کسی کو — جتنا کہ اُس کا جس سے دُنیا میں واسطا ہے
صورت جہاں میں جیسی ہے مختلف ہر اک کی — ویسی ہی ہر کسی کی قسمت جُدا جُدا ہے

راحت کو ڈھونڈتے ہو گلشن عبث جہاں میں
اس دہرِ بے وفا میں کیا رنج کے سوا ہے

ہوا ہو دردِ دل جس سے مسیحا وہ دوا دینا
میں خود کو بھول جاؤں کوئی ایسی مے پلا دینا

مصیبت دے تو قوت جھیلنے کی اے خدا دینا
کمالِ عشق پر پہونچا کے سولی پر چڑھا دینا

جہاں کی جس قدر مصروفیت ہیں انکو کم کر کے
خدا کی راہ میں بھی وقت و دولت کچھ لگا دینا

زباں سے بات جب نکلی تو پھر آتی نہیں واپس
بہت مشکل ہے تحریرِ قلم کو خود مٹا دینا

بُرا تھا یا بھلا دُنیا سے اب تم جانے والے کی
بھلائی یاد رکھنا اور بُرائی کو بھلا دینا

بہت مشکل ہے کارِ ترکِ دُنیا حضرتِ انساں
اسی مشکل کو آساں کر کے ہے لازم دکھا دینا

بہار آخر ہوئی دَورِ خزاں بھی چند روزہ ہے
پیامِ گُل بھی بُلبُل کو اے بادِ صبا دینا

اگر واقف نہیں ہو تم کہ کیا ہے فرضِ انسانی
تو سن لو خوابِ غفلت میں جو سویا ہو جگا دینا

ترے در پر بھٹکتا کوئی تشنہ لب جو آ نکلے
محبت سے بھرا اک جامِ اُلفت تو پلا دینا

تُو شاکی کیوں ہے شاکر رہ رضائے حق پہ لے گلشن
سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے گردن جُھکا دینا

ہر گُل اک آئینہ ہے عرُوسِ بہار کو
حیراں ہے اپنے دیکھ کے نقش و نگار کو

ہم نے جہاں میں شادی و غم دیکھے اس طرح
دامانِ گُل میں جس طرح پیوستہ خار کو

تقدیر جب بُری ہو تو تدبیر کیا کرے
کوئی کبھی مِٹا نہ سکا ہونہار کو

گنجینہ حق کے راز کا ہے قُفلِ دل سے بند
ملتا کلیدِ عشق سے ہے راز دار کو

سیرِ جہاں سے سیر ہے کیوں دل یہ پوچھئے
دیکھا ہے جس نے جلوۂ دیدارِ یار کو

قدرت کا راز جان کے انجان بن کے رہ
واجب نہیں ہے پردہ دری پردہ دار کو

بیتاب کر دیا ہے اُسے شوقِ دید نے
سمجھاؤں کس طرح میں دلِ بے قرار کو

اچھا کہو۔ بُرا کہو گلشن کو کیا غرض
خدمت سے اپنی کام ہے خدمتگزار کو

خود غرض سب تھے کسی کا کوئی غمخوار نہ تھا
جُز خدا کوئی مصیبت میں مددگار نہ تھا

محو دنیا تھا مگر دیں سے خبردار نہ تھا
جاگتا ایسا تھا گویا کہ وہ بیدار نہ تھا
ناز تھا عقل پہ قدرت پہ نہ تھی کچھ بھی نظر
فکر امروز تھی فردا سے خبردار نہ تھا
صورتِ خوب پہ مرمٹنے کو تیار تھے سب
سیرتِ خوب کا کوئی بھی خریدار نہ تھا
دورِ کلجگ ہے گنہ لازم و نیکی برباد
اس خطا پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا
محو نظارہ تھا میں دل کے تماشہ گہ میں
اک تماشہ تھا کہ جو برسرِ بازار نہ تھا
تمھیں قابو میں اسے لا نہ سکے اے گلشن
ورنہ سرکش تو کبھی دل کا یہ رہوار نہ تھا

ظاہر ہے اس جہان کو ہرگز بقا نہیں
کر اس کی تو تلاش کہ جس کو فنا نہیں
جو راز دل ہے کس سے کہے کون بر ملا
پروا نہیں ہے تم کو ہمیں حوصلا نہیں
پودے کو سینچتے ہو دھرم کے ادھرم سے
کہتے ہو پھر کہ ہائے یہ پودا پھلا نہیں
کیا جانے دردِ دل کوئی نا آشنائے درد
کانٹا کسی کے پانوں میں جب تک چبھا نہیں
زندہ نہیں جو چھوڑ گیا نام بد یہاں
جو نیک نام ہو کے جیا وہ مرا نہیں
وہ قوم کیا نہ جس میں ہو پابندیِ قیود
وہ قوم کیا بڑے کا جہاں دبدبا نہیں
ضرب المثل ہے پیاسا ہی جائیگا چاہ پر
پیاسے کے پاس تو کبھی کنواں گیا نہیں
جتنی کہ خواہشیں ہوں بری دور کیجئے
بھڑکا ہوا ہے نفس کا شعلہ بجھا نہیں
کچھ جانتے ہو آئے کہاں سے کدھر چلے
کیا کر رہے ہو کیا ہے کیا اور کیا نہیں
اس رہ میں دیکھنے کے لئے آنکھ چاہیئے
کیا دیکھو گے کہ نور نہیں چشم وا نہیں
ہے لازمی کہ علم کے ہو ساتھ کچھ عمل
باتوں سے خالی پیٹ کسی کا بھرا نہیں
گلشن نے جو سنا تھا۔ لکھا۔ تم نے پڑھ لیا
کہنا نہ پھر کہ ہم سے کسی نے کہا نہیں

جب سرد ہوئی گرمیِ بازار محبت کی
الفت تھی جہاں جس سے اس سے ہی عداوت کی

وحدت میں نظر آیا کثرت کا ہمیں جلوہ — کثرت میں بھی وہ دیکھی جو شان تھی وحدت کی
جب صدق و صفا چھوڑا اور دھرم سے منہ موڑا — راحت کی جو گھڑیاں تھیں اب ہیں وہ مصیبت کی
اعمال ہوں جب اچھے ہوتا ہے اثر اچھا — عادت ہی سے پڑتی ہے بُنیاد طبیعت کی
بازیچۂ طفلاں ہے ہر فعل جدھر دیکھو — دو دِل کے جہاں بیٹھے سوجھے گی شرارت کی
غافل کے لئے دُنیا اک عیش کا ساماں ہے — بینا کے لئے عالم تصویر ہے عبرت کی
پھل اپنی ہی کرنی کا آجاتا ہے جب آگے — ناحق یہ شکایت ہے پھوٹی ہوئی قسمت کی
بدمستی سے قائم ہے یہ شورِ جہاں اب تک — رہتے ہیں خبر پاکر خاموش حقیقت کی
برسوں میں کہیں جاکر کچھ ہوگا تمہیں حاصل — باندھو گے کمر حضرت جب آج سے خدمت کی
آرام کے طالب کو ہے چین نہیں دم بھر — پوشیدہ مصیبت ہے ہر شکل میں راحت کی

بدلی ہے زمانے نے کروٹ جو اِدھر گلشن
وہ بات بنی آخر بگڑی تھی جو مدت کی

سخن سازِ نفس کو اُس سے کیا پیہم نکلتا ہے — جو تُو ہے بس وہی میں ہوں یہی سو ہم نکلتا ہے
جو ہے بے درد کیا جانے کسی کے دردِ پنہاں کو — دلِ پُر درد ہی سے درد کا مرہم نکلتا ہے
ہے ظاہر بیں یہ دُنیا حال دل سے کیسے واقف ہوں — جسے خرم سمجھتے ہیں وہی پُر غم نکلتا ہے
زمانہ کی دورنگی دیکھئے اور بے ثباتی بھی — خوشی کوئی مناتا ہے کسی کا دم نکلتا ہے
تماشاگاہ عالم بھی عجب عبرت کی اک جا ہے — اِدھر آتا ہے ظالم اور اُدھر ماتم نکلتا ہے
صفائی کے وہ پیرو ہیں جو رازِ دل سمجھتے ہیں — جو بد باطن ہیں اُن کی بات میں بھی خم نکلتا ہے
کوئی سرشار جاکر آج کہہ دے میرے ساقی سے — یہ ساغر دل کا کیا کم ہے جو جامِ جم نکلتا ہے

خدا کی مہر و بخشش کا کرشمہ دیکھئے گلشن
نکلتے ہیں جدھر وہ دیکھنے عالم نکلتا ہے

شکایت ہم کو اپنی ہے نہیں ہے کچھ زمانے کی — حقیقت کو چھپانا ہے یہ باتیں ہیں بہانے کی

ہوا سے وہ ہر سے قلبِ بشر ہے منقلب ایسا
تمیز اب کر نہیں سکتا وہ بیگانے یگانے کی
کھرا کھوٹا پرکھنے کے لئے کتنے ہیں سونے کو
مصیبت کی گھڑی ہوتی ہے یاری آزمانے کی
موافق اپنے مطلب کے ہر اک گڑھتا ہے منصوبے
خبر لیکن نہیں اُس کو خدا کے کارخانے کی
سمجھتے ہیں۔ زمانہ ہم سے جیسی چال چلتا ہے
مگر ہم کو نہیں وہ چال آتی ہے زمانے کی
جو کرنا ہے وہ خاموشی سے کر دیکھے گی سب دُنیا
نہ شہرت دے اگر ہمت نہیں کر کے دکھانے کی
ہجومِ غم سے ہم کو اپنی ہی قسمت کا رونا ہے
فلک تدبیر میں مصروف ہے اسکے مٹانے کی
اُجڑنا جب بدا ہے ہاتھ سے صیّاد کے اک دن
منائے خیر کب تک کوئی اپنے آشیانے کی
صدا طوطی کی سُنتا کون ہے نقار خانے میں
مگر آواز پہونچے گی کہیں تو اس ترانے کی

جب گنہ بڑھتا ہے اک قہرِ خدا ہوتا ہے
آب شمشیر سے طوفان بپا ہوتا ہے
یادِ رب آتی ہے انسان کے دل میں اُس دم
جب مصیبت کے وہ پنجے میں پھنسا ہوتا ہے
عیش کی ہوتی ہیں دُنیا میں بہاریں لیکن
ایسے آغاز کا انجام بُرا ہوتا ہے
ایک قانون پہ قائم ہے نظامِ قدرت
وہی ہوگا جو ہوا اور سدا ہوتا ہے
یہ مثل سچ ہے نہیں فرق سرِ مُو اس میں
جو بھلا کرتا ہے اُس کا ہی بھلا ہوتا ہے
چوٹ پر چوٹ کے پڑنے سے دلِ پُر غم پر
زخم بھرنے نہیں پاتا کہ ہرا ہوتا ہے
دیکھتا ہوں تو نظر آتا ہے کچھ اور یہاں
ایک حیرت ہے کہ کیا کرتا ہوں کیا ہوتا ہے
قیدیِ جسم نے جب طرزِ رہائی سیکھی
قید سے جسم کی اُس دم وہ رہا ہوتا ہے
گوش دل سے جو مخاطب نہ ہو گلشن اُس سے
ناروا ہوتا ہے جو کہنا روا ہوتا ہے

حالِ دل کرتی ہیں روشن صورتیں تقریر کی
طبع سے ہوتی ہیں ظاہر رنگتیں تحریر کی
حیف ہے تقدیر نے یاری نہ کی تدبیر کی
آرزوے دل نہ نکلی عاشقِ دلگیر کی

ہو گئے آزاد جو اب رو گئے تو آپ اُنھیں ہم بھی دیکھیں کونسی ہیں بند شیں زنجیر کی
حق پرستی اس کو کہئے بُت پرستی یہ نہیں ہم پرستش کرنے والے ہیں تری تصویر کی
خامشی بھی آدمی میں ایک اعلیٰ وصف ہے بات میں ہوتا ہے پیدا وزن اک گمبھیر کی

واہ وا کرتے ہیں گلشن جن کو کانوں کا ہے رس
پوچھ تو اشعار نے کچھ دل پہ بھی تاثیر کی

جامۂ انساں ملا ہے شکر اس کا کیجئے عاقبت بالخیر ہو کچھ فکر فردا کیجئے
بن کے سودائی جہاں میں حق کا سودا کیجئے کیا کہے گا کوئی اس کی کچھ نہ پروا کیجئے
چاہتے ہیں آپ گر طالب تو ایسا کیجئے اُس کے شیدا آپ ہوں یا اُسکو شیدا کیجئے
کون کب آنکلے در پر کیا خبر کس بھیس میں اپنے سائل سے کبھی مُنہ کو نہ موڑا کیجئے
ہے مٹانا نام کا بدنام کرنا نام کو سب نشاں اپنا مٹا کر نام پیدا کیجئے

جب تری خدمت سے راحت اور فرحت کچھ نہیں
مصلحت گلشن یہی ہے اب کنارا کیجئے

جہاں میں زندگی مثلِ حُباب ہوتی ہے جو ہستی ہوتی ہے گویا سراب ہوتی ہے
ظہورِ جلوۂ حق سے حجاب رہتا ہے خودی کی دل پہ جو حائل نقاب ہوتی ہے
خدا ہی اس سے بچائے تو بچ سکے انساں جو آبِ شر ہے وہی تو شراب ہوتی ہے
اُسی کا قہر ہے جس کو کہ حشر کہتے ہیں اُسی کی مہر ہے جو بے حساب ہوتی ہے
خدا ہی رکھے تو رہتی ہے بحرِ عالم میں بشر کی آبرو موتی کی آب ہوتی ہے

جو شعر تیرا ہے گلشن وہ ہے سبق آموز
جو بات کہتا ہے تُو لاجواب ہوتی ہے

کچھ نہیں ہوں ایک بھولے وقت کی میں یاد ہوں اور وہ بھی کیا ہے گویا صورتِ فریاد ہوں
نیستی ہستی فقط اک سانس پر موقوف ہے گھر ہوا پر ہے بنا میں ایسا بے بُنیاد ہوں

صاحبِ تدبیر ہوں تقدیر کا لیکن مطیع ۔ دیکھئے تو قید ہوں کہنے کو میں آزاد ہوں
جبکہ دل غالب ہے مجھ پر آپ ہی اپنا ہوں صید ۔ اور جب غالب ہوں دل پر اپنا خود صیّاد ہوں
کس کی ہو گلشنؔ شکایت کس سے شکوہ اور گلا
عمر کرنی ہے بسر خواہ شاد یا ناشاد ہوں

بند ہے رازِ دو جہاں مصرعۂ زر نگار میں ۔ بازیٔ ہستی و فنا دل کی ہے جیت ہار میں
یا خدا کی فکر کو کوئی نصیب ہوا نہ دن ۔ عمر بھی ہو چلی تمام وقت کے انتظار میں
جب سے کہ قول و فعل میں رنگِ دوئی عیاں ہوا ۔ فرق دلوں میں آگیا گھٹ گئے اعتبار میں
اپنی اسے خبر نہیں غیر سے ہے وہ بے خبر ۔ فرق نہیں ہے اور کچھ مست میں ہوشیار میں
دَورِ زمانہ اور ہے حالتِ دل کچھ اور ہے
رنگِ بہار گلشنؔ اب پیدا نہیں بہار میں

مثلِ بوئے گُل نہاں وہ آنکھ کے تل میں رہے ۔ راز کے مانند پوشیدہ مرے دل میں رہے
آنکھیں سو جائیں تو سو جائیں مگر ہنگامِ خواب ۔ یار کا ہر دم تصوّر جاگتے دل میں رہے
آئے ہیں وہ میرے دل میں اپنا بہلانے کو دل ۔ ناز اُٹھانے کے لئے ہم اُن کی محفل میں رہے
جیتا ہے دُنیا کے دھندے تو یونہی جاری رہیں ۔ اور خدا کا نام لینا تو فاضل میں رہے
رنگ ہی وہ کیا ہے مل جائے جو رنگِ غیر سے
دیکھو گلشنؔ کو جدا وہ سب سے محفل میں رہے

تو کون مالک ہے دوسرا کا اگر وہ ذاتِ خدا نہیں ہے
وہ ایک ہے دوسرا نہیں ہے کوئی بھی اُس کے سوا نہیں ہے
تُو لقد جاں کو لُٹا کے چلد سے نہ پھیر میں پڑ سزا جزا کے
مرنے سے بے بہرہ ہے بقا کے وہ جس کو ذوقِ فنا نہیں ہے

زمیں میں جو جنس جس نے بوئی وہی ہے آخر میں اُس نے کاٹی
بُرا کسی کا جو کوئی چاہے تو اُس کا ہرگز بھلا نہیں ہے
جو آج طاقت ہے کل نہ ہوگی جو آج عزت ہے کل نہ ہوگی
جو آج دولت ہے کل نہ ہوگی بہارِ گلشن سدا نہیں ہے

دہن سے بات جب نکلے وہ نکلے با اثر ہو کر — صدف سے جیسے نکلے آب کا قطرہ گہر ہو کر
وہ نا بینا ہی اچھا ہے نہیں آتا نظر جس کو — وہ ہے کس کام کا بینا نہ دیکھے جو نظر ہو کر
چلو جھک کر اگر ہے علم و طاقت جاہ و زر حاصل — ہمیشہ سرنگوں رہتی ہیں شاخیں باثمر ہو کر
دلِ پُر آرزو کے اضطراب و شوق کو دیکھو — خیال اب کوئے جاناں کو چلا پیغامبر ہو کر
جسے وِدّیا نہیں ہے دھرم سے اپنے وہ غافل ہے — کریگا کیا اگر زندہ رہا بازور و زر ہو کر
جہاں کا یہ تعلق بھی تو اک پُر پیچ چکر ہے — اِدھر سے جو گیا وہ لوٹ آتا ہے اُدھر ہو کر
یہ اسرارِ نہاں کی واقفیت کا اثر دیکھو — دہن پر مُہر خاموشی ہے لگتی باخبر ہو کر
وہی ہے وقت خوش جو وقفِ خدمت ہو چکا ورنہ — گذرتی عمر ہے ساری یوہیں شام و سحر ہو کر

سخن کی آب بیقدری سے جاتی ہے سنو گلشن
نہ روندو موتیوں کو تم خِرد سے بہرہ ور ہو کر

پہلے سب چھوٹے۔ بڑوں کے چلتے تھے ارشاد پر — اب نہیں ہے کچھ بھی قابو اپنی ہی اولاد پر
چھوڑ کر حق کا بھروسہ اور رہِ ایمان و دیں — کی ہے قایم اپنی ہستی تم نے کس بنیاد پر
دست و پا اپنے ہلا کر عقل سے کچھ کام لو — کب تلک بیٹھے رہو گے غیر کی امداد پر
ایک تیشے نے کیا تھا سارا قصہ ہی تمام — کس بلا کا کوہِ غم ٹوٹا سرِ فرہاد پر
وہی انساں ہے جس کو کچھ تمیزِ حق و باطل ہے — وہی شیدائے دُنیا عاشقِ دیں ہو یہ مشکل ہے
اگر ہیں خواہشیں چھوٹی تو تدبیریں ہیں لاحاصل — ملے گا آخرش اُس کو وہی جو جس کے قابل ہے

کدورت اور خصومت جاگزیں جس دل میں ہو گلشن
حقیقت میں محبت سے وہی نا آشنا دل ہے

یاروں سے آجکل کے نہیں یاریاں کہاں | دم لینے دیتی ہیں انھیں خودغرضیاں کہاں
اُلفت سے پیدا ہوتی ہے اُلفت جہان میں | تالی اک ہاتھ سے ہے بجی جانجاں کہاں
گو مل کے لاکھ بیٹھیں مگر دل پھٹے ہوئے | پُرلطف یکدلی کی وہ یکرنگیاں کہاں
آنکھوں کا وہ لحاظ دلوں کا ادب گیا | اب اس رَوِش میں پہلی سی وہ خوبیاں کہاں
ساحل کا کچھ پتا ہے نہ ہے نا خدا کوئی | طوفاں میں دیکھیں بہتی ہیں اب کشتیاں کہاں
دل محو لہو و لعب ہے جب اپنا رات دن | حل مدعاء زیست ہو پھر مہرباں کہاں
کرتا ہے ذبح طائرِ بے پر کو بے گُنہ | ظالم کا ہاتھ اور یہ ننھی سی جاں کہاں
قسمت کے آگے عاقل و ناداں سب ایک ہیں | چلتی ہیں ہوشیار کی دانائیاں کہاں
جھیلی ہیں سختیاں تو ملے گی مراد بھی | حاصل ہوا ہے سود کبھی بے زیاں کہاں

جی بھر کے سیر کیجیے ہے چار دن کی سیر
گلشنؔ کہاں پھر اس کی یہ شادابیاں کہاں

کَون مشکل ہے کہ جس کا نہیں آساں ہونا | ہے مگر ہاتھ میں تقدیر کے ساماں ہونا
مدّعا زیست کا گلشنؔ نے سمجھ رکھا ہے | علم کی شمع پہ پروانہ ساں قرباں ہونا

نظر سے ہیں دُور جن کے نزدیک راہ حق کے دکھانے والے
اُنھیں کے نظروں میں دُور خود ہیں خودی سے مُنہ کو چھپانے والے
جو محوِ خاموشی ہو گئے ہیں وہ کر دکھائیں گے کچھ یہاں پر
وگرنہ دُنیا میں دیکھ ڈالے بہت سی باتیں بنانے والے
ہم اچّھے ہیں گر۔ زمانہ اچّھا' بُرے ہیں گر ہم۔ بُرا زمانہ'
زمانہ ہم سے ہے یاد رکھئے ہمیں تو ٹھہرے زمانے والے
عدم سے ہستی میں آئے لیکن ہمیں وہ جلوہ نظر نہ آیا
ہم اس لئے ہیں کمر کو باندھے نشان ہستی مٹانے والے

جو راہِ صدق و صفا ہے اُس کو نہ چھوڑے اخلاق خوش کا انساں
اگر صفائی ہے دل پہ غالب تو کون ہونگے دبانے والے
عبث ہے یہ شور و شر جہاں کا پتا نہیں ملتا لامکاں کا
کبھی بھی کھڑکی سے دل کی جھانکا ہے تجھے کہیں کیا بتانے والے
یہ راہ ہے تنگ و تار لیکن ہے سیدھی ایسی کہ بے تامّل
چراغِ دل رہنما اگر ہے بڑھے ہی جاتے ہیں جانے والے
گلِ مُرادُ اُن کا ہے شگفتہ ہیں سرخرو دو جہاں میں گلشنؔ
جو سر کو اپنے مثالِ گُل ہیں رضائے حق میں جُھکانے والے

"اے بشر دیکھ سبق کیا یہ شجر دیتا ہے"

جس کے ہے نام میں شر کیا وہ بشر دیتا ہے
جب خدا دیتا ہے دامن کو وہ بھر دیتا ہے
اے بشر دیکھ سبق کیا یہ شجر دیتا ہے
مارتا تُو تو ہے پتھر وہ ثمر دیتا ہے
آپ گو گرمی میں تپتا ہے جُھلس جاتا ہے
اپنے سایہ میں وہ ٹھنڈک ہی مگر دیتا ہے
تُو ٹھٹھرتا ہے تو پہونچاتا ہے گرمی وہ تجھے
جب جَلا کر تُو اُسے داغِ جگر دیتا ہے
باد و باراں سے وہ ہوتا ہے پریشاں لیکن
ہر پرندے کو وہ آرام کا گھر دیتا ہے
جب بھٹکتا کوئی پھرتا ہے مسافر گُمراہ
دُور سے اُس کو وہ راحت کی خبر دیتا ہے
وہ غریبی میں بھی ہوتا ہے سہارا دم کا
پھل کا پھل دیتا ہے اور پھل سے وہ زر دیتا ہے
صبر اور شکر سے ہے جھیلتا صدمے جاں پر
اور ہستی کو نثار۔ اس پہ بھی۔ کر دیتا ہے
راہ میں اُس کی اسی طرح لگا تَن مَن دھن
رزق جو تجھ کو یہاں شام و سحر دیتا ہے

علم

علم وہ ہے بحر جس کی نہ بتا نا ہے محال
علم وہ طاقت ہے شیطاں ہو گیا ہے پائمال
علم وہ دولت ہے جسکو ہے نہیں ہرگز زوال
آدمیت کے لئے ہے علم کا زیور کمال
بے بہا جوہر ہے شہ قیمت سے بھی معذور ہے
ہو رفیق عاشق کا اپنے اس کا یہ دستور ہے

علم کا گنجینہ ہے ہر ایک کے سینہ میں بند
قفل دل کا عاجزی سے کھولنا ہے دل پسند
کچھ کلیدِ عقل سے بھی کام لے اے ارجمند
ہیں جو خوش اخلاق وہ ہیں علم ہی سے بہرہ مند
خود نمائی اور جہالت علم سے کافور ہے
روشنی میں آؤ تاریکی سے گر منظور ہے

برہمہ گیانی بھی اسی ودّیا سے ہوتا ہے ضرور
ڈھیل جب اپنی ہے تو اس میں کسی کا کیا قصور
زندگی کی ناؤ کا آسان نہیں ہونا عبور
سُن یہ نکتہ عالموں نے جو کہا ہے ذی شعور
کیوں خودی کی مے سے غافل ہو رہا مخمور ہے
بوجھ سے تُو دب رہا ہے اور منزل دُور ہے

صاحبو اب علم کی الفت کو دل میں ٹھان لو
عزّتِ علما کو اپنی آپ عزت مان لو
سرسُتی دیوی کی عظمت خوب تم پہچان لو
اُسکے جلوہ کی جھلک میں راز دل کو جان لو
گر صفائے دل نہیں ہے تو بشر مجبور ہے
ہاتھ جب خالی ہے پھر وہ کس لئے مغرور ہے

مخمس

نام سے ایشور کے کر ہر کام کا آغاز تُو
دھیان میں اُسکے ہی کر تارِ نفس سے ساز تُو
راہِ حق پر طائرِ جاں کر سدا پرواز تُو
ذات مطلق کو سمجھ اور کر اُسی پر ناز تو
تیرا بھلا تیرا اسی میں ہے بھی اور ہوگا بھلا

جس قدر ہیں رازِ حق تُو اُن سبھوں کو جان لے واقفانِ راز کو اچھی طرح پہچان لے
اُن کی صحبت میں ہمیشہ رہنا جی میں ٹھان لے وقت ہے گر ہو سکے مٹی سے سونا چھان لے
دیکھ! پھر ایسا نہ ہو تُو روئے رکھ کر سر پہ ہاتھ

مقبلانِ حق نے ہے جو کچھ سُنا۔ تیرے لئے عارفانِ وقت نے جو کچھ کہا۔ تیرے لئے
عالمانِ دین نے جو کچھ لکھا۔ تیرے لئے رہنمایانِ جہاں نے جو کیا۔ تیرے لئے
کام آ اوروں کے تُو بھی عمر ورنہ کھوئیگا

نُورِ حق جو جلوہ گر ہے اُس سے ہیں سب بہرہ ور چشم روشن ہو کے تُو نابینا مت بن اے بشر
اس چمن میں کیسے کیسے گُل کھلے ہیں خوب تر دیکھ عبرت کی نظر سے دیدۂ دل کھول کر
خوابِ غفلت میں پڑا سوتا رہے گا تا بہ کے

دل دکھانا ہر کسی کا جانِ من اچھا نہیں ہے زبانِ تلخ جس میں وہ دہن اچھا نہیں
ہو کپٹ سے جو بھرا ایسا وہ من اچھا نہیں فتنہ پردازی کا کوئی بھی سخن اچھا نہیں
داغِ عصیاں پہلے دھو لے تاکہ دھبّا دور ہو

دل میں آنے دے نہ ہرگز دیکھ ناقص بات کو ترک کر دے بے تامّل کارِ واہیات کو
ہوش میں آ دن گیا۔ اب کیا کریگا رات کو غیر کے نقصاں سے ہے نقصان اپنی ذات کو
ہے مثل کاٹے گا ویسا بوئے گا جیسا یہاں

کیوں سمجھتا ہے بڑا خود کو کہ ہے تُو اک حقیر دیکھ کر مت جل ترقی دوسرے کی اے اسیر
عیب پر اپنے کیا کر نکتہ چینی اے بصیر ہیں ہنر جو دوسروں کے اُن سے گوندھ اپنا خمیر
سونا بن جائیگا چھو جائیگا گر پارس سے تُو

دھوپ چھاؤں کا ہے نقشہ باغِ عالم بے گماں آج اگر اس میں بہار آئی ہے کل ہو گی خزاں
خارِ غم بکھرے ہوئے ہیں چار سُو گلشن یہاں کس پہ اِتراتا ہے تُو بوئے وفا کا گُل کہاں
کچھ بھی ہو تُو رکھ مگر اک فرض خدمت سے غرض

قطعات و رُباعیات

خدا کو کون یہ کہتا ہے بے نشاں ہے وہ　　خدا کا نام نہ ہوتا جو بے نشاں ہوتا

غرور کرنا نہیں بھلا ہے اُٹھا کے سر جو چلا گرا ہے
یہی تو شیطاں کو بھی ہوا ہے گرایا اُسکو اسی خودی نے
نہ اترا اپنے تو تاج و زر پہ یہ سُن جو نازاں تھے کر و فر پر
گرا کے اوجِ شہی سے در پر مٹایا گردوں کی پالسی نے

لوگ کہتے ہیں کوئی راہ دکھاتا ہی نہیں　　ہم یہ کہتے ہیں کوئی دیکھنے والا ہو تو
چاہ ہے آب سے پُر پیاس نہیں خود پانی　　کیسے کھنچ آئے کوئی چاہنے والا ہو تو

کچھ کچھ تو بہتری کے بھی آثار ہو گئے　　سہ سہ کے ظلم و جور خبردار ہو گئے
اپنا تھا ملک، اپنی حکومت، سب اپنے تھے　　اِک خواب دیکھتے تھے کہ بیدار ہو گئے

جو بن پڑے سو کر لو کل کون جانتا ہے　　کیا گل کھلیں زمیں پہ کیا رنگ آسماں ہو
اک دل بناؤ ایسا سب مل کے جس میں بیٹھیں　　ایسی زباں ہو پیدا جو دل کی ترجماں ہو
اس چند روزہ گھر پر قبضہ نہ کر کے بیٹھو　　ٹھہرو تم اس میں جیسے کوئی غیر کا مکاں ہو
تیر و کماں کا ہرگز محتاج وہ نہیں ہے　　ہو آہ تیر جس کا دستِ دعا کماں ہو
قدرت کے کارخانے حکمت سے کب ہیں خالی　　یہ بھی بہار اک ہے گلشن میں جب خزاں ہو

کیا لگاتا ایسے پردیسی سے کوئی اپنا دل　　اس رباطِ دہر میں آکر جو دم بھر رہ گیا
ظلم کے بدلے تو ظالم ہی کا مٹنا خوب ہے　　ایک دُنیا ہو گی غارت اور وہ گر رہ گیا

پیا تھا سانپ نے گو دودھ زہر آخر بنا اُس کا　　مثالِ خصلتِ خود شیر کی حالت بنالی ہے
نہ غم ہے اور نہ شادی ہے نہ ہے کچھ نیک و بد میں جا　　جہاں تک ہمنے سمجھا ہے یہ دُنیا سب خیالی ہے
مصیبت ہی کا چابک راستہ پر سب کو لاتا ہے　　نہ بھولیں ہم خدا کو اسلئے یہ گوشمالی ہے
ہے منزل ایک پر راہیں جدا ہیں واں پہونچنے کی　　نہ بھٹکے راہ میں رہرو یہی صاحب کمالی ہے

راہِ عرفاں میں عجب دیکھا گیا انساں کا ڈھنگ　　ہوش میں تھی بیہوشی اور بیہوشی میں ہوش تھا

ایک قصہ تھا ہوا ختم رہا عشق کا نام
جان شیریں نہیں تیشہ نہیں فرہاد نہیں

رنج و غم حسرت و حرماں کا یہی ہے مسکن
خانۂ دل کو نہ سمجھو کہ یہ آباد نہیں

سیرتِ خوب سے ہے خوبیٔ صورت کو جِلا
زیب و آرایش تن حسن کی جاواد نہیں

پڑے جب عیش و عشرت میں تو آزادی کی دُھن سُوجھی
ہوئی نا اتفاقی جب تو آزادی کا پھل پایا

نہیں اچھا بُرا ہے وقت کچھ بھی اگر اچھے ہو تم اچھا زمانہ
کرو قابو میں اپنا نفس سرکش طریقے چھوڑ دو سب وحشیانہ

یہ ہے کلجگ کا دورِ بے تمیزی بھلائی ہے مَلامت کا نشانہ
صداقت ہے نہ ہے دل میں محبت بلا کے دام میں آیا ہے دانا

مئے عشرت سے ہیں مخمور و غافل نظر میں ہے نہ بیگانہ یگانہ
سمجھ تو لے کہ بعد از مرگ تیرا یہاں رہ جائیگا کیا جُز فسانہ

جہالت کے پروں سے کیا اُڑیگا
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

غم اوروں کا جو دیکھ سکتے نہیں ہیں دل اپنا خوشی سے بُجھائے ہوئے ہیں
امیری غریبی میں رہتے ہیں یکساں قناعت کا تکیہ لگائے ہوئے ہیں

اُنھوں نے خزانہ ہے عقبیٰ کا پایا جو دنیا کی دولت لُٹائے ہوئے ہیں

لاکھ چاہے پر چھپا سکتا نہیں ہے کوئی بھی
اپنی صحبت کے اثر کو تخم کی تاثیر کو

چھوٹ جانا غم کے ہاتھوں سے تو کچھ مشکل نہیں
توڑ دو قیدِ تعلّق کی اگر زنجیر کو

سُننا اور پڑھنا ہے لاحاصل اگر سمجھو نہیں
حاصلِ تقریر کو اور معنیٔ تحریر کو

ہو زماں الگ یا زمیں الگ رہوں جا کے چاہے کہیں الگ
مرا درد دل سے نہیں الگ مرے دل سے درد جدا نہیں

ہے کسی کی آئی اگر قضا وہی ہوگا ہونا ہے جو بدا
نہیں ہے مرض کوئی لا دوا مگر اُس کی کوئی دوا نہیں

جو نثار کرتے تھے ہم پہ جاں جنھیں ہم بھی کہتے تھے مہرباں
گئے چھوڑ کر وہ ہمیں کہاں کہیں ملتا اُن کا پتا نہیں

ترا گلشن ایک جو رنگ ہے یہ عجیب کہنے کا ڈھنگ ہے
یہ وہ درد دل کی ترنگ ہے جسے دیکھا اور سُنا نہیں

سدگورو اُپدیش

"اگر کچھ دیکھنا چاہتا ہے۔ ہو نیچا۔ دیکھ اوپر۔ کچھ دیکھیگا
ہو اوپر۔ نیچے دیکھیگا۔ ضرور نیچا دیکھیگا"

ہے چاہتا اگر تُو دیکھنا کچھ تو بس ہو نیچا یہی روا ہے
تُو دیکھ اوپر تو دیکھیگا کچھ۔ سمجھ لے اس کا جو مدّعا ہے
تُو ہو کے اوپر جو نیچے دیکھیگا۔ دیکھیگا تُو ضرور نیچا
یہ ایک اُپدیش برھمہ آشرم نے کُل جگت کو عطا کیا ہے

آخری پھول

کشمیری پنڈت باباکھٹکھٹا کے جانشین چیلے
شری وِدّیا پیسٹھ اٹھارہ کی روحِ رواں۔ عالمِ باعمل۔
رازدارِ اسرارِ دو عالم۔ شری ۱۰۸ سوامی برھمہ نانند سدھ آشرم
مہاراج جی نے دوشنبہ ۱۸ مئی ۱۹۲۵ء کو اس جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کیطرف رُخ پھیرا
اور اوِدّیا کے بحرِ ناپیداکنار میں وِدّیا کے بیڑے کو اپنے سیوکوں کے سمیت
منجدھار کے اندر بغیر کسی ناخدا کے اچانک چھوڑا
اوم شانتی! اوم شانتی!! اوم شانتی!!!

قطعہ تاریخ

سُوریہ تھے وِدّیا کے اور وہ دھرم کے اوتار تھے
کوئی کچھ سمجھا نہیں غفلت کا تھا پردا پڑا
چندر وار ایکادشی بیساکھ شُکلا کی تھی۔ آہ!
چلدئے برھمہ آشرم جگ ہاتھ ملتا رہ گیا

سمت ۱۹۸۲ بکرمی

قطعہ تاریخ وفات

پنڈت برج نرائن چک بست لکھنوی

حقیقت کُھل گئی دُنیا کی گلشن آج ہر دل پر
کہ جو کچھ دیکھتے ہیں سب یہ ہے اک خوابِ بیداری
ابھی چک بست اسٹیشن پہ تھے رائے بریلی کے
تھی واپس لکھنؤ جانے کی پوری اُن کی تیاری
کہ قزّاقِ اجل نے آن لُوٹا اُس مسافر کو
ہوئی نا لچ کے سر جاں قبض کرنے کی گنہگاری
وقوعہ ہے سنِ چھبیس ۱۹۲۶ بارہ فروری کا یہ
کہ ٹوٹا کوہِ غم یک لخت مُلک و قوم پر بھاری
بہائے آٹھ آٹھ آنسو جواں کی لاش پر سب نے
جب آئی یاد دل میں اُس کی دلداری و غمخواری
وکالت گرچہ پیشہ تھا سخن کے تھے مگر ماہر
وہ تھے خوش خلق رکھتے تھے جدا اپنی وضعداری
گئے دُنیا سے اب چک بست تم کیا ہم تو کہتے ہیں
گئی صحبت سخن کی آہ! رونق بزم کی ساری

سمت بکرمی ۱۹۸۲

"خطاب بہ کشمیری پنڈتان"

جناب گلشن کا ایک منظوم لکچر ہے جس میں بائیس مضامین پر بائیس ہی بند کہے گئے ہیں اور ہر بند میں نو شعر ہیں۔ اس ترکیب بند کے مضمون وار چند منتخب اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

خطاب بہ قوم

اے قومی بہی خواہو! اے قومی سخندانو!
اے قوم کے داناؤ! اے قوم کے دیوانو!

پھر جوش تلاطم ہے منجدھار میں ہے کشتی
ہشیار ذرا ہو کر دیکھو تو نگہبانو!

"پنڈت ہوں میں کشمیری" فخر اپنا یہی سمجھو
"میں قوم کا خادم ہوں" سب من میں یہی ٹھانو

گر چاہتے ہو بہتر ماضی سے ہو مستقبل
واجب ہے کہ تم اپنے اب حال کو بھی جانو

سنتے ہوئی اک مدت گلشن یہ تری تانیں
مرکز پہ کشش سب کو لے آئے تو ہم جانیں!

حال قوم

تھی چال غریبانہ وہ ہو گئی شاہانہ
تم بن گئے مستانے! وہ رہ گئی افسانہ!

حلقے سے نہ جا باہر رہ مل کے یگانوں میں
اپنوں سے جدا رہ کر ہو جائے گا بیگانہ

جب تفرقۂ قومی باقی نہ رہا ساقی
کیوں جام محبت سے خالی رہے میخانہ؟

تفریح میں سب دولت اور وقت نہ کر غارت
تہذیب کا بھی آخر کچھ ہوتا ہے پیمانہ

عاقل کو اشارہ اک کافی ہے محبت کا
"ہے قوم تری شمع تو اُس کا ہو پروانا"

جب قوم نہیں ہوگی تم ہوگے تو کیا ہوگا؟
جب تم ہی نہیں ہوگے کیا قومی بھلا ہوگا؟

خطاب بہ خواہش انسانی

اے خواہش انسانی! سن بات یہ لاثانی
مشکل ہے جہاں بینی آساں ہے جہاں بانی

نخوت ہی تجھے آخر عظمت سے گرا دے گی
اک روز مٹا دے گی تجھ کو یہ تن آسانی

ان باتوں کو لوگوں کی سن سن کے میں ہوں ہنستا
جس قوم پہ ہوں مرتا اُس قوم کو ہوں روتا

خطاب بہ پروردۂ قوم

دشمن کو کہیں کوئی کیوں ڈھونڈھے ضرورت کیا؟
جب شومیٔ قسمت سے اپنا بنے بیگانہ

کیوں بوتے ہو اے بھائی تم اپنے لئے کانٹے؟
دیکھو۔ ہو اگر بینا! سمجھو ہو اگر دانا!

جس پیڑ کے اک پھل ہو جڑ کاٹتے ہو اُس کی
مٹ جاؤگے تم خود ہی ہو جائے گا نام عنقا!

پیوند لگاؤگے گر نسل سے تم باہر
اپنا نہ رہا جب وہ پھر غیر کا کیا ہوگا؟

تو منتخب قدرت اعمال سے ہے اپنے
اور باعث بدنامی انعال سے ہے اپنے

حب الوطنی

باہر نہیں وہ گل کی رنگت جو چمن میں ہے
جب تک کہ چمن میں ہے اک روح بدن میں ہے

گو کانٹوں پہ بلبل ہے فرقت میں وہ اُس گل کی
نالاں ہے مگر پھر بھی خوش اپنے وطن میں ہے

مرکز و حلقہ جات

خورشید وطن سے جب اک نور کا عالم ہو
روشن نہ کیوں پھر قومی خدام کا ہو گھر گھر

جو کام کرو رکھنا تم دل پہ نظر ہر دم
جلدی میں بہت باتیں جاتی ہیں بگڑ اکثر

ہو جائیں گے غیر اپنے دشمن نہ کوئی ہوگا
تو قصد تو کر پہلے۔ ہونا ہے وہی ہوگا

قومی تعلیم و پنچایت

یہ جسم ترا قومی ہو سکتا ہے تب قابل
اعضاء کی ہو مضبوطی جب پوری تجھے حاصل

پابند قواعد ہوں ہر طبقہ کے سب یکساں
انصاف کے کرنے کو ہوں قوم کے جب عادل

جب قوم ہے تو قومی تعلیم بھی ہے لازم ہے علم سے کھل جاتا سب راز حق و باطل

عورتوں کے فرائض

اخلاق کا پیمانہ ہو جاتا ہے جب اسے اعلےٰ خواہ مرد ہو یا عورت اٹھ جاتا ہے خود پردا
یہ بند شیں اور قیدیں واجب ہیں تبھی تک سب جب تک کہ چلن سدھرے ہر طبقہ کے انساں کا
تعلیم مناسب کی عورت کو ضرورت ہے گھر کا تو تبھی اچھا چل سکتا ہے یہ چرخا

جوانی کی شادی کے نتائج

بچپن کی جو شادی تھی کچھ ایسی تھی تدبیریں ہو جاتی تھیں لڑکی پہ سسرال کی تاثیریں
اب رونا ہے کیا اس کا یہ اور زمانہ ہے کب نا بچے ہیں ملتے اب ملتی ہیں تصویریں
کیا خاک کرینگی گھر پہچانتی ہیں کس کو! آزادی کی دلدادہ! بے دھرمی کی تعبیریں!

آزاد بیوہ اور جوان کی خواری اور کنواری کی بیزاری

بتلائے کوئی ہم کو یہ یاری ہے یا خواری بگڑی کو بگاڑا ہے یہ اور گنہگاری
آزاد ہیں جو لڑکے کیا خوب بہانہ ہے شادی نہ کرینگے وہ جب تک کہ ہے بیکاری
مطلب تو ہے حضرت کا بیواؤں کی شادی سے افسوس ہے اب آن کا رہ جائینگی جو کنواری
سوچو تو ذرا دل میں اے قوم کے غمخوارو! اُس کنواری کی بیزاری قسمت کی جو ہے ماری
کب تک وہ دل آزاری سہہ سکتی ہے دُکھیاری رکھے گا جو عزت سے چلدیگی وہ بیچاری
کمزوری ہے اخلاقی اگر قوم اسے مانے وہ کیا نہیں کر سکتی؟ کچھ کرنا اگر چاہے

مدّعا

جس قوم میں ہو پیدا دم اُسکا ہی تم بھرنا بس زندہ اُسے رکھنا اور اُس پہ سدا مرنا
جے دھرم سے ہوتی ہے ست دھرم ہے بس اعلےٰ اور دھرم سے ہوتی ہے ودّیا کی سدا شوبھا
صد شکر ہوئی حاصل گلشن کو سبکدوشی۔ تھا فرض یہ کہدینا اب چاہیئے خاموشی

اقوال بزرگان قدیم

ہو آغاز جس کام کا نیک یار
شکایت سے ہر دم زباں اپنی تھام
کبھی ضد نہ کر تُو کسی بات پر
عزیزوں سے اپنے تُو رشتہ نہ توڑ
نہ اپنے لئے چاہ کسی کا بُرا
بُرا بھی کسی کا نہ کر جان کر
خوشامد نہ کر بات کہہ صاف صاف
طمع را سہ حرف است ہر سہ تہی
دکھا مت حکومت کا تُو دبدبہ
اُسی کو پہنچتا ہے آخر گزند
جو چاہے تو دے آج محتاج کو
ہند شاخ پُر میوہ سر بر زمیں

خوشی بخش ہوتا ہے انجام کار
بُزرگوں کا فرمان تُو کر قبول
نصیحت پہ ہر ایک کی کان دھر
ہمیشہ پڑوسی کا رہ پردہ دار
سبھوں کے بھلے سے ہے اپنا بھلا
نہ جل دیکھ کر دوسرے کو کبھی
چُھپے گا نہیں جو ہے لاف وگزاف
حکومت کی کُرسی پہ بیٹھے اگر
یہ بس چار ہی دن کا ہے طنطنہ
مصیبت جو آئے تو گھبرا نہ تُو
خُدا جانے کل پاس کچھ ہو نہ ہو
نہ ہو جس کا ایفا وہ وعدہ نہ کر

تُو کر شکر پر ماتما کا مُدام
کبھی بول مت بے ضرورت فضول
مدارات مہماں کو ہرگز نہ چھوڑ
نہ کر کام ایسا جو اک دن ہو خوار
بھلائی کی طاقت نہیں ہے اگر
نہیں اُنگلیاں پانچ ہیں ایک سی
نہیں حرص کا بڑھنا اچھا کبھی
تو انصاف کرنا سمجھ سوچ کر
ہے ایذا رسانی جسے یاں پسند
جو بویا ہے کاٹے گا تُو ہو بہو
روا خالی ہاتھوں تکبر نہیں
بد عہدی سے ہوتا ہے بیشک ضرر

ہراک بازی سے آپ کو تُو بچا
پرکھتا ہے ہر شخص کھوٹا کھرا

ملازم سے آ اپنے نرمی سے پیش
کہ مرد دور خوش دل کُند کار بیش

یہ آتش غضب کی بُری ہے بلا
تو آبِ محبّت سے اُس کو بجھا

رہے قرب روشن دلوں کا مُدام
گذار اُن کی صحبت میں تُو صبح شام

ہوس میں نہ تُو کیمیا کے بھٹک
سمجھ لے یہ اچھی نہیں ہے لٹک

نکال اپنے مُنہ سے نہ گالی کبھی
جَلوں کی نہیں آہ ہوتی بھلی

محبّت سے قائم کر اچھی نظیر
حقارت کریگا تو ہوگا حقیر

نظر عیب پر اپنے رکھ تُو سدا
ہنر دوسروں کا سبق ہو ترا

غریبی امیری کا مت کر خیال
سدا ایک سا ہے نہیں سب کا حال

زباں ایک ہے تو نہ کر بات دو
نہ ہمجنس میں آبرو اپنی کھو

کسی دوست پر تُو نہ کر اعتبار
یہ باطن میں دشمن بظاہر ہیں یار

نہ لے ایک کوڑی کسی سے بھی وام
کہ ہوگا تُو بے زر خریدا غلام

تُو احسان کرکے نہ احساں جتا
نہ مِنّت میں اپنے کئے کو بِلا

فراموش احسان اُس کا نہ کر
عنایت کی تجھ پر ہو جس کی نظر

رہے ظاہر و باطن اک ساں مدام
بغل میں چُھری مُنہ میں ہے رام رام

سمجھ سوچ کر کام جو تُو کرے
تو دستِ تاسّف نہ ملنا پڑے

جہاں میں کسی کا نہیں ہے کوئی
جو کام آئے اپنے ہے اپنا وہی

جو جانے تُو اپنی سی جاں غیر کی
تو ہو غم سے غم اور خوشی سے خوشی

کرو پیار بچّوں کو بیشک مگر
نہ ہو لاڈ اتنا کہ ہوں وہ نڈر

لکھاؤ پڑھاؤ کہ ہوں باتمیز
ہنرمند ہوں اور ہر دل عزیز

اُنھیں دھرم کی اپنے تعلیم دو
کہ اچھے بُرے کی خبر اُن کو ہو

نہ رکھ کم سِنی کی تُو شادی روا
بڑھاپے کی شادی سے ہے روسیاہ

تُو صحّت کا رکھ اپنی ہر دم خیال
ضعیفی نہ ہوتا کہ تجھ پر وبال

صبح اُٹھ کے تُو مانگ حق سے دُعا
یہ لاکھوں دواؤں کی ہے اک دوا

نہ ہرگز کہو اُس کو تم باصفا
جو اپنے ہی مطلب کا ہو آشنا

وہ بیباک رہتا ہے جو پاک ہو
نہیں آنچ آتی کبھی سانچ کو

گرے گا وہی دوڑ کر جو چلا
بڑے بول کا سر ہے نیچا سدا

نہ رکھ موت کا اپنے دل پر خطر
تُو چھوڑیگا اک دن کرایہ کا گھر

گذر جائینگے یونہیں لیل و نہار
منہ دل بریں دیر ناپائدار

دکھانا چراغ اُس کا ہوگا بھلا
جو خود بھی اندھیرے سے بچکر چلا

بزرگوں کے یہ پند ہیں سودمند
سخنہائے گلشن رہیں دل پسند

گنجو - پنڈت پرتھی ناتھ گنجو صاحب

بجز ذیل کے دو بندوں کے آپ کا مزید کلام دستیاب نہیں ہوا - از خمسہ بر غزل
دیوان پنڈت شیو ناتھ کول صاحب منتظر

دل آزاری کہاں تک اے ستمگر اب تو باز آجا
ستانا ہر گھڑی مظلوم کا ہوتا نہیں اچھا
بہ منّت تجھ سے کہتے ہیں ہمارا مان لے کہنا
جفا کو چھوڑ دے بہرِ خدا آجا نہ اب ترسا
نہ ترسا عاشقِ دیدار کو اد کافر ترسا

ہوائے گلستاں میں آج یہ کیسی شمیم آئی
کہ بُلبل ہر روش پر بے طرح پھرتی ہے گھبرائی
نہالانِ چمن جھک جھک کے ہیں محوِ تماشائی
نسیم صبح نے زلفِ معنبر کس کی بکھرائی
کہ حالِ سنبلستاں سر بسر ہے آج ابتر سا
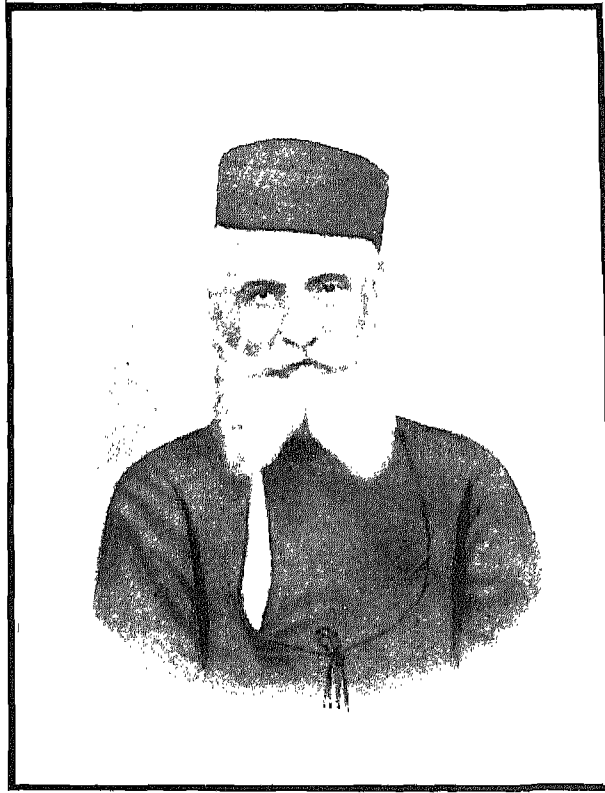
پنڈت موتی لال ہکو۔ گوہر

گوہر- پنڈت موتی لال ٹکّو خلف الرشید پنڈت باپورام صاحب ٹکّو دہلوی

ریاست تاجپور ضلع بجنور میں راجہ پرتاب سنگھ بہادر کے صاحبزادگان یعنے کنور صاحبان کے تعلیم کے لئے اتالیق مقرر ہو کر تاجپور میں مقیم ہوئے اور پنشن یاب ہو کر زاں بعد بدایوں میں اپنے بڑے لڑکے پنڈت جیالال صاحب ٹکّو کے پاس تشریف فرما رہے۔ اور نیز پسر اصغر پنڈت موہن لال صاحب کے ساتھ الہ آباد میں ایک سال اور دیوبند میں ایک سال نو ماہ مقیم رہکر بعمر تقریباً ۸۲ سال بتاریخ ۱۲ اگست ۱۸۹۵ء میں اس دار فانی سے رحلت کی آپ کا ایک دیوان موسوم بہ سلک گوہر پنڈت جیالال صاحب نے ۱۸۸۹ء میں طبع کرایا تھا چنانچہ چند اصحاب قوم کے پاس یہ دیوان موجود ہے۔

زبس ہے عرصۂ توحید میں ثابت قدم میرا — بہ فیضِ حمدِ ایزد دل بنا ہے جامِ جم میرا
کیا گمراہ ہے مجھکو تسلسل نے وساوس کے — نکلنے دے مجھے اس سے یہ کیونکر پیچ و خم میرا

ولہ

جاتے ہیں کوچہ میں اُسکے ہم بھی اکثر دل کے ساتھ — آپ ہی گر ہم نہ سمجھے دل کو سمجھائیں گے کیا
ناصحو مجبور ہوں ورنہ نتائج عشق کے — جانتا میں بھی ہوں مجھکو آپ سکھلائیں گے کیا

ولہ

کھو دیا دیکے دل اور داغ جگر کا پایا — اور کچھ آکے یہاں ہمنے نہ کھویا پایا
دل قوی کر کے گئے ہم بھی کہ کچھ عرض کریں — جب ہوا سامنا کہنے کا نہ یارا پایا

ولہ

تھے جو دو ہمدم مرے وہ بھی ہیں اب ناآشنا — آہ سوزاں میری کیا اور نالۂ شبگیر کیا
پھینکدیتے جوشِ وحشت میں ہیں سب کو توڑ کر — تیرے دیوانوں کے آگے طوق کیا زنجیر کیا

ولہ

لگن نہیں ہے جو پروا نہ کی اسے یارب — تو انتظار میں کس کے نہیں ہے سوتی شمع
جلا تو دیتی ہے عاشق کو اپنے آخرکار — اُسی کے غم میں ہے جل جل کے جان کھوتی شمع
ہمیں تو ناز تھا رونے پہ اپنے اے گوہر — پر اب جو دیکھا تو کیا کیا ہے دُر پروتی شمع

وہ ہو کے خون آنکھوں سے کب کا ٹپک گیا   غمخوار تم ہو پوچھتے کیا ماجرائے دل
گوہر ہوئی سحر ہوا سب قافلہ رواں   کہتا ہے ہر نفس یہ ہمارا درائے دل

ولہ

سمجھاتے رہتے ہم ہیں دل بے قرار کو   ہمدرد اپنے درد کی خود ہی دوا ہیں ہم
جب تک کوئی اڑائے نہ یاں سے ہماری خاک   کوچہ میں تیرے جم گئے جوں نقش پا ہیں ہم

ولہ

لخت دل ٹپکے تو میں اُس کو چراغاں سمجھا   جو گرا اشک اُسے گوہر غلطاں سمجھا
قم عیسیٰ میں تری بات کو جاناں سمجھا   لب جاں بخش کو میں چشمۂ حیواں سمجھا
لکھا ہوگا وہی اس میں جو ہے قسمت کا لکھا   خط کے مضمون کو میں دیکھ کے عنواں سمجھا
اس سمجھ پر تیری پتھر پڑیں اے زاہد خشک   خاک بھی تو نہیں ماہیت رنداں سمجھا
پردۂ معرفت حق میں یہ نیرنگی ہے   آشکارا اسے کوئی، کوئی پنہاں سمجھا
ٹکریں کھاتے پھرے دیر و حرم میں لیکن   سمجھا کوئی نہ وہاں اور نہ کوئی یاں سمجھا

بیقراری سے نہیں سود ذرا بھی گوہر
عشق میں صبر و سکوں چاہیئے ناداں سمجھا

سہتے سہتے رات دن اسکی جفا   ہو گیا پتھر جگر گھبرائیں کیا
لوٹتا قدموں پہ ہے یہ طفل اشک   ایسے ہم نافہم کو سمجھائیں کیا
کچھ نہیں ہے جز متاع معصیت   پاس اپنے ارمغاں۔ لیجائیں کیا

گوہر اُس کے کان تک قصہ ترا
وہ تو سنتا ہی نہیں پہونچائیں کیا

دیکھ کر سینۂ غربال ہمیں   اپنا دل اور جگر یاد آیا
سوئے ہم رات کو پر وقت سحر   جاگ اُٹھے جبکہ سفر یاد آیا
ہم کو یہ دیکھ کے ساون کی جھڑی   اپنا پھر دیدۂ تر یاد آیا

چند سے مجبور رہے یاں بھی مگر
چلدئے جب ہمیں گھر یاد آیا

دل مرا صبر و تحمل کے جو قابل ہوتا — ناصحا کیوں مرا جینا مجھے مشکل ہوتا
جلوہ گر روے صنم ہوتا اُسی میں غافل — دل میں گر پردۂ پندار نہ حائل ہوتا
قتل ہوتے ہی ہوا سرد میں ورنہ گوہر
ہاتھ ہوتا مرا اور دامنِ قاتل ہوتا

مشتہر جب مرا فسانہ ہوا — اس کی شہرت کا یہ بہانہ ہوا
اے طبیبو سنا ہے تمنے کبھی — دردِ دل قابلِ دوانہ ہوا
دیکھنا پڑتا اور بھی کیا کیا — مرنا میرا بھی کچھ بُرا نہ ہوا
کیا ہو سوتے سحر ہوئی گوہر
قافلہ سب کا سب روانہ ہوا

جہاں سے کھو دیا ہے اسنے ہمکو — کریں اُس کے تغافل کا گلا کیا
ہمارے قتل میں ہے کیا تامّل — بھلا اس میں دیت کیا خوں بہا کیا
اگر ٹوٹے کوئی شیشہ صدا ہو — شکستِ شیشۂ دل کی صدا کیا
نہ کر نفرت ہیں سب بندے خدا کے — کوئی بھی ہو۔ بُرا کیا اور بھلا کیا
ہر اک غارت گر جانِ حزیں ہے
کرشمہ۔ غمزہ۔ کیا ناز و ادا کیا

پیاسے مرتے ہیں مدت سے دیدے اے ساقی — خدا کے واسطے اک بھر کے ہمکو جام شراب
ملا تی حق سے ہے اُن کو ہے جنکا ظرف وسیع — غلط کہا ہے کہ کھوتی ہے ننگ و نام شراب

ولہ

بھلا میں کس سے کروں جاکے میری جاں فریاد — تمھیں سنو نہ سنو میری ہمسر بال فریاد
یہ کیا ستم ہے کہ آتے ہی موسم گُل کے — رہا نہ ایک بھی گلشن میں آشیاں فریاد
کوئی پھرا نہ وہاں سے نہ دی جرس نے صدا — بہت روانہ ہوئے یاں سے کارواں فریاد
ہیں گوہر اُس بتِ بیرحم کے بہت شاکی
کریگا جاکے تو کس کس کی واں بیاں فریاد

گر کریں آہ و فغاں اور نالۂ شبگیر ہم
آسماں اور اک بنائیں زیرِ چرخِ پیر ہم

ضعف کی حالت ہے اب ایسی کہ ہیں دم توڑتے
یا جنوں کے جوش میں تھے توڑتے زنجیر ہم

عشوہ و ناز و ادا ان سب نے مارا ہے ہمیں
ہو سکیں کس طرح سے کس کس کے دامن گیر ہم

تا اُٹھائے سر نہ وہ اُس شمع رو کے سامنے
شمع کا سر کاٹنے کو رکھتے ہیں گلگیر ہم

زلف سے اُلجھا تھا دل اور آپنے باندھا ہمیں
ہو خطا اوروں کی اور ہوں قابلِ تعزیر ہم

اپنا ہم دامن تر دیکھ کے روئے ہیں بہت
ہم سے کرتا ہے گلہ گوشۂ داماں کیا کیا

تُو تو حیران ہوا اپنا ابھی سے گوہر
دیکھنا بدلے گی یہ صورتِ دوراں کیا کیا

اُس سے کچھ بھی کہا نہیں جاتا
اور چُپ بھی رہا نہیں جاتا

کہیں آئیں نہ آفتیں اُس پر
کیا کہیں دل دیا نہیں جاتا

کوشش اے چارہ گر عبث ہے تری
زخمِ دل کا سیا نہیں جاتا

کیا کہوں حالِ عشقِ خانہ خراب
اس میں کیا کیا کیا نہیں جاتا

قصۂ درد تیرا اے گوہر
کیا کریں کچھ سنا نہیں جاتا

کور باطن ہی ہر اک شیخ و برہمن نکلا
دیدۂ اہلِ ریا دیدۂ سوزن نکلا

راہبر جانتے ہم دل کو تھے رہزن نکلا
دوست سمجھے تھے جسے ہم وہی دشمن نکلا

کارواں گل کا ہوا جبکہ چمن سے رخصت
بلبلِ شیفتہ با نالہ و شیون نکلا

کھودا گلچیں نے جو نرگس کا چمن اے گوہر
کشتگانِ نگہِ یار کا مدفن ..... نکلا

دل کو جس پر تھا اعتبار اپنا
ہوا آخر نہ وہ بھی یار اپنا

گل نہیں سنتے عندلیبوں کی
کہیں کیا حال دل ہزار اپنا

پہنچا دامن تلک نہ اُس کے کبھی
ناتواں ایسا تھا غبار اپنا

تھے سبھی یار اپنے مطلب کے
کوئی دیکھا نہ غمگسار اپنا

یہی وحشت میری خزائیں رہی — کہ نہ تھا دل پہ اختیار اپنا
دیکھیں اب رنگ کیا دکھاتا ہے — بلبلو موسم بہار اپنا

ولہ

ہم کیا کہیں کہ عشق میں کیا کیا نہو سکا — کچھ بھی تو دردِ دل کا مداوا نہو سکا
نالوں نے میرے گر نہ کیا اُسکے دلکو موم — اے آہِ گرم تجھسے بھی اتنا نہو سکا

قاتل نے خوں بہا میں دیا اتنا خوں بہا
گوہر سے اپنے خوں کا دعوی نہو سکا

اُسکو شاہنشہِ بقا دیکھا — راہ حق میں جسے فنا دیکھا
دی جلا جس نے اپنے ہی دل کو — اُس کو جامِ جہاں نما دیکھا
ایک سے سب ہیں پھر یہ کیا ہے طلسم — شاہ کوئی - کوئی گدا دیکھا

جب کھلی آنکھ اپنی اے گوہر
کچھ نہ ہمنے بجز خدا دیکھا

کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتے ہیں تقدیر کے پیچ — اُٹھیں کیونکر کہ ہیں اللہ کی تحریر کے پیچ
کرتا دنیا میں ہے تدبیر بہت یہ ناداں — پر نہیں کھلتے بشر سے کبھی تقدیر کے پیچ

باتوں باتوں میں الجھ جاتے ہیں عشاق کے دل
گفتگو میں ہیں کچھ ایسے بتِ بے پیر کے پیچ

کچھ مدد کرتی ہے تقدیر نہ تدبیر ہنوز — آہ بھی آہ نہیں کرتی ہے تاثیر ہنوز
شمع کا سر تو لیا کاٹ بلا جرم و خطا — کف افسوس مگر ملتی ہے گلگیر ہنوز

کیوں چڑھی رہتی ہے ہر دم تری ابرو قاتل
خوں کی پیاسی ہے مگر یہ تیری شمشیر ہنوز

زحمت نہیں آئینہ کو کچھ خاک سے ہرگز کب آتی کدورت ہے دلِ اہلِ صفا میں
زنجیر کی زلفوں سے رہائی ہوئی مشکل ڈالا ہے میرے دلکو خدا کیسی بلا میں

گوہر ہو فنا موت سے پہلے رہِ حق میں
شاید تجھے حاصل ہو بقا اپنی فنا میں

ایک دم بھی اُسے قرار نہیں کیا کروں دل پہ اختیار نہیں
خنجرِ جورِ چرخِ نیلی سے کس کا سینہ ہے جو فگار نہیں
میکشو میکدہ میں دنیا کے مست ہے جو کہ ہوشیار نہیں
خاکساری سے میرے دل میں کبھی مثل آئینہ کچھ غبار نہیں
دورِ ساغر تو چلنے دے گوہر زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

ولہ

چاک کر دیتے ہیں گل اپنی قبا جبکہ وہ بندِ قبا باندھتے ہیں
نیتِ سجدۂ محرابِ بتاں اب تو ہم صبح و مسا باندھتے ہیں
ہوتا غنچوں کا ہے دل رشک سے خوں جب وہ ہاتھوں میں حنا باندھتے ہیں

کچھ نہ کی اُس نے رسائی گوہر
آہ کو کیوں یہ رسا باندھتے ہیں

رکھّے نہ رکھّے کوچۂ دلدار میں اسے سونپا ہے اپنی خاک کو اب تو صبا کے ہاتھ
انساں ہے زندہ تا بدمِ رحلتِ نفس ہے کوچ کارواں کا تو بانگِ درا کے ہاتھ

ولہ

جو کچھ گذرتی مجھ پہ ہے اے مہرباں نہ پوچھ کیوں قابلِ بیاں نہیں یہ داستاں نہ پوچھ
کیا پوچھتا ہے حالِ غمِ دل تو ہم نفس ہمنے رکھا ہے دل میں اسے میہماں نہ پوچھ

ظاہر نہیں ہے اُس کے دہان و کمر کا حال
ہمدم بڑی دقیق ہے یہ چیستاں نہ پوچھ

غم سے فرصت نظر نہیں آتی　　کیا کریں موت گر نہیں آتی
ماہرو تیرے انتظار میں اب　　نیند بھی رات بھر نہیں آتی
جو گیا اُس جہان کو اُس کی　　پھر یہاں کچھ خبر نہیں آتی
نہیں معلوم اُس پہ کیا گذری　　نامہ بر کی خبر نہیں آتی
کسی صورت بھی ہکواے گوہر
اسکی صورت نظر نہیں آتی

جمالِ یار کی کیوں جستجو ہے　　ہر ایک گل میں اُسی کی رنگ و بو ہے
درِ بت پہ رہے سر اور چشم پرنم　　ہماری وہ نماز اور یہ وضو ہے
برائے نام ہے یہ سب من و تو　　نہ میں ہوں اور نہ وہ ہے اور نہ تو ہے
یہ کیسا دور آیا ہے کہ جس میں　　نہ ساقی ہے نہ ساغر اور سبو ہے
ترا ظاہر ہے کچھ باطن ہے کچھ اور
عبث زاہد یہ تیری گفتگو ہے

دل میں اِک زخم نہانی اور ہے　　بات یہ اب ہمنے جانی اور ہے
اندنوں کچھ سرگرانی اور ہے　　آپ کی یہ مہربانی اور ہے
قصۂ مجنوں پورانا ہوگیا　　اب نئی اپنی کہانی اور ہے
مئے وحدت نے کیا ایسا ہے سرشار مجھے　　کوئی دیوانہ ہے سمجھا کوئی ہُشیار مجھے
کر سکا ضبط نہ منصور یہی خامی تھی　　جانتا میں بھی ہوں لیکن نہیں گفتار مجھے
ابتو جینے کی تمنا بھی نہیں چارہ گرو
کردیا عشق نے کچھ ایسا ہی ناچار مجھے

بحرِ غم میں ڈبو دیا ہمکو　　تم سے اس دل نے آشنا کرکے
کب وہ سنتا ہے ہم غریبوں کی　　کیا کریں عرض مدعا کرکے

آخر اس بت کو ہم نے رام کیا لائے ڈھب پر خدا خدا کرکے
تجھے بے بال و پر کو اے صیاد دیکھ پچھتائیگا رہا کرکے
مجھے شوریدہ سر کا قصہ بھی کیوں مٹایا نہ سر جدا کرکے
حیف محروم تیرے در سے پھرا میں تو آیا تھا آسرا کرکے
جس سے گوہر نہ ہو امید وفا
لوگے کیا اُس سے تم وفا کرکے

بہار ہی میں کیا تو نے آشیاں برباد نری بلا سے ہم اے باغباں رہے نہ رہے
دل اُسکو دیکے رہے فکر جسم کیا باقی مکیں ہی جب نہ رہا پھر مکاں رہے نہ رہے
کیا ہے وعدۂ فردا پر اُس کے آنے تک خدا ہی جانے کہ ہم خستہ جاں رہے نہ رہے

ولہ
اگرچہ بیوفا دنیا میں ہیں سب نازنیں ہوتے جفا کاری میں پر تمسے نہیں ہوتے نہیں ہوتے
ہوا و حرص دنیا کی ہوئی ہے سدِّ رہ اپنی نہ ہوتی یہ تو ہم بھی طائفِ عرش بریں ہوتے

ولہ
بلبلو میں اُڑ سکوں کیا جور سے صیاد کے اب رہی طاقت نہ بازو میں نہ قوت آہ کی
جوشِ وحشت میں گذر میرا ہوا جو نجد میں دیکھکر حالت میری مجنوں نے بھی اک آہ کی
رند ساری عمر رہ کر اب ہے کعبہ کو چلا
دیکھو پیری میں یہ حرکت گوہر گمراہ کی

یہہ بیرحمی کہ بازو توڑ کر آزاد کرتے ہیں
ستم کیا کیا نئے ہمپر نہ یہ صیاد کرتے ہیں
میں اس امید پر ہوں غوطہ زن دریائے وحدت میں
کہ غوّاصوں کی خضر اکثر بڑی امداد کرتے ہیں
گئے گو دین و دُنیا سے مگر پھر بھی یہی ڈر ہے
کہ اب یہ حضرتِ عشق اور کیا ارشاد کرتے ہیں

غزلیات

دل و دین زلفِ دوتا میخواہد — غمزہ بینم کہ جفا میخواہد
پیشِ مرگ آنکہ فنا میخواہد — گوئیا آب بقا میخواہد
بگذرم من ز سرِ ہوشِ خرد — اگر آں ہوش رُبا میخواہد
حیف۔ داند نہ طبیبِ ناداں — مرضِ من چہ دوا میخواہد
زاہدا باش کہ حق از من و تو — دیدہ باید کہ کرا میخواہد
نالۂ و آہ فغانم کافیست — یار اگر نغمہ سرا میخواہد
نیک و بد نیست بدستِ منِ مست — میکنم ہرچہ خدا میخواہد

دُرِ مقصود بکف می آری
گوہر از فضلِ خدا میخواہد

ہشیاری است غافل ایں عینِ مستیِ ما — بیوجہ نیست یاراں ایں بُت پرستیِ ما
معذور دار مارا حقّا اگر بگوئیم — زاہد نہ لُو آگہ از حق پرستیِ ما
غافل ز رتبۂ خود ہستیم و ایں ندانیم — کونین گشتہ پیدا از بہرِ ہستیِ ما
گو ز آب و گل خمیرِ ما پا بگل سرشتند — ہمت ببیں رسیدہ تا عرش پستیِ ما

گوہر ز ہمّتِ خود صد شکر رفتہ رفتہ
"تا دامنش رسیدہ کوتاہ دستیِ ما

آشیاں ست کنجِ خانۂ ما — باشد آہ و فغاں ترانۂ ما
بر درے بہرِ آب و ناں نرویم — اشکِ چشم است آب و دانۂ ما
حیف آدم بطمعِ یک دانہ — کرد برباد آشیانۂ ما
چہ عجب لطفِ حق بہ بخشاید — برمن و حالِ بیکسانۂ ما

بہرِ عشّاق دہراے گوھر

سجدہ گاہست آستانۂ ما

رباعیات فارسی

از بہر چہ تو دیدۂ نمناک آخر ‏ از بہر چہ ملول و غمناک آخر
فرزند و عیال و زر بکارت ناید ‏ خاکی و بدی خاک و شوی خاک آخر

ایضاً

گفتم کہ مبند دل بہ دنیائے دوں ‏ کاینجاست ہمہ شعبدۂ و مکر و فسوں
کن قطعِ تعلقات ز ابنائے زماں ‏ زینہا دلِ بسیار عزیزاں شدہ خوں

ایضاً

تا کے باشی تو نامسلماں گوہر ‏ تا چند فجور و فسق و عصیاں گوہر
برخیز و قدم بنہ بہ راہِ ایماں ‏ خواہی نشوی خوار و پشیماں گوہر

ایضاً

فریاد ز جور گردشِ افلاکی ‏ کاں داد مرا ضعیفی و غمناکی
تابِ سیلابِ غم نیارد ہرگز ‏ وقتیکہ کہن شد ایں بنائے خاکی

ایضاً

تا چند کماں شود قد چوں تیرم ‏ تا کے بہ غم ایں و غمِ آں میرم
باشد بے سود حبِّ دنیا گوہر ‏ اکنوں بہتر کہ کُنجِ عزلت گیرم

گوہر - پنڈت پرتھی ناتھ صاحب

آپ کے حالات دریافت نہ ہوسکے

محرابِ بیتِ ابرو سے کہتا ہوں بار بار ‏ کعبہ کدھر ہے قبلۂ عالم تمام شب

لل ایشوری

لل ایشوری کے حالات زندگی سے یوں تو سیکڑوں کہانیاں منسوب کیجاتی ہیں لیکن اُن روایتوں میں سے صرف وہ روایتیں جو تحقیق و تدقیق کے بعد قابل اعتبار معلوم ہوئیں یہاں درج کیجاتی ہیں۔ لل ایشوری کی تاریخ ولادت کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ مگر ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سیّد علی ہمدانی کی ہمعصر تھیں جو ۱۳۷۹-۸۰ء سے ۱۳۸۵-۸۶ء تک کشمیر میں موجود تھے۔

لل ایشوری نے کتنی عمر پائی اور کس سنہ میں انتقال کیا۔ اس کے متعلق بھی وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ کشمیر میں وہی درجہ رکھتی ہیں جو بھگت کبیر اور راما نند وغیرہ ہندوستان میں رکھتے تھے۔

لل ایشوری پانڈرینھٹن (سرینگر کے نزدیک چند مسلمانوں کی آبادی ہے) کے ایک مشہور کشمیری پنڈت گھرانے کی بہو بتائی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ لل ایشوری کی ساس ان کے ساتھ بہت برا سلوک روا رکھتی تھی اور کوئی وقت طعن وتشنیع جبر وتشدد سے خالی نہیں جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے خواب وخور اُن پر حرام تھا اور اکثر اوقات فاقہ کشی کی نوبت آتی تھی۔ چنانچہ اُن کی ساس کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ وہ لل ایشوری کے کھانے کی تھالی میں ایک سل بٹہ رکھ دیتی تھی اور اُس پر تھوڑا سا بھتہ (اوبالا ہوا چاول) بکھیر دیتی تھی جس سے گھر کے افراد یہ سمجھتے تھے کہ لل ایشوری کی تھالی کھانے سے بھری ہوئی ہے۔ لل ایشوری کے ایک واکیہ (کشمیری زبان میں نظم) سے اس روایت پر کافی روشنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے

ہنڈ مارن کنہ کٹ — لُل تلہ وٹ چل نہ زاہ

یعنی گھر میں بھیڑ ماریں یا بکری لیکن لل کے لئے سل بٹہ کے سوا اور کچھ نہیں

لل ایشوری کی زندگی ایسے واقعات سے تلخ ہوگئی تھی آخر کار اُس نے گھر بار کو خیرباد کہا اور پانپور کے ایک سدھ بابو برہمن سے (جو ایک مرتاض کامل بتایا جاتا ہے) "گورو نتھ" لیا اور یوگ اور شیو فلاسفی کے مطالعہ میں مصروف ہوگئی۔

لل ایشوری فلاسفی اور یوگ کے مدارج پر کامل طور پر حاوی تھی۔ شروع شروع میں تو لل ایشوری آبادی سے دور جنگلوں اور ایکانت میں سکونت پذیر رہی لیکن آخر میں گاؤں گاؤں اور شہر بہ شہر مستانہ وار پھرنے لگی اور اسقدر بیخبری کا عالم اُس پر طاری ہوا کہ اکثر اوقات برہنہ تن پھرنے میں بھی اُسکو ننگ و عار نہ تھا مجذوبوں کیطرح کبھی گاتی کبھی روتی اور کبھی ہنستی تھی۔

لل ایشوری کے جو واکیہ آجکل ملتے ہیں وہ کسی مستقل کتاب سے ماخوذ نہیں کئے گئے ہیں بلکہ لوگوں کو سینہ بہ سینہ جو کچھ یاد تھا اُسے قلمبند کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں سرگریرسن اور سر رچرڈ ٹمپل کی مساعی قابل تحسین ہیں کہ جنھوں نے محنت شاقہ اور زرکثیر صرف کرکے لل ایشوری کے واکیہ اور حالات زندگی فراہم کرکے دو مستقل کتابیں انگریزی نظم و نثر میں لکھی ہیں۔ لل ایشوری کی وفات کے متعلق یہ بات زبان زد خاص و عام ہے کہ بجبہاڑہ گاؤں میں ایک مسجد کے نزدیک جب اُسکی روح قفس عنصری سے پرواز کر رہی تھی تو نور وضیا کا ایک شعلہ بلند ہوا اور خلا میں پھیل کر غائب ہو گیا۔ لل ایشوری کے تقریباً دو سو واکیہ ابتک فراہم ہو چکے ہیں جن میں سے چند واکیہ تبرکاً یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱)	لفظی معنی
لَل بُوہ درآیس لو لرے	میں لل انتہائے شوق سے جستجو میں نکلی۔
ژانڈان لُوسُم دَین کیہو راتھہ	تیری تلاش دن رات کرتی رہی۔
وُچھم پنڈت پَنُن گھرے	میں دیکھتی ہوں کہ آخر وہ فاضل اجل پنڈت میرے ہی گھر میں ہے۔
سوے میہ روٹُم مَنس نچھتر ساتھہ	اور یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں نے اُسے پا لیا
(۲)	
دَمہ دَمہ کورمس دمن ہالے	آہستہ آہستہ میں حبس دم کرتی رہی اور پھر مجھے اپنی ذات کا علم ہو گیا۔
پرزلیوم دیپھہ تہ ننے یم زانہہ	اور اندرونی چراغ روشن ہو گیا
اندریوم پرکاشس نیبر ڈیو ٹھم	اسطرح میں نے اپنی اندرونی روشنی کو باہر پھیلا دیا
گٹ روٹُم تہ کرمس تھپہ	آخر اسی اندھیرے میں (دل کی گہرائیوں میں) مجھے روشنی کی شمع مل گئی۔

تشریح

لل ایشوری ان دو واکیوں میں کہتی ہیں کہ میں خدا کی تلاش میں دن رات آوارہ رہی اور ہر مقام پر اُس کو تلاش کیا لیکن آخرکار اُس کو اپنے ہی دل کے اندر موجود پایا اور یہ احساس مجھکو یوگ کے بل سے ہوا۔

(۳)	لفظی معنی
پرتے پان یم سُو سے نو سُنے	جو اپنے پرائے کو ایک ہی سمجھے
یم ہیہو مو نو سے دین کیھو راتھہ	جس نے دن اور رات کو یکساں جانا
یم سے ادوہ یہ من سانپن	جس کے دل سے دوئی دور ہوگئی
یم ڈینو ٹھے سور گُرو ناتھہ	وہی اپنے اصلی گرُو کو پہچان سکتا ہے

(۴)	
دیوَ وَ ٹا دیور وَ ٹا	بُت بھی پتھر کا ہے اور مندر بھی پتھر کا
پَیٹھہ بوُ نا چھے اکھہ وَ ٹا	کلس سے بُنیاد تک سب کچھ پتھر کا ہے
پوجا کس کرکھہ ہوٹ بٹا	اے دانا پنڈت تو کس کی پوجا کر رہا ہے
کرمنس تہ پونس سنگھٹا	اپنے دل اور اپنی روح کو حبس دم سے یکساں کردے

(۵)	
راجہ ہنس آستھہ سپدک کوٹے	کبھی تو راج ہنس کی طرح تھا اور اب تو گھونگے کی طرح بے زبان ہے۔
کُستام چولے کیا تھام ہیتھہ	کوئی تیری کوئی چیز لے کر بھاگ گیا ہے
گرٹہ گوَ بندے گرٹہ ہوٹ گوٹے	چکی بند ہوگئی اور چکی کا مُنہ بھی بند ہوگیا
گرٹہُ ول چولے پُہلہ پُہل ہیتھہ	پنسنہارا اناج وغیرہ لے کر چلدیا

یعنے

کبھی تو تُو رس بھرے ترانے گاتا رہتا تھا اور شراب ہستی سے سرمست تھا لیکن اب موت نے تیری طاقت گویائی تجھ سے اس طرح چھین لی جس طرح پنسنہارا چکی کے بند ہوجانے پر اناج وغیرہ لیکر چلدیتا ہے۔

(۶)	لفظی معنی
رِنیٗم کرِلو تھ گرٛ بُھس	تونے ماں کے پیٹ کے اندر جو وعدہ کیا تھا
چیتٕس کرٛ بھاپے اَیِٹی	وہ تجھے کب یاد آئے گا!
مرنہ بروٗ نَنھُوے مُرٛبا	مرنے سے پیشتر ہی مر جاؤ
مرتھ مرتبہ ہرٛ ئی	اسی سے تمہارا رتبہ بلند تر ہوگا

(۷)	
رٕنھ مَبا ترٛاوٗن خَسرٛ با	تو اپنے گدھے کو آوارہ نہ چھوڑ
لُوکہ ہنزٕ گُنگ وارٕکھے ای	وہ لوگوں کے زعفران زاروں کو تباہ کر دیگا
تَتٕ کُس دازی تھرٛ با	اس گدھے کی اس حماقت کی ذمہ داری اُس کے مالک پر ہوگی
یٕتٕ نَنِس کرٛتَل پے ای	کیا تو وہاں برہنہ تن ہو کر یہ چابک کھانے کو تیار ہو جائیگی؟

پیغام

لل ایشوری دل کو ایک گدھا تصور کرتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ تو اُس کو اپنے قابو میں رکھ اور کام کرودھ لوبھ موہ وغیرہ سے ہمیشہ بچائے رکھ۔ ایسا نہ ہو کہ تو ان کے قابو میں پڑ کر جہنم کا سزا وار ٹھہرے۔

نوٹ۔ ناچیز مولف جناب پنڈت دینا ناتھ چکن المتخلص بہ مست کی عنایت کا مشکور رہے کہ انھوں نے اس قدر زحمت گوارا کرکے لل ایشوری کے حالات زندگی ارسال فرمائے ہیں۔

لوشا۔ مہاراجہ دیا رام بہادر مستوفی الملک روشن جنگ

فرزند اکبر موبد موبدان راے زندہ رام پنڈت متخلص بہ واجد۔ آپ کے منجھلے بھائی راے پنڈت ٹیکا رام صاحب موبد متخلص بہ ظفر تھے۔ اور اُنسے چھوٹے راے پنڈت سیتارام صاحب عمدہ تھے یہ روایت صحیح ہے کہ مہاجی سیندھیا ناظم سلطنت کے حکم قہری سے مہاراجہ بہادر دیارام ہاتھی سے پامال کر دئے گئے تھے۔ سوانح عمری ظفر ملاحظہ ہو۔

ہر نفس چہ رنجانی جانِ مبتلائے را | اے صنم نیازاری بندۂ خدائے را
اے زعہد بیگانہ دل بصرفِ تو دادم | چوں زدل تواں انداخت حرفِ آشنائے را
مابکس نمی گوئیم ماجرا بجز گریہ | ہر کسے جدا گوید از تو ماجرائے را
چشمِ تو ببند از و فتنہ در دلِ عارف | زلفِ تو زند بر ہم دیں پارسائے را
عشق ہر کجا باشد میکشد بخود حسنش | سوئے برگ کاہ ہست جذبۂ کہربائے را
آں صنم قدمے بر دل گر زناز بگذارد | سجدۂ سرکنم زدل دیدۂ نقشِ پائے را

چشمِ من نمی افتد جز بروئے نیکویش
بسکہ عاشقم نوشا شوخ میرزائے را

نوقا-پنڈت بشن ناتھ صاحب مُوبد

آپ رائے پنڈت زندہ رام صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ خط نستعلیق و شکستہ وغیرہ خوب لکھتے اور مجلدی و کاغذ سازی و مُذہبی و نقاشی و طرّاحی و مجدّرمی در وشنائی و شنجرف کے بنانے میں یدِ بیضا رکھتے تھے۔

دو ئی بمحفل وحدت اگرچہ بے ادبی است | برنگِ آئینہ دل صاف محوِ حق طلبی ست
زبانِ طعنۂ عشاق اے رقیب ببند | بہارِ گریۂ ما خندہ ہائے زیر لبی است
یقیں بگوش تو یک روز میرسد ظالم | صفائے گوہر دل گرد عائے نیم شبی است
برو بکعبۂ دل زاہدا برائے خدا | مرو بہ مسجد و بتخانہ ایں چہ بوالعجبی است
تواں بجویش رسیدن زنشۂ تدبیر | دُرونِ شیشۂ تقدیر بادۂ رسبی است

ماہر-پنڈت رتن لعل صاحب مجوؔ خلف پنڈت گلاب رائے صاحب مجوؔ ساکن سابق دہلی

آپ کے بھتیجہ پنڈت شیو نرائن صاحب مجوؔ خلف پنڈت کنہیا لعل صاحب مجوؔ المتخلص مبارک ایک عرصہ دراز تک شاہجہانپور میں بہ سلسلہ ملازمت سکونت پذیر رہے۔ جناب ماہر کا ایک دیوان

فارسی چار دیوان اُردو قلمی پنڈت صاحب موصوف کے پاس موجود تھے اتفاقیہ تذکرہ بہارِ گلشن کشمیر کا ذکر آنے پر پنڈت صاحب موصوف نے بلا تکلف یہ چاروں دیوان مجکو عنایت فرمائے جنکا انتخاب تذکرۂ ہذا کا زینت بخش ہے۔ جناب ماہر نے دیوان اول میں خاص اپنے قلم سے اپنے سوانح عمری مختصراً درج فرمائے ہیں چنانچہ اسکی نقل بجنسہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

امابعد یہ حقیر فقیر پنڈت رتن لعل مجو متخلص بہ ماہر پسر پنڈت گلاب رائے مجو برہمن کشمیری ساکن سابق دہلی عرض کرتا ہے کہ میں عرصہ چوالیس برس سے اس ضلع شاہجہانپور میں ہوں اور پینتیس ۳۵ برس اسی ضلع میں ملازم سرکار دولتمدار کار رہا آخر کار بوجہ پیرانہ سالی و نیک نیتی و خوش قسمتی اپنی عہدہ محرری جوڈیشلی حضور تحصیل شاہجہانپور سے ۱۱ر اگست ۱۹۰۱ء کو پنشن پائی چونکہ ایک عرصہ سے مجھکو شوق شعر و سخن کا تھا لہذا اکثر صاحبان اہل ہنر کے پاس آیا جایا کرتا تھا اور سید ارشاد علی عرف ملا شاد ساکن شاہجہان پور محلہ جھنڈا کی خدمت میں حاضر رہا کرتا تھا۔ سید صاحب موصوف سے اصلاح غزلیات میں لیتا رہا چونکہ تھوڑے ہی عرصہ میں میری طبیعت نے جولانی دکھائی اور روزانہ دو چار غزلیں کہتا رہا لہذا چند غزلیات بہ محنت و جانفشانی روزمرہ تیار کرکے یہ گلدستہ بنایا جس کا نام دیوان ماہر رکھا۔ اگرچہ یہ دیوان اس لایق نہیں ہے کہ سخن سنجان روزگار و صاحبان ذی ہنر اس کا ملاحظہ فرمائیں تاہم اگر نظر عنایت سے غور فرماکر دیکھیں تو جو نقص و غلطی ظاہر ہو اصلاح دیں۔

خالی نہیں انسان کوئی عیب و ہنر سے ممکن ہو تو دیکھیں وہ توجہ کی نظر سے

کس طرح ہو انسان کو جینے کا بھروسا پھرتی ہے اجل دیکھو کفن باندھ کے سر سے

میں چھوڑتا ہوں اپنی نشانی یہ پس مرگ ہر شعر مرا کم نہیں ہے لختِ جگر سے

جناب ماہر ایک مشاق اور پُرگو شاعر تھے۔ آپ کا کلام شاعری کے مختلف اصناف کا ذخیرہ ہے بندش الفاظ سلاست و لطافتِ زبان قابل داد ہے۔ آپ کے اشعار میں سوز و گداز مسائل اخلاقی و تصوف کا رنگ جا بجا جھلکتا ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کی عمر نے وفا نہیں کی

ورنہ آپ کے زمانہ حیات میں آپکا دیوان اول تو ضرور شایع ہو جاتا۔

اگر خواہی بہ بینی جلوۂ رخسار زیبا را　　دوئی بگذار روشن کن ز وحدت چشم بینا را
ز نورِ مہر او ہر ذرّہ مہرے در بغل دارد　　ز تابِ جلوہ اش حاصل تجلی گشت دلہا را
بہارِ باغ عالم کے شود آخر ز دیدن ہا　　ندارد صنعتِ او انتہا رنگ تماشا را
بہر سوے کہ چشم خویش را وا کردہ می بینم　　نیاید در نظر جز روئے او شکل دگر ما را
اگر خواہی کہ عمرِ خود بہ یادش میکنی آخر　　بیا در مذہبِ آزادگاں بگذار دنیا را

ولہ

بدل جا دادہ ام آں دم خیالِ زلف پیچاں را　　ز پاے خویشتن تا کردہ ام آباد زنداں را
ز دامانِ تعلق گرچہ صد آزادگی دادم　　ولے خاریست از عریانیم خارِ بیاباں را

ولہ

ساقی بخاک ریخت چو جامِ شراب را　　ہر ذرّہ در کنار گرفت آفتاب را
غفلت پسند طالعِ بیدار کے شود　　در چشم خویش راہ ندادیم خواب را
اندیشہ کن ز بحرِ فنا بے خبر مباش　　نظّارہ کن ز دیدۂ عبرت حُباب را

ولہ

ز روے شمع او روشن بہ عالم گشت محفل ہا　　نہ سوزد کے ز سوزِ عشق او پروانۂ دل ہا
ز دستِ ناتوانی در غمِ ہجراں چناں تنگم　　کہ یک گام است طے کردن بہ پیشم سخت منزل ہا
من آں دیوانہ مجنونم کہ لیلا در بغل دارم　　چرا مثلِ جرس فریاد سازم پیشِ محمل ہا

ولہ

ز شوقِ پاے بوس خار از زنداں کشم پا را　　کنم بیہودہ ناز از دامانِ خود دامانِ صحرا را
ز شہر سوے صحرا مثل مجنوں گر نہم پا را　　ز محمل پردہ بردارم بہ بینم روئے لیلا را
زمینِ کوچۂ او در بغل سیرِ چمن دارد　　بہ بیں از شوخیِ رنگ حنا نقشِ کفِ پا را
کجا در جستجوے ساقیِ مہوش روم ماہر
بدستم ساغرے در بغل داریم مینا را

جسم عریاں را خوش آید کے لباسِ تنگ تر　　رنگ ہم بارِ گراں شد حیف جسمِ زار را
آرزو دارم کہ بہر شکر او مثل زباں　　در دہانِ زخم دارم خنجرِ خونخوار را

حیرتے دارم بسر سازم چسان روزِ فراق
جز غمِ ہجرِ تو دیگر مونس و غمخوار نیست

ساغرِ ما از خمِ افلاک ہرگز پر نہ شد
ہم چو من ساقی بہ عالم دیگرے میخوار نیست

فتنۂ محشر سرِ تسلیم بر پایش نہاد
کمتر از شورِ قیامت گردشِ رفتار نیست

ولہ

مضطرب گل می شود از گریہ ہائے عندلیب
چاک سازد غنچہ ہم دامن بہ پائے عندلیب

باغباں ہم دشمنِ جاں صورتِ صیاد شد
نیست جز گل در چمن حاجت روائے عندلیب

بوئے گل صیاد می آید بہ تحریکِ صبا
ہست در کنجِ قفس عشرت سرائے عندلیب

ولہ

بے قراریم دلِ درد طلب راچہ علاج
طپشِ سینۂ و بیداریِ شب راچہ علاج

خواب در چشم نیامد بہ شبِ تارِ فراق
وائے حسرت لبِ فریاد طلب راچہ علاج

تا یکے حسرتِ دیدارِ تو در دل دارم
پردہ از رخ نہ کشد دستِ ادب راچہ علاج

گرچہ پوشیدہ کنم رازِ محبت لیکن
اضطرابِ دل و بیخوابیِ شب راچہ علاج

ولہ

جوششِ ابرِ سیہ دیدۂ گریاں دارد
برق را در بغل آہِ شرر افشاں دارد

ہیچ کس نیست کہ شاکی نہ بود در عالم
شیوۂ جور و جفائے تو نہ پایاں دارد

شبِ تاریک نہ پوشیدہ فقط رختِ سیاہ
صبح ہم در غمِ ما چاک گریباں دارد

حاجتِ سبحہ و زنار نہ دارم ز ازل
رشک از مذہبِ ما گبر و مسلماں دارد

خاکِ صحرائے جنوں بر بدنِ ما کافی است
خواہشِ جامہ نہ ماہر تنِ عریاں دارد

آئینہ ز نظارۂ جاناں گلہ دارد
شانہ ز سرِ گیسوئے پیچاں گلہ دارد

در جوشِ جنوں بارِ گراں شد بہ تنِ زار
از خاکِ بیاباں تنِ عریاں گلہ دارد

چوں دستِ جنوں بر سرِ دامن نہ رسیدہ
از دامنِ ما چاکِ گریباں گلہ دارد

چوں وحشتِ دل عزم کند سوئے بیاباں
زنجیر ز پابندیِ زنداں گلہ دارد

بنگر کہ شدہ صورتِ شانہ ہمہ تن چاک
تا ہم ز دلم گیسوئے جاناں گلہ دارد

گلگیر را برائے خدا پیشِ او مبر — در بزم تست تا بہ سحر مہمانِ شمع

سوزد چرا بہ بزمِ جہاں جانِ زار را — واقف کسے نہ گشت ز رازِ نہانِ شمع

از چشمِ خویش اشک ز حسرت بر آورم

ماہر بہ پیشِ یار کنم گریہ سانِ شمع

بعد مردن ہم میسر شد نہ راحت زیرِ خاک — تنگ میدارد مرا آغوشِ تربت زیرِ خاک

از صدائے صور ہم بیدار گشتن مشکل است — خفتہ ام غافل چناں از خوابِ غفلت زیرِ خاک

می رسد گرد و غبارِ خاکِ ماہر آسماں — کم نہ شد بعد از فنا ہم اوجِ ہمت زیرِ خاک

ولہ

تبدیل گشت شکل ز رنج و غمِ فراق — پرواز کرد از رخِ ما چوں غبار رنگ

ماہر ز چشمِ غور چو بینی بوقتِ سیر

دارد ہزار ہا چمنِ روزگار رنگ

دارد دلِ ناشادِ ما صد داغِ ہجراں در بغل — آہِ شرر افشاں بہ لب اندوہ و حرماں در بغل

گو رند مشرب گشتہ ام در اصل بودم پارسا — در دست دارم جامِ مے پوشیدہ قرآں در بغل

پیشِ تو سر خم کردہ ام از بارِ او افسردہ ام — بینم تو داری تا بکے شمشیرِ عریاں در بغل

اے شوخِ بے پروا بہ بیں دیوانۂ وارفتہ را — داماں دارد بر گلو چاکِ گریباں در بغل

مجنوں کجا و من کجا آں نجد دارد زیرِ پا — دارم زپا مردیِ خود صد ہا بیاباں در بغل

ماہر ز غم چشم است تر صد داغِ ہجراں در جگر

آہِ دلم شام و سحر آتش فروزاں در بغل

ز جوشِ وحشتِ دل چاک کردم جیبِ داماں را — تلاشِ سوزنِ خارائے جنوں بہرِ رفو دارم

بہارِ لالہ زار از داغ ہائے سینہ می بینم — بہ چشمِ خوں فشاں مثلِ گلِ تر رنگ و بو دارم

ز دل افتادہ ام چوں سبزۂ بیگانہ در گلشن — نہ مثلِ خار خو دارم نہ چوں گل رنگ نے بو دارم

ز پائے رہ رواں خاکِ بسر داریم در راہے — بروئے خاک چوں نقشِ کفِ پا آبرو دارم

بہ شب ہائے جدائی حالِ زارم کس نمی پرسد — گہے بینم فلک را گاہ از دل گفتگو دارم

ولہ

بے وجہ نیست از غمِ ہجراں گریستن — ہست از ازل بہ قسمتِ انساں گریستن

شایانِ طبع نیست ز درد و غمِ فراق — بر رخ نہادہ گوشۂ داماں گریستن

معدوم گشتن است ز گرمیٔ آفتاب — شبنم صفت بہ صحنِ گلستاں گریستن

در فصلِ نوبہار ز حسرت بروئے گل — باید ترانہ بلبلِ نالاں گریستن

ماہر ہزار رنج دہد گردشِ فلک

نادانی است صورتِ طفلاں گریستن

اے دلبرِ رعنائے من از من چرا رنجیدۂ — وے شمعِ بزمِ انجمن از من چرا رنجیدۂ

بر روئے تو وارفتہ ام وز زلفِ تو دل بستہ ام — زار و پریشاں گشتہ ام از من چرا رنجیدۂ

وے غیرتِ لیلا بہ بیں مجنوں منم صحرا نشیں — دارم بہ تن خاکِ زمیں از من چرا رنجیدۂ

دارم نظر بر روئے تو دل دادہ ام بر خوئے تو — افتادہ ام در کوئے تو از من چرا رنجیدہ

ایں ماہرِ شیدائے تو دارد بہ سر سودائے تو

سر می زنم بر پائے تو از من چرا رنجیدۂ

بیکسم نیست کسے اے غمِ ہجراں مددے — شبِ ہجراں مددے حسرت و حرماں مددے

سردمہریٔ بتاں در دلِ ما یخ بستہ — آہِ سوزاں مددے آتشِ پنہاں مددے

شکوہ از جامۂ ما دستِ جنوں می دارد — چاکِ داماں مددے جیب و گریباں مددے

جوشِ خوں بہرِ شہادت رگِ گردن دارد — تیغِ بّراں مددے ابروئے جاناں مددے

ماہر از دیدۂ ما رفت بر دل طفلِ سرشک

دامنِ ما مددے پنجۂ مژگاں مددے

زچشمِ پر غضب می بینی و چیں بر جبیں داری — بخونریزی جانبازاں کشیدہ آستیں داری

زحسنِ روز افزوں مہر و مہ زیرِ نگیں داری — سحر از روئے روشن شب ز زلفِ عنبریں داری

عجب حال تو می بینم ز جوشِ وحشت اے ماہر
نہاں خاریست در دامن بسر خاکِ زمیں داری

غزلیات اُردو

حیرت ہے یہ پردہ سا ہے کیا بیچ میں حائل — منہ دیکھ کے رہجاتا ہوں میں ارض و سما کا
ہے کون جو پابند محبت کا نہیں ہے — پایا ہے مزہ کس نے نہیں مہر و وفا کا

وله

مٹا کر اپنی ہستی زندگی میں خاک ہونا تھا — زمیں پر نقشِ پا بنکر ہمیں بیباک ہونا تھا
چھپاتے ہم تنِ عریاں کو اپنے جوشِ وحشت میں — تجھے اے خاک صحرا دامنِ پوشاک ہونا تھا
تماشا دیکھتے پھر سرکشی کا تیری۔ آنکھوں سے — زمیں کا بوجھ سر پر تیرے اے افلاک ہونا تھا

ہے جوشِ اشک دیدۂ تر میں رُکا ہوا — دریا سا ہے حباب کے اندر بھرا ہوا
دلمیں نشانِ داغِ محبت نہیں رہا — اندھیر ہے چراغ ہے گھر کا بجھا ہوا
جوہر دکھا رہی ہے تری تیغِ آبدار — دھبہ نہیں ہے خون کا قاتل لگا ہوا
تھا ایک داغ دل میں ہوا اب ہزار داغ — لایا ہے رنگ دیکھئے کیا گل کھلا ہوا
وحشت زدہ کی اپنے ذرا شان دیکھئے — داماں چاک ہے تو گریباں پھٹا ہوا

وله

ٹپکا نہ ایک اشک بھی چشمِ پُرآب کا — پانی سے بھر رہا ہے کٹورا حباب کا
ہے چشم تر بھی خشک کہاں سے خمار ہو — اندھیر ہے کہ خالی ہے پیالا شراب کا

ماہر شراب ناب پئیں کس طرح سے ہم
الٹا ملا نصیب سے پیالا حباب کا

آنکھوں میں وہ عالم ہے تیری جلوہ گری کا — خورشید پہ شک ہے مجھے خطِ نظری کا
کیا ہو وے رہائی کی خوشی قیدِ قفس سے — رُلواتا ہے عالم مجھے بے بال و پری کا
پوشیدہ ہی رہنے دے ذرا رازِ نہاں کو — اے نالۂ دل کام نہ کر پردہ دری کا
بھولے ہوئے غربت میں ہیں ہم راہِ وطن کو — اے پیکِ اجل قصد کر اب ہم سفری کا

گو شورِ قیامت بھی ہوا سر پہ ولیکن ۔۔۔ اب تک وہی عالم ہے مری بیخبری کا
طلوعِ صبحِ محشر ایک شرر ہے سینۂ سوزاں کا ۔۔۔ چراغِ شام سایہ ہے ہمارے داغِ ہجراں کا
جنوں نے ہاتھ دوڑایا جب اپنا صبحِ فرقت میں ۔۔۔ گریبانِ سحر بھی ہو گیا چاک اپنے داماں کا
ہمیشہ باعثِ دورانِ سر ہے دورِ جام اپنا ۔۔۔ نہیں شکوہ ہے کچھ برگشتگیِ چرخِ گرداں کا
نہ دیکھا روزِ روشن ایکدن شب ہائے ہجراں میں ۔۔۔ چراغِ صبح پر سایہ پڑا شامِ غریباں کا

سیہ بختی میں کرتا ہے رفاقت کون اے ماہر
اندھیرے میں نظر آتا ہے سایہ بھی نہ انساں کا

بتاے کس طرح بلبل چمن میں آشیاں اپنا ۔۔۔ نہ وہ غنچہ نہ وہ گل ہے نہ وہ ہے باغباں اپنا
گریباں چاک گل ہے غنچہ ہے خاموش حسرت سے ۔۔۔ گئی بلبل کہاں لیکر چمن سے آشیاں اپنا
مرے دیوانہ پن کا کسقدر ہے شور گلشن میں ۔۔۔ بھرا رکھتا ہے دامن پتھروں سے باغباں اپنا

ولہ

مجھسے برگشتہ تیری تیغِ ادا تھی میں نہ تھا ۔۔۔ ڈھونڈ لی پھر لی مجھے میری قضا تھی میں نہ تھا
تیری آرائش نے اے قاتل کیا مجھکو ہلاک ۔۔۔ خون میرا پاؤں سے ملتی حنا تھی میں نہ تھا
لیکے وہ تیغِ ستم مقتل میں جب پھرنے لگا ۔۔۔ موںہہ ہر اک کا دیکھتی پھر لی قضا تھی میں نہ تھا

ولہ

گمراہ تیری طرح نہیں ہوں گا برہمن ۔۔۔ تو بت کا ہے بندہ تو میں بندہ ہوں خدا کا
ہٹنے کا نہیں سامنے سے وہ ترے ہرگز ۔۔۔ آئینہ ہے خود محو تیری ناز و ادا کا
کس طرح ہووے گذر اپنی میانِ کوے دوست ۔۔۔ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا نشانِ کوے دوست
محو ایسا ہوں جو کرتا ہے کوئی کچھ ذکر بھی ۔۔۔ میں سمجھتا ہوں وہ کرتا ہے بیانِ کوے دوست
منتیں غیروں کی پھر کسواسطے جا کر کریں ۔۔۔ دل ہی جب اپنا ہوا ہے پاسبانِ کوے دوست

ولہ

جوشِ وحشت میں جو ہم پہونچے سوے میخانہ آج ۔۔۔ شیشہ پر شیشہ گرا پیمانہ پر پیمانہ آج
اے صبا کیا گیسوے جاناں سے کچھ جھگڑا ہوا ۔۔۔ کر رہا ہے چاک جو اپنا گریباں شانہ آج

ولہ

ابرو کے آگے ہے نہیں خنجر کی احتیاج ۔۔۔ وہ تیغ ہے جسے نہیں جوہر کی احتیاج

تڑپ رہے ہیں زمیں پر چمک کے گرمی سے
ہر ایک ذرّہ کی شاہد ہے آفتاب میں روح

سبو سے شیشہ میں شیشہ سے آئی ساغر میں
بھٹکتی ہے کسی مفلس کی یہ شراب میں روح

ولہ

ہجر کی شب میں کہیں صورت بھی دکھلاتی ہے نیند
پتلیوں سے وصل کی شب میں لپٹ جاتی ہے نیند

رنج فرقت میں بلانے سے نہیں آتی ہے نیند
دور ہی سے دیکھکر آنکھوںکو اڑ جاتی ہے نیند

سرمہ بنکر پھیل جائے کسطرح سے کیا کرے
راہ بھی جانیکی آنکھوںمیں نہیں پاتی ہے نیند

جیتے جی آنکھوں نے نفرت ہے فراقِ یار میں
بعد مردن خود بخود کس پیار سے آتی ہے نیند

چھوڑ دوں مژگاں کی چلمن جی میں ہے ماہر مرے
اندلوں آنکھوں میں آنیسے جو شرماتی ہے نیند

موہنہ کھولے ہوئے آبلے نکلے کفِ پا میں
پیدا ہو زباں رکھدیں جو مُنہ خار کے مُنہ پر

جب جانیں کہ مُنہ پھٹ ہیں بہت زخم جگر کے
شکوہ تو کریں اُس بتِ خونخوار کے مُنہ پر

تڑپا جو دم ذبح ترا عاشق شیدا
غش کھاکے قضا گر پڑی تلوار کے مُنہ پر

اے رحمتِ حق بہر خدا اپنی زباں سے
کچھ کہدے تسلی کو گنہگار کے مُنہ پر

یہ بھی ہے طفیل عاشقِ جانباز کے خوں کا
کیا زنگ جما ہے تری تلوار کے مُنہ پر

ولہ

تیرے آتے ہی اوڑا رنگ چمن بُو ہوکر
مہندی پس پس گئی شبنم گری آنسو ہوکر

غیر سرمہ کی طرح ہوں تیری آنکھوںمیں عزیز
میں کھٹکتا رہوں نظروں میں رگِ بُو ہوکر

کدھر ہے کوئے جاناں کیسے پہونچوں میں کہاں تھک کر
بتادے راہ مجھکو لے زمیں تو آسماں ہوکر

رُکے ہیں اشک آنکھوںمیں ہماری کیوں رواں ہوکر
حبابوں میں یہ دریا رہ نہیں سکتا نہاں ہوکر

لگانا وار قاتل بار بار اچھا نہیں ہوتا
دہانِ زخم میں رہ جائیگا خنجر زباں ہوکر

کہاں جاؤں نکلکر گردشِ تقدیر تو دیکھو
اوڑاتا ہے فلک پھر خاک سر پر بدگماں ہوکر

ہوا ہے جوش وحشت اسکو بھی میری طرح ماہر

گریبانِ سحر جو اُڑ گیا ہے دھجیاں ہوکر

تشنگی سے لایا مقتل میں مقدر دیکھکر — مُنہ کھُلا زخمِ جگر کا آبِ خنجر دیکھکر

ولہ

ہر طرف پھیلی ہوئی زلف دوتا ہے سر پہ — کوئی آسیب ہے یا کوئی بلا ہے سر پہ

محو استانہ برہمن ہو ذرہ اوپر دیکھ — بُت اگر فرشِ زمیں پر ہے خدا ہے سر پہ

ولہ

جھک گیا سر میرا آکر کوچۂ قاتل کے پاس — تھک گیا اے وائے حسرت پہونچکر منزل کے پاس

دشت میں اب تو نشانِ قبرِ مجنوں بھی نہیں — خاک جو باقی بھی اوڑتی پھرتی ہے محمل کے پاس

ہاے کچھ تو پوچھ لیتا خون میرا بعد قتل — اتنا بھی دامن نہیں ہے خنجرِ قاتل کے پاس

ہوگئی بیتاب حسرت سے تڑپتا دیکھکر — تیغ قاتل اب پہونچ سکتی نہیں بسمل کے پاس

صحبت جانی کی شکایت اپنی کس منہ سے کروں — خنجر بے آب ہے سنتا ہوں میں قاتل کے پاس

درد فرقت سے جو ماہر صبر ہوتا ہی نہیں

کوئی پتھر رکھ لیا ہوتا اٹھا کر دل کے پاس

مست و میخوار جھکائے ہوئے سر آتے ہیں — کیا یہ میخانہ بھی کوئی ہے زیارت واعظ

جام مے پینے دے تو یہ تو کریں گے آخر — ابھی آئی نہیں جاتی ہے قیامت واعظ

ولہ

عشق میں پروانہ کے جلتی ہے حسرت سے سدا — عاشقوں میں رکھتی ہے وہ ہمت مردانہ شمع

تجکو رہتا ہے یہاں شام و سحر کُوچ اور مقام — بزمِ عالم ہے ترے آگے مسافر خانہ شمع

مُنہ چھپا کر پردۂ فانوس میں روتی رہے — مُنہ سے پروانہ کی گر سنلے مرا افسانہ شمع

مست تو شب بھر رہی اب صبح ہوتی ہے نمود — کیوں نہو لبریز تیری عمر کا پیمانہ شمع

دن کو غیرت سے تجھے وہ مُنہ دکھا سکتی نہیں — رات کو آتی ہے تیرے آگے مایوسانہ شمع

جگر نہ سینہ میں ہے اور نہ دل ہے پہلو میں — ہوا ہے کیسے یہ برباد گھر نہیں معلوم

خیال کسکا ہے دل میں مرے خدا جانے — وہ بیخبر ہوں کچھ اپنی خبر نہیں معلوم

زمیں پہ گرتے ہیں طفلِ سرشک گھبرا کر — تجھے ذرا بھی کچھ اے چشم تر نہیں معلوم

کبھی ہے کس پہ یہ تیغ ادا نہیں معلوم
دکھاتی کسکو ہے غمزہ قضا نہیں معلوم

غم فراق سے اب دم میں دم نہیں باقی
یہ ابتدا ہے ابھی انتہا نہیں معلوم

ولہ

کیا ہے ابروئے خمدار نے برگشتہ مژگاں کو
عجب کیا ہے بنے گر نیزہ بھی شمشیر جھٹکی میں

یہ صدقہ ہے نگاہ یار کا ابرو کا مژگاں کا
کمر میں تیغ ہے برچھی بغل میں تیر جھٹکی میں

بڑھا گر جوش سودا اے جنوں کچھ بھی تو سن لینا
دبا کر توڑ دو لگا پاؤں کی زنجیر جھٹکی میں

اُٹھائیگا جو سر پھر جوشِ سودائے جنوں ماہر
ہلا دینگے پکڑ کر عرش کی زنجیر جھٹکی میں

میرے رہنے کے لئے بنوا رہی ہے گھر زمیں
سیکڑوں من خاک ڈالے گی مرے سر پر زمیں

کیوں نہ میں ملکِ عدم کی یاد میں رویا کروں
آسماں ایسا وہاں ہے اور نہ ایسی سرزمیں

بعد مردن بھی دبا ہوں دو بلاؤں کے تلے
آسماں اُوپر زمیں کے اور مرے سر پر زمیں

اے فلک تو ہی بتا جاؤں کدھر میں ناتواں
پاؤں رکھنے کی جگہ دیتی نہیں تل بھر زمیں

تنگ جینے سے ہوں ماہر گر نہ آئیگی اجل
پاؤں پھیلا کر اُٹھا لونگا ابھی سر پر زمیں

زہے تقدیر گریباں جو گلے ملتا ہے
وائے تقدیر کہ قدموں پہ رہے سر دامن

تنِ عریاں نے کیا دستِ جنوں سے نادم
چاک کرنے کو گریباں نہ میسر دامن

ہم فقیروں کو ہو کیا خاک تمنائے لباس
جامۂ خاک ہے اور خاک کا بستر دامن

تیری خواہش ہے مجھے ہوں تیرے درکا میں فقیر
کیا ضرورت ہے جو پھیلاوں میں گھر گھر دامن

ولہ

کیا تھا اسقدر سیراب آبِ تیغِ قاتل نے
دہانِ زخم سے بہتا رہا ہے لہو برسوں

کیا پابندِ حسرت ایسا ضعفِ ناتوانی نے
رہا تار رگِ گردن مرا طوقِ گلو برسوں

تیرے جاتے ہی حسرت سے اوڑا رنگِ چمن ایسا
نہ آئی غنچہ و گل میں ذرا بھی رنگ و بو برسوں

کسی کے اشتیاقِ سجدۂ محرابِ ابرو میں

کیا ہے ہم نے ماہر آبِ خنجر سے وضو برسوں

ترے کوچہ میں صورتِ نقشِ پا ہم — پڑے خاک پر ٹھوکریں کھا رہے ہیں
ہٹے ہم تو ادھر بھی پڑی تیغِ قاتل — وہ نادم ہیں ہم دل میں پچھتا رہے ہیں

ولہ

غیر کے جی پہ جو صدمہ ہو تو نالاں ہوں میں — کوئی روتا ہو تو منت کشِ داماں ہوں میں
وائے حسرت نہ گرا آنکھ سے اک آنسو بھی — کب سے پھیلائے ہوئے گوشۂ داماں ہوں میں

ولہ

اسیری میں بھی اب تک ہے وہی دیوانہ پن اپنا — ہلایا کرتے ہیں بیٹھے ہوئے زنجیر زنداں میں

ولہ

ساقیا میخانہ کو مقتل سمجھنا چاہیئے — خونِ مینا کون سے دن چشمِ ساغر میں نہیں
ایک آنسو جوشِ گریہ سے نہ ٹھہرا آنکھ میں — اے حباب اتنی بھی گنجایش ترے گھر میں نہیں

ولہ

کس طرح سے شہیدوں میں داخل ہوں کیا کروں — قاتل کہیں ہے میں ہوں کہیں اور قضا کہیں
کسکو سناؤں روکے شبِ ہجر کا میں حال — پہلو سے چل دیا دلِ درد آشنا کہیں

ولہ

بت پرستی کی شہادت تری دیتا ہوں میں — تو برہمن ہے تو ناقوس کلیسا ہوں میں
کیوں ڈبوئے نہ مجھے بحرِ فنا مثلِ حباب — سر اٹھائے ہوئے گرداب میں پھرتا ہوں میں
صورتِ نقشِ قدم خاک اڑانے کے لئے — پاؤں پھیلائے ہوئے راہ میں بیٹھا ہوں میں
گردشِ چرخ سے خود خاک میں مل جاؤنگا — نہ بگاڑو مجھے مٹی کا کھلونا ہوں میں
تیرا انداز ہم اے چرخِ کہن سیکھتے ہیں — خاک سے خاک میں ملنے کا چلن سیکھتے ہیں
اے جنوں غنچہ صفت تنگ قبا سے ہو کر — پھاڑنا صورتِ گل جامۂ تن سیکھتے ہیں

ولہ

دردِ دل سے جو گرے آنکھ سے بہ کر آنسو — خاک پر کیا ہی تڑپ کر ہوئے مضطر آنسو
کھیل رونے کا ہوا خوب میری آنکھوں کو — کبھی دامن پہ گرے اور کبھی منہ پر آنسو
غم نہیں بند ہے ساقی جو درِ میخانہ — ساغرِ چشم میں ہم پیتے ہیں بھر بھر آنسو
ہوں وہ غم دوست میں اس غمکدۂ عالم میں — میرے دامن میں بھرے رہتے ہیں اکثر آنسو
خاک میں ملگئے جو برباد ہوئے جاتے ہیں — کس لئے آنکھ سے آتے ہیں نکل کر آنسو

خاک اوڑائیگی تیری گریۂ وزاری ماؔہر
ہوتے ہیں سوئے زمیں آنکھ سے رہبر آنسو

کیا بیہوش مجھکو چشمِ مستِ نازِ ساقی نے
بھولایا نشہ نے دو جام کے سارے زمانے کو

کیا ہے شوخ چشم آئینہ کو نظارہ بازی نے
چڑھایا بندشِ گیسوئے تیرے سر پہ شانے کو

نشانِ سجدہ ہر ایک نقشِ پا کو جانتا ہوں میں
حریم کعبہ سمجھا ہوں تمہارے آشیانے کو

ولہ

دیکھ لیتے ہیں تصور میں تیری صورت ہم
کششِ دل نے دکھایا یہ اثر آنکھوں کو

کس طرح اشکوں کو اپنے نہیں قاصد سمجھوں
دل پہ صدمہ ہو تو دیتے ہیں خبر آنکھوں کو

ولہ

عجب کیا توڑ ڈالیں سبحۂ و زنار کو دونوں
پلادے جام سے ساقی جو تو شیخ و برہمن کو

ہوا ہے جام سے کو فخر تیرے ہاتھ میں کیسا
جھکا لیتا ہے شیشہ بھی ادب سے اپنی گردن کو

ہمیں اب وحشت دل دیگی کیا ترغیب عریانی
نچھوڑونگا کبھی میں ہاتھ سے صحرا کے دامن کو

ولہ

شب فرقت میں کسی نے نہ دیا ساتھ مرا
بیکسی ملنے کبھی بھولے سے آجاتی ہے

کیا کہوں جب تیرے آنیکی خبر سنتا ہوں
بیخودی آکے میرے ہوش اُڑا جاتی ہے

ولہ

بے حجابی نے تری کھول دیا بندِ نقاب
کیوں حیا آنکھوں میں شرمائی ہوئی پھرتی ہے

حسرت و یاس نے نظروں سے گرایا تھا مگر
بیکسی سینہ سے لپٹائے ہوئے پھرتی ہے

سخت جانی سے میری پھر گیا مُنہ خنجر کا
زیست سے موت بھی شرمائی ہوئی پھرتی ہے

ولہ

رونے میں ہیں اشک آنکھ سے باہر نکل آئے
ڈوبے ہوئے دریا کے شناور نکل آئے

محروم پھرے خانۂ خمار سے ساقی
خالی ہی لئے ہاتھ میں ساغر نکل آئے

سرسبز ہوئے دہر میں پامالی کے خاطر
سبزہ کی طرح خاک سے باہر نکل آئے

ولہ

پاؤں تک سر سے تری زلفِ رسا آپہونچی
دونوں ہاتھوں سے بلا لینے ادا آپہونچی

پس گئے سیکڑوں دل پاؤں سے ملتے ملتے
خون کرتی ہوئی ہاتھوں میں حنا آپہونچی

سر بکف سیکڑوں مقتل میں ہیں دیکھیں ماؔہر

زندگی کس کی ہے اور کسکی قضا آپہونچی

سبو میں شیشہ میں خم میں نہ ٹھہری دختر رز
کسی کے دیکھنے کو بے حجاب ہو کے پھری

یہ کس کی زلف سیہ دیکھکر ہوا غافل
سیاہی آنکھوں کے پردے میں خواب ہو کے پھری

ولہ

محبّت دختِ رز کی لائے میخانہ میں شرمانے
جھکا یا سر نہ شیشہ نے لگا یا منہ نہ ساغر نے

جدا حصّہ ہر اک نے دولتِ عشقِ صنم پایا
جگر نے داغ نالہ دل نے آنسو دیدۂ تر نے

حنا خوں کر کے اپنا پاؤں میں مہندی لگا آئی
بنایا غازۂ رخ رنگ سے اپنے گلِ تر نے

وضو کر کے لہو سے ہم کرینگے وصفِ قاتل کا
زباں دی ہے دہانِ زخمِ دل کو تیرے خنجر نے

مجھے ہنگامۂ محشر میں کوئی بھی نہ پوچھے گا
خطِ اعمال دھو ڈالا ہے میرے دیدۂ تر نے

ولہ

تصویر کسکی ہے درِ دلپر لگی ہوئی
ہے آنکھ اُس پہ آئینہ بن کر لگی ہوئی

پوچھیں گے سب سے پہلے مجھے روزِ حشر میں
میری ہی فرد ہے سرِ دفتر لگی ہوئی

نیّت تو دیکھو خالی کئے پی کے خم کے خم
تو بھی ہے آنکھ جانبِ ساغر لگی ہوئی

دل جل رہا ہے پہلو میں اور سینہ میں جگر
ہے دونوں گھر میں آگ برابر لگی ہوئی

مُنہ تک رہی ہے خنجرِ قاتل کا دیر سے
پیچھے قضا کھڑی ہے برابر لگی ہوئی

مشقِ خرامِ ناز قیامت سے کم نہیں
ہے ہر طرف تیرے صفِ محشر لگی ہوئی

اُٹھیں گے جیت ہار کے ماہر بساط سے
دنیا ہے ایک بازیِ چوسر لگی ہوئی

آہ بھی لب پہ ہے آنسو بھی رواں رہتا ہے
کیا کہوں درد میرے دل میں کہاں رہتا ہے

شعلۂ آہ جو سینہ میں نہاں رہتا ہے
آگ لگ جاتی ہے گھٹ گھٹ کے دھواں رہتا ہے

نالۂ دل سے نکلتی ہے صدائے ناقوس
بت پرستی نکروں تو بھی گماں رہتا ہے

دل میں ڈھونڈوں تجھے یا دیر و حرم میں جاکر
وہ جگہ مجھکو بتا دے تو جہاں رہتا ہے

لب بہ لب ہو کے نہ کی خنجرِ قاتل نے مدد
بے زباں ہائے میرا زخمِ دہاں رہتا ہے

بیخودی میں نہیں کچھ اپنی خبر کیا معلوم میں کہاں ہوں دلِ وارفتہ کہاں رہتا ہے

دو بدو ہو کے کس امید پہ دیکھے ماہرؔ

آئینہ سے بھی تیرا عکس نہاں رہتا ہے

بیخودی اپنا کام کرتی ہے ہوش اُڑا کر سلام کرتی ہے

ہم تو مرتے ہیں آپ ہی غم سے کیوں قضا اپنا کام کرتی ہے

شیشہ میں بند ہو کے دخترِ رز بے دہن بھی کلام کرتی ہے

تیغِ سفاک زندگی بھر کا دم میں قصّہ تمام کرتی ہے

حسرتِ دل رولا رولا کے مجھے دو نو لبریز جام کرتی ہے

سخت جانی کے خوف سے ماہرؔ

تیغِ قاتل سلام کرتی ہے

نہ دل رہا نہ رہی دل کی آرزو باقی بس ایک جانِ حزیں رہ گئی ہے تو باقی

پڑا ہوں نقشِ قدم بن کے لاکھ آگر دوں ابھی ہے خاک اوڑانیکو سر پہ تو باقی

چلی ہے کیسی ہوا باغ میں یہ اے گلچیں نہ رنگ گل میں رہا اور رہی نہ بُو باقی

یہ آئی کیسی بلا میکدہ میں اے ساقی نہ شیشہ ہے نہ ہے ساغر نہ ہے سبُو باقی

ولہ

نگاہِ ناز جب میرے طرف لیکر سنان نکلی ادا بھی پھیر کر مُنہ دل میں لینے چٹکیاں نکلی

لئے خنجر تیری ابرو جو اے جاں جہاں نکلی نگہ بھی پیچھے پیچھے ہاتھ میں لیکر سناں نکلی

میں وہ ننگِ خلایق تھا نہ رویا کوئی میّت پر کیا غم بیکسی نے حسرتِ دل نوحہ خواں نکلی

حبابِ آب ہی بحرِ فنا میں ڈوب کر نکلے ابھی تک پر نہ میری کشتیِ عمرِ رواں نکلی

اشاروں میں وہ باتیں کرتے ہیں چشمِ سخن گو سے نگاہِ ناز جسکو سمجھے تھے ہم وہ زباں نکلی

زمین پر بھی نہ رہنے پایا میں نقشِ قدم بنکر نشاں میرا مٹانے خاکِ پائے رہرواں نکلی

مبارک ۔ پنڈت کنہیا لال صاحب شنگلو عرف مجو خلف اکبر پنڈت گلاب رائے صاحب مجو متخلص بہ خورّم متوطن دہلی

آپ کی ولادت ۱۸۴۵ء میں بمقام نجیب آباد ضلع بجنور ہوئی جہاں آپ کے والد بسلسلہ ملازمت عہد نواب نجیب الدولہ میں دہلی سے آئے تھے۔ آپ کے والد نے جب آپ خورد سال ہی تھے بمقام بجنور رحلت کی۔ آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ کی پرداخت بہ سرپرستی پنڈت جیالال رینہ اپنے ماموں کے نہایت فارغ البالی کے ساتھ ہوئی۔

شروع ہی سے آپ کی طبیعت مائل بہ تحصیل علم رہی اور اُس پر قوّت حافظہ خداداد تھی۔ لطف ربّانی شامل حال تھا پس بلا استمداد غیرے دنگل سخن رانی میں آپ ایک پہلوان سخن پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ تک بوسیلۂ پنڈت سندر لال جی در رئیس انبالہ داروغہ گذر گھاٹ و آبکاری رہکر بہ ایام غدر آخر لڑائی کے زمانہ میں آپ کو لکھنؤ آنا پڑا جہاں منشی گری و گماشتہ گری کمسریٹ کرکے بمقام شاہجہاں پور چلے آئے۔ شاہجہانپور میں چار سال تک آپ سرشتہ دار رہے اسکے بعد بعہدہ کورٹ انسپکٹر پولیس مامور ہو کر بمقام بنارس ۹ سال آپ کا قیام رہا۔ بنارس سے آپ کا تبادلہ بریلی کو ہوا جہاں آپنے اٹھارہ سال تک اُسی خدمت کو انجام دیا۔ حکّام بالادست نے آپ کی حُسن خدمات کی قدر فرماکر آپ کو بعہدہ ڈپٹی کلکٹری ممتاز کیا۔ پانچ برس بعد ۱۸۹۴ء میں آپ نے پنشن لی آپ فارسی کے عالم متبحر تھے۔ فارسی کے طرف زیادہ خیال مائل رہا۔ فارسی میں آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔ سوانح عمری خود موسوم بہ خراج ملک حیات عرف خضر منور انشائے صنعت کشا نثر میں۔ مثنوی سیر باغ بطرز غنیمت و مرغ وہم بطرز نلدمن فیضی۔ و مطلع خیال بطرز شاہنامہ و باغ فیض و اختراع وجود و ہدیہ تسخیر دستہ شورش چند مثنویات و قصائد اکثر بطرز عرفی و واسوخت و دیوان فارسی مکمل۔ اردو میں ایک دیوان علاوہ مثنوی گلشن تعشق بطرز گلزار نسیم و مثنوی بہار عشق اور ایک واسوخت کے آپ کا یادگار ہے۔ یہ جملہ تصانیف

قلمی پنڈت شیو نرائن صاحب مُحو ظلمت حضرت مبارک کے پاس بمقام شاہجہانپور موجود ہیں۔ افسوس ہے کہ ان میں سے ایک کتاب بھی زیور طبع سے آراستہ ہو کر اہل نظر کے سامنے پیش نہیں ہوئی ہے اور سب نسخے ایک بستہ میں بندھے ہوئے پڑے ہیں۔

الا اے سر بغو اصی منہ در قلزم دلہا — کہ آساں غوطہ در گرداب و ماندن باز مشکلہا
مرو اے در عمیقِ آبِ بحرِ فطرتِ دلہا — کہ آساں رفتن اندر قعر و گشتن باز مشکلہا
ز جامِ بادۂ مستی سرورِ طبع نہ ساقی — کہ از جوشِ خمِ پیرِ مغاں مینا کشد دلہا
ز مژگاں قطرۂ اشکم میکشد حیرت چو نگہِ او — شعاعِ شمس سے سوزد نہ تابِ آبِ ساحلہا
جگر چوں پنبہ کن بر شعلۂ شمعِ عشق میگوید — بود پروانۂ مجلس دلِ سوزانِ بسملہا
رہِ ظلمات و خوفِ خار و صحرائے پر از وحشت — گذار ماہی گیرند غولِ سخت منزلہا

مبارک تا تو می خواہی بہ آگاہے باو مالی
ز صورت رسے معنی معنیِ آسان مشکلہا

نہادن باہتی سر عنبریں رمزِ خیالی را — بمشکِ نافہ آغشتن ز خوشبو مغز خالی را
بزیرِ شست و شور نگے نمو داند رکفِ عالم — کہ سبزہ بر روشہائے گلستاں پائمالی را
رفوئے چاکِ دامان را بالا خر رشتہ از تارے — روی دستے بود پیوند جیب خستہ حالی را
فسونِ آہ بر لختِ دلم زن بہر تسخیرش — چناں بہرِ طلسم آرند مُز خرفِ سفالی را

مبارک می نماید گل گلِ رنگیں بجز دخلے
تو آمیز ہم بخونِ خویش رنگِ خوش خصالی را

شد تار شب بظلمتِ گیسو شو د نشد — انجم کشید باز درِ مو شود نشدہا
ہم چشم تا نگشت غزال اے بچشم تو — نشانے کشید باز بہ ابرو شود نشدہا
منزل نمود بس قدم شوق از فراق — بود آرزو کہ رہ بہ تگاپو شود نشد
خورشید از ضیا لبِ بام آمد آخرش — با جلوہ ہیچ حسنِ رخ تو شود نشد

جز گریہ ہیچ پیش مبارک نماند آہ
مژگاں فگند اشک بہ قابو شود نشد

اے کہ با تیغ نگہ ترک بتاز آمدۂ
دست بوسم کہ بسا دست دراز آمدۂ

ناز نینانہ تو از بہر نیاز آمدۂ
جلوہ ات باد کہ اے جلوہ طراز آمدۂ

اے نگہ باز چہ شوخی بہ فدائے دل و جاں
با تو دادم ہمہ از بہر کہ باز آمدۂ

اے خدا را مزن از شکوہ لب خویش بکس
زانکہ از عاشق خود محرم راز آمدۂ

باش ہر لہجۂ خوش تا کہ بہر دل گذری
اے کہ از حسن گلو سوز بہ ساز آمدۂ

ہمدم غیر مشو اے بت من بہر خدا
بندہ ات گشتم و تو بندہ نواز آمدۂ

یاد تو بود بدل تا قدمت رنجہ شود
زندگانی بود اے عمر دراز آمدۂ

عشق عجب نسبت خوش با من و با تو دارد
من چو محمود شدم تو بہ ایاز آمدۂ

صبحدم از نظر نعش مبارک بر دوش
مرگ خوش کردہ کہ از بہر نماز آمدۂ

تاریخ اجرائے مراسلہ

وہ چہ خوش طالع کہ شد نامہ بنام کشمیر
مرحبا نامہ کہ سر نامۂ تدبیر شدہ

جوہر عرض و جود ش بصفات دانست
بالیقین صدق بقلب از سر تاثیر شدہ

نقش کالحجر معانی ست بصاحب نظراں
عالمے بہر تصور کہ بہ تصویر شدہ

نکتۂ حسن نشانے ست نشان مطلوب
طالباں را طلب حسن بہ تحریر شدہ

کلمۂ پند کہ بند ست دل اے دریا دش
خواب غفلت زدگاں را سر تعبیر شدہ

کز نقوط ضمنش دائرہ دل قطر نما
لوح محفوظ بود مرکز دل گیر شدہ

اے مبارک چو بریں گل گذری ہمچو ہما
سال تاریخ بگو گلشن کشمیر شدہ ۱۲۹۹

پنڈت اجودھیا پرشاد منشی - مبتلاؔ

مبتلا - پنڈت اجودھیا پرشاد صاحب منشی خلف پنڈت گنگا دھر صاحب منشی دہلوی
آپ کے جد امجد پنڈت موتی رام فراقی تھے آپ اندور میں پیدا ہوئے لیکن آپکی عمر کا ابتدائی حصہ زیر سایہ بزرگان خود دہلی ہی میں گذرا۔ آپ چار حقیقی بھائی تھے۔ ہرپرشاد بنسی دھر۔ آپ اور رام نرائن ۱۳۰۶ہجری مطابق ۱۸۸۹ء میں آپ کے برادر کبیر رام نرائن نے عین عالم شباب میں بمقام دہلی انتقال فرمایا۔ اس سے پیشتر آپ کے ایک چچا بنام بھوانی پرشاد اوباپ اوردادا پنڈت موتی رام منشی اور سب سے بڑے بھائی ہرپرشاد بھی وہیں اس دارفانی سے رخصت ہوچکے تھے۔ اپنے سرپرستوں کی وفات کے بعد آپ دہلی سے اپنا گھربار اُٹھاکر بھانڈیر اپنے برادر اکبر بنسی دھرجی کے پاس جو وہاں بعہدہ تحصیلداری مامور تھے چلے آئے تھے لیکن آپ جہاں رہے وہاں سے دہلی برابر آتے جاتے رہے کیونکہ وہاں آپ کے بزرگوں کی جائداد تھی اور آپ کے دو چچا ٹھاکر پرشاد اور نند کشور وہیں رہا کرتے تھے۔ آپ کی ابتدائی ملازمت دربار جھانسی سے شروع ہوئی۔ وہاں آپ رانی صاحبہ جھانسی کے وکیل تھے۔ غدر سے پہلے آپ مع اپنے عیال و اطفال کے جھانسی سے گوالیار آگئے تھے۔ یہاں آکر آپ کو اندازاً ۴۱ سال کی عمر میں مہاراجہ جیواجی راؤ سیندھیا کی سرکار سے عہدہ صدر منصفی عطا ہوا۔ آپ بیش و کم ۱۵ سال تک اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ جب منصفی ٹوٹی تو آپ ضلع سکرواری کے نائب صوبہ مقرر ہوئے جسکی صوبات قصبہ جورہ میں تھی۔ ۱۸۷۶ء میں آپ کے جورہ تشریف لیجانے کے ۴ مہینہ بعد مادھو مہاراج پیدا ہوئے۔ آن کے ولادت کی تاریخ جو آپ نے لکھی اُس کے حسب ذیل شعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس عہدہ کو پاکر سخت رنجیدہ تھے۔

پیش ازیں از کرم بلشکر خاص — بندہ را منصف عدالت گفت
جور گردوں کنوں بجورہ فگند — زاستانش مرا بہ ہجرت گفت
کمتریں چاکرم بدرگاہش — فخر دارم براینچہ خدمت گفت

اور تھا بھی ایسا ہی کیونکہ یہ عہدہ آپ کے سابق عہدوں سے کہیں کم تھا۔ چنانچہ اپنی کوشش اور مہاراجہ صاحب کی نوازش سے آپ ایک سال کے بعد ہی لشکر واپس بلالئے گئے اور چند ماہ کے بعد آپ کو مہارانی صاحبہ کو قانون پڑھانے کا کام سپرد ہوا جسکو آپ نے تین سال تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔ آخری حصہ عمر میں آپ گوالیار کی طرف سے دربار وکیل مقرر ہوکر اندور بھیجے گئے دہاں جا بنکے تین برس بعد آپ نے سنہ ۱۸۸۳ء میں تقریباً ۶۳ سال کی عمر میں انتقال کیا اور جہاں پیدا ہوئے تھے وہیں پیوند خاک بھی ہوئے آپ کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ پہلی شادی سے دو لڑکیاں اور دو لڑکے ہوئے لیکن لڑکے کم سنی ہی میں راہی ملک بقا ہو گئے۔ آپ کی پہلی بیوی نے گوالیار ہی میں انتقال کیا۔ چونکہ آپ کا کوئی فرزند نرینہ نہیں تھا اسی لئے اپنی ہمشیرگان کے مجبور کرنے سے آپ نے دوسری شادی ۵۱ برس کے سن میں کی اور اس بی بی سے آپکو چار فرزند ہوئے آپ کا ایک پسر اور دو پوتے لشکر گوالیار میں سکونت پذیر ہیں۔ آپ مولانا صہبائی کے شاگرد رشید تھے۔ اس کا آپ کو بڑا فخر تھا چنانچہ اس فخر کا اظہار آپ جا بجا شعروں میں کرتے ہیں

مبتلا جرعہ ز جام دگراں نوش نکرد ۔۔۔ میکشی مصطبۂ حضرت اُستاد آمد
مبتلا ئے جرعہ خوار ساغر صہبائیم ۔۔۔ مست بودن از شراب غیر کے شاید مرا
زدم شراب سخن چوں ز جام صہبائی ۔۔۔ بہ بیں کلام من مبتلا چہ رنگین است
تا چو صہبائی زباں داں اوستاد مبتلا ست ۔۔۔ بہتر است از خون ایراں خاک ہندستان ما
من جرعہ خوار بادۂ صہبائیم مدام ۔۔۔ گر مبتلا است مست غزلخوانی من است

مبتلا کو مشاعروں سے خاص دلچسپی تھی اور لشکر میں آپ کے مکان پر مشاعرے منعقد ہوا کرتے تھے مگر اکبرآباد کے مشاعروں میں شرکت فرمانا بھی اپنا فرض سمجھتے تھے گو اسوقت ریل نہیں تھی اور سفر میں دقت ہوتی تھی مگر آپ اپنے شوق سے مجبور تھے۔ آپ کے اکثر آگرہ جانے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ جنسی دھرجی اسوقت میں سرکار انگریزی کے

پنشندار ہو کر بھانڈیر سے آگرہ آ گئے تھے چنانچہ انھوں نے اپنی سکونت کے لئے ایک مکان
بھی وہیں بنوایا تھا اور مرتے دم تک وہ وہیں رہے۔ آپ کا فارسی کلام اعلیٰ پایہ کا ہے
عموماً تمام غزلیات کے مطلع قابل دید ہیں پھر ہر شعر کی سلاست و آبداری قابل داد ہے۔
آپ کے ایسے اشعار خصوصیت کے ساتھ لائق ستائش ہیں جو معرفت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے
ہیں۔ علاوہ فارسی کے گاہ گاہ اردو شعر بھی خوب فرماتے تھے جناب مبتلا کے نسبت تذکرۂ
گلستان سخن کے مولف مرزا قادر بخش صابر لکھتے ہیں جوان متین خوش مزاج نیک رفتار دوست
ستا محبت افزا سعادت نہاد پنڈت اجودھیا پرشاد معروف بہ منشی۔ اخلاق حمیدہ اُسکے
مثل نکہت گل مشام نواز اور کردار پسندیدہ اُس کے اہل روزگار کی اوضاع سے ممتاز
اُس کی زباندانی سے ہند کو اصفہان پر صد ہا سخن اور اُسکی نکتہ طرازی سے نقاط حروف
خالِ محبوب پر طعنہ زن۔ مشق سخن جناب اُستادی مولوی امام بخش صہبائی سے بہم پہونچائی
حق یہ ہے کہ معنی کی نزاکت اور الفاظ کی متانت اور کلمات کی تنگ ورزی اور تراکیب
کی کُرسی نشینی دائرہ ستائش میں محصور نہیں ہوسکتی۔ مبتلا صاحب دیوان تھے جس کے طبع
ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ اُس کا ایک قلمی نسخہ ناچیز مولف تذکرہ ہذا جگموہن ناتھ رینہ کے
پاس ہے۔ انتخاب کلام ناظرین والا تمکین ملاحظہ فرمائیں۔

حُسن سر داد چو آں جلوۂ یکتائی را — عشق آموخت بجز شیوۂ رسوائی را
می کشد جام دورنگی چمنستانِ جہاں — تا دو بالا کند ش نشۂ رعنائی را
حُسنِ پوشیدۂ و پیدائے تو در دیر و حرم — بُردہ از رہ نگہِ شوق تماشائی را
پا ز سر کردۂ غلطیدہ بسویت آئیم — تا نشانم بدرت نقش جبیں سائی را

مبتلا گوشہ گزید از ہمہ در خود نہ رسید
بست بر خویش عبث تہمتِ تنہائی را

اوبستہ بپائے خود حنا را — خوں شد دل از انتظار ما را

از دین بگذشته ام بشفقت — اے بت نظرے بمن خدا را
طوفان بر روے آب آورد — از گریه سپهر ماجرا را
دل برده زیک جہاں بنازم — عیّاریِ طرّهٔ دوتا را
خاکم برباد رفت و نامد — رحمے بر حالِ من صبا را
چرا خوب ایں چنیں یارب نمودی شکل خوباں را — که هم دل باختیم در راهِ شان هم دین و ایماں را
سر حرفے ندارم در خیالِ زلفِ پر تابش — کجا باشد دماغِ گفتگو خاطر پریشاں را
چو آید فصلِ گل هر کس کند دامن پر از گلها — من از لختِ جگر پر می نمائم جیب و داماں را

مده اے مبتلا چشمِ ترم را رخصتِ اشکے
که خواهد کرد ایں طفل آشکارا رازِ پنهاں را

دستگیرِ ما نشد گاهے ز لطف — بارها در پایش افتادیم ما
در گلستانِ جہاں مانند سرو — پا به گِل داریم و آزادیم ما
اے خدا بر تشنه کاماں رحمتے — کشتهٔ شمشیرِ بیدادیم ما
گاه در صحرا گہے در کوئے یار — چوں غبارِ خانه بر بادیم ما
پُر ز گوهر ہاے غلطاں کردهٔ داماں ما — خانه ات آباد باد اے دیدهٔ گریاں ما
مصحفِ رخسار را گلزار در پہلوئے زلف — در کفِ ہندو مده سر رشتهٔ ایماں ما
هر چه کرد ایں طفلِ اشکم کرد ورنه پیش ازیں — هیچ کس آگه نبود از سوزشِ پنهانِ ما
در گداز و سوزِ ما چوں شمع و چوں پروانه ایم — شعلهٔ عشقے که آتش میزند در جانِ ما

ولہ

یا بمرادِ دل رساں خاطرِ غم رسیده را — یا بکش از تنم بروں جانِ ستم کشیده را
اشک چرا نه ایستد بر مژه ام که میدهند — رخصتِ آرمیدگی خار بپا خلیده را
اے ز عتاب رفته از سرِ لطف باز آ — راحتِ وصل کن عطا رنجِ فراق دیده را

خواهی اگر خبر شوی از دلِ مبتلائے خویش

پیش نظر دے گزار مرغ بخون تپیده را

زآہ آتشیں شد خانۂ تاریک دل روشن — خدا خوش دارد ایں چشم و چراغ دودمانے را
اگر چینے برابرو میزنی برمن نگاہے ہم — چرا تیرے نہ بکشائی کشیدی گر کمانے را
چنیں پیمانۂ چشمے کہ یارب گردشے دارد — کہ چار اطرافِ عالم مست دیدم مردمانے را
بیالے قصہ خواں از بہرِ خواب راحتش برخوال — زبخت خفتہ و بیخوابیِ من داستانے را
کنم مشقِ جبیں سائی ازاں بر سنگِ میخانہ — کہ تا از سجدہ گیرم سخت سنگ آستانے را
از پردہ برآ اے بتِ محجوب خود آرا — برگیر نقاب از رخِ پر نور خدا را
شد سلسلہ جنباں جنونِ دلم از سر — در کوچۂ آں زلف کہ رہ داد صبا را
راہ ورو شے نیست بجو دگم شدگاں را — جوئید زرہ گم شدگاں راہنما را
از زہد یک انبار و خریدار کسے نیست — یارب چہ شد ایں سجدہ فروشانِ ریا را
زلفِ تو بلا بلکہ سرِ جملہ بلا ہاست — خود آمدہ بر روئے تو پس افگندہ بلا را
خیزد دلِ دیوانہ اگر نالہ گری را — افتد کہ پر درنگ ز رخ بال پری را
اے وائے من آں گم شدہ راہم کہ درآنجا — گم کردہ خضر نیز طریقِ خضری را
ایں لالہ ازاں دلکش و خوں در جگراں ست — کز داغِ من اندوختہ خونیں جگری را
رفتم بسلوکِ خبر و گم شدم از راہ — یارب سوے من راہ نما بے خبری را

ولہ

نسیم کویش و بادِ بہار ہر دو یکے ست — شمیمِ زلفش و مشکِ تتار ہر دو یکے ست
چہ حسن پردہ نشیں و چہ عشق رسوائے — فتادہ پردہ چو از روے کار ہر دو یکے ست
بشادی و غم روشندلاں تفاوت نیست — فروغِ شمع بہ بزم و فرار ہر دو یکے ست
ازیں چہ غم کہ خزاں آمد و بہار گزشت — جدا ز یار خزاں و بہار ہر دو یکے ست

بیا ز خونِ دلِ مبتلا حنا بربند
کہ رنگ خون و حنائے نگار ہر دو یکے است

آہے از دل کہ بیادِ قدِ جاناں برخاست
سرو ہرگز نہ بہ ایں رشک ز بستاں برخاست

بزمِ خوباں ہمہ صورت کدۂ تصویر است
ہر کہ بنشست وزاں جا ہمہ حیراں برخاست

دلِ من پہلوئے زلفِ تو ہمہ کفر نشست
در برش مصحفِ رُخ دید مسلماں برخاست

دردِ عشقِ تو بہ تسکینِ دلِ زار نشست
اے خوشا درد کہ خود از پئے درماں برخاست

دیدم چو بیقراریِ سیماب دل طپید
آیا نمونۂ دلِ صد پارۂ کسے است

روزِ شمار نامِ جفایش نہم وفا
تا کس بگویدش کہ ستمگارۂ کسے است

ایں سبزۂ مزارِ شہیدانِ ابرواں
خوش یادگارِ خنجرِ خونخوارۂ کسے است

افزود از طبیب دوا دردِ مبتلا
بیچارہ ایست آنکہ پئے چارۂ کسے است

بے ادب سوئے بزرگاں منگر ہیچو حباب
یک نفس زیست چو نگریست بدریا گستاخ

عشوۂ و ناز و ادا غمزۂ و شوخی و حیا
یک جہاں است پئے غارتِ دلہا گستاخ

خونِ مستاں ہمہ برگردنِ تو خواہد بود
محتسب سنگ مزن بر سرِ مینا گستاخ

مبتلا را چہ جنوں زد کہ بیک نقدِ وفا
شد ببازارِ محبت پئے سودا گستاخ

ہر دیدہ کجا درخورِ دیدارِ تو باشد
ہر سینہ کجا مخزنِ اسرارِ تو باشد

گل جامہ زند چاک و خورد خار بسینہ
شاید کہ چو ما والۂ رخسارِ تو باشد

ناکام برآید ز شفا خانۂ عیسیٰ
آں خستۂ بیچارہ کہ بیمارِ تو باشد

بر چشمۂ خورشید بشوید قدمِ خویش
آں آبلہ پائے کہ طلبگارِ تو باشد

دل بعشقِ تو گرفتار ہماں است کہ بود
جان ز دردِ غمِ تو زار ہماں است کہ بود

عمرِ شب کوتہ و افسانۂ عشقِ تو دراز
آرزومندیِ اظہار ہماں است کہ بود

بارہا سیرِ گلستانِ رخت کردم باز
شوقِ گل چینئ دیدار ہماں است کہ بود

مبتلا بادہ مکرر زلبت خورد ہنوز
غافل و باخود و ہشیار ہماں است کہ بود

یکے توئی کہ ترا حسنِ دلربا بخشند　　یکے منم کہ مرا دردِ جاں گزا بخشند
توئی کہ فرقِ ترا طرۂ دوتا بخشند　　منم کہ جانِ مرا سر بسر بلا بخشند
بہ ترک چشم چہ گویم بمن چہا بخشند　　کہ مشتِ خاک ستانند و کیمیا بخشند
مرو بکعبہ مرو زاہدا کہ دشوار است　　بایں گذر کہ تو داری ترا صفا بخشند
زغیر قطع نظر کردہ چشم آن داریم　　کہ ہم چو سرمہ ترا جا بچشم ما بخشند
دراں مقام کہ مقبول سوزِ سینہ ہاست
گناہ خلق بیک آہ مبتلا بخشند

بے جسم و بے جان آفریدند　　دل از کف شد چو جانان آفریدند
مرا دردیست بے درماں و گرنہ　　مرا خاطر پریشان آفریدند
اگر در سر نبود شش خودنمائی　　چہ سر است اینکہ انسان آفریدند
تماشا کردہ ام دیر و حرم را　　چہا پیدا و پنہان آفریدند
دمے از بیخودی فارغ نباشند　　چہ ہشیاری بمستان آفریدند
بگلشن عندلیب مبتلا را
بکوے او غزل خوان آفریدند

دل عشاق چہ خوش پیل و نہارے دارد　　کہ بزلف و رخِ جاناں سروکارے دارد
عشق را رنگِ دگر داد شکستِ رنگم　　اندریں باغ خزاں نیز بہارے دارد
تا بکویش نہ نشیند ہمہ بر باد دہد　　یارب ایں باد ز خاکم چہ غبارے دارد
ہیچ سر نیست کہ خالی بود از سودائے　　سر ما نیز بسودائے تو کارے دارد
ہیچ میخوارہ ندیدیم بمستی مخمور　　لیک چشم تو کہ مست است و خمارے دارد

ززمینِ خاکسارم بگو اے فلک چہ دیدی | کہ بایں بزرگواری پئے سجدہ اش خمیدی
ہمہ حسرت از تو اشکم کہ چرا زدل رمیدی | بسرِ تو چوں نگریم کہ بخاک آرمیدی

تو ز خود نبودی آگہ کہ زمن رمیدہ بودی
بخود آں زماں رسیدی کہ بہ مبتلا رسیدی

اے لالہ رخ بہارِ گلستانِ کیستی | وے گلعذار رونقِ بستانِ کیستی
از فرقتِ تو شور بعالم فگندہ ایم | امشب نگارِ من نمکِ خوانِ کیستی

اے مبتلا زبسکہ تو فریادی کنی
آگہ نیم کہ عاشق و خواہانِ کیستی

گفت روزے دلم کہ پیمان کن | رازِ عشقش زغیر پنہان کن
پئے عہدِ وصالِ او خود را | در تہِ تیغِ عشق قربان کن
گر بخواہی حیاتِ جاویدی | جانِ خود را فدائے جانان کن

مبتلا خاک کوئے آن محبوب
وقفِ فرق و جبین ایمان کن

تو عین نوری و کس را نظر نمی آئی | حیا زکیست کہ از پردہ بر نمی آئی
گذشت از نظرم ہر چہ خوب و زشت آمد | ہمیں تو ئی کہ بایں رہگذر نمی آئی
کجا تو رفتۂ ایدل چہ رفتہ بر سرِ تو | کہ دیر شد بہ برِ من دگر نمی آئی
اگر بہ بیخودی از خود خبر شدن خواہی | چرا بمیکدہ اے بیخبر نمی آئی
بزہدِ خشک ترا زاہدا نمی پرسند | بروزِ حشر چرا چشم تر نمی آئی

ازان دلا تو برون از حریمِ جانانی
کہ مبتلائی و از خود بدر نمی آئی

بہ ہم چشمانِ خود این دیدۂ غم دیدۂ دارم | زغم خوارانِ خود دل دارم و رنجیدۂ دارم

چرا روزِ جزا از بازپرس بیش کم ترسم | که من بر فرقِ خود بارگنہ سنجیدہٗ دارم
بجائے خویشم و آئینہ ام احوالِ عالم را | کہ در پہلوئے دل اندر جہاں گردیدہٗ دارم
بیا در آں لب پر شور شورے می کنم برپا | ازیں غافل کہ در پہلو دلِ شوریدہٗ دارم

خدارا آں رخِ پوشیدہ از عالم مپوشاں از من
کہ من چوں مبتلا چشم از جہاں پوشیدہٗ دارم

بمژگاں ناوک اندازی واز ابرو کماں داری | غرض یک آفتی صید افگنی یا آنکہ عیاری
خدا نا ترس باکفر آشنا بیگانہ از دینی | وفا دشمن بتِ نامہرباں شوخِ جفا کاری
مرا دیدی کہ بیمارش شدم چشمک زدی بر من | نمی گوئی بچشم خود چرا بر خویش بیماری

چہ داری در دل از نیرنگیِ اطوار حیرانم
کہ دلداری بہ غیر و مبتلا ئے را دل آزاری

خرابِ دیدہٗ گریانِ خویشم | کبابِ سینۂ بریانِ خویشم
بصحرائے جنونم داد تکلیف | فدائے عقلِ سرگردانِ خویشم
چرا چوں خار گیرم دامنِ گل | کہ گل در دامن از بستانِ خویشم
گراں گشتہ ام بر خاطرِ یار | شبک در چشم ہم چشمانِ خویشم
چرا میرم کہ جاں از تن بروں رفت | کہ من جاں دادۂ جانانِ خویشم

یکے از مبتلا یانِ تو ہستم
ز دل بیدل بجاں از جانِ خویشم

پا براہِ عشق از روز یکہ محکم ساختم | سینہ پُر غم دل پر آتش دیدہ پُرنم ساختم
نالہ یک ساعت زدم باگریہ یکدم ساختم | سینہ را گلخن نمودم دیدہ را نم ساختم
سخت در ماندم چو جا دادم بدل عشقِ ترا | آہ کنجِ عافیت را خانۂ غم ساختم

اے مسلماناں ز دیں بگذشتم و چوں مبتلا

پشت در محرابِ ابروے بتاں خم ساختم

اے صبا سلسلہ جنبانِ جنون آمدۂ — بگو از کوچۂ زلف کہ برون آمدۂ
چیست حالِ دلِ از خویش برون رفتۂ ما — بگوا اے اشک کہ اینک ز درون آمدۂ
مرگ خواہم کہ مرا زندۂ جاوید کند — مردم اے زیست ز دستت کہ زبون آمدۂ
گرنہ بگداختی اے دل بخیالِ رخِ یار — ارچہ در چشمِ ترِ من ہمہ خون آمدۂ

مبتلا را کہ شب ایدل تو ز پہلو رفتی
چہ بر اُو رفت چہ دانی کہ کنوں آمدۂ

قدِ تو تا در نظرم جلوہ کرد — فتنۂ صد حشر بپا کردہ ام
خاک شدم تا کہ بکویت رسم — ہمسریِ بادِ صبا کردہ ام
تا بر ہِ عشق قدم ماندہ ام — خاک بسر خار بپا کردہ ام

ولہ

دیدم از جوشِ غمت بحر و برے — ایں لبِ خشکے و آں چشمِ ترے
مہر از عشقِ تو در تاب و تپ است — چرخ دیوانۂ بے پا و سرے
در ہوائے سرِ کوئے تو بہار — چیست آشفتۂ خونیں جگرے
ہمہ تن آئینہ ساں حیران است — بر رخت دیدۂ صاحب نظرے

مبتلا گرنہ ز جاں بے خبر است
باشد او را چہ ز جاناں خبرے

بیا اے جاں گرہ از خاطرِ ناشاد بکشا — بہ بندِ شرم باشی تا کجا بندِ قبا بکشا
کجی افگن در ابرو راستی آموز مژگاں را — بایں صورت کمانے بر کش و تیرِ جفا بکشا
بزلفت صد گرہ خوشتر کہ دل وابستہ تر باشد — کہ می گوید کہ ایں دیوانہ را از زنجیرِ پا بکشا
ز بحرِ غم رساند کو بساحل کشتیِ ما را — درِ رحمت خدایا بر رخِ آں ناخدا بکشا

دلِ دیوانہ خواب از چشمِ تو آخر بُرید امشب

بگوشِ آں پری افسانۂ از مبتلا بکشا

دمے زگریہ نہ آسود دیدۂ ترِ ما — پُر است از مے گلگوں مدام ساغرِ ما
زگریہ سوزشِ دل بیشود فزوں حیف است — کہ آب کار چو روغن کند براخگرِ ما
بخیرتیم کہ سیماب یارہم آہو است — تپد مدام دلِ بیقرار دربرِ ما
بسانِ شمع نہ پیچیم سر ز راہِ وفا — جدا بہ تیغ جفا گر کنی زتن سرِ ما
دلا میار زچشم اشکہائے بے حاصل — عبث بخاک مریز آبروئے گوہرِ ما
دمے بخواب زوم تاز غم برآسایم — غمِ تو آید و خار افگند بہ بسترِ ما
فگندہ شور بعالم کلامِ شیرینم — گراں بہ وصفِ لبت شد بہائے شکرِ ما
نداد رخصت خوابے بہ مبتلا امشب

تپیدنِ دلِ وحشت شعار مضطرِ ما

پُر ز گوہر ہائے غلطاں کردہ دامانِ ما — خانہ ات آباد باد اے دیدۂ گریانِ ما
مصحفِ رخسار را گلزار در پہلو زلف — در کفِ ہندو دہد سر رشتۂ ایمانِ ما
برقِ بیتابانہ خود را در تہِ ابر آورد — از گزندِ گرمیِ آہِ شرر افشانِ ما
تا چو صہبائی زبانداں اوستادِ مبتلاست

بہتر است از خونِ ایران خاکِ ہندستانِ ما

خط بگردِ رخِ تابانِ تو بے چیزے نیست — روئے ایں کفر بایمانِ تو بے چیزے نیست
دلِ من بوئے ازاں گیرد و چون گل بشگفد — غنچہ گوئے گریبانِ تو بے چیزے نیست
چشم نیش از نگہت زخم دلِ من دارد — کاوشِ ناوکِ مژگانِ تو بے چیزے نیست
دانم ایدل کہ شرابے و کبابے داری — عشق مہمان بسرِ خوانِ تو بے چیزے نیست
درد عشق است کہ درماں نپذیرد ایدل — خلق درماندہ و درمانِ تو بے چیزے نیست
میروی سوئے حرم ایدل و من میگویم — کہ خدا باد نگہبانِ تو بے چیزے نیست

مجنوں دست و گریبان شدہ باشی دائم
مبتلا چاک بدامانِ تو بے چیزے نیست

ندیدن جلوۂ حسنِ تو دیدن آرزو دارد — شنیدن ہم ز لب حرفے شنیدن آرزو دارد
نمیدانم چرا یارب دل اندر سینہ ام خوں شد — مگر از چشم خون بارم چکیدن آرزو دارد
دلا امروز جنس معصیت را نرخ بالا کن — کہ چوں رحمت طلبگار خریدن آرزو دارد
بیال جاں کند مشقِ پریدن طائرِ شوقم — کہ گرد بام جانانم پریدن آرزو دارد
ندانم در دلم افتادہ شوقِ باکہ پیوستن — کہ از تن رشتۂ الفت بریدن آرزو دارد
رمیدن یاد میگیرد ز وحشت جانِ بیتابم — کہ از عمرے بجاناں آرمیدن آرزو دارد

ندانم مبتلا از صحبتِ یاراں چہا دیدہ
کہ پا در دامنِ عزلت کشیدن آرزو دارد

اے کہ در بزم بصد عشوۂ و ناز آمدۂ — از پئے گرمیِ بازارِ نیاز آمدۂ
شمع گر سازبہ پروانہ نداری منظور — از چہ در بزم بایں سوز و گداز آمدۂ
دلم از زلف چو وارست خلش گفت بمن — اندکے باش کہ اندر راہِ دراز آمدۂ
حسن گر مظہر آیاتِ خداوندی نیست — من چرا بندۂ و تو بندہ نواز آمدۂ
لطف نظارۂ بیروں چو دروں نیست کہ تو — رفتی اینک ز برم اے دل و باز آمدۂ
از کہ آموختۂ این ستمِ لطف نما — کہ خودم کشتی و خود بہرِ نماز آمدۂ
من چساں افگنم از چشم خود اے اشک ترا — کہ ز خلوت کدۂ دل ہمہ راز آمدۂ

مبتلا نیست ترا شرم کہ در کوئے بتاں
عہد کردی کہ دگر نایم و باز آمدۂ

دیدی چناں بغیر کہ گویا ندیدۂ — از ما چہ دیدۂ کہ سوے ما ندیدۂ
اے مدعی کہ کعبۂ و بتخانہ دیدۂ — جائے بگو کہ یارِ من آنجا ندیدۂ

اے دل شوی چہ تنگ ز بالیدنِ جنوں　　وسعت مگر بدامنِ صحرا ندیدۂ
اے طعنہ زن کہ زخمِ نگاہے نخوردۂ　　روے چو روز و زلف شبِ آسا ندیدۂ
اے چشم جلوہ اش طلبی وز جلالِ او　　آگہ نۂ و حالتِ موسیٰ ندیدۂ
بسمل بخون تپیدہ بسے دیدۂ ولے　　جاناں تپیدنِ دلِ شیدا ندیدۂ
دادی چسان بکاکلِ جانان نشانِ دل　　مشاطہ فالِ او مگر از شانہ دیدۂ
ہرگاہ موج دیدی و کف دیدی و حباب　　باور چساں کنند کہ دریا ندیدۂ

یک زلف دیدنش بسر آورد صد بلا
اے مبتلا ہنوز سراپا ندیدۂ

برخیز از جہاں چہ بہ تمکیں نشستۂ　　سنگِ نشان نۂ کہ تو سنگیں نشستۂ
نکشود راز بستہ ات اے غنچہ بردلم　　کاسبابِ خندہ داری و غمگیں نشستۂ
دانی چہ حال دردِ دلِ زار و ناتواں　　بیمار را شبے نہ ببالیں نشستۂ
اے خال جا بہ گوشۂ چشمش گزیدۂ　　آنجا چہ دیدۂ تو کہ چندیں نشستۂ

اے مبتلا کہ سر بگریباں چو غنچۂ
آیا بفکرِ معنیٔ رنگیں نشستۂ ۷۶

آنکہ از قامت قیامت میکند برپا توئی　　وانکہ از کاکل بلا آوردہ بر سرہا توئی
آنکہ از موے کمر سازد عدم پیدا توئی　　وز دہاں بر روے آرد صورتِ عنقا توئی
آنکہ یکسر وقفِ تسلیم و نیاز است آں منم　　وانکہ از سر تا بہ پا ناز است استغنا توئی
از خرامِ قد محشر زا خود در ہر قدم　　آنکہ حاکم را کند یکسر تہ و بالا توئی
رنگ نیرنگی و کیفِ کم پُر از حسن تواند　　بادہ در مینا توئی و نشّہ در صہبا توئی
خندۂ گل گریۂ شبنم بہ یوستِ و بس　　آبروے باغِ عالم اے گلِ رعنا توئی
گاہ حسن پردہ داری گاہ عشقِ پردہ در　　ہم بمحمل لیلیٰ و ہم قیس در صحرا توئی

یک نفس ہم از تو نتواں شد جدا اے جانِ من چوں حباب و موج بیروں در دروں با تو توئی
اندریں بزم از چہ رُو بر رخ نقاب افگندۂ نیست غیرے جز من و من خود نیم گویا توئی
مبتلا دیگر چہ میخواہی بگو و عشق دوست
خستۂ و بیکس توئی شیدا توئی رسوا توئی

اے روے تو باغِ زندگانی قدّ تو نہالِ نو جوانی
ہجرِ تو سُبک شدم بعالم از من تو ہنوز سرگرانی
خنداں گلِ رویت از نشاط است رویم ز غمِ تو زعفرانی
من خود رفتم دلا ز کویش تو خود بنشیں اگر توانی
بنشینم و صبر بر گزینم
دامن ز امید وصل چینم

تاریخ وفات پنڈت نرائن داس ادھل ضمیر دہلوی

آں گوہرِ معدن بلاغت واں لو لوے قلزمِ فصاحت
آں نورِ چراغِ نکتہ دانی واں بلبلِ باغِ خوش بیانی
آں در خرد و ہنروری طاق سر کردۂ شاعرانِ آفاق
آں طوطیِ ہند را ہم آواز ہم نغمۂ عندلیبِ شیراز
آں شاعرِ آتشیں زبانے یعنی کہ ضمیرِ نکتہ دانے
مضمونِ فنا چو بست بر خویش بیگانہ شد از یگانۂ خویش
نظم از غمش از نظام افتاد رکنِ بیت از قیام افتاد
با شعر غمش ردیف گشتہ در روز سیہ چو مو نشستہ
پیوست غزل چو در غمِ او شد مرثیہ خوانِ ماتمِ او

تاریخ وفات او بہ ایں حال | فکرے کردم ز صیوی سال
از غیب بگوشم ایں چنیں خورد | اے وائے ضمیر نکتہ دان مُرد
۱۸۵۲ء

مجرم- پنڈت سہج رام صاحب تکو

نوحہ دلحزن کن وفات پنڈت منوہر لال جی صاحبزادہ پنڈت سہج رام صاحب تکو سب اورسیر- لاہور-

خورد سالی میں سفر اس نے کیا | دار فانی سے گذر اس نے کیا
بو دے نابود یکدم ہوگیا | کرکے رحلت سوئے رضواں چل بسا
ہائے تو دنیا سے رحلت کر گیا | داغ حسرت سب کے دل پر دے گیا
میری آنکھوں سے وہ پنہاں ہوگیا | یوسفِ مصری تھا کنعاں میں گیا
چل بسا وہ سب کو تنہا چھوڑ کر | مجھسے فرزندی کا رشتہ توڑ کر
اُس کے سر پر ناگہاں مرگ آگئی | آٹھ دن میں گور تک پہونچا گئی
تیرے مرنے سے پدر ہے بیقرار | ماں بہن بھی رات دن ہیں اشکبار
تیرے غم میں مادرِ خستہ جگر | ہر گھڑی ہر روز و شب ہے نوحہ گر
پر لگا کر دیکھتے ہی دیکھتے | اُڑ گیا وہ مرغ اپنے ہاتھ سے
ہائے وہ خورشید طلعت مہ جبیں | ناگہاں غائب ہوا از زیر زمیں
کیا کرے اس درد کا مجرم بیاں | سخت درد انگیز ہے یہ داستاں

یہ وہ غم ہے جس کے لکھنے میں قلم
خوں بہا دیتا ہے اپنا دم بدم

تاریخ وفات پنڈت منوہر لال صاحب فرزند مجرم صاحب

سالِ ہجری از وفاتش دل چو گفت | از جہاں کرد- گذر وائے منوہر لال
۱۲۹۹ھ

تاریخ وفات پرمیشور ناتھ جی فرزند دیوان شیونا تھ صاحب کول

چو پرسیدم ز ہاتف سالِ ہجری — بگفتا فوت شد آہ پرمیشور
۱۳۹۹ھ

مجروح۔ پنڈت کشن چند صاحب لکھنوی شاگرد مرزا مظہر جانجاناں

معشوق ہیں زمانے کے سارے جفا پرست — اے وائے عاشقوں کو کہ ہیں آشنا پرست

محبت۔ پنڈت شیو پرشاد گنجو رصاحب

عجب کیا وہ آئیں اگر ہنستے ہنستے — مثل ہے کہ بستے ہیں گھر ہنستے ہنستے

محشر۔ دیوان پنڈت برمہ ناتھ مدن صاحب۔ خلف دیوان پنڈت کلیان ناتھ

مدن صاحب۔ رائے بہادر سکریٹری ایجنٹ گورنر جنرل بہادر ریاست ہائے پنجاب۔ آپ ۱۱ فروری ۱۹۰۴ء کو بمقام لاہور پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۲۵ء میں ایل۔ ایل۔ بی کا ڈپلوما لیکر ۱۹۲۷ء میں انگلستان کا سفر اختیار کیا مگر ناسازی طبیعت کی وجہ سے چند ماہ بعد آپ واپس آگئے ماہ مئی ۱۹۲۸ء میں آپ بعہدہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ممتاز کئے گئے اور فی الحال آپ ری کلیمیشن آفیسر پنجاب کے فرائض بمقام لاہور انجام دے رہے ہیں۔ آپکے جد امجد راجہ پنڈت دینا ناتھ مدن صاحب تھے۔ اور آپ شاعر باکمال پنڈت مان ناتھ مدن صاحب المتخلص بہ اصغری کے پوتے ہیں۔ آپ کا شوق شاعری تازہ ہے اور رنگ تغزل آپکو زیادہ پسند ہے۔ آپ آرٹلڈ میڈیلسٹ بھی ہیں۔

انتہا عشق کی ہے گوشۂ تنہائی ہے — عالم وجد میں ہوں ناصیہ فرسائی ہے
لوگ انگشت نما کرتے ہیں اور کہتے ہیں — خود تماشا تھا یہی اب جو تماشائی ہے
ہم تو بدنام ہوئے خیر مگر یاد رہے — اسمیں ظالم بہ دہن تیری بھی رسوائی ہے

عشق کی راہ کا رہرو جو ہوا ہے محشر
دیر و کعبہ کا وہ مفتونِ کلیسائی ہے

ایسا تمہارے عشق نے رسوا کیا مجھے — تنکا سمجھ کے لے اُڑی بادِ صبا مجھے
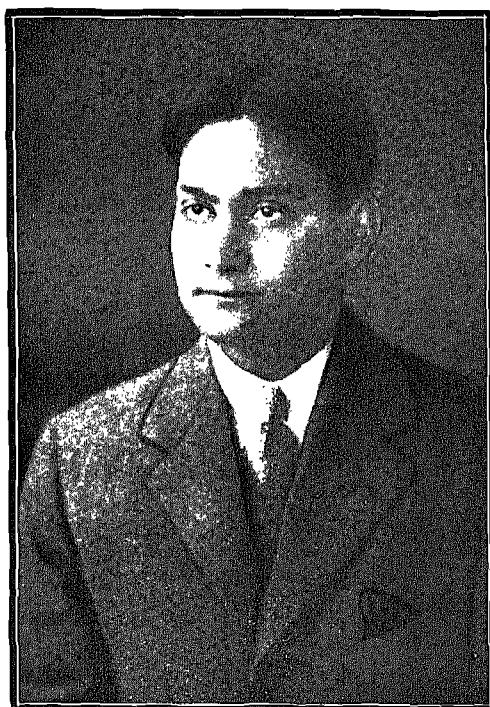
دیوان برہمہ ناتھ مدن ۔ محشر

سودائی کہہ رہی ہے جو خلقِ خدا مجھے ملتا ہے اپنے عشق کا اچھا صلا مجھے
دل غم شناس کیوں نہیں بخشا خدا مجھے ہونا تھا گر نشانۂ جور و جفا مجھے
دل پُر ز دردِ عشق تو تو نے دیا مجھے بخشی نہ فیضِ غیب سے آہِ رسا مجھے
وحشت ہے یا جنوں ہے ہوا ہے یہ کیا مجھے خود بھولے جا رہے ہیں مرے نقشِ پا مجھے

سنائے شکوے جو تھے جورِ آسماں سے ہمیں کہا ستاؤ نہ اِس کہنہ داستاں سے ہمیں
جنوں سے وحشت و سودا سے اب کہاں فرصت ہوا ہے عشق جواب تجھ سے لامکاں سے ہمیں
ہواسِ ماندہ کو کر دیتی ہے نہ و بالا صدا جرس کی جب آتی ہے کارواں سے ہمیں
لبوں پہ آہ نے سکہ جما لیا اپنا فراغ کچھ جو ملا نالہ اور فغاں سے ہمیں
صدف کو جب نہ ملے ایک بوند پانی کی توقع خاک ہو پھر بحرِ بیکراں سے ہمیں
بنایا شاخِ تخیل پہ آشیاں اپنا بہار سے ہمیں مطلب نہ ہے خزاں سے ہمیں

کشش جبیں کو جو ہوتی ہے دم بدم محشر
ضرور اُنس ہے کچھ اُنکے آستاں سے ہمیں

کیسے خیال و وہم تماشا کرے کوئی جب تک نہ تابِ دید ہی پیدا کرے کوئی
موسیٰ بھی لڑکھڑا کے گرے کوہِ طور پر پھر کیا بھلا مجال نظارہ کرے کوئی
بیخود جو ہو چکا ہے ترا جلوہ دیکھکر دے کیا جواب لاکھ پکارا کرے کوئی
دیتے ہیں اشتعال تمنائے دید کو کہہ دو نہ گیسوؤں کو سنوارا کرے کوئی

ہر اک ادا میں تیری ہیں لاکھوں قیامتیں
محشر کا انتظار بھلا کیوں کرے کوئی

کئے کی میں اپنے سزا چاہتا ہوں جو خونِ تمنا کیا چاہتا ہوں
گناہوں کی ظلمت نے بھٹکا رکھا ہے ہدایت کا تیری دیا چاہتا ہوں
بہت تنگ ہستی کے ہاتھوں نے آکر شرابِ اجل اب پیا چاہتا ہوں

نہیں حسن کی اور ادا کی تمنا ‌ ‌ فقط ایک خوئے وفا چاہتا ہوں
نہ محمل کی پروانہ لیلا کی خواہش ‌ ‌ صدائے جرس بس سنا چاہتا ہوں
جو تو چاہتا ہے وہ میں چاہتا ہوں ‌ ‌ مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

مخلص۔ رائے رایاں پنڈت آنند رام صاحب کا رتلو دہلوی

ماخوذ از خزانہ عامرہ

وطن آبائی اُو سودہرہ از توابع لاہور است خود در شاہجہان آباد بسر می برد آنند رام در دربار بادشاہی وکیل اعتماد الدولہ قمر الدین خاں وزیر فردوس آرام گاہ و نیز وکیل سیف الدولہ عبد الصمد خاں ناظم صوبہ لاہور و ملتان بود و رائے رایاں خطاب داشت خان آرزو در مجمع النفائس می نویسد باعثِ بودن فقیر در شاہجہان آباد دھلی اخلاص اوست از مدت سی سال تا الیوم سر رشتۂ کمال محبت و مودت را از دست نداد در عنفوان جوانی اشعار خود را از نظر مرزا عبد القادر بیدل مرحوم گذرانیدہ از ان زمان با این عاجز محشور و مربوط است الغرض درین جزو زمان از منتخبان روزگار است حکیم حسین شہرت میگفت دو مخلص اند یکے کاشی و دوم ماشی سخنِ آنند رام مخلص قشقۂ قبول بر جبیں دارد۔ ابیات اُو از مجمع النفائس۔ نقل افتاد۔

میازار اے محبت باز چوں من ناتوانے را ‌ ‌ غریبے دردمندے بیکسے آزردہ جانے را
ز حالِ بلبل مسکین نداریم اطلاع اما ‌ ‌ بپائے گلبنے دیدیم مشتِ استخوانے را

ولہ

با بلبلاں شریکِ فغاں می شدم ولے ‌ ‌ نگذاشت فصل گل بچمن باغباں مرا
بہ گلشن چند سروے دیدم و فریاد سر کردم ‌ ‌ کہ یادم داد رنگیں صحبتِ یاراں موزوں را

ولہ

بُرد سودائے سرِ زلفِ تو از خویش مرا ‌ ‌ سفرِ دُور و دراز آمدہ در پیش مرا

ولہ

گرد باد آئینۂ غیرتِ احوالِ تو بس ‌ ‌ آرمیدن ہمہ گر خاک شوی دشوار است

ولہ

بر دلِ ما تیرہ روزاں زاں صفِ مژگاں گذشت ‌ ‌ انچہ از قومِ دکن بر ملکِ ہندستان گذشت

میزند لاتنفق (جونز نهو) از خاک مجنوں سبزه جوش — در و مندے ظاهر ازیں سرزمین گریاں گذشت

عکسِ ابروے او در آئینہ نیست — مسجدے در حلب بِنا شده است

وله

مردمِ دنیا سماجت خواه و من نازک مزاج — اے خدا فضلے کہ استغنا بفریادم رسید

وله

بہ تحریک نسیمے زلفِ او زیر و زبر گردد — ہزار افسوس مَن از کشورِ ہندوستاں گم شد

وله

بقربانِ بتاں آخر دلِ افگار خود کردم — زحالم تا کسے واقف شود من کار خود کردم

وله

بہ کاغذ یاد ماند در محبّت کار و بارِ من — کہ باشد در کفِ طفلاں عنانِ اختیارِ من

وله

ازاں ہر لحظہ در بر میکشم سرو گلستاں را — کہ ایں رعنا جواں بسیار می ماند بہ یارِ من

وله

داری بہ چوں خودی سرِ الفت نہاں مکن — ظلمِ صریح در حقِ خود اے جواں مکن

وله

قیامت بر سرم آورده از شیونہائے قمری — تو خواہی بعد ازیں در باغ بودن با من اے قمری

وله

نبود قابل صحبت مخلص — بگذارید کہ سودا دارد

جناب مخلص کو فارسی زبان میں بڑا کمال تھا صرف نام سے تو کوئی ہندو بھلے ہی سمجھ لے مگر زباندانی میں اہل ایران کے اچھے ذی استعداد لوگوں سے کسی طرح کم نہ تھے اور روزمرّہ معاشرت میں اُمرائے اسلام سے بہت متفق تھا۔ رائے آنند رام دہلی کے رہنے والے تھے ان کا مکان سیتارام کے بازار سے ذرا آگے بلبلی خانہ میں تھا مکان امرائے اسلام کی طرح آراستہ تھا۔ فرّخ سیر اور محمد شاہ کے زمانہ میں ان کا اور اُن کے خاندان کا سلطنت میں بڑا عروج رہا سادات بارہہ کے سیّد وں سید عبد اللہ خاں و سید حسین علی خاں کے وقت میں جو بادشاہ گر کہلاتے تھے آپ کو بہت وقار حاصل تھا۔ میر ناصر علی خاں بہادر اڈیٹر صلائے عام دہلی رائے آنند رام صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رائے آنند رام کو مسلمانوں اور مسلمانوں کے لٹریچر و معاشرت سے اسقدر اُنس تھا کہ مسلمانوں میں بھی اس فہم و کمال کا آدمی مشکل سے ملیگا اُس وقت کے اہل کمال مثل سراج الدین علیخاں آرزو اور خانصاحب قزلباش خاں متخلص بہ اُمید اور میاں محمد ماہ اور محمد ساقی مخاطب بہ مستفید خاں

وغیرہ جو مشاہیر زمانہ تھے ان کے ساتھ آنند رام کی صحبت گرم رہتی تھی آرزو بڑا صاحب کمال ہوا ہے اُمید کا کلام مرزا جلال اسیر اور شوکت بخارای کے ہم پلّہ تھا مستغنی۔ خاں مآثر عالمگیری کا مولف ہے آنند رام کی تصانیف میں بہت کتابیں ہیں تحقیق اصطلاحات فارسی میں اُن کی تصنیف مراۃ الاصطلاح نہایت مستند سمجھی جاتی ہے اُن کے رقعات چمنستان دیر یگانہ لاجواب ہیں تحریریں اپنے دستخط کے ساتھ حقیر آنند رام لکھتے تھے مکان میں کنیزیں قلماقنیاں تھیں اور صحبت میں مغل بچہ عبدالرزاق نامے تھا۔ آنند رام کا زمانہ نادر شاہ کی آمد کا تھا لکھتے ہیں کہ میں جوانی میں کھڑکی دار چیرہ سر پر باندھتا تھا اور اُس کے باندھنے میں چار گھڑی مشق کرتا تھا اکتالیس برس کی عمر میں یہ تکلّف ترک کر دیا سادہ باندھنے لگا اور گھر میں دو پلڑی ٹوپی پہنتا ہوں چیرہ منقّش زر تار کبھی نہیں باندھا۔ آنند رام کی فارسی حضرت سعدی کی طرز سخن سے زیادہ ملتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ "دشمنے کہ بتو کلمۂ حق بگوید بہ از دوستے است کہ او ایں جادہ نہ پوید" "سوختہ را نباید سوخت و دردمند را نباید آزار کرد و گداختہ را نباید گداخت و عزیز را نباید ذلیل و خوار کرد۔

رفتم دم صبحے ز سر صدق و صفا — در پند گئی یکے ز خاصان خدا
گفتم چہ کنم تا بیا ساید دل — فرمود کہ ترک جاہ و حُبّ دنیا

ولہ
اُنس با آئینہ اش از بہر دیدار خود است — آں جوان نازنیں شاید گرفتار خود است

ولہ
ضبط آہ و نالہ خوں سازد دل زار مرا — آخر ایں پرہیز خواہد گشت بیمار مرا

بخانہ اش روم و ایں کنم بہانۂ خویش — کہ مست بودم و کردم خیال خانۂ خویش

ولہ
رسیدم عاقبت و جاں را فدائے یار خود کردم — ستم تا بر سر کار آورد من کار خود کردم

ولہ
در سینہ دلم گم شدہ تہمت بہ کہ بندم — غیر از تو کسے راہ دریں خانہ ندارد

ولہ
روم ز کوئے تو پیرانہ سر ز جور رقیب — بحسرتے کہ ز دنیا کسے جواں برود

ولہ
نیست جرأت بعرض حال مرا — گلہ مندم ز بے زبانی ہا

در تماشا نیست کاغذ باد رنگین کسے — ولہ — تخت خود را در ہوا گویا پری پرواز داد

ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل — ولہ — بند قبائے کیست کہ وا میکنیم ما

زرخسار درخشانِ تو چون یکسو نقاب افتد — چو قندیلِ طلا آتش بجانِ آفتاب افتد

ز پہلو دل بر آرید از پسِ مرگم کہ می ترسم — ق — طفیلِ این قیامت پارہ دوزخ در عذاب افتد

ازیں بیتے کہ ہست از نوریِ خونیں نوا مخلص — چہ استعجاب دارد شور اگر در شیخ و شاب افتد

بگورستانِ گرانم ہیا رید از پسِ مردن — مسلمانے مبادا از پہلوئے من در عذاب افتد

راجہ انند رام مخلص لکھتے ہیں کہ ۱۱۵۲ھ میں ہم یاران دیرینہ مانند پیام اور آرزو یار اور ثابت اور دیوانہ وغیرہ مزار فائض الانوار حضرت قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے واپس چلے آرہے تھے کہ بہار کے قافیہ پر آرزو بولے ؎

چو کانِ لعل بجوش است خون من دائم
پئے جنوں نبود حاجتِ بہار مرا

پیام شیریں کلام نے فرمایا ؎

ترا بخونِ گل و لالہ باغبان سوگند — ز آشیاں مکن آوارہ در بہار مرا

بہت دیر تک سب اس شعر کی داد دیتے رہے جب میرا نمبر آیا تو میں نے کہا ؎

بہرزہ نیست دلم را شکایت از صیاد
قفس گرفتہ بہ گل آخر بہار مرا

جب ہم مولانا ناصر علی مغفور کے مزار پر پہونچے تو سب نے فاتحہ پڑھکر پھر شعر خوانی شروع کی سراج الدین علی خاں آرزو مزار کی طرف منہ کرکے بولے کہ یہ بزرگ اپنے زمانہ کے ہنگامہ آرائے شور محشر تھے اگر اہل دل تھے تو اب بھی کچھ اپنی کرامت دکھائیں اور ضیافت طبع فرمائیں کیونکہ "ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق" ابھی یہ فقرہ ختم نہوا تھا کہ مولانا کے مزار پر مولسری کے درخت پر ایک کویل اس خوش آوازی اور درد ناکی سے

گوئی کہ ہم لوگوں کے دلوں پر اثر ہوا اور سب حاضرین کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور دو چار کو وجد ہو گیا اور آرزو تو بیہوش ہو کر گر پڑے میں نے مولانا کا یہ مطلع پکار کر پڑھا ؎

خاک گردیدیم و میر قصد ہنوز افغانِ ما
خُم شکست اماّ نمی ریزد مئے جوشانِ ما

اس شعر نے تو اور بھی آگ پھونکدی اور قیامت صغریٰ قائم کر دی ایک دوسرے کو لپٹ لپٹ کر روتے تھے اور مزار کے گرد پھرتے تھے بڑی دیر تک مولانا ناصر علی مغفور کے اس فیضان نے ہم سب کو مست و بیخود بنائے رکھا۔ للّٰہ در من قال ؎

بر سر تربتِ ما چوں گذری ہمت خواہ
کہ زیارت گہِ رندانِ جہاں خواہد بود

صرف ایک شعر اُردو کا تذکرۂ شعرا مرتبہ نساخ میں درج تھا۔ ملاحظہ ہو۔

آتا ہے ہر سحر اُٹھ تیری برابری کو کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

مخمور۔ پنڈت شام پرشاد سکھیا صاحب خلف پنڈت کالکا پرشاد صاحب سکھیا

آپ جناب مسرور کے برادر خورد ہیں ۱۸۹۵ء سے ۱۹۲۵ء تک آپ نے اپنا زمانہ ریاست جیپور میں صرف کیا آپ نائب ناظم عدالتین تھے اور اب مستفید پنشن ہو کر آگرہ میں قیام پذیر ہیں آپ ۱۸۸۶ء سے ۱۸۹۵ء تک دفتر کمشنر آبکاری و اسٹامپ میں ملازم رہے۔ اسکے بعد آپ لوکوموٹو ڈپارٹمنٹ بریلی اور بیلی بھیت میں چند ماہ ملازم رہے اور وہاں سے مستعفی ہو کر کشمیری بنیک فیض آباد میں سکریٹری رہے۔

تاریخ طبع دیوان دوم جناب مسرور

مرتب جب ہوا دیوان مسرور کہا سب نے یہ نسخہ بے بہا ہے
لکھی مخمور نے تاریخ اُسکی کلامِ خوش بیاں ہے دلربا ہے ۱۳۲۷ھ

وصلِ دشمن تجھے منظور ہوا خوب ہوا — یکقلم پاسِ وفا دور ہوا خوب ہوا
چاہیئے کچھ تو سزا جور و ستم کی آخر — عاشقِ غیر وہ مغرور ہوا خوب ہوا
ہے یہ در دیدہ نگاہوں کی محبت کا اثر — دل پُر داغ میں ناسور ہوا خوب ہوا
مر مٹے چپکے ہی ایک پردہ نشیں کے غم میں — راز پوشیدہ نہ مشہور ہوا خوب ہوا
نہ لگا داغ تجھے سنگدلی کا اُو بت — بے سزا شیشۂ دل چور ہوا خوب ہوا
آپ اور غیر کے ہاتھوں سے پئیں جام شراب — رات حاضر جو نہ مخمور ہوا خوب ہوا

ولہ

سانپ ڈسنے کو مرے گیسوے جاناں نکلے — دل دیا جنکو وہی جان کے خواہاں نکلے
ایک بھی بات نہ میری کبھی خلوت میں سنی — حیف کچھ بھی دل شیدا کے نہ ارماں نکلے
پارسا ہم تو سمجھتے تھے نہیں اے مخمور — آپ تو حضرتِ من مرشدِ مستاں نکلے

ولہ

ندامت یہ ہوی ہمکو بتوں کے عشق میں حق سے — پڑا آخر چھپانا منہ کفن میں شرمساری سے

مروّت ۔ پنڈت باسکرن عرف باسوجی ولد پنڈت بسنی رام صاحب باشندہ لکھنؤ ۔ شاگرد امانت

جب مجھ پہ چھوڑ لیتے ہیں تیغ جفا کے ہاتھ — دیتے ہیں خوں بہا وہ حنائی دکھا کے ہاتھ
اُس بت شکن کا ہوں میں زمانہ میں معتقد — توڑے ہیں جس نے لات کے گھر میں خدا کے ہاتھ
تڑپے مثال ماہیِ بے آب تا نہ حشر — دریا جو دیکھ پائے مرے آشنا کے ہاتھ
دل ہاتھوں ہاتھ یوسفِ ثانی نے لے لیا — آیا نہ خاک بھی مجھے بازار جا کے ہاتھ
دل پیستے ہیں خلق کا ٹھوکر لگا کے پانوں — کرتے ہیں خون رنگ حنا کا دکھا کے ہاتھ
توڑا جو گل چمن میں کلائی لچک گئی — نازک ہیں پھول سے مرے رنگیں ادا کے ہاتھ
خود جام مے جو منہ سے لگائیں تو ہے حرام — ہم کو وہ ہے حلال جو دیجے اُٹھا کے ہاتھ

پچھتا نہ اُن بتوں سے مروّت لگا کے دل
عزّت مری ہے خالقِ ارض و سما کے ہاتھ

مسافر- پنڈت سومناتھ صاحب سپرو مقیم موگا ضلع فیروزپور

کسی سے عالم فانی وفا نہیں کرتا | جو آیا رہنے کی خواہش ذرا نہیں کرتا
یہ ایک پل ہے سر رہ بنا ہوا جس پر | قیام کوئی بھی شاہ وگدا نہیں کرتا
سنبھالو نامۂ اعمال کو کہ فرصت ہے | چلا چلی میں تو کچھ بھی بنا نہیں کرتا
تو زاد راہ کا سامان خود مسافر کر | کوئی کسی کے لئے کچھ کیا نہیں کرتا

یہ چار روز کی ہستی ہے دار فانی میں
بھلائی کچھ تو دکھا اپنی زندگانی میں

مست- پنڈت دینا ناتھ چکن صاحب خلف پنڈت آنند رام صاحب۔ آپ کے حالات زندگی جناب پنڈت جواہر لال سوپوری صاحب ایم۔اے نے تحریر فرما کر عنایت کئے ہیں۔ چنانچہ شکریہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں مست۔ پنڈت دینا ناتھ صاحب خلف پنڈت آنند رام صاحب کشمیر کے مشہور قوم پرست نوجوان ہیں آپ نہ صرف ایک اچھے درجہ کے شاعر اور ناثر ہیں۔ بلکہ ایک عمدہ کیریکٹر کے مالک ہیں۔ آپ ۱۹۵۹ء بکرمی میں بمقام اننت ناگ کشمیر پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار پنڈت آنند رام صاحب مہاراجہ سر پرتاب سنگھ مرحوم کے پرائیویٹ ڈپارٹمنٹ میں ایک ذمہ دار عہدہ پر مامور تھے۔ اور اب پنشن پا رہے ہیں۔ حضرت مست کے والد بزرگوار اپنے ہونہار اور ذہین بیٹے کو انٹرنس پاس کرانے کے بعد ولایت بھیجنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن آپ کو اسی زمانہ میں سلفیورک ایسڈ مرض کی شکایت لاحق ہوگئی۔ اور سات آٹھ سال تک صاحب فراش رہے۔ باوجود ایسی حالت میں رہنے کے آپ نے انٹرنس اور فارسی کے ایک دو امتحان پاس کرلئے۔ آپ کی عام علمی قابلیت اس کوتاہی کے باوجود خاص طور پر قابل تعریف اور حیرت انگیز ہے۔ آپ کی معلومات انگریزی اردو وفارسی ادب

پنڈت دینا ناتھ چکن۔ مست کشمیری

میں بہت وسیع ہیں حضرت مستؔ کو شعر و شاعری سے عالم طفلی سے قدرتی انس تھا۔ جب آپ میرے ہم جماعت تھے تو حساب کے گھنٹوں میں سوال نکالنے کے بجائے یا تو چند شعر موزوں کرلیا کرتے تھے یا کوئی نظم یا رسالہ دیکھتے رہتے تھے۔ آپ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ کشمیر دربار کے ساتھ جمّوں آتے جاتے رہتے تھے۔ جمّوں میں اکثر مشاعرے ہوتے رہتے تھے۔ آپ بھی اُن مشاعروں میں شامل ہوا کرتے تھے۔ اور اس طرح مشق سخن کا سلسلہ جاری رہا۔ جمّوں ہی میں ۱۹۷۰ء بکرمی میں اُردو دنیا کے مشہور ادیب اور نامور شاعر جناب پنڈت برجموہن صاحب دتاتریہ کیفیؔ دہلوی سے مستؔ صاحب کا تعارف ہوا ۔ علامہ موصوف نے اِن کی ہونہار طبیعت کا اندازہ کرکے اپنے حلقہ تلامذہ میں شامل کرلیا۔ حضرت مستؔ کی شاعری پر ریویو کرنے کا یہ موقع نہیں تاہم میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کا کلام جوش و خروش جذبہ و تاثیر ذوق سلیم اور پرگوئی کا عمدہ نمونہ ہے۔ مستؔ صاحب کا دِل قومی ہمدردی سے لبریز ہے۔ چنانچہ یہی جذبات قوم پرستی آپ کو باوجود خرابیِ صحت کے کشاں کشاں رسالہ "صبح کشمیر" کی اِدارت کے لئے لاہور لے گئے۔ آپ کی اِدارت میں رسالہ "صبح کشمیر" ریاست جمّوں وکشمیر جنّت نظیر کے طول و عرض میں ایک ہردل عزیز اور آزاد قومی آرگن تصور کیا جاتا تھا۔ اور آپ کی تحریروں سے ریاست کے درباری حلقوں میں ایک تہلکہ مچ جاتا تھا لیکن افسوس کہ لاہور کے دو تین سالہ قیام نے آپ کی تندرستی پر ایسا خراب اثر ڈالا کہ مجبوراً آپ کو کشمیر واپس جانا پڑا۔ فی الحال آپ اپنے تجارتی کاروبار کی نگرانی کرتے رہتے ہیں مگر کامل اُمید ہے۔ کہ آپ چند عرصہ کے بعد پھر قومی سرگرمیوں میں تازہ دم ہوکر مصروف ہوجائینگے۔

دیباچہ

دردِ دیباچہ میرے دیوان کا

عشق سرمایہ میرے دیوان کا

عقیدت کے موتی

بہت صدمے سہا کرتا ہوں میں تیری محبت میں
رہینِ گریۂ پیہم رہا کرتا ہوں خلوت میں

چراغِ برق کی صورت دھواں اُٹھتا نہیں لیکن
سراپا داغِ دل سے جل اُٹھا میں سوزِ الفت میں

تیری مُرلی کا نغمہ گونجتا رہتا ہے کانوں میں
نظر آتا ہے تیرا روپ اب ہر ایک صورت میں

مرے ہر روم کے اندر تو ہی اے کرشن بستا ہے
تری تصویر ہوں گویا یہ عالم اب ہے الفت میں

یہ کیوں تمیز کر رکھی ہے ملنے اور نہ ملنے کی
کہیں کچھ فرق آ جائے نہ اس سے شانِ وحدت میں

یہ اندازِ تغافل بھی نہیں شایاں مگر تجھ کو
یہ مانا بے نیازی تو بھری ہے تیری فطرت میں

بڑھی جاتی ہے اب یاس اور دل شکنی کی نوبت ہے
فغاں ہو کر نہ دم نکلے ترے درشن کی حسرت میں

نہیں یارا زباں کو مست دل کی ترجمانی کا

سہارا چاہئے اس جا زباں کو بے زبانی کا

کھیر بھوانی کے چرنوں میں

کھیر بھوانی یا تولہ مولہ کشمیری پنڈتوں کی مشہور زیارت گاہ ہے جو راگیان بھگوتی کی استھاپنا مانی جاتی ہے اس چشمے کا رنگ عموماً تبدیل ہوتا رہتا ہے اور اہل کشمیر اس کے عقیدت مند ہیں اس کے علاوہ اس چشمے میں یہ خوبی ہے کہ یہ کشمیر کے مشہور صحت افزا مقام گاندربل کے قریب واقع ہے۔

یہ معبدِ حقیقت یہ خاکِ نور ساماں
یہ جلوہ گاہِ فطرت یہ ارضِ طور ساماں

آئینۂ ازل ہے تنویر بخشِ عالم
آبِ حیاتِ ابدی امرت کا چشمۂ تر

ہر قطرہ اسکا حورِ دنکی آنکھ کا ہے تارا
دُرِّ عدن سے بھی ہے پاکیزگی میں بڑھ کر

سیّال ہو کے شاید اُترا ہے ماہِ کامل   یا آگیا زمیں پر جنت سے حوض کوثر

صبر و سکون ازل کا اسکی فضا سے حاصل

جوشِ بہارِ جنّت گلہائے تر سے پیدا

۲

نیرنگیاں تری کیا جلوے دکھا رہی ہیں   رنگت بدل بدل کر شل خیال رنگیں

سرچشمۂ بقا کو حاصل ہے آب تجھ سے   رعنائیِ ازل کو تجھ سے ملی ہے تزئیں

دنیا ہو یا وہ عقبیٰ ہر جا وہ سرخرو ہے   مَل لے جبیں پہ تیری جو خاک جلوہ آگیں

تنویر ظلمتوں کو اسکی ضیا سے حاصل

جلوے ہیں معرفت کے دیوار و در سے پیدا

۳

تقدیس کی ہے دنیا کون و مکاں کی خوبی   ہے ذرہ ذرہ تیرا مہرِ ضوِ حقیقت

فطرت کا ہے نگینہ۔ قدرت کا آبگینہ   ہر قطرۂ مقدس لبریز جامِ وحدت

باغِ جناں کی نزہت پیدا کلی کلی ہیں   ہر غنچۂ شگفتہ تاج نگارِ فطرت

شامِ ابد کو رونق تیری ضیا سے حاصل

صبحِ ازل میں ضو ہے تیری سحر سے پیدا

۴

اِس جنتِ بریں کو   تجھ سے بہار حاصل   رشیوں کی سرزمیں کو   تجھ سے وقار حاصل

رہتا ہے زائریں سے پُر چپہ چپہ تیرا   ہر وقت عابدوں سے محفل تری بھری ہے

قربانِ شانِ پستی گردوں کی رفعتیں ہیں   ذرّوں کا طوف کرتا خورشید خاوری ہے

مستِ حزیں کو حاصل سرمستیِ ازل ہے   اِسکو یہ پاک تیرتھ آغوشِ مادری ہے

اِس جا نجات ہر اک جرم و گنہ سے حاصل

رحمت کی بدلیاں ہیں اس حوضِ تر سے پیدا

"سنہری جمنا"

۱

شباب بر شکال ہے خوشی میں ہر گوال ہے
برج سبھی نہال ہے
چمنِ دمن میں ہر طرف برس رہی پھہار ہے
گُلوں پہ بن میں ہر طرف بہار ہی بہار ہے
حیات وجد کوش ہے
بہار خوب دیکھکر یہ سبز دُوب دیکھکر

۲

طلسم کاریٔ چمن یہ شاخِ گل کا بانکپن
یہ صحنِ باغ کی پھبن
سبھی ہیں دوشِ عرش پر شفق کی سرخ ساریاں
نظر فریب فرش پر گلوں کی رنگ پاشیاں
جہانِ بُو جہان ہے
فضائیں عطر بیز ہیں ہوائیں مُشکریز ہیں

۳

اِدھر اُدھر یہاں وہاں سرور بخش ہے سماں
مثالِ خلد ہے جہاں
بساط خاکِ دیر کی ہری بھری نہال ہے
کلی کلی سُنا رہی پیامِ وجد و حال ہے
ہے بیخودی برس رہی
چمن کے برگ و بار سے فضائے زر نگار سے

۴

وہ شام رُونما ہوئی خموش ہر نوا ہوئی
سمک سے تا سما ہوئی
شفق کا غازہ اُڑگیا وہ شمس کی ضیا ہٹی
وہ رنگِ تازہ اُڑگیا وہ شوخئ ادا مٹی
بکھرگئیں سیاہیاں
ادھر اُدھر یہاں وہاں فضا ہے تیرگی فشاں

۵

ہوائیں ہیں مچل رہی گھٹائیں ہیں مچل رہی
فضا میں جنگ چل رہی
فلک تہِ سحاب گم فضائیں ہولناک ہیں
قمر کی آب و تاب گم خلائیں ہولناک ہیں
مثالِ حشر رات ہے
سحاب تند و تیز ہیں مہیب و حشر خیز ہیں

۶

وہ رُودِ نور کہکشاں وہ اختروں کا کارواں
نظر سے ہوگیا نہاں
سیہ گھٹا میں مستتر نجوم و ماہتاب ہیں
خلا میں آسمان پر سحاب ہی سحاب ہیں
وہ یک بیک برس پڑے
ادھر اُدھر یہاں وہاں ہیں بحر بار بدلیاں

غضب ہے کنس فتنہ گر تلا ہوا ہے ظلم پر
کئے ہیں قید دو بشر
الیم و ناتواں ہیں وہ رہینِ پیچ و تاب ہیں
ستم سے نیم جاں ہیں وہ شکارِ ہر عذاب ہیں
اسیرِ صد ہراس ہیں
بلا کے دیو در پہ ہیں تُلے ہوئے جو شر پہ ہیں

۸

یکایک آسماں پر سیہ گھٹا کو چیر کر
نمو دھو گیا قمر
بدل گئی وہ کیفیت شبِ سیاہ فام کی
کچھ اور ہی ہے ماہیت برج کے صحن و بام کی
مٹیں تمام ظلمتیں
شجر حجر چمک اُٹھے گُل و ثمر دمک اُٹھے

۹

اسیرِ دام چھٹ گئے جو تھے غلام چھٹ گئے
بفیضِ شام چھٹ گئے
وہ قیدیِ صبا قدم رواں مثالِ برق ہے
شگفتہ دل ہے تازہ دم مسرتوں میں غرق ہے
کسی کوئے کے دوش پر
وہ تیر سا ہے جا رہا ندی کو چیرتا ہوا
خوشا ظہورِ حق ہوا ۱۰ طلوعِ نورِ حق ہوا

عیاں وہ طُورِ حق ہوا

کسی کی ضَوسے سربسر خلائیں جھلملا اُٹھیں
چمک اُٹھے ہیں بحر و بر فضائیں جگمگا اُٹھیں

چمن ہے ایک رودِ زر

ملا وہ اسکو اوج ہے سنہری موج موج ہے

جلوہ زارِ ڈنڈک

ہاں، ہاں، وہ دیکھنا کہ ادھر آرہے ہیں کون مہتاب و آفتاب نظر آرہے ہیں کون
آنکھوں سے مہرو ماہ کی تکتا ہے آسماں اُترے ہیں دیکھنے کو فرشتے بھی یہ سماں
کن کے جلو میں نور ہے صد آفتاب کا آنکھیں ہیں بند رنگ یہ ہے آب و تاب کا
رکھا ہے کس نے پائے مبارک کو ناز سے سبزہ بھی فرشِ راہ ہے فرطِ نیاز سے

کیا خوش نصیب ہے تو اَے ڈنڈک کی سرزمیں
دونوں جہاں ہیں جسکے۔ ترے گھر میں ہو مکیں

۲

ہاں، یہ کسے خبر تھی کہ جنگل نہیں ہے تو روشن یہ کب کسی پہ تھا خلدِ بریں ہے تو
جنّت کے رنگ ڈھنگ ہیں ہر خارزار میں فوٹو کھینچا ہے رام کا گُل کے عذار میں

ہیں دیوتا ترستے تجلّی کو نور کو ہا ہا
ڈنڈک بنوں یہ آرزو ہے کوہِ طور کو

۳

کُٹیا یہ تیرے صحن میں کس نے بنائی ہے کیا شانِ سادگی سے یہ رونق بڑھائی ہے
کُٹیا یہ گھاس پھوس کی آتی ہے گو نظر ہے منزلِ رفیع کی اس میں ادا مگر

بسنے کی اس میں کرتے تمنا ملک بھی ہیں
اور صحن اس کا بننے کے خواہاں فلک بھی ہیں

کرتے ہیں کاخ و قصر او دھ کے یہی دُعا
ڈنڈک میں جاکے کُٹیا کسی کی ہوں اے خدا

دیوارِ خار و خس نہیں حصنِ حصین ہے یہ
بندر جلادے جس کو وہ لنکا نہیں ہے یہ

اے مست جھونپڑی یہ نہیں قصرِ رام ہے
قربان اسکی شان پہ گردوں کا بام ہے

شمس و قمر میں نور ہے اس کے چراغ سے
ظلمت جہاں کی دُور ہے اس کے چراغ سے

جلوۂ موہن

یا

ہنگام سعید

ہوا آغازِ فصلِ برشکالِ روح پرور پھر
ہے روکش رُوے دلبر کا گلستاں میں گلِ تر پھر

کسی کی زلف کی صورت ہوئی سنبل معطر پھر
ہے کرتی شوخیاں نرگس مثالِ چشمِ دلبر پھر

گھٹائیں جھومتی ہیں ہنس رہی ہیں بجلیاں کیا کیا
مناظر حسنِ قدرت کے ہیں گلشن میں عیاں کیا کیا

کہیں گرداب کی مانند محوِ رقصِ دریا ہے
تموّج میں ندی کے مشتری کا ناچ مجرا ہے

حبابوں نے کہیں مستی سے ٹوپی کو اچھالا ہے
ترنّم آبشاروں میں کہیں خلخال کا سا ہے

نہیں پھولے سماتے آج فوّارے مسرت سے
نچھاور کرتے جاتے ہیں گہر جوشِ عقیدت سے

جبیں سے ہے کسی کی ماہِ کامل میں دمک پیدا
کسی کے نور افشاں کی ستاروں میں جھلک پیدا

کسی کی تابِ عارض سے ہے سورج میں چمک پیدا
کسی کی مسکراہٹ سے ہوئی برقِ فلک پیدا

مجھے فانی نظر آتا نہیں رنگِ جہاں ہرگز
عیاں ہر شے میں ہے موہن نہیں ہے وہ نہاں ہرگز

کہیں مُرلی سی بجتی ہے صدائے رود جمنا میں
چمکتے ہیں ستارے ذرّہ ہائے خاکِ متھرا میں
کسی حسنِ ازل کی ہے کھنچی تصویر گیتا میں
نظر آتا نہیں کچھ فرق لوگوں میں کنہیا میں

کسی مُرلی منوہر کا کسی کو دھیان رہتا ہے
کسی کے لب پہ جائے آہ "ہے بھگوان" رہتا ہے

بھیانک سین ہے ایسا فلک بھی جس سے لرزاں ہے
یہ دیکھو وقت آدھی رات کا ہے اور زنداں ہے
بندھے بسدیو بھی ہیں دیوکی بھی پا بجولاں ہے
کھڑے ہیں سنتری پہرے پر اور ہشیار درباں ہے

یہ ظالم کنس نے ٹھانی ہے کس کی جان لینے کی
تمنّا پوتنا کو ہے یہ کس کو دودھ دینے کی

زمین شق ہو فلک بھی پھٹ پڑے پر یہ نہیں ممکن
یہ سورج بھی نہ ہو گر نور گستر یہ نہیں ممکن
تموّج چھوڑ بھی دے گر سمندر یہ نہیں ممکن
کبھی ٹل جائے شدنی یا مقدّر یہ نہیں ممکن

خطر تھا کنس کو جس وقت کا وہ ناگہاں آیا
بدی اُٹھی زمانے سے نکوئی کا سماں آیا

کسی بیکس مقیّد کی فغاں لائی اثر آخر
ہوئی شامِ الم کی فضلِ موہن سے سحر آخر
ہوا خوابِ گراں طاری ہر اک جلّاد پر آخر
یکایک کھل گئیں سب بیڑیاں اور قفلِ در آخر

عدو تھا جس کی جاں کا کنس پیدا ہو گیا آخر
"خدا" بھی کوئی شے ہے آشکارا ہو گیا آخر

دل کا پجاری

جا کے پہاڑوں اور جنگل میں
کیا کیا سر ٹکرایا میں نے
بجلی میں اور دَل بادل میں
جلوہ تیرا ڈھونڈھا میں نے
ہر جا پھر کر دیکھا میں نے

ڈھونڈھوں تجھکو کس جا پیارے

عکس تری تصویر کا ڈھونڈھا آئینے میں نہرِ روان کے
نور تری تنویر کا ڈھونڈھا ذرّوں میں پہنائے جہان کے
بخیئے اُدھیڑے وہم و گمان کے
ہاتھ نہ لیکن آیا پیارے

پھولوں کی لی جامہ تلاشی وادئ منڈل کو بھی گھیرا
بادل کی چادر بھی نچوڑی دریاؤں کا رُخ بھی پھیرا
ہر جا ڈھونڈھا نقشہ تیرا
پھر بھی نہ تجھکو پایا پیارے

تیری تجسّس میں اے پیارے ایک کیا ہے شام و سحر کو
توڑے نہ کیا کیا عرش کے تارے الٹا پلٹا شمس و قمر کو
روندا چھانا بحر اور بر کو
ڈھونڈھا تجھکو ہر جا پیارے

سب سے پوچھی تیری کہانی شیخ و برہمن سے بھی ملا میں
دیر و حرم کی خاک بھی چھانی کعبے گیا کاشی بھی گیا میں
طور سے بھی کچھ دور بڑھا میں
پھر بھی نہ تجھکو پایا پیارے

گاوِ زمین سے اور بھی آگے دیکھنے تجھکو جا دوڑا میں
عرشِ برین سے اور بھی آگے ڈھونڈھنے تجھکو جا پہنچا میں
دشتِ عدم کے پار گیا میں
عنقا بن کر ڈھونڈھا پیارے

تاک لگائی کون و مکاں میں ڈھونڈھا تجھکو ارض و سماں میں
ہاتھ نہ آیا دونوں جہاں میں جل تھل میں گردوں کی خلا میں
ڈھونڈھا چشمۂ آب بقا میں
کس جا تو چھپ بیٹھا پیارے

تیرے لئے دیوانہ ہوا میں پاؤں کے چھالے پھوٹ گئے سب
ہستی سے بیگانہ ہوا میں ہوش و خرد بھی چھوٹ گئے سب
دہر کے رشتے ٹوٹ گئے سب
مل جا اب تو مل جا پیارے

تیری عقیدت کتنی اٹل ہے جھوم کے بولی رحمتِ باری
تو خود مطلعِ نورِ ازل ہے کیوں ہے بنا در در کا بھکاری
بن جا اپنے دل کا پجاری
مجھکو پھر پائے گا پیارے

قومی نظمیں

دعائے مست

تمنّا ہے وطن کو پھر عروج و اوج پر دیکھوں
ستارہ اسکا رخشاں صورتِ شمس و قمر دیکھوں
فراوانی ہو اتنی زر کی ہر سو زر ہی زر دیکھوں
رتو پھری ہو زمیں ساری طلائی بام و در دیکھوں
چمک خورشیدِ تاباں کی ہو اس کے ذرّے ذرّے میں
کمالِ ظلمتِ شب رشکِ صد نورِ سحر دیکھوں
گلِ باغِ جناں پر آنکھ مارے ہر کلی اس کی
سراپا رو کشِ طوبےٰ ہر اک شاخِ شجر دیکھوں
ندی نالوں کے آگے نہر کوثر کی بھرے پانی
ہر اک چشمے میں اس کے آبِ حیواں کا اثر دیکھوں
کنیز آسا رہے گہوارہ جنبانِ وطن راحت
کھڑی ہو شادمانی ہاتھ باندھے میں جدھر دیکھوں

سکندر ہو کے کارِ خضر کرتا ہو ہر اک بندہ — ہر اک گم گشتہ کو اس کے جہاں کا راہبر دیکھوں
جسے کہتے ہیں آزادی ہو اس وادی پہ سرگرداں — نہ میں محتاج غیروں کا کوئی فرد بشر دیکھوں

شگفتہ تر ز جنت ہم غرض کشمیر را بینم
ملک سیرت درایں جا ہر جوان و پیر را بینم

ناقوس مست

پھر دلِ بیتاب سرگرمِ فغاں ہونے لگا — آہ پھر رازِ غمِ پنہاں عیاں ہونے لگا
آہِ سوزاں سے لگا دو تم بھی اب دنیا میں آگ — میں بھی طوفاں کے لئے گریہ کناں ہونے لگا
آہِ آتشبار پھر اک آگ برسانے لگی — نالۂ دل رو کشِ برقِ طپاں ہونے لگا
حد سے پھر بڑھنے لگی اُف سوزشِ جان و جگر — آہ اک آتشکدہ اس سے جہاں ہونے لگا
لائی پھر رنگِ تاثر گریہ سامانی مری — دامنِ صحرا بھی چشمِ خوں چکاں ہونے لگا
بجلیوں پر بجلیاں گرنے لگیں پھر ہر طرف — جذبۂ حبِّ وطن کا امتحاں ہونے لگا
درد کی شدت بھی آخر کام کی نکلی مرے — نالۂ دل مثلِ بانگِ پاسباں ہونے لگا

جذبۂ خوابیدۂ حبِّ وطن بیدار شد
ویں سویدائے دلم صد مطلعِ انوار شد

بندِ دوم

اے زمینِ عرش در بر کیا ہوئی رفعت تری — اے زمینِ خلد آگیں کیا ہوئی نزہت تری
معرضِ کاہیدگی میں اب ہلال آسا ہے تو — دو تساہل کیش! کیوں ہے قہقری رجعت تری
کیوں جمودِ مستقل میں مثلِ یخ دل بستہ ہے — سرد جوشِ ارتقا ہے منجمد قوت تری
تیری دنیا پر ہے رنگِ بیکسی چھایا ہوا — اور وطن میں رہ کے روز افزوں ہے غربت تری
تو ہوا جاتا ہے بید آسا ہمہ تن ارتعاش — ہوش ہیں مختل ترے مسلوب ہے طاقت تری

صُورتِ بادِ صبا آزادہ رَو تھا تو کبھی
اب غُلاموں کی سی خو بو ہے تری فطرت تری
مثلِ آدم ہے تُو محرومِ طرب ناکامِ عیش
چھن گئی ہے آہ تیرے ہاتھ سے جنت تری

نالۂ صد صورِ محشر در لبِ خاموشِ تُست
برقِ آسامی تپد قلبے کہ در آغوشِ تُست

بندِ سوم

گر یہی ذِلّت ہے تو کِس کام کا جینا ترا
ایسی ہستی سے ہے بہتر صاف مٹ جانا ترا
خستہ حالی کے تری گر ہیں یہی لیل و نہار
آج سے پھر ہوگا بد تر اور بھی فردا ترا
خود تو کچھ کرتا نہیں تو کوستا ہے بخت کو
گریۂ وزاری سے بہتر حال کب ہوگا ترا
آتشِ بیدا دسے گو سوختہ ساماں ہے تُو
پھر بھی حیرت ہے کہ رگ رگ میں ہے خوں ٹھنڈا ترا
طُور ساماں تیری خاکِ پاک کا ہر ذرّہ تھا
مہر ضَو افشاں تھا اِک ادنیٰ سا آئینہ ترا
آج تو بارِ سماعت تیری اِک اِک بات ہے
بج رہا تھا پردۂ عالم پہ کل ڈنکا ترا

ایں تعطّل تابکے۔ اَے مردِ میدانِ عمل
کارزارِ دہر را کن محشرستانِ عمل

بندِ چہارم

بن گئی خوئے غلامی فطرتِ ثانی تری
کرتی جاتی ہے تجھے پامال نادانی تری
آج اپنے آپ کی بھی تجھ کو رکھشا ہے محال
چکروتی بادشا کرتے تھے دربانی تری
تیرے تابع تھے کبھی برق و صبا ارض و سما
بند تھے مٹھی میں جل تھل دُھوپ اور پانی تری
ظلمتِ عصیاں بھی مٹ جاتی تھی تیری دید سے
مطلعِ نورِ ازل تھی شکلِ نورانی تری
مُردے ہو جاتے تھے زندہ تیرے منتر سے کبھی
تھی حقیقت میں قُمِ عیسیٰ ہر اک بانی تری
رحم کھاتا تھا تو دشمن پر بھی ہنگامِ عتاب
کرتی تھی خرمن نوازی برقِ سامانی تری
عود کر آیا ہے لاکھوں بار مٹ مٹ کر بھی تو
حیرت افزائے جہاں ہے یہ گراں جانی تری

گرچہ پامالی بشکلِ گردِ راہِ کاروان
یادِ ماضی می کشد دامن بسیرِ آسمان

بندِ پنجم

اُٹھ جہانِ تیرہ کو پھر مطلعِ انوار کر
جلوۂ خوابیدہ کو اپنے ذرا بیدار کر

پھونک دے تو روحِ تازہ دہر میں اُٹھ پھونک دے
پھر مرتب حسبِ منشا اک نیا سنسار کر

قطرے قطرے کو بنا امرت کا بحرِ بیکراں
ذرّے ذرّے کو تو سورج کی طرح ضَوبار کر

کھینچ لے پھر جذبِ دل سے دہر کو اپنی طرف
پھر ادائے حُسنِ الفت کو تو جادُو کار کر

ترچھی نظروں سے جنھیں تکتا ہے تو بیگانہ وار
اُٹھ لگا چھاتی سے اُن کو خوب کھُل کر پیار کر

زینتِ آغوش و زیبِ سر جو ہیں اغیار کے
چُن کے پھر اُن موتیوں کو تُو مرتّب ہار کر

جس میں گُم ہو نغمۂ ناقوس اور شورِ اذاں
لب سے پیدا تو وہ ہم آہنگئ گفتار کر

آستانِ بے نیازت سجدہ زارِ دہر باد
گنجِ یمن و فیض باد و بوسہ زارِ دہر باد

بندِ ششم

زیرِ گردوں ناشناسِ حسرت و حرماں رہے
انبساط آگیں ہو سرتا پا طرب ساماں رہے

رُوکشِ صبحِ ازل شب زارِ دنیا تجھ سے ہو
جلوۂ تنویرِ فطرت سے سحر افشاں رہے

وسعتِ ارض و سما تنویر آگیں تجھ سے ہو
خُوبیٔ حُسنِ ازل کا جلوۂ عریاں رہے

فرشِ پا اندازِ یہ چرخِ بریں تیرا بنے
تیرا دشمن پائمالِ گردشِ دوراں رہے

زندگی کے راز کھُل جائیں تبسم سے ترے
خاکدانِ تیرہ میں تو برقِ طُور افشاں رہے

تابِ ذرّوں میں تری ہو آب قطروں میں تری
جزو و کل میں دہر کے پنہاں تو آتش ساں رہے

دستبُردِ غیر سے گلشن ترا محفوظ ہو
جنّتِ کشمیر کا یعنی کہ تو رضواں رہے

غفلتِ من میدہد پیغامِ بیداری ترا

مستیِ من میسدہ یک جامِ ہشیاری ترا

فغانِ بیوہ یا ماتمِ شوہر

آہ قلبِ مضطرب اپنا ہے اِک تصویرِ درد
اور زبانِ نالہ کش ہے کاشفِ تفسیرِ درد

آہ! صیدِ بیکسی ہوں زخمئہ شمشیرِ درد
مثلِ بسمل خاک میں غلطاں ہوں میں نخچیرِ درد

بڑھ رہی ہے حد سے اب تیری خلش اے تیرِ درد
ایک لذت بن رہی ہے تلخئیِ تاثیرِ درد

دل نہیں اِک تودۂ خاکسترِ افسردہ ہے
میرے پہلو میں مزارِ انبساطِ مُردہ ہے

اِک جہانِ غم سے یہ ننھا سا دل معمور ہے
منزلِ صبر و سکوں اب مجھ سے کوسوں دُور ہے

جسم کی رنگت کہاں اب رو کشِ کافور ہے
ہر بُنِ مُو آتش افشاں صورتِ ناسُور ہے

میرے نزدیک آفتاب اِک اخترِ بے نور ہے
روزِ روشن میں مرے رنگِ شبِ دیجور ہے

بسکہ شد تاریک قلبِ مطلعِ انوارِ من
گشت پامالِ سمومِ جاں گزا گلزارِ من

آہ! اب تو زندگی بھی مجھ کو اِک تعزیر ہے
کمسنی اور بیوگی! کیا شومئے تقدیر ہے

سامنے آنکھوں کے پھرتی کس کی یہ تصویر ہے
اے خیالِ خام! کس کی سُن رہا تقریر ہے

کوئی فرقت میں تری دلخستہ و دلگیر ہے
آکے دلجوئی تو کر۔ اب کس لئے تاخیر ہے

آہ اے سرتاج میرے راحتِ جانِ حزیں
آ کہاں ہے! آہ! تو اے فرحتِ جانِ حزیں

آہ، اپنا مطلعِ نُورِ نظر جاتا رہا
وائے قسمت، لطفِ ہر شام و سحر جاتا رہا

مایۂ آسایشِ جان و جگر جاتا رہا
آہ، وہ ساتھی مرا وہ ہم سفر جاتا رہا

داغ ہیں موجود۔ دِل۔ اے چشم تر جاتا رہا
درد باقی رہ گیا۔ حالانکہ سر جاتا رہا

خوش نکردی اے فلک خاکم بسر کردی دریغ
چوں منِ بیچارہ را۔ بیچارہ تر کردی دریغ

کاش! اتنا تو بتادے کوئی اب میں کیا کروں
سر بزانو ہو کے۔ کیا آٹھوں پہر رو یا کروں

آہ کس سُرمے سے اب آنکھوں کو میں بینا کروں
اب مہیا میں کہاں سے خاکِ نقشِ پا کروں

کس کی خاطر آنکھ کو مصروفِ نظارہ کروں
خانۂ ویرانِ دل میں۔ ہائے کِسکی جا کروں

اب مرے قابل کوئی بزمِ طرب آگیں نہیں
حُسن و الفت کے پسندیدہ مجھے آئیں نہیں

وائے محرومی! کہ نکلا ایک بھی ارماں نہیں
لمحہ بھر بھی باغِ دنیا میں رہا شاداں نہیں

اشک شوئی کا بھی کچھ باقی یہاں ساماں نہیں
گود میں جُز طفلِ اشک اِک گوہرِ غلطاں نہیں

ہے سبب یہ نفرتِ سیرِ گُل و بستاں نہیں
چشمِ خوں افشاں سے کیا رشکِ چمن داماں نہیں

حیف! آں بزمِ نشاط و نزہتِ گُلشن نماند
آں شبابِ شُعلہ خُو۔ ویں حُسن جادو فن نماند

ہائے، یہ عمر! اور اِس پر بیوگی کی مار ہے
شدّتِ دردِ جگر ہے کرب کا اظہار ہے

سلبِ طاقت، رہنُما گم۔ راہ تنگ و تار ہے
آہ! منزل پُر خطر ہے دُور ہے دشوار ہے

یاس ہے سودا ہے۔ وحشت ہے دلِ بیزار ہے
پاسِ ناموس و حیا۔ مُہرِ لبِ گفتار ہے

گرچہ من لیلےٰ اساسم دِل چو مجنوں دُر ہواست
سر بصحرا میزنم لیکن، حیا زنجیرِ پاست

بازوئے شوہر کو بہنو! لاکھ نعمت جاننا
ہے پتی سرتاج اسکو ظلِ قدرت جاننا

تُم اذیت کو شیوں کو اِسکی راحت جاننا
اس کے اندازِ تغافل کو محبت جاننا

تلخ باتوں کو بھی اِسکی پُر حلاوت جاننا
اِسکی خوشنودی میں پنہاں حق کی رحمت جاننا

رام کی مورت یہی اور کرشن کی صورت یہی

دونوں عالم میں جو سچ پوچھو تو ہے دولت یہی

اب سراپا سوز ہوں بچھڑے ہوئے ہمدم سدا — تیغِ ہجراں تری سرمایۂ ماتم سدا
دِل نشیں ہے حسرت و آلام کا عالم سدا — راز دارِ بیکسی ہے نالۂ پیہم سدا
بحرِ طوفانی ہے میرا دیدۂ پُر نم سدا — میں سدا غم کے لئے میرے لئے ہے غم سدا

بختِ دشمن میں بھی یارب، ہو نہ روزِ ہو گی
اور کسی کی جاں نہ ہو یوں وقفِ سوز ہو گی

تُم اپنے حسن کو دیکھو تو پھر سمجھ جاؤ — کہ کس لئے مجھے صبر و سکوں سے کام نہیں
یہ مے سے تو بہ برائے نمود ہے واعظ — نہ کردوں تجھکو جو بدمست مست نام نہیں

خضر کیونکر کاٹتا ہے اتنی لمبی زندگی — مجھکو تو عُمرِ دو روزہ اک قیامت ہوگئی
مست سمجھا تھا جسے محدود تیرے حُسن میں — خاک کے ہر ذرّے سے پیدا وُہ صورت ہوگئی

جسمیں سودا ہو محبّت کا وہ سر پیدا کر — ورد جسمیں ہو جہاں کا وہ جگر پیدا کر
جس سے آجائیں نظر غیر بھی اپنے تجھکو — دیکھ ہمدم تو وہ آنکھوں میں نظر پیدا کر
تنگ آیا ہے شبِ غم کی جو طُولانی سے — راتِ جس کے نہ ہو پیچھے وہ سحر پیدا کر
جس سے بیدار ہو اِس ملک کا بختِ خفتہ — زور آواز میں وہ مرغِ سحر پیدا کر

کیوں کسی کے لئے تو روتا ہے — ہار موتی کے کیوں پروتا ہے
یاس و حرماں جنوں و رسوائی — عشق میں بس یہی تو ہوتا ہے
کیوں کسی سے تو پیار کرتا ہے — ہاتھ کیوں زندگی سے دھوتا ہے

مست سمجھا ہے زندگی جسکو
موت اُس کا مآل ہوتا ہے

بیٹھ کر تیرِ نظر بولا دلِ دلگیر میں — ہم تو کر لینگے گزارا بس اسی جاگیر میں
اس طرح مُضمر کرم ہے یار کی تعزیر میں — ہے نہاں تعزیر جیسے پردۂ تقصیر میں

وہ دردِ عشق کیا ہے جو لا دوا نہیں ہے
وہ غم بھی کوئی غم ہے جو جانگزا نہیں ہے

جو بات ہے تمہاری دنیا میں منتخب ہے
وہ درد مجھکو بخشا جس کی دوا نہیں ہے

ولہ

کب وہاں شنوائی ہے حاصل ہے کیا تقریر سے
خط مرا پڑھتے نہیں وہ فائدہ تحریر سے

سر سے آنکھوں سے کلیجے سے لگاتا ہوں اسے
کھیلتا رہتا ہوں ہر دم میں تری تصویر سے

اے خوبرو یہ حُسن میں تیرے کمال ہے
گو ہے سیاہ پر ترا ابرو ہلال ہے

تھوڑا نہیں یہ آپکا احسان مست پر
منت کشِ الم ہے رہینِ ملال ہے

دیکھکر تیرا جنوں صیاد آتی ہے ہنسی
باندھ دیگا کیا خیالِ یار بھی زنجیر سے

کچھ تو ہوگی بات تم میں کیوں چھپاتے ہو بھلا
روز و شب رہتے ہو تم جو مست اب دلگیر سے

طُور پر ذرہ بنایا تری رعنائی نے
کھلنا کلیوں کو سکھایا تری انگڑائی نے

بن گیا عشق کا احساس ہی پردہ ورنہ
ایک کر رکھا تھا اُس حُسن کی یکتائی نے

چُن لیا دشت کو گلزارِ جناں کے بدلے
کیا سودا یہ نیا آپ کے سودائی نے

کھُل گئیں اُس پہ فنا اور بقا کی رمزیں
بیخودی بخشی جسے تیری خود آرائی نے

چین دن کا نہ رہا رات کی راحت نہ رہی
دِل کو ایسا کیا دُکھیا کسی دکھدائی نے

باعثِ عفوِ گنہ اشک ندامت نکلے
مست عزت تری رکھ لی تری رُسوائی نے

ولہ

دِل جبکہ محوِ فکرِ تن و توش ہوگیا
دُنیا کا ذرہ ذرہ ستم کوش ہوگیا

صحرا ہے آج محوِ سکوتِ الم طراز
شوریدہ بخت کون یہ خاموش ہوگیا

اب شیخ جی کے واسطے گنجائش کہاں
تو مستِ پاکباز بھی مے نوش ہوگیا

قیامت کس کو کہتے ہیں یہ پوچھو عرش والوں سے
جنھیں دن رات رہتا ہے تعلق میرے نالوں سے

کوئی کہتا تھا کس حسرت سے کل اک بزم عشرت میں

خوشی کیا شے ہے پوچھو تو ذرا ان ہنسنے والوں سے

وہ اوجِ برق سینا کو بھی خود سے پست پاتا ہے
کوئی ذرّہ جو چھو جاتا ہے تیرے پائمالوں سے

کبھی گردوں کی چادر سے قدم باہر نہیں رکھا
یہ اختر ہمسری کرتے ہیں مجھ وحشی کے چھالوں سے

ولہ

نہ کسی کا دردِ دل ہوں نہ کسی کی میں دوا ہوں
نہ ہوں آہ میں کسی کی نہ کسی کی میں دعا ہوں

نہ کسی کی شمعِ رُخ کا پروانۂ حزیں ہوں
نہ شہید ناز ہوں میں نہ میں کشتۂ ادا ہوں

نہ کسی کے ہجر کا غم نہ ہے وصل کی خوشی کچھ
نہ کسی کا ہوں جفاکش نہ کسی کا مبتلا ہوں

نہ کسی سے ہے عداوت نہ کسی سے دوستداری
نہ ہوں میں گلِ دل افزا نہ میں خارِ جانگزا ہوں

نہ غمِ جہاں ہے مجھکو نہ جہاں کو غم ہے میرا
میں ہوں اس جہاں کے اندر مگر اس سے پھر جدا ہوں

نہ ہے رنجِ مرگ مجھکو نہ خوشی ہے زندگی کی
نہ فنا سے ہے تعلق نہ بقا سے آشنا ہوں

زمئے الست مستم خبرے نہ از جہانم
نہ اسیر ایں جہانم نہ رہینِ لا مکانم

تضمین بر غزل پروفیسر تاجور نجیب آبادی

گلزار جہاں ہے مست فانی
پھول اس کے ہیں سب کے سب خزانی
اک خواب ہے سب کی زندگانی
("گویا ہے زبانِ بے زبانی
عبرت یہ دکھا رہی ہے اعجاز")

بھولے نہ کبھی اجل کی آواز
چشمِ بینا سے دیکھ پیارے
یہ رنگ تو گردشِ فلک کے
رازِ پنہاں یہ گوشِ دل سے
("سن لے اے راہ گیر سن لے
اک قبر سے ہے یہ آتی آواز")

بھولے نہ کبھی اجل کی آواز

جب عود کی چنگ کی رہے فکر جب راگ کی رنگ کی رہے فکر
توقیہ کے سنگ کی رہے فکر
(''اس گوشۂ تنگ کی رہے فکر آراستہ جب ہو محفلِ ناز'')
بھولے نہ کبھی اجل کی آواز

جب ہاتھ میں جام مشکبو لے یا شانوں پہ زلفِ خوبرو لے
آغوش میں جب کسی کو تو لے
(''یہ عالم بیکسی نہ بھولے جب جمع ہوں دوستانِ ہمراز'')
بھولے نہ کبھی اجل کی آواز

جب پھولوں سے چمن ہو آباد مستی سے جھومتا ہو شمشاد
جب ہو تو جہاں میں خرم وشاد
(''یہ کنجِ خموش بھی رہے یاد جب آئے صدائے نغمۂ ساز'')
بھولے نہ کبھی اجل کی آواز

ہو وصل جو نعبت چگل سے الفت ہو ٹپکتی آب وگل سے
صحبت ہو جو جام متصل سے
(''یہ نقشِ فنا مٹے نہ دل سے آغوش میں جب ہو یارِ دمساز'')
بھولے نہ کبھی اجل کی آواز

عیش وعشرت کا جبکہ ہو جوش محوِ نغمہ ہوں جب ترے گوش
ہو جائے تو مست ہو کے مدہوش
(''یہ خوابِ عدم نہ ہو فراموش جب دورِ نشاط کا ہو آغاز'')
بھولے نہ کبھی اجل کی آواز

حقیقت اے خدا تیری کہاں معلوم ہوتی ہے — کہ دنیا عرصۂ وہم و گماں معلوم ہوتی ہے

ترے دردِ محبت کو چھپاتا ہوں بہت لیکن — ہنسی بھی میری اک طرزِ فغاں معلوم ہوتی ہے

سکوں گاہِ ازل میں اور نہ دنیا میں قرار آیا — یہ ہستی اضطرابِ جاوداں معلوم ہوتی ہے

عیاں صبحِ ازل شامِ عدم ہے آنکھ میں تیری — یہ مجھکو مظہرِ ہر دو جہاں معلوم ہوتی ہے

مرے اشکِ ندامت چن لئے ہیں دستِ رحمت نے — انہیں تاروں سے زیبِ آسماں معلوم ہوتی ہے

مٹا احساسِ ہستی جب سراغِ زندگی پایا — حقیقت زندگانی میں کہاں معلوم ہوتی ہے

کسی کی یاد نے ہمدم لگا دی آگ سی دل میں — مجھے تو چاندنی بھی اب دھواں معلوم ہوتی ہے

سوزِ فراق سے دلِ دیوانہ جل گیا — یعنی بغیر شمع یہ پروانہ جل گیا

تصویرِ یار کو میں چھپاؤں گا اب کہاں — سوزِ دروں سے دل کا صنم خانہ جل گیا

سب داستانِ عشق جلی ذکرِ سوز سے — لکھنے سے پیشتر ہی یہ افسانہ جل گیا

سوزِ نہاں سے اشکِ ندامت بھی جل گئے — رحمت کے واسطے تھا جو نذرانہ جل گیا

سوزِ دروں کے ضبط سے تاثیر بڑھ گئی — آخر حجابِ جلوۂ جانانہ جل گیا

ہے تن بدن میں آگ کہ بجلی ہے مست کے
چھوتے ہی اس کے شیشہ و پیمانہ جل گیا

اضطرابِ دل سے وہ اٹھ اٹھ کے میرا بیٹھنا — سخت مشکل تھا تری محفل میں اک جا بیٹھنا

تیری بزمِ ناز کے آداب کب معلوم تھے — بیقراری نے سکھایا مجھکو اٹھنا بیٹھنا

وہ تصور میں اٹھاتا ہے مزے اب وصل کے — بھا گیا ہے تیرے دیوانہ کو تنہا بیٹھنا

وحشت اٹھتی ہے کبھی جی بیٹھ جاتا ہے کبھی — ختم بھی ہوگا کہیں یارب یہ اٹھنا بیٹھنا

مست دیکھا بھی نہیں انکو تو جی بھر کر کبھی
پھر کہاں کا ان سے کہنا سننا ملنا بیٹھنا

نہ دے تر دامنی پر طعن مجھکو زاہدِ ناداں — اسی پانی سے تو سرسبز ہے گلزارِ رحمت کا

سرد مہری کیوں نہ کشمیری سے کشمیری رکھے | دہر میں مشہور سردی کے لئے کشمیر ہے
راز الفت نہ ہو کہیں افشا | آہ بھرتا ہوں مست ڈر ڈر کے
خلد میں بھی گو کہ دلچسپی کے ساماں ہیں بہت | دل کھنچا جاتا ہے لیکن کوئے جاناں کیطرف
زخم ہنستے ہیں دیکھکر مجھکو | شرم اے چارہ گر نہیں آتی
راز افسوس کھل گیا دل کا | جوش پر چشم تر نہیں آتی
حشر میں یہ اک الگ ہی حشر کر دینگے بپا | تیری چشم فتنہ گر اور غل مری فریاد کا
یوں تو کیا کیا درد ہیں دنیا میں انساں کے لئے | پر سبھی دردوں سے بڑھکر درد ہے اولاد کا

کسی کے گیسو

یہ مشک ریز گیسو یہ عطر بیز گیسو
ابر بہار گیسو

یہ دل فریب گیسو یہ ناشکیب گیسو
یہ بیقرار گیسو

پر پیچ و تاب ہیں یہ وجہ عذاب ہیں یہ
وحشت فروش گیسو

کالے یہ ہیں بلا کے پھندے ہیں یہ قضا کے
مار خموش گیسو

حد سے سوا پریشاں ہم صورت گریباں
ہیں تار تار گیسو

مجنوں کی ان میں وحشت لیلا کی ان میں رنگت
ہیں عشق زار گیسو

ہر پیچ و خم سے پیدا ہوتی ہیں دیکھنا کیا

اژ در کی مست لہریں

عنوان یہ نور کا ہیں سرمہ یہ طور کا ہیں
کوثر کی مست لہریں

آہ چکبست

آہ اے چکبست اے روحِ روانِ شاعری — ہوگیا خاموش تو اے نغمہ خوانِ شاعری
ہوگیا ظلمت کدہ تجھ بن جہانِ شاعری — اے کہ تو تھا آفتابِ آسمانِ شاعری
تیری خاموشی سے اب اے عندلیبِ نغمہ زن — ہوگئی رخصت بہارِ بوستانِ شاعری
تیری ہر آہِ شرر افشاں چراغِ راہ تھی — چل بسا افسوس پرکارِ روانِ شاعری
تیرے اِک اِک شعر میں پنہاں تھا پیغامِ عمل — تیرا اِک اِک لفظ تھا گویا کہ جانِ شاعری

خوگرِ حبِّ وطن تھا عاشقِ زارِ وطن
تیرے شعرِ تر سے تھا سرسبز گلزارِ وطن

سچّی خوشی کہاں ہے

مے کشی میں ہے نہ جوشِ گُل میں ہے سچّی خوشی — اور نہ لطفِ نغمۂ بلبل میں ہے سچّی خوشی
خوگرِ عشقِ مجازی کو بھی یہ حاصل نہیں — وصل تک محدود ہے وہ جذبۂ کامل نہیں
یہ افق میں ہے نہ نورِ مہرِ عالمتاب میں — یہ شفق میں ہے نہ حسنِ جلوۂ مہتاب میں
سیرِ رودِ کہکشاں میں ہے نہ سیّاروں میں ہے — کون کہتا ہے کہ یہ کوثر کے فوّاروں میں ہے
یہ فضائے وسعتِ گردوں کے دامن میں نہیں — اور میسر جلوۂ جنت کے گلشن میں نہیں
مست کیا شے ہے وہ جس میں ہے نہاں سچّی خوشی — وسعتِ ارض و سما میں ہے کہاں سچّی خوشی

جواب

عارفِ کامل کے قلبِ پُر سکوں میں ہے نہاں — طفلکِ معصوم کے شیریں تبسّم میں عیاں
خوگرِ صبر و قناعت کا ہے دیتی ساتھ یہ — عاشقِ کامل کا بھی پکڑے ہوئے ہے ہاتھ یہ
بے نواؤں بے کسوں کے کام آنے میں ہے یہ — دہر میں اوروں کے خاطر دُکھ اُٹھانے میں ہے یہ
الغرض سچّی خوشی ہے عشق کی تصویر میں — ضو جو ہے کون و مکاں کی ہے اسی تنویر میں

مسرور۔ پنڈت کامتا پرشاد سکھیا صاحب خلف پنڈت کالکا پرشاد سکھیا صاحب متوطن قدیم مراد آباد۔

حضرت مسرور مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد ممالک متحدہ میں تحصیلدار اور منصف رہے۔ ۱۲ سال کی عمر تک اپنے دادا سے فارسی تحصیل کی اور اسکے بعد ۴ سال یعنے ۱۶ سال کی عمر تک انگریزی تعلیم پائی۔ سولھویں ہی سال میں سرشتہ تعلیم میں ملازم ہو سکندر آباد اسکول ضلع علیگڈھ میں ہیڈ ماسٹر رہ کر نارمل اسکول رڑکی میں اُسی عہدہ پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے ممبر بورڈ آف ریونیو الہ آباد کے سرشتہ دار مقرر ہو کر گئے اور سرشتہ داری سے گورکھپور میں بعہدۂ ڈپٹی کلکٹری بندوبست تعیناتی ہوئی۔ جونپور۔ مرزا پور۔ علیگڈھ۔ فرخ آباد بلندشہر اور شاہجہاں پور میں آپ ڈپٹی کلکٹر رہے ۱۹۰۶ء میں شاہجہانپور سے بعمر ۵۵ سال مستفید پنشن ہو کر آپ نے بجنور میں سکونت اختیار کی جہاں بعمر ۷۳ یا ۷۴ سال ۱۹۲۴ء میں اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کو زبان عربی میں کافی دخل تھا اور سنسکرت سے بھی واقفیت تھی۔ اوائل عمر ہی سے آپ کو شعر و سخن کا شوق تھا۔ آپ کا دیوان گلشن مسرور دو حصوں میں طبع ہو چکا ہے اور ایک مجموعہ نثر باغات مسرور رہے۔ آپ کے کلام میں صفائی۔ سادگی اور شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

حسن کا اُس بُت کے جب مضموں رقم ہو جائیگا ... مطلعِ موزوں رمز ابیت الصنم ہو جائیگا
جب گلستاں میں دکھائیگا وہ اپنی چشم مست ... نرگسِ بیمار کا آنکھوں میں دم ہو جائیگا
تیرے قدموں سے ہے وابستہ مرا تارِ نفس ... گر ذرا پہلو سے سرکیگا ستم ہو جائیگا
مَیکشی کو میکدے میں جائیگا مسرور جب
دیکھتے ہی خُم پئے تعظیم خم ہو جائیگا

حقیقت میں جو دیکھا جا کے نقشہ باغ رضواں کا
اُڑایا ہے کسی نے خوب خاکہ کوئے جاناں کا
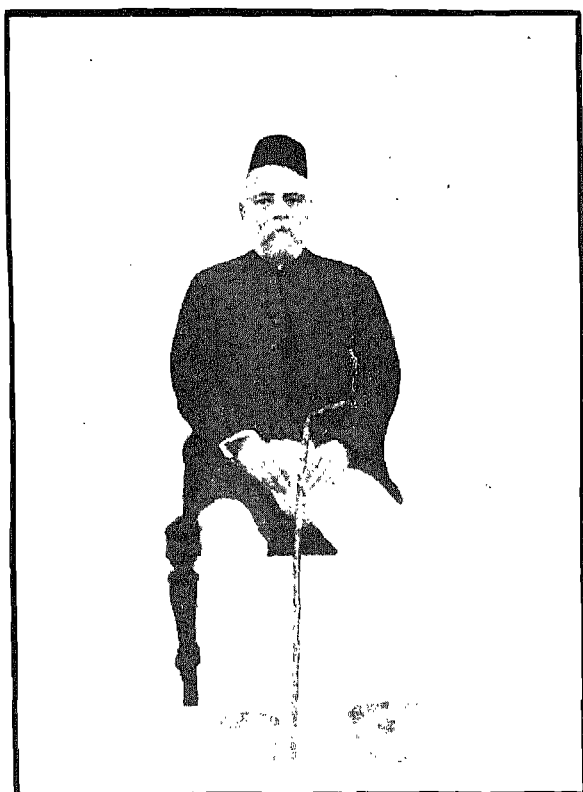
پنڈت کامتا پرشاد شکھیا۔ مسرور

عیاں ہے سُرمئی بُرقع سے جلوہ روئے جاناں کا
نمایاں نور ہے ابرِ سیہ میں مہرِ تاباں کا
شرار و برق میں ذرّہ میں مہ میں مہرِ تاباں میں
ہر ایک شئے سے نمایاں نور ہے رخسارِ جاناں کا
نہ پہونچا ہاتھ اپنا ایک دن اُس کی کلائی تک
یہ دستِ نارسا دشمن رہا اپنے گریباں کا
محبّت دین ہے اور بادہ نوشی اپنا مشرب ہے
نہ پوچھو حال کچھ مسرورؔ کے تم دین و ایماں کا

کسی کا دوست ہے دشمن کسی کا — نہیں ہے وہ بتِ پُرفن کسی کا
ہوا دستِ جنوں قابو سے باہر — مبادا کھینچ لے دامن کسی کا
پری صورت بنا دے لاکھ اپنی — کہاں پر وہ اَنیلا پن کسی کا

اب سر میں شورِ زلفِ چلیپا نہیں رہا — وہ پیچ و تابِ عشق وہ سودا نہیں رہا
جل بھُن کے خاک ہو گئے ہم سوزِ ہجر سے — دیکھو گے آکے خاک تماشا نہیں رہا
بیگانہ تھے نظر میں وہ جبتک کھُلی تھی آنکھ — جب آنکھ بند ہو گئی پردا نہیں رہا

ایک سے ایک زمانہ میں حسیں دیکھ لیا — مہر وش دیکھ لیا ماہ جبیں دیکھ لیا
پھر گئی آنکھوں کے آگے ابھی صورت تیری — اب نہ کر پردہ کہ اے پردہ نشیں دیکھ لیا
ہے زمانہ عدم آباد کے جانے کا قریب — تیرا یہ دَور بھی اے چرخ بریں دیکھ لیا

جلوہ رخِ پرنور کا ہر سو نظر آیا — جو کچھ نظر آیا وہ ہمیں تو نظر آیا
غیرت سے تمھارے قدِ موزوں کے مقابل — پیوندِ زمیں سرو لبِ جو نظر آیا
میں تجھ پہ نظر ڈال کے اور غیر کو دیکھوں — کھولوں نہ پھر آنکھیں جو کبھی تو نظر آیا
کام آئینہ کا ہم نے لیا شیشۂ دل سے — جب دید کا ساماں نہ کسی رُو نظر آیا

درماں کا یہ خواہاں ہے نہ تیمار کا محتاج — دل ریش ہے تیر نگہ یار کا محتاج
ہے مردم بیمار کے بس میں دل خستہ — مشکل ہے کہ بیمار ہے بیمار کا محتاج
تو جسکو ملا ہاتھ لگی اُس کے خدائی — دنیا سے غنی ہے تری سرکار کا محتاج

ابرو نے قتل بسمل مژگاں کو کر دیا — مجروح دل پہ تیغ لگی یک نہ شد دو شد
سودائے زلف یار و شب تار انتظار — دوہری بلا یہ سر پہ پڑی یک نہ شد دو شد
مدت ہوئی کہ آنکھ تھی مسرور سے پھری
اب دشمنوں سے ملنے لگی یک نہ شد دو شد

اُس شوخ سے ہے وفا کی امید — بیدرد سے ہے دوا کی امید
پاؤں سے لگی ہے اُس پری کے — نکلی بارے حنا کی امید
قاصد تو کوئی پھرا نہ واں سے — اب ہے پیکِ قضا کی امید
مسرور ہے سیر زندگی سے
اب ہے جام فنا کی امید

کس شعلہ نے لگائے ہے لو انجمن میں شمع — خاموش رو رہی ہے جو بیٹھی لگن میں شمع
وقتِ کلام مُنہ سے نکلنے لگے شرر — جائے زبان رکھتا ہوں گویا دہن میں شمع
سوزِ دروں نے آگ سراپا میں پھونک دی — سینہ میں دل ہے میرے کہ ہے پیرہن میں شمع
مانا خدا نے چہرۂ روشن عطا کیا — ہمسر تمہاری ہوگی کہاں بانکپن میں شمع

ہمارے عشق سے کیا ہو وہ مہ لقا واقف — وہ اپنے حسن سے ابتک نہیں ہوا واقف
ہمارے دیدۂ تر نے ہمیں کیا رسوا — زمانہ رازِ نہانی سے ہو گیا واقف
کیا تھا دیر کا عزم اور حرم میں جا پہنچا — کہ راہ میں نہ ملا کوئی رہنما واقف
بُرائی بادۂ گلگوں کی کرتا ہے زاہد
وہ خوبیوں سے ہے مسرور اُسکی نا واقف

خطا اس دلِ مضطرب کی ہے ساری — بناتے ہو مجھکو گنہگار ناحق

رسائی خاکساروں کی ہوئی گر آپ کے در تک
نہ مٹ کر بھی اٹھیں گے آستاں سے روزِ محشر تک

ہوا دل خاک جب جل کر تنِ عاشق لگا جلنے
الٰہی خیر جا پہونچی یہ آگ اندر کی باہر تک

کروں کس سے گلا بے رحم اپنی سخت جانی کا
کہ منہ کو پھیر لیتا ہے گلے پر آ کے خنجر تک

گئے مسرور وہ دن ہوتے تھے جب خم کے خم خالی
اٹھا سکتے نہیں اب ہاتھ سے پیری میں ساغر تک

جو تیرِ نظر ہو لگانے کے قابل ... ہمارا جگر ہے نشانے کے قابل
ملاؤ نہ چشمِ فسوں گر سے آنکھیں ... یہ جادو نہیں ہے جگانے کے قابل

حذر دخترِ رز سے ہے مسرور بہتر
یہ کافر نہیں منہ لگانے کے قابل

ہجر میں وصل کا یاں رہتا ہے ساماں ہر دم ... روبرو فیضِ تصور سے ہے جاناں ہر دم
کس طرح تیرِ نظر اُس کا نکالوں دل سے ... کہ ہے منظورِ نظر خاطرِ مہماں ہر دم
زاہدا حشر میں اللہ کو کیا دیگا جواب ... دل میں ہے یادِ بتاں ہاتھ میں قرآں ہر دم
دشتِ غربت میں بھی تنہا نہیں دیوانہ ترا ... ہمدمی کرتے ہیں رنج و غم و حرماں ہر دم

ایک دن آنکھوں سے دھو بیٹھوگے ہاتھ اے مسرور
نہیں اچھا یہ خیالِ رخِ تاباں ہر دم

مستوں کا لامکاں میں بھی ملتا مکاں نہیں ... ایسے مٹے کہ نام کو باقی نشاں نہیں
عنقا ترے اسیروں کا ہم آشیاں نہیں ... ایسے مٹے کہ نام کو باقی نشاں نہیں
گردونِ روسیہ کی شکایت کہاں نہیں ... وہ کون سی زمیں ہے جہاں آسماں نہیں

خاموش بزمِ یار میں بیٹھے ہیں مثلِ شمع　　سوزِ دروں سنانے کو گویا زباں نہیں
دردمندِ غم کی تدبیرِ شفا کوئی نہیں　　دردِ الفت کی زمانہ میں دوا کوئی نہیں
اس طرح بیخوف تم کرتے ہو بندوں پر ستم　　اے بتو گویا خدائی میں خدا کوئی نہیں
ان گلوں کو رنگ و بو پر اس قدر کیوں ناز ہے　　گلشنِ ایجاد میں رہتا سدا کوئی نہیں
ہر نفس اے ہمدمو دیتا خبر ہے کوچ کی　　اس جرس کی پر یہاں سنتا صدا کوئی نہیں
دیکھئے کب منزلِ مقصود پر پہونچیں گے ہم　　راستہ دیکھا نہیں اور رہنما کوئی نہیں
دل نہ کچھ میری سُنے اور تم نہ کچھ دل کی سنو　　کیسی مشکل ہے کسی کی مانتا کوئی نہیں
دیکھ کر آئینہ تو نے مُنہ چھپایا کس لئے　　تیرا جلوہ ہے وہاں بھی دوسرا کوئی نہیں
جستجو میں ان بتوں کی خاک چھانی عمر بھر　　مل گئے ہم خاک میں لیکن ملا کوئی نہیں

منظور غمِ فرقت کا بیاں تم کو بھی نہیں ہم کو بھی نہیں
یعنی لاعلمیِ رازِ نہاں تم کو بھی نہیں ہم کو بھی نہیں
ہم دیر میں گھوسے شیخ اور تم کعبہ کی مٹی چھان چکے
ملتا بتِ پردہ نشیں کا نشاں تم کو بھی نہیں ہم کو بھی نہیں
ہیں در پہ ترے یا جانِ حزیں تو خلوتِ دل میں گوشہ نشیں
اے جان مری کوئی اور مکاں تم کو بھی نہیں ہم کو بھی نہیں

بتا دیں کنجِ تنہائی میں کیا زُہّاد کرتے ہیں　　خدا کا ذکر کرتے ہیں بتوں کی یاد کرتے ہیں
اسیرانِ قفس پر یہ ستم صیاد کرتے ہیں　　کہ اوّل پر کتر دیتے ہیں پھر آزاد کرتے ہیں
خدایا کون سمجھے اس میں تیری مصلحت کیا ہے　　کہ بُت بندوں پہ تیرے برملا بیداد کرتے ہیں
ثمر لائیں کہاں سے گو قدِ بالا ہوا تم سا　　یہ سرکش ہیں تمہاری ہمسری شمشاد کرتے ہیں

نہیں غم خانۂ دل گر کیا برباد اُس بُت نے
کہ اب مسرور ہم کنجِ لحد آباد کرتے ہیں

زخم دل کہتا ہے۔ اُن کا دیکھ کر حسنِ ملیح
میں بھی اس سرکار کے ادنیٰ نمکخواروں میں ہوں

ٹھوکریں کھاتا رہا بزمِ حسیناں میں سدا
سبزۂ بیگانہ سا پامال گلزاروں میں ہوں

کیوں گراتے ہو نظر سے اپنی خوش چشمو مجھے
نیک ہوں یا بد تمھارے نازبرداروں میں ہوں

ہو نہ کیوں روزِ جزا مسرور کو امیدِ عفو
مستحقِ رحمت کا ہوں یا رب گنہگاروں میں ہوں

تیرِ مژگانِ رخِ پیکار جدھر کرتے ہیں
اِک اشارہ میں جہاں زیر و زبر کرتے ہیں

دن سے شب کرتے ہیں اور شب سے سحر کرتے ہیں
رات دن بن ترے رو رو کے بسر کرتے ہیں

بلبلو تم کو مبارک رہے نظارۂ گل
ہم تو اب گلشنِ ہستی سے سفر کرتے ہیں

ڈھنگ بگڑے نظر آتے ہیں خدا خیر کرے
آج مسرور وہ ہر بات میں شر کرتے ہیں

ہے شبیہِ مصحفِ رخسارِ جاناں گو دمیں
یا دبت میں رات دن رہتا ہے قرآں گود میں

دشت سے یہ اُنس تھا ہم کو کہ جب گھر کو چلے
کر کے تہ لیتے گئے صحرا کا داماں گود میں

ناتوانی خاک سے اُٹھنے نہیں دیتی ہمیں
آکے لے جائے ہوائے کوے جاناں گود میں

کی درازی حد سے جب دستِ جنوں نے ہمدمو
تنگ ہو کر آ چھپا اپنا گریباں گود میں

ہوں وہ آوارہ کہ جا نکلوں اگر سوئے عدم
کھول کر آغوش لے گورِ غریباں گود میں

آرزو بر آئے خاطر خواہ اے مسرور جب
طاق پر ایماں ہو اور بدخواہِ ایماں گود میں

دکھایا کفر نے ایماں کا مرتبہ ہم کو
بتوں کو دیکھ کے یاد آ گیا خدا ہم کو

رہے بگولے کی صورت جہاں میں سرگرداں
نہ پاؤں رکھنے کی ہاتھ آئی کوئی جا ہم کو

انھوں نے دستِ حنائی سے اپنے قتل کیا
لگا یہ ہاتھ سر دست خوں بہا ہم کو

نہ کرنا روحِ رواں اُنس جسمِ خاکی سے
روا روی کا تعلق نہیں روا ہم کو

انانیت کے یہ پردے پڑے ہیں آنکھوں پر | کہ کر رہی ہے خدا سے خودی جدا ہم کو
پھر آئے بتکدہ چھان آئے خاک کعبہ کی | ملا نہ پردہ نشیں کا کہیں پتا ہم کو
بتوں سے آس جو ٹوٹی تو پھر زمانے میں | بجز خدا نہ رہا کوئی آسرا ہم کو
کبھی ہیں دیر میں گہ کعبہ گاہ گرجا میں | تری تلاش پھراتی ہے جا بجا ہم کو

کسی کی نرگسِ مخمور دیکھ کر مسرور
بلا شراب پیے ہو گیا نشا ہم کو

چارہ سازِ تپِ فرقت کو بنا رہنے دو | سوزشِ دل کا بھلا کچھ تو مزا رہنے دو
دیکھو یکلخت نہ اس گھر کو بگاڑو صاحب | داغ حسرت کو مرے دل میں بنا رہنے دو
تیغِ قاتل سے لگا ہاتھ فقط ایک یہ پھل | زخم کاری مرے سینہ پہ لگا رہنے دو

دیدۂ گل گر نہیں مسرور تصور ہی سہی
باغبانوں کے سہے ناز بلا۔ رہنے دو

دل کو ہے ربط کسی زلف گرہ گیر کے ساتھ | سلسلہ رہتا ہے دیوانہ کا زنجیر کے ساتھ
دیکھ مت ہاتھ لگا ترکِ ستمگر اس کو | دل نکل جائے گا پہلو سے ترے تیر کے ساتھ
اُس کی تصویر بھی رہتی ہے کشیدہ ہم سے | کھینچنے والے کی ادا کھینچ گئی تصویر کے ساتھ
میری بینائی قیامت۔ تری شوخی ہے بلا | میری تصویر کھنچے کیا تری تصویر کے ساتھ
ہوئی دربار حسیناں میں یہ توقیر میری | داغ کی ٹھہری دشت کی جاگیر کے ساتھ

اے شمع چاہتی ہے جو سوزِ نہاں کا لطف | میری طرح سے بزم میں خاموش جل کے دیکھ
باقی نہیں ہے خاک بھی ارمان کے سوا | تو دل کو مل کے دیکھ کلیجہ مسل کے دیکھ

جو مائل ہے ابرو پہ وہ دل یہی ہے | تہِ تیغ کرنے کے قابل یہی ہے
ادا دیکھ کر تیغ ابرو کی ہر دم | قضا میری کہتی ہے قاتل یہی ہے

بتوں کی محبت میں زنار پہنا ہمارے گلے کی حمائل یہی ہے
نہ کیوں جاں سے پیارا ہو مجھکو مرا دل کہ اُس رشک لیلیٰ کا محمل یہی ہے
خودی چھوڑ دے ہو کے مسرور بیخود
خدا کی قسم پردہ حائل یہی ہے

خاکِ قدم درباں اکسیر نظر آئی نظارۂ جاناں کی تدبیر نظر آئی
بجلی جو کہیں چمکی کھٹکا دلِ دیوانہ شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی
یہ جانِ حزیں نکلی خود اُسکے بُلانے کو جب آنے میں جاناں کے تاخیر نظر آئی
ہے فیض تصور سے دیدارِ صنم ہر جا کعبہ میں بھی اُس بت کی تصویر نظر آئی

سرائے فانی ہے چند روزہ قیام اس میں ذرا نہیں ہے
یہ گلشنِ دہر خوشنما ہے بہار لیکن سدا نہیں ہے
بہار۔ ناداں ہے جانے والی۔ خزاں ہے اک روز آنے والی
ہے دنیا مقامِ حیرت۔ یہ دل لگانے کی جا نہیں ہے
ہمیں شبِ غم رہے سلامت۔ رقیب تم کو رہیں مبارک
جو تم میں خوے وفا نہیں ہے۔ ہمیں بھی تابِ جفا نہیں ہے
گئی ہے شب وقت ہے سحر کا۔ ہو عزم مسرور اب سفر کا
کہ باغِ دنیائے بے بقا کی۔ ہمیں موافق ہوا نہیں ہے

ستمگر کی پھر آج ترچھی نظر ہے ہوا انجام بالخیر آغاز شر ہے
تری مانگ کو دیکھ کر ہے یہ حیرت کہ دو رات کے درمیاں اک سحر ہے
نزاکت یہ پائی مرے شرمگیں نے کہ سر کا اُٹھانا بھی اک دردِ سر ہے
ذرا فکر کر توشۂ عاقبت کی کہ نزدیک ناداں روزِ سفر ہے
عیاں نور اُس کا ہے عالم میں لیکن نگاہوں سے پنہاں وہ رشکِ قمر ہے

کلیسا میں پایا نہ دیر و حرم میں
خدا جانے مسرور وہ بت کدھر ہے

ہر نقش قدم دشت میں کیوں خاک بسر ہے
دنیا سے کس آوارہ کا آج عزم سفر ہے

یہ تفرقہ ڈالا غم فرقت نے کسی کے
دل کو نہ ہماری نہ ہمیں دل کی خبر ہے

غفلت ہی میں یہ رات بسر ہو گئی ساری
مسرور بہت سوئے اُٹھو وقت سحر ہے

وہ سوتے رہے اور انکی بلائیں
میں لیتا رہا رات بھر چپکے چپکے

سنا ایک دم بھی نہ جانے کا کھٹکا
گئی عمر اپنی گذر چپکے چپکے

نہ کھلواؤ زباں میری اے دشمن جاں
خدا جانے کہہ جاؤں کیا کہتے کہتے

نکل جائیگی جان مسرور ایک دن
دلِ زار کا مرثیہ کہتے کہتے

اے دلِ ناداں نہ ہو تیر ادا کے سامنے
کھیلتا ہے جاں پہ جاتا ہے قضا کے سامنے

دیکھتا ہوں اے بتو میں صنعتِ پروردگار
یادِ حق کرتا ہوں میں تم کو بٹھا کے سامنے

زاہدا کسکو ہے یاں اندیشۂ منکر نکیر
بندے ہیں اُس بُت کے ہم کہدیں خدا کے سامنے

تیری وحشت اے پری کیا کر گئی اس میں اثر
بھاگتا کوسوں اثر ہے کیوں دعا کے سامنے

منزلِ مقصود پر پہونچا نہ بختِ نارسا
رہ گئے پاؤں مسافر کے سرا کے سامنے

مرتے دم تک آرزو مسرور یہ دل میں رہی
کاش دم نکلے مرا اُس مہ لقا کے سامنے

ہوں سینہ چاک اُس گلِ تر کے فراق میں
کہدونگا برملا میں یہ آگے ہزار کے

تیرِ نگاہ خنجرِ ابرو و تیغِ ناز
قاتل ہیں کتنے تاک میں اک جانِ زار کے

اے شرمگیں تجھے نہیں حاجت نقاب کی
پردے پڑے ہیں میری نگاہوں کے تار کے

آتا نہیں وہ شوخ تو آتو ہی اے اجل
صدمے اُٹھائے جاتے نہیں انتظار کے

ناحق ہمیں ستاتے ہو کیوں اس قدر تو — ہم بھی تو بندہ ہیں اُسی پروردگار کے

آفتِ جاں ہے نزاکت اُس کی — آنکھ اُٹھاتے ہوئے تھک جاتا ہے

شوخی یاد آتی ہے جب ساقی کی — جام کے کف میں چھلک جاتا ہے

آنکھ دیکھی جو پھری ساقی کی — ہم سے اب خُم بھی مٹک جاتا ہے

آہ سوزاں سے تسلی معلوم — اور بھی شعلہ بھڑک جاتا ہے

نہ تو عالم ہے نہ شاعر مسرور
گو جنوں میں کبھی بک جاتا ہے

صفائے قلب میں بھی اِک عجب تاثیر ہوتی ہے — بتوں کی خاکِ پا بھی زاہدا اکسیر ہوتی ہے

غضب ترچھی نظر تیری بتِ بے پیر ہوتی ہے — کہ پھر جاتے ہیں سب یہ گردشِ تقدیر ہوتی ہے

جگہ کیوں کر نہ دوں دل میں تمہاری تیغ ابرو کو — علاجِ اختلاجِ قلب یہ شمشیر ہوتی ہے

نہیں ہے بے سبب سرمہ لگانا اُس ستمگر کا — ملانے کی کسی کے خاک میں تدبیر ہوتی ہے

نہیں گر شکر شکوہ ہی سہی کچھ مُنہ سے تو بولو — قرارِ قلبِ مضطر آپ کی تقریر ہوتی ہے

رکھوں کیسے نہ میں دل میں تصور آپ کا ہردم — کہ تسکیں بخش کچھ کچھ آپ کی تصویر ہوتی ہے

وہ اکثر دیکھتے رہتے ہیں رکھ کر روبرو اسکو — میرے آئینۂ دل کی یہ اب توقیر ہوتی ہے

چلیں گے ہم کبھی مسرور گر جیتے رہے کچھ دن
کہ روح افزا ہوائے گلشنِ کشمیر ہوتی ہے

نزاکت دیکھیے اوچھا پڑا ہے وارِ قاتل کا — خلش کم ہو اگر ہو نوکِ مژگاں پار تھوڑی سی

نہ آنکھوں سے نہاں ہونا نہ جب تک جاں نکل جائے — ابھی باقی ہے دل میں حسرتِ دیدار تھوڑی سی

اگر جانباز ہے صادق تو رکھ دے داؤں پر دل کو — بہت سی جیت اس بازی میں ہے اور ہار تھوڑی سی

نہ کیوں مسرور بعد از غسل میت پھر میں اُٹھ بیٹھوں
اُٹھی میری طرف وہ نرگسِ بیمار تھوڑی سی

ہیں سودائی کسی زلفِ رسا کے　　پھنسے ہیں جال میں کالی بلا کے
یہ دیکھو اُس کی شانِ کبریائی　　بتوں کے رام بندے ہیں خدا کے
محبت کی ملیں ایسی سزائیں　　نہیں اب وغدغے روزِ جزا کے
کسی دستِ حنائی نے کیا قتل　　ہمارا خون ہے سر پر حنا کے
عجب راحت کدہ ہے دل ہمارا　　نہیں نکلا کوئی ارمان آ کے

نہیں میخانہ میں مسرور کو بار
یہ ڈر ہے دخترِ رز کو نہ تاکے

وہ بُت سوے مزار آئے نہ آئے　　لحد میں بھی قرار آئے نہ آئے
لبِ رنگیں پہ مرتا ہوں کسی کے　　لبوں پر جانِ زار آئے نہ آئے
خدا شاہد ہے میں بندہ ہوں اُنکا　　بتوں کو اعتبار آئے نہ آئے
غنیمت جان فصلِ گل کو بلبل　　چمن میں پھر بہار آئے نہ آئے

بسملِ ناز کو مٹی میں ملاتے جاتے　　کرتے احساں یہ دمِ نزع وہ جاتے جاتے
اک نہ اک روز اُکھڑ جائیگی اُنکی بھی ہوا　　باغِ عالم میں جو ہیں رنگ جماتے جاتے

ترک مے کر دیا مسرور نے گو مدت سے
سوئے میخانہ مگر اب بھی ہیں آتے جاتے

ہے دل میں یادِ مصحفِ روے بتاں مدام　　پڑھ لیتا ہوں دکھانے کو قرآں کبھی کبھی
پروانوں کو بھی بزم میں آنے دے شمع رو　　ان دل جلوں کو ہونے دے قرباں کبھی کبھی
دشتِ جنوں میں جا ہوں جو وحشت کی اپنی داد　　پا چومتے ہیں خارِ مغیلاں کبھی کبھی
کیا پوچھتے ہو مذہبِ وارفتگانِ عشق　　ہندو کبھی کبھی ہیں مسلماں کبھی کبھی
اپنی زباں کی سیف نکلتی ہے گاہ گاہ　　ہوتے ہیں جوہر اُس کے نمایاں کبھی کبھی

مسرور دل سمجھ کے حسینوں کو دیجیو

ہو جاتے ہیں یہ جان کے خواہاں کبھی کبھی

پاپ سنکل نشٹ ہوں رام جی کے نام سے — من رہے سکھ میں سدا تن رہے آرام سے
موہ میں اس جگت کے بھگتی کو مت بھولیو — سکھ بھجن رام کا جانیو سب کام سے
مجھ پہ سری رام جی مہر کی چھایا رکھو — اور بچاؤ مجھے بپتا کی گھام سے
تڑپوں ہوں سنسار میں جیسے بنا جل ہو مین — شیتل نیناں میرے کیجئے نجدھام سے

رام سوا اور کا ڈھونڈھیو مت آسرا
کام جو مسرور ہیں نکلیں گے سب رام سے

خانۂ تاریک میں وہ بے نقاب آنے کو ہے — جانبِ ظلمات بارے آفتاب آنے کو ہے
جانبری اپنی کسی پہلو نظر آتی نہیں — پھر کسی پر یہ دلِ خانہ خراب آنے کو ہے
جلد ساقی ساغرِ مے دے کہ ہے کارِ ثواب — اس دلِ ناداں میں پھر خوفِ عذاب آنے کو ہے
دلولے دونوں طرف ہیں روبرو جبتک نہیں — کوئی دم میں مجھکو غش اُن کو حجاب آنے کو ہے

فردِ عصیاں میں گناہوں کا نہیں ہے کچھ شمار
غم نہیں گر ایک دن روزِ حساب آنے کو ہے

رات دن رہتے ہیں اشکِ خوں جو آنکھوں سے رواں
یا الٰہی دل ہے یہ سینہ میں یا ناسور ہے

نیّت اپنی ایک دو ساغر سے بھرنے کی نہیں
رندِ دریا نوش ہوں میرا لقب مسرور ہے

ہیں گرفتارِ خمِ گیسوئے پیچاں کتنے — بندۂ الفت کا فر ہیں مسلماں کتنے
دیکھ تو جا کے ذرا گنجِ شہیداں کی طرف — تیری پازیب کے ہاتھوں سے ہیں نالاں کتنے
بزم غیروں سے ہو خالی تو ذرا عرض کروں — ہیں بھرے اس دلِ بیتاب میں ارماں کتنے

دام میں زلف کے پھر پھنستے ہو دانا ہو کر
آپ بھی حضرتِ مسرور ہیں ناداں کتنے

میں سوزِ ہجر سے بیٹھا ہوں دل جلائے ہوئے ... مثالِ شمع تمہاری ہوں کو لگائے ہوئے
چمن سے کچھ نہ تعلق مجھے نہ گل سے غرض ... یہ مجھ پہ کس لئے بلبل ہیں خار کھائے ہوئے
ہیں گیسوؤں کے تو دم میں نکال دیتا بل ... یہ پیچ ہیں کہ تمہارے ہی سر چڑھائے ہوئے
یہ کس کے حسن کی آتش چمن میں بھڑکی ہے ... گلوں کے چہرے ہیں گرمی سے تمتمائے ہوئے

دکھا دو منکروں کو بھی تماشا قدرتِ حق کا ... نقاب الٹو خدا کے واسطے روئے منوّر سے
کسی دن روئے روشن سے مقابل ہوگیا شاید ... کہ آئینہ سے ان روز وہ رہتے ہیں مکدّر سے
کرو پامال چاہو جس قدر اب ہم تو آ بیٹھے ... مثالِ نقش پا مٹ کر اُٹھینگے آپ کے در سے
ہوا شاید کہ پھر سودا کسی زلفِ پریشاں کا
نظر آتے ہیں مجھکو ان دنوں مسرور مضطر سے

رباعیات

لقدِ دل و جاں عشق میں ہم کھو بیٹھے ... دل کھول کے دشمنوں کو ہم رو بیٹھے
تھا دیدۂ گریاں پہ نہ قابو مسرور ... آخر آنکھوں سے ہاتھ دھو بیٹھے

تیرا رونا ہے چشم جب تک ہے ... تیرا سودا رہیگا سر جب تک ہے
ممکن نہیں دل سے جائے اُلفت تیری ... تو صاحبِ خانہ ہے یہ گھر جبتک ہے

شکل کس کام کی جب مادّہ موجود نہیں ... کرتے پرواز نہیں طائرِ تصویر کے پر
بوم بنگال دکھاتا ہے عروجِ پرواز ... کتر نے پابندیوں نے بلبلِ کشمیر کے پر

نصیحت گر کے یوں سایہ سے ہم دامن بچا نکلے ... کہ جیسے میکدہ کے سامنے سے پارسا نکلے
ہوئی دونی نکالی جسقدر ہم نے ہوس دل کی ... کہ جیسے جنتری سے تار زر بڑھتا ہوا نکلے
رگھسی جاتی ہے مہندی پانوں کی لندن کے جاتے ہیں ... نہ کیوں آنکھوں سے اپنی اشک ہم رنگِ حنا نکلے
نہیں آشفتہ خاطر ایک فقط مسرور دنیا میں
ہزاروں نوجواں دامِ بلا کے مبتلا نکلے

سفرِ ولایت فخرِ قوم پنڈت بشن نرائن در صاحب بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ

آثارِ نیک خیر سے آتے نہیں نظر — ہے ظلم پیرِ چرخ جو اناں قوم پر
سب کچھ ہیں دل میں حوصلے لب بند ہیں مگر — در پے ہو جب فلک تو کوئی کیا اُٹھائے سر
ہے رشک اسے بلندیِ اہلِ زمین کا
کیا پست حوصلہ ہے سپہرِ کمین کا

جائز ہے ایک بیوی پہ ہو دوسرا نکاح — بیخوف و بے حجاب زنِ آشنا مباح
میموں سے ربط و ضبط میں ہر طرح کا فلاح — گر بیگموں سے شیر و شکر ہو تو ہے صلاح
پنجہ میں مہترانی کے پھنسنا برا نہیں
دھوبن کے گھاٹ اُترے تو دھبّا لگا نہیں

جورو کا ہار نکّی پہ دے ہار غم نہیں — کسبی کی سنے میں چانڈو کا پینا ستم نہیں
جھنڈے تلے کا لوگ کہیں کچھ الم نہیں — خانم کو ڈالا گھر میں ہوئی ذات کم نہیں
بیعت لے شاہ جی سے کبھی رام رام جپ
ایک ہاتھ فاتحہ رہے ایک ہاتھ شنکلپ

جو پیر جی نے اسم بتایا رٹا کرو — منتر کے بدلے روز وظیفہ پڑھا کرو
ہو درد۔ حاضرات بجائے دوا کرو — جو کچھ غرض نہ کرنا ہے سب برملا کرو
لیکن چڑھے جہاز پہ اور ذات سے گرے
کٹ جائے ناک رخ سوئے لندن اگر پھرے

غیرت سے یوں نہ ہاتھ اُٹھاؤ برہمنو — جوں دُردِ جام بیٹھ نہ جاؤ برہمنو
ناحق نہ اپنی قدر گھٹاؤ برہمنو — للہ اب تو ہوش میں آؤ برہمنو
پھیلاؤ ہاتھ عجز سے آگے کمین کے!
اس دھرم کے نثار فدا ایسے دین کے

کرتے تھے جن دنوں میں خدائی وہ دن گئے
دیتے تھے سب تمھاری دُہائی وہ دن گئے
عرشِ بریں تلک تھی رسائی وہ دن گئے
آؤ ذرا تو ہوش میں بھائی وہ دن گئے
وہ تم نہیں رہے وہ زمانہ نہیں رہا
یعنی کہ بھیک کا بھی ٹھکانا نہیں رہا

ہمت ہے گرچہ پست بظاہر جلیل ہیں
اے مرگ مژدہ آپ مسیحا علیل ہیں
جو پیشوا تھے اب وہ ہی سدِّ سبیل ہیں
ناز اپنا جن پہ تھا وہ عدو کے وکیل ہیں
مسرور اُن سے خاک امیدِ وصال ہو
جب ایک بوسہ لینے میں اتنا ملال ہو

ایضاً

اُٹھو جوہرِ علم کے قدر دانو
بڑھو فوجِ قومی کے نامی نشانو
یہ ہے وقتِ امداد اے مہربانو
ہے کیا پیش و پس اے مرے نوجوانو
یہ موقع نہیں جی چُرانے کا یارو
کہ ہے وقت بخت آزمانے کا پیارو

یہ ایف اے وبی اے وایم اے پیارے
کہاں ہیں خوش اقبالیوں کے دُلارے
کدھر ہیں بصیرت کی آنکھوں کے تارے
وہ بازو کی قوت وہ دل کے سہارے
بڑھاویں قدم اب نہ پانوں پساریں
عبث ڈگریاں جیبت کر جی نہ ہاریں

تمھیں اپنے دل کی اوپچ کی قسم ہے
تمھیں ان کُلاہانِ کج کی قسم ہے
تمھیں اپنی انگریزی دھج کی قسم ہے
تمھیں اپنے مارل کرج کی قسم ہے
ہو روشن نئی روشنی کے چراغو
کرو دل کو مضبوط عالی دماغو

زمیں کے یہ سب بھید راز آسماں کے — یہ اسرار سب وحش و طیر انس و جاں کے
یہ آغاز و انجام دونوں جہاں کے — تھے آموختہ طفل ہندوستاں کے
یہ وہ ملک ہے جس کا عنقا تھا ثانی
ہے سب علم کا آریہ ورت بانی

وہ علم اور وہ اطوار فرماں روائی — وہ ہمت وہ انداز مشکل کشائی
صداقت زباں کی وہ دل کی صفائی — وہ سچا دھرم اور وہ بے ریائی
وہ مذہب وہ ملت وہ حکمت کہاں ہے
نہ ہندو ہیں اب وہ نہ ہندوستاں ہے

سنو دھرم یہ ہے نہ دل کو دکھاؤ — نہ بندوں کو خالق کے ہرگز ستاؤ
نہ بے فائدہ جھوٹ باتیں بناؤ — کسی کی بُرائی زباں پر نہ لاؤ
حسد۔ بغض۔ کینہ کو دل سے نکالو
رکھو صاف دل کو زباں کو سنبھالو

کسی کے تنزل پہ خنداں نہ ہو تم — کسی کی ترقی پہ نالاں نہ ہو تم
کسی کی بُرائی کے خواہاں نہ ہو تم — حیاتِ دوروزہ پہ نازاں نہ ہو تم
خدا کو نہ بھولو کسی آن پیارو
کہ یاں چار دن کے ہو مہمان پیارو

اُوڑاؤ نہ اپنوں پرایوں کی دولت — کسی سے نہ لو۔ دو کسی کو نہ رشوت
رکھو علم کا شوق چھوڑو جہالت — کرو جمع ایمانداری سے دولت
عزیزوں غریبوں کو پہلے کھلاؤ
جو کچھ بچ رہے شوق سے آپ کھاؤ

کرو جہاں تک تھیں دست قدرت — عزیزوں پہ شفقت بزرگوں کی خدمت

جو رنجور ہیں اُن کو پہونچاؤ راحت ۔ نہ ہرگز کرو دشمنوں سے بھی نفرت
خلاصہ یہ ہے دھرم کا مہربانو
ہر انسان کا دل تم اپنا سا جانو

گجر دم نہانا عبادت نہیں ہے ۔ یہ ٹیکا لگانا عبادت نہیں ہے
یہ گھنٹا ہلانا عبادت نہیں ہے ۔ یہ چوکے میں کھانا عبادت نہیں ہے
ہو نازاں کہ باہر چمکتا ہے مندر
ذرا جھک کے دیکھو اندھیرا ہے اندر

صد افسوس بغض و حسد زور پر ہے ۔ جدھر دیکھئے عیب بینی ہنر ہے
زبوں جو وسائل ہیں اُن سے گذر ہے ۔ ولے کسب و علم و ہنر سے حذر ہے
یہ ناکردنی کام شبھ کرم ٹھہرے
جو لندن کو جائے وہ بے دھرم ٹھہرے

گذارش ہے بس صلح مذہب کی سب سے ۔ بہت عاجزی سے نہایت ادب سے
نہیں فائدہ کاوشِ بے سبب سے ۔ کرو خوف دل میں خدا کے غضب سے
خطاوار ہیں پر ہیں بھائی تمھارے
گنہگار ہیں پر ہیں بھائی تمھارے

دلوں میں جوانوں کے جو ولولے ہیں ۔ رُکیں گے نہ ہرگز کسی سے رُکے ہیں
کہیں آبِ شبنم سے شعلے بجھے ہیں ۔ ہوا کے کہیں رُخ کسی سے پھرے ہیں
ہے ممکن کہ دریا کو خاشاک روکے
مشیت کو انسان کیا خاک روکے

جو عاقل ہو باز آؤ شور و فغاں سے ۔ کہ ہے ابلہی سرکشی آسماں سے
پرانے ہو واقف ہو طرزِ جہاں سے ۔ رُکا کب ہے جب تیر چھوٹا کماں سے

ملو اب نہیں ہاتھ ملنا پڑیگا
روش پر زمانے کی چلنا پڑے گا
اگر ہم ہوئے ملزم بد شعاری اگر ہم بنے مجرم سست کاری
نہیں ذاتِ اقدس بھی عیبوں سے عاری کہ بے عیب ہے ایک فقط ذاتِ باری
مئے صلح سے سب کو مسرور کیجے
ہے مضمون واحد دُوئی دور کیجے

مخمّس

نہ توان در تنِ بیجاں کہ نہم گامے چند نہ کرم در دلِ ساقی کہ زنم جامے چند
چوں بسازم کہ دلے دارم و آلامے چند حسب حالے نہ نوشتی و شد ایامے چند
قاصدے کو کہ فرستم بہ تو پیغامے چند
بس کہ در رنج فراقت تنِ لاغر کاہید قدمے کو کہ سپاریم براہِ امید
شاہِ خوباں مددے بہر خدا وند حمید ما بدان مقصدِ عالی نتوانیم رسید
ہاں مگر لطفِ شما پیش نہد گامے چند
خسروِ ہر دو جہان حامی و غمخوار شماست ساقیِ چشمۂ کوثر بسر کار شماست
چہ غم ار خلقِ خدا در پئے آزار شماست اے گدایان خرابات خدا یار شماست
چشم انعام مدارید ز انعامے چند
خار صہبا چہ نمودی ثمرش نیز بگو دل شود صاف زفیضِ اثرش نیز بگو
نورحق میچکد از آب زرش نیز بگو عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو
نفیِ حکمت مکن از بہرِ دلِ عامے چند
باز را شوق رخت دیدۂ حیرت بر دوخت گل تر را روش چاک گریباں آموخت

داغِ حسرت بہ دلِ خستۂ مسرور افروخت
حافظ از تابِ رخِ مہر فروغ تو بسوخت
کامگارا نظرے کن سوے ناکامے چند

ابضاً

جہل را جلوہ گرِ بالشِ زر مے بینم
عقل را بے سر و پا شہر بدر مے بینم
شور و شر در سرِ ہر فرد بشر مے بینم
این چہ شوریست کہ در دورِ قمر مے بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر مے بینم

این سمن بوئے تمنا نہ رساند بمشام
وین ثمر چاشنیِ کام نہ ریزد در کام
پختہ سودائے محالے بخیالِ ہر خام
ہر کسے روزِ بہی میطلبد از ایام
مشکل اینست کہ ہر روز بتر مے بینم

زاغ در باغ خرامان بدلِ خورسندست
بقفس بلبلِ تفتیدہ جگر در بندست
دیدہ باید کہ چنین دورِ قمر تا چندست
ابلہان را ہمہ شربت ز گلاب و قندست
قوت دانا ہمہ از خونِ جگر مے بینم

مثلِ نے شیرِ نیستاں بہ صعوبت نالان
روبہ دون چو فربہ دون شدہ مرد میدان
از تو ایمن چہ شوم اے فلکِ بے ایمان
اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان
طوق زرین ہمہ در گردنِ خر مے بینم

دست و پا صبح و مسا دست و گریبان با سر
نشئۂ خونِ جگر ہر رگِ تن شام و سحر
کردہ این چرخِ دنی نظمِ جہان زیر و زبر
دختران را ہمہ جنگ است و جدل با مادر
پسران را ہمہ بدخواہِ پدر مے بینم

خبرے از غمِ بلبل نہ گلِ تر دارد
نظرے جانبِ قمری نہ صنوبر دارد
گذرے بر سرِ مسکین نہ تونگر دارد
ہیچ الفت نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر می بینم

با جگر سوختگان اے مہ تو نیکی کن　　چون صدف مائلِ اموال مشو نیکی کن
ہمچو مسرور تو گمراہ مدو نیکی کن　　پندِ حافظ بشنو خواجہ برو نیکی کن
زانکہ این پند بہ از دُرّ و گہرے بینم

مسرور۔ پنڈت بلہ کاک صاحب فوطہ دار مسرور ساکن رعناواری سرینگر کشمیر۔ آپ ۱۹۰۸ بکرمی مطابق ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے اور بہتر سال کی عمر پاکر ۱۹۸۰ بکرمی مطابق ۱۹۲۳ء میں سرگباس ہوئے۔

آپ کا خاندان کشمیری پنڈتوں میں ایک مشہور خاندان سمجھا جاتا ہے۔ آپ نے فارسی کی ابتدائی تعلیم مکتب میں پائی۔ حسب ضرورت تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ نے ریاست کے ملٹری ڈپارٹمنٹ میں بحیثیت اسٹورکیپر کے فرائض انجام دئے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد بوجوہ اس عہدے سے دست بردار ہونا پڑا۔ چند ماہ کے بعد دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہوکر گوشہ نشینی اختیار کی اور دن رات یادالٰہی اور شاستروں کے مطالعہ میں مصروف رہنے لگے۔ شکستہ اعضا۔ ٹوٹے ہوئے جوڑ بند اور ہڈیوں کو مالش کرنے اور دبانے سے درست کرنے میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ اہل ملک کی یہ خدمت آپ بلا امتیاز ملت و مذہب اور بغیر کسی اجرت یا معاوضہ کے تادم مرگ انجام دیتے رہے۔ آخری عمر میں سماعت سے معذور ہوگئے تھے۔

آپ بہت پُرگو شاعر تھے۔ کلام میں اگرچہ استادانہ متانت اور استعدادِ علمی کی کوئی خاص علامت نہیں پائی جاتی تاہم اپنے رنگ میں خوب ہے۔ آپ ایک دیوان آہمسا پرکاش اور کئی شاستروں کے منظوم فارسی تراجم یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ کلام میں عارفانہ اور صوفیانہ رنگ غالب ہے۔

خداوندا بنورِ حق منوّر کن روانم را　　فروزان ساز چون خورشیدِ تابان شمعِ جانم را
زگوناگونیِ بیچون دریں چون و چرا الحق　　ظہورِ جلوۂ بیچوں قیاس آرد گمانم را

خیالِ دل مبادا یک بوئے جز حسنِ گندم گون — صباحت از ملاحت زار دہ تاب و توانم را

آواز وحدت چو سازِ نکتۂ "کن" در نوا — جوشِ کثرت نقطہ را آورد در نشو و نما

جودتِ ناطق کجا و نامِ حق گفتن کجا — خود فروشو در خود از خود بشنو از نامش نوا

گردِ راہِ پائے رہبر توتیائے چشم کن — بینی از طورِ دل مسرور خود نورِ خدا

گردنِ این طوطیِ گویا مبند اندر قفس — از نفس بشنو سرودش مے سراید چون رباب

جا مجو در صحبتِ تن پروران اہلِ نفس — جام جو در عشقِ او از ساقیِ عالی جناب

عاشقان در ہر دو عالم ایمن اند از نیک و بد — آن شنیدی راست چون منصور شد بر دارِ کج

باش از دیدارِ او مسرور اے دل ترک کن — کارِ کج اطوارِ کج کردارِ کج گفتارِ کج

شدم بیگانہ از خویشان قرارِ دل فراز آمد — بتِ مہوش بہ بزمِ خاطرِ خوش جلوہ ساز آمد

بدلجمعی ز تابِ آتشِ عشقش ز پا تا سر — بیک پا ایستادہ شمع در سوز و گداز آمد

ز چاکِ پیرہن چون گل بہ گلشن شاد و مسرورم — ز خاکِ پائے کوئے یار بوے دلنواز آمد

بگوشم از سروشِ ہوش آوازِ درود آمد — کہ در برجِ جنون خورشیدِ عشقم در صعود آمد

نشانِ بے نشان حسن و جمالِ خوبرویان است — ازان فرقِ نیازِ ما بناز اندر سجود آمد

مرض نشناختہ نادان طبیب آمادہ بر خون است — نداند ز آتشِ عشق این طپش اندر وجود آمد

از حقارت بے سر و سامانیِ عاشق مبین — بر سر بر بے سری صاحب کلاہی میکنند

زاہدان در دودِ زلف و چشم کافر کیش او — این نمیدانیم ما چون پارسائی میکنند

نیست وعظ و پند اندر مذہبِ عاشق روا — حاصل از وعظ و نصیحت روسیاہی میکنند

سرفرازم من بہ عشقِ دلبرِ گردن فراز — بے نیاز از نازِ معشوقی بود عاشق نواز

بہرِ صیدِ بلبلِ دلہاے بیتابان گذاشت — دانہ از خالِ سیاہ و دام از زلفِ دراز

صادقا گر عاشقی استادہ ہمچون شمع باش — رو بر رویش دمع باران روشن از سوز و گداز

ز آئینہ کجا آید ادائے شکرِ دیدارش — شود روشن طلوعِ ماہ و خور از چارِ دیوارش

حواس و ہوش و صبر و روح و عقل و جان و دل باہم
بدخواہی و شادابی و خورسندی کن ایثارش

دل دیوانہ در زنجیر گیسو مبتلا کردی
چنین بیچارہ را بہر خدا دیگر میازارش

وای کز جور و جفای دور چرخ بدلحاظ
با کس و با ناکسان ہرگز نمیدارد لحاظ

قلب نفس شوم گرداند بہر سو دربدر
بیحیا را نیست ہرگز از قبول و رد لحاظ

ناتوانی از برای رستگاری جہد کن
چون نمیداری دگر از رفتن و آمد لحاظ

آمد و رفت نفس از عمر میسازد وداع
غافلانہ بیخبر تا چند از اصل و فراع

ترسناکم من ازین نادان طبیبان حریص
درد خار پای را سازند تشخیص صداع

رفتن راہ وصال از پیر پرسیدم بگفت
دوری منزل بود از عقل و الفت ارتفاع

طالبا گر صادقی از گوش ہوش دل نیوش
در مقام دل بہ مسروری ز نام او سماع

دل شبستان وصالش کن ز دل روشن چراغ
محو شو در دیدن دیدار از روی فراغ

چشم حیرت ہمچو نرگس در تماشا بر کشای
بشگفد گلہای مسروری ز رویش باغ باغ

چند گرد کعبہ برامید جنت مسروری
یک طواف کعبۂ دل بہتر است از صد ارم

نفس را پروردم و آخر شدم رسوا ازو
این ندانستم کہ خصم خویش خود می پرورم

باید از سوزن دلا کار خدا آموختن
خویش عریان جامہ ہا از بہر دیگر دوختن

وای بر پروانہ کو خود بیخبر از نار سوخت
چون ندانست او ز خود نور خدا افروختن

جامہ و جان پارہ کردن گوی ای بلبل بگل
کز من دیوانہ خواہد در جنون آموختن

شمع کافوری شوم در بزمگاہش سر بسر
ایستادہ رو برویش خود توانم سوختن

براہ عشق از دیوانگی رو با جنون ہمراہ
بہ منزل می رسی باز آید عقل از جستجوی او

قیاس و فکرت و روح و خیال و عقل و جان و دل
گمان و دانش و وہم و نظر بگذار سوی او

فرو چون رنگ شو اندر تماشای گل رعنا
درین گلشن مشام دل معطر کن ز بوی او

چو گردی سرد مہر از گرمی دنیای دون پرور
شوی مسرور از دیدار حسن ماہ روی او

بتے دارم سراپا مہر و گلرخسار و عیّارے
سمن برنازپرور دلبرے شوخ و وفادارے
عیارِ نازنین غارتگرِ عقل و دل و دینم
نگارے نوش لب شیرین سخندان شہد گفتارے
سیہ چشمے سیہ گیسو سیہ خالے سیہ ابرو
رُخش گلدستۂ قدرت سمن دریا سمن زارے
بہر سودا خروشم من متاعِ دل کشم بیرون
فروشم من چو گردد آن بتِ زیرک خریدارے

انتخاب از اہمسا پرکاش

خداوندا بزرگا بے نیازا
سرافرازا کریما کارسازا
کبیرا پادشاہِ پادشاہان
قدیرا قبلہ گاہِ قبلہ گاہان
سہ گانہ عالم از نورت منوّر
بیکتائی دوتایت نیست دیگر
ازل را ابتدائے ذوالجلالی
ابد را انتہائے لایزالی
توئی داور توئی یاور توئی یار
توہستی کارسازِ ہر سرِ کار
برآمد را توئی معدن بہ قدرت
درآمد را توئی مخزن بہ قدرت
ثناؤ حمد و تحسین مدح و تسلیم
ترا بادا ترا بادا بہ تعظیم
بپاسے شری مہا گنپت بصد فر
برائے دفعِ فکر و غم نہم سر
الٰہی دارم از لطفِ تو امّید
منوّر کن ضمیرم ہمچو خورشید
دماغم کن ببوئے خود معطّر
بیانم کن بہ معنی تازہ و تر
دلم شد روزگارے آرزومند
بنظم آرم کلامِ دھرمِ یکچند
پئے تصنیفِ این دھرمِ گرامی
رسید ارشادِ چمپا ناتھ سامی
بنادانی شدم سرگرمِ گفتار
بہ سلکِ نظم کردم چند اشعار
ازان در خدمتِ اہلِ بلاغت
نیاز آرم بامّیدِ اجابت
اگر باشد دران سہو و خطائے
عطا میخواہم و خواہم عطائے
ہزار و نہصد و پنجاہ بُد پنج
زنقدِ دھرم پُر شد اینچنین گنج

به مسرورؔی[1] چو بالک رامؔ[2] برگفت   خردمندانِ دورانش پذیرفت

مہاراجہ پرتاب سنگھ صاحب آنجہانی کی تعریف میں ملاحظہ ہو

بدورِ عدلِ شاہِ خویش نازم   ز وصفش تا بگردون سرفرازم
دلش دریا کفش چون ابرِ نیسان   به برجِ پادشاہی ماہِ تابان
ز انصافش خلایق شاد و خرّم   ز عدلش اسمِ بیداد از جہان گم
گرفتہ باز بتہو بر برِ خویش   بہ یکجا آب خوردہ شیر با میش
شہنشاہے بدین جاہ و بدین فر   نبو داست و نخواہد بود دیگر
الٰہی تا ابد موجود بادا   بہ شان و سروری ذی جود بادا

پرچھپا ناتھ سوامی کی تعریف میں اس طرح لکھتے ہیں

دیا وان پوّرن جوگیشر گرامی   سدا شو روپ پرچھپا ناتھ سامی
بہ کشمر از قضا شد رونق افروز   منوّر ہمچو ماہ و خور شب و روز
لبِ چون لعلِ ناب از رنگِ پانش   سخن لولوے لالہ از زبانش
کلاہِ پادشاہی داشت بر سر   چو در تاریکیِ شب بدرِ انور
جوانِ معرفت دان پیرِ تدبیر   بتدبیر از جوانمردی جہان گیر
ز کردار و زگفتار و ز سالش   کسے را نیست آگاہی بہ حالش
فقیرے صاف دل نیکو ضمیرے   فقیہے پارسا روشن ضمیرے
مہِ تابندۂ افلاکِ دانش   گلِ گلزارِ باغِ آفرینش
بہ ملکِ پارسائی پادشاہے   بہ شہرِ معرفت صاحب کلاہے
بہ شوقِ عشق مستغنی و سرمست   بہ ذوقِ زہد در رندی زبردست
بہ مرتاضی غنی از مہرِ داور   بفیّاضی بہر کس یارِ یاور

---

[1] مسرور تخلص شاعر۔ [2] بالک رام یعنی بلبدر یا بلہ کاک نام مصنف۔

مسکین ۔ پنڈت مہتاب رائے صاحب رینہ گوڑو دہلوی

آپ قدیم باشندہ دہلی کے تھے مگر زیادہ حصہ آپ نے اپنی عمر کا میرٹھ میں بسر کیا پنڈت بچھی رام ہاکسر المتخلص بہ سرور سے آپ کو شرف تلمذ حاصل تھا۔ آپ فارسی کے عالم متبحر تھے اور اعلیٰ درجہ کے پرگو اور کہنہ مشق۔ آغاز مثنوی میں اپنی زندگی کے حالات خود آپ نے بیان کئے ہیں۔ گو وہ زیادہ مفصل نہیں تاہم غنیمت ہیں۔

مرید حضرتِ عشقم رخِ تو قبلہ نماست   مرا تو زاہدِ دیر و حرم گمان نکنی
اگر بہ عشق بتان مائلی بصبر گرائے   اگر چنین نکنی بے خرد چنان نکنی
وفائے عہد بہارِ زمانہ چون دیدی   بشاخِ گل دگرائے بلبل آشیان نکنی

آغاز حمد ایزد متعال خامہ دو زبان و زبان خوش بیان بیان می نماید

بنامِ رقم ساز لوح و قلم   بنامِ برافراز تیغ و علم
بنامِ روان بخش این جسم خاک   بخاک اندر آرندۂ نور پاک
بچرخ آور این قصر نیلی رواق   فرازندۂ گنبدِ ہفت طاق
شبِ قدر را روشنائی ازوست   کمین بندہ را بادشاہی ازوست
سرِ سرکشان در کمندش اسیر   بہ بندش تنِ گردنان دستگیر
جہان را ازو ساز و برگِ نواست   ازو شہ گدا و گدا بادشاست
بتاثیر انجم جہان آفرید   بہ بین تا چہ دریا بکوزہ کشید
سیاہی بکاشانۂ جہل داد   بہ چشمِ خرد روشنائی نہاد
خرد پروران را ہنر پیشہ کرد   بکارِ جہان فرصت اندیشہ کرد
سرِ خود سران خالی از مغز ہوش   پئے حکمتے گشتہ زو بار دوش
یکے را بسر تاج گوہر نہاد   نمد را ز فرقِ دگر زیب داد

بنائے یکے را سبکسار کرد بحکمت دگر را جهاندار کرد
ببین جلوۂ قدرتش رنگ رنگ ز تاثیر آب و ز مقدار سنگ
بیک رنگ کردے اگر روزگار کجا قدرتِ حق شدے آشکار
فراموش خود هست پاینده اش جهان با دشا هست و مابنده اش
مہ و مہر گردون و کرسی و عرش براہِ طلب جملہ هستند فرش
ندارد جهان را بیک رنگ کار گہے صبح آرد گہے شام تار
گہے ساز و برگ و نوا میدهد گہے رنج و درد و بلا میدهد
گہے باد لطفش دہد رنگ چہر گہے نار قہرش رسد از سپہر
طلسمے گہے ساز د افراختہ کند جا از وگاہ پرداختہ
بہ نیرنگ سازیست بازیگرے ببازی گری از ہمہ برترے
سرِ سروران برترِ برتران ببازی گری کار بازیگران
خرد را بدو راہ تسلیم نے کسے را برو روئے تقدیم نے
کنون بہ کہ بر درگہِ کبریا بر آریم دستے ز بهر دعا
از و خواهشِ رستگاری کنیم طلبگاریِ رسم و یاری کنیم
بیا ساقیا جام سرشار دہ ز سر جوشش غم بخش خمار دہ
بہ بخش از سرِ لطف جامے زحے
کہ ناید خمارِ شبینہ زپئے

در سبب تصنیف این کتاب یگوید

چو از فکر تحمید پرداختم ز دریا بیک قطرہ در ساختم
نوشتن مرا حال خود شد روا کہ من کیستم وز کجا یم کجا
بدہلی درم زاد بوم ست و بس چہ دہلی کہ کشمیر دارد ہوس

پئے دیدنِ این نگارین چمن
نگارین چمن چہ کہ رشکِ عدن

ہمہ مجمعِ فیلسوفانِ دہر
ہمہ زیرکان را از و فیض بہر

چنان خطۂ پاک مینو نشان
بچشم کسے نامدہ درجہان

لقب پنڈت کاشمیری سزد
بہ مہتاب رایم شدہ نامزد

نہادم چو در راہ تمئیز پا
ہوائے سخن خواست از سر مرا

پئے نظم و نثرم دلے گشتہ ریش
گرفتم بہ تعلیم آن راہ پیش

زاستاد دانا خبر یافتم
بخدمت درش زود بشتافتم

زہے کاملے باکمال و جلال
زہے بحرِ دانائی و علم و حال

زنثرش جلا لا پراگندہ دل
زنظمش کلیم آمدہ پا بہ گل

زشیرینیِ کلک ہر ہفت خط
خطِ نوخطان راکشیدہ بہ خط

علوم و فنونے کہ حق آفرید
سپرد آن ہمہ را بدستش کلید

ازان روز کو بست رختِ سفر
ندیدم درین خطہ چون او دگر

پسرے آفتابِ جہان تاب بود
کہ او رفت و عالم سیاہی فزود

لچھمی رام نامِ گرامیش بود
شد او عالمے برد از و گنج و سود

زتعلیم او چون نمودم حساب
گرفتم چو از بحر یک قطرہ آب

غزلہا گہے گفتمے دلربا
گہے نثرِ رنگین نوشتم بجا

گہے خامہ میلِ خط و خال کرد
گہے طبعِ محزون ز عشق و ز درد

گہے تہنیت نامہا در نوشت
گہے مدحِ شاہانِ نیکی سرشت

بدینسان ہمیرفت وقتے ز دست
کہ ذوقِ سخن گرم بجا نشست

بہ ترتیبِ دیوان شدم چو دگا
نشاندہ نہالے پُر از برگ و بار

زنظم آنچہ در حسن زیباتر است
ہمہ داخلِ متنِ آن دفتر است

دگرچون دُرِ نخشبی کوفتم — بہ لطفے ز نثرش دُرِ سوفتم

حکایات آن داستانِ عجیب — نوشتم بنظمے کہ باشد غریب

چو از کار طوطی سپر در ہوا — کشیدم جناحِ سخن بر سما

سوے ہفت بحر آوریدم بپیچ — کہ بود آن رہ سخت پُر پیچ پیچ

کتابے کہ از بس سلیس و خوش ست — بسے مختصر ہم بسے دل کش ست

چو شد نثر موزون مراد لفریب — بدل ماند صبر و نہ در جان شکیب

نوشتم بسے نامہ ہائے سلیس — کہ تا کافی آید بمطلب نویس

بسے از گرانمایہ و نغز و تر — کہ از حسن معنی رساند خبر

ہمان واقعاتِ جہانگیر را — تدابیر آن ناظمِ پیر را

ازین شش کتابت کہ دادم پیام — بشش سوے عالم شدم نیکنام

ازین پس کہ افکار و نیا فزود — فلک روے نومیدیم در نمود

ز تاثیرِ اختر بہ تنگ آمدم — ز پائیکہ بودم بسنگ آمدم

شد از دست من رشتۂ چاکری — نگر دید بختم زیاری گری

نشد فتحیابی میسر دگر — بہر روز شد روز من تیرہ تر

دل از بخت شوریدہ تابش گرفت — بغمہاے دیگر سگالش گرفت

اگرچہ کنون مسکنم میرٹ است — ز سی سال از دہلی ام فرقت است

ہواے از ان بوم در سر نماند — دلم شاخ رفعت ہمیں جا نشاند

درین سال کز گردشِ روزگار — شد از شہری و لشکری کارزار

دو روزہ دو شب فتنہ بازار داشت — بہ ہنگامۂ تازۂ کار داشت

ازان پس کہ این آتش از پا نشست — دلِ شہریان نیز بر جا نشست

پراگندگی گشت از شہر دور — شد از رنج بیجا خلایق نفور

برادر نوازِ ہمیں دوستے · دو مغز چو بادام در پوستے
مقامات علم از جبینش عیان · سخن گوے و داناے روشن بیان
جہان را عجب سوزشے در سراست · سلیلے نگر نام بنسی وہراست
درآمد یکے ناگہان از درم · بفرمود و بہ نشست چندے برم
ورق ہاے چند از کتابے بدست · ازان جام سرشار ناخوردہ مست
بہ پرسیدمش چیست گفتا کہ من · روان کردہ ام بحر طبع از سخن
فسادے کہ بگرفت اینجا ظہور · نوشتم تمامش بہ طبع غیور
بہ سیرش بیفزودہ ام اعتبار · کہ باید چنین داستان را قرار
بقیدِ کتابت بیاید درست · نباید چنین بوالعجب کار سست
بگفت و فرو خواندن آغاز کرد · ورق ہاے پیچیدہ را باز کرد
چو بشنیدم این جملہ رنگین نوا · برآمد ز لب مرحبا مرحبا
بجز حرفِ تحسین ز دل بر نخاست · کہ آن جملہ اندازِ او بود راست
بہر فقرہ اش داستانے نہان · ز ہر لفظ او دُرِّ معنی عیان
ز ترکیب بیگانہ و آشنا · بناے خوشی کردہ از سر بپا
مرا دل پسند آمد انداز او · نشستم ازان پس پئے سازِ او
بدل گفتم اے یار بس مہربان · مرا ہم درین باغ بود آشیان
زنم نوبتِ ہفتمین بر دُہل · ازین رہ کنم مشکلِ کار حل
بہ ہفتم فلک کوس نام آوری · زنم بے تامل درین داوری
برین کار اگر دُر فشانی مرا · سرِ چرخ ہفتم رسانی مرا
ندا آمد از دل کہ دل شاد باش · قلم گیر و بنویس و آباد باش
چو این مژدۂ دل نوازم رسید · فرح فرق شادی بکیوان کشید

بزانو نشستم پئے این رقم ... وے کردہ از چار جانب بہم
بیک ہفتہ آنرا نوشتم تمام ... بہ نثر پسندیدۂ خاص و عام
بسے صاف و رنگین ز اغلاق دور ... بشائستگی از تنافر نفور
کنون چشم دارم زیزدان پاک ... کہ گنجے برون آور و سر زخاک
درین چند روزش نویسم بکام ... تمامش کنم تا نکردم تمام
بیا ساقی آب شفق گون بیار ... سر جام چون آفتابم شمار

درتمہید عناد و فساد

چنین خامۂ نغز پرداز من ... ہمی گوید از راویان این سخن
کہ در ملک ہندوستانِ وسیع ... برسمے کہ دارد شریف و وضیع
یکایک در آغاز جوشِ بہار ... نوائے طرب خیزد از ہر کنار
ہمہ مردمان ساز عشرت کنند ... بدل رنج دی را براحت کنند
ہمہ در خیالِ سماع و سرود ... ہمہ دف زنان ہائے و بانگ رود
بہر منزلے محفل آراستہ ... بہر محفلے رقص نو خاستہ
برقص و سرود و گلال و عبیر ... ہمہ رنگ بر رُو غنی و فقیر
نہ شرمے ز جاؤ نہ خوفے ز کس ... تہی مغز ہر یک ز بیم عسس
بدشنام و فحش و مزاحِ کلام ... نوازن بہر کوچہ بر بام و سام
ز ہر کار و باریکہ دارد کسے ... ندارد سر فکر آن را بسے
بسوم شب بے شور و غوغا کنند ... ہمہ پاچک و ہیمہ یکجا کنند
بسوزند و آتش فروزند سخت ... تو گوئی ز آتش برآمد درخت
ہمہ رسم ہولی پرستی بود ... کہ انجام آئین مستی بود
بگاہیکہ اش جملہ خورد و کلان ... بگردند ہر کوچہ خاک افگنان

چنین رسم دانند مین سرور تماشه کنان جمله نزدیک و دور
چو پاسے از آن روز ماند بجا بری کرده خود را ز چون و چرا
بشویند روے و بدن را ز خاک بپوشند هرگونه ملبوس پاک
برآیند بهر تماشه ز شهر کسے سوے باغ و کسے سوے نهر
مبارک سلامت ز هر یک زبان برآید ببانگ بلند از میان
یکے را یکے گیردش در کنار دگر را دگر سازدش دست یار
بدین رسم دیرینه در این سواد که تا حشر زین بوم آباد باد
به آن رسم موعود هر سالگی همه شهری آمادهٔ خوشدلی
شدند و سوے تال سورج شدند ز معموره بهر تفرّج شدند
خرامنده شد جمله پیر و جوان سوے تال فرخ همه شادمان
چه تالاب با وسعت خوش فضاست که چشم زمین بلکه عین صفاست
بغورش نظر گر بکار آوری ز ماهی ورق در شمار آوری
ز صافیِ آبِ لطیفش دو حرف بگویم اگر باشدم صاف ظرف
چنان ساخت در وسعتش کارگر که در نیمه راهش بماند نظر
دو سویش درختان بهم شاخ شاخ مکان هاے مرتاضیان بس فراخ
گرت خواهشِ چشمهٔ زندگیست چنین تال گلزار شرمندگیست
نویسم چه از نام و پهنائیش که در بحر هم نیست گنجائیش
چو از طول و عرضش نیابم نشان خوش ست آنکه کوته کنم این بیان
سخن کوته آن صحن مینو سواد بیک لحظه شد رشک باغ مراد
بهر سو ز زرین قبایان شنگ شده جائے بر صحن گلذار تنگ
شد از جلوهٔ سرخ و سبز و سفید بهار گلستان جنت پدید

روان ہر طرف نازنینان بسے — چمان ہر دو سو مہ جبینان بسے
سرِ پشت گلگون سوارہ کسے — بہ ہودج درون ماہ پارہ کسے
ز ہر گوشۂ پالکی را خروج — چو از چرخ گردان خروجِ بروج
یکے حاملِ مہ رخِ گلبدن — یکے مشتری طلعتے را وطن
درونِ یکے زہرہ سیما بتے — میانِ یکے آفتاب آبتے
دبیر عطارد رقم بر یکے — مطلّا و رنگین قلم بر یکے
ز گردون سوارانِ ہندی نژاد — ملاحت فروشان کیوان نہاد
بسے ہر طرف ہمچو گردون بدور — چو چرخِ پُر اختر با وراک عور
بہر مجمعے ز اہلِ رقص و سماع — ز سر ہوش بینندگان را وداع
ہجوم تماشائیان پیش و پس — فزودہ بدل ہر یکے را ہوس
ز دکانیان شد چو بازار گرم — شد از چشم بینندگان آب شرم
کسے را بدل ماند طاقت نہ ہوش — ز بازاریانِ ملاحت فروش

وقوع ہنگامہ لشکریانِ گسستہ مہار در میلہ سورج کنڈ و گرفتار شدن چندکس بدست شحنۂ شہر و برہم شدن میلہ

فلک حقّہ باز یست دیرینہ کار — نماید گہے نار و گہہ آب نار
گہے شربت بے غمی در دہد — گہے کسوت ماتمی در دہد
ز انجم برآراستہ انجمن — چو گلہائے رخشان بصحن چمن
بہم ہر زنے چشم برہم زند — نوائے طرب صور ماتم زند
اگر گوشے افروزد از بانگ رود — کند چہرہ از ضرب سیلے کبود
بسے کوکبے سعد تابندہ کرد — بسے انجمن ہا پراگندہ کرد
بسے سینہ ہا را ز دل زنگ برد — بسے را ز رخ رونق و رنگ برد

چراغ ز مشرق برآرد پگاه | بمغرب کند جائے او شامگاه
اگر پرچم ماه سازد بلند | نگون سازوش از شتاقِ گزند
نہ کس را ازو چشم آلودگیست | دلے را نہ امید بہبودگیست
چو نتوان دلے مہر جویا فتن | عنان تافتن بہ ازو یافتن
چنین گوید آن راویِ تر زبان | ز آغاز و انجام این داستان
کہ چون آن گران میلۂ جانفزا | زہر چار سو گشت راحت روا
کہ ناگہ ز یکسوئے بانگِ بلند | زمین آسمان را بہیبت فگند
طپش در دلِ پیر و برنا فتاد | دمِ صور در نار شہنا فتاد
زہیبت رخِ ہمگنان زرد شد | زعشرت دلِ ہر یکے فرد شد
بجا ایستادند و حیران شدند | زجمعیّتِ دل پریشان شدند
ولے بے خبران صدائے مہیب | کہ چون شور محشر نبودش شکیب
خروشے بہر لحظہ افزون شدے | زبیمش بہر دم دلے خون شدے
نہ تابے کہ پائے بگیرد قرار | نہ صبرے کہ ہوشے کند انتظار
سکون از دل و طاقت از سر پرید | کہ گردون ہوائے دگر آفرید
ہنوز ار چہ از حال آن ماجرا | نشد آگہی ہیچکس را بجا
زبیم و ہراسے کہ در دل نشست | پئے رفتنی راہ رفتن نبست
ہمہ بر خبر گوش و چشمے براہ | کہ از ماہے آرد کسے انتباہ
ہمہ اندرین فکر و جویائے زار | کہ آمد یکے گفت پوشیدہ باز
بدینسان خبر یافت رنگِ ظہور | کہ ہر طرف این میلۂ بے فتور
زنِ خود فروشے بگردون سوار | چو مہ یافت در برج گردون قرار
بدورش تنے چند زاہلِ سپاہ | زدہ حلقہ چون ہالہ برگرد ماہ

بگفتا ز کم وزن طنز و فراخ — بدشنام ہاے و تقبیح و فراخ
بگفتار دل دوز سینہ شگاف — ز پر شہوتی ہا زبان جملہ لاف
چنان چپقلش ہا شدہ بیدرنگ — کہ در جوف گردون شدش جاے تنگ
نہ راہے کہ از دست شان وارہد — نہ پائے کہ از پردہ بیرون جہد
نہ پائے کہ او در گریز آورد — نہ دستے کہ با ہم ستیز آورد
بصد چاپلوسی گرفت آن بناز — کہ دیگر نماندش نیازے نیاز
ولے آن حریفان چالاک دست — بہ سر جوشش نشۂ جہل مست
غرض تنگ کردند و حیران ترش — ازین خود سریہا پریشان ترش
زمانہ چو این شعلہ بالا کشید — عسس ہم سر وقت اینان رسید
نخستین زبان را بہ نرمی کشاد — نشد کارگر چون بگرمی کشاد
نکردند بر گفتہ اش گوش راست — بکم التفاتی کہ این از کجاست
چو دید آن جوانمرد نیکو سرشت — چنین ناکسان را درین کار زشت
یکے را از انہا گرفت و بہ بست — ز سر رونق کار ایشان شکست
گرفت و بجنبید از جاے خویش — قدم بر قدم سوے ماواے خویش
چو دیدند کز ما یکے گشت کم — دگر بارہ شد آن جماعت بہم
ازان پارہ ماہ رو تافتند — چو ابر پراگندہ بشتافتند
بسوے عسس گام کردند تیز — چو سر سر بجنبش ہمہ گرم خیز
بدامن گرفتند سنگ و کلوخ — کہ حرف جہل را شود تار سوخ
فگندند بر روے بسے خشت و سنگ — نکردند در کار اصلا درنگ
دران دار و گیر از ہجوم کسان — عسس را رفیقان شدند از میان
ازان سنگ باران کہ آمد بجوش — خرد را برون رفت از مغز ہوش

دلِ بن خستگان متصل مے فتاد ز بارانِ نیسان همی داد یاد
بسے چارہ کردند آن گمرہان نشد کارگر پیش آن نوجوان
بلے آن شجاعِ تہمتن نژاد عجب دادِ مردانگی ہا بداد
کسش اندران معرکہ یار نے دران خشت باران سپردار نے
ز ہمراہیان ہم چو پاشان شدند ز قیدِ رفاقت پریشان شدند

حملہ آوری لشکریان بہیئت اجتماع بر شہر و محفوظ ماندن عسس از دست آن نابکاران و مخروج شدن چند کس اسیران

چو روزِ دگر را سراسر شام شد جہان تیرہ چون روز ناکام شد
جوانان سرِ قتل و خون آمدند بعزمِ شبیخون برون آمدند
عنان سوے معمورہ بر تافتند سوئے شحنۂ شہر بشتافتند
چو برقے کہ ریزد سرِ کشت زار چو سیلے کہ نیز آید از کوہسار
چو ابرے کہ خیزد ز بالاے کوہ بدینسان ز دیوار شہر آن گروہ
فراز آمدند و روان ریختند بہر کس کہ پیش آمد آویختند
نکردند در قتل و غارت دریغ ز چوب و سنان و ز شمشیر و تیغ
کسے را بریدند دستش ز دوش کسے را بضربے ز سر رفتہ ہوش
کسے بر کمر خورد و کس بر سُرین شدہ پشت یک کس چو نقش نگین
بدین رنگ تا وسط بازار شہر رسیدند با چشمِ خونین ز قہر
پراگندہ شد جملہ بازار ہا دل و دست ہا رفتہ از کارہا
شدند آن دکانہا ہمہ تختہ بند کہ از آسمان اینک آمد گزند
ہمہ جا درے بستہ شد در زمان نگہ ہر یکے را سوے آسمان

کسے را بدل خوفِ مال و متاع
کسے بہر ناموس در الوداع

بزیرِ زمین کرد نقدی یکے
ازین رہگذر جمع شد اندکے

ز آشوب و ہنگامۂ این فساد
تزلزل در اعمار شہر او فتاد

بگرمی ز پس پیش و پس آمدند
دوان تا مقامِ عسس آمدند

در آنجا نہ بُد شحنہ چون جائیگیر
تجسس نمودند ہر سو دلیر

چو در کوئے مطلب نبردند راہ
دگر بار گشتند آرزم خواہ

بدرخانہ اش آتشے در زدند
تو گوئی کہ این آتش از سر زدند

چو آتش ازان خانہ بالا گرفت
ز دودش اثر در ثریا گرفت

فلک نیلگون شد سراپائے او
کہ بنشست این دود ہر جائے او

شرارہ ازان شعلہ رخشان شدہ
پُر اختر زمین آسمان سان شدہ

چو در وسط بازار افروخت چہر
کہ خورشید محشر بوسط سپہر

ازان آتشِ شعلہ ور در زمان
قیامت سمان گشت بر شہریان

شد اندر زمان چون قیامت پدید
کسے زان بلا دستگاری ندید

ہمہ شوخ چشم و گسستہ مہار
در آن گرمیِ آتش کارزار

شکستند قفلِ دکانہائے چند
بہ بردند سودا از انہائے چند

تنے چند را ہم بضربِ سنان
فگندند برجائے خود نیم جان

بہ بردند کشتند و برداشتند
بسے کیسہ از غارت انباشتند

پس از ساعتے زان ہمہ دار و گیر
بناکام رفتند پس ناگزیر

چو این فتنہ از شہر شد بر کنار
ز تیزی نشست آتشِ اضطرار

ولے از غمِ اینکہ آن جاہلان
نرفتند ناکام چون مقبلان

صبا واکہ رنگِ دگر آورند
دگر حملۂ بے خبر آورند

ازین غم فرو ماند مردم زکار — دو روز و دو شب جملگی بے قرار
ہمہ بیخور و خواب و بے نانے و نوش — چو تمثال آئینہ بر جا خموش
ہمہ بستہ درہا بروے کسان — زمان در زمان بر زبان الامان
بلے اینہمہ اضطراب و تعب — نہ بیجاست کا ورده جانہا بلب
ہم از قدرت و حکمتِ ایزدیست — مراورا ہمہ فکر نیک و بدیست
درین کار بودند شیخ و چہ شاب — کہ آمد ز در حاکم با نصاب
ہمین کار فرمائے این کارگاہ — بحشمت زدہ بر فلک بارگاہ
مہمات ملکی و مالی ازو — گرفتہ ز سر رونق و رنگ و بو
بتمکیں چو کوہ و بسرعت چو سیل — دوان در پئیش ناظمان خیل خیل
زہے مشتری چہر کیوان سریر — چو بہرام چندین بہ بندش اسیر
جلا بخشِ آئینۂ عدل و داد — صفائے دہِ سینۂ نامراد
قضا را ز حکمش بود ناگزیر — بلے حکم او ہست پرتاب تیر
بکرسی نشینی علم در جہان — پئے خنجرِ فوجداری نشان
مہمات ملکی و مالی درست — ز تدبیر او ملک را کار چست
ہنر پرورے ساحری در کلام — ارسطو لقب بل فلاطون غلام
سکندر رہے بلکہ دارا وشے — گہے خشم سوزندہ چون آتشے
چو رحم آورد ابر رحمت شود — گہے قہر چون برق زحمت شود
نشانے اگر خواہی از وے بنام — بسٹر پلوڈن بگو بند عام
زہے کافتاب کفِ جود او — بہ لعلِ بدخشان دہد رنگ و بو
بتابد اگر بر سرِ خاکِ زرد — کند ذرہ اش را طلا فرد فرد
خہے ابرِ رحمت کہ دریا کنار — اگر ہمچو نیسان شود قطرہ بار

درآمد سوئے خانۂ سوختہ — نظر بر رخِ ہر یکے دوختہ
حکایت چو از دردمندان گرفت — سرِ انگشت حیرت بدندان گرفت
زہریک بہ پرسید از حال دوش — قلم بند کردہ ولیکن خموش
چو فارغ شد از پرسشِ حالِ شان — ہویدا بر و گشت جملہ نہان
درآمد ز در شاہدِ انبساط — نوی کرد در دہر رسم نشاط
کہ ناظم سرِ کرسیِ زر نشست — کمر در پئے عدل و انصاف بست
برآراست دیوان با جلاس عام — خبر جست از ہر در و ہر مقام
کہ تفتیش آن حال پنہان کند — ہمہ مشکلے کار آسان کند
چو گردد بر او کشف این ماجرا — بدان شانکہ باشد سزا ؤ بجا
قصاصے بغالب بر بنان دہد — بہ بیچارگان نیز تاوان دہد
ازین مژدہ بالید بر خویشتن — جہان شد فراموش رنجِ کہن

زشادی برافروخت او بر یکے
زکلفت نشانے نماند اندکے

صفت دُکان حلوائی

ز حلوائے قنّاد شیرین زبان — برین صفحہ چون سر کنم داستان
صفا ہاے شیرینیِ رنگ رنگ — کند نقد جان بر خریدار تنگ
ز صابونیش نرم تر کن سخن — مباد آب گردد درونِ دہن
شکر گینج بادام نُقلش بسر — کند تیز دندانِ خستہ جگر
شکر پارۂ رنگ رنگش بہ بین — بران صافیِ دست گو آفرین
تعالی اللہ آن کان قند و نبات — کہ یک حرف او مایۂ صد حیات
بشیرین کلامی زند چون نفس — نخیزد ازانجا کسے چون مگس

صفت دُکان تنبولی

زتنبولی آمد چو برگِ سخن | زوصفش زبان لال شد در دہن
سپاری اگر صد دل او را بمہر | کند سینہ چاک از ان خوب چہر
زوصفش گذر یکسرو تنہ مکن | چنین نامۂ نغز را ای سخن
فلک چون نیارد پئے این دُکان | ورقہائے مہر و مہش جائے پان
عجب ساحری سازد آن خوش سیر | کہ از برگ سبز آورد لعل تر
زہر یک ورق کو بگرداندش | بہر نہ دلِ تازہ بنشاندش
قضا را اگر آید مہش در شمار | بہ بدنامیٔ داغ افتد ز کار

ندارد کسے سرخروے امید
مگر این کہ از پانش آید نوید

صفت دُکان بساطی

بساطے فروچید مینا فروش | کہ بُرد از سرِ چرخ گردندہ ہوش
بسے حقہ ہا پُر ز سلکِ عدن | چو دندان گلچہرگان در دہن
بسے شانہ از عاج واز چوبِ تار | پریشان کنِ کاکلِ زلف یار
بسے جنس خوشرنگ چین و فرنگ | بر سطحِ زمین چیدہ باآب و رنگ
ز آئینہ ہائے بلور و حلب | دُکان را برآراستہ جا ز لب
در آئینہ از عکس چرخِ کبود | ضیائے فلک را دوبالا نمود
ازان دور پیمانہ جادو نشان | عیان گشتہ کیفیتِ آن جہان

زجادو نگارانِ مانی رقم
مرقع بسے کردہ یکجا بہم

صفت دُکان تماکو فروش

کجا دم زنم من ز قلیان پرست — کہ دودِ چلمش مرا کرد مست
برآرد دمار از دماغِ اثیر — ز خوبان چو دودش شود روح گیر
چو دودِ چلمش برآرد بہار — تو گوئی برون آمد از سلہ نار
غلط گفتم و ناپسندیدہ تر — کہ از شاخِ گل سنبل آید بدر
دمے غلغلے گر تپش سر زند — ہمہ بانگ یا ہو برابر زند
ز دودش دماغِ پراگندہ نیست — کسے نیست کین دود را بندہ نیست
بسوزِ سرش دل نہ سوزد کسے — ز رُو گرمئے مہر بیند بسے
بریزند تا آتشے بر سرش — نیابند اکسیر خاکسترش
بسے تازہ مہر است و بس گرم تر — ندارد کہ گفت آب اندر جگر
بسر اخگرش روشنان را چراغ — گلش وادہ از مشک چین فراغ
پئے دل کشان یار و دمساز بس — انیسے و گوشے برآواز بس

صفت دست فروشان (یعنی خوانچے والا)

کسانیکہ بودند دستی فروش — ہمہ خوان ہر گونہ چیزے بدوش
ہمہ چاشنی بخش کام و زبان — حلاوت دہِ کام روحِ روان
بہر سو روان باصد انداز و ناز — باواز نرم و حزین نعرہ ساز
دہی کے بڑے چاند سے جگمگے — چنے اور پستہ شکر میں پکے
بنائی کئی طور کی ہے گی سونٹھ — سلونی مصالحہ کی ہے دال موٹھ

تشیلی وہ معجون ہری اور بھری
گزک بھی کئی طور کی ہے دھری

مشتاق - پنڈت کنہیالال کول شرغہ صاحب خلف پنڈت مہتاب رائے صاحب۔ آپ کے برادر خورد پنڈت موتی لال کول شرغہ صاحب تھے۔ ۱۸۵۲ء میں آپ محافظ دفتر اسٹیٹ کونسل بھرتپور مقرر ہوئے تھے۔ اور جب مہاراجہ جسونت سنگھ صاحب کو اختیارات ملے تو اجلاس خاص کے عہدۂ میر منشی پر ممتاز کئے گئے۔ ۱۸۷۵ء تک میر منشی رہ کر بعارضۂ بخار ۵۲ سال کی عمر میں خلد بریں کی راہ لی۔ آپ کی زوجہ محترمہ جو پنڈت بھولا ناتھ زتشی صاحب کوتوال ضلع متھرا کی دختر تھیں بہت عرصہ پہلے انتقال کر چکی تھیں۔ آپ کی ایک دختر پنڈت موہن لال صاحب گنجو کو بھرت پور میں بیاہی تھیں جنکے دو لڑکے کنورکشن جی گنجو اور سرتاج کشن جی گنجو ہیں۔ کنورکشن جی گنجو ویدک پریس اجمیر میں فورمین ہیں۔ کتاب "مجمع البحرین" مولفہ پنڈت درگا پرشاد صاحب عاجزؔ میں حضرت مشتاق کی چند رباعیات در محاسن خاموشی نظر سے گذریں وہ حسب ذیل ہیں۔

رباعیات

خامُشی پیکریست حور جمال ‍ ‍ ‍ ‍ کہ بود انتہاش وصل ووصال
افضل الطاعتست در رُتبت ‍ ‍ ‍ ‍ غایتِ آن بود کمالِ کمال

ایضاً

خامُشی راست جلوۂ وہم نور ‍ ‍ ‍ ‍ وان دہد نورِ شاہد مستور
صفتش گفتن از توان دور است ‍ ‍ ‍ ‍ خامۂ خام چون کند مسطور

ایضاً

خواہم از حق سرور خاموشی ‍ ‍ ‍ ‍ تافت بر دل چو نور خاموشی
مدحت این جلال کس گوید ‍ ‍ ‍ ‍ غیر فانی حضور خاموشی

ایضاً

باش مشتاقِ خامُشی مشتاق ‍ ‍ ‍ ‍ تا بیابی صداقتِ عشاق
وردِ تامش کن وز غیر خموش ‍ ‍ ‍ ‍ کہ شوی رستہ از غم آفاق

پنڈت نرنجن ناتھ صاحب۔ مشتاق

خموشی گوہرِ دریاے عشق است
خموشی مظہرِ سوداے عشق است
بشو مشتاقؔ در کنجِ خموشی
خموشی رہبرِ صحراے عشق است

ایضاً

خموشی جوہرِ شمشیرِ عشق است
خموشی شعشۂ تنویرِ عشق است
بود اکثر پسندم چون نہ مشتاقؔ
خموشی نسخۂ اکسیرِ عشق است

ایضاً

از خموشی دیدہ ام در خواب رشکِ حور را
کے پسند آرم بخاطر طوفِ کوہِ طور را
سینۂ صافیِ مشتاقِ وصالِ دلربا
موجدِ صبحِ تجلّی شد شبِ دیجور را

مشتاق - پنڈت نرنجن ناتھ صاحب عرف صاحب خلف جناب پنڈت بشمبھر ناتھ صاحب دہلوی۔

آپ کا مقام ولادت دہلی ہے۔ ۱۸۵۶ء میں آپ پیدا ہوے تھے اور ۱۹۱۳ء میں آپ نے بمقام الہ آباد بعمر ۵۷ سال وفات پائی۔ انگریزی کی تعلیم آپ نے آگرہ کالج میں پائی اور عربی و فارسی گھر پر پڑھی تھی۔ ملازمت کی پابندی آپ کو کبھی نہیں ہوئی۔ پنڈت رتن ناتھ درسرشار اور پنڈت تربھون ناتھ سپرو ہجرؔ آپ کے ہمعصروں میں تھے۔ آپ کی لیاقت فارسی اعلیٰ درجہ کی تھی اور اپنے ہمعصروں میں مستند مانے جاتے تھے۔ زیادہ حصہ آپ کے کلام کا رسالۂ مراسلہ کشمیر میں زینت بخش ہوتا تھا۔

نظم

طبعِ خموش کام ذرا لے زبان سے
ہاں تیغ آبدار نکل اب میان سے
کاٹ حاسدوں کو تیزیِ سیفِ بیان سے
جوہر کی داد چاہیے ہر قدردان سے

جلوہ دکھا کہ چرخ پہ مہتاب دنگ ہو
غیرت سے ہر عدو کا سیہ تاب رنگ ہو

ہاں معرکہ میں آج تری آبرو رہے | دل حاسدوں کے خون ہوں تو سرخ رو رہے
پھل پھول سے ہرا شجرِ آرزو رہے | دل آب ہو کہ جس سے رواں آبجو رہے

دے نور صورتِ یدِ بیضا بیاض کو
ہاں کاٹ مثلِ حرفِ غلط اعتراض کو

ہاں صاحبِ قلمرو شعر و سخن ہے تو | بلبل کی طرح رونقِ بزمِ چمن ہے تو
ہاں ذاکرِ فسانۂ رنج و محن ہے تو | سوزِ دروں سے صورتِ شمعِ لگن ہے تو

طبعِ گداز آج وہ مضمون گرم کر
ہر سنگ دل کو موم صفت آج نرم کر

للہ رحم کیجئے نادار قوم ہے | کچھ ایسی بالعموم نہ زردار قوم ہے
اسراف کی سناں سے دل افگار قوم ہے | گویا زبانِ حال سے ناچار قوم ہے

ہر ماں کا قول ہے کہ جگر میرا پھٹتا ہے
لڑکی کی عمر بڑھتی ہے خوں میرا گھٹتا ہے

حالت کسی کی ایسی الٰہی بتر نہ ہو | اے اہلِ قوم تم کو ذرا بھی خبر نہ ہو
مشتاق کے کلام میں کیونکر اثر نہ ہو | ممکن نہیں کہ اشک سے رومال تر نہ ہو

گر سنگ دل بھی ہو تو جگر سن کے آب ہو
ماہی صفت تپاں دلِ پُر اضطراب ہو

دنیا میں کون درد ہے جس کی دوا نہیں | ہاں بے علاج ہو تو میسر شفا نہیں
اسراف ہی سے قوم کا دل پک گیا نہیں | اتنی قباحتیں ہیں کہ کچھ انتہا نہیں

تعلیم لڑکیوں کی جو لڑکوں کے ساتھ ہو
دولت بھی علم و عقل بھی سب اپنے ہاتھ ہو

نظم در مدح پنڈت رتن ناتھ صاحب اڈیٹر اودھ اخبار

اے ہمنفس انیس سے خالی جہاں ہوا ہاں آفتاب چرخ فصاحت نہاں ہوا
مشتاق کمترین جو ہم داستاں ہوا فیضِ مقلدی سے فصیح البیاں ہوا
تحسیں سخن شناس کی میسر اصلہ ہوا
اظہار مدعا کا مجھے حوصلہ ہوا

بارغ جہاں میں شاعرِ رنگیں بیاں ہے وہ حقا کہ آج بلبل ہندوستاں ہے وہ
طغرائے نظم و نثر میں آج ہمزباں ہے وہ اخبار جسم عقل ہے اور اسکی جاں ہے وہ
دُرِ عدن سے آب میں افزوں کلام ہے
دُر ہے وہ قصر علم کا۔ ر۔ن نام ہے

ہر شہر میں فسانۂ عالی کی دھوم ہے چرچا اسی کا ہند سے اور تابہ روم ہے
کثرت سے شائقین کا ہرجا ہجوم ہے آزاد قید غم سے ہر اک بالعموم ہے
حسن سپہر حسن کی شہرت ہے عام میں
کیا فروشاں ہے اسکے ہمایوں کلام میں

مسدس

مشتاق معرکہ میں دہن کھولتا ہے آج سُن لو کہ عندلیب چمن بولتا ہے آج
مضموں نہیں ہے دُرِ عدن رولتا ہے آج اعجاز ہے کہ آپ سخن بولتا ہے آج
ہاں دوستوں کی طبع کو خورسند میں کروں
کھولوں زباں۔ حسود کا دم بند میں کروں

کشمیر کی ہوا سے معطر دماغ ہے ہاں کثرت نشاط سے دل باغ باغ ہے
خنداں برنگِ گل مرے سینہ کا داغ ہے صہبا ہے اشک دیدۂ پُرنم ایاغ ہے
رنگیں ہے کیف سیر سے تارِ نگاہ بھی
ہے سبز دانہ اشک کا اور سرد آہ بھی

آئیں مراسلہ کی عدو گفتگو کریں ۔ مردی کا زعم ہے تو سخن روبرو کریں
رخنے ہزار اس میں اگر عیب جو کریں ۔ تارِ نگاہ فہم سے عاقل رفو کریں
تیغ جواب قطع کرے اعتراض کو
کاغذ پہ دو کرے یہ سوادِ بیاض کو

ہے باغ اتحاد و محبت کا یہ شجر ۔ تہذیبِ قوم و منفعتِ علم ہیں ثمر
حیراں ہے نخل بند کی صنعت پہ ہر بشر ۔ ہوتا ہے ہر مہینہ میں یہ نخل بارور
کیسے حبیبِ قوم کا یہ یادگار رہے
یہ وہ چمن ہے جس میں ہمیشہ بہار رہے

دیگر

طبع حزیں وہ تیری بلاغت کہاں گئی ۔ شہرا تھا جس کا اب وہ فصاحت کہاں گئی
مضموں ہے بے نمک وہ ملاحت کہاں گئی ۔ جودت وہ کیا ہوئی وہ ذکاوت کہاں گئی
ہاں غم سے فکر شعر کے کب تجھکو تاب ہے
کیا خاک اب ترے دُرِ مضموں میں آب ہے

ہے مجھکو بس کہ اُنس کلامِ انیس سے ۔ رہتا ہے ذوق اُس کے کلامِ نفیس سے
خواہش نہیں ہے زر کی امیر و رئیس سے ۔ ہے شاد طبع اپنی کلامِ سلیس سے
اپنی تو لنِ شعر میں اُستاد طبع ہے
شیریں اگر سخن ہے تو فرہاد طبع ہے

اشک سیہ بدادِ قلم سے رواں ہے آج ۔ شادی کی داستان میں غم کا بیاں ہے آج
لب بند ہیں سکوت میں پیر و جواں ہے آج ۔ ہاں اشتعالِ آتشِ سوزِ نہاں ہے آج
ظاہر ہے دودِ آہ سے ہر دل کباب ہے
اظہارِ حالِ زار میں اب کیا حجاب ہے

ہاں اے عروسِ فکر ادھر آ کروں سنگار پہناؤں تار اشک سے میں موتیوں کا ہار
بہرِ شگونِ نیک ادھر چشم اشکبار تر کر رہی ہے آئینۂ رُخ کو بار بار
مردم جو تیرے پنجۂ مژگاں کی ہیں بلا
دل بس وہیں پکارے کہ آنکھوں میں بیٹھ جا

آمد برات کی ہے عجب مچ رہا ہے غُل نوشہ پہ چتر گل ہے رواں تخت ہائے گُل
بارانِ آب و گل سے معطّر ہیں جز و کل وہ روشنی ہے جھاڑ کی مہ کا چراغ گُل
ہر امر میں غرضکہ تجلّی دوچند ہے
روشن ہوا یہ قوم نمائش پسند ہے

چرخی سے چرخ میں ہے سر چرخ سربلند مہتاب کا دھواں بھی ہوا تا فلک بلند
گولوں کے چھوٹنے سے بھڑکنے لگے سمند ہے خوف راہ رُو کو نہ پہونچے کہیں گزند
لگ جائے آگ مال ہزاروں کا پٹ کرے
چالان ہو پولیس میں جو کوئی رپٹ کرے

پروا نہیں ہزار اگر قرض دام ہو ایسی سبیل ہو کہ بزرگوں کا نام ہو
سرمایہ ساری عمر کا اک دن تمام ہو بے سود رات دن یہی سودائے خام ہو
یہ زخم وہ ہے جس کا کہ مرہم بہم نہیں
طعن سنان نیزہ سے کچھ تان کم نہیں

مشتاق مرحوم نے ایک عجیب فارغ اور بے تکلف طبیعت پائی تھی۔ ایک مرتبہ بھی جس نے آپ سے نیاز حاصل کیا وہ آپ کی متانت، منکسر المزاجی، بذلہ سنجی اور خوش اخلاقی کا ہمیشہ مدّاح و ثنا خوان رہا۔ آپ کا حافظہ اس قدر زبردست تھا کہ احباب گھنٹوں آپ کے پاس بیٹھے رہتے اور مختلف اساتذۂ فارسی و اُردو کے اشعار سنتے رہتے تھے۔ شعر خوانی کا یہ حال تھا کہ گویا ایک دریا اُمنڈا چلا آتا ہے۔

جسٹس محمود مرحوم کی بے تکلفی آپ کے ساتھ اس قدر تھی کہ وہ خود اکثر شام کو آپ کے مکان پر چلے آتے تھے اور دس گیارہ بجے رات تک شعر خوانی کی صحبت گرم رہتی تھی جسٹس مرحوم آپ کو بھائی مرزا مشتاق کہا کرتے تھے۔ پنڈت رتن ناتھ در سرشار کی چلبلی طبیعت اور پنڈت تربھون ناتھ سپرو ہجر کی شستہ زبان کا آپ ہمیشہ اعتراف کرتے رہے۔

مسدس

عالم ہے محوِ حسنِ عروسِ سخن پہ آج پروانوں کا ہجوم ہے شمعِ لگن پر آج
قربان مہر و ماہ ہیں دولھا دولھن پر آج کیا اوس پڑ گئی ہے بہارِ چمن پر آج
چہرے کی تاب سے رخِ خورشید فق ہوا
پائے حنا کے ہاتھ سے خونِ شفق ہوا

آمد ہے آفتاب کی اور صبح کا ہے نور روشن بطوں ہے یا کہ تجلّی کوہِ طور
الحان سے بید خواں ہیں برہمن بصد سرور گانا مخدّرات کا با زینت و شعور
احسنت عقلِ بانیِ شرعِ متین پر
بھیجو درود روحِ بزرگانِ دین پر

در صفت سری کشن جی

بسدیو جی کو شب وہ کٹی اضطراب میں زلفوں کی طرح دیوکی تھیں پیچ و تاب میں
چمکا سہیلِ دامنِ شب کے جواب میں وہ نور جس کی تاب نہ تھی آفتاب میں
فضلِ خدا کی قدرت و طاقت سے کھل گئے
زنداں کے سارے قفل کرامت سے کھل گئے

بطنِ جناب دیوکی سے نیر ذوالجلال پیدا ہوا پدر کو مسرت ہوئی کمال
سرسبز باغِ دہر ہوا سب ہوئے نہال طالع ہوا جہاں میں یہ شمس بے زوال

گھنشام سارے برج کا ماہِ تمام تھا
پُر نور اُس کے فیض سے ہر خاص و عام تھا

خوفِ جفائے کنسِ ستمگار و نابکار　　بسدیو جی کے دل کو ستاتا تھا بار بار
گھر نند جی کے پہونچے وہ دریا کو کرکے پار　　جسمت کی گود میں دیا وہ دُرِّ شاہوار

پر تو سے اُس کے ماہ کا دل داغ داغ تھا
جسمت کے گھر کا وہ گُہرِ شب چراغ تھا

بسدیو جی نے چاہا کہ دریا کریں عبور　　آپ آگئیں کنارے پہ جمنا پئے حضور
یہ چاہ تھی ثواب زیارت کا ہو ضرور　　اور پھر ہوں صدق دل سے قدمبوس پاک نور

گرور نے اپنا پائے مبارک بڑھا دیا
جمنا نے اُسکو آنکھوں سے اپنے لگا لیا

بارش کے دن تھے اور تھا دریا چڑھا ہوا　　بالکل اندھیری رات تھی پانی بڑھا ہوا
بسدیو جی کو فکر و تردد بڑا ہوا　　پل بھر کا آپ بھر مدد آ کھڑا ہوا

ہاتھوں پہ لے کے جانبِ دربار رواں ہوئے
اُس ماہ کی جلو میں ستارے رواں ہوئے

مثنوی

لکھو پڑھو حصول کرو اعتبار کو
ڈالو نہ کم سنی میں تاہل کے بار کو

نہیں ہے یہ مضمون شادی نرا　　بہت عمدہ مارل ہے اس میں بھرا

تصویرِ عروس

وہ پاکیزہ ایک صوفیانی سی گَون　　صفائی کو جس کے بھلا پائے کَون
مشجّر بنے اُس پہ نقش و نگار　　کلی بیل بوٹے کی گل کی بہار

وہ ریشم کے کپڑے سبک زیب تن
بنی تھی پری وہ نویلی دولھن
وہ باریک چہرے کے اوپر نقاب
تہ ابر جیسے چھپے آفتاب
وہ گلدستۂ نیلوفر اور گلاب
لئے گورے ہاتھوں میں باآب و تاب
پڑے بال شانوں پہ مشکِ ختن
مہکتی چلی غیرتِ یاسمن
کمر نازکی سے لچکتی ہوئی
وہ بازو پہ پاپا کے جھکتی ہوئی
ہوئی چرچ میں محو خلقِ خدا
سراپا عیاں اُس سے نورِ خدا

تصویر شاہ

وہ دولھا بھی کپتان خوش رو جوان
سپاہی دلیر و حسیں خوش بیان
ٹینس کپتان گل چلا من چلا
کرچ قبضہ میں اور گلے پر تلا
وہ پیر اک اور رکر کٹر لاجواب
دلی۔ ناچ گانے میں بھی انتخاب
پڑھا چیپلن نے پھر اُن کا نکاح
تعلق ہوا شو و زن کا مباح
خوشی کا بجا باجا گھر کو پھرے
ہوا وصل بعد فرقت کئی دن پھرے
چُنے میز پر تحفہ جاتِ و یڈنگ
نفاست کرے جن کو گڈ مارننگ
ملیں ہمنشیں شوخ و بیباک سے
کٹی کیک اُس دستِ چالاک سے

مئے کیف سے خُم اُبلنے لگے
اُدھر جام صحت کے چلنے لگے

فضول خرچی

کب تک اس رازِ دل کو پنہاں کیجئے
تاچند یہ ضبطِ آہ و افغاں کیجئے
قلّت تو معاش کی ہو اولاد کثیر
کس بات کی چاہ کس کا ارماں کیجئے
ہو جس کسی کے ایک فضولی کیا کرے
حضرت اگر کسی کے کئی ہوں وہ کیا کرے
نادار کیا امیر بھی ہو۔ تا کجا کرے
قاروں کا گنج بھی نہ کبھی اکتفا کرے

ہمپر یہ رحم خالقِ ارض و سما کرے
اصراف کی بلا سے جدا بس خدا کرے

اپنا یہ دھن نہیں ہے پرایا یہ مال ہے بیچاری لڑکیوں کا بھی مہماں کا حال ہے
لڑکی دُرِ خوش آب ہے لڑکا جو لال ہے دونوں ثمر ہیں گل ہے یہ وہ نونہال ہے
نافہمی و فضولی کے اوپر خدا کی مار
جو پھول ہو وہ آنکھوں میں کھٹکے مثالِ خار

دونوں ظہور قدرتِ آب جہاں ہیں یہ گلدستۂ حدیقۂ کون و مکاں ہیں یہ
نورِ بصر ہیں باعثِ آرام جاں ہیں یہ دونوں ہی والدین کے نام و نشاں ہیں یہ
ناحق کا رنج آپ کو یہ بے سبب ہوا
لڑکی اگر ہوئی بھی تو پھر کیا غضب ہوا

اتنا نہ اس کے واسطے رنج و الم کرو خالق نے عقل دی ہے فضولی کو کم کرو
اے منعموں نمود نہ جاہ و حشم کرو اپنے غریب بھائیوں پر بھی کرم کرو
بیجا یہ زعم دولت و ثروت کہاں تلک
تعلیم و تربیت سے یہ غفلت کہاں تلک

تقدیر کے لکھے کی شکایت فضول ہے بندے کو جو رضائے خدا ہو قبول ہے
لے کام عقل سے یہی اصل الاصول ہے انجام خوش اسی کی بدولت حصول ہے
کھلنے ہیں جتنے پھول چمن میں کھلیں گے سب
جتنے کہ پھل نصیب میں ہونگے ملیں گے سب

در صفت مذہب مقدس ہنود

کر ذکر حق حیات کا کیا اعتبار ہے باقی رہا جو ایک وہ پروردگار ہے
بڑھکر ہے سب سے اصل میں یہ مذہب ہنود گلزار یہ ہے اور خس و خار زار ہے

ہر گُن کو دیکھ گر تجھے سُر گُن نہ ہو پسند
ہر جلوہ اس طریق میں یاں آشکار ہے

سرسبز ہے سدا چمنِ مذہبِ ہنود
یہ باغ وہ ہے جس میں ہمیشہ بہار ہے

سب سے قدیم و افضل و اعلیٰ و پاک ہے
لاجُنب ہے ازل سے یہی برقرار ہے

ثابت قدم ہو اپنے بزرگوں کی راہ پر
مشتاقؔ تیری طبع کو کیوں انتشار ہے

آنکھیں کھُلی ہیں آپ کے مشتاقِ دید کی
دل کو جنابِ رام کا بس انتظار ہے

تعلیم

تعلیم دو کہ فرض تمھارا یہ عین ہے
شادی ہو اُس کی جسکا سبق عین غین ہے

انساں کی علم و فضل سے سب زیب و زین ہے
ثمرہ اسی کا راحت و آرام و چین ہے

بے تربیت نہ طفل کی وقعت ہو زینہار
گو موتیون کا ہار ہو اُس کے گلے کا ہار

یوں نوجواں ہوں قوم کے یارب سجے ہوئے
ہاں بازوؤں پہ جوشنِ ہمت بندھے ہوئے

تحصیل علم پر وہ کمر ہوں کسے ہوئے
تہذیب و عقل و فہم کا جامہ بنے ہوئے

ہیں گوندنی بنے ہوئے زیور کے بار سے
باز آے ایسے پیار سے اور اس دُلار سے

یارب ہماری قوم سدا شاد کام ہو
اصراف کی بلا سے یہ مصئون مدام ہو

باآبرو جہاں میں رہے نیک نام ہو
آبِ حیات عیش سے معمور جام ہو

ہاں شاد دوست اور عدو پائمال ہو
علم و ہنر کی اس میں ترقی مدام ہو

بہ ولادت فرزند دوستے

وے شُربِ لطیف مونسِ خوش اطوار
ہے باغ جہاں میں آمدِ فصلِ بہار

پیتے ہی دماغ و دل کو فرحت ہو جائے
زائل سب رنج و فکر و کلفت ہو جائے

اعجاز دکھائے ذہن و جودت اپنا
عالی مضموں ہو دست بیعت اپنا

دروازۂ گلشنِ معانی کھولے
ہاں اپنے قلم کا آج طوطی بولے

ہاں مطربِ کلک نغمہ پیرا ہو جائے
قربانِ صدا فلک پہ زہرا ہو جائے

اِک چونچ پہ بلبلِ چمن پھولا ہے
یہ خامۂ دو زباں نہیں دیکھا ہے

ہاں چھیڑ ترانۂ مبارکبادی
ہے جائے مسرّت و خوشی و شادی

صد شکر سپاسِ واہب بے منّت
اس نور بصر کی آج دیکھی صورت

جو اس کا ہوا خواہ ہو وہ شاد رہے
گھر حاسدِ روسیہ کا برباد رہے

کشمیری نیشنل کلب لکھنؤ

یہ نیشنل کلب ہو زمانے میں یادگار
ممبر کلب کا ہند کا ہو فخر و افتخار

دکھلائے طبع گلشنِ کشمیر کی بہار
کھٹکیں دلِ حسود میں سو سو طرح کے خار

تقریر پُر نمک ہو زباں بھی فصیح ہو
لطفِ کلام شاہدِ حسنِ ملیح ہو

در تنزّل مراسلہ کشمیر

افسوس آئی قوم کی پستی کمال پر
پہونچی مراسلہ کی یہ حالت زوال پر

ہو کیوں نہ دل کو رنج و ملال اُسکے حال پہ
چھوڑا اُسے فقط کرمِ ذو الجلال پر

اجرا ہیں ہر مہینہ کے ہو دیر اس طرح
اس ماہ کے نکلنے میں اندھیر اس طرح

اس میں قصور مہتمم ذی حشم نہیں
حالت پہ اُس کی قوم کا لطف و کرم نہیں

ہو دستگیر کیا کوئی والا ہمم نہیں
جز التفات اور کوئی بات کم نہیں

اے قوم اُس کے حال پہ شفقت ضرور ہے
یہ ہے یتیم اُس پہ عنایت ضرور ہے

روانگی پنڈت بشن نراین درؔ بجانب لندن

مدِّ نظر رکھو کرمِ کارساز کو
لنگر اُٹھاؤ اور بڑھاؤ جہاز کو

اک نوجواں جو جانبِ لندن رواں ہوا
اس قوم میں فساد بھی ہر سو عیاں ہوا
گر غور کیجئے تو نہیں کچھ زیاں ہوا
وہ خضرِ راہ وادیِ گم کردگاں ہوا
اے قوم اپنے حال کی پستی نظر تو کر
ہے خیر اس میں شر سے اگر درگذر تو کر

اب تو عروجِ علم میں اوروں سے پست ہے
غیروں کی فتح تیری سراسر شکست ہے
اپنے فروغ قوم کا کیا بند و بست ہے
منزل کڑی ہے راہ بہت تنگ و سخت ہے
پروا نہیں کسی کی ہے یاورجو بخت ہے
ہمّت وہ شئے ہے جس سے قوی زبردست ہے

بارج جو کچھ خفیف سی مذہب کی قید ہے
یہ اپنی قوم ایسی نہیں اُس کی صید ہے
جفنا نہیں ہے اُس سے سوا فکر و کید ہے
اصلاح کی خدا سے مگر اب امید ہے
اغوا کا جُرم خیر طلب پر بجا نہیں
حامی جو امرِ نیک میں ہو وہ بُرا نہیں

واپسی پنڈت بشن نراین در لندن سے

کس گُل کے آنے آنے کا غُل چار سو ہے آج
اپنی بہار پر چمنِ لکھنؤ ہے آج
آمد کا کسی ذکر جو ہر کو بکو ہے آج
بشاش ہر بشر ہے ہر اک خندہ رو ہے آج
آمد سے اُس کی پرچمِ فتح و ظفر کھلا
برسوں سے بند تھا جو ترقی کا در کھلا

بھائی ادھر تو آؤ زیارت تو پائیں ہم
تیرے قدم کی خاک کا سرمہ بنائیں ہم
پہلو میں اپنے پیار سے تم کو بٹھائیں ہم
دل کو تمھاری لوتھی لگی کو بجھائیں ہم

گھڑیاں مفارقت کی ہمیں شاق کب سے تھیں
آنکھیں تمھاری دید کی مشتاق کب سے تھیں

گھر کا چراغ قوم کا تو آفتاب ہے — علم و کمال و فضل میں تو لاجواب ہے
تجھ سے کشادہ بابِ لیاقت کا باب ہے — دل ریش خارِ غم سے عدوئے خراب ہے

ہم بھائیوں کے آپ سے بازو قوی رہیں
باہم ہوا ب وصال گلے ملتوی رہیں

شرکت ہمیں بہ چند شرایط قبول ہے — جس میں کشودِ کار تمھارا حصول ہے
بیکار بحث طولِ سخن سب فضول ہے — ملحوظ ہو وہ امر جو اصل الاصول ہے

ایسی ہو فکر جس سے کہ رفعِ فساد ہو
ہو صلح اہلِ قوم میں حاصل مراد ہو

پھر ایک بار رسم معیّن ادا کرو — اخلاقِ عام سب سے بہ صدق و صفا کرو
ارباب قوم سے بھی یہی التجا کرو — ہاں عفو راہِ لطف سے جو ہو خطا کرو

اب ایسی بات ظاہر و باطن نہ ہو کوئی
ناحق تمھاری ذات سے ناراض ہو کوئی

در مذمتِ شراب

خونِ نابِ دل کو صرف مدادِ قلم کروں — پھر خوارِیِ شراب کا مضموں رقم کروں
کیونکر نہ اس بلا کا میں رنج و الم کروں — تحریر اس کا کونسا جور و ستم کروں

یہ آب وہ ہے جس نے جگر چاک کر دئے
یہ آگ وہ ہے لاکھ کے گھر خاک کر دئے

ظاہر میں نوش اور یہ باطن میں زہر ہے — حق تو یہ ہے جنابِ الٰہی کا قہر ہے
طوفاں وہ ہے کہ جس سے تلاطم میں دہر ہے — برباد اس کے ہاتھ سے ہر ملک و شہر ہے

لگ جائے مُنہ نوشاہ کو آخر گدا کرے
بندوں کو اس بلا سے جُدا بس خدا کرے

مثنوی جام جہاں بین در صفت کوہ مسوری

عجب جا ہے فرحت فزا دیدہ دول
بجا ہے چمن سے جو تشبیہ دول

ادھر کوہ سوالک مسوری اُدھر
ہے مابین دونوں کے یہ جلوہ گر

وہ آبِ خنک اور ہوا معتدل
وہ سبزہ کہ جس سے شگفتہ ہو دل

وہ پھول اور پتے کئی رنگ کے
نئی شکل کے اور نئی ڈھنگ کے

وہ بادل کے ٹکڑوں کا شکلِ دخاں
پہاڑوں کے اندر سے ہونا عیاں

چپ وراست گنگ وجمن ہیں رواں
غرض ہے یہ رشکِ ارم بے گماں

مسوری جو دیکھی گئے اس کو بھول
کھلے ہیں عجب باغِ قدرت کے پھول

وہ گلہائے قدرت کی ہر جا بہار
وہ شبنم کہ ہوں جس پہ موتی نثار

ہے اوسط میں دلچسپ جو قطع ایک
اُسے لوگ کہتے ہیں کیملس بیک[۱]

عجب فرن[۲] اور چشمۂ سرد ہے
برئوری[۳] ملکینن کی بھی فرد ہے

پئے فوج واں بنتی ہے بیئر مے
جگہ صاف ہے۔اور ہوا خوب ہے

تماشے کا اسکیٹنگ ایک مقام
محبّت کا حلقہ ہے ورزش بنام

بہت صاف چکنی ہے لکڑی کی سقف
وہ رقّاص جن پر دل وجاں ہوں وقف

وہ محبوب نازک اداؤ حسین
گل اندام نسریں بدن نازنیں

وہ نعلین چوبی کئے زیبِ پا
لگے جن میں پہیئے شبک خوشنما

تماشائیوں کا ہے دل اُن کے ہاتھ
وہ پھرکی سا ناچ ان کا باجے کے ساتھ

عجب جائے دلچسپ و مانوس ہے
غرض ایک خیالی وہ فانوس ہے

---

[۱] مشابہ پشت شتر۔ [۲] ... [۳] بھٹی شراب۔

بلندی پہ لنڈھور ہے اک مقام
وہ ہے چھاؤنی لال ٹبّیا بنام
جوانب ہیں اُس کے بہت پُر فزا
کہ راونڈ ڈی ہل نام جن کا رکھا
نمایاں وہاں سے ہیں بدری کدار
سفید اُن کے اوپر ہے برف آشکار
نظر وہاں سے آتا ہے چکروتہ بھی
نہ ہو سیر سے اُس کی سیری کبھی
پھل اخروٹ خوبانی دلفریب
بیوٹی قلامش ہے اور عمدہ سیب
عجب ناشپاتی حلاوت اثر
جگ ونل جسے کہتے ہیں سب بشر
مسوری کا کیجے جو فٹ سے شمار
سمندر سے اونچا شش و یک ہزار
مبارک ہو احباب کو یہ سفر
معہ انجیر سب جائیں گھر لوٹ کر
مسوری سے رختِ سفر باندھ کر
کیا دیرہ دوں میں قیام آن کر
الٰہی مسوری تو آباد رکھ
مرے دوستوں کا تو دل شاد رکھ

جلسۂ قومی پنڈتان کشمیر سال اوّل

پہلا ہے جگ رشی کا مقام پراگ میں
آواز اتّفاق کی پیدا ہے راگ میں
ہاں مہرو اتحاد کا آبِ بقا پیو
نفسانیّت کو بغض کو پھونکو اب آگ میں

سال دوم

ہے جگ رشی کا آج یہ روزِ سعید ہے
امسال اُس کے فیض سے رحمت مزید ہے
شکرِ خدا کہ پھر یہ ہوا جشن بعد سال
کیا خوب آج لطفِ ملاقات و دید ہے

در صفت رامچندر جی

دل جلوہ گاہِ پرتوِ ربِّ قدیر ہے
روشن مثالِ مہر ہمارا ضمیر ہے
خادم ہیں ہم جناب سری رامچندر کے
مشتاق اپنا دستِ خدا دستگیر ہے

درصفت پنڈت رتن ناتھ در سرشار

ہاں آج سخنوروں میں فایق ہے تو
ذی فہم و ذکی ذہین و لایق ہے تو
ہمپایۂ چرخ ہے تری فکر بلند
حلّال غوامض و دقایق ہے تو

ایضاً

فصیح و بلیغ و زہے ذی ہنر
دُرِ درجِ دانش رتن ناتھ در

درصفت پنڈت دیا شنکر نسیم

مغموم رکھا مدام دلگیری نے
مارا ہے جواں فلک کج پیری نے
واللہ کہ آتش فروغ ناسخ
ٹھنڈی کردی نسیم کشمیری نے

ولہ

اخلاق و ادب سے پُر ہے مضموں تیرا
ہو کیوں نہ ہر اہل قوم ممنون تیرا
تو کانِ جواہرِ سخن ہے لاریب
ہے نام رتن ناتھ بھی موزوں تیرا

ولہ

آفریں باد بریں قوّتِ ادراک نسیم
جان مشتاقِ ثنائے سخنِ پاکِ نسیم
نغمہ سنجانِ بہشت آئے پئے استقبال
چمنِ خلد میں داخل جو ہوئی روحِ نسیم

ولہ

عالم ہر اک ورق پہ تصویر کا ہے
مشتاق! یہ گل - ریاضِ کشمیر کا ہے
ہو کیوں نہ مراسلہ کی رونق افزوں
ہاں اس پہ کرم جنابِ شپیر کا ہے

ولہ

اے منتظمانِ کشورِ عقل و ہنر
دونو پہ رہے ایک محبّت کی نظر
یکساں ہیں مراسلۂ و مرآۃ الہند
وہ لختِ جگر ہے تو یہ ہے نورِ بصر

اشعار متفرّق

صاف ثابت ہوگیا یہ سرمہ کی تحریر سے
شوخیاں کرتے تھے کچھ آہو بندھے زنجیر سے
جی چُرائے سر کے دینے میں نہ اُس شمشیر سے
شمع کچھ حجت نہیں کرتی کبھی گلگیر سے

ولہ

چشمک سی ہوئی ہے اُسے کچھ دیدۂ تر سے
کیوں طفل سرشک آج چلا روٹھ کے گھر سے

ولہ

دیتا ہے بار بار دُعا یہ دہانِ زخم
یارب ہرا بھرا رہے قاتل کا گھر سدا

ولہ

خنجر کریگا کیا جو کسی کی قضا نہ ہو
قاتل سے خوف کیا ہے جو حکم خدا نہ ہو

ولہ

عجیب شان تری اے مرے خدا ٹھہری نہ ابتدا ہی تری اور نہ انتہا ٹھہری
سُنی حضور کی آمد تو واہ رے جذبۂ شوق نکلتی جان ہماری لبوں پہ آ ٹھہری
ذرا تو دیجئے تسکیں سُنا کے مژدۂ وصل نہیں ٹھہرتا ہے دل کیوں حضور کیا ٹھہری
قیام دولتِ دنیا کو کچھ نہیں مشتاق
کسی کے پاس نہ یہ بے وفا ذرا ٹھہری

رباعی

ہاں شیر نیستانِ معانی ہوں میں یا گوہرِ بحرِ نکتہ دانی ہوں میں
کٹ جائے زباں جو کلمۂ بد نکلے کج فہم کو تیغ اصفہانی ہوں میں

ولہ

ہے کون سخنوری میں کامل مجھ سے کیا کوئی کریگا زعم باطل مجھ سے
میداں میں جب کیا مبارز کو طلب ہرگز نہ ہوا کوئی مقابل مجھ سے

ولہ

مسرور بھی دل ہے ناشاد بھی ہے پابند بھی ہے اور یہ آزاد بھی ہے
ہیں سرکشی و فروتنی یاں دونوں شاگرد بھی مشتاق ہے اُستاد بھی ہے

در وفات پنڈت تربھون ناتھ صاحب سپرو ہجر

وصل ہو حورانِ جنت سے تمھیں مبتلائے ہجر ہم دائم ہوئے
ہم بھی تھے بیمار جب پہونچی خبر اشک جاری آنکھ سے پیہم ہوئے

در وفات پنڈت اجودھیا ناتھ صاحب کنزرو

اے فخر قوم تجھکو نظر کس کی کھا گئی اس ملک میں تمام سیاہی سی چھا گئی
دارِ فنا میں ہم تو تڑپتے ہی رہ گئے اور روح تیری جانبِ ملکِ بقا گئی
واحسرتا شکار اجل شیر ہو گیا
دانش کی شمع بجھ گئی اندھیر ہو گیا

اشعار فارسی۔ درصفت بزرگے

ناخدائے کشتیِ درماندگان ‏ دستگیر و حامیِ خورد و کلان

اوجِ ہمت را تُوے بدرِ کمال ‏ صورتِ انسان وملکوتی خصال

دُرجِ دانش را دُرِ یک دانۂ ‏ اے کہ مفتاحِ فروغِ خانۂ

اے تو ئی شیرازۂ این خاندان ‏ قالبِ این خانہ را ہستی تو جاں

عفوکن بر من گنہگارے توام

اے بیا مشتاقِ دیدارِ توام

از ازل خانہ بدوش آمدہ بودم مشتاق ‏ صورتِ مسکنِ خود سیر ندیدم چو سرشک

یک لخت تیرہ گشت جہان در نگاہِ من ‏ دل این تازہ فتنہ سازیِ چشمِ سیاہ کیست

باور نہ کرد حالِ فراق آن گلِ مراد ‏ سوسن بگو کہ این اثرِ دود آہ کیست

در رحلت عزیزے

گشتہ ام از ناتوانی بس سفید ‏ در تنم یک قطرہ خون باقی نماند

باکہ باز و رنگ۔ این دل سوختہ ‏ خاک بر ہولی چو آن باقی نماند

باد و چشمِ نم چنان مشتاق گفت ‏ آن قدح بشکست و آن ساقی نماند

مشکور۔ پنڈت وشوناتھ کول صاحب ایم۔اے خلف پنڈت شیوناتھ کول صاحب شاکر مقیم لشکر گوالیار۔ تاریخ پیدایش ۷ نومبر ۱۸۹۷ء بمقام رائے بریلی اودھ۔ ۱۹۱۹ء میں بی۔اے۔ کی ڈگری اور ۱۹۲۶ء میں ایم۔اے کی ڈگری فلاسفی میں حاصل کی ۱۹۲۱ء میں آپ نے ٹریفک انسپکٹری کا امتحان پاس کیا تھا اور اُسکے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک گوالیار ریلوے میں ٹریفک انسپکٹر رہے۔ آجکل آپ مادھو کالج اوجین میں بعہدہ پروفیسر لاجک مامور ہیں اس سے قبل انگریزی رسالہ ہیاتمی پرتاب کے ایڈیٹر تھے۔ (نیز ضمیمہ ملاحظہ ہو)۔

نوحہ وفات پنڈت بشن نرائن در

حیف دنیا سے سدھارا اک جواں ‏ وہ جو تھا زینت دہِ بزمِ جہاں

پنڈت وشوناتھ کول - مسکین کول

فرد تھا سب نوجوانوں میں وہی
مرد میدان بس وہی تھا بے گماں

ابتدا سے یوں طبیعت تیز تھی
باڑھ پر ہو جیسے دریائے رواں

اُسکو انگریزی میں حاصل تھا کمال
جانتا ہے اس کو سب ہندوستاں

سب سے پہلے جس نے کی لندن کی سیر
قوم میں ایسا وہی تھا اک جواں

اس نے کھولی راہ انگلستان کی
ورنہ یہ تھی قوم کی قید گراں

اس نے لکھ ڈالے مضامین سینکڑوں
جن سے گونج اُٹھے زمین و آسماں

دھوم اس کی ہے جہاں میں چار سُو
نام اُس کا سب کو ہے وردِ زباں

حیف بی۔ این در تجھے کیا ہوگیا
اتنی جلدی کیوں کیا عزم جناں

مادرِ دل سوختہ کو چھوڑ کر
ہوگیا یک لخت نظروں سے نہاں

اپنی بیوی کی بھی کچھ پروا نہ کی
کس کی خدمت وہ کریگی اب یہاں

بھائیوں کا بھی خیال آیا نہ کچھ
بات کیا ایسی ہوئی دل پر گراں

ہند کے سب لوگ روتے ہیں تجھے
دوسرا پائیں گے اب تجھ سا کہاں

مشہور۔ پنڈت راوھا کرشن صاحب اوگّل خلف پنڈت ٹھاکر داس کامل دہلوی شاگرد حافظ قطب الدین مشیر۔ ۱۸۸۵ء میں آپ سررشتہ دار کلکٹری ضلع کرنال تھے۔

افلاس میں بھی دل ہے غنی غم کی بدولت
داغوں کے درم اور رُخِ زرد کے زر سے

کس سے ہے عیادت کی تمنا ہمیں مشہور
جو جان کا ہو دشمن اُسے کیا کام خبر سے

عشق کو سمجھے تھے کچھ بے سر و ساماں نکلا
مور ہم جس کو سمجھتے تھے سلیماں نکلا

کوچۂ یار ہے یا سحر ہے یا کوئی طلسم
جو کہ اس کوچہ سے نکلا وہی حیراں نکلا

کس طرح نقد دل اپنا نہ کروں تجھ پہ نثار　　گھر سے کس ناز و ادا سے تو خراماں نکلا

کہیں مشہور بشر ایسا بھی ہوگا کوئی

جو کہ دنیا سے نہ پُر حسرت و ارماں نکلا

ولہ

چال سے یہ فلک پیر کو کرتے ہیں ضیق　　مُہرے شطرنج کے دلبر تیرے کالے پیلے

باغباں حیف ہے بستاں میں خزاں کے ہاتھوں　　پھول جاتے رہے یکسر تیرے کالے پیلے

دیکھے وانا بھی تو ہو جائے تہ دل سے فدا　　خوشنما وہ ہیں کبوتر تیرے کالے پیلے

گیسو و رُخ کا تو کشتہ ہے عجب کیا مشہور

داغ اُبھر آئیں جو تن پر تیرے کالے پیلے

گزرا اپنا ہوا باغ جہاں میں گرچہ ہر جانب　　نہ پایا تجھ سا گلرو سرو قد نسرین بدن ہمنے

تجھے بھی زاہدا کیا ہوگی جنت　　نہیں بندے ہیں کیا میکش خدا کے

کدھر ہم آشیاں لیکر اُڑیں کس شاخ پر بیٹھیں　　ادھر بجلی بیاباں میں ادھر گلچیں گلستاں میں

مصاحب۔ پنڈت مصاحب رام صاحب ابن پنڈت روپ چند صاحب دہلوی

راز دل ظاہر ہو گیا اپنا

آہ سوزان و چشم پُر نم سے

مضطر۔ پنڈت رام نرائن صاحب تکّو دہلوی خلف پنڈت شیو پرشاد تکّو صاحب۔

آپ علیگڈھ اور دیگر اضلاع میں تحصیلدار تھے آپ کی شیریں بیانی غزل ذیل سے ظاہر ہے

ہیں میرے ہوش و خرد شام سے جانے والے　　یہ تو فرمائیے کیا آپ ہیں آنے والے

پانوں میں آپ جو مہندی ہیں لگانے والے — کیا سرِ دست کوئی رنگ ہیں لانے والے

روٹھ جاتے ہیں شبِ وصل میں اللہ اللہ — جانتے ہیں کہ ہیں موجود منانے والے

پانوں پھیلائے ہیں کس واسطے تونے شبِ ہجر — ہم محبت سے ہیں خود ہاتھ اُٹھانے والے

دیکھو آجاؤ خدا کے لئے کہنا مانو — دیدۂ تر ہیں یہ طوفان اُٹھانے والے

بوسہ غیروں کو دیا بارِ غمِ ہجر ہمیں — ہم کو سمجھے ہیں وہ بیگار اُٹھانے والے

نیند آتی نہیں کھٹکے میں شبِ وصل اے دل — سو نہیں جاتے ہیں گھڑیال بجانے والے

سرخ روئی تو مجھے ہوگئی اے دل حاصل — وہ مرے قتل کا بیڑا ہیں اُٹھانے والے

موت آجائے جو فرقت میں تو کیا اسکا عجب — وہ بلانے سے بھی ہرگز نہیں آنے والے

کیوں نہیں غنچۂ دل میرا شگفتہ کرتے — آپ مشہور ہیں روتے کو ہنسانے والے

خضر کیا کوچۂ دلدار کا رہبر ہوگا
ابھی مضطر ہیں بہت راہ بتانے والے

پہلو میں نہیں یار تو کب جان ہے تن میں — کیا فائدہ ہوتی ہے جو مضطر بسر ایسی

مضطر۔ پنڈت بھوانی پرشاد صاحب۔ اکثر آپ کا قیام لاہور میں رہا۔ خوش خلق رنگین طبع تھے۔

تسکین نشدے نالہ ز دل سر نشدے گر — دردِ سرِ من کم نشدے سر نشدے گر

ہرگز بہ شبِ زلف تو دل راہ نمی یافت — ماہِ رخِ پر نور تو رہبر نشدے گر

در دہر ز شیرینی او شور نبودے — با لعلِ لبت نسبتِ کوثر نشدے گر

سرسبزیِ صحرائے جنون بود نہ ممکن — از گریۂ من دامنِ او تر نشدے گر

از حالِ دلِ سوختہ ام نقش نمی بست — این کلکِ من از بالِ سمندر نشدے گر

دودِ جگرم تا بفلک سر نہ کشیدے — برہم ز صبا زلفِ معنبر نشدے گر

در حلقہ بگوشانِ تو سر حلقہ نمی گشت	شیدائے ترا سنگ چو گوہر نشدے گر
مرغ دلِ من قوّتِ پروازنمے یافت	بال و پرش از خنجرِ دلبر نشدے گر
از سحرِ نگہ رام نیساخت جہان را	این ہندوئے چشمِ تو فسوں گر نشدے
از رنگ فنادے گلِ گلزار محبت
جایش بسرِ تربت مضطر نشدے گر

مضطر۔ پنڈت کنہیالال ہاکسر صاحب ولد پنڈت بشن نراین ہاکسر صاحب
آپ پچھور علاقہ متھرا میں پیدا ہوئے آپ کے والد اُس وقت وہاں بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے۔ چونکہ آپ کا جنم برج میں ہوا تھا اس لئے آپ کو کنہیالعل کہنے لگے ورنہ آپ کا اصلی نام پنڈت شام نراین تھا۔ اُس زمانہ میں عام طور سے کشمیری پنڈت صاحبان کا مستقل قیام دہلی میں رہتا تھا اور بسلسلہ ملازمت دیگر اضلاع و مقامات میں جایا کرتے تھے۔ چنانچہ پنڈت بشن نراین صاحب کی سکونت خاص دہلی میں تھی اور وہیں اُنکے صاحبزادگان نے تعلیم پائی۔ پنڈت شام نراین عرف کنہیالعل صاحب نے مشہور زمانہ مولوی صہبائی صاحب سے فیض سخن حاصل کیا۔ آپ نے اپنی ساری عمر ریاست گوالیار میں گذاری آپ اس ریاست کے مختلف اضلاع میں مجسٹریٹی کی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر پنشن لیکر مُرار ریاست گوالیار میں خانہ نشین ہوگئے اور وہیں ۱۸۹۸ء میں بعمر ۶۵ سال انتقال کیا۔ آپ کے کلام میں رنگ تغزل زیادہ ہے۔ آپ پُرگو اور خوش بیان شاعر تھے۔

خنجرِ جلّاد ہے فولاد کا	سخت جانی وقت ہے امداد کا

ولہ

دامنِ وحشت ہے خالی دولتِ دیدار سے
رشکِ ماہِ نو ذرا پردہ اُٹھا رخسار سے

ولہ

اُٹھیں گے روزِ حشر عصا آہ کا لئے	بیمار ہیں جو نرگس دنبالہ دار کے
اپنے جینے کی تمنّا نہ رہی	جب سوئے گورِ غریباں دیکھا

پنڈت کنہیا لال ہاکسر مضطؔر

وہ دکھائے نہ خدا دشمن کو جو کہ میں نے شبِ ہجراں دیکھا
اپنے اشکوں کے مقابل ہمنے نہ کوئی گوہرِ غلطاں دیکھا
کثرتِ داغ سے سینہ اپنا روکشِ صحن گلستاں دیکھا

ولہ

شکن کھولی ہے اس زلفِ دوتا کی یہ دیکھو شامت آئی ہے صبا کی
نہیں آئی صدائے نالہ جو آج مریضِ ہجر نے شاید قضا کی
تپِ غم سے بسانِ سرمہ جل کر تری آنکھوں میں بارے ہمنے جا کی

ولہ

ہے کس میں دم جو تابِ تجلی کی لا سکے روشن ہے حال جو کہ ہوا کوہِ طور کا

ولہ

یہ حسن ہے روئے مہ جبیں کا کہ داغ ہے دل مہِ مبیں کا
وہ رنگ ہے زلفِ عنبریں کا کہ خوں جگر ہوے مشکِ چیں کا
وہ آگ ہے میرے دل میں تاباں کہ جل کے ہو خاک چرخِ گرداں
جسے سمجھتے ہو مہرِ رخشاں وہ داغ ہے آہ آتشیں کا
کروں میں فریاد کس سے جاکر کہ اپنے ہی دل نے مارا آخر
نہ تھا یہ وہم و گماں میں ہرگز کہ ہوگا یہ مار آستیں کا
نہیں عبادت کا ہے یہ قشقہ بتوں کی چوکھٹ پہ سر ہے رگڑا
نہ کھانا زاہد کا یا رو دھوکا نشان تم دیکھ کر جبیں کا
اگر کہے کوئی سوزباں سے بھلا ہو مضطر ادا کہاں سے
کیا ہے ناسخ نے آسماں سے بلند تر رتبہ اس زمیں کا

جنوں سے دل نے مرے جب سنا فسانۂ شوق دہانِ زخم سے گانے لگا ترانۂ شوق
عیاں ہے صورتِ محراب طاق ابرو سے ادا نہ کیونکہ کروں فرض ہے دوگانۂ شوق
نہ کیوں عزیز رکھوں ان کو اپنی آنکھوں میں سرشک دیدۂ تر ہیں دُرِ یگانۂ شوق
نہیں ہے جب تری جنت میں کچھ بھی لے زاہد بتا میں کس لئے چھوڑوں بھرا آستانۂ شوق

انتخاب دیوان

جلوہ ہے دو جہاں میں اُسی کے ظہور کا — خورشید ایک ذرّہ ہے اُسکے ہی نور کا
ہے کس میں دم جو تاب تجلّی کی لا سکے — روشن ہے حال جو کہ ہوا کوہِ طُور کا
طے کس طرح سے ہوگا محبت کا راستہ — ہنگامہ ہے یہی جو دلِ ناصبور کا
جب دل سے نقشِ غیر مٹایا تو حق بنا — سمجھے گا کون اس کو یہ نکتہ ہے دُور کا

ولہ

زخمِ دل تک پردہ داری عشق کی قائم رہی — لیکن اشکِ خوں سے افشار ازِ پنہاں ہوگیا
کیا لکھوں عشقِ بتاں میں مضطرِ غمگیں کا حال
دل پریشاں چشم گریاں سینہ بریاں ہوگیا

متبسم لبِ جاناں دیکھا — مثلِ گل غنچہ کو خنداں دیکھا
کثرتِ داغ سے سینہ اپنا — رو کشِ صحنِ گلستاں دیکھا
اپنے جینے کی تمنا نہ رہی — جب سوئے گورِ غریباں دیکھا
چاک ہوتا ہے گریباں سحر — کیا مرا چاک گریباں دیکھا

ولہ

ایک جھٹکے میں ترے دستِ جنوں — پاس دامن کے گریباں دیکھا
التہابِ جگرِ پُر خوں سے — چرخ پر مہر کو لرزاں دیکھا
کوئی دیکھا نہ مصیبت میں شریک — سایہ ساں سب کو گریزاں دیکھا
دیکھیں تعبیر ملے کیا اس کی — خواب میں کاکلِ پیچاں دیکھا
تابِ جلوہ کی بھلا ہو کس کو — جب خود آئینہ کو حیراں دیکھا
جو تری بزم سے نکلا باہر — مثلِ گل چاک گریباں دیکھا

ولہ

ابرو کے اشارہ سے یہ فرماتا ہے قاتل — آبوجھ اُتاروں تری گردن سے میں سر کا
کب تک یہ بھلا سختیِ بیداد اُٹھاؤں — پتھر کا کلیجہ نہیں ہوتا ہے بشر کا

زاہد کبھی بنتا ہے کبھی رند سبو کش
اس دل نے رکھا مجھکو اِدھر کا نہ اُدھر کا
اے حضرت دل یوں جو چلے مجھسے بگڑکر
اتنا تو بتاؤ کہ ارادہ ہے کدھر کا

ولہ

تصور تھا جو آنکھوں میں کسی زلف پریشاں کا
بسر کرنا قیامت تھا شب تاریک ہجراں کا
تصوّر تیرے مژگاں کا مزہ دیتا ہے یوں دل میں
کفِ پا میں کھٹکتا جس طرح خارِ مغیلاں کا
چلے جاتے ہیں ٹکڑے دل کے بہتے بہتے اشکوں میں
یہ ہے جوہر نمایاں اُسکی کاوشہائے مژگاں کا
لڑی ہے آنکھ آئینہ کی شاید روئے جاناں سے
عیاں ہے صاف صورت سے جو عالم چشم حیراں کا
اشکباری ابر کی مشہور تھی
میری آنکھوں سے مگر شرما گیا
ایک جان اور یہ بلائیں بے شمار
بس مرے اللہ جی گھبرا گیا
اُسکو یکتائی کا دعوی تھا ولے
آئینہ کو دیکھ کر شرما گیا
زلفِ پرخم کا جو دھیان آیا مجھے
سانپ سا چھاتی پہ کچھ لہرا گیا
ہے آنکھ یا ہے دور میں ساغر شراب کا
عارض ہے یا کہ پھول کھلا ہے گلاب کا
خواہش ہو جس کو حور کی زاہد اُسے ذرا
دکھلا کے باغ سبز عذاب و ثواب کا

ولہ

ابرو کے پاس خال نہیں روئے یار پر
نقطہ یہ بیت حسن پہ ہے انتخاب کا
مضطر کا حال ہجر بتاں میں نہ پوچھئے
افسانہ بن گیا ہے وہ حالِ خراب کا
گریباں سے جدا کب دم ہوے ہیں ہاتھ مجنوں کے
اُٹھاتا کیسے وہ پردہ بھلا لیلیٰ کی محمل کا
جو وقتِ ذبح تھا مجھکو تصوّر اُس کے ابرو کا
دہانِ زخم سے بوسہ لیا شمشیر قاتل کا
میں اِک آوارۂ دشتِ جنون و نامرادی ہوں
پتا اس حال میں اب کیا بتاؤں اپنی منزل کا
جسے خورشید عالمتاب کہتی سب خدائی ہے
وہ میں نے زخم دل سے چھیلکر پھینکا ہے اک چھلکا

نہ پابند تعلق ہو جو ہے آزاد دنیا میں
بھلا کیا خوف ہے پانی کو موجوں کی سلاسل کا

ولہ

سینہ سے اُس کا تیر پر افشاں نکل گیا
اپنے بھی دل کا تھا یہی ارماں نکل گیا

آتا ہے طفل اشک پہ رونا مجھے کہ وہ
وحشت میں آکے بے سروساماں نکل گیا

طوفاں کیا بپا مری آنکھوں کے جوش نے
اپنو غبار دیدۂ گریاں نکل گیا

گذری اُدھیڑ بن میں ہماری تمام عمر
دامن اگر سیا تو گریباں نکل گیا

ولہ

پیچھے پڑی ہیں دل کے یہ زلفیں بُری طرح
ممکن نہیں بچاؤ اب اُس کا کسی طرح

آئینہ سامنے سے اُٹھا ورنہ دیکھنا
روئیگا دل کے واسطے تو بھی مری طرح

بوتل بغل میں شیخ کے ہوگی دبی ہوئی
دور اُس کی آنکھ کا جو رہیگا اسی طرح

دی چشم نیم باز میں تحریر سرمہ کی
دل لینے کی یہ اُس نے نکالی نئی طرح

مضطر اگرچہ دیکھے ہیں عاشق ہزارہا
دل خستہ کوئی ہم نے نہ دیکھا تری طرح

بوسۂ لب کا کیا میں نے جو بھولے سے سوال
سُن کے مارے طیش کے وہ ہوگیا خونخوار سُرخ

نیزباراں سے وہ بسمل کے نہ باز آیا کبھی
کرلیا جب تک نہ قاتل نے لب سوفار سُرخ

ہے برنگ شعلہ روئے دختر رز تابناک
مضطر اُس کے عکس سے ہے خانۂ خمار سُرخ

تیری آنکھوں کے تصوّر میں کسے آتی ہے نیند
یہ وہ بیماری ہے جس میں صاف اُڑ جاتی ہے نیند

شوق میں انگڑائیاں لیتی ہے پر آتی نہیں
فرقت جاناں میں کیا کیا مجھکو ترساتی ہے نیند

ہے اثر یہ خفتہ بختی کا ذرا تم دیکھنا
ہجر کی شب آتے آتے آپ سو جاتی ہے نیند

مُنہ تو دیکھو کہتی ہے جب میں بلاتا ہوں اُسے
دیدۂ بیدار سے آئینہ دکھلاتی ہے نیند

کروٹیں لیتے ہی لیتے یاں تو ہو جاتی ہے صبح
خفتگانِ خاک تم کو کس طرح آتی ہے نیند

لاابالی ڈھنگ سے آتی ہے جو آنکھوں میں آج
سب تری رفتار کے انداز دکھلاتی ہے نیند

حال مت پوچھو مرے سونے کا دردِ ہجر میں
رات بھر پائے نگہ کی ٹھوکریں کھاتی ہے نیند

کوئی تم کو نہ ملا اہلِ وفا میرے بعد
ورنہ کیوں شوخ نہیں رنگِ حنا میرے بعد

تاب ہے کس میں کہ زخموں پہ چھڑکوائے نمک
لے سکے کون محبت کا مزا میرے بعد

مر گیا میں جو کہیں جور سے تیرے ظالم
کون پوچھیگا تری بات بتا میرے بعد

کہیں ایسا نہ ہو برباد مری خاک ہو جائے
جا بکوچہ میں اُسکے نہ صبا میرے بعد

پاؤں پھیلا کے بس اب خار بیاباں سوویں
اب نہ آویگا کوئی آبلہ پا میرے بعد

کیا ہی دلچسپ یہ غالب کا ہے مصرع مضطر
کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

کس قدر رکھتے ہیں یہ بت خود نمائی کا گھمنڈ
کیا انھیں میں آگیا ساری خدائی کا گھمنڈ

جو پھنسا پھندے میں اُسکے وہ نہ چھوٹا حشر تک
دل کرے کس بل پہ زلفوں سے رہائی کا گھمنڈ

ہر کس و ناکس کے مُنہ لگتی ہے ہرجائی ہے وہ
ہے تجھے کیوں دخترِ رز کی آشنائی کا گھمنڈ

دخترِ رز آئے گی محفل میں جس دم ناصحو
دیکھ لیں گے پھر تمھاری پارسائی کا گھمنڈ

نازِ زاہد کو عبادت پر ہے اور مضطر مجھے
ہے بتوں کی آستاں کی جبہہ سائی کا گھمنڈ

جلوہ کس کس رنگ سے اپنا دکھاتی ہے بہار
عاشقوں کو آتشِ گل سے جلاتی ہے بہار

ہو کے بیخود جاتے ہو صحرا میں جو گلگشت کو
زاہد و تم کو بھی دیوانہ بناتی ہے بہار

تجھ سے ہم چشمی کا دعوی کس طرح نرگس کرے
فرش گل کی جا آنکھ اپنی جب بچھاتی ہے بہار

سینۂ پر داغ میرا غیرتِ گلشن ہوا
رشک سے اُسکے ہزاروں داغ کھاتی ہے بہار

جبکہ یہ جوشِ جنوں ہے ابتدائے فصل میں
آگے بڑھکر دیکھئے کیا رنگ لاتی ہے بہار

تیز کرلے تو بھی اپنے ناخنوں کو اے جنوں
دھوم سے سنتا ہوں میں امسال آتی ہے بہار

ہے گریباں چاک گل کا تیری صورت دیکھکر
ہوگیا سو وا جنوں کو میری وحشت دیکھکر

رات دن سکتے کا عالم ہے تصوّر میں ترے
آئینہ حیراں ہوا ہے میری حیرت دیکھکر

دل کی آنکھوں سے جو دیکھا ہمنے دنیا کا طلسم
صانع کو جانا ہے مضطر اُسکی صنعت دیکھکر

جب مقابل شعلہ رو کے بزم میں آتی ہے شمع
بیٹھ کر غیرت سے سر کو اپنے کٹواتی ہے شمع

ہمسری کا کرکے دعوی ساقِ پائے یار سے
آنکھ سے اشکِ ندامت خوب برساتی ہے شمع

عاشقِ جانباز کا خوں کب گیا ہے رائیگاں
سر سے پا تک غم میں پروانہ کے جل جاتی ہے شمع

برقعِ فانوس میں روشن نہ جانو تم اُسے
داغِ دل پردے سے اپنا تم کو دکھلاتی ہے شمع

دیکھتے جنبش میں ہو مضطر جو اُس کی لَو کو تم
دل میں بیتابی ہے از حد اُس سے گھبراتی ہے شمع

جنوں سے دل نے مرے جب سنا فسانۂ عشق
دہانِ زخم سے گانے لگا ترانۂ عشق

سرشک خوں سے بھری اس میں ہے مئے احمر — بنی ہے آنکھ سبوئے شرابخانۂ عشق
نہ کیوں عزیز رکھوں اسکو اپنی آنکھوں سے — سرشک دیدۂ تر ہے دُرِ یگانۂ عشق

الٰہی روز قیامت میں بھی رہے روشن
یہ داغ دل کا ہے مضطر چراغ خانۂ عشق

ملکِ عدم کی سیر کو شاید نکل گیا — پہلو سے اسلئے نہیں آتی صدائے دل
رسوا ہوا ذلیل ہوا در بدر ہوا — اب آگے رنگ دیکھئے کیا کیا دکھائے دل
ہر دم جمال یار دکھائی دیا کرے — حاصل کرے جو آئینہ ساں تو صفائے دل

بستۂ کاکلِ دوتا ہیں ہم — ہدفِ ناوکِ بلا ہیں ہم
تم کو ہم کیا بتائیں کیا ہیں ہم — موردِ جور اور جفا ہیں ہم
اے بتو صد بھی ہے جفاؤں کی — آخرش بندۂ خدا ہیں ہم

دیکھے دل اُس بُت کو پچھتاتے ہیں ہم — ولہ پتھروں سے سر کو ٹکراتے ہیں ہم
اشک کا قطرہ بھی اب باقی نہیں — خون دل آنکھوں سے برساتے ہیں ہم
کُھل نہ جائے راز عشق اپنا کہیں — اسلئے اشکوں کو پی جاتے ہیں ہم

جائے دل سینہ میں مضطر دیکھنا
تیر کے پیکاں کو بٹھلاتے ہیں ہم

کاٹ کر سر کو مرے کہتا ہے — کیا تماشا ہے رقص بسمل میں
ہوں میں واماندہ راہِ عشق میں یوں — جیسے پاؤں کے نقش منزل میں
سحر جو اُسکی آنکھ میں دیکھا — نہ سنا ہم نے چاہ بابل میں

اُسکے تیرِ نگاہ کو مضطر
دو جگہ اپنی آنکھ کے تل میں

کہیں کیا کہ جو کچھ ستم دیکھتے ہیں — وہ دشمن نہ دیکھے جو ہم دیکھتے ہیں

ترے سروقامت کی تعظیم کو ہم قدِ فتنۂ حشر خم دیکھتے ہیں
حرم میں بتا دیکھتا کیا ہے زاہد یہاں دیر میں تو صنم دیکھتے ہیں
جو ہیں اہل بینش وہ آنکھوں سے دل کی تجھے تیرے سر کی قسم دیکھتے ہیں

پڑی ہے اوس سی پھولوں پہ اور نرگس بھی حیراں ہے
گیا گلگشت کو جو غنچہ لب میرا گلستاں میں
اسی پانی کا تھا وہ تشنہ لب ایک عمر سے ہمدم
ہوا سیراب دل میرا جو ڈوبا آبِ پیکاں میں
جنوں میں جوش وحشت سے گیا صحرا کو جب مضطر
نہ پائی نوکِ مژگاں کی خلش خارِ مغیلاں میں

سن لیجے میرے غم کی کہانی خدا گواہ ہے مختصر کچھ ایسی بڑی داستاں نہیں
شاید کہ لے گئی ہے اُسے چرخ پر ہوا میرے غبار کا جو زمیں پر نشاں نہیں
داغوں سے میرے سینہ میں کیسی بہار ہے یہ وہ چمن ہے جس میں کہ خوفِ خزاں نہیں
مسجد کی کیوں تلاش ہو سجدے کے واسطے کیا میرے بت کا شیخ کوئی آستاں نہیں
مضطر درازدستیِ وحشت کو دیکھنا
دامن کی اب تو ملتی مجھے دھجیاں نہیں

ہے کبھی اس میں خزاں اور ہے کبھی فصلِ بہار
گلشنِ عالم بھی اپنی سیر کے قابل نہیں
روح جب تن میں نہیں وہ ہے فقط مٹی کا ڈھیر
خاک ہو وہ لطف جب خود صاحبِ محفل نہیں
اے بتو کیوں اس قدر پیاسے ہو تم خوں کے بھرے
کیا خداوندِ دوعالم حشر میں عادل نہیں

آیا جو وہ تربت پر ہنگامہ ہوا برپا
محشر کا سا عالم ہے رفتار اسے کہتے ہیں

سب چھوڑ گئے مجھکو تنہا شبِ فرقت میں
بس ساتھ دیا دل نے غمخوار اسے کہتے ہیں

چھوڑی جو خودی پایا اُس نور مجسم کو
اپنے سے میں غافل ہوں ہشیار اسے کہتے ہیں

کھول آنکھ ذرا دل کی اور غور بھی کر زاہد
کثرت ہی میں وحدت ہے اسرار اسے کہتے ہیں

ولہ

کس طرح سامنا کرتے ہیں شبِ ہجراں کا
سچ تو یہ ہے کہ یہ عاشق بھی بلا ہوتے ہیں

نکہتِ گل کو صبا دم میں بتاتی ہے ہوا
پیچ اُس کاکلِ مشکیں کی جو وا ہوتے ہیں

کس طرح عشق بتاں دل میں چھپائیں مضطر
خشکیِ لب سے تو انگشت نما ہوتے ہیں

ذرا تم دیکھنا نیرنگیاں اس عشق کی یارو
پہنایا طوق منت کے بہانے اُسکی گردن میں

نہیں ہے نام کو بھی تخمِ عشرت کا نشاں اُس میں
پڑی ہے برقِ غم شاید مری ہستی کے خرمن میں

ولہ

عکس ابرو نظر آتا ہے جو پیمانے میں
بادہ کش لڑتے ہیں تلوار سے میخانے میں

ہے حرم میں تو خدائی کا اندھیرا زاہد
جلوۂ نور نظر آتا ہے بت خانے میں

بلبلو اب ہو مبارک تمھیں یہ فصلِ بہار
لے چلا جوشِ جنوں ہم کو تو ویرانے میں

جائے کعبہ کی طرف کون یہاں سے اُٹھ کر
مضطر اب بیٹھ گئے ہم تو صنم خانے میں

رُخِ روشن پہ نہیں زلفِ دوتا
گنج پر حسن کے دو کالے ہیں

گل سے رخسار دکھا کر بولے
یہ بھی کیا آگ کے پرکالے ہیں

چرخ بھی چرخ میں آیا اُن سے
تیرے عاشق کے غضب نالے ہیں

کیا بھلا کیف ہو رُ سے اُن کو
جو تری آنکھ کے متوالے ہیں

رخِ پُر نور پہ ہے اُس کے یوں لٹ سیہ موزوں
کہ ہے سیپارہ لام و میم کا جیسے کہ قرآں میں

ہوئے بسمل بھی تیرے زندۂ جاوید اے قاتل
بجھی تھی کیا تری تیغِ تبسم آبِ حیواں میں

نہ ہوں کیونکر عزیز آنکھوں سے اپنی مجھکو اے مضطر
خلش نوکِ مژہ کی سی ہے جو خار مغیلاں میں

مے کا اذنِ عام ہے جو دورِ چشمِ یار میں — محتسب کو رند دیکھا خانۂ خمار میں
جب سوا محراب کے کعبہ میں زاہد کچھ نہ ہو — پھر نہ کیوں سجدہ کروں میں ابروے خمدار میں
اشک خوں پانی کے بدلے لختِ دل جائے غذا — چارہ گر دیتا ہے مجھکو عشق کے آزار میں

ولہ

جھکایا چشمِ نرگس کو تری آنکھوں کی شوخی نے — زباں نے تیری ظالم کر دیا بے قدر سوسن کو
سلام اسلام کو ہم نے کیا مضطر اُسی دن سے
کہ جس دن سے کسی کافر کی دیکھا زلف پر فن کو
جلایا شمع ساں ہے عشق نے ہر داغ روشن کو
بنایا پردۂ فانوس ہے پیراہنِ تن کو
چمن میں تھے بہت نازاں وہ اپنی خوش بیانی سے
لگی چپ میرے نالوں سے نوا سنجانِ گلشن کو
غرض کیا تھی صبا کو مانعِ آوارگی ہوتا
اُسی نے باندھ رکھا ہے مرے دامن سے دامن کو
چلی بادِ خزاں ایسی نہیں ملتا پتہ اُن کو
چمن میں ڈھونڈھتی ہیں بلبلیں شاخِ نشیمن کو
تھی سخنگو ہاتھ مشاطہ کے ٹوٹیں جس نے ہاے — دیکے سرمہ کر دیا خاموش چشمِ یار کو
محتسب نے شیشہ ہاے بادہ کو یوں توڑ کر — کر دیا آئینہ خانہ خانۂ خمار کو
ہو گیا دامانِ صحرا دم میں رشکِ لالہ زار — کیا اثر حق نے دیا ہے دیدۂ خونبار کو
پیرِ خونریز بھی خونخوار ہوتا ہے ضرور — عمر بھر گلگوں ہی دیکھا ہے لبِ سوفار کو
ابروے خمدار کا کافی اشارہ ہے اُسے — کھینچتا ہے کس لئے مضطر یہ تو تلوار کو

ہوئی خورشید سے نسبت جو اُس کے روئے تاباں کو
شبِ یلدا بہت موزوں ہے کہنا زلف جاناں کو
جنوں قربان ہوں میں تیرے ہاتھوں کی صفائی کا
کہ ایک جھٹکے میں پہونچایا ہے دامن تک گریباں کو
کبھی کا ہو گیا کافور دل سینہ سے عاشق کے
رکھا ہے اسلئے پہلو میں اُس نے تیرے پیکاں کو
ترے ہاتھوں سے اے وحشت عجب آفت میں سوزن ہے
گریباں کے ہوے ٹکڑے سیا گر چاک داماں کو
شہیدانِ وفا کا خوں نہ چھوٹے گا چھُڑانے سے
قیامت تک اگر دھوئیگا قاتل اپنے داماں کو

شانوں پہ جو کاکلِ دوتا ہے آشوب ہے فتنہ ہے بلا ہے
دل زلف کا جب سے مبتلا ہے ہر وقت بلا کا سامنا ہے
محشر کا خوف ہم کو زاہد کیوں ہو توبہ کا در کھُلا ہے
آئینۂ دل جو ہو مصفّا رشکِ جامِ جہاں نما ہے
اس پیرِ فلک کی ناک میں دم میرے نالوں سے آگیا ہے
جب سے اُس بُت سے لَو لگائی کہئے کیا دل کا ماجرا ہے

آتی ہے جو بو کباب کی سی
شاید مضطر کا دل جلا ہے

تن پہ ہے، جو لباسِ عریانی نہ اُسے حاجتِ رفو ہوگی
گرچہ پایا دہن ہے غنچہ نے پر کہاں اُس سے گفتگو ہوگی
خوں کسی بے گنہ کا چاٹ کے آج تیری تلوار سُرخرو ہوگی

کسی گل سے نہیں غرض ہم کو — باغ میں تیری جستجو ہو گی
شیشۂ دل بغل میں ہے اپنے — کیوں ہمیں حاجتِ سبو ہو گی
بے ترے ہم کو قلقلِ مینا — صورتِ نالہ در گلو ہو گی

ولہ

سجدے کرتی ہے جو بتوں کو خلق — کچھ تو ہے شان کبریائی کی
خوب روندینگے خارِ صحرا کو — ہے قسم اس برہنہ پائی کی
آئینہ سامنے ہے آٹھ پہر — صاف صورت ہے خودنمائی کی

ولہ

تیرے جوروں کو ہم ادا سمجھے — بے وفائی کو بھی وفا سمجھے
کیا کریں لیکے خط کو اے قاصد — تیری صورت سے مدعا سمجھے
دیکھی اُسکی جو چین پیشانی — اپنی قسمت کا ہم لکھا سمجھے
تیر مژگاں لگا جو سینہ میں — اُس کے پیکاں کو دل کی جا سمجھے
بدلے اس جور و ظلم کے تجھے — اور تو کیا کہوں خدا سمجھے

حال زار اپنا نہ کہنے پایا سارا یار سے — سنتے سنتے سو گیا تقریر آدھی رہ گئی
رات کو مہتاب نے دیکھا جو عارض کو ترے — گھٹتے گھٹتے رشک سے تنویر آدھی رہ گئی
اک ذرا لکھا جو حال اُس میں دلِ بیتاب کا — ہاتھ سے خط اُڑ گیا تحریر آدھی رہ گئی
جوش وحشت میں بھلا کیونکر رُکے وحشی ترا — ایک ہی جھٹکے میں بس زنجیر آدھی رہ گئی

میرے قاتل کی نزاکت قتل کی مانع ہوئی
کھینچ کے مضطر میان سے شمشیر آدھی رہ گئی

دیکھیں چڑھتا ہے کون اُسکی نظر — کس کو وہ انتخاب کرتی ہے
کس پہ برہم ہوئی ہے زلف اُسکی — اتنا کیوں پیچ و تاب کرتی ہے
قتل کس بے گنہ کو دیکھئے آج — نگہِ پُر عتاب کرتی ہے
کیا ہی بدذات ہے یہ دخترِ رز — منہ لگے پر خراب کرتی ہے

کیسی طرار ہے زباں اُس کی　　بات میں لاجواب کرتی ہے
اُس کی خدمت میں مضطراب تقدیر
دیکھیں کب باریاب کرتی ہے

خدا نے کیا بڑھائی واہ وا تقدیر پتھر کی　　زمانہ پوجتا ہے رات دن تصویر پتھر کی
ترے دیوانہ کو ہے اس قدر جوشِ جنوں ظالم　　کہ اک جھٹکے میں سو ٹکڑے ہوئی زنجیر پتھر کی
ذرا تو بھی تماشا دیکھ آکر او پری پیکر　　کہ دیوانہ کو دیتے ہیں ترے تعذیر پتھر کی

مل گیا کیا تجھے بتا ہم کو　　خون عشاق او حنا کرکے
جھوٹی الفت جتا کے او قاتل　　قتل مجھکو کیا دغا کرکے
تیرے در پر سے بے ذکوٰۃ لئے　　ہاتھ خالی چلے دعا کرکے
عاشقوں میں شمار ہے میرا　　جاں نثاری کا حق ادا کرکے
ہجر میں مثل ماہیِ بے آب　　رات کاٹی خدا خدا کرکے
اور برہم ہوا مزاج اُس کا　　یہ نتیجہ ملا دعا کرکے
تیرے کوچہ سے چلدیا مضطر
اِک صدا مثل بے نوا کرکے

نہ ہوا خاک بھی اثر ظاہر　　تھک گئے ہاتھ بھی دعا کرکے
طاعتِ فرض ہم نے او زاہد　　کر تو لی ہے او اقضا کرکے
نہ گیا دل کے پار سینہ سے　　تیر مژگاں ترا خطا کرکے
اے طبیب اب معاف کر مجھکو　　درد دونا ہوا دوا کرکے
مضطرِ زار کی عیادت کو
وہ بت آیا خدا خدا کرکے

مضطر ـ پنڈت دیاکشن ٹوپہ صاحب

اس خاندان کے مورث اعلیٰ پنڈت دیا ندھان صاحب ٹنگلو عرف ٹوپہ دہلی میں آکر مقیم ہوئے ۔ اُن کے دو صاحبزادے تھے ۔ صاحبزادۂ اکبر پنڈت مہتاب رائے صاحب اور خورد پنڈت ولارام صاحب تھے ۔ پنڈت ولارام صاحب لاولد مر گئے اور پنڈت مہتاب رائے صاحب کے چار صاحبزادے تھے پنڈت رادھاکشن ۔ پنڈت داتاکشن ۔ پنڈت کشن نرائن اور پنڈت کنہیا لعل پنڈت رادھاکشن صاحب نے دو شادیاں کی تھیں ۔ ایک زوجہ سے پنڈت لاڈلی پرشاد تھے اور دوسری زوجہ سے پنڈت دیاکشن صاحب اور پنڈت رتن لعل صاحب تھے ۔ پنڈت رادھاکشن بہت صاحب اقبال تھے ضلع کرنال میں تین گاؤں انھوں نے خریدے اوہلی ۔ جڑولی اور ایکڑ ۔ اوہلی کا نام رادھے گڈھ رکھا اور ایکڑ کا نام مہتاب گڈھ ۔ مگر پنڈت لاڈلی پرشاد صاحب کی فضول خرچی کی وجہ سے یہ سب دیہات رفتہ رفتہ تلف ہو گئے اور ۱۸۵۷ء کے غدر میں رہا سہا مال واسباب و دیگر جائداد غارت ہو گئی ۔

پنڈت دیاکشن صاحب نے اوائل عمر میں مولوی حمزہ علیخاں صاحب ولایتی کے مکتب میں تعلیم پائی اور اردو اور فارسی میں کافی لیاقت پیدا کی انگریزی سے آپ بالکل بے بہرہ تھے ۔ جب آپ کی عمر ۱۱ سال کی تھی والد بزرگوار انتقال کر گئے ۔ ۱۶ سال کی عمر میں آپ نے سرکاری ملازمت اختیار کی اور رفتہ رفتہ آپ قسمت دہلی کے ضلع حصار میں بعہدہ تحصیلدار مامور کئے گئے اور سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں آپ کو خلعت اور ۴ مربع زمین نہر چناب پر عطا ہوئی ۔ آپ کی پیدائش کا سال ۱۸۳۹ء تھا اور ۲۷ اپریل ۱۹۰۵ء کو بمقام بھوانی (ضلع حصار) آپ نے اس جہان فانی سے رحلت کی ۔ شروع عمر سے آپ کو فلسفہ و ویدانت
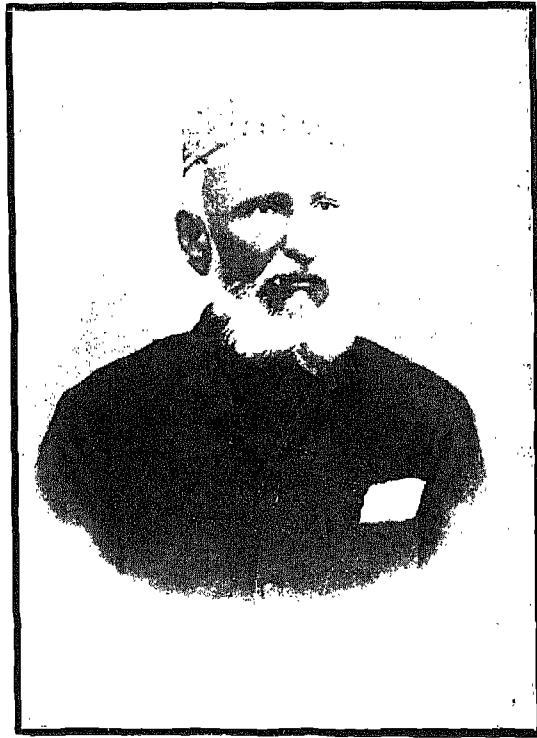
پنڈت دیاکشن ٹوپہ مضطر

اور جوگ سے خاص شوق تھا اور فقیران باکمال کی صحبت میں خاص لطف ملتا تھا چنانچہ آپ کا کلام بھی جو فارسی اور ہندی میں ہے زیادہ تر علم وحدت سے تعلق رکھتا ہے فارسی کی تین مثنویاں آپ کی تصنیف ہیں۔ رموزِ عاشقاں۔ مثنوی مضطر اور مثنوی سرّ اکبر یہ ہدیۂ ناظرین ہیں۔ ہندی میں آپ کی کئی تصنیفات ہیں۔ آنند پرکاشن بھجن مالا۔ موکش پرکرن۔ نربان پد۔ بیراگ دیپکا وغیرہ بھجن مالا سے چند بھجن ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ مرحوم نے جو مختصر سوانحعمری اپنے ہاتھ سے لکھی تھی اُن میں سے حالات مندرجہ بالا اخذ کئے گئے ہیں۔

ہندی بھجن

(۱)

آپ ہی آیا آپ ہی جایا — آپ ہی میں دو جا دکھلایا
تتوؤں سے یہ بن گئی کایا — شُدھ برہم میں مل گئی مایا
بھرانتی سے ہے دھوکا کھایا — جب ڈھونڈا تب آپ میں پایا

(۲)

ایک دن ایسی آن بنے گی ہوش رہے نہ حواس — ہوشیار ہو سُن لے مورکھ کہاں رہے تیرا باس
یہ شریر بھاڑے کا چرخہ۔ نہیں رہے تیرے پاس — بھول نہیں مشکل سے کاٹا۔ گھور نرک دس ماس
چھوٹ جائیں تیرے پُتر پتا وک۔ نکل جائے تیرا سانس — کس کارن ہے لوبھ کرے ہے۔ چھوٹ بندھ اور آس
دیا کرشن رگھبر چرنن کے۔ تت رہو تم داس

(۳)

بھج لے رام۔ سمجھ لے مورکھ۔ کس کارن تو بھاگا رے
گھور نندرا مت سوئے مسافر۔ کب سویا کب جاگا رے
بھول نہیں تو جاگیو مورکھ۔ بول مٹھے ہیں کاگا رے
اپنا سروپ لکھے جب پرانی۔ چھوڑ کے ہوئے ناگا رے
اندریوں کے بس مت ہو منوا۔ چھوٹ جائے یہ ساگا رے

من جنتری کا سوکھشم گھر ہے۔ کھینچ لے برتی دھاگا رے
دیاکرشن کرپا ایشر کی۔ چت چرنن سے لاگا رے

(۴)

آپ ہی آئے آپ ہی جائے۔ اُس کا یہی آنا جانا ہے
کون کہے آواگَون اُس کی۔ بھرانتی کھیل دکھانا ہے
بھید ہوئے سے کوئی نہ چھوٹے۔ جب ہی تناسخ مانا ہے
لوبھ موہ کو جس نے تیاگا۔ جگ میں وہ ہی سیانا ہے
رنگ سے بھیتر کپڑا نہ رنگ تو۔ یہ انگ تو ایک بانا ہے
سارا جگت ایک آنکھ سے دیکھے۔ کون کہے وہ کانا ہے
دیاکرشن اُن کے ہی شرن لے جس نے کرشن پہچانا ہے

انتخاب مثنویات

اے دل بگو اسرار خود از من چہ می پرسی بہ پُرس
ظاہر کنی اظہار خود از من چہ می پرسی بہ پُرس
حیرت ازین تو جاں شدی من تن شدم از فعل خود
دانی ہمین اسرار را از من چہ می پرسی بہ پرس
لذات دنیا را ببین زانسو نباشی نکتہ چین
دایم بہ بینی راہِ دین از من چہ می پرسی بہ پرس
حیران شدم از فکر تو اے دل خرا باتی چرا
بگذار حیرانی دمے از من چہ می پرسی بہ پرس
این نکتہ از من یاد دار غافل مشو لیل و نہار
سازی بخود این یادگار از من چہ می پرسی بہ پرس

دل را اگر قایم کنی بار دگر نزدم رسی
من تو شوم تو من شوی از من چه می پرسی به پرس

مضطر پریشانی زخواب بیدار سازد گر خدا
خود را ندانی زان جدا از من چه می پرسی به پرس

یارب بگو احوال ما من کیستم تو کیستی — خود را ندانستم چرا من کیستم تو کیستی
حیران شدم از کار تو نشناخت خود را هیچ کس — این عقده بکشا بر دلم من کیستم تو کیستی
رحم کنی بر حالِ ما از حیرتِ دنیا بر آر — ترسم که این حسرت برم من کیستم تو کیستی
خوفش به دل دارم همین عابد نیم نه زاهدین — بخشی و بنمائی چنین من کیستم تو کیستی

مضطر قرار آید چرا حاصل نگشته مدعا
دایم بگوشش آید ندا من کیستم تو کیستی

آن راز دل راکن عیان باشی تو در حفظ امان — این هم نداری حرز جان گاهے چنین گاہے چنان
ما را نمودی غیریت وحدت نخواندم بعد ازان — در حیرتم انداختی گاہے چنین گاہے چنان
بر یک سخن قائم شوی مگزار دل بر هر بیان — زنهار این معنی مگو گاہے چنین گاہے چنان
دل از خرابائی بگیر گر سجده ساز د کبریا — آن را نه پنداری جدا گاہے چنین گاہے چنان
گه فکر دنیا میکنی گه فکر حق وردِ زبان — یکسو نداری طبع خود گاہے چنین گاہے چنان

آن قدرتِ حق را به بین بردار دل از نکته چین
مضطر مگو هر دم همین گاہے چنین گاہے چنان

این طائرِ دل قبضه کن واقف شوی رازِ نهان — پرواز سازد هر زمان گه بر زمین گه آسمان
هر دم خیال عقبیٰ کنی بر ماهیت فکرت رسان — قدرت چو بینی لا بیان گه بر زمین گه آسمان
غافل مشو در کار خود کن ذکر او وردِ زبان — اینهم رساند بے گمان گه بر زمین گه آسمان
گر راز حق دانی مگو از رحمتش یابی امان — آن رتبه سازد همچنان گه بر زمین گه آسمان

مضطر ترا رحمت خدا در سینہ آید ناگہان
باشی تو خورّم در جہان گہ بر زمین گہ آسمان

یار نزدیکم و من در جستجو حیران شدم طفل در بر از ذہل غوغا بہ شہر انداختہ

رباعی

در خواب بُدم کشادم چشم بیداریِ من بخواب آمد
فہمم کہ نہ مُردہ ام نہ زندہ حیرت بقضا خطاب آمد

دیگر

پردۂ غفلت بینگیزی زمن با من و تو این حجاب افتادۂ
ہمچو آہو تشنہ در ریگ آمدہ ز آب حیران این سراب افتادۂ

دیگر

مپرس از من چہ صورت نور دیدی چسان آن روشنیِ طور دیدی
اگر خواہی بیابم صنعتِ او کجا این طالعِ دیجور دیدی

مثنوی سرّ اکبر

شغلِ حمد و نعت سازد این چنین پاک سازد جسم را از بغض و کین
من دعا خواہم برب العالمین زود بنمائی اصولِ راہِ دین
دل مشوّش میشود سیماب وش زان سبب نشناخت او حق الیقین
چہرہ نورانی ز بینائی بہ بین تا دلِ تو صاف گردد بالیقین
لذّتِ دنیا نہ کم داند چو دل زان بہ پرہیزی بود عین الیقین
عشق داری در صفاتش محو شو خوف را ہرگز مکن از نکتہ چین
یا الٰہی کُن خیالم را وسیع حرف تا یدگر بہ بیند دوربین
ابر رحمت گر ببارد بر سرم این دلِ حیران بہ پندارد کرم
ہمچو شیر و آب وصلش کن خیال این جدا کردن بسا دانم محال
ہر یکے اجسامِ ذی روح شد او باز دیگر کیست وان ہر یک از و

این سوال آرد پریشانی بدل — چون شمار آرد گنہ در آب و گل
در عنا صربے وصالش ہیچ نیست — گر گنہ آمد حسابش ہیچ نیست
سہو کردم یافتم سرّش ز دل — آنکہ خود ورزید کے ماند بہ ظل
این سزا بر عقل ما ورزد قیام — گر تو بیداری نہ گیری ہیچ نام
کن خموشی گر بجوشی راگذار — دست خود با کار داری دل بہ یار
باز سازد فضل خود پروردگار — زین عذابِ دنیوی شورشگار
گر تو داری نکتہ از من یادگار — کارسازی دل بر آن ہرگز مدار
نیز در خود این مُبین من کردہ ام — گو سے سبقت از ہنر من بردہ ام
اینہمہ واری - برو - غافل مشو — بے سبب بر نفس خود غافل مشو
ہر چہ میخواہد - ہما نرا میکند — ورنہ فہمی کیفش بر سر می زند
آہ اے دل تو کنی دوری ازو — کن حضوری تا شوی نوری ازو
ہمچو بسمل نیم جان جانم شدہ — دستِ حسرت دل برافعالم زدہ
کے خیالم بود گویم سرّ او — این چنین قدرت کہ جویم سرّ او
این سرم ہر دم بقدمش سر زدہ — دستِ رحم از عجز من بر سر زدہ
طائرِ دل گر کند یک جا قیام — باز گوید سرّ او آید بدام
می پرد ہر جا کہ بیند خاص و عام — خود پذیرد قید دنیا را دوام
اے الٰہی عفوِ تقصیرم کنی — بے رضا را دست بر گردن زنی
ہر کہ پرہیزد دوام از حرص و آز — چون نہ بکشاید بر وآن پردہ راز
فکر دنیا را کنی اے دل چرا — او ہمہ نعمت دہد ہر دم ترا
ذکر حق مگذار این نعمت کلان — باز ناید پیش آن مُردہ دلان
صبر داری زہد تقوی کن مدام — راستی را کن لباسِ خود دوام

دل بدست آری مقدم کارِ تو   رحم آید چون نباشد یار تو
بر نماز و روزه دل را قید نیست   ذکر حق بے نفس را جاوید نیست
گر بیاموزی ز مرشد حبسِ نفس   روشنی یابی بذکرِ حبسِ نفس
چشم را بر هر دو ابرو گر نهی   راز یابی تو نباشی زان تهی
نفس قایم کن به بینی آسمان   این چنین عادت کنی در هر زمان
روشنیِ نور بینی زین عمل   لیک عامل بین برائے این شغل
از زبانِ کذب نامش را بگیر   کن تحرک قلب تا باشی وزیر
گفتمش این راست می بینم کلام   مرشد آرم از کجا زین عقل خام
رهنمائی کن که محتاجم همین   باز یابم الغرض آن راه دین
این صدا آمد بگوشم ضبط کن   کن تفکر و ایجا این ربط کن
قطرهٔ شهوت اگر داری بقبض   زین ترقی روشنی یابی بنفس
قطره قطره گر فراهم شد ازان   بنگری دریائے نوری الامان
این صفت را گر تو رهبر میکنی   روز و شب آن حج اکبر میکنی
بر الف با تا نظر داری مدام   نام او قلب اللسان گیرد دوام
کن خیالش مستقل لیل و نهار   کار تو بهتر کند پروردگار
معنیِ حق گر بفهمی از عدد   تا زنی هر حرف را برسه عدد
راز پنهان را عیان کردیم ما   گوئے سبقت بے گمان بردیم ما
سجده کردن را ندانی سجده بین   خود نشستن را نه دانی خورده بین
گر بیاموزی نشستن عابدان   باز بنشینی نه پیشِ جاهلان
از نشستن قبضهٔ دل میکنی   ورندانی خود ز مرشد ره زنی
عجز و مسکینی بر آرد کارِ تو   راه بنماید به یادِ یار تو

این کلام جذبۂ دل ساختہ — ہر کہ این مطلب ز مرشد یافتہ
بے گمان کارش نمایان گشتہ است — بر قدومش سر نگون سر بستہ است
یا الٰہی عفو تقصیرم کنی — از گنہ گر صاف تقدیرم کنی
من نمیدانم کدام این گفتہ است — از زبانم خود بخود در سفتہ است
درجۂ غوث و ولی تو دادۂ — زین عنایت جسم من آزادۂ
از کثافت جسم ما را صاف کن — وز تجلّی قدرتے زر باف کن
تو مشو مضطر خدا بخشد ترا — گر کنی سجدہ نہ رحم آید چرا
دست ما و ریار و یارم در سر است — من نمیدانم کدام این رہبر است
کاش این چشم چو بودے نور بین — وز عنایت خود نمودے دور بین
گر تو دنیا را بخواہی در خدا — اینہمہ دشوار خود را کن جدا
بگذر از دنیا خدا حاصل شود — کن عبادت دل بدو شاغل شود
یا الٰہی انچہ در دل داشتم — پیش تو نذرانہ اش بگذاشتم
گر بہ بخشی ور نمائی راہ دین — دل شود قایم مرا آید یقین
ورنہ مشتِ خاکِ من بر باد رفت — ور تحیّر نام تو از یاد رفت
پیشتر گفتم رموزِ عاشقان — مثنوی مضطر نہادم بعد ازان
چون نشد خورسند آہ شاہِ جہان — سرّ اکبر را نمودہ خود عیان
گر نماید رحم خود گنجایش است — عام را زین فیض خود فہمایش است
سرّ اکبر مثنوی اے دل بخوان — تا نداری فکر دنیا ہر زمان
راز در ہر مثنوی گشتہ نہان — حصہ یابد ہر کہ خود بستہ میان
گر سزا دارم بہ بخشی راہ دین — رحم فرمائی بہ عاجز این چنین

این دعا - بخشد الٰہی - ہر کسے
ہر کہ خواند - آرزو دارم بسے

رموزِ عاشقاں

الٰہی مدحتِ تو از زبان آرم زبان سوزد
اگر ظاہر کنم باطن درون قلب اللّسان سوزد

نمی بینم بخود طاقت کہ من وصفش ادا سازم
ہمین بہتر کہ در راہش تنِ خاکی فدا سازم

درین کون و مکان بینم محیطِ ذاتِ پاکِ تو
بہ بخشا رحم فرما صاف کن این تودہ خاکِ تو

خدایا عاجزی و بیکسی را رحم فرمائی
بچشمِ باطنی روے تجلّی را تو بنمائی

اگر دعویٰ کنم باطل شود از پیشگاہِ تو
ہمان بہتر کہ خاموشی پذیرم در نگاہِ تو

جلالِ او جمالِ او اگر بینی کمالِ او
بحیرت افگنی دل را مبین اسرارِ حالِ او

تعلق ترک کن از کُل ہمین زہد و ہمین تقوےٰ
تحرّک گر بدلداری ہمین دنیا ہمین عقبیٰ

اگر ظاہر پرستی باطنی سامان پیدا کن
زجوہر معنوی رازِ نہانی را ہویدا کن

بہ دیر و کعبہ میجوئی کجا یابی جمالِ یار
زچشم جا بجا بینی شوی محرم ازین اسرار

صداے دردناکم بشنوی رحمت نفرمائی
کہن جامہ کہن بلبل کہن صحرانہ بنمائی

بحیرت این قدر گویم کہ این بلبل کہن جاآ
چرا نشناخت خود را میکند افسوس این خامہ

تو از قدرت چرا این پردۂ غفلت بیفتادی
بہ بندے ہند کروی چون ندادی چشم آزادی

مکن اوقاتِ خود ضائع بدانسودم بدم اے دِل
اگر ذکرش زبان راند کند طے سخت آن منزل

وصالِ یار گر خواہی بکن پرہیز از دنیا
تعلق دل مدار از وے برو بگریز از دنیا

بدنیا مطلبم اینست غافل از خدا بودن
اگر غافل نہ سودے نباشد از جدا بودن

الٰہی کن دعاے من قبول از بارگاہِ خود
مرا نزدیک خود داری مکن دور از پناہِ خود

اگر دنیا نباشد من کجا بودم تماشا بین
رموزِ عشق کے دانم کنم خواہش تہِ دنیا دین

بہر دم ہوش داری گر نگہ بر ہر قدم داری
کس و ناکس میازاری برآرد کار تو باری

الٰہی گر خطاے ما اگر بینی بہ بخشی تو
رحیمی و کریمی وازین اوصاف بخشی تو

حواسِ خمسہ باطن را اگر قابض شوی ہمدم
تنفّر خود بخود سازی ترا کارے نشد زین کم

الٰہی چشم بکشا صاف کن قلبِ سیاہم را
زآبِ رحم شوئی داغ عصیان و گناہم را

خموشی گر بجوشی راکند تاثیر مدهوشی ‌ ‌ تکلّم ظاهری دانی یقین گردد ز بیهوشی
خدایا عفو تقصیرم کنی بهتر شود کارم ‌ ‌ درین سودای فکرِ خود نهایت عاجز و زارم
حیاتِ مستعارم گر بسر آید بذکرِ او ‌ ‌ ازان بهتر نه پندارم اگر باشم به فکرِ او
نمیدانم که تو به چیست هر کس میکند کس را ‌ ‌ نه معنی تو به می فهمد نمیداند عمل بس را
تعجب نیست گر فریاد ما را بشنوی یارب ‌ ‌ که محتاج و لیکن ما را توئی فریادرس یارب
بفریادم رسی انصاف سازی رحم فرمائی ‌ ‌ منِ گمراه را از قدرتِ خود راه بنمائی
ز انصافش توقع و مبدم ما را همین ماند ‌ ‌ نجاتِ ما نمودی اے الٰهی همچنین ماند
کجا شمس و کجا شرف و کجا منصور دانشمند ‌ ‌ بران عبرت به بین هش باش در دل دار این پند
مرا عظمت شود از تو ترا خدمت شود از من ‌ ‌ نمیدانم ازین هر دو کدام از تو کدام از من
به بندی چون درِ دنیا همین صورت تناسخ بین ‌ ‌ تنفّر کن ازان هردم دوام این نکته را نسخ چنین
نه از عظمت خبر داری نه شوکت را روا داری ‌ ‌ اگر داری خدا داری بکن عادت وفاداری
تو خود نوری ولے دوری مشابه عکس هر شے کن ‌ ‌ ازین دنیا مشو غافل کنی او را ز بیخ و بُن
اگر وصلش به بینم هیچ در نظرم نمی آید ‌ ‌ تماشا همچو بازیگر به بین این شغل دل باید
دلا گر اوج خواهی کن ریاضِ زهد و تقوی را ‌ ‌ فراهم گر کنی توشه نداری فکر عقبیٰ را
ازین خوابِ کلان دنیا اگر چشمم به بکشائی ‌ ‌ ترا مشکل نمی بینم بمن این رحم فرمائی
توکّل را غنیمت دان از و زر دار میباشی ‌ ‌ تحرّک دل کنی هردم از و هشیار میباشی
نمیدانم الٰهی این وجودم هست یا غفلت ‌ ‌ ز تاریکیِ باطن این هویدا شد بدل ذلّت
وے در خواب بودم این صدا آمد بگوشِ من ‌ ‌ همین تشبیه عالم دان مکن اظهار جوشِ من
خدایا دستگیری بندگانِ خود اگر سازی ‌ ‌ ز نورِ رحمت نه کم باشد ز عقبیٰ بے خطر سازی
نصیحت گوش کن هردم چو پرهیزی ز حرص و آز ‌ ‌ الٰهی روشنیِ دل به بخشد کام یابی باز
به چشمِ ظاهری هرگز نه بینی جلوهٔ نورش ‌ ‌ اگر دانی به باطن بین ببینی ز خود دورش
دلا از آه مظلومان به پرهیزی شود رحمت ‌ ‌ اگر عادت کنی ظالم با ندر وز و شب زحمت

به دنیا هرچه بینی کن خیالِ اعمالِ ماضی را　　بذکرش صاف کن هرگز مساز اندیشهٔ قاضی را
کنی عادت خدا ترسی مرادِ تو برآید دل　　ازان یابی رهِ عقبیٰ به آهسته رسی منزل
ضمیرم را به بین نفرت برین دنیاے دون دارد　　چه سازم فکرِ عقبیٰ را ز غفلت سرنگون دارد
الٰهی حالِ من دانی برافعالم کنی رحمے　　ازان ممکن شود کارم برآرم گر ازین وہمے
الٰهی پردهٔ غفلت چرا بر عقل افتادی　　چراغِ نور روشن کن که باشد خانه آبادی
عفوسازی عفوسازی اگر کارم خطا باشد　　درونم اندرون توبه کند تا دل صفا باشد
تحیّر بین ز تاریکی رسن چون مار می آید　　چو علمش گشت دانستی مجسّم یار می آید
سرابِ عقل دیدی علمِ عرفان را نمیدانی　　درین عالم چرا باشی تو دانی هرچه میدانی
بسا پرهیزگاران صالحان تسبیح دستان را　　ازین حیرت به عجز افتاده دیدم پیش مستان را
خدا اگر پرده بردارد به دل آید قرار هردم　　وگرنه این پریشانی نمیگردد بهر کس کم
دمے قابو کنی دل را حفیظِ نفس خود یابی　　نه جنبانی چو آبِ دل به بینی چهره مهتابی
ازین دنیا تنفّر کن شرابِ وصل گر نوشی　　به شغلش صاف باطن کن گذار این جام بیهوشی
الٰهی آبروے من نهی از نکته چینی هر دم　　غریبان را پناهِ تو نمائی راه دین هردم
مرا جوشِ جنون از علمِ مذهب خود چنان آمد　　که در اظهارِ وصفش قدرتی دیگر زبان آمد
چو نامش از زبان گیری نمی بینم بر و تاثیر　　اگر قلب اللسان گیرد اجابت کن بر و تعبیر
اگر اظهارِ دل کردی خطا داری ز گویائی　　خموش هرگز مجوش آن راه باطن را تو جویائی
هزاران شکر بر نعمت که می بخشد درین عالم　　غنیمت دان همین معنی نمی بیند بر افعالم
خدا رحمت کند بر تو مشو مایوس زین درگاه　　همان دم رحم فرماید ز دل سجده کنی هرگاه
الٰهی گر دعائے من قبول افتد زهے عزت　　که هر این نسخه خواند دائما ماند بر و رحمت
ندانم کیستم از آمدن مطلب چه میدارم　　مثالِ عنکبوت آمد صحیح بر حالتِ زارم

رموزِ عاشقان گفتم نهادم نام با تشبیه
دلِ مضطر به استقلال آمد گشت این تشبیه

پنڈت دیناناتھ مدن مجہز

مظہر۔ پنڈت نرائن داس صاحب ہکّو

ابرِ رحمت کے مزے آتے ہیں میخواروں کو
حق نے یہ مرتبے بخشے ہیں گنہگاروں کو
انکو گرنے دے نہ مستوں کو پکڑ اے ساقی
سجدۂ شکر میں جانے دے گنہگاروں کو

معجز۔ پنڈت دینا ناتھ مدن صاحب خلف اصغر رائے بہادر پنڈت جانکی ناتھ مدن صاحب دہلوی۔

آپ کی پیدایش ۱۸۷۴ء میں بمقام دہلی ہوئی۔ عہد طفلی میں احکام قضا و قدر سے آغوش مادر سے جدائی ہو گئی۔ یعنے ۱۸۷۶ء میں والدہ عزیز کا انتقال بمقام آگرہ ہو گیا۔ پرورش بڑی ناز و نعمت سے ہوئی اور تربیت بہ احتیاط کمال۔ ابتدائے ایّام میں گورنمنٹ مڈل اسکول واقعہ چھتہ شاہ جی میں تعلیم پائی۔ زاں بعد گورنمنٹ ہائی اسکول دہلی میں انٹرینس تک شامل رہے اسکے بعد سینٹ اسٹیفنز کالج میں داخل ہوے جہاں سے ڈگری حاصل کی۔ کُل زمانہ تعلیم میں آخری مرحلۂ ڈگری میں وقت واقع ہوئی کہ ایک سال سنسکرت میں ناکامیابی کی وجہ سے توقف کرنا پڑا جناب والد مرحوم کے خیال کی پابندی کی وجہ سے ڈگری کے امتحان میں سنسکرت لی گئی تھی ورنہ ابتدائی مدارج میں اردو اور فارسی کورس شامل تھا۔ تعلیم اوّل کا سلسلہ ڈگری کے ساتھ ۱۸۹۸ء میں ختم ہوا مگر سلسلہ تعلیم ملازمت کا جاری رہا۔ چنانچہ بمقام اجمیر دفتر آڈٹ ریلوے میں کام سیکھتے رہے اور سوپیریر اکونٹس کے لئے نامزدگی ہوئی۔ اُس وقت ملازمت ریلوے ترک کرکے امتحان کی تیاری میں مصروفیت رہی۔ اس امتحان کے اعلیٰ درجہ میں کامیابی نہ ہو سکی البتہ اکونٹنٹ کے ابتدائی مرحلہ سے آغاز ہو کر ڈویژنل اکونٹنٹ کے انتہائی درجہ پر ترقی کی یہ پنجاب کے

اضلاع لاہور۔ جالندھر۔ انبالہ۔ کانگڑہ۔ گجرات۔ لائلپور۔ ملتان۔ حصار۔ شملہ دہلی۔ گورگاؤں۔ کرنال میں ڈویژن کے چارج میں رہے۔ اب کرنال میں تعینات ہیں اردو علم ادب اور فارسی ادبی درسیہ کتب کی تعلیم ابتدائی گھر پر ہوئی تھی۔ بعد میں مدرسہ و کالج میں تکمیل پائی۔ مذاق کلام ابتدا سے تھا مگر چونکہ دن رات بھگوت گیتا اور تصوّف کی کتب پر جناب قبلہ مرحوم سے گفتگو اور بحث ہوتی رہتی تھی اسلئے اُن کے خیالات نے طبیعت کو اپنے رنگ پر ڈالا تھا۔ ۱۸۹۷ء میں پنڈت دینا ناتھ نے اردو زبان سے بھاشا میں ترجمہ برہم درشن کا کیا جو نہایت مقبول ہو چکا ہے۔ اُسکے بعد سری مدبھگوت گیتا کا ترجمہ اردو زبان میں اشلوک وار کیا گیا جو مخزن اسرار کے نام سے مشہور ہے اور نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔ اسکے علاوہ ترجمہ اردو سری مدبھگوت گیتا میں جناب قبلہ مرحوم کو بہت امداد دی ہے۔ شعر گوئی کا شوق ۱۹۱۵ء سے شروع ہوا جب سے کہ آپ کے برادر کلاں پنڈت امرناتھ مدن ساحر نے دہلی میں بزم سخن کی ترتیب دی۔ اور ماہوار جلسوں کے علاوہ سالانہ جلسے بڑے پیمانہ پر ہونے شروع ہوئے کلام کا موازنہ خود کلام سے ہو سکتا ہے۔ رموز تصوّف کو عام فہم زبان میں اچھا لباس پہنا کر پیش کیا گیا ہے۔ طبیعت کی شوخی کی جھلک اکثر اشعار میں پائی جاتی ہے۔ تشبیہات اور استعارات کا استعمال تامّہ ہے۔ عبارت کی چستی لطف دیتی ہے ہندی بھاشا میں بھی عرصہ چار پانچ سال سے طبع آزمائی ہوتی ہے کہ ہندی کوی سمیلن کا جلسہ بھی سالانہ بزم سخن کے اجلاس کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔

بصیرت کی نظر سے حق و باطل دیکھتے جاؤ ۔۔۔ خدائی اور خودی کی حدّ فاصل دیکھتے جاؤ
اُدھر سے شان یکتائی اِدھر سامان یکرنگی ۔۔۔ برابر وحدت و کثرت کی محفل دیکھتے جاؤ
اگر کچھ دیکھنا منظور ہے چشمان باطن سے ۔۔۔ صفا کا آئینہ رکھکر مقابل دیکھتے جاؤ

بشر کی ہستیٔ موہوم کو اس بحرِ عالم میں حباب آسا علیحدہ اور شامل دیکھتے جاؤ
ازل سے نطقِ انساں میں ہے حرف و صوت کی شرکت مرکب نقطہ میں معنی کو داخل دیکھتے جاؤ
وفورِ عشق کا انجام باہم بے حجابی ہے نگاہِ قیس سے لیلیٰ کا محمل دیکھتے جاؤ
رموزِ باطنی کے لطف سے محروم واعظ کی طبیعت گلشنِ رضواں پہ مائل دیکھتے جاؤ
تماشاگاہِ عالم میں غرضمندوں کی نظروں کے مقابل پردۂ پندار حائل دیکھتے جاؤ
غمِ دنیا و مافیہا سے حاصل کر کے یکسوئی دلِ بے مدعا میں جذب کامل دیکھتے جاؤ
رضائے ناخدا پر چھوڑ کر کشتی تلاطم میں توکل کی نگہ سے سوئے ساحل دیکھتے جاؤ
بزرگانِ سلف کا شاہراہِ دین و دنیا میں نشانِ نقشِ پا منزل بمنزل دیکھتے جاؤ
انانیت جدا کر کے بنی آدم کی خلقت میں خمیرِ آب و باد و آتش و گل دیکھتے جاؤ
محاسب بن کے نیکی اور بدی کا لوحِ ہستی پر حسابِ عمر کی باقی و حاصل دیکھتے جاؤ
کبھی تو عکسِ محبوبِ حقیقی روبرو ہوگا نگاہِ شوق سے آئینۂ دل دیکھتے جاؤ

یہ مانا ساری دنیا سیرگاہِ حسن ہے معجزؔ
جو جلوہ ہے نگاہِ دل کے قابل دیکھتے جاؤ

سایۂ پندارِ ہستی گر فنا ہو جائیگا نورِ دل آئینۂ روئے بقا ہو جائیگا
دیدۂ باطن جو وحدت آشنا ہو جائیگا جلوۂ حق عالمِ کثرت نما ہو جائیگا
سرمۂ وحدت کھنچے گا جب نگاہِ شوق پر حسنِ خوباں عکسِ شانِ کبریا ہو جائیگا
گنبدِ مینا پہ جائیگی جو میکش کی نظر ماہِ نو ساغر بدستِ دلربا ہو جائیگا
کوچۂ سوزِ محبت میں دلِ بیتاب کو خاکساری سے میسر کیمیا ہو جائیگا
جوہرِ تیغِ فنا سے آب نوشی شرط ہے زندگیٔ جاوداں حکمِ قضا ہو جائیگا
ظلمتِ بحرِ جہاں میں پرتوِ نورِ خدا کشتیٔ عمرِ رواں کا ناخدا ہو جائیگا
جنبشِ تارِ نفس کب تک رہیگی نغمہ خیز ایک دن یہ سازِ ہستی بے صدا ہو جائیگا

نزع میں کب تک رکھینگے زیست کی لپستگی
آخرش دستِ اجل مشکلکشا ہو جائیگا

روح ناجی توڑ دیگی جب طلسمِ عنصری
علم ہستی واصلِ کیفِ بقا ہو جائیگا

اے بشر بحرِ حقیقت میں شناور ہو کے دیکھ
زعمِ باطل وقفِ تسلیم و رضا ہو جائیگا

نغمۂ توحید سنکر عندلیبِ زار سے
گوشِ گل دمساز قانونِ وفا ہو جائیگا

خلوتِ دل کے اگر درباں ہے چشم و زباں
حق سے پورا ایک دن عہدِ وفا ہو جائیگا

بزمِ ہستی میں مثالِ شمع ہوں روشن ضمیر
اہل دل پر منکشف یہ ماجرا ہو جائیگا

گلشنِ معجز سے آتی ہے نسیمِ عطر بیز
دل شگفتہ مجمعِ احباب کا ہو جائیگا

جذبۂ نور میں جب تک اثرِ نار نہ تھا
جلوۂ حق کا فرشتوں کو بھی دیدار نہ تھا

قلبِ سالک سے رواں کب دمِ ایثار نہ تھا
چشمِ مجذوب سے کب کیف کا اظہار نہ تھا

اہل باطن کی نگاہوں میں گل و خار نہ تھا
باطنِ خار میں کب جلوۂ گلزار نہ تھا

کفر و ایماں میں جدائی نہ ہوئی تھی جب تک
فاصلِ دیر و حرم پردۂ پندار نہ تھا

خود نما کو تھی بس آہستہ خرامی منظور
سایۂ زلف سے کچھ دوش گرانبار نہ تھا

تھا عجب شاہدِ یکتا کا سراپا موزوں
مانعِ دید مگر جلوۂ رخسار نہ تھا

محرمِ رازِ ازل نے یہ معمہ کھولا
شکلِ تثلیث میں توحید تھی زنّار نہ تھا

نقش تھا سورۂ اخلاص کی پیشانی پر
قشقہ تعویذِ طلسماتِ ریاکار نہ تھا

دیدۂ دل تھا مئے نورِ سحر سے مخمور
شاغلِ کیف نظر خفتہ و بیدار نہ تھا

کیوں سماتا نہ سویدا میں جہانِ راحت
نقطہ آزار کشِ گردشِ پرکار نہ تھا

ہو گیا روح کو شہرگ سے گزر کر معلوم
جادۂ اہلِ فنا سہل تھا دشوار نہ تھا

لب کشائی سے یہ اربابِ صفا جان گئے
معجزِ سحر بیاں واقفِ اسرار نہ تھا

بہارِ خوشۂ رز ہے شرابِ ارغواں ہونا
فضائے علم عرفاں سے سُرورِ جاوداں ہونا

سکونِ دل ہے رفتارِ نفس کا رازداں ہونا
عروجِ باطنی ہے خاکپائے سالکاں ہونا

کسی کا شعبدہ ہے فطرتِ انساں کے پردے پر
نگاہوں سے عیاں ہونا رگِ جاں میں نہاں ہونا

کہیں خورشید کا جلوہ کہیں ظلمت کا نظّارہ
زمیں کی گردشِ قسمت ہے زیرِ آسماں ہونا

بگولہ بن کے گو اُڑتے رہیں یہ خاک کے ذرّے
لکھا ہے اُن کی پیشانی پہ زیرِ آسماں ہونا

دلالت کر رہا ہے داورِ محشر کی ہستی پر
زمانِ حال میں دنیا کا زیرِ امتحاں ہونا

کبھی اُس کو بھی راہِ گنبدِ مینا دکھائیگا
نظر کا بازیِ چوگاں میں سوئے گردگاں ہونا

مکرّر زندگی کا نقش دکھلاتی ہے بیداری
مکرّر موت کا پیغام ہے خوابِ گراں ہونا

ثبوتِ ہستیِ جاوید ہے اس دارِ فانی میں
بزرگانِ سلف کا صاحبِ نام ونشاں ہونا

رموزِ عشق کے اظہار میں لاحق ہے دشواری
کلیمؔ آساں نہیں اہلِ وفا کا ہمزباں ہونا

دلیلِ شاعری ہے خال و عارض کا بیاں جبتک
روا ہے مُعجزِ باطن نگر کا بے زباں ہونا

کسی کا چہرہ عالمتاب ہے شمس و قمر ہو کر ۔۔۔ نمایاں ہے کسی کی زلف شبگوں بحر و بر ہو کر
سمایا کوئی تل میں آنکھ کے نورِ بصر ہو کر ۔۔۔ محیطِ عالمِ امکاں بنا تارِ نظر ہو کر
سمٹ آئی کسی جا نازکی موئے کمر ہو کر ۔۔۔ دوبالا ہو گیا جوبن کہیں شق القمر ہو کر
کسی کا حسن نو آموز ہے غنچہ کی صورت میں ۔۔۔ سبق دیتا ہے کوئی پختہ کاری کا ثمر ہو کر
کسی کے خالِ رُخ کی روشنائی لوحِ ہستی پر ۔۔۔ نظر آتی ہے مرکز دایرہ زیر و زبر ہو کر
نسیم صبح نکہت ہے کسی کے زیورِ گل کی ۔۔۔ کسی کی چشم خواب آلود ہے رنگِ سحر ہو کر
کسی کی داستانِ عشق ہے منقارِ بلبل میں ۔۔۔ سماعت کر رہا ہے کوئی گوشِ گل میں زر ہو کر
مگس تمثال ہے شیر و شکر میں کوئی آغشتہ ۔۔۔ کوئی آزادہ رو ہے دُود پیچاں شمع پر ہو کر
نفس کا دورِ حیواں میں کسی کے دم سے جاری ہے ۔۔۔ رموزِ معرفت کا کوئی جویا ہے بشر ہو کر
رگِ جاندار سے وحدت سرا ہے کوئی در پردہ ۔۔۔ بجاتا ہے کوئی ناقوسِ کثرت پردہ در ہو کر
جہالت کی شبِ تاریک میں آوارہ دنیا کو ۔۔۔ دکھائی مشعلِ عرفاں کسی نے راہبر ہو کر
نیاز و ناز حسن و عشق کا پردہ اُٹھا ڈالا ۔۔۔ دلوں سے جذبِ کامل نے کسی کے با اثر ہو کر
جلایا آتشِ فقداں میں رختِ بے ثباتی کو ۔۔۔ فنا کا راز بتلایا کسی نے باخبر ہو کر
کسی کے جنبشِ لب نے عطا کی جانِ مُردوں کو ۔۔۔ کوئی پیغام لایا موجدِ شق القمر ہو کر
حلاوت ہو گئی حاصل کسی کو جام کوثر کی ۔۔۔ سنانِ خنجرِ سفاک سے سینہ سپر ہو کر

ہجومِ فکرِ باطل میں یقینِ وحدتِ ایزد
نوشتہ ہے دلِ معجزؔ پہ نقشِ کالحجر ہو کر

رنگِ شفق ہے سینہ میں لعلِ یمن میں گُل ۔۔۔ عکسِ قمر ہے عارضِ دُرِّ عدن میں گُل
آبِ رواں کا نشو و نما ہے چمن میں گُل ۔۔۔ زندہ دلی ہے دامنِ سالِ کہن میں گُل
خلوت گزیں ہے غنچۂ دل میں تو وقتِ شب ۔۔۔ کھلتا نیا ہے روز ترے انجمن میں گُل
فانوسِ تن سے روشنیِ داغہائے دل ۔۔۔ چھنکر دکھا رہی ہے ترے پیرہن میں گُل

حسنِ ازل کا آئینہ ہے عشقِ سرمدی
ہے تازگی نشہ شرابِ کہن میں گل

بود و فنا ہیں نخل تمنّا کے برگ و بار
آیندہ زندگی کا نشاں ہے کفن میں گل

باطن سے رو نما ہیں نہالِ نفس کے ساتھ
دل میں فضا گلو میں شگوفہ دہن میں گل

اہلِ وطن کے دیدۂ امید وار کو
آتا نظر ہے ذرّۂ خاکِ وطن میں گل

بادِ بہار کو لبِ مُعجز نے چھیڑ کر
کیا خوشنما کھلائے زمینِ سخن میں گل

پسِ نگاہ جو پنہاں ہے عین وحدت میں
نظر کے سامنے پیدا ہے شکلِ کثرت میں

جو بوئے رنگ ہے سیرت میں اور صورت میں
وہی ہے غنچہ و گل خلوت اور جلوت میں

نفس کے دورِ تسلسل میں ہیں یہ جذب و سلوک
کہ مہر و ماہ کو گروش ہے چرخِ قدرت میں

نگاہِ شوق نہ ہو دلفریب کیا معنی
فریبِ حسن ہے نقش و نگارِ فطرت میں

دلِ ہزار لُبھا نے کو ایک عشوہ تما
اسیرِ گل میں ہے آزادہ رو ہے نکہت میں

زہے نصیب کہ اس دل نے اُڑتی اُڑتی سنیں
جو حسن و عشق کی سرگوشیاں تھیں خلوت میں

مجاز تک ہی رہا امتیاز دیدۂ و دل
یہ دونوں ایک ہوئے منزلِ حقیقت میں

حواس و دل مری صورت کو ڈھونڈھتے ہی رہے
قدم بڑھا جو مِرا عرصۂ لطافت میں

نگاہِ یاس دکھا دہ تجلّیاں پیہم
طلوعِ صبح کا منظر ہو شامِ غربت میں

فضائے عالمِ قدسی اُسے نصیب نہیں
جو مرغِ دل ہے گرفتار دامِ الفت میں

رموزِ عشق پہ کیوں لب کشا نہ ہو معجز
سخن کی قدر رہے اہلِ سخن کی صحبت میں

زبان گنگ ہے تعریفِ لا مکاں کے لئے
خیال لُنج ہے تفتیشِ بے نشاں کے لئے

دل ایک شعبدہ گر ہے نشاطِ جاں کے لئے
کہ پتلیاں مری رہبر ہیں دو جہاں کے لئے

بہم ہیں کیف کے سامان قلبِ انساں میں
خودی یہاں کے لئے بیخودی وہاں کے لئے

نہاں ہے ظلمتِ سینہ میں شعلہ بارِ نفس
غلاف ہے شبِ دیجور کہکشاں کے لئے

فروغِ حسن ہے غارت گرِ نقابِ خودی
کہ پردہ در شبِ مہتاب ہے کتاں کے لئے

فلک پہ طائرِ قدسی ہے محوِ آرایش — کہ لائے انجم شب تاب آشیاں کے لئے
یقیں کی راہ پہ چلنا بشر کو مشکل ہے — ہزار وسوسہ ہیں طبعِ بدگماں کے لئے
عنانِ صبر ہو جس نا خدا کے ہاتھوں میں — وہ جستجو نہیں کرتا ہے بادباں کے لئے
مئے فنا کے قدح کش ہیں اپنے حال میں مست — تلاش کون کرے عمرِ جاوداں کے لئے
سرورِ زہنتِ دل ہے تو نور رونقِ چشم — وہیں درست ہے جو چیز ہے جہاں کے لئے

بلند پایہ ہے خورشید جس کے سجدہ میں
خمیدہ ہے سرِ معجزؔ اُس آستاں کے لئے

نیرنگِ تماشائے جہاں پیشِ نظر ہے — پُتلی کے پسِ پردہ کوئی شعبدہ گر ہے
دیکھا یہ نشانِ خونِ تمنا سرِ محشر — آلودۂ خوں دستِ فلک شام و سحر ہے
سیاروں کی محفل میں کسی مہرجبیں کا — آئینۂ رخسار نما قرصِ قمر ہے
سورج کی شعاعوں کا نہ کچھ بیش نہ کچھ کم — بت خانے میں کعبہ میں کلیسا میں گذر ہے
موجود وہ ہر دم ہے مگر آنکھ سے اوجھل — اس رازِ خفی کی دلِ عارف کو خبر ہے
خدامِ ازل گرچہ ہیں جنات و ملائک — جوئندۂ اسرارِ ازل ذاتِ بشر ہے
آئینۂ قدرت میں ہے صورت کا اُلٹ پھیر — جو بیج شجر ہے وہی انسان کا سر ہے
ایک نخل کی شاخیں ہیں یہ اوصافِ سہ گانہ — احساس شگوفہ ہے تو کردار ثمر ہے
انوارِ تجلی پہ کراماتِ نفس سے — اعمال کے سانچہ میں ڈھلی روحِ بشر ہے
ایماں کے آغوش میں ہے کفر کا شاہد — اقرار کے پہلو میں ہے انکار جدھر ہے
عشرت کدۂ رند ہو یا خلوتِ صوفی — ایک شمع کو دونوں میں مساوات نظر ہے
علمائے طریقت کے نشاناتِ کفِ پا — جس سمت نمایاں ہیں وہی راہگذر ہے

تسخیر کیا تو نے زمانے کے دلوں کو
معجزؔ ترے الفاظ میں جادو کا اثر ہے

مغموم۔ یکے از ارباب قوم مقیم جیپور ۱۸۷۷ء

قطعہ تاریخ وفات پنڈت برج ناتھ ٹکّو صاحب منصرم مستری خانہ ریاست جیپور

الااے رہ نورد عالم قدس — بجانت رحمت وجایت بجنّت
بغم بگذاشتی مارا و رفتی — وفا بگذاشتی اسے بے مروّت
امید از تو چنین ہر گز نبود آہ — نمودی و فعتاً قطع محبّت
چرا رحمے بفرزندان نکردی — نکردی تو بجانِ خویش رحمت
زجیون لال گر بر داشتی دل — بکاشی کاش حی بودی بہ الفت
دریغا حسرتا افسوس وہیہات — بپا کردی چہ کردی این قیامت
چہ کردی برجناتھ لے واچہ کردی — کہ روزے شد چنین روزِ مصیبت
دلِ معمور صد پارہ شد از غم — شکیب و صبر از ما خواست رخصت
پئے صبرے بگوش آمد صدائے — زند ہر کس بہ نوبت کوس رحلت
زبیتابی دلم آمد بہ تسکین — سوالے کردم از سالِ وصالت
بگفتا با دلِ مغموم ہاتف
غم افزا سانحہ۔گو۔سالِ ہجرت
۱۲۹۳ھ

مفتوں۔ پنڈت لچھمی نراین مشران صاحب خلف پنڈت گوردھن مشران صاحب ساکن فرخ آباد۔

آپ شہر فرخ آباد کے رئیس اعظم تھے۔ مرزا غالب دہلوی سے اصلاح سخن نثر و نظم اردو فارسی میں لیتے تھے۔ زبان فارسی کے ماہر اور لغات و مصطلحات فارسی اور اصطلاحات بدرجہ پر عبور کامل رکھتے تھے۔ خوشنویسی اور نستعلیق نویسی میں

میر علی بخش حسینی کے شاگرد تھے جو نستعلیق نویسی میں ہندوستان میں بے نظیر تھے۔ چھیاسٹھ برس کی عمر میں یکم نومبر ۱۸۸۷ء کو رہگرائے ملک بقا ہوئے آپ کے پدر بزرگوار کے بزرگ صوبہ دار کشمیر تھے لیکن کشمیر میں طوائف الملوکی کے زمانہ میں ترک وطن کرکے فرخ آباد میں اقامت گزین ہوئے تھے۔ آپ کے والد پنڈت گوردھن داس مشران نے محکمہ کلکٹری میں سرشتہ داری مال پر مامور ہو کر وہ عروج حاصل کیا جو اس وقت تک کہ سو برس کے قریب زمانہ گذر چکا ہے تمام ضلع میں یادگار ہے۔ ملازمت سرکاری سے سبکدوش ہونے کے بعد چند کوٹھیاں تجارت کی کھولیں اور ساہوکاری میں درجہ اول کا نام پیدا کیا۔ بہادر شاہ بادشاہ دہلی کی سرکار سے "انتظام الدولہ ممتاز الملک مہاراجہ گوردھن داس بہادر دیوان اعلیٰ" کا خطاب تھا۔ اُن کی اسناد میں تحریر ہے کہ فرخ آباد کے ضلع کا انتظام مالی بعد غدر محض پنڈت گوردھن داس کے مشورہ سے کیا گیا ہے۔ عہد سرشتہ داری میں اعزہ و اقربا احباب اور زمینداران ضلع فرخ آباد کے ساتھ وہ سلوک کئے جو اب تک یادگار ہیں۔ نواب تجمّل حسین خان بہادر والی فرخ آباد کی سرکار میں مدار المہام تھے حسن انتظام سے ریاست کو عروج پر پہونچا دیا۔ پنڈت لچھمی نرائن مفتوںؔ نے بحیثیت آنریری مجسٹریٹی و میونسپل کمشنری کے اعلیٰ درجہ کا رسوخ حکام میں پیدا کیا اور ساہوکار بھی اول درجہ کے سمجھے جاتے تھے ۱۸۷۷ء کے دربار دہلی میں حضرت مفتوںؔ کو ملکہ وکٹوریہ کی سند خیر خواہی پسندیدہ خدمات کے جلدو میں عطا کی گئی۔ نواب حشمت جنگ والی فرخ آباد کے دربار میں مصاحب خاص کے عہدہ پر ممتاز تھے۔

لگا ہے زخم کاری خنجرِ ابروئے قاتل کا — تماشا خانۂ دل میں ہے رقصِ مرغِ بسمل کا
نہ سمجھو بے سبب پُر داغ ہونا ماہ کامل کا — سفیدی پر نشاں ہوتا ہے دودِ شمعِ محفل کا
چھپے ہیں نیشِ غم از بس غمِ خوبانِ عالم میں — مثالِ خانۂ زنبور ہے نقشہ مرے دل کا

مرے فیضِ قدم سے اہلِ زنداں وجد کرتے ہیں
صدائے ارغنوں سے کم نہیں نالہ سلاسل کا

یونہی گر موسمِ ابر و ہوا میں مجھ سے نفرت ہے
گریگا صاعقہ ساقی یہ میرے نالۂ دل کا

دل افسردہ ہوا بے مہریِ خوباں سے اے مفتوں
نہ ہو باور تو ہے اللہ واقف حق و باطل کا

زخمِ تیغِ نازِ خوباں نسبت خوردن کا رما
غیرتِ باغِ ارم شد سینۂ افگارِ ما

تا بہ پیشانی رقم کردیم وصفِ آن صنم
سربسر بالِ قلم شد رشتۂ زنّارِ ما

یک نفس گر بگذرد موجِ شمیمِ زلفِ تو
خانۂ عطار گردد رخنۂ دیوارِ ما

تا دلِ ما محوِ آن شمس الضحیٰ گردیدہ است
ہست در بازار عالم گرمیِ بازارِ ما

میشود از فیضِ عشقش رزقِ رنج و غم نصیب
یارب آباد آن بماند اینچنین سرکارِ ما

دشت از یادِ رخِ پُر نور روشن کردہ ایم
مشعلِ طور است خارِ وادیِ پُرخارِ ما

یادگارِ ما بود مفتوں فراہم کن ہمہ
ہست رنگین تر ز گلہا دفترِ اشعارِ ما

گرم دارد لیشتِ دل تا آن رخِ روشن مرا
از حریرِ شعلۂ شمع است پیراہن مرا

لالہ آسا ز آتشِ ہجران سراپا سوختم
از ہجومِ یاس آتش خانہ شد گلشن مرا

بے نوائے ساقی چنان از زندگی تنگم کہ شد
قلقلِ مینا صدائے نالۂ شیون مرا

از نویدِ وصل تا بر خویشتن بالیدہ ام
مثلِ چشمِ اغنیا تنگ است پیراہن مرا

چوں نگریم روز و شب در انتظارِ وصلِ دوست
کرد مفتوں تش زبس عشقِ خرد دشمن مرا

از آتشِ فراقِ بتان شد سرشتِ ما
باشد ز سوزِ شمع خطِ سرنوشتِ ما

سبقت گرفت زردیِ رنگم ز زعفران
خندید ہر کہ کرد نظر سوے کشتِ ما

مومن بیا بہ بین کہ دل افروز قدسیان
چون شمعِ کعبہ است چراغِ کنشتِ ما

بہ کنج خانۂ غم چیست آرزو کردن
زمہر و ماہ بیاموز جستجو کردن

بہ یاد عارض اوازجہان شدم زیبد
کفن زچشمۂ خورشید شست وشو کردن

ولہ

اے عارض تو روکش خورشید خاوری
گرداند ابروت دم صمصام حیدری

از ہرچہ شان مدح تو گویم فزون تری
نام خدا تو سایۂ اللہ اکبری

خوردم ورآرزوے قدمبوس داغہا
گنجیست دردلم زموا ہیر اکبری

پیش تو دم زلاف زنداز گزاف اوست
طفلیست مبتدی بحضورت زمخشری

شد مطلع تو مقطع فکر سخنوران
ہر شعر تست روکش دیوان انوری

ولہ

میں رہگزار یار میں کیونکر اڑاؤں خاک
ڈر ہے کہ مٹ نہ جائیں کہیں نقش پاے دوست

اس پر تو خیریت سے لٹکتی ہے پانوں تک
عقدے کھلیں تو دیکھئے زلف رساے دوست

کیا کیا نہ آئیں دل میں مرے بدگمانیاں
شب دیکھکر کھلے ہوے بند قباے دوست

بدخواہ اپنا کون ہے ہمدم سواے دل
دشمن ہمارا کون ہے مفتوں سواے دوست

عمر گذری کہ تری راہ میں ہم بیٹھے ہیں
پر ابھی شوق یہ کہتا ہے کہ کم بیٹھے ہیں

واہ قسمت کہ لب بحر پہ ہم مثل حباب
خالی کاسہ لئے با دیدۂ نم بیٹھے ہیں

خاکساروں کو نہیں تخت سلیماں کی ہوا
صورت نقش قدم خاک پہ ہم بیٹھے ہیں

کیونکہ بیت الصنم عشق سے اٹھیں مفتوں
اب تو اللہ کی ہم کھاکے قسم بیٹھے ہیں

اب جاکے ناز خاک کے ڈھیروں پہ کیجئے
زندہ رہا نہیں کوئی عاشق جناب کا

دیکھو دہان یار کو پرنظر کرو
کیسا جواب ہے دہن لاجواب کا

مفتوں تلاش مے میں پھرا ہوں جو دور دور
ہر آبلہ ہے پانوں کا شیشہ شراب کا

سامری آخر اسیر دام الفت ہو گیا — چشم فتاں میں تری جادو کا سرمہ دیکھ کر
ولہ
دیکھ کر موباف زرّیں اُس کی مفتوں جعد میں — خلق کہتی ہے پڑی بجلی شب دیجور میں

قطعات

وقت خضاب آمد و عہد شباب رفت — ہنگام نای و نوش و شراب و کباب رفت
در سجدہ گاہ عاشق معشوق خویش باش — جامت پُر و زمانہ چنگ و رباب رفت
دیگر
یار ما گردید رام دیگران — چرخ میگردد بکام دیگران
روز من شد از الم شام غریب — صبح نوروز ست شام دیگران

شد ز وصف آن رخ پر نور افزون شان ما — مطلع خورشید باشد مطلع دیوان ما
در شب ہجران او گلہای رنگین ریختہ — چون انار آتشین آہ شرر افشان ما
از جفاہای تو بر ما کفر عاید میشود — رحم کن للّٰہ ای غارتگر ایمان ما

ولہ

روی او ہر کہ دیدہ می آید — پیرہن را دریدہ می آید
دست من کی رسد بدامانش — او کہ دامن کشیدہ می آید
چہ خوشا قسمتم کہ قاتل من — پی قتلم دویدہ می آید

بت بیرحم بر سر مفتوں
تیغ ابرو کشیدہ می آید

ترک الفت کنم و رخت بصحرا فگنم — خویش را دور از آلائش دنیا فگنم
بنگرم روی کدورت ز بدی اغیار — نیکی خود ز دل صاف بدریا فگنم
گر شود راہ نما عشق سوی دشت جنون — از خط جادہ مگر سلسلہ در پا فگنم
ساقی از جام ز صہبای مروّق بخشی — طوق زرّین ہمہ در گردن مینا فگنم
عاشقم جز محن و رنج نبا شد منظور — تف بروی طرب از نعمت دنیا فگنم

بوالہوس تا بگذارد قدم از آسانی   خار در مرحلۂ عشق سراپا فگنم
جان نثارش کنم اینک ز الم اے مفتوںؔ
کارِ امروز چرا باز بفردا فگنم

کیا عجب گر سرِ عاشق پہ کریں وار ابرو   تیغِ عریاں ہیں ستمگار کے خمدار ابرو
قد ہے گر فتنۂ محشر تو بلا زلفِ سیاہ   قاتلِ خلق جو آنکھیں ہیں تو خونخوار ابرو
اپنا خنجر سے گلا کاٹ کے مرجاؤں گا   تیرے پُرچیں جو رہیں گے یونہیں ہر بار ابرو
اور کس چیز سے مفتوںؔ انھیں نسبت دیجے
سو طرح قوسِ قزح سے ہیں طرحدار ابرو

مفتوںؔ پنڈت بھوانی شنکر شیوپوری عرف چھبیلی صاحب ولد پنڈت گوری شنکر صاحب۔

پنڈت بھوانی شنکر صاحب شیوپوری عرف چھبیلی کا مولد شہر دہلی تھا۔ بھادوں بدی یکم سمت ۱۸۹۱ کو آپ پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد ماجد جناب پنڈت گوری شنکر صاحب ریاست جیپور میں سررشتہ عدالت صدر فوجداری تھے۔ جن کا انتقال عالم شباب میں ۱۸۵۰ء کے درمیان ہو گیا۔ اور دو سال بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ آپ کے والدہ اور چچا پنڈت دیا شنکر صاحب سرگباس ہو گئے۔

آپ نے علامۂ دہر مولانا نجابت خاں صاحب سے تحصیل علم کیا اور ۱۶ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے ریاست بھرتپور میں آپ کے ماموں پنڈت موتی لال کول شرغہ صاحب میر منشی محکمہ ایجنسی تھے اور انکے بڑے بھائی پنڈت کنہیالال کول شرغہ محافظ دفتر تھے جن کا تخلص مشتاق تھا۔ بحکم ۱۰ر مارچ ۱۸۵۶ء آپ کا تقرر یکم چیت سمت ۱۹۱۲ سے عہدۂ محرر فوجداری حضور تحصیل بھرتپور پر ہو گیا جو اس زمانہ میں معزز عہدہ تھا۔ ۱۸۵۷ء میں غدر ہو گیا۔ اُس وقت آپ کی دادی صاحبہ دہلی میں

تھیں اور انکی پوتے پوتیاں اور نواسیاں بھی انھیں کے ہمراہ تھیں۔ فوج والے دو مرتبہ مکان پر آئے اور خواہاں زر و زیور ہوئے ایک مرتبہ تو خالی گئے دادی صاحبہ نے کہہ دیا میں ملازمہ ہوں مالک مکان یہ بچے چھوڑ گئے ہیں میرے علم میں کوئی زر و زیور و مال نہیں ہے۔ دوسری مرتبہ پھر آئے اور لڑکوں کی گردن پر شمشیر ہائے برہنہ رکھدیں۔ اگرچہ دادی صاحبہ نے جو بڑی زیرک۔ جہاندیدہ اور باہمت تھیں کسی قسم کا خوف نہیں کیا۔ مگر نواسیوں اور پوتیوں نے شور مچایا کہ اماں مال بتلادے پھر کیا تھا کنجی حوالہ کرنی پڑی۔ ظالم کل زر و زیور و ظروف موس لے گئے۔

آپ کے فرزند پنڈت برجکشور صاحب ریاست بھرتپور میں تحصیلدار رہے اور آخر ۱۹۲۳ء میں تحصیلداری سے پنشن یاب ہوئے جن کے تین لڑکے راجکشور صاحب سب انسپکٹر سنٹرل انڈیا ایجنسی اندور۔ تیج کشور صاحب کلرک محکمہ جنرل مینیجر سالٹ ڈیپارٹمنٹ سانبھر اور اقبال کشور صاحب عمر ۱۶ سال اور ایک لڑکی ہیں۔ فرزند اصغر روپ کشور صاحب انسپکٹر سایز وایکسایز بھرتپور میں تھے جو نوجوان ۱۸۹۷ء میں دنیائے ناپائدار سے چل بسے۔ انکے فرزند جنک کشور صاحب سپرنٹنڈنٹ فارن ڈیپارٹمنٹ ریاست بھرتپور ہیں۔

آپ تحصیل بھرتپور۔ مکھر۔ ویر۔ اُجین میں محرر اوّل فوجداری اور نظامت بھرتپور و اسٹیٹ کونسل میں اہلمد رہے۔ آپ کا خط نستعلیق نہایت پاکیزہ و باقاعدہ تھا مگر شکستہ ایسی تیزی سے لکھتے تھے کہ بدخط مشہور ہو گئے۔ مہاراجہ صاحب سوائی جسونت سنگھ صاحب بہادر والیٔ ریاست بھرتپور جب کسی کو بزمرۂ اہلکاران ملازم رکھتے تھے۔ آپ کی تحریر پڑھوا کر پاس کرتے تھے۔ آپ کے صدہا شاگرد تھے جنھوں نے اچھی استعداد اور قابلیت حاصل کی۔ چاپلوسی اور خوشامد آپ کی سرشت میں تھی۔ صاف گو۔ حاضر جواب۔ بےغرض اور لاپرواہ تھے۔ حکام وقت اور مہاراجہ صاحب

آپ کی عزت کرتے تھے مگر ۲۵ے سے زیادہ ترقی نہ ملی۔ مہاراجہ صاحب بھرتپور کی خدمت میں اہلکاران اور اہل غرض اکثر سلام کے لئے روزانہ یا ہفتہ وار جایا کرتے تھے اور اکثر کی اُن میں سے آرزو بھی پوری ہوتی تھی مگر آپ ایک مرتبہ بھی اس طرح نہ گئے اور ہمیشہ قانع وشاکر رہے۔ مگر اخلاق اور برتاؤ آپ کا ایسا پسندیدہ تھا کہ کسی سے کدورت یا مخالفت نہ تھی ۱۸۵۷ء سے پہلے قومی بھائیوں کے بھرتپور میں ۲۵ گھر تھے بعض صاحبان میں چشمک اور شریفانہ نا اتفاقی بھی ہو گئی تھی۔ ان میں بعض قریبی رشتہ دار بھی تھے مگر نہ رشتہ داروں کی حمایت تھی اور نہ غیروں کی مخالفت۔ بقو لیکہ

خورشید وار دیکھتے ہیں سب کو ایک آنکھ　　روشن ضمیر ملتے ہر ایک نیک و بد سے ہیں

افسوس کہ بیساکھ بدی ۱۴ سمت ۱۹۴۷ کو بمقام بھرتپور بہ عارضہ انفلوینزا آپ نے جان شیریں جان آفریں کو سونپی۔

چہ شد یارب کہ مدہوشند و بیخود اہل محفلہا
مگر آن چشم مخمورش عنان بگسستہ از دلہا

بہ حسن بے نقابش حسن ورزیدن بہ آسانست
بہ بینم تا چہ می آید برون زین پردہ مشکلہا

ز آہ و نالۂ من خاطرِ عالم بہ درد آمد
دلِ نادان حذر کن از شکستِ شیشۂ دلہا

منم آن آشنائے بحر مواج غم و محنت
کہ وسعت من نیفتادہ است بر دامان ساحلہا

نمیدانم گدا ایں شور محشر در گلستان است
کہ بلبل می طپید در زیر گلشن ہمچو بسملہا

چو مفتون مصدرِ بابِ محبت شد تعجب نیست
قمر کاہد چو گردد بدر بعد از طئے منزلہا

شکایت از کہ کنم وز قضا چہ نالۂ ما — زخونِ دل چو نصیب است این نوالۂ ما
قدم ز دامنِ عزلت نمی نہم بیرون — کہ کم ز جم نبود این خطِ پیالۂ ما
قیامتے دگر انگیخت بر فلک سیران — بلند گشت بہ گردون چو آہ و نالۂ ما
مصاحب شہِ دیوانگی منم مفتون
بمہرِ عشق رسیداست این قبالۂ ما

یارب اثرے نالۂ مستانۂ مارا — روزے بجنون دہ دلِ دیوانۂ مارا
این گریۂ خونین کہ مرا ہمرہِ دل ہست — ترسم کہ بعالم بروا فسانۂ مارا
چون شمع دلم سوختہ از شعلۂ آہم — آواز برون نیست چو پروانۂ مارا
از گردشِ ایام غمت نیست چو مفتون
لبریز زمے کن لبِ پیمانۂ مارا

خدارا اے صبا در گوش کن سروِ خرامان را — ز خونِ بے گناہان دور نہ اطرافِ دامان را
بروے دلفریبش زلف را کارے عجب افتاد — چگونہ اختلاطے ہست باہم کفر و ایمان را
من از بازیِ چرخِ کج روش غافل نیم اے دل — چگونہ جمع آرم در دل اسباب پریشان را
زدہ شعلہ بہر موے غمِ سوزِ نہان مارا — بپاے سروِ من بنگر تماشاے چراغان را

ولہ

خلق میگوید قیامت قامتِ دلدار را — چشمِ مستش برد طاقت مردمِ ہشیار را
سوے کعبہ ہر گزم رغبت مدہ ناصح کہ من — بہتر از کعبہ شناسم جلوۂ رخسار را
خفتگیِ بخت را ناصح ہمین شاید بس است — ہیچ تاثیرے نہ بینم نالۂ بیدار را
جانِ تازہ مید ہد یک جرعۂ صہباے او — دار آباد اے خدا این خانۂ خمار را

ولہ

بیا و بیزد اگر آن شوخ بر رخسار کاکل را — زند آتش بہ گل از پا بر آرد شاخ سنبل را

نوائے تہنیت ہر سو دہد در بزم گلرویان
تواے زاہد زگوشِ دل شنو آواز قلقل را

ولہ

مسخر کردہ ام صد ہا پریزادانِ مضمون را
غضب افسون گری یاد است یاران طبعِ موزون را

نظر داری اگر اے رند بر نورِ خداوندی
دو عالم را فرو بگذار بنگر روے گلگون را

میسر شد وصالش لیک خنجر درمیان دارد
بشیرینی چہ تلخی ہست بنگر بخت واژون را

اسیر گیسوے جانانہ کردہ اند مرا
تزاو نرگسِ مستانہ کردہ اند مرا

خوشم زشوق چو پروانہ سوختن دارم
فداے جلوۂ جانانہ کردہ اند مرا

چرا نہ فخر کنم بعد مردن اے زاہد
زخاک ساغر و پیمانہ کردہ اند مرا

طوافِ مسجد و کعبہ چسان کنم مفتوں
کہ روزی از درِ میخانہ کردہ اند مرا

روزی از جام کردہ اند مرا
مفت بدنام کردہ اند مرا

ہمدم از سوز من چہ می پرسی
برق ناکام کردہ اند مرا

گریۂ و آہ در جہان یارب
طشت از بام کردہ اند مرا

در رہِ عاشقی مرا مفتوں
زلف در دام کردہ اند مرا

زچشم خونفشان خوش جوئبارے کردہ ام پیدا
ز سوزِ سینۂ در دل شرارے کردہ ام پیدا

ندادم جان بوقت نزع ناصح بے رخِ جانان
درین بے اختیاری اختیارے کردہ ام پیدا

ولہ

طپیدن ہاے دل در سینہ یاد آرد ز پیکان ہا
چکیدن ہاے ابر گریہ میگوید ز طوفان ہا

فلک بر پائمالِ من ہمیشہ در کمین باشد
بلا ہاے سیہ را جمع می سازد بمژگان ہا

زجورِ آسمان مفتوں ترا از جا نباید رفت
براے شام صبح است و پئے ہر درد درمان ہا

ہم آہ فلک رسا ست مارا
ہم نالۂ جانگزا است مارا

اے شیخ دلم بعشق خوبان — آئینہ جہان نماست مارا
بر دستِ نگار عہد بستم — رنگینیٔ مدعاست مارا
جز غم نبود ندیم دیگر — دردِ تو صنم دواست مارا
مفتوںؔ چہ روم بجاے دیگر
در دل بتِ دلرباست مارا

آن آئینۂ رخسار چو با من نظرے ہست — بر سنگ دلان جذبۂ دل را اثرے ہست
چون باز بمانیم ز ہمراہیِ نالہ — این شعلۂ جوّالہ مرا راہبرے ہست
در سینہ طپانست دلِ غمزدہ مارا — دانم کہ بہ این شیشہ پری راگذرے ہست
از درد و غم و رنج منال اے دلِ نادان — در ہر شبِ دیجور ظہورِ سحرے ہست
مفتوںؔ نکنم میل بہ آرایشِ دنیا
امروز یکے باشد و فرداد گرے ہست

مہ پارۂ من جلوہ نما بر لبِ بام است — از نکہتِ گیسوش صبا تازہ مشام است
طوطی صفتم در پسِ آئینہ نہانم — جز گفتگوے یار مرا جملہ حرام است
نومید نیم با ہمہ عصیان ز خدا و ند — شکر است مرا بادۂ امید بجام است
بر خالِ لب و زلف مپیچ اے دلِ نادان — غافل ز اسیری مشو این دانہ و دام است
ولہ
منم سر آمدِ عشاق در محبّت و عشق — ز قیس و کوہکن اے شوخ داستان باقی است
خزان ببرد بتاراج غنچۂ نسرین — ز برگ ریزیِ گلشن نگر نشان باقی است
اگرچہ چہرۂ ما ثبت گشت در عشاق — ولے بہ معرکۂ عشق امتحان باقی است
ولہ
باز سودا در سرِ زلفِ پریشانِ کسے است — در دلِ آشفتہ ام پنہان شدہ آن کسے است
ماہ ہم دارد چو داغے بر جگر مانند من — ظاہرا این ہم غلامِ روے رخشانِ کسے است
چون کنم ناصح طوافِ کعبہ و بتخانہ چون — عاشقان را دین و ایمان روے تابانِ کسے است

چاک دارد سینۂ خود چون گریبانِ سحر
در دلِ مفتوں مگر نشتر زمژگان کسے است

خورشید خجل شدہ ز رویت　　سنبل شرمندہ شد ز مویت
آوخ کہ ز بزم تو برفتم　　تا دیدہ جمالِ شمع رویت
جانان چو نمی کند نگاہے
مفتوں چہ اثر ز گفتگویت

بلبل ز ترانہ در خروش است　　ایّام شباب گل بجوش است
بگذاشتہ ام بہ تیغ جانان　　این سر کہ مرا وبالِ دوش است
بریادِ لبے پیالہ برگیر　　این قول ز پیرِ مے فروش است
مفتوں ز عمل ہمی ہراسی
ستّارِ عیوب عیب پوش است

از مسجد و میخانہ ترا خانہ کدام است　　داری خبرے منزلِ جانانہ کدام است
چون برگِ خزان دیدہ رخم کاہ ربا شد　　ساقی و مے و مطرب و پیمانہ کدام است
بر ہستی موہوم کند گریۂ و خندہ　　معلوم نشد مشربِ دیوانہ کدام است
غیر از نگہِ یار کہ ہر دم برد از جا　　ناصح تو نگر لغزشِ مستانہ کدام است
دانی چو رہِ عشوۂ آن چشم فسون گر
مفتوں ز کہ پرسی رہِ میخانہ کدام است

ز دستِ عشقِ تو کس نیست جان نفرساید　　کہ پنجہ ہاے تو خونِ دلِ حنا انگیخت
ربود دل ز من و پس بہ رخ نقاب کشید　　ندید سوے من و عذر از حیا انگیخت
چگونہ شرح دہم ہجر را چہ بامن کرد　　بلا نمود و ستم کردہ و جفا انگیخت
ز حسنِ شمع ندانم چہ شد بہ پروانہ　　ز راز عشق چہ گویم چہ ماجرا انگیخت

حلقۂ چشم ترا گر جام میگون بستہ اند — روے زیباے ترا فالِ ہمایون بستہ اند
بر دلِ محزونِ من پسند چندین جور و ظلم — رہروانِ عشق آنرا قطرۂ خون بستہ اند
نالہ ہاے دل اگر راہ بلا بکشادہ اند — قطرہ ہاے اشک ہم امواجِ جیحون بستہ اند

ولہ

نقش بندانِ ازل تارنگِ امکان ریختند — اوّل از کلکِ قضا تصویرِ جانان ریختند
نیست طرز ناخوشی با خاطرِ صاحبدلان — انچہ قسّامِ ازل در بختِ انسان ریختند

ولہ

توؤ طرزِ جفا جوئی من و رسمِ رضاجوئی — مرا آہے نمی آید ترا بیداد می آید
تو خونم ریختن خواہی نگارِ من سرت گردم — ز پرہاے خدنگِ تو مبارکباد می آید
من آن سنگین دلم مفتوں نبازم سخت جانیہا
کہ بہرِ زخمِ من شمشیر از فولاد می آید

زاسبابِ جہان دور چو از دل ہوسے بود — گلدستۂ دنیا ہمہ چون خار و خسے بود
از بیکسی و غربت و تنہائی و اندوہ — جز یادِ صنم ہیچ نہ فریادرسے بود
بلبل بہ چمن بود نوا سنج ز عشرت — ما و غمِ تنہائی و کنجِ قفسے بود

ولہ

بسکہ روز و شب بہجرِ یار گریانم چو شمع — آتشِ از ہر بنِ مو بر فروزانم چو شمع
سخت جانی دیدنی دارد کہ نآید جان بلب — تا سحر بر ماتمِ خود اشک ریزانم چو شمع
در تصوّرہاے غم محوِ تماشا بودہ ام — زیرِ فانوسِ خیالِ خویش پنہانم چو شمع
رحم می آید مرا ہر دم بحالِ آسمان — ورنہ آہے پُر شرر از دل برافشانم چو شمع

ولہ

کاروان در کاروانِ عشق است حرمان در بغل
ہستم زاشکِ لالہ گون لعلِ بدخشان در بغل
از پئے تاراجِ دلہا در کمین استادہ اند
لشکرِ مژگانِ او دارند پیکان در بغل

از دلِ پُر درد خود پہلو بہ پہلو می زنم
یارب چرا پرورده ام این دشمنِ جان دربغل

صحرائے عشقم در جنون بہر جراحت ہائے من
دارد برائے آبلہ خارِ مغیلان دربغل

معشوق بے پروائے من مفتوںؔ تغافل میکند
من میکشم پیراہنش از عہد و پیمان دربغل

کار از بند برون رفت چہ تدبیر کنم
دلِ سودا زده را پائے بزنجیر کنم

گرچہ از جور و جفایت گلہ داریم ہزار
خامشی پیش تو چون غنچۂ تصویر کنم

آبِ گہر ز دیدۂ گریان سپرده ام
آبِ جگر بہ کانِ بدخشان سپرده ام

صبحِ ازل بچاکِ گریبان سپرده ام
شامِ ابد بزلفِ پریشان سپرده ام

شرمنده میشویم ازین حشرِ مختصر
تا زیرِ پائے قاتلِ خود جان سپرده ام

اے گریہ ہمتے کہ ز خونابۂ جگر
گلہائے گونہ گونہ بدامان سپرده ام

مفتوںؔ اگرچہ توسنِ مقصود رام شد
لیکن عنان بہ قبضۂ دوران سپرده ام

بعشقِ او دلِ غم دیده صد رنج و محن دارم
ز خاکِ کوئے او صد تودہ زیرِ پیرہن دارم

اگر گلنار شد زنجیر پائے من عجب نبود
ز سودائے پری رویان من آتش در بدن دارم

عجب تقدیر دارم من شکایت چون کنم دل را
مثالِ شمع گریہ بر سرِ ہر انجمن دارم

الٰہی نالۂ پُرسوز عطا کن
جنونم را بہ شہرت آشنا کن

الٰہی شہپرِ شوقِ محبت
بعشقِ خویشتن زور آزما کن

الٰہی از قیامت ہولِ محشر
بہ عصیانم رحم ورکش جدا کن

الٰہی من نمیدانم کہ چونم
برون از حالِ این چون و چرا کن

برقع از روے مصفا شوخ تا وا کردۂ لن‌ترانی را بعهدِ خویش دعوی کردۂ
گرچه لعلِ جانفزا را تو مسیحا کردۂ لیکن از دستِ حنائی فتنه برپا کردۂ
دل ز اشک و آهِ آتش بار روز و شب مرا آب و آتش جمع آمد این تماشا کردۂ
چون خیالِ روے تو جانا نه زِ دل بیرون رود تو درونِ چشمِ من چون مردمک جا کردۂ
رازِ عشقِ آن صنم پیوسته در دل بُد مرا گریهٔ غمّازِ منت مارا تو رسوا کردۂ

ولہ

مرا از دورِ چشمِ مهوشان پیمانه بایستے بجائے نُقل زیرِ لب لبِ جانانه بایستے
جمالِ یار چون شمع است و از بهرِ نثارِ او مرا نگد اختن مثلِ پرِ پروانه بایستے
جنون افزود سودایم بفصلِ آمدِ غنچه بپایم از شمیمِ موجِ گل جولانه بایستے
منم دلدادهٔ شوخے که در توصیفِ چشمانش ورق از نرگسِ شهلا قلم مستانه بایستے
من و فردوس اے زاهد معاذ الله غلط کردم بسوداے پری رویانِ دل دیوانه بایستے

رباعیات

اے دل تو مرا همیشه رسوا داری در سر هوسِ تارِ مطلّا داری
در خود نگری هرانچه جوئی مفتون آئینهٔ دل گر تو مصفّا داری

دیگر

اے دل تو عبث ناله رسانے داری بیهوده چرا بانگِ درائے داری
در نغمهٔ نے تو بشنوی رازِ دوست از پردهٔ وحدت چه نوائے داری

دیگر

جلوهٔ محبوب را هر دم ادائے دیگر است حالتِ مجذوب را هر لحظه رائے دیگر است
از خودی بیرون نمی آئی چرا مردِ خدا تو عبث نادان همی دانی خدائے دیگر است

دیگر

بگلزارِ جهان شبنم صفت دارم نمود اینجا حباب آسا مرا چشمے همی باید کشود اینجا
بخوابِ نازِ ما آسوده در عهدِ عدم بودیم شدم هشیار بر کارِ جهان غفلت فزود اینجا

دیگر

آن قطرهٔ خونے که دلے نام نهند بر راحتِ او چه کوشک و بام نهند
اکنون که لبالب است پیمانهٔ عمر با خاک مراد و دلِ ناکام نهند

مثنوی

حمدے زخدائے پاک و برتر — کاراست فلک زماہ و اختر
خورشید ازو پدید کردہ — شام غم و صبح عید کردہ
از معدن و بحر لعل و گوہر — آراستہ کرد گوش دلبر
بر پشّۂ و پیل قوّت دادہ — نقشے بر پشت حوت دادہ
از قیس و ز کوہکن فسانہ — بنمود و بعشق کاشت دانہ
نازم بر نظام بادشاہے — افلاک ستادہ بے پناہے
گلہائے چمن شگفتہ کردہ — از عشق خرد نہفتہ کردہ
آن سوز و گداز شمع را داد — پروانہ بسیل رغبت بہ نہاد
وان رنگ سیہ چو دید آہن — از قدرت او کشید بر تن
از لیل و نہار لیلی آورد — مجنوں ز سپہر نیلی آورد
از تیشہ کشاد خونِ فرہاد — شیرینیِ جان زکف برافتاد
نل را بہ دمن رساندہ شوقے — بر قمری و سرو بستہ طوقے
گل را بہزار پائے بستہ — در کاہ ربائے کاہ خستہ
پیوند بہ طوطی و شکر داد — آئینہ بہ بام عرش بہ نہاد
او در دلِ پنبۂ و شرر ہست — او حامیِ نفع و ضرر ہست
او لقمہ دہد گدا و شہ را — او جلوہ دہد کتان و مہ را
آرام دہد دلِ تبہ را — او روز دہد شبِ سیہ را
در کانِ سنگ لعل آورد — از ابر بہ گل نہال آورد
از بطنِ صدف چہ گوہر آورد — وز آہنِ سخت جوہر آورد
از کعبۂ و دیر اوست ہمراہ — بر ذرّہ و مہر ہست آگاہ

او در دلِ حضرتِ سلیمان
او کرد مطیع جنّ و انسان

در نافۂ مشک ہست پنہاں
در چہ نگلند ز دستِ اخوان

در ساغر و جام و مے و ساقی
پنہاں شد و غیر او نہ باقی

در معرکہ حرب و آشتی ساخت
در قامت سرو راستی ساخت

او کرد بروج عرش ظاہر
او ہست بعرش و فرش ماہر

از قطرۂ صد گہر برانگیخت
سیارہ بہ گنبدِ فلک ریخت

از عشق بحسن ساز کردہ
سرمایۂ صد نیاز کردہ

ہشدار تو مفتوں جستنی نیست
افسانۂ عشق گفتنی نیست

انتخاب دیوان اُردو

گرمِ نظارہ ہوں میں حسنِ بتِ بے پیر کا
عین مستانہ بنا ہوں چشمِ آہو گیر کا

سرمۂ چشمِ فسوں گر ہے بلائے تازہ تر
ہے مری نظروں میں جوہر صفایہ شمشیر کا

دین و ایماں اپنے اک غمزہ میں غارت ہوگئے
ہے نیا یہ شعبدہ ظالم تری تسخیر کا

ولہ

دوستو جب سے سرِ زلفِ پریشاں ہوگیا
دل بھی وقفِ حیرتِ شامِ غریباں ہوگیا

اس پری پیکر کا دیکھا ہے جمالِ رخ مگر
آئینہ جو صورتِ تصویرِ حیراں ہوگیا

ولہ

ہم تو لاتے بھی نہ تھے عشقِ بتاں کی لب پہ بات
اشک سے افشا ہمارا رازِ پنہاں ہوگیا

کعبۂ و اسلام سے ہم کو غرض کیا زاہدا
مصحفِ رخسار اپنا دین و ایماں ہوگیا

ہمنے اس بت کو جو خفا دیکھا
جامِ عمرِ رواں بھرا دیکھا

جس جگہ رکھ دیا قدم تو نے | ہم نے اک حشر واں بپا دیکھا
پھول جامہ میں جو سماتی نہیں | سچ بتا تو نے کیا صبا دیکھا

چھیڑا کیوں زلف کو جو برہم ہے | دلِ ناداں یہ کیا کیا دیکھا
بے سبب آئی تھی حنا کی قضا | اُسکے ہاتھوں میں خوں ملا دیکھا

فصل گل آئی کہ سر میں پھر جنوں پیدا ہوا | بلبلِ دل گل رخوں کی دید کا شیدا ہوا
کیا کریں شکوہ غم و درد و الم کا دوستو | اپنی قسمت میں ازل سے ہے یہی لکھا ہوا
نرگسِ چشم بتِ بدمست کا دیکھا جو دَور | پھول سے یکسر لبالب ساغر و مینا ہوا
اس مہ کامل کو ماہِ چرخ سے کیا دوں مثال | بزمِ جاناں کا ہے یہ اے ہمنشیں دل داغا ہوا

ولہ

منعم نہ تو اُبھر کہ یہ دنیا حباب ہے | سایہ زمیں پہ دیکھ لے تو کوہسار کا
اے ماہرو سپہر پہ کہتے ہیں جس کو مہر | وہ اک نمونہ ہے مرے دل کے شرار کا

رخِ پُر نور اس کا گھر ہے مطلع مہرِ درخشاں کا
دلِ پُر داغ اپنا رشک ہے ماہِ فروزاں کا
مثالِ سبزہ ہوں غلطاں سرِ رہ اس تمنّا میں
کہ ڈالے سایہ وہ بیگانۂ خوش سروِ خراماں کا

خواب میں بن کے جو وہ آئینہ رخسار آیا | بختِ خوابیدہ مرا دولتِ بیدار آیا
بزمِ جاناں میں ہوئیں سب کی مرادیں حاصل | ایک محروم فقط میں جگر افگار آیا
دیر و کعبہ سے غرض ہم کو ہے کیا اے زاہد | اپنی تقدیر میں یاں خانۂ خمار آیا

کل شبِ مہتاب کیا عشرت فزا تھی میں نہ تھا
دخترِ رز ناز سے جلوہ نما تھی میں نہ تھا
زلف اگر برہم ہوئی تو مجھسے رنجیدہ ہو کیوں
لائقِ گردن زنی بادِ صبا تھی میں نہ تھا

اس گلی میں آ گیا میں نیم جاں مرتا ہوا
دوستو سمجھو اسے شانِ خدا تھی میں نہ تھا

اے فلک گر چھن گیا سینہ ترا مجھ کو نہ چھیڑ
کیونکہ مثلِ برقِ آہِ جاں گزا تھی میں نہ تھا

مار ڈالا ہم کو مفتوںؔ اس نے بیرحمی سے جب
ہنس کے کہتا ہے اُٹھو میری ادا تھی میں نہ تھا

خود بھی تو شمع جلتی ہے آخر تمام شب
پروانہ کو گر اُس نے جلایا تو کیا ہوا

کون و مکاں میں جب ترا جلوہ ہے دیدکا
ہم کو بھی تیرا عشق سمایا تو کیا ہوا

بسکہ جاری گریۂ پیہم رہا
آنکھ میں باقی نہیں اب نم رہا

تو نے کج بازی نہ چھوڑی آسماں
خوب یہ نقشہ ترا قایم رہا

گلشنِ ہستی تو جائے سیر ہے
یہ تماشہ پر نہ کوئی دم رہا

سینۂ عشاق ہے مہماں سرا
گاہ حسرت تیری گاہے غم رہا

کھول دے زنجیرِ وحشت پاؤں سے
اے جنوں اب زور مجھ میں کم رہا

داغ رہجائے گا اے شعلہ رخاں میرے بعد
ہائے یہ ہستیِ موہوم کہاں میرے بعد

اب جو آجاؤ تو بہتر ہے خراماں ہوکر
قبر پر کیا ہے رکھا سروِ رواں میرے بعد

کہتی ہے ابروے خمدار خمیدہ ہوکر
پہلی ایجاد ہوں میں تیر و کماں میرے بعد

ولہ

ہے قامتِ دلدار سے دل تنگ صنوبر
ہوتا ہے فدا ایک دری اُسکے چلن پر

عریانیِ تن خوب ہے زیبا تجھے مفتوںؔ
یہ چست قبا ٹھیک ہوئی تیرے بدن پر

رُکا ہے دم فقط اسواسطے آجائیں وہ شاید
خیالِ یار کیوں جاتا ہے مجھ سے بدگماں ہوکر

چھپانا بھید کا لازم ہوا ہے پردہ داری میں
نہ کر رسوا مجھے اے گریہ اب تو رازداں ہو کر

مثالِ نقطۂ پرکار ہوں مرکز نشینِ غم
کہاں اس دائرہ سے جاؤں زیرِ آسماں ہو کر

جلوہ گر سینے میں ہے تیرا جمالِ پُر جلال　　کعبۂ و بتخانہ میں ناحق ہے ناداں کی تلاش

جب مسیحا ہی جوابِ صاف دیتا ہے تو پھر
ہے عبث مفتوںؔ مجھے اب اپنے درماں کی تلاش

یہ رخ پہ پھیلا ہے اس زلفِ پرشکن کا رنگ
کہ آفتاب پہ جس طرح ہو گہن کا رنگ

شمیم زلفِ معنبر سے ہوتی گر ہمسر
ابھی اُڑاتی حنا نافۂ ختن کا رنگ

ہر ایک پردہ میں اسکو ہے لاکھ نیرنگی
ہے مثل بو قلموں گنبدِ کہن کا رنگ

وہی ہے دیر میں بھی اور وہی ہے کعبہ میں
بنایا ایک ہی ہے شیخ و برہمن کا رنگ

واہ کیا آہن کو تیغِ اصفہانی کر دیا　　بھر دئے ہیں صانعِ قدرت نے جوہر آب میں

اشک جاری کوے جاناں کو مرا دل لیچلا　　دل دہی کر کے لئے جاتا ہے رہبر آب میں

سر اُبھاروں کیونکہ مفتوںؔ بحرِ غم سے میں بھلا
غرقِ سیلِ گریۂ خونیں ہوں یکسر آب میں

اللہ رے تغافلِ گلفام سنگ دل　　جاتے ہیں ہم تو جان سے اسکو خبر نہیں

پروانہ ہے نہ شمع ہے نے بلبلِ چمن　　عبرت ہے یہ کہ کوئی مری گور پر نہیں

پامال مثل سبزہ ہوں گلشن میں دہر کے دیتا ہے چین یہ فلکِ فتنہ گر نہیں

وله

دیوانہ گلرخوں کا ہوں میں ہر بہار میں یہ بات اے صبا میں کہونگا ہزار میں
اعجاز اپنا رنگ حنا نے دکھا دیا کیا گل کھلے ہیں دیکھ لو دستِ نگار میں
آہوں کے ساتھ ساتھ ہیں آنسو مرے رواں کیا شعبدہ بنا ہے یہ میرے شرار میں
تشبیہ دوں جو زلف سے اُسکی تو ہے خطا یہ بو کہاں ہے نافۂ مشکِ تتار میں

وله

تیغ ابرو کو وہ اب اور جِلا دیتے ہیں مژدہ ہم دل کو شہادت کا سنا دیتے ہیں
چشم مخمور میں سرمہ وہ لگا لیتے ہیں اور اندھیر زمانہ میں مچا دیتے ہیں

وله

روز ہاے عیش کو بدلا ہے شامِ غم سے ہاے تیرہ بختی ہے خمیر اس چرخ کی بنیاد میں
واہ قسامِ ازل صدقے ہم اس تقسیم کے شب کٹی زاری میں اپنی دن کٹا فریاد میں

تہِ شمشیر قاتل سر جھکا ہے جس کا جی چاہے
مقامِ امتحاں ہے آزمائے جس کا جی چاہے
فتادہ ہوں سراسیمہ برنگِ نقش پا یارو
سراغِ رہ مجھے اپنا بنائے جس کا جی چاہے
جلا ہے ہجر میں اس شمع رو کے تن بدن ایسا
مجھے سرو چراغاں اب بنائے جس کا جی چاہے
یہی وہ آہِ آتشناک ہے دل میں مرے ناصح
کہ ہوں پتھّر کے ٹکڑے آزمائے جس کا جی چاہے

پروانہ کی طرح مجھے جلنا نصیب ہو چوں شمع یا خدا مجھے سوزِ جگر ملے
مفتوںؔ زمانہ ایک روش پر نہیں سدا
قانع ہو اُس پہ تجھکو جو کچھ خشک و تر ملے

مفتوں۔ پنڈت ٹھاکر پرشاد وانچو صاحب

عنان حکومت پنجاب جب گورنمنٹ برطانیہ کے ہاتھوں میں آئی تو اس زمانہ میں آپ کشمیر سے لاہور میں تشریف لائے اور آغاز ملازمت صدر عدالت دیوانی سے ہوا آخر عمر میں آپ جہلم اور ڈیرہ غازی خان میں تحصیلدار رہے اور اسی عہدہ سے آپ پنشن یاب ہوے۔ بعد سبکدوشی ملازمت آپ نے لاہور میں مستقل قیام پسند کیا ۱۸۵۷ء کے غدر کے زمانہ میں آپ دہلی میں موجود تھے۔

ہوا ہے ہمسے صف آرا یہ لشکرِ مینا — جھکا تو جام پہ ساقی ذرا سرِ مینا
شراب ناب سے تاباں ہے جوہرِ مینا — شکست ہووے تو بن جاوے خنجرِ مینا
بھرا ہے نور حقیقت کا زاہدا اس میں — لگی ہے مُہر نبوت کی بر سرِ مینا
خیال دَور کا رکھ ساقیِ خجستہ خصال — فلک نے تجھکو بنایا ہے افسرِ مینا
زباں ہے سوسن و دنداں سمن ہیں لب گلبرگ — دہن ہے غنچہ و گردن ہے ہمسرِ مینا

نہ جام مے سے تھی مائل یہ طبع مفتوں کی
غریقِ بحرِ عقوبت ہو رہبرِ مینا

بار صندل بھی جبیں پر نہ اُٹھایا جاتا — ہمسرِ ماہ جو قشقہ نہ لگایا جاتا
عکس تصویر جو بن جائے تو ہے نقش مراد — امتحاناً انھیں آئینہ دکھایا جاتا
جو گلعذار مرا آیا انجمن کے بیچ — تو رقص کرنے لگیں بلبلیں چمن کے بیچ
نہ کیوں ہو قدر تیری زیادہ ماہ رو ہر دم — لبوں پہ لعل تو الماس ہیں دہن کے بیچ
فغاں یہ کرتی ہے بلبل مرے جنازہ پر — کہ آتی ہے مرے دلبر کی بو کفن کے بیچ

ستارہ چمکے ہے جوں آب چاہ میں مفتوں
چمکتا خال ہے محبوب کا ذقن کے بیچ

دیوان پنڈت شیونا تھ کول ۔ منتظرؔ

نتھ مرصّع کار آویزاں ہو جس دم ناک میں ہالۂ مہتاب سمجھیں اہل عالم ناک میں
بوسۂ زلفِ عنبریں یار ہو مفتوں نصیب
غیر جو سونگھے تو ہو جائے وہی سم ناک میں

ادھر تو آہِ دروں سے بدن میں آگ لگی اُدھر بنالۂ بلبل چمن میں آگ لگی
دکھایا دستِ حنائی جو ماہرو نے مجھے مرا تو خون ہوا انجمن میں آگ لگی
غزل سرائی سے مفتوں کیوں نہ ہو دل تنگ
تبِ فراق سے شعر و سخن میں آگ لگی

تیغ ابرو میں تیری جو ہر ہمارا خون ہے زلف مشکیں آپ کی آمادۂ شب خون ہے
تیر مژگاں سے ترے اک صف کی صف بسمل ہوئی ایک باقی نیم بسمل یہ دلِ پرخون ہے
کل کو یہ بدذات کیا کیا شور و شر برپا کرے
آج میخانہ کے خم میں دختِ رز مدفون ہے

مفتطر۔ دیوان پنڈت شیو ناتھ کول صاحب خلف اصغر دیوان پنڈت شنکر ناتھ کول صاحب

آپ کا آغاز ملازمت محکمہ سررشتہ تعلیم پنجاب سے ہوا۔ ریاست جموں و کشمیر میں مختلف عہدہ ہائے جلیلہ پر مامور رہے۔ گو آپ کی عمر ساٹھ سال کی ہو چکی تھی مگر مہاراجہ صاحب بہادر نے آپ کو پنشن پر نہیں جانے دیا اور تا تاریخ وفات آپ بحیثیت سب رجسٹرار جموں اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔ آپ نے قریباً ۷۰ سال کی عمر تک پہونچکر سمت ۱۹۶۴ بکرمی میں وفات پائی آپ کی چند تصانیف ہندی نظم میں ہیں۔

مریضانِ لبِ لعلت کجا خواہند عیسیٰ را سیہ مستانِ چشمانت کجا جویند صہبا را
نیم ناداں کہ قبل از مرگ واویلا کنم زاہد کہ امروز عیشِ امروز است و فردا ہست فردا را

بدشتِ جستجوے یار سامانے نمی باید | براے رہبری یک شوقِ دل کافیست جویا را
دلِ پر سوز کباب است مرا | اشک چون رشک شراب است مرا
دلِ پُر تاب بہ تاب است مرا | دم بدم چشم پُر آب است مرا
بفراقِ رخ و زلفت دلبر | ہر شبم روز حساب است مرا

معنی ہست بہ لب بستنِ تو
گویا از زیست جواب است مرا

مریضِ عشق خالت را دوا نیست | کسے جانبر ازین حبِّ شفا نیست
مرا از دل رود یادِ رخ و زلف | درین دوران چنین صبح و مسا نیست
بہ دورِ گردشِ چشمش کسے را | بہ مے میلِ طبیعت ساقیا نیست

مخمور غم منتظر از دورِ گردون
کہ جز نامِ خدا کس را بقا نیست

باچنین تازہ ادا آن بتِ چین می گذرد | کافر از کفر چہ دیندار ز دین می گذرد
نالۂ صور و قیامت ہمہ از وے ذکر لیست | آنچہ در ہجر تو بر جانِ حزین می گذرد

ولہ

رہبرم تا تو نباشی من بہ تو چون رہبرم | تو ز تو نیکوتری و من ز من بس بدترم
بہر خود بیت القرار خود نما اے خود نما | تا بہ کے بر سر زنم خاکِ رہِ دیر و حرم
شاخِ نخلِ عشق را از ابر رحمت تازہ دار | تا ز سیرِ باغِ عالم ثمرۂ ہمرہ برم

اے سوزِ دلِ تپیدۂ عشق | یک ذرہ بہ دیدہ ام نظر کن
کن رحم بخاکِ من کہ خاکم | اے بادِ نہ از درش بدر کن
گر لذتِ دردِ عشق خواہی | از وصل صنم دلا حذر کن
جز دردِ فراقِ تو کسش نیست | بر بیکسیِ دلم نظر کن
کس نیست بجز جمالت اینجا | بے پردہ بہ چشمِ من گذر کن

اے صبح وصال روے بنما — شام ہجران زمن سفر کن
گو منتظرا تو ہمچو حافظ
یا رب شبِ ظلمتم سحر کن

مکن محشر بپا اے فتنہ گر زین گرم رفتاری — برنگِ نکہتِ گل کن گذر آہستہ آہستہ
زنی کوسِ شہی در ہر دو عالم چون شہِ خاور — برآری گر نفس مثلِ سحر آہستہ آہستہ

ولہ

اے مایۂ سرور دل وجان خوش آمدی — بیمار ہجر را پئے درمان خوش آمدی
ہر گل پئے معانقہ بندِ قبا کشاد — بادِ بہار سان بہ گلستان خوش آمدی
دام بلا بہ دوش و بکف خنجرِ ستم — جانان فدا شوم کہ بہ سامان خوش آمدی
مارا ز قیدِ دیر و حرم کردۂ رہا — در دل تصورِ رخ جانان خوش آمدی

اگر بہ ہر دلِ آئینہ وار داشتمے — بروے یار ہر آئینہ بار داشتمے
چرا فسانۂ دردم شدے محیطِ زمان — اگر نہ چشمِ تر و دل فگار داشتمے
حریصِ لذتِ دردم چہ پیشہ اے چرخ — بجاے یکدل اگر صد ہزار داشتمے
بہ خاکِ پاے صنم دسترس اگر بودے
بچشمِ منتظرِ خود غبار داشتمے

انتخاب کلیاتِ اُردو

آفتابِ حشر ہے داغ اک دلِ مہجور کا — دیدۂ عشاق بھی اک جوش ہے ناسور کا
ہجر میں سیرِ چمن اک حشر کرتی ہے بپا — صوتِ بلبل پر گماں ہوتا ہے بانگِ صور کا
ہے عبث تجھکو دلا امید چشمِ یار سے — کام نکلے کیا بھلا رنجور سے رنجور کا

دیکھ کر چشمِ مستِ ساقی کو — یاد آیا شراب کا پینا
ہجر ساقی کیں ہو گئی عادت — جاے مے خونِ ناب کا پینا
منتظر تھا شباب تک زیبا
چھوڑ دو اب شراب کا پینا

اب شوقِ چشم چھوڑ کے ابرو پہ ہے فدا | جو دل کہ مے پرست تھا دیندار ہو گیا
دنیا میں جانِ من دلِ بے آرزو ہے خوب | جب بال آیا شیشہ میں بیکار ہو گیا

تیغِ ابروے یار کیا کہنا | ہاں دلِ جاں نثار کیا کہنا
وقتِ مُردن بھی سوئے در تھی نگاہ | شوقِ دیدارِ یار کیا کہنا
حضرت نوح مانگتے ہیں پناہ | دیدۂ اشکبار کیا کہنا
اس نے بیداد پر کسی ہے کمر | ہاں دلِ بردبار کیا کہنا
ایسے وحشی کو کر لیا پابند | طرۂ تابدار کیا کہنا

منتظر خوب یہ غزل لکھی
اے مرے دلفگار کیا کہنا

کب میں منت کشِ جفا نہ ہوا | پھر نہ کہنا مرا کہا نہ ہوا
دہنِ زخم اپنا وا نہ ہوا | ہائے حقِ نمک ادا نہ ہوا
دل کو اپنے ہے جستجو اُس کی | جو کبھی صورت آشنا نہ ہوا
گرہِ زلف ہی کو وا کرتی | تجھ سے اتنا بھی اے صبا نہ ہوا
کب وہ دیکھے گا منزلِ مقصود | شوقِ دل جس کا رہنما نہ ہوا

ڈھونڈھا کیا اُسی کو تو غافل جو تجھ میں تھا | اور پھر بھی پایا اُس کو نہ کامل جو تجھ میں تھا
وقتِ عبورِ بحرِ فنا یاد کر اُسے | اے دل حباب ساں سرِ ساحل جو تجھ میں تھا

دل تو اندازِ یار نے مارا | جان کو انتظار نے مارا
نہ دیا لینے دم کہیں دم بھر | اس دلِ بیقرار نے مارا
نہ دیا جانے ہم کو سوئے عدم | تیرے قول و قرار نے مارا

ولہ

لذتِ درد بھلا چھوٹی ہے | غم مجھے کیا ہے میں غم کھاؤنگا
غمِ دلبر نہ جدا ہو مجھ سے | رنجِ تنہائی سے گھبراؤنگا

ہاتھ کھینچونگا نہ جان دینے سے　　پاوں مقتل میں بھی پھیلاؤنگا

ولہ

سودائی ہم کو زلف سیہ کار نے کیا　　بیمار ہم کو نرگسِ بیمار نے کیا

بیتاب وبیقرار و پریشان و مضطرب　　یہ حال ایک خواہشِ دیدار نے کیا

احوالِ منتظر سے نہ تھا کوئی آشنا

افشائے راز دیدۂ خونبار نے کیا

رنجش کا بتوں کی ہے گلا کیا　　کیا جانے خدا کی ہے رضا کیا

بیتابیِ دل سے اپنی ہوں تنگ　　اس بت کو کہوں برا بھلا کیا

برباد کی مشتِ خاک میری　　او بادِ صبا تجھے ہوا کیا

کیا ڈھونڈھ رہے ہو میرے دل میں　　جز یادِ صنم یہاں رہا کیا

اچھا۔ میں برا سہی ولیکن　　تم اپنی کہو۔ تمھیں ہوا کیا

ولہ

حالِ دل کچھ کہا نہیں جاتا　　بن کہے بھی رہا نہیں جاتا

آتشِ ہجر جل بجھے تو ہے خوب　　سوزِ دل اب سہا نہیں جاتا

گردشِ چشمِ یار آتی ہے　　ساغرِ مے پیا نہیں جاتا

ہجر میں زندگی کسے درکار　　بے اجل پر مرا نہیں جاتا

ولہ

عمر کو سمجھیں نہ کیوں نقشِ برآب　　سنگ دل وہ بت ہے اپنا دل حباب

وادیِ وحشت میں ہم تنہا نہیں　　دردِ دل ہے ہمدم اپنا ہم رکاب

کر نہ ہمچشمی مری آنکھوں سے تو　　آبرو سب ڈوب جائیگی سحاب

جو مقدر میں ہے ہوگا خود بخود

اس قدر اے منتظر کیا اضطراب

گر اچٹتی ہے کبھی آنکھوں میں آجاتی ہے نیند　　رات بھر ہجرِ صنم میں یوں ہی بہلاتی ہے نیند

دیکھکر پُریاس وحسرت دیدۂ بیدار کو　　رات بھر پلکوں تلک آآکے پھر جاتی ہے نیند

واہ ری تاثیر بخت خفتہ کیا کہنا ترا | میری صورت دیکھتے ہی اُن کو آجاتی ہے نیند
کیوں نہ سوتا دیکھ ان کو ہو نگاہِ شوق شاد | بخت بیداری کی صورت اسکو دکھلاتی ہے نیند

ہو میسر منتظر کو کیونکہ خواب وصل یار
طالع خفتہ کو اُس کے دیکھ ڈر جاتی ہے نیند

آتش

دل میں آئی ہے الٰہی یہ کدھر کی آتش | جس سے کوسوں ہے یہ دوزخ کی بھی سرکی
ساقیا پھونکا ہے گرمیِ محبت نے تیری | جام وہ دے کہ بجھے جس سے جگر کی آتش
شعلہ رو دل نہ اُلجھتا تو نہ جلتے دن رات | یہ لگائی ہوئی ہے اپنے ہی دل کی آتش

ولہ

مارے ہوئے ہیں اپنے ہی پاسِ وفا کے ہم | شاکی نہ کیوں ہوں آپ کی جور و جفا کے ہم
وہ اور بھی ستانے میں بیباک ہو گئے | پچھتا رہے ہیں حالِ دل اپنا سنا کے ہم
تھی ابتریِ زلف میں کچھ بہتری مری | ممنونِ التفات ہیں بادِ صبا کے ہم

ولہ

چشم تر داغِ جگر جانِ حزیں سوزشِ دل | مل گئے ہیں شبِ تنہائی کے یہ یار ہمیں
بیٹھے بٹھلائے تو آنکھوں کو رلا بیٹھے تھے | اور دکھلائیگی کیا حسرتِ دیدار ہمیں

منتظر حالِ دل اپنا کہیں اُن سے کیونکر
نہ وہ سنتے ہیں نہ ہے طاقتِ اظہار ہمیں

وہ مژگاں سرمہ سا ہے اور میں ہوں | وہی تیغِ جفا ہے اور میں ہوں
کسے تنہائی کا ہے غم شبِ ہجر | خیالِ دلربا ہے اور میں ہوں
کبھی تو دیکھ ہی لونگا رخ و زلف | یہی صبح و مسا ہے اور میں ہوں

غرض دیر و حرم سے منتظر کیا
کسی کا نقشِ پا ہے اور میں ہوں

ہے کسے شوقِ جفائے خوباں | ہم فقط پاسِ وفا کرتے ہیں
کیا یہی شرطِ محبت ہے کہ اب | میرے رونے پہ ہنسا کرتے ہیں

دیکھ کر شوق حنا کا تم کو — دل ہزاروں کے پسا کرتے ہیں
دل دیا کس نے خوشی سے اپنا — دلربا چھین لیا کرتے ہیں
کوئی دن اور پڑا رہنے دے — اے فلک ہم ترا کیا کرتے ہیں

گو سبز ہوں ظاہر میں مگر خوں سے بھرا ہوں — اس گلشن ایجاد میں میں برگ حنا ہوں
ناچیز نہ کیوں سمجھے مجھے مردم عالم — جوں اشک میں آپ اپنی ہی آنکھوں سے گرا ہوں
اللہ رے او سرکشی باد تکبر — مانند حباب آپ میں دریا سے جدا ہوں
سمجھاتے ہو کیا بندہ کو تم حضرت ناصح — کیوں توڑ کے دل بت کا گنہگار خدا ہوں
معلوم نہیں منتظر اب تک یہی مجھکو
غم میری غذا ہے کہ میں خود اسکی غذا ہوں

شوق گفتار صنم کیا ہم کو سنواتا نہیں — اشتیاق دید کیا کیا ہم کو دکھلاتا نہیں
ہے ادھر جانسوز نالوں کی تمنا سے خلش — اور ادھر آنکھوں میں اک قطرہ نظر آتا نہیں

کسکو معلوم ہے میں کیا کچھ ہوں — خود مرض ہوں میں یا دوا کچھ ہوں
پائے بوسی یار سے ہے غرض — فرش گل ہوں کہ سنگ پا کچھ ہوں
وہاں قدموں سے جا لگی ہے حنا — میں یہاں دل سے کہہ رہا کچھ ہوں
وہ دکھاتے ہیں مجھکو آئینہ — اور میں رکھتا التجا کچھ ہوں
کام کیا تجھکو نیک و بد سے مرے — ناصحا میں بھلا برا کچھ ہوں
پردۂ فصل یار کیونکر اٹھے — تا نہ سمجھوں کہ میں بھی کیا کچھ ہوں
منتظر پوچھو آج تم اس سے
بے خطا ہوں کہ پر خطا کچھ ہوں

عاشق حسن جفا گر ہم اگر ہوتے نہیں — چشم تر تفتہ جگر آفت بسر ہوتے نہیں
روے روشن پر ہمیشہ کیا یوں ہی رہتی نقاب — اشک بہ چشم ترمرے گر پردہ در ہوتے نہیں

وہ ہے خنجر۔ اب چڑھا لو آستیں ہنستے ہو کیا / تم کو دل دیتے اگر ہم بے جگر ہوتے نہیں

اسکے در سے فلک اُٹھا نہ ہمیں / دربدر کو بکو پھرا نہ ہمیں

اپنا دل نذر کرکے داغ لیا / کیسے دیتے بھلا صلا نہ ہمیں

مجھسے کہتے ہیں روکے دستِ جنوں / اپنے دامن سے کر جدا نہ ہمیں

چھوڑکر تجھکو حور کو چاہیں؟ / ایسا دیوانہ تو بنا نہ ہمیں

میرے ہی خونِ دل کا فیض یہ ہے / شوخیاں بس حنا دکھا نہ ہمیں

سن کے احوالِ دل مرا۔ احباب
بولے بس منتظر۔ رُلا نہ ہمیں

نہ شیشہ توڑیوں اے محتسب ڈر خونِ ناحق سے
نہاں رکھتا ہے جان اپنی ہر اک میخوار شیشہ میں

تفاوت خانقہ اور میکدے میں کیا ہے اے زاہد
تامل کچھ تو کر حق حق کے ہیں اذکار شیشہ میں

ناحق اُلجھتی ہے دل بیمار سے مرے / سمجھاؤ اپنی کاکلِ پُر پیچ و تاب کو

اے شوقِ دید چشم سیہ مست۔ دیکھنا / کسکی نظر ہوئی کہ ترستا ہوں خواب کو

غمازِ رازِ خاطرِ ہر نیک و بد ہے یہ / اتنا نہ منہ لگائیے صاحب شراب کو

ہمیں الفت نہیں ہرگز کسی سے / اگر کچھ ہے تو اپنی بیکسی سے

کسے تھا زلفِ خوباں سے سروکار / گئے پھنس اپنے دل کی بےبسی سے

وله

رنگ یہ عشق نے دکھایا ہے / خون آنکھوں میں بھر بھر آیا ہے

کون آیا ہے خود عدم سے یہاں / جذبِ اعمال کھینچ لایا ہے

خاکساروں سے اسقدر ہے غبار / کیوں ہمیں خاک میں ملایا ہے

آرزوہاے خام سے دل کو / منتظر ہمنے خود جلایا ہے

سودائیِ زلف کو تو دیکھو — لڑتا پھرتا ہے کیا ہوا سے
بھولوں کو بتائے راہ الفت — کچھ کم نہیں دل مرا ورا سے
اللہ بچانا ان بتوں کے — انداز سے ناز سے ادا سے
تلووں سے مرے ہی دل کو روندو — ہے شوق تمہیں اگر حنا سے

ولہ

ایسی رسوائی چاہتا ہے کوئی — دل ہی بس میں نہ ہو تو کیا کیجے
کوئی ہمدم نہیں نہ ہے مونس — کس سے اظہارِ مدعا کیجے
جُز خدا اپنے دل کے مطلب کی
منتظرؔ کس سے التجا کیجے

تیرے آبِ دمِ خنجر کی لذت — کوئی پوچھے مرے زخمِ جگر سے
دلِ مغموم کا احوال پنہاں — ہوا افشا خود اپنی چشمِ تر سے

ولہ

جفا کا تم سے کب مجھکو گلا ہے — عدوئے جاں مرا پاسِ وفا ہے
گئے تھے آپ کل گلگشت کو آج — چمن میں دیکھئے کیا گل کھلا ہے
دکھاؤں کیوں نہ دل کا داغ سب کو — یہ تحفہ آپ کا بخشا ہوا ہے

قصیدہ بہاریہ

واہ کس آن سے ہے آج میانِ گلشن — شاہِ گُل جلوہ نما بر سرِ اورنگِ چمن
ہر روشِ سنبلِ پیچاں سے گُس ان ہے نسیم — ہے لئے بادِ صبا بادزنِ برگِ سمن
مورپنکھی گُلِ خورشید لئے ہے ایسی — دیکھتے ہی جسے بیتاب ہو سورج کی کرن
بہرِ گلگشت جہاں آکے ہوا ہے حاضر — نکہتِ گُل کے لئے بادِ صبا کا توسن
رکھ کے کاندھے پہ نشاں طرہ رواں ہے آگے — ہے چپ و راست عجب فوجِ عنادل کی پھبن
نوبتِ خندۂ گل کی وہ صدا ہے موزوں — بجتی جیسے ہو دمِ صبح ہوا کی سن سن
رعد نے ابرِ بہاری کی سلامی سر کی — آنے آواز لگی چار طرف سے دن دن

پھونکا شہنا کو وہ سُر کرکے گلِ شہنا نے — جسکے سُننے کو بنا گوش ہر اک گل ہمہ تن
فرش سبزہ کا بچھا روکش مخمل ایسا — چرخِ اخضر کی جسے دیکھ ہوں آنکھیں روشن
صحنِ بستاں میں کھلی قوس قزح کی نکہت — فرش پر سبزہ کے جب لالہ ہوا عکس فگن
عطر پاشی وہ کری ابر بہاری نے عجب — جس سے ہر غنچہ بنا نافۂ آہوئے ختن
دیکھنے کے لئے یہ شان و شکوہ عالی — گلِ نرگس نے گریباں سے اُٹھائی گردن
مدح خوانیِ شہِ گل کے لئے گلشن میں — بن گئی غنچۂ گلِ زباں سوسنِ گویا ہمہ تن
بہرِ تفریحِ شہِ گل بصد انداز و ادا — کرکے سب ہار سنگار آئیں عروسانِ چمن
تھی دکھاتی کہیں نرگس وہ فسوں سازیِ چشم — مستیِ چشمِ غزالاں ہو جسے دیکھ ہرن
کرکے وا غنچہ دہن وقتِ تبسم اپنا — کہیں مستی کی اُدا اہٹ ہے دکھاتی سوسن
ہے کہیں زلفِ معنبر کو سنوارے سنبل — ہے کہیں سرو قد استادہ صنوبر بن ٹھن
نذر کرنے کے لئے لائی بصد شوق شمیم — زرِ گل سیم سمن زار کے بھر بھر دامن
موتیا نے وہ کئے بھر کے نچھاور موتی — ہو گیا صحنِ چمن دُرّ و گہر کا مخزن
ہو کے خوش رقص لگی کرنے نسیمِ سحری — گُل بنا کھل کے ہنسی سے دلِ ہر غنچہ دہن
جب خوشی کا ہی یہ موسم ہے نہ کیونکر پھر ہو — عشرت و عیش و مسرت کا ہر اک دل مسکن
ختم کر منتظر اب تو دعا پر اس کو — اُسکے حق میں کہ تو ہے جسکے بزیرِ دامن
جب تلک فصلِ بہاری رہے آتی ہر سال — اُسکے آنے سے بنے فرح کا ہر دل مسکن
جب تلک رونقِ بستاں ہو گلِ خنداں سے — جب تلک عیشِ عنادل کا مکاں ہو گلشن
تیرا عالم میں شگفتہ گلِ اقبال رہے — حامیِ کار ہو تیرا چمن آرائے زمن
عشرت و عیش و طرب ہوں ترے ہر دم ہمساز — سوزِ غم سے ترے بد بیں کا ہو سینہ گلخن

مناجات

کدھر ہے تو اے ساقیِ پُر سرور — میں بیٹھا ہوں مغموم راحت سے دور
پلا دے شرابِ مسرت فزا — کہ ہو بابِ عیش و طرب مجھ پہ وا

کدھر ہے تو اے ساقیِ ذوالکرم ۔۔۔ ہے گھیرے ہوئے مجھکو عالم کا غم

پلا وہ شرابِ کدورت رُبا ۔۔۔ کہ جس سے ملے دل کو نورِ صفا

کدھر ہے تو اے ساقیِ مہ لقا ۔۔۔ میں ہوں بستۂ ہوشِ وحشت فزا

پلا مجھکو وہ جامِ عشق اے عزیز ۔۔۔ رہے نیک و بد کی نہ پھر کچھ تمیز

کرم کر کہیں ساقیِ رحم کیش ۔۔۔ رہوں عقل سے کب تلک سینہ ریش

لئے بادۂ عشق کا جام آ ۔۔۔ خودی کا مرے دل سے پردہ اُٹھا

کدھر ہے تو اے ساقیِ جامِ عشق ۔۔۔ رہائی طلب ہوں میں پابندِ فسق

پلا مجھکو وہ ساغرِ مشک بو ۔۔۔ کُھلیں جس سے معنیِ لا تقنطو

کہ تا دور دل سے غمِ یاس ہو ۔۔۔ حصولِ مرادات کی آس ہو

شکِ این و آں میرے دل سے ہو دور ۔۔۔ ترا ہی ہر اک جا میں دیکھوں ظہور

عیاں ہے ہر اک شے میں ہے تو نہاں ۔۔۔ جہانتک ہے جو کچھ میانِ جہاں

تو ہی خالق و خلق و مخلوق ہے ۔۔۔ تو ہی عاشق و عشق و معشوق ہے

تو ہی ساجد اور تو ہی مسجود ہے ۔۔۔ تو ہی عبد اور تو ہی معبود ہے

تو ہی سایہ ہے اور تو ہی نور ہے ۔۔۔ تو ہی ماہ ہے اور تو ہی حور ہے

اگرچہ میں بندہ گنہگار ہوں ۔۔۔ ہوا و ہوس میں گرفتار ہوں

مگر کب ہے یہ تیری رحمت سے دور ۔۔۔ نہ بدلے مری تیرگی جو بہ نور

جہاں سایہ افگن ترا نور ہے ۔۔۔ وہاں تیرگی روکش طور ہے

تجھے گر بدل آپ منظور ہو ۔۔۔ تو بندہ سے کیوں بندگی دور ہو

خطاؤں کا گو میری انبار ہے ۔۔۔ مگر غم ہے کیا تو تو غفّار ہے

عجب کیا جو بر لائے میری امید ۔۔۔ سیہ چہ سے نکلوں بروے سفید

زمانہ میں جب تک میں جیتا رہوں ۔۔۔ محبت کا دم تیری بھرتا رہوں

عطا کر یہ اک میرے دل کی مراد
بہ دنیاؤ عقبیٰ رہوں شاد شاد

نہیں یہ جگہ اس قدر دیر کی
کہ ہے تو رحیم و غفور و سخی

ترے لطف و اکرام کا منتظر
ہے بیٹھا ہوا دیر سے منتظر

شکوۂ چرخ

اے گردشِ سپہر یہ کیا انقلاب ہے
کیوں ساکنان دہر کا عالم خراب ہے

قسمت میں راست بازوں کی کیوں پیچ و تاب ہے
کیوں کج نہاد مورد عزّ و خطاب ہے

اہلِ دغا کو رنج و الم سے فراغ ہے
ہر صاحبِ صفا کا جگر داغ داغ ہے

جہلا تو سربلند ہیں عاقل ذلیل و خوار
اغیار مستفیض ہیں محروم یار غار

اہلِ جفا ہیں شاد وفا جو ہیں اشکبار
اچھا نہیں یہ طور ترا چرخ نابکار

کیا قہر ہے کہ قیر ہنسے مشک ناب کو
ناقوس دے شکست صدائے رباب کو

ہیہات آج کیا یہ زمانہ کا حال ہے
جو صبح سربلند ہو شب پائمال ہے

جو صاحبِ کرم ہے اسیر زوال ہے
بختِ بخیل ہے کہ باوجِ کمال ہے

افسوس اہل رحم تو بے دست و پا ہوئے
اور سرفراز جو ہوئے اہلِ جفا ہوئے

ہیں آج وہ شریف جو کل تک تھے نابکار
پھرتے ہیں اہل عزت و حرمت ذلیل و خوار

گلیوں میں تنکے چنتے ہیں کل اہل روزگار
ہے سیر ایک آدھ کہیں فاقہ کش ہزار

پنجہ میں اہل ظلم کے مسکیں غریب ہیں
سفلے امیر بن گئے مفلس نجیب ہیں

پنڈت کیلاس پرشاد منشی۔ منشی

یارب یہ کیسی گردشِ لیل و نہار ہے — فصلِ بہار میں بھی خزاں آشکار ہے
جس گُل کے دل کو دیکھئے وہ خار خار ہے — صحنِ چمن میں زاغ بجائے ہزار ہے

بقراط کو جنوں ہوا اس انقلاب سے
فولاد موم ہوگیا اس سخت تاب سے

منشی۔ پنڈت بنسی دھر صاحب

تذکرۂ چمنستان کشمیر میں صرف ایک شعر آپ کا درج تھا وہ لکھا جاتا ہے۔

من کجا شہر کجا خطّۂ کشمیر کجا
سیر بھوپال دلم کرد شکارے عجبے

منشی۔ پنڈت کیلاس پرشاد صاحب خلف کنور گوری پرشاد صاحب ہمدم اکبر آبادی۔

آپ راے بہادر پنڈت بشیشر ناتھ صاحب ہانگل وکیل و رئیس اکبر پور ضلع فیض آباد کے نواسہ ہیں۔ آپ کے بزرگ تین چار پشتوں سے آگرہ کے رؤساء میں سے ہیں اور گورنمنٹ ہند کے سچے وفادار خدمتگذار تصور کئے جارہے ہیں۔ پھاگن سمت ۱۸۶۵ مطابق مارچ ۱۹۰۹ء میں آگرہ میں آپ تولد ہوے۔ آپ کی انگریزی تعلیم کا آغاز صرف چند ماہ کے لئے اپنے علم دوست محبِ وطن نانا صاحب کے مدرسہ بشیشر ناتھ ہائی اسکول اکبر پور میں ہوا تھا۔ بعد ازاں آگرہ وکٹوریہ ہائی اسکول میں آپ کی اسکول لائف بحسن خوبی پوری ہوئی۔ اب آپ آگرہ کالج میں ایم۔ اے کلاس کے ایک ہونہار طالب علم ہیں۔

ملنسار۔ ہمدرد۔ مہمان نواز و نکو شعار آپ پرلے درجہ کے ہیں۔ علمی بحث و مباحثوں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں جس کی وجہ سے آپ کو کالج کے تمام پروفیسر صاحبان اور طلبا اچھی طرح مسٹر منشی کے نام سے جانتے ہیں۔ آپ کے انگریزی

مضامین آگرہ کالج میگزین میں برابر شایع ہوتے رہتے ہیں۔

بی۔اے فارسی میں اور ایف اے فارسی اردو دونوں میں پاس کیا ہے۔شعرو سخن کا مذاق رکھتے ہیں۔کالج مذکور کی اردو لٹریری سوسائٹی کے بھی رکن اعظم ہیں۔مگر نظم کہتے بہت کم ہیں۔کنوو کیشن کے مشاعروں کے جلسوں میں ضرور طرحی غزلیں موزوں کرکے پڑھا کرتے ہیں۔مسدّس کے بند بھی اچھے کہہ لیتے ہیں۔پنڈت جواہر لال نہرو صاحب کی آمد آگرہ کالج پر میگزین آگرہ کالج ماہ نومبر ۱۹۲۹ء میں آپ کا یہ بند شایع ہوا تھا۔

ایسے اشخاص کو کہتے ہیں محبانِ وطن — ایسے ہمدردوں کو کہتے ہیں سبھی جانِ وطن

ایسے رنگین جواہر سے بڑھے شانِ وطن — انہیں لعلوں سے ضیا بار رہے کانِ وطن

پند اِن کی نہ سنے قوم تو پچھتائے گی

مفلسی آئیگی عزّت جو رہی جائے گی

اس بند سے آپ کی قوم پرستی اور وطن پرستی کا پتہ چلتا ہے۔

غزل

ضبط پر او ستم ایجاد ذرا داد نہیں — جان پر بن گئی اور ہمتِ فریاد نہیں

آنکھ جب سے ہے کھلی۔قیدِ قفس میں پایا — ہمصفیرو مجھے واللہ چمن یاد نہیں

باغ عالم میں پھرے سرو رواں ہی دیکھے — پا بہ گل پایا یہاں کوئی بھی شمشاد نہیں

نیم بسمل کیا چتون سے چرالیں آنکھیں — مجھکو بھاتا ہے ترا پیار یہ جلّاد نہیں

آبلہ پائی نے کیا لطف دئیے ہیں مجھکو — دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

دارِ فانی میں ملی ہم کو بقائے جاوید — عشق میں یار کے مٹ کر ہوے برباد نہیں

دیگر

کثرت میں لاکھ بیٹھ کے پردا کرے کوئی — دیکھیں ہم اس طرح سے کہ دیکھا کرے کوئی

غش آئیں مجھکو برق تجلّی پہ لاکھ بار — ایمن کا بار بار تماشا کرے کوئی

سودائے عشق۔کارِ جہاں۔فکرِ نظم و نسق — دو دن کی اس حیات میں کیا کیا کرے کوئی

ملنا بتوں سے کھیل نہیں۔ سنگدل ہیں یہ — پتھر کا پہلے اپنا کلیجا کرے کوئی

لیکر وہ دل کو آنکھوں ہی آنکھوں میں چلدیئے — پکر کرہ لے مال لو رویا کرے کوئی

میّت پہ میری آئے ہیں پر ہے خیال مگر — کہتے ہیں کیوں جگائیں جو سویا کرے کوئی

دیگر

سیماب بن رہا جو دلِ بیقرار ہے — اُٹھ اُٹھ کے بیٹھتا ہوں عجب انتشار ہے

باغِ جہاں میں اندنوں بے غم ہزار ہے — باقی خزاں کی فکر۔ نہ یادِ بہار ہے

داغوں نے میرے دل کو ہے رشکِ چمن کیا — آئے خزاں نہ جس میں یہ وہ لالہ زار ہے

وحشت کے ہاتھ نے لگی لپٹی نہیں رکھی — دامن ہے چاک۔ جیب مری تار تار ہے

محوِ جمالِ یار تصوّر نے کردیا — آنکھوں میں اپنی پھر رہا دیدارِ یار ہے

قسمت پہ مجھکو چھوڑ گئیں یاس و بیکسی — فرقت میں غمزدے کا ترے کون یار ہے

طاعت گزار بنّے کے منشیؔ یہی ہیں دن

کب یہ مئے شباب کا اچھا خمار ہے

منصور۔ پنڈت گنگا بشن۔ ساکن بھانہ محلہ سرینگر کشمیر

پچھتّر سال کی عمر کے بعد آپ نے وفات پائی ہے۔ اور زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا

وقتِ بہار آمدہ۔ بوئے گُل از صبا طلب — غنچہ دلی۔ بکنج غم۔ گوشۂ دلکشا طلب

گشت چو من عاشقے رنج کشِ بلا طلب — جور و جفا بما مکن۔ مہر و وفا ز ما طلب

پیرِ مغان بگوشِ من گفت بہر دز سے مرو — ہر چہ طلب تو میکنی۔ ہست بلند ما طلب

سینہ اگر ز آرزو پاک کنی چو آئینہ — عکسِ جمالِ رود گراز دلِ پُر صفا طلب

عاقبتِ کارِ او ذکرِ انا الحق بود

کیست چو منصورؔ ما مردِ خدا۔ خدا طلب

وارو آباد خدا میکدہ را — میکند شاد دل غمزدہ را

کرد رحمے بدلِ سوختہ ام — دیدہ چوں خانۂ آتش زدہ را

چہ شود گر بہ گناہے گاہے | بکف آری دلِ از کف شدہ را
کس ندیدم کہ او دریابد | صورتِ حالِ مسافر شدہ را
دشمنِ خانگیِ جانی تست | جز بہ این نفس مجو عربدہ را
ساقی از لطف و کرم زآبِ عنیب | داو برباد بنا غمکدہ را
نیست جز دامنِ صحرا جاے | دل پسند این دلِ سودازدہ را
ہر کہ بگذشت ز نیرنگِ جہاں | دلِ او خوش نہ کند شعبدہ را

ہمرہِ خلق چو منصور سگے
در جہان خوش نہ کنم عربدہ را

قصیدہ

جز گلِ خورشید رو بیت ننگرم سوے دگر | صد قسم گر مشتری باشم بہ روے دگر
تا بکے از ما گریزی میروی سوے دگر | بعد ازین ما و سرِ کوے و گلروے دگر
دور چون دشمن نمانم از کنارِ خویشتن | گر بود دل را ہوس گاہے سرِ کوے دگر
آتش در خرمنِ جانم فتد از رشکِ آں | گر بود آن شمع رو پہلو بہ پہلوے دگر
بوے مشک و عود را با بوے او نسبت مکن | سنبلِ زلفِ بتان را ہست خوشبوے دگر
بر عذارِ آتشین آتش پرستی میکند | نیست چون خالِ سیاہِ یار ہندوے دگر
میکشی و منتے بر جانِ عاشق می نہی | نیست ہرگز در جہان چون تو ستم خوے دگر
میکنی از معنیِ ناز و کرشمہ آگہم | ہمچو چشم او نمی باشد سخنگوے دگر
بر نمی خیزم ز جاے خویشتن چون نقشِ پا | جز سرِ کویت ندارم من سرِ کوے دگر
کردہ ام سر را نثارِ خاکپاے آن صنم | حاش للہ گر روم اکنون سرِ کوے دگر
در سیہ رویانِ او در حشر منشلش کم بود | نامۂ اعمالِ خود دیدم سیہ روے دگر
عالمے را میکند از یک نگہ شیداے خود | نیست بر روے زمین منشلش پریروے دگر

تا تو باشی در نظر بر مسندِ ناز و ادا — حیف آن چشمے کہ افتد جانبِ روئے دگر
آنقدر دل را بیادِ روے خویت بستہ ام — نیست ممکن این خیالِ من رود سوئے دگر
یک نگاہِ گرم تو گر عالمے سوزد چہ دور — نیست چون خورشید رویت آتشین خوئے دگر
غیر ترکِ چشم او ہرگز بزیرِ آسمان — فتنۂ دوران ندیدم چشمِ جادوئے دگر

عاقبت منصور را دل بر کلامِ حق رساند
کیست چون دل در جہان نازک نکو خوئے دگر

رباعی

جمعے کہ بدیدارِ تو مینوش شدند — از نورِ تجلّی تو مدہوش شدند
بین طرفہ کسانیکہ ندیدند ترا — چون دیدہ بعشقِ تو سیہ پوش شدند

فرد

آنکہ در گل بوے و در یاقوت آب و رنگ داشت — شورِ عشقت در دلِ من چون شرر در سنگ داشت

منیر ـ پنڈت نرنجن ناتھ صاحب ریٹو نائب ناظم ضلع سانبھر ـ

تاریخ تولد شدن فرزند ارجمند بجناب پنڈت شیام پرشاد گرو

ہوا گھر میں لڑکا جو راد ھاکشن کے — خوشی کی ہے ہر سمت سے آمد آمد
جو کی فکر از بہر تاریخ میں نے — لگا مجھ سے یوں کہنے ہاتف کہ آمد
مسرّت منیر اب نہ ہو کس طرح سے — یہ خورشیدِ روشن ہوا جب برآمد
۱۹۴۰ بکرمی

دیگر

چون ز الطافِ الٰہی شام جی را پسر — گشت از نورِ رخش خجلت زدہ ماہِ منیر
بر فلک زہرہ اگر آید برقص اندر سزد — آنکہ ہست این ماہِ نو در حسن و خوبی بے نظیر

بہرِ تاریخش بگفتا ہاتفے نورو زکن
از حمل آمد برون چون نیّرِ اعظم منیر
۱۸۸۳ء

موزوں - پنڈت گردھاری لال تکرو صاحب خلف

پنڈت کاشی ناتھ تکرو صاحب۔

سال پیدائش جنوری ۱۸۷۴ء تاریخ وفات ۲۸ فروری ۱۹۰۶ء - بی۔ اے ۱۸۹۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔ محکمہ سررشتۂ تعلیم پنجاب میں ملازم رہے۔ شاعری کا شوق لڑکپن سے تھا اور یہ شوق ۱۹۰۳ء تک قائم رہا۔ آپ ستار خوب بجاتے تھے خوش گلو اور نہایت خلیق تھے۔ ایک کتاب انڈین و انگلش میوزک کے تقابل میں لکھی تھی۔ انگریزی پوئٹری کے کہنے کا بھی شوق تھا۔ انڈیا پر ایک نظم ۱۹۰۳ء میں کہی تھی۔

نالۂ میخوار

اپنا رونا کسے سناؤں میں — آپ بیتی کسے بتاؤں میں
موت سر پر کھڑی ڈراتی ہے — خود ہوں دکھیا کسے دکھاؤں میں
سارے روپوش ہم نوالہ ہوئے — ہائے اپنا کسے بناؤں میں
بیوی، ماں، باپ اور بچوں کو — ہائے کس منہ سے منہ دکھاؤں میں
ان کی مانی نہ ایک بھی میں نے — بارِ غم کس طرح اٹھاؤں میں
یہ بھی قسمت میں دیکھنا دن تھا — رو چکا ہوں کسے رلاؤں میں
مے کے ہاتھوں ہوا کلیجہ کباب — کس طرح سوزِ دل بجھاؤں میں

مے کے پینے سے زہر ہی کھاتا
جھگڑا یہ زندگی کا مٹ جاتا

ایک دن میں بھی ماہِ کامل تھا — جانِ مادر تھا۔ زیبِ محفل تھا
کیسی الفت سے پالتے تھے مجھے — نور افروزِ شیشۂ دل تھا
ہاں کھلونوں سے کھیلتا تھا میں — اپنے کھیلوں میں خوب شاغل تھا
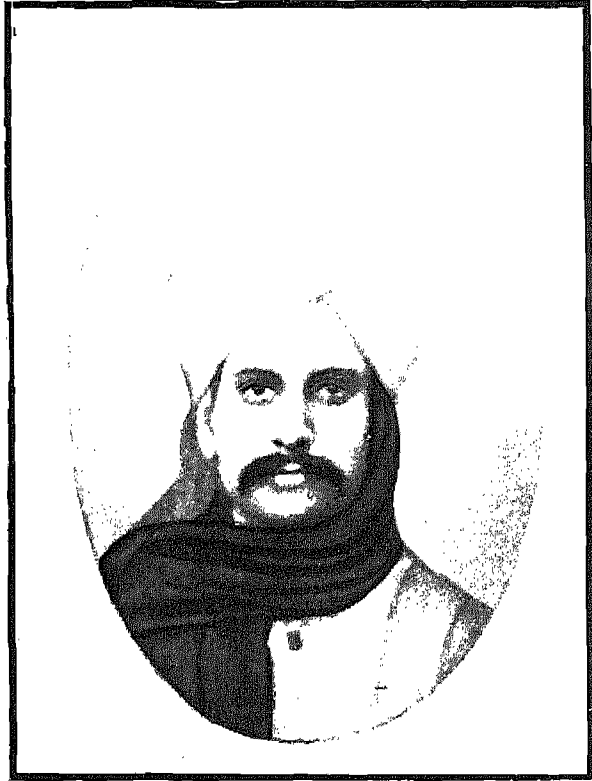
پنڈت گردھاری لال تکرو۔ موزوںؔ

رات بھر نیند جب نہ آتی تھی ہائے اماں تمھیں کو مشکل تھا
خار بن کر تمھیں ڈراتا ہوں مثل گل میں بھی راحت دل تھا
میٹھی میٹھی وہ میری باتیں تھیں دل عزیزوں کا مجھ پہ مائل تھا
وہ گئے دن۔ نہ آئینگے صد حیف وائے! کیا ئیں اسی کے قابل تھا

ہائے دشمن تھا آسماں میرا
جس نے چھوڑا نہیں نشاں میرا

ئیں ہوں، اماں! وہی دُرِ نایاب جس سے رہتا تھا دل ترا شاداب
ہائے! میری ہی اس بُری لت سے لُٹ گیا تیرا گلشنِ نایاب
تیری پھٹکار پڑ گئی مجھ پر! میری ہستی پہ پھر گیا سیلاب
ہڈیوں کا کیا مجھے پنجر مے نے جسکا تھا عاشقِ بیتاب
وائے دنیا میں آکے کیا دیکھا کھو دیا یونہیں اپنا عہدِ شباب
اب اجازت ہو پائے بوسی کی جوشِ الفت سے دل ہوا بیتاب

سب کو دُنیا میں جھوٹی چاہت تھی
ایک تمھیں کو یہ سچی الفت تھی

جام تھا میرا شاہدِ مقصود میں تو حامد تھا اور وہ محمود
دولت جاں اسی میں صرف ہوئی جسکو سمجھا تھا باعثِ بہبود
پی کے جب سیرِ باغ کرتا تھا لہریں لیتی تھی خاطرِ خوشنود
نشۂ ناب جب اُترتا تھا چڑھتا تھا پھر خمارِ غم آلود
دیکھنا چاہو گر مآل اس کا دیکھ لو میری صورت موجود
روتا اپنے کئے پہ جی بھر کر تابِ گریہ بھی ہو گئی مفقود

اہلِ دُنیا اِسے نہ پینا تم!
موت سمجھو بس ایسا جینا تم!

مے کو میں جانتا تھا مایۂ ناز | تھی یہی میری مشفق و دمساز
نشۂ مے کے جوش مستی میں | ہر کسی کا تھا مونس و ہمراز
جب ذرا سا سرور ہوتا تھا | اس کی بھاتی تھی خوبیِ انداز
مجھکو آخر یہ ہو گیا معلوم | تھی یہ بیدادِ دلبرِ طنّاز
جان پر اپنی کھیل جاتے ہیں | اسکی اُلفت میں عاشقِ جانباز
ایک چلّو میں اُلّو کر دیتا | اسکا ادنیٰ سا ایک ہے اعجاز
جو کہ اس شمع کے ہیں پروانے | ان کو حاصل ہوا ہے سوز و گداز

مے یہ دیکھی تری فسونکاری
دشمنِ جاں ہے تیری غمخواری

اے جوانی مری کہاں ہے تو | میری آنکھوں سے کیوں نہاں ہے تو
آ اِکہ ایکبار دیکھ لوں تجھکو | زندگانی کی میری جاں ہے تو
مجھکو دنیا میں ناز تھا تجھ پر | رو کشِ آمدِ خزاں ہے تو
اے جوانی تجھی کو کہتے ہیں | باغِ ہستی کی پاسباں ہے تو
سچ تو یہ ہے جہازِ ہستی کی | بحرِ عالم میں بادباں ہے تو
مے کے پینے سے کیا ہوا تجھکو | میری آنکھوں سے کیوں نہاں ہے تو
ہم تو دو دن کے اور مہماں ہیں | اور دُنیا میں جاوداں ہے تو

الوداع اب تجھے جوانی ہے
ہمنے چلنے کی دل میں ٹھانی ہے

میرا مُردہ اُٹھائیگا اب کون | غسلِ میت کرائیگا اب کون
ہو گی کیونکر نجات اب میری | مجھکو گیتا سنائیگا اب کون
بسترِ خاک پر لٹا کے مجھے | ماہِ انور دکھائیگا اب کون

ٹوٹنے کو ہے میرا کاسۂ سر	آبِ گنگا پلائیگا اب کون
بعدِ مُردن مرے جنازے پر	اشکِ ماتم بہائیگا اب کون
مُنتظر ہو ہے یہ سب تمہارا کیا	تم نہ آئے تو آئیگا اب کون

اپنے بسمل کو اب سنبھالو تم
ہڈیاں اس کی بھی چبالو تم

تیرا ہی ڈر ہے اب مرے یزداں	تجھکو کہتے ہیں ارحم ورحماں
جاؤں تیرے سوا کہاں اب میں	کر دے آباد خانۂ ویراں
میری ہستی پہ پڑ گیا پالا	نکلے میرے نہ حسرت وارماں
ہوں پشیماں شراب خوری سے	خون روتے ہیں دیدۂ گریاں
یا الٰہی ترے سوا اب میں	کسکو دکھلاؤں سینۂ سوزاں
دُور تجھ سے نہیں پلادے اگر	جُرعۂ آبِ چشمۂ حیواں
ابرِ رحمت سے دے بجھا اب تو	میرے قالب کی آتشِ سوزاں

مے کے پینے سے توبہ کرتا ہوں
آخری دم میں سجدہ کرتا ہوں

خودکُشی

کیا آج بیاں کیجئے اسرارِ تصرّف	کیا نقش قلم کیجئے اوصافِ تصوّف
کیونکر ہو عیاں ذکرِ شررِ بارِ تاسّف	لکھنے میں قلم کو ہے جھجک اور تکلف

جنّت بھی اسی میں ہے جہنّم بھی اسی میں
شادی بھی اسی میں ہے تو ماتم بھی اسی میں

ماتم کی کروں پہلے میں بس عقدہ کشائی	اشکوں میں کہوں تم سے میں درد جدائی
ہے قصۂ غم اس کی نہیں نغمہ سرائی	جو آہ بھی نکلی تو بنی تیر ہوائی

اعمال تھے اپنے جو بنے دشمنِ ایماں
ہیں جن کی بدولت سبھی بخیدۂ گریاں

غنچوں کو دیا کاٹ ترے جور و جفا نے　　شہروں کو کیا خاک ترے مکر و دغا نے
لاکھوں کو اُڑایا ہے تری چلتی ہوا نے　　جینے نہ دیا ہائے ترے تیرِ قضا نے

دنیا میں تو ہے معرکہ آرائے قیامت
مچ جائے نہ کیوں ہر جگہ غوغائے قیامت

دنیا میں ترا کام ہے بس رنج فزائی　　تقدیر میں لکھ دیتی ہے تو داغِ جدائی
معلوم نہیں کیا ہے ترے دل میں سمائی　　کوئی نہ بلائے بھی تو کہتی ہے میں آئی

سقراط کو بھی ڈھونڈ کے دیوانہ بنایا
جو جو تھے یگانے انھیں بیگانہ بنایا

اللہ نہ تری چاشنیِ ناز چکھائے　　انساں کو نہ یہ صورتِ دمساز دکھائے
وحشت میں کوئی اسکو نہ ہمراز بنائے　　دشمن پہ بھی یہ آفتِ جاں کام نہ آئے

عالم میں کوئی اس سا دل آزار نہ ہوگا
کمبخت کوئی ایسا فسوں ساز نہ ہوگا

اے زہد مجھے تیری بھی تعظیم بجا ہے　　سب سیکھ کے اک تیری بھی تعلیم روا ہے
آگے ترے وہ کوثر و تسنیم بھی کیا ہے　　وہ راہ ہے دنیا میں جو تسلیم رضا ہے

اک نور ہے جو کرتا ہے اس دل میں بسیرا
مشتاق تصوف نے جسے خوب نکھارا

صوفی ترے جو ہر کی جھلک مان گئے ہیں　　یوگی ترے انداز نئے جان گئے ہیں
ہم بھی تجھے کچھ یونہیں سا پہچان گئے ہیں　　دنیا میں سبھی لوہا ترا مان گئے ہیں

انسان کی خلقت میں تو ہیرے کی کنی ہے
وہ شکل میں گر ناگ ہے تو اُس کی منی ہے

انساں کے لئے کیوں نہ کھوں چشمۂ حیواں — جس جاں میں تو ہو نہ ہو کیوں رحمت یزداں
اس تختۂ دل پر تو ہے وہ صفحۂ بستان — عرفاں کے لگے بار کھلے ہیں گل خنداں

اک گل کی مہک سے سبھی نقشہ نہ پلٹ جائے
اپنے لئے یہ تختۂ دنیا نہ اُلٹ جائے

اے کام ہمیں عالم بالا سے گرایا — اے کرودھ ہمیں تختۂ دوراں سے مٹایا
اے لوبھ ہمیں دنیا کے دھندوں میں پھنسایا — اے موہ ہمیں حب کا یہ کیوں جام پلایا

ان چاروں سے لے دل جو کسی طور تو چھوٹے
ابلیس کی خواری ہو یہ ابھمان بھی ٹوٹے

اللہ مرے دل کی خودی کو تو مٹا دے — اس چشمۂ حیواں کا مجھے جام پلا دے
اس دل کی لگی لو کو تو اپنے میں ملا لے — تاریکی دل کے تو یہ سب پردے ہٹا دے

تا عالم بالا میں بنے اختر تاباں
موزوں ترا دل یاد خدا میں رہے شاداں

صنعت و حرفت

ترقی قومی کے اے پاسبانو — رموز طریقت کے اے نکتہ دانو
ہے واجب کہ تم فرض کو اپنے جانو — کہے جائیں گے ہم یہ مانو نہ مانو

کہو حالت قوم کچھ جانتے ہو
بھلا اور برا اپنا پہچانتے ہو

عطا کی خدا نے تمھیں جاہ و ثروت — ہے حاصل ہوئی اسقدر گو کہ عظمت
یہ سارے تجمل یہ شاہانہ شوکت — کہے جاتے ہیں مایۂ عقل و حکمت

اسی خواب غفلت میں سوتے رہو گے
یوہیں وقت بیکار کھوتے رہو گے

خدارا نہ لو نام خوابِ گراں کا غرور و تساہل کا وہم و گماں کا
بدلنے کو ہے رنگ سارے جہاں کا نہ کچھ پوچھئے حال کیلِ زماں کا
کئی فاقہ مستی میں دن کاٹتے ہیں
کئی باتیں بیٹھے نری چھانٹتے ہیں

مبارک ہو نوروز اقبال تم کو مبارک یہ شوکت یہ اجلال تم کو
مبارک ہو یہ وقت خوشحال تم کو مبارک ہو یہ دولت و مال تم کو
اُٹھایا ہے تعلیم صنعت کا بیڑا
یہی مدعا اپنی ہستی کا سمجھا

اسی کی ہے تو انکے ہر مرد و زن میں اسی کی ہے دھن انکے ہر اک چلن میں
کمالات حاصل کئے اس لگن میں رہے پھرتے وہ ہند و چین و ختن میں
اسی ہاتھ کو کلکِ قدرت بنایا
ہر اک کام نیچر کا کرکے دکھایا

بنے چرخِ صنعت کے وہ ماہِ کامل فنونِ جہاں سب کئے خوب حاصل
کئے وا جو گتھے تھے مشکل سے مشکل کئے دور ہم سے خیالات باطل
جہاں میں ہیں وہ کارنامے دکھائے
جو غیروں کے وہم و گماں میں نہ آئے

کسی کے اگر پاس کوئی ہنر ہو یہ امید دل کس لئے بے اثر ہو
رہو شاد و خورّم نہ خوف و خطر ہو ضیاء صنائع اگر جلوہ گر ہو
نہ بگڑیں کبھی کام اپنے سراسر
ملے خود ہی جو ہے نوشتِ مقدّر

سنی بھی ہے جاپان کی کچھ ترقی		کہ کیا خوب سوجھی انھیں اپنے گھر کی
لگائی وہ صنعت کی ہے تار برقی		تجارت علی سب ادھر کی ادھر کی

ہر اک کام میں نیک و بد اپنا سمجھا
زمانے کا دل اپنی جانب ہے کھینچا

یہی سب کی دھن ہے کہ ہم بھائے بہنیں ہم		زمانہ میں تحصیل علمی کریں ہم
نیوٹن پہ بیکن پہ لکچر سنیں ہم		نئی سے نئی کچھ کتابیں پڑھیں ہم

مگر پڑھ کے پھر خوب پچھتائیں گے وہ
اور اپنا کیا آپ بھر پائیں گے وہ

ہے واجب ہمیں سیکھنی دستکاری		کرو ترک اب کارِ اختر شماری
ہے احباب اس میں بھلائی ہماری		مٹے گی اسی طور سے شرمساری

ہے دار و مدار آپ کا سب اسی پر
ہے گمراہوں کی بس یہی نیک رہبر

وہی قیصرہ جو کہ شاہِ جہاں تھی		جو رطب اللساں اور عذب البیاں تھی
رعایا کی جو مادرِ مہرباں تھی		ارے ہندیو ہند کی پاسباں تھی

ہوا یادگاری میں اسکول قائم
رہے تا ابد نام نامی یہ دائم

مرثیہ بر وفات حسرت آیات جناب کپتن صاحب بہادر ایم پی

کیوں بلبلِ ریاضِ سخن بے زباں نہ ہو		کیوں نرگسِ حدیقۂ غم خوں فشاں نہ ہو
کیوں بحرِ اشک جوش میں آکر رواں نہ ہو		کیوں عالمِ بہار میں رنگِ خزاں نہ ہو

پیکِ اجل کسی کو اگر یوں جدا کرے
آشفتہ دل نہ تڑپے تو پھر اور کیا کرے

ہاں جل گیا کلیجے پہ اک خنجرِ الم　　دل سے نکل رہی ہے عبث آہ دردو غم
صد حیف کس طرف وہ گئے اپنے ذی حشم　　اعزاز ٹیمپرنس بڑھا جن سے دمبدم

ہر دم زمانہ داغ دگر گونہ بر نہد
یک داغ نیک نا شدہ داغِ دگر دہد

صدمہ یہ وہ نہیں ہے کہ ہم جسکی تاب لائیں　　صدمہ یہ وہ نہیں ہے کہ ہم جسکو بھول جائیں
سوزِ الم میں کسلئے آنسو نہ ہم بہائیں　　چیخیں زمین و آسماں سر پہ نہ کیوں اُٹھائیں

موجود جنکو سمجھے تھے معدوم ہوگئے
زندہ جو کل تھے آج وہ مرحوم ہوگئے

اے قبلہ غم میں آپ کے ہم سوگوار ہیں　　فرقت کے غم میں آپ کے ہم اشکبار ہیں
ہم نشترِ الم سے ہوئے دلفگار ہیں　　کیسے ستم رسیدہ ہیں اور بیقرار ہیں

رونے سے اپنے چشم کا طوفاں بپا ہوا
ہے کاسۂ حباب میں دریا بھرا ہوا

ہاں ہم اِدھر تھے آس میں تم جانکنی پر آئے　　تمنے سنی ہماری نہ کچھ اپنی کہنے پائے
فرصت نہ موت سے ملی دم بھر کی ہم کو ہائے　　ہے ڈر کلیجہ پھٹ کے یہ اپنا نکل نہ جائے

"اس غم سے زندگی میں ہمارے خلل پڑا
کیسی سناں لگی کہ کلیجہ نکل پڑا"

اے ہند لُٹ گیا ترا سرمایۂ نشاط　　ہمدم ترا حبیب ترا کر گیا وفات
وہ ڈھنگ اب رہے نہ رہی اب وہ تیری بات　　جب سے کہ چلدیا ترا حامی نکو صفات

"ہاں اشک چشم سے تری پیہم ٹپکتے ہیں
نرگس کے گل سے قطرۂ شبنم ٹپکتے ہیں"

جب تک جہاں میں گردشِ ارض و سما رہے　　یہ خاک و باد و آب یہ ٹھنڈی ہوا رہے

ہاں جب تلک یہ آمد صبح و مسا رہے　　یہ گلشنِ مراد ہرا اور بھرا رہے
اے کیتن تجھکو روضۂ رضواں نصیب ہو
موزوں بھی بارگاہ خدا کا حبیب ہو

نظم تہنیت بتقریب جلسۂ تاجپوشی شاہ زماں خسروِ ہندوستاں شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم

اے شہنشاہِ جہاں۔ اے قیصرِ ہندوستاں　　اے رموزِ سلطنت کے رہنما اور نکتہ داں
عدل کی نظروں میں اے غیرت دہِ نوشیرواں　　دے رہا ہے آج یہ تجھکو دعا سارا جہاں
کوئی خطہ ہو وہاں سکا ترا چلتا رہے
اور عدو حسرت سے اپنے ہاتھ ہی ملتا رہے

صورتِ خورشید تاباں ہو ترا جاہ و جلال　　تیرا حامی عیش ہو اور غیر کا رنج و ملال
گردنِ اعدا پہ چمکے روز و شب تیغ ہلال　　اے ہمایوں طالع اے بختِ سکندر کی مثال
بختِ فرخندہ ہمیشہ تجھپہ شیدا یوں رہے
روے گل پر جس طرح بلبل سدا مفتوں رہے

گوشِ گل میں پھونکتی ہے آج یہ بادِ صبا　　بلبلِ شیدا کو چہکا نغمہ سنجی میں ذرا
ہے بہت مشہور عالم آج اُس کا چہچہا　　شاہ آتے ہیں اُنھیں دے اپنا کچھ جوہر دکھا
دھن کوئی ہو بھیرویں کی یا جے نقشِ بہار
ہو للت با گیسری چھایا جھنجھوٹی دیپکار

کیوں بھلی چنگی ہے یا رو نرگسِ بیمار آج　　یہ پریشاں کیوں نہیں ہے سنبل بلدار آج
کی غضب سوسن نے پیدا طاقتِ گفتار آج　　ہے غضب ڈھاتی تری کبکِ دری رفتار آج
جب یہ نقشہ باغ کا ہو اور یہ سامان ہو
دیکھ کر چشمِ تماشائی نہ کیوں حیران ہو

عاشقوں کی آنکھ سے آنسو رواں ہوتا نہیں　　اب شبِ فرقت میں وہ آہ و فغاں ہوتا نہیں
رنج و غم اب عاشقوں کا میہماں ہوتا نہیں　　انکے درپے آسماں بہر زیاں ہوتا نہیں

اب نہیں معشوق رکھتے اپنے چہرے پر نقاب
یہ تری مسند نشینی نے کیا ہے انقلاب

جشنِ جمشیدی کا مدت سے سُنا کرتے تھے ڈھنگ　　عقل حیراں اور خرد ہوتی تھی جسکو سن کے دنگ
دیکھ پاتا وہ بھی گر یہ رونقِ جشنِ امنگ　　کون کہتا ہے کہ اُس کا شرم سے اُڑتا نہ رنگ

ہو مبارک صد مبارک آپ کو جشنِ سعید
سارے عالم میں ہے جسکی آج یہ گفت و شنید

کھینچ لے اب لجۂ غم سے ذرا راحت مجھے　　اور کچھ کر دے عطا گفتار کی طاقت مجھے
اور بیانِ مدح قیصر کی بھی دے ہمت مجھے　　بخت پھر پہنچا دے میرا تا درِ حضرت مجھے

درگہِ والا میں جا کر جبہ سائی میں کروں
مثل بلبل مدح میں نغمہ سرائی میں کروں

کھینچ اب نقشہ ذرا دہلی کا اے طبعِ رواں　　کس خوشی میں آج ہوگی موجزن جمنا وہاں
خوب رنگ رلیاں مناتے ہیں سبھی خورد و کلاں　　اہلِ ہند کے ہو رہے ہیں آج دل کیا شادماں

دھوم ہے اور ہیں خوشی کے شادیانے بج رہے
واہ واہ کس ٹھاٹھ سے سب مرد و زن ہیں سج رہے

تا ابد شاہا رہے سب پر حکومت آپ کی　　طرۂ دستارِ عالم ہو اطاعت آپ کی
مثل گل خنداں رہے ہر دم طبیعت آپ کی　　سمِ قاتل دشمنوں کو ہو عداوت آپ کی

نغمہائے مدح میں مصروف ہے صبح و مسا
بلبلِ کشمیر موزوں آپ کا مدحت سرا

موہن - پنڈت موہن لال ٹوپہ صاحب خلف پنڈت دتاکشن ٹوپہ صاحب دہلوی - آپ کا خاندان دہلی کے معزز خاندانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

آپ نے ساری عمر یاد الٰہی میں بسر کی - روحانی عروج کے آگے مال ومنال دنیوی کی کچھ حقیقت نہ سمجھی - دہلی بھر کی نظروں میں آپ کی عزت وتوقیر تھی آپ کا کلام تسلیم ورضا کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔

قلق ہے میرے دل پر اس قدر تیری جدائی کا
نکلنے کو ہے دم ڈنکا بجا تیری دوہائی کا
کوئی کس منہ سے دکھلا دے محبت کی ادا تجھکو
جبیں پر داغِ سجدہ ہی نشاں ہے خودنمائی کا
تو وہ بیچوں وبے پروا ہے اے خلاقِ انس وجاں
زباں لکنت کرے گر ہو بیاں چون وچرائی کا
خودی تجھکو ہی زیبا ہے کہ ہے تو بانیِ عالم
نیاز حصہ مرا تیرا خودی اور خودنمائی کا
پھرے ہر چند بتخانہ میں اور کعبہ کلیسا میں
نہیں پایا کسی نے بھید تیری کبریائی کا
بجز رحمت نہ رکھ امید موہن دل میں کچھ ہرگز
وہ ہیں گمرہ جنھیں دعویٰ ہے اپنی پارسائی کا

تصور میں نقشہ جمایا تو ہوتا — مجھے لطف کچھ اس کا آیا تو ہوتا
تو داتا ہے اور میں ہوں تیرا بھکاری — مرے حال پر رحم کھایا تو ہوتا
میں دنیا کی غفلت میں ڈوبا ہوا ہوں — کنارے مجھے بھی لگایا تو ہوتا

ولہ

آرام مجھے رنجِ جدائی نہیں دیتا — یہ بخت نگوں ہونے رسائی نہیں دیتا

افعال ہیں مذموم اور اس پر ہے یہ دعویٰ
کیوں مجھکو خدا ساری خدائی نہیں دیتا

گر ہے یہ تمنّا کہ ہو دیدار میسّر
کیوں آئینۂ دل میں صفائی نہیں دیتا

ولہ

رازِ دل مخفی رکھا تھا مصلحت کچھ جانکر
کھل گیا عقدہ زباں بھی میری کھلوائینگے آپ

جاں نثاری میں نے کی دل سے بہ امیدِ کرم
خاکساری پر مری اب خاک ڈلوائینگے آپ

زندگی موہنؔ کی ساری دردِ ہجراں میں کٹی
حیف ہے اب اُس سے کیا مُنہ موڑ کر جائینگے آپ

دیوانہ عشق نے مجھے ایسا بنا دیا
پوچھے کوئی زمیں کی کہوں آسماں تلک

فرصت کسے ہے کسکو سُناؤں میں حال زار
جاوے نہ دم نکل مرا شرحِ بیاں تلک

ولہ

ترا جلوہ آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں
تجھے ہر جگہ اے صنم دیکھتے ہیں

کوئی شے نہیں ہے جہاں تو نہیں ہے
تجھے دل میں اپنے بہم دیکھتے ہیں

جو ہیں محو بالذّات عالم میں تیرے
تجھے ہر زماں دمبدم دیکھتے ہیں

صفاتیں تری گن سکے کون موہنؔ
ان آنکھوں سے کیا کیا نہ ہم دیکھتے ہیں

نَفَس کی آمد و شد تک نہیں آزادگی ممکن
یہ کیوں آزاد بن کر زندگی برباد کرتے ہیں

نعمت کا تری شکر میں کیونکر ادا کروں
جی چاہتا ہے جان کو دل کو فدا کروں

ہر دم ہو تیری یاد مجھے ہر نفس کے ساتھ
خلوت میں تیرے نام کی سُمرن جپا کروں

گر ہو مجھے نصیب ترا جلوۂ جمال
دیکھوں تجھی کو تیری بلائیں لیا کروں

سارے جہاں سے دل کو ہٹا کر بصد خیال
اس دل کو تیرے دھیان کا قبلہ نما کروں

ولہ

وعظ واعظ جو سُناتا ہے تو ہم کہتے ہیں
یہ تو بتلا کہ کھلا تو بہ کا در ہے کہ نہیں

دل کے دلدار کو بتلاتے ہیں دل سے باہر
دل میں ناطق ہے وہی تمکو نظر ہے کہ نہیں

مسکن یار نہ کعبہ ہے نہ بتخانہ ہے اپنی ہستی کی بھی کچھ تم کو خبر ہے کہ نہیں
ہو کے طالب کسی کامل کا تو دامن تو پکڑ دیکھ پھر تجھ میں ترے یار کا گھر ہے کہ نہیں
صف عشاق میں جا بیٹھے تو ہوا اے مومن
آہ دل - سوز جگر دیدۂ تر ہے کہ نہیں

انقلاب دہر نے ایسی کری حالت تباہ کیا زمانہ نے کری نا سازگاری ان دنوں
حال دل کس سے کہوں اب کوئی بھی ہمنفس سوجھتا ہی کچھ نہیں جز آہ وزاری ان دنوں
آستاں پر تیرے مومن سر جھکا کر عجز سے
ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے وہ بھکاری ان دنوں

عزلت میں رہکے ہر دم کرتے ہیں یاد اسکی بیکار ہیں تو ہم ہیں با کار ہیں تو ہم ہیں
پاتے ہیں لطف طاعت جو یاد حق میں مومن
روے صنم کے قرباں ہر بار ہیں تو ہم ہیں

نہیں اب رہی دل کو فرقت کی طاقت ہم اس دل سے پہلے ہی ہارے ہوئے ہیں
نہ ہو دل میں کیوں اُس کا جلوہ منوّر جسے جان و دل سے پکارے ہوئے ہیں
رہینگے وہ رحمت سے ہرگز نہ خالی جو ہاتھ اُسکے آگے پسارے ہوئے ہیں
کرے کیوں نہ جاں اُس پہ قربان مومن
فدا اہل دل جس پہ سارے ہوئے ہیں

آتا نہیں قرار دل بے قرار میں گذری تمام عمر اسی انتشار میں
دیکھو یہ تیز دستی عیار پُر دغا دل صاف لے لیا مرا پہلے ہی وار میں
دشوار اُنکا ملنا ہے اور دل ہے بیقرار وہ اختیار میں ہیں نہ دل اختیار میں
اسکا کرم ہے ساتھ تو پھر کسکا ڈر رہا اتنے گناہ کر کہ نہ آویں شمار میں

عاشق ہزار جاں سے ہوں موہنؔ بصدق دل
پوچھیں جو وہ تو صاف کہوں یہ ہزار میں

جو لو اپنی اُن سے لگائے ہوئے ہیں | وہ دنیا سے دل کو اُٹھائے ہوئے ہیں
جو ظاہر میں خود کو چھپائے ہوئے ہیں | اُنھیں سے تو ہم دل لگائے ہوئے ہیں
خودی۔خودسری دور رہتی ہے اُن سے | جو رازِ حقیقت کو پائے ہوئے ہیں
کُھلا تیری وحدت کا عقدہ ہے جن پہ | زباں زیرِ دنداں دبائے ہوئے ہیں
کرینگے نہ ظاہر محبّت کو ہرگز | ہم اپنے ہی دل میں چھپائے ہوئے ہیں

ہوئے اب تو آزاد موہنؔ جہاں سے
کہ ہستی کو اپنی مٹائے ہوئے ہیں

تجھے دیکھتا ہوں جہاں دیکھتا ہوں | نہاں میں عیاں اور نہاں دیکھتا ہوں
نہیں تیرے جلوہ سے خالی کوئی جا | جو خالی ہے جا میں وہاں دیکھتا ہوں
ہے مخفی ترا راز ہر چشم و جاں سے | کہوں گا نہ ہرگز کہاں دیکھتا ہوں

سنوں کیا کسی سے ترا حال موہنؔ
جو دیکھا ہے دل میں وہ ہاں دیکھتا ہوں

اے دل تو کس کی یاد میں ہر صبح و شام ہے | جلوہ ہے جسکا سب میں وہ عالی مقام ہے
سامع قدیر حاضر و ناظر ہے ہر جگہ | نطق و بیاں میں بھی تو وہی لاکلام ہے
ہے سب میں نور اُسکا و لے سب سے ہے جُدا | پر مبتلا اُسی کا ہر اک خاص و عام ہے
ہر لحظہ یاد اُسکی ہو تارِ نفس کے ساتھ | آخر کو بعد مرگ اُسی سے ہی کام ہے
دل کی کشش ملائیگی اک روز بالیقیں | گر درد اپنے دل میں اُسی کا مدام ہے

موہنؔ اُسی کی یاد میں مصروف ہو بدل
اور خوب لے سمجھ کہ کھڑی سر پہ شام ہے

غفلت میں ساری عمر گنوائی تو ہے مگر
امید دل میں رکھ اُسی عالی جناب کی
مطلق نہ خوف دیں ہے نہ دنیا کا کچھ خطر
پرواہ کچھ نہیں ہمیں روزِ حساب کی
پوچھا جو حال دل کا تو موہن نے یہ کہا
کیا پوچھتے ہو اس دلِ خانہ خراب کی

یہی بہتر ہے کہ پردہ میں تو روپوش رہے
بر ملا حسن دکھا دے تو کسے ہوش رہے
جلوۂ نور سمایا رہے نظروں میں مدام
خواب میں بھی تو ہی آکر مرا ہمدوش رہے
دل میں ہو تیری لگن اور ہو جاں تجھ پہ نثار
جاں نثاری میں بھی الفت کا تری جوش رہے
عاشقِ زار یہ موہن ہے ترا پیر کہن
نہیں ممکن کہ ثنا سے تری خاموش رہے

ترا جلوہ ہے گر سب میں تو پھر سب سے جدا کیوں ہے
ترے صدقہ یہ شرمائی ہوئی تیری ادا کیوں ہے
بنا دیکھے مری جاں دل مرا تجھ پر فدا کیوں ہے
غضب ہے تو مری نظروں سے پوشیدہ ہوا کیوں ہے
جمالِ نور تیرا آشکارا ہے ہر اک دل پر
تعجب ہے کہ پردے میں تو اے میرے خدا کیوں ہے
تو ہے ملجا و ماوا بے کسوں کا بحرِ عالم میں
تجھے بندوں سے اپنے اس قدر شرم و حیا کیوں ہے
کہا لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَۃِ اللّٰہ تو نے شفقت سے
تو پھر رحمت سے خالی میرا بختِ نارسا کیوں ہے
غزل کو ختم کر موہن تو اور حدِ ادب میں آ
تجھے اُس کی رضا میں اس قدر چون و چرا کیوں ہے

مؤئید۔ راے پنڈت آنند رام صاحب

چوں کودکے شکایت شیریں بجوے شیر — از خامہ ما بصفحۂ خارا نوشتہ ایم
بر روے خویش خطِ شعاعی کشید مہر — ہر گاہ خطِ جام زصہبا نوشتہ ایم
از آبِ زندگی ز زبانِ لبِ نگار — جاں بخش نسخۂ بہ مسیحا نوشتہ ایم
در دل خیال نرگس مستش چو کردہ ایم — از سرمہ خط بمردمِ بینا نوشتہ ایم

مہجور۔ پنڈت شیو پرشاد کاک صاحب

۱۸۵۲ء میں عہد نابالغی عالی جناب مہاراجہ جسونت سنگھ بہادر کا جب انتظام ریاست بھرتپور میں ہوا تو پنڈت شیو پرشاد صاحب کاک کمشنری اجمیر سے محکمہ رزیڈنسی بھرتپور میں میر منشی ہو کر تشریف لائے مگر چند عرصہ کے بعد آپ کو میر منشی ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ ہو کر اجمیر واپس جانا پڑا۔ اس وقت ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ سر ہنری لارینس تھے اور بھرتپور میں میجر مارلیسن پولیٹکل ایجنٹ تھے۔ میجر صاحب نے پنڈت صاحب کا جانا منظور نہ کیا۔ آپ کا بڑا اعتبار تھا اور بڑی قدر کرتے تھے۔ مگر سر ہنری لارینس کو اصرار تھا۔ آخر کو پنڈت صاحب نے میجر مارلیسن سے یہ کہا کہ میں اپنے خواہرزادہ پنڈت موتی لال کول شرغہ کو جو مثل میرے واقف کار اور ہوشیار ہے آپ کی خدمت میں چھوڑے جاتا ہوں آپ کو کسی قسم کی دشواری نہ ہوگی۔ چنانچہ میجر صاحب نے مجبوراً اس تجویز کو قبول کر لیا اور پنڈت صاحب کو رخصت کیا۔ ۱۸۵۷ء میں آپ زندہ تھے۔ آپ کی ناگہانی موت یکایک ٹھوکر کھا کر گرنے سے ہوئی تھی۔ آپ کی دختر پنڈت جیا لال واتل صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر ریاست بھرتپور کی زوجہ تھیں جن کے فرزندان پنڈت نرنجن لال صاحب

ریٹائرڈ تحصیلدار بھرتپور۔ پنڈت شام لال صاحب اور پنڈت نریندر ناتھ صاحب ہیں۔ پنڈت برجناتھ صاحب کاک جناب مہجورؔ کے پسر متبنیٰ تھے اور آپ کے برادرزادہ پنڈت شیو نراین صاحب کاک مدت دراز تک ریاست جودھپور میں مصاحب رہے۔

میکشی کا یہ رنگ ہے اس بن | موج ہے ساغر شراب میں سانپ
کون ظالم ہے خیمہ زن دل میں | نظر آتا ہے ہر طناب میں سانپ
مر گئے ہم شمیم گیسو سے | تھا نہاں آہ مشک ناب میں سانپ
جان کو اپنی۔ تیری چین جبیں | ہو گئی حالت عتاب میں سانپ

حسرت زلف جو لکھی مہجورؔ
بھیجا اُس شوخ نے جواب میں سانپ

مطلع

نظر آتا ہے پیچ و تاب میں سانپ | ہے وہ گیسو مرے حساب میں سانپ
کس کی زلف سیاہ دیکھی ہے | رشک سے ہے جو پیچ و تاب میں سانپ
اس کی زلف سیہ کی حسرت میں | ہے نگہ دیدۂ پُر آب میں سانپ
شرم سے دود آہ سوزاں کے | کینچلی سے ہوا حجاب میں سانپ
کس کی کاکل کا وصف ہے مرقوم | ہوئی ہر سطر ہے کتاب میں سانپ
ٹھوکر لگی جو پائے نگارین یار کی | مثل عقیق ہو گئی لوح مزار کی
کب چین خاک میں ہے دل بیقرار سے | ہے ہر نفس جلوہ گر مرے مُشت غبار سے

مہجورؔ۔ پنڈت پیارے لال اوکھل صاحب۔ نبیرہ پنڈت ٹھاکر داس صاحب اوکھل متخلص بہ کامل دہلوی۔

سر بالیں جو تم آجاتے تو بہتر ہوتا | کچھ تو قابو میں ہمارے دل مضطر ہوتا

بہتر از تخت سلیماں سے گدائی تیری | بوریا میرے لئے فرش مشجّر ہوتا
قول و اقرار ترے جھوٹے ہیں اے وعدہ خلاف | تیری سوگند کا مجھکو نہیں باور ہوتا
شام سے صبح تلک بوسہ پہ بوسہ لیتا | مثل حاتم جو کہیں یار دلاور ہوتا
گوندھتا شوق کے ہاتھوں سے میں اسکی چوٹی | یاد مجھکو جو کوئی سانپ کا منتر ہوتا
تنکے سودائی سا چنتا ہوا پھرتا دن رات | دل کو جو عشق خط روے منوّر ہوتا

تم جو مہجور کو ناراض نہ کرتے شب وصل
وہ تمھارے نہ کسی حکم سے باہر ہوتا

آہ رکھتے ہی قدم یار کے گھر سے باہر | بیقراری سے ہوئی جان جگر سے باہر
پیچ سے زلف کے اب دل کا نکلنا معلوم | کون نکلے ہے شب تار میں گھر سے باہر
یاد زندان صنم دل میں بسی ہے دن رات | ہوے کب رشتۂ ہموار گہر سے باہر
دل سے اک آہ جو مظلوم بھرے وقت سحر | نہیں ممکن کہ نکل جاے اثر سے باہر
راہ الفت میں نہ دیکھی کوئی منزل مہجور | جان و ایمان کی ہووے جو خطر سے باہر

مہر۔ پنڈت شنبھوناتھ صاحب زتّو۔ دہلوی

آپ کی دختر پنڈت داتا کشن صاحب ٹوپہ کو منسوب تھیں۔ آپ کی غزل کا صرف ایک مشہور مطلع حضرت کیفی نے عنایت کیا تھا۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جانان بودن | دل بدست دگرے دادن و حیران بودن

مہذب۔ پنڈت دھرم چند صاحب ہنڈو

رشک سے اہل ہنر کا اور بڑھتا ہے فروغ | سنگ بھی کھاتا وہی ہے جو ثمر اچھا ہوا
آپ کا شکوہ زباں پر ہم نہیں لائے کبھی | خیر جو کچھ ہو گیا وہ سر بسر اچھا ہوا

ہم مریضِ عشق ہیں ہم کو دوا سے کام کیا　　صندلی پوشوں کو دیکھا درد سر اچھا ہوا
کیا نگاہِ یار میں اکسیر کی تاثیر تھی　　اُس سے دیکھو درد دل دردِ جگر اچھا ہوا

ہے مہذب شعر گوئی کی تری شملہ میں دھوم
شاعروں میں کہتے ہیں سب یہ بشر اچھا ہوا

نادر - پنڈت شنکر ناتھ صاحب عرف شاہ

نظم و نثر فارسی میں آپ کو دستگاہ کامل اور صنعت معمّا و عروض اور قافیہ میں قدرت تمام حاصل تھی - رسالہ نادرہ کے دبیر کے بزرگ امجد تھے -

آپ کے مراسم پنڈت بدری ناتھ مدیا المتخلص بہ عاشق کے ساتھ ایک خصوصیت رکھتے تھے - ۱۲۳۷ھ میں عاشق نے بمقام سردھنہ وفات پائی جہاں وہ عمدۃ الاراکین زیب النسا بیگم کے علاقہ میں بعہدہ سرشتہ داری ممتاز تھے - اُن کی وفات کے بعد اُنکی تصانیف یعنے نسخۂ دلکشا و باغستان بہار پیرا و قصص سیف الملوک و بدیع الجمال کا ایک مجموعہ جناب نادر نے ترتیب دیکر اس کا نام غمزدہ رکھا - اس مجموعہ کی تکمیل یکم اکتوبر ۱۸۳۶ء مطابق ۲۶ رصفر ۱۲۴۲ھ کو ہوئی جس کے خاتمہ پر نادر کے یہ دو شعر درج ہیں -

غرض نقشے است کز ما یاد ماند　　کہ ہستی را نمی بینم بقاے
مگر صاحب دلے روزے برحمت　　کند بر حال این مسکین دعاے

تاریخ وفات مجملاً و تعمیہ حسب ذیل ہے

چوں ازیں دار فنا شد آں مہ اوجِ کمال　　گشت خاطر ہا پریشان و جگر خوں شد بدرد
بے سر و پا گشت نادر زیں الم با درد گفت　　سال تاریخ وفاتش منخسف گردید بدر

مارا بسیرِ لاله و گل دل نمی کشد — اے چهرهٔ بهارِ فریبِ تو باغِ ما
ما همچو گردباد دریں دشت گم شدیم — نادر برو برو که نیابی سراغِ ما

لاله زارے گل کند از دیدهٔ خونبارِ ما — مست گردد عندلیب از نالهاے زارِ ما
بے سبب آزردنِ آزادگان رسم کجاست — اے بقربانِ تو نادر بگذر از آزارِ ما

جز دردِ تو نیست در دلِ زار — این ست بعشق حاصلِ ما
دل خوں کن روشنانِ افلاک — یک جلوهٔ ماهِ کاملِ ما

رفتی و زخود رفتم اے برقِ عناں باز آ — گل بے تو نمی خندد اے سروِ رواں باز آ

مرا طرفِ چمن جانانهٔ مستانه بایستے — زچشمِ نیم مستش ساغر و پیمانه بایستے

باز آمد شاهدِ گل در شبستانِ چمن — جلوه ها کرد رعنائی فروشانِ چمن
پنبهٔ شبنم کشید از گوشِ گل بادِ صبا — بشنود تا نغمهٔ رنگیں نوایانِ چمن
کیسهاے غنچه را بکشود بادِ صبحدم — زر فشانی میکند امروز خاقانِ چمن
محملِ گل زینتے از لیلیِ شبنم گرفت
بید مجنوں میشود امروز قربانِ چمن
نامهٔ آورده قاصد سوے نادر از کسے — کز سحابِ خامه اش نزهت بریحانِ چمن

در صفتِ بنارس

الٰهی ذوقِ دردِ بے دوا ده — دلِ گرم و زبانِ شعله زا ده
دلے صد چاک از شمشیرِ عشقت — بخاک و خوں طپاں از تیرِ عشقت
دلے وه همچوں اخگر باطن افروز — غلط کردم چه دل برقِ جهاں سوز
دلے همچوں پرِ پروانه پُر تاب — دلے مانندِ نبضِ موجِ بیتاب

زبانے بخش لبریزِ لآلی | کلیدِ گنجِ فیضِ لایزالی
زبانے ہمچوں موجِ آبِ حیواں | زبانے چوں رگِ ابرِ بہاراں
کہ در وصفِ بنارس ہمچو بلبل | بصدقِ دل شوم سرگرمِ غلغل
بنارس بوستانِ بےخزان است | تعالی اللہ بہشتِ جاودان است
بود ہر کوچۂ او کوچہ باغے | بود ہر مندرش گنجِ فراغے
ہجومِ راست قدانِ سمن بر | دریں گلشن بود سرو و صنوبر
بلاگردانِ ایں نازک ادایاں | بقربانِ سرِ گلگوں قبایاں
بخاکِ پاکِ ایں مینو نشانہ | ہجومِ دل فتادہ عاشقانہ
بہر سو بید خوانانِ خوش آواز | بالحانِ دلربائی کرد آغاز
غزلخواں ہر یکے مانندِ بلبل | ہمہ در بحثِ عرفاں محوِ غلغل
چہ رودِ گنگ عینِ فیضِ یزداں | نماید شستہ و شوئے لوثِ عصیاں
کند چوں ابروئے موجش اشارت | دہد از چشمۂ کوثر بشارت
بجانش دیدہ چوں فیروزہ دل باخت | ز فلسِ ماہیش الماس رو ساخت
حبابِ او بعینہٖ چشمِ بد دور | بود آئینۂ رخسارۂ حور
برایں آبِ رواں آسا گر آید | خضر با آبِ حیواں کے گراید
ہمیں دارم تمنا در جہاں بس | کہ گردم ذرۂ کوئے بنارس
من و دل ہر دو از خود رفتۂ او | من و دل کو خوش اللہ خاکِ آں کو
من و آں سرزمین سربسر نور | تعالی اللہ من و آں عینِ کافور

لبِ آں چشمۂ انوار قادر
شود خاموش شمعِ جان نادر

بمحامدِ عشق کدہ بندرابن

بازدارد سرِ وحشت دلِ دیوانۂ ما — می رسد نامِ خدا عشق بکاشانۂ ما
عقل آشفتہ تر از زلفِ بتاں میگردد — عشق دیگر سرِ جنگ ست بفرزانۂ ما
بلبلانِ چمن از ما ہمہ غوغا دارد — محشر آشوب شد از عشق تو افسانۂ ما
موجِ مے جلوہ گر از سیلِ سرشکِ خونیں ست — دل و چشم تر ما شد خُم و پیمانۂ ما
تابِ نظارہ ندارند زمہ تا ماہی — لن ترانی است سزاوار بجانانۂ ما
جلوۂ بالِ پری بہر مژہ ما دارد — شد پریخانہ زیک جلوۂ او خانۂ ما

چشمش آغوش کشادہ ست بدیدار کسے
مرحبا بختِ خوشِ نادرِ مستانۂ ما

رباعی

شد فصلِ بہار و جوش زد لالہ و گل — چوں زلف و قدِ بتان ست سرو و بلبل
بر سرو دہد دادِ طربہا قمری — از عارضِ گل بوسہ رباید بلبل

بیت

متھرا چہ بود شورِ جنوں را ماوا — بندرابن و مسکنِ قرارِ دلہا
برخاستہ چوں گل ز زمینش ہر سو — عشق و شغف و وحشت و جوشِ سودا

مثنوی

اے جمالت عارفاں را نورِ عین — وے خیالت طالباں را فرضِ عین
از وجودِ ما فیوضت شد عیاں — معنیِ شیریں غریبِ کُن فکاں
گاہ الفسولے و می در گوشِ نے — تا شود عالم پُر از غوغائے وے
یعنی آں رازِ نقیعت (؟) فیہ را — سازی از حکمت بیکدم برملا
گاہِ چوگاں بازیت خورشید روے — مضطرب دلہا شود مانند گوے

می شود خورشید وش با صد ادا — جلوه گر از مطلع آغوشها

ای خداوند کریم کارساز — کن بروی من دری از فیض باز

از جفائے چرخ بس دل خسته ام — با ہوائے مہر تو دل بسته ام

بندۂ نادر سگِ درگاهِ تو

این من و دل ہر دو خاکِ راهِ تو

ابیات وصفِ پشکر

کوفت از بسکه رعد کوسِ شکوه — آمد از ہیبتش فلک به شکوه

عالم آب کرده طوفانی — موجه گشته رشکِ عمّانی

بسکه گل کرده طراوت اثر — دانۂ نار می شود اخگر

می زند جوشِ آب آبلها — آشنا می شود نگه اینجا

سرو کرد است ہمسری به فلک — قمریان می کنند سیرِ فلک

در نظر بسکه آب می آید — آب در خواب نیز بنماید

کوه و صحرا و سقف و شهر جدا — سربسر سبز شد زمرّد وار

چون فلک سبزه زار شد صحرا — رشکِ رخسارِ یار شد صحرا

سر کشد بانگِ غوکها بفلک — دعوئے فقر می کند ہر یک

فیلبا زان زبسکه کرده ہجوم

گشته ہر موجِ سیل چون خرطوم

رباعیات

پشکر چه بود چشمۂ فیضِ یزدان — ہر موج کلید در گنج عرفان

گویند که ہست آبِ حیوان پنهان — اینها به غلط پشکر و آبِ حیوان

بر آبِ حیاتِ خضر چون می نازد — وز بهر صفا طنش جگر بگدازد

آن زنده کند کالبد خاکی و بس — این چشمۂ فیض زنده دل میسازد

صد چاک زدیم در گریباں چو سحر مائیم و قبائے ترکِ دنیا در
داریم ز پا خبرے نے از سر باللہ کہ سرخوشیم ز آبِ پشکر

نادر گرت آرزوے کوثر باشد در باغ جناں ہوات در سر باشد
آنجا ہمہ گفتنی و وہم ست خیال در یاب کہ ایں ہمہ بہ پشکو باشد

تاریخ وفات پنڈت لچھمی رام سرور

از نظر چوں رفت شمع بزم علم تیرہ شد عالم بچشم مردماں
یعنے آں شاہنشہِ ملکِ سخن فیض بخشِ کودک و پیر و جواں
دانش آموز خرد ور نکتہ سنج منشیِ دورانِ افلاطوں نشاں
جوہر تیغ کمالِ علم و فن روحِ چشم عقل و یکتائے زماں
منشیِ تحریر لچھمی رام نام صورتِ مرآتِ فیضِ بیکراں
چارمِ شوال ہنگام سحر رفت زیں دارِ فنا سوے جناں
آہ کاخ نثر رنگین و متین از وفاتش منہدم شد ناگہاں
(احیاناً)
نادرِ دل خستہ تاریخش بگفت
رفتہ لچھمی رام صد حیف از جہاں
۱۲ ۵ ۳ ۳

کشتیِ بادہ رواں بیتو نباشد ساقی دارد از موج بپا ساغرِ صہبا زنجیر

ولہ

اثر میچو شد از آہم زہے سیرابیِ چشم بلے نخلے کہ سرسبز است شاخ او ثمر گیرد

در صفتِ محبت

صبا از غلغل اندازانِ ذکرش سرِ گلہا بجیب اندر ز فکرش
بہ چمنِ ذکرِ او رنگیں دہاں گل ز جامِ نغمہ اش سرمست بلبل

از و ہر برگ گل چوں وقت نمود آ
زصنعش شکل مضراب است ہر خار

زمہر و ماہ و خطِ استوا ہیں
نہاد از لطف بر دوش فلک ہیں

نفس را تار قانونِ بدن ساخت
زباں مضراب او نغمہ سخن ساخت

ز تارِ نغمہ بستہ مرغِ ارواح
بس آنکہ در قفس کردش ز اشباح

محبت را شہِ اقلیمِ جاں ساخت
محبت واقفِ رازِ نہاں ساخت

محبت رشتۂ پاے دل و جاں
محبت نورِ شمعِ لطفِ یزداں

محبت مایۂ معشوق و عاشق
بہم یکدل کن وعذرا و وامق

محبت خسرو اقلیمِ معنیٰ
بہم پیوند بخش قیس و لیلیٰ

محبت باعث ایجاد عالم
محبت پاے بندِ روحِ آدم

محبت مہر و چرخِ آفرینش
محبت جوہرِ شمشیر بینش

قیامِ کارِ عالم از محبت
نظامِ کارِ آدم از محبت

تعریف باغ

تعالی اللہ ہمایوں بوستانے
ز سرسبزی بہشتِ جاودانے

چکد آبِ لطافت از ہوایش
گلاب افشاں و زد بادِ صبایش

دواند ریشہ گلہا بش بخورشید
سمن آئینہ دارِ حسنِ جاوید

ز شادابیش ہر سوے بہارے
شگفتہ گلبنے از نوکِ خارے

نگہ در چشم سبز از سبزہ زارش
سوادِ دیدہ روشن از بہارش

نفس ہا از شمیمش عنبر آگیں
زباں ہا از نسیمش برگِ نسریں

طراوت از ہوایش بسکہ بالید
گلِ خورشید ہم سرسبز گردید

زمیں رنگیں در و دیوار پُر نور
سزد جاروب او از طرۂ حور

گلِ او غیر خندیدن نداند
دل آنجا غنچہ گردیدن نداند

اگر در خواب بیند نرگسش خار
چمن پیرا شود زیں ہم بیمار

زجوشِ گل زمیں انجم نگارست
بغل پروردۂ خارش بہارست

زعکسِ لالہ اش ہر نوک مژگاں
شود رنگیں برنگِ شاخ مرجاں

ناز۔ پنڈت تیج ناتھ تکو صاحب خلف پنڈت برج موہن لعل تکو صاحب زیبا

آپ کی تاریخ پیدائش یکم اگست ۱۸۹۰ء ہے آپ نے تعلیم امرتسر میں پائی۔ آپ نے ۱۹۱۵ء میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ اُسکے بعد منڈی ریاست میں ملازمت اختیار کی۔ کچھ عرصہ تک مہاراجہ صاحب منڈی کے ایڈی کانگ رہے۔ اُسکے بعد محکمہ حسابات کی تعلیم حاصل کرکے فی الحال آپ اُسی ریاست میں اکاونٹنٹ جنرل کے عہدہ پر مامور ہیں۔

شعر و سخن کا شوق آپ کو اوائل عمر سے تھا۔ آپ زیادہ تر انگریزی زبان میں نظمیں لکھتے ہیں۔ کبھی کبھی اُردو زبان میں بھی فکر کرتے ہیں۔

ایک دفعہ زیبا اور ناز دونوں غالب کے اس مصرعہ پر۔

دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

طبع آزمائی کر رہے تھے۔ ناز کی زبان سے بیساختہ یہ شعر نکلا:۔

تم اگر بام پہ آجاؤ تو جھگڑا مٹ جائے
دیکھیں تم اچھے ہو یا ماہِ کمال اچھا ہے

ہم وفادار تو دن رات انھیں یاد کریں
اور وہ لطف سے اغیار کا دل شاد کریں

گلشنِ شوق میں اک ہستیِ آزاد تھے ہم
قیدِ صیّاد میں اب تڑپیں کہ فریاد کریں

دین مسجد میں ہے دنیا ہے بتوں کے بس میں
وائے مشکل۔ انھیں پوجیں کہ تجھے یاد کریں

حسن اور عشق کے سب تو نے کرشمے دیکھے
تو ہے بیتاب تو اب کیا دلِ ناشاد کریں

پنڈت تیج ناتھ تکو۔ ناز

نازؔ وہ نازؔ کہاں اُس کو یہ ملتا ہے جواب
جائیے ۔آپ بھی اللہ کی اب یاد کریں

کسی کے عشق میں چھانی ہے ہم نے خاک در در کی
گلہ کیا ہے ۔یہی تھی اقتضا اپنے مقدر کی

اِدھر ہے روے روشن اور اُدھر ابروے جاناں ہے
خوشامد میں کروں قاتل کی یا قاتل کے خنجر کی

وہ ہم سے نازؔ چھپتے ہیں ۔ابھی ناداں ہیں کیا جانیں
پہونچ جاتی کہاں تک ہے نگہ چشمِ تصوّر کی

قطعہ

رکھّا ہے کیا خیال عذاب و ثواب میں کیوں زندگی گذار رہے یوں اضطراب میں
دوزخ کا خوف ہے ۔تو ہے جنت کی آرزو دونوں کو کیوں ڈبوئیں نہ جامِ شراب میں

وہ شوخ زُلف کو اپنی اگر بنا کے چلے یقیں ہے فتنۂ محشر ابھی جگا کے چلے
فلک نے پیس کے کیوں خاک کردیا ہمکو جہاں میں ہم تو چلے جب تو سر جھکا کے چلے
نشانِ کشتۂ الفت کہیں نہ رہ جاے مرے مزار کی وہ خاک تک اُڑا کے چلے
ہے ایک خاک کی چٹکی کو نازؔ کب زیبا
بشر کو چاہیئے دنیا میں سر جھکا کے چلے

نازؔ۔ یکے از ارباب قوم

(راجپوت بورڈنگ ہاوس آگرہ کرکٹ کلب)

مرا خامہ ہے کیوں آج اس قدر سرگرم جولانی کہ کرتا صفحۂ قرطاس پر ہے گوہر افشانی
وفورِ اشتیاقِ نغمہ سنجی دل میں پیدا ہے طبیعت کو ہوا ہے تازہ پھر ذوقِ غزلخوانی
یہ کیا اٹھکھیلیاں ہیں ہر طرف بادِ بہاری کی یہ کیا ہے عندلیبانِ چمن کی سی خوش الحانی

بہ بہرِ فکرتِ عالی معمّا کھل گیا آخر — بہ فیضِ طبعِ نازک وجہ اسکی میں نے پہچانی
کہ ہے کرکٹ کلب جو بورڈنگ میں راجپوتوں کا — ہر ایک ممبر ہے اُسکا چستی و تیزی میں لاثانی
کیا وہ نام ہے پیدا انھوں نے تھوڑے عرصہ میں — کہ اُنکی ہو گئی ضرب المثل ہے بلا جنبانی
یہ کسکا حوصلہ ہے میچ جو اس ٹیم سے کھیلے — کہ شوکت میں مربی جسکے ہیں اسکندرِ ثانی
زمانہ جنکو کہتا ہے سخاوت دیکھ کر اُن کی — کہ ہیں امراؤ سنگھ صاحب بلاشک حاتمِ ثانی
اُنھیں کے سعی و کوشش سے ہے قائم بورڈنگ ہاؤس — ترقی ہے نمایاں علم و دانش کے بآسانی
ہوا تھا آگرہ کالج کلب طیار بازی پر — مگر سب نے حقیقت ایک دن میں اُسکی پہچانی
ہے ساماں اُسکا قیمت میں برابر ملک ایراں کے — ہر ایک تختہ ہے اُنکے فیلڈ کا تختِ سلیمانی
وہ نقشہ باندھتے ہیں فیلڈ کا جب آ کے میداں میں — کہ حیراں کھینچنے میں جسکے ہوں بہزاد و مانی

نتیجہ کیا طوالت سے کہ خطرہ چشمِ بد کا ہے
قلم کو روک لے اے نازؔ بس کر گوہر افشانی

ناظم ۔ پنڈت شیو پرشاد صاحب ولد پنڈت نانک چند صاحب

باشندہ لکھنو شاگرد امانت ۔

مانی نے جب بنائے مرے دلربا کے ہاتھ — نازاں ہوا خود آنکھوں سے اپنے لگا کے ہاتھ
ٹکڑے کیا حسد سے گریباں کو غیر نے — دامن لیا جو یار کا میں نے بڑھا کے ہاتھ
دل چاک چاک ہو گیا شانہ کی طرح سے — جب سے پڑا صنم ترے زلفِ دوتا کے ہاتھ
اُس بادشاہِ حسن کے سر پر کروں نثار — آجائے سلطنت بھی اگر مجھ گدا کے ہاتھ
اے عندلیب باغ میں رکھنا سنبھل کے پاؤں — صیّاد نے دراز کئے ہیں جفا کے ہاتھ
تڑپے مثالِ ماہیِ بے آب تا بہ حشر — دریا جو دیکھ پائے مرے آشنا کے ہاتھ
خود جامِ مے جو مُنہ سے لگائیں تو ہے حرام — ہم کو وہ ہے حلال جو دیجے اُٹھا کے ہاتھ

پانی میں آگ لگ گئی اُٹھنے لگا دھواں　　دھوے جو اُس نے نہر میں مہندی لگا کے ہاتھ

ناظم - پنڈت کامتا پرشاد صاحب خلف پنڈت بدری ناتھ صاحب لکھنوی

آپ ریاست بھرتپور میں ایک مدت تک ملازم رہے۔

دکھلائے ہر ایک اشک نے سو طرح کے طوفاں
باقی تجھے حسرت ہے کچھ اے دیدۂ تر اور

نامی - پنڈت ٹھاکر داس صاحب ساکن دیوہ سری سرینگر کشمیر

آپ نے تہتّر سال کی عمر میں رحلت کی۔ سمت ۱۹۱۰ بکرمی رواں تھا اور مہاراج گلاب سنگھ حکمراں کشمیر تھے۔

قصیدہ ٹھاکور راز دان دیوہ سری۔ در تعریف گنیش پنڈت در

اے نشانِ عزّت و شاں دلنشیں از شانِ تو　　دولت و اقبال از صد پشت پشتیبانِ تو
ہفتہ بار رفتہ زہرہ ماہے و چرخ از ماہِ نو　　حلقہ در گوش غلام حلقہ در گوشانِ تو
چار طاق چار حد تنگ است خرگاہت فراخ　　ہفت اختر از کمالِ بخت در فرمانِ تو
قرص نقرہ بُردہ بدر از بدرہ سیمت بدر　　نسخۂ نظم عطارد نسخ از دیوانِ تو
در مقامِ دلنوازت زہرہ بے زہرہ شود　　یک قُراضہ قرصِ بیضا از طلاے کانِ تو (ایضاً طلا)
زیرِ رانِ احترامت توسنِ بہرام رام　　بامِ بالا چرخ گرداں شد بلا گردانِ تو
مشتری با نور تو چوں سایہ از کم مایگی　　ہست کیواں پست پیشِ رفعتِ ایوانِ تو
فرق میدانم بفرقِ فرقداں با فرقِ تو　　آسماں بوسیدہ خاکِ آستاں بوسانِ تو
عرش و کرسی کم بود نہ پایہ باآں پایگاہ　　پیشِ اوجِ نردبانِ ہمّت دربانِ تو
اے بزلفِ شانِ تو از شانۂ دولت طراز　　عزّت و شانِ جہاں از عزّ و جاہ و شانِ تو

مشرب جم جرعۂ از جام مے آشام تو — شاہ افریدوں ہمیدوں از کمربندانِ تو
دور نبود گر رود از یاد نام کیقباد — آمد آمد دور دور دولت دورانِ تو
تاکبوس در گہت کاؤس و شاہ روس ہم — کیست کیخسرو کہ باشد سرکش از فرمانِ تو
چیں برابرو کے زند خاقان چیں در در گہت — ہست قیصر خاکروب قصرِ مشک افشانِ تو
شد غرور جاہ از فغفور دور از سر مگر — دیدہ والا تر ز بالا چرخ شادروانِ تو
گر عدالت گستری بر نام کسری ختم شد — جملہ بیداد است داد عدل از ایوانِ تو
نیست دارا جز گدا را اے کمینہ بندہ ات — ہست اسکندر یکے از آئینہ دارانِ تو
بود از دوں بخت قاروں کو نداد بہرۂ — گنجہا وقف است از گنجینۂ احسانِ تو
بود در انگشت حاتم خاتم بخشش ولے — نامۂ جودش مزین گشت از عنوانِ تو
تر نمی شد کشتِ خشکِ عالمے گاہے ہمے — تا نمی بردے نم جود ابر از عمّانِ تو
ذلہ چینِ خوانِ احسانِ تو صد خاقانِ چیں — آفریں بر بختِ آں مردے کہ شد مہمانِ تو
بردہ از بزم تو چرخ از ماہ سیمیں کاسۂ — کیسۂ ماہی درم دار ست از ہمیانِ تو
خطۂ کشمیر نگرفتی شگفتے نیست ایں — کشور دیگر چو ہندستاں بود از آنِ تو
شہسوارانِ جہاں شرمندۂ و درماندہ اند — راند چوں دوراں ہماں اگندہ رانِ یکرانِ تو
تو بہمت حاتمی و من بطبع میرزا — نانِ دونان از چہ میگیرم بغیر از نانِ تو
جز درِ تو من در دیگر ندانم در جہاں — بہتر آں باشد کہ دست بندہ و دامانِ تو
گوے شاہی بردی از ہر سرورِ روئے زمیں — گوے گردوں باد دایم در خمِ چوگانِ تو
کردہ ام وصفِ سراپایت سراپاے بحسن — بے سرو ساماں نشد کس از سرو سامانِ تو
از سر گنج و نواؤ شہ سہ حرف اولیں — جمع می کن تا بر آید نام والا شانِ تو
زانکہ جمعیت بشاہنشاہ از گنج و نوا — ساختم جمع از آں نامِ عظیم الشانِ تو
خامہ سائی چند سازم نامۂ تطویل چند — قصہ کوتہ باشم اکنوں از دعاگویانِ تو
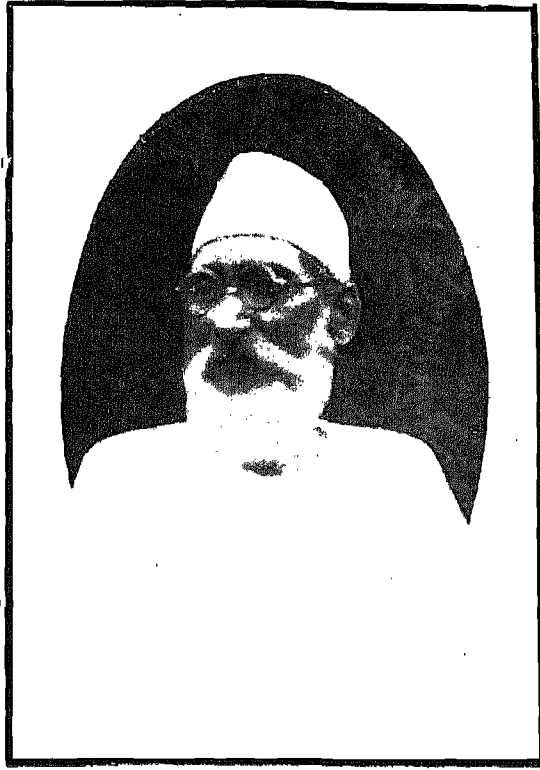
پنڈت مہاراج کشن صاحب جی - ندیم

تابود سیر و سکونِ گنبدِ چرخ و زمیں
بادیگرانِ شکوہ و جاہ زیر رانِ تو
در سرِ نامی کجا باشد ہوائے دیگرے
چوں بسر دارد ہوایش از ہوا خواہانِ تو
تانہال سبز گلشن ہست جائے نرگساں
بادر شکِ جنّت الماوا گلِ بستانِ تو

ندیم - پنڈت مہاراج کشن صاحبین رازدان صاحب خلف پنڈت امر ناتھ صاحبین رازدان صاحب المتخلص بہ شیدا لکھنوی - نیز ضمیمہ ملاحظہ ہو۔

آپ پنڈت کنہیا لعل صاحب عاشق لکھنوی کے پوتے ہیں اور ذوقِ سخن آپ کو وراثتاً ملا ہے - فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں فکر کرتے ہیں اور خوب کہتے ہیں طبیعت میں شوخی اور چلبلا پن ہے مگر متانت کے ساتھ - آپ کی تاریخ ولادت ۷ دسمبر ۱۸۶۶ء اور مقام پیدائش گڈھ امیٹھی ضلع سلطانپور ہے - ۱۹۰۹ء سے آپ اودھ پنچ کے معزز کارسپانڈنٹوں میں تھے اور عموماً آپکی نظمیں اُسی اخبار میں شایع ہوئی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں - نوعمری میں آپ کا تخلص مفتوں تھا -

رباعیات فارسی

از جملہ جہاں حقیر و نادارم من
حیف است کہ بے یار و مددگارم من
جُز لطفِ تو نیست چشمِ من بر چیزے
امید کرم از درگہت دارم من

ولہ

اے مالکِ ہر بلند و پستی فریاد
وے خالقِ نیستی و ہستی فریاد
بر درگہِ تو فتادہ ام نالہ کناں
ہیہات فغاں زچیرہ دستی فریاد

ولہ

بر درگہِ تو نالہ کناں آمدہ است
در یاب کہ با آہ و فغاں آمدہ است
ایں بندۂ ناچیز تو اے ربِّ قدیر
با چشم امید بے زباں آمدہ است

ولہ

اے یار و مددگار غریباں مددے
فریاد زیاراں و قریباں مددے
در بحر فنا میفگند ہر بارم
حالت زار است وبس پریشاں مددے

ولہ

اے جوش جنوں بگیر دامانم را ٭ دہ چاک بصد گونہ گریبانم را
در عشق وطن زجاں گذشتن دارم ٭ بیں طوفان خیز چشم گریانم را

ولہ

آزادی تو بجاں خریدارم من ٭ تخم است بسینہ میکارم من
اے مادر ہند دہ بہا آں قوت ٭ آب رفتہ بجوے باز آرم من

ولہ

اے خاک وطن ذرہ خاکت ہستم ٭ ہر لحظہ ازیں خیال دل خوش ہستم
میخواہم بنیمت دریں دہر آزاد ٭ جاں بہر تو ہست۔ عہد با خود بستم

ولہ

حق گفتن پیشہ کن ہمیں جہد تو ہست ٭ زیں عہد نخواہی کہ کنی بیروں جست
دل سوختگان قوم ہاں برخیزید ٭ گوئید کہ ایں عہد قومی خواہم بست

آمد بہار

دانی کہ بسنت با زرِ گل آمد ٭ در گلشن با ہزار بلبل آمد
خاموش چرا نشستہ ای زینسان ٭ می بینی شیشہ ہم بہ قلقل آمد

ولہ

در حلقۂ ایں حلقہ بگوشاں تاکے ٭ خاموش دریں شہر خموشاں تاکے
آنی کہ از تو شیر نر می لرزند ٭ در خوفِ چرم شیر پوشاں تاکے

ولہ

در کار بکوش ہیچ وسواس مکن ٭ اے حلقہ بگوش ہیچ وسواس مکن
بیں نیک و بدِ خود و براہ پویاں شو ٭ میباش بہوش ہیچ وسواس مکن

ولہ

از آمدنت کار بر آید ساقی ٭ از دست تو عیش می فزاید ساقی
ایں عشوۂ و نازو غمزۂ و عُربدہ است ٭ بس تاب تواں ہمیں زباید ساقی

ولہ

برخیز بیار شیشہ ہاے گلرنگ ٭ زیں گونہ درنگ چیست اے شوخ و شنگ
مگذار کہ ایں موسم پُر لطف و بہا ٭ از دست رود بے مے و بے بربط و چنگ

ولہ

ہاں بادۂ ارغوان بجام من ریز — بنشیں بر کوچ و نہ صراحی بریز
اے ساقی خوش لہجہ نوا سنجی کن — شبدیز خیال را بباید مہمیز

ولہ

از بادۂ عشقت شدہ ام مست و خراب — ساقی لطفے کہ باز آیم بہ شباب
از عقل و خرد گذشتم و بے خبرم — می بینم خویش را چو شیر قلاب

ولہ

سختی کہ رسد زدہر انگیزم من — خونِ ایں کاہلی بسے ریزم من
اے حامی و حاجات روائے عالم — دستے کہ بپائے خویش برخیزم من

ولہ

گر پند ندیم نشنوی نادانی — چوں رفت از دست کار توو انائی
از کردۂ خود بترس و انجامش بیں — ایں نشۂ عجب مید ہد حیرانی

رباعیات اردو

ہم سب کا ملک اور پیارا ہے ہند — یہ کیا کہ ہمارا اور تمھارا ہے ہند
سرکار کے خیر خواہ رہ کر یہ کہو — ہندی ہم سب ہیں اور ہمارا ہے ہند

ولہ

یورپ والے ہیں آجکل عقل کی کان — جاری کرتے ہیں اب ہوا پر فرمان
قابل ہیں پوجنے کے ڈنڈوت انھیں — قبضہ میں کیا ہے دیوتاؤں کا وہان

ولہ

مُنہ مانگا کیسے بن بچارے دیدیں — تم سب کو حقوق کیسے سارے دیدیں
کہتے ہیں وزیر ہند اسپیچ میں یوں — کس طرح سے ہم توڑ کے تارے دیدیں

فیلٹ کیپ

یورپ سے فیلٹ ہند میں آئی ہے — ہر اک ہندی کے سر پہ چڑھ جاتی ہے
ٹلکی ٹوپی کو دو جگہ بہر خدا — وہ اس بے حرمتی پہ شرماتی ہے

ولہ

مشرق میں طلوع حور کا نقشہ دیکھو — بحر الکاہل وہ سارا چمکا دیکھو
پہونچیگا بحر ہند تک یہ لاریب — ہر دم ہے وہ مہر چڑھتا دیکھو

ولہ

اب کے ہے کانگرس یہ شیہہ ہند راج — دیکھیں رہتی ہے ہند یا جاتی ہے لاج
ہے خوف یہی کوئی نیا گل نہ کھلے — ہو جائے کہیں نہ اور اس کوڑھ میں کھاج

ولہ

گرمی سب ہانپ ہانپ ہمنے کاٹی — سردی سب کانپ کانپ ہمنے کاٹی
برسات کی رات ڈر سے گل ہو نہ کہیں — شمع تن ڈھانپ ڈھانپ ہمنے کاٹی

ہولی نامہ۔ آمد بہار

چل اے بلبل کہ باغ میں آئی بہار — بے تیرے نہیں چین گلوں کو زنہار
بیچین ہیں تیری یاد میں سبزہ و گل — بے نغمۂ دلکش کے ہے سونا گلزار

ولہ

کیسے ہیں شاد سب جوانان چمن — ہے شمع خزاں کی گل میان گلشن
ہے دھوم لٹائیگی زر گل جو بہار — پھیلائے ہے سبزہ لوٹنے کو دامن

خطاب بہ ساقی

نیبروں دے نہ دینا مجھکو تہ کی — باتیں نکروں جس سے میں بہکی بہکی
ہولی ہے نکال آج دختِ رز کو — تیرا ہوں بہت پرانا میں بھی گاہکی

ساقی زلف سیہ سے شبخون مارا — تیر مژگان چشم میگوں مارا
دنیا سے کیا ہے تیرے رخ نے بے رخ — اور اس لب جان بخش نے افسوں مارا

ہے مایۂ عیش و شادمانی سے بھری — دل میں ہے کھبی اسکی ہر اک جلوہ گری
ہے راحتِ روح و جانِ جامِ اپنی — شیشے میں اتار رکھی ہے لال پری

ہولی کا ہر اک سمت گونجتا ہے راگ — واعظ ہو فقرہ و محتسب چل۔ ہٹ۔ بھاگ
دولت جو نہیں پاس۔ نہ ہو کیا پروا — میں کھیلنے والا ہوں لنگوٹی میں پھاگ

ہے سبز پری لباس کا سبز ہے رنگ — جامہ ہے بہشتی ہو نہ اس سے دل تنگ
مطلوب ہے دیوتاؤں کو بھی سبزی — شیو کو مرغوب دل سے ہے از حد بھنگ

اب کے زوروں پہ ہے بہت ہی ہولی　مسکی جاتی ہے گلرخوں کی چولی
یوں ٹوٹ رہے ہیں قہقہے قہقہے پر　چلتا ہو کہیں جیسے کہ گولا گولی

عدالت دیوانی

سمجھی بوجھی ہے اپنی اور جانی ہے　عدل و انصاف میں تو لاثانی ہے
معلوم نہیں ہوتا کہ کس وجہ سے پھر　کہتے ہیں اسے لوگ کہ دیوانی ہے

خزاں کا اثر

گل نے اپنی جو خوش ادائی چھوڑی　بلبل نے بھی غزل سرائی چھوڑی
تھا دست تطاول خزاں جبکہ دراز　گلشن میں ہر اک نے خود نمائی چھوڑی

بادل

رنگت میں سفید ہیں نہیں ہیں کالے　برسیں تو بہا دیتے ہیں ندی نالے
نداف فلک کی شعبدہ بازی سے　اُڑتے ہیں اِدھر اُدھر روئی کے گالے

اُف اُف سگ گرما نے تو کھایا ہے بھنبوڑ　وہ حال ہے جس طرح وہی چھوڑے توڑ
بہتا ہے پسینہ کس قدر اب گویا　گرمی نے دیا پارچۂ جسم نچوڑ

لطف برشکال

جس سمت نظر کیجئے ہے عالم آب　برسات کا کہتا ہے ہر اک اسکو شباب
گاتے ہیں ملاریں ناچتے کودتے ہیں　خاموش ہیں کب سُننئے گڈھیا کے نواب

جوگ بسشٹ

جس کو ہر شش جہت میں پاتا ہوں میں　اُس کے ہی در پہ سر جھکاتا ہوں میں
جو صورت نور و نار ہے سب میں نہاں　اُس معرفت کُل میں سماتا ہوں میں

یورپی لباس

تہذیب پہ ہندیوں کے کرتے ہیں چوٹ　اپنی تہذیب پر بہت ہوتے ہیں لوٹ
تہذیب لباس اپنی پہلے دیکھیں　آگے سے پھٹا پینٹ ہے اور پیچھے سے کوٹ

پتلون

ولہ

میٹھا باقی ہے اب رانا اور گنا — شیریں کب ہوگا یہ بھلا لُو کے بنا
آندھی پالی سے رنگ ہے اب پھیکا — ہیہات کہ خربزوں سے بازار پھنا

بہ خانۂ تن جان کے لئے گور ہوا — بد بوسے لباس و جسم آخور ہوا
ہے جامۂ عریانی ہی زیبِ تن گو — یہ بھی تو پسینے میں شرابور ہوا

موٹر

آندھی بوکھا کہ باد صرصر ہے یہ — سُنتا ہوں ہراک زبان سے موٹر ہے یہ
بد بو پھیلاتی نالہ کُن چلتی ہے — سائنس کی دُنیا میں چھچھوندر ہے یہ

اُستاد وحید عصر یکتا سے زمن — مولانا علی نقی ۔ صفی کامل فن
سرتا سر ہند میں ہے جن کی شہرت — کشمیر سے لیکے تا بہ ٹیوٹی کورن

خطاب بہ ساقی

ساقی قدح شراب انگوری دے — بوتل رندوں کو ایک اک پوری دے
نازک ہاتھوں سے جام بھر بھر کے پلا — بہجت ہم سب کو معنوی صوری دے

کیوں دور سے میخانہ کو تکتا جاؤں — ساقی تو مجھے پلا میں چھکتا جاؤں
باؤن تولے کی پاؤ رتّی کی کہوں — جو کچھ بھی اپنی دُھن میں بکتا جاؤں

آمد ۱۹۱۱ء

سن گیارہ کے ہو رہے ہیں اب پو بارہ — رتّی زوروں پہ اور چڑھا ہے پارہ
بیچارہ اُداس اور سر جھکائے ہوئے — سن دس بھی ہوگیا نو دو گیارہ

مستانہ موسم

انسان بسنت اب لگے ہیں گانے — پھرتے ہیں ہر اک سمت نئے مستانے
وہ جوش بہار ہے کہ انسان تو کیا — اَنبہ کے درخت تک لگے بورانے

گلشن کی طرف بہار نے موڑی باگ
صحرا میں بھی ٹیسو نے لگا ہی دی آگ
مصروفِ غنا ہیں نغمہ سنجانِ چمن
پھیلا ہے بسنت کا ہر اک سو کھٹراگ

اُف کرتے نہیں۔ نہیں زباں پر نالے
زخم دل ہو گئے ہیں سارے آلے
پوچھے کوئی ہم سے تنگدستی کے مزے
یہ سانپ ہیں ہم نے آستیں میں پالے

یارب فریاد ہم غریبوں کی سُن
اک پہلو بیٹھے بیٹھے گُل جسم ہے سُن
طاقت اتنی تو دے کہ خود اُٹھکے چلیں
دس گونہ ترقی کریں رکھ انک پہ صفر سُن

اے خالقِ انس وجاں ہماری سُن لے
واے مالک این و آں ہماری سُن لے
فرزند سعید مادرِ ہند کے ہوں
ہم ہیں سب بے زباں ہماری سُن لے

اے پیر فلک درِ ستم کر اب بند
کردے دل ہندیان ذرا تو خورسند
ہم رند ہیں کوزہ پشت کر دینگے راست
بس خیر اسی میں ہے کہ سُن لے یہ پند

اے بلبلِ ناشاد ذرا باغ میں چل
گُل کی تو دیکھ شاخِ گُل پر چہل بل
کہتا ہے خزاں کو اُترا شحنہ ہر ایک
ہے فصل بہار ہی کا اب دخل دعمل

میخانہ میں حُریّت کا وہ دَور چلے
زاہد واعظ جو دیکھے ہاتھوں کو ملے
ہولی ہے ابتو دیر ہے نازیبا
ہم بادہ اُڑائیں جس کو جلنا ہو جلے

لے مت ہم دل جلوں کی یہ آہِ لپیں
جل جائے میکدہ سراسر نہ کہیں
بچوں کی طرح کس لئے بہلاتا ہے
اچھا یہی کہدے تمہیں ملنے کی نہیں

آتشکدۂ دل میں فروزاں ہے جو آگ
اور پیر مغاں نطق کا گاتا ہے جو راگ
سب تیری ہی قدرت کا کرشمہ پایا
کچھ اس میں لگی لپٹی نہیں ہے بے لاگ

کیا جانے کتنے بار بھٹکا ہے۔ یہ
پھر بھی نہ بھٹک جائے کھٹکا ہے۔ یہ
منزل پہ پہونچ جائیگا اس طرح ہر ایک
لے نام کو تیرے۔ سہل لٹکا ہے۔ یہ

ساقی پینے کی ہے لگی اب تو لگن دے پھول کا جام دل میں کھلجاے چمن
تیرے قدِ دلجو۔ رخِ روشن پر ۔ رند وارے بیٹھے ہیں اپنا سب دھن۔ تن من

ملتے تو ہو دل کھول کے تم سب ہی آج دیکھو رکھ لینا دل ملول کی لاج
اک فقرہ میں ہو جاے نہ پھر کایا پلٹ سُن لو مُلّاجی اور گندھی مہراج

ہے رنگ نیا ۔ نئی اُٹھائی پرواز ساقی ہم کو ہے اپنی جدّت پر۔ ناز
ہیں بنتِ عنب کے ساتھ مصروفِ دعا بت لیکے بغل میں پڑھنے بیٹھے ہیں نماز

ساقی ہولی میں رنگ پھیکا نہ رہے سب ولولہ اپنے جی میں۔ جی کا نہ رہے
ہولی میں اُڑے عبیر اور خوب گلال ماتھے پہ کلنگ کا یہ ٹیکا نہ رہے

دل رجیا چارن پہ جُھکے راجہرن پنڈت مہاراج اور چاری کے شرن
پھگوا یہ گائیں اور ملے وہ کیچڑ ہیں ہولی کے دن آج تو سب ایک برن

سمت کے بدلتے ہی زمانہ بدلا موسم کے ساتھ آب و دانہ بدلا
اب چہچہہ زن ہے شاخ گل پر بُلبل خوش خوش اس نے بھی آشیانہ بدلا

ہے زمزموں چہچہوں کا کیا شیریں غُل گویا محفل میں شیشوں کی ہے قُلقُل
پھولے ہی نہیں سماتے گلشن کے جواں آئی ہے قفس سے پھر چمن میں بُلبُل

ساقی بیٹھے ہیں کب سے خالی خولی کیا بنتِ عنب ہوتی ہے لنگڑی لُولی
رندوں کے پاس کیوں نہیں آتی ہے لا شیشہ میں رنگت میں جو ہو گی لُولی

اغیار یہاں ہمیشہ ممتاز رہے کٹتے ہوے ہم پہ روغنِ قاز رہے
ہم کو وہ بناے تھے کھلونا اپنا جس طرح کہ دمڑی کا پٹے باز رہے

ٹوٹا جاتا ہے کیوں دل حسن پرست ہوتی جاتی ہے اپنی ہمت کیوں پست
کوشش نہیں جاتی رائیگاں کہتا جا دیدم یکبار بارِ دیگر ہوس است

نسیم۔ پنڈت برج ناتھ صاحب اکبر آبادی

رہی ہے سینہ سے آ چشم اشکبار میں روح | اٹکی ہے رہ میں دلا کس کے انتظار میں روح
کسی کو دیکھنی منظور ہو جو خار میں روح | تو دیکھے آ کے یہاں میرے جسم زار میں روح
لگائینگے نہ وہ چھاتی سے مجھکو تا دم حشر | مچل رہی ہے یہ کیوں سینۂ فگار میں روح
تری اداؤں پہ بے اختیار رہی نکلا | کسی کی ہوتی نہیں سچ ہے اختیار میں روح
ہوا کا دام میں آنا محال تھا کیونکر | پھنسی ہے حلقۂ گیسوے مشکبار میں روح
خضر ملے اُسے جسکو کہ تو نے قتل کیا | بجائے آب ہے کیا تیغ آبدار میں روح

نسیمؔ باغ میں جائے اگر وہ جانِ جہاں
ہر ایک گل میں پڑے جاں ہر ایک خار میں روح

نسیم۔ پنڈت دیاشنکر کول صاحب خلف پنڈت گنگاپرشاد کول صاحب لکھنوی

اردو شاعری میں نسیمؔ نے جو کمال حاصل کیا تھا وہ سب پر روشن ہے انکا سکّہ اقلیم سخن میں ابتک جاری ہے۔ ان کی مثنوی "گلزار نسیم" یادگار زمانہ ہے جب تک اُردو شاعری کا مذاق قایم ہے اُس وقت تک گلزار نسیم کی شادابی میں فرق نہیں آسکتا پنڈت صاحب ۱۸۱۱ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۴۳ء میں بتیس سال کی عمر میں بعارضۂ ہیضہ وفات پائی۔

لکھنؤ آپ کا وطن تھا جیسا کہ اُس زمانہ میں دستور تھا اردو فارسی کی تعلیم پائی شعراء اردو فارسی کا کلام نظر سے گذرتا رہا۔ خلقی طبیعت داری اور ذہانت نے شاعری کا شوق دلایا۔ غرض کہ بیس برس کی عمر میں شعر و سخن کا خاصہ اچھا مذاق پیدا کر لیا۔ خواجہ حیدر علی آتش کی گرمی سخن و آتش بیانی نے

ایسا فریفتہ کیا کہ ان کی شاگردی اختیار کی۔ غزل کا شوق شروع میں رہا۔ لیکن جو دل کا ولولہ تھا وہ غزل میں نہ نکل سکا جدت طبعی نے کہا:۔

بقدر شوق نہیں اپنے تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے

مگر وسعت کہاں ملے اردو شاعری کی کائنات کیا۔ غزل۔ قصیدہ یا رباعی یا مثنوی۔ مثنوی میر حسن یعنی مثنوی سحرالبیان کے اس زمانہ میں چرچے تھے۔ کچھ یہ طرز ایسا پسند آیا کہ خود بھی مثنوی کے کوچہ میں قدم رکھنے کی کوشش کی مناسبت طبع نے آمین کہا۔ غرضکہ گل بکاولی کا قصہ جو کہ نثر میں تھا اس کو نظم میں ڈھالا۔ اٹھائیس برس کی عمر میں یہ مثنوی تیار ہوئی چونکہ گلہائے مضامین سے پُر تھی اس لئے اس کا نام گلزار نسیم رکھا۔ واقعی اس گلزار کا کیا کہنا تھا

ع۔ سینچا تھا جسکو خون جگر سے وہ باغ تھا

اسکے خوش رنگ پھولوں کی دلآویز مہک دُور دُور پہونچی۔ لیکن جس وقت یہ مثنوی تیار ہوئی اس وقت اس کا حجم بہت زیادہ تھا۔ جب جناب آتش کے پاس اصلاح کے لئے لے گئے تو انھوں نے کہا ارے بھائی اتنی بڑی مثنوی کون پڑھیگا۔ یا تم پڑھوگے کہ تم نے تصنیف کی ہے یا میں اصلاح کے خیال سے ایک مرتبہ دیکھ جاؤں گا۔ استاد کامل کی بات دل پر اثر کرگئی مثنوی کی پھر نظر ثانی کی جتنے بھرتی کے اشعار تھے نکال ڈالے بلکہ جو مطلب چار شعروں میں ادا ہوتا تھا اسکو اختصار کے ساتھ ایک ہی شعر میں ادا کیا۔ اس صورت سے گلزار نسیم کو خار وخس سے پاک کیا اور آتش مرحوم کے پاس لے گئے استاد نے شاگرد کی محنت پر آفرین کی اور اصلاح کا قلم اُٹھایا۔ لیکن اکثر اصلاحیں نسیم نے نہ مانیں اور اشعار کو اپنی اصلی حالت پر

رہنے دیا۔ مثلاً مثنوی کا شعر تھا ؎

قلیان پہ مشکبو دھواں دھار
بیڑے چکنے پان کے مزیدار

آتش مرحوم نے دوسرا مصرعہ اس طرح بدلنا چاہا ؎

بیڑے چکنے بہت مزیدار

لیکن نسیم کو یہ اصلاح پسند نہ آئی اور مصرع کی تبدیلی مناسب نہ سمجھی۔

غرضکہ حضرت آتش کی نظر ثانی کے بعد مثنوی طبع ہوئی۔ شایع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ بک گئی زمانہ نے پورے طور سے قدر کی۔ ابھی تک مثنوی کے رنگ میں یکتائی کا سہرا میر حسن کے سر تھا۔ اب گلزار نسیم کے جا بجا چرچے ہونے لگے۔ جواہر سخن کے پرکھنے والے مان گئے کہ مثنوی کیا کہی ہے موتی پروئے ہیں۔ نسیم کو بھی شہرت عام کا خلعت نصیب ہوا اور بقائے دوام کے دربار میں میر حسن کے برابر کرسی ملی۔

تناسب لفظی۔ اختصار۔ پختگی کلام۔ چُستی بندش۔ شوکت الفاظ۔ پاکیزگی زبان اس مثنوی کے خاص جوہر ہیں۔ استعاروں اور تشبیہوں سے جو میناکاری کی ہے اُس نے اور حسن دوبالا کر دیا ہے۔

اکثر مسلمان شعرا کہتے ہیں کہ آتش نے نسیم کو یہ مثنوی کہہ کر دی تھی میری رائے میں اس دعوئے بے دلیل پر چیں بجبیں ہونا بیکار ہے۔ بلکہ ایک معنی میں یہ بیان ہمارے لئے باعث فخر ہے۔ اس سے بڑھکر نسیم کی شاعری کی اور کیا تعریف ہو سکتی ہے کہ اُن کا کلام آتش جیسے زبردست استاد کی طرف منسوب کیا جائے۔ حالانکہ سخن شناس اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس رنگ میں گلزار نسیم ہے اس رنگ میں آتش نے اپنی زندگی میں عمر بھر میں بھی ایک شعر

نہیں کہا۔ اس موقعہ پر اردو زبان کے مستند مورخ جناب محمد حسین صاحب آزاد مصنف
آبحیات کی راسے پیش کرنا خالی از دلچسپی نہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ پنڈت دیاشنکر نے گلزار نسیم لکھی اور بہت خوب لکھی......
اس کی عام و خاص میں شہرت ہے اسکے نکتے اور باریکیوں کو سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر
سب لیتے ہیں اور پڑھتے ہیں جتنی سمجھ میں آتی ہے اُسی پر خوش ہوتے ہیں اور
لوٹے جاتے ہیں واقعی بہت صحیح لکھا ہے جو اس بیان میں شک کرے وہ کافر ہے۔

علاوہ مثنوی کے نسیم کا ایک غزلوں کا چھوٹا سا دیوان ہے لیکن نا تمام
بہت سی غزلیں جو تلف ہوگئیں اُن کا نام و نشان بھی اس دیوان میں نہیں ملتا۔
لیکن جو کچھ ذخیرہ اشعار کا باقی رہ گیا ہے وہ ابتک قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا
جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ نسیم کا کلام آتش و ناسخ و ذوق و غالب کے کلام کا
ہمپایہ نہیں یہ لوگ آسمان سخن کے تارے ہیں ان کی برابر کسی کو عروج نہیں
ہوا مگر اس میں شک نہیں کہ نسیم۔ رند و صبا و خواجہ وزیر کے ہم پلہ ضرور تھے
اکثر مقامات پر طبیعت کی بلند پروازی اور معنی آفرینی قیامت کرتی ہے۔

سُنا گیا ہے کہ نسیم مشاعرہ میں غزل لکھ کر نہیں لیجاتے تھے زبانی پڑھتے تھے
سبب یہ تھا کہ ہر شاعر کے سامنے شمع جاتی تھی اور وہ اپنے ہاتھ سے شمع کو اپنے
سامنے کھینچتا تھا۔ یہ طریقہ نسیم کو ناپسند تھا۔ ایک بزم مشاعرہ میں کسی صاحب نے
مذاقاً نسیم صاحب سے کہا کہ شمع لیجئے تو جواب دیا کہ نسیم کے سامنے شمع کب ٹھہر سکتی
ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نسیم کے اکلوتے لڑکے کی موت سرسام ہوئی تھی اور انھوں نے
اسکے غم میں یہ شعر کہا تھا۔

تڑپ کے دل ہوا ٹھنڈا جگر کے داغ جلے
چراغ گھر کا ہمارے بجھا چراغ سب جلے

نسیم بڑے ظریف اور بذلہ سنج آدمی تھے تیزی ذہن اور ذکاوتِ طبع کا عجیب عالم تھا۔ حاضر جوابی تیغ زبان کا جوہر تھی۔ انھیں صفاتِ خاص سے ان کا وقار ہمعصر شعراء میں قائم کیا۔

ایک وقعہ کا ذکر ہے۔ کہیں مشاعرہ کی صحبت تھی۔ نسیم بھی وہاں موجود تھے شیخ ناسخ نے ایک مرتبہ ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ پنڈت صاحب ایک مصرع کہا ہے دوسرا مصرعہ نہیں سوجھتا کہ پورا شعر ہو جاے۔ انھوں نے جواب دیا فرمائیے۔ ناسخ نے مرعہ پڑھا۔ ع "شیخ نے مسجد بنا مسمار بت خانہ کیا"
ان کے منہ سے نکلنے کی دیر تھی کہ یہاں دوسرا مصرعہ تیار تھا۔

ع "پہلے اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ کیا"

اس مصرعہ کا سننا تھا کہ حاضرین جلسہ پھڑک اُٹھے اور ہر طرف سے نعرہائے تحسین بلند ہوئے۔ شیخ ناسخ نے شاعری کی آڑ میں مذہبی چوٹ کی تھی۔ لیکن نسیم نے خوب ٹھنڈا کر دیا۔ اسی طرح ایک شخص نے مشاعرہ میں ایک شعر پڑھا جسکا دوسرا مصرعہ یہ تھا

ع "جانبِ ظلمات ہرگز آفتاب آتا نہیں"

پہلا مصرعہ کچھ مہمل سا تھا نسیم کے منہ سے بیساختہ نکل گیا کہ دوسرا مصرعہ تو خوب ہے لیکن پہلا مصرعہ ٹھیک نہیں وہ صاحب بھی کچھ جلے تن تھے جھنجھلا کے بولے کہ اچھا آپ اس سے اچھا مصرعہ لگا دیجئے۔ یہاں تو مضامیں ہر وقت ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے اسی وقت مصرعہ موزوں کر کے سُنا دیا

ع "تیرہ دل کی بزم میں جامِ شراب آتا نہیں"
جانبِ ظلمات ہرگز آفتاب آتا نہیں"

ان کی مشاعرہ میں دھاک بیٹھ گئی اور وہ بیچارہ ذلیل ہو گیا۔ ایک روز آتش کے ہاں شاگردوں کا جمگھٹا تھا۔ رند و صبا و خلیل وغیرہ بیٹھے ہوے تھے نسیم بھی موجود تھے

صبح کا سہانا وقت برسات کا موسم مینہ برس رہا تھا عجیب کیفیت تھی موسم بہار سے
کچھ ایسی طبیعتیں مست ہوئیں کہ آتش سے شاگردوں نے فرمائش کی کہ استاد
اس وقت ایک غزل کہہ ڈالئے۔ گو کہ آتش کا بڑھاپا تھا لیکن طبیعت میں جوانی کا
زور بھرا ہوا تھا فی البدیہہ اشعار موزوں کرنے شروع کر دئے اور کہا کہ لکھتے جاؤ
اس غزل کا مطلع یہ تھا۔

دہن پر ہیں اُن کے گماں کیسے کیسے
کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

یہ غزل اسی موقعہ کی کہی ہوئی ہے۔ نسیم کی طبیعت بھی جوش بہار سے لہرائی ہوئی
تھی۔ انھوں نے ان اشعار کی تخمیس شروع کر دی جتنی دیر میں آتش دوسرا شعر
سوچتے تھے یہ اس عرصہ میں ان کے پہلے اشعار پر مصرع لگا چکتے تھے اور بعض بعض
مصرع تو واقعی اس انداز سے نکالے ہیں کہ اگر کوئی برسوں فکر میں سر بگریبان
رہے۔ تو ان سے اچھے مصرع نہیں نکال سکتا۔ آتش کے دو اشعار کی تخمیس
تمثیلاً لکھی جاتی ہے۔ یہ تین مصرع شروع کے نسیم کے ہیں اور دو مصرع آخری
آتش کے ؎

نہ خونیں کفن ہیں نہ گھائل ہوئے ہیں   نہ زخمی بدن ہیں نہ بسمل ہوئے ہیں
لہو ل کے کشتوں میں داخل ہوئے ہیں   تمھارے شہیدوں میں شامل ہوئے ہیں
گل و لالۂ و ارغواں کیسے کیسے

وجود بشر کیا عدم ہی عدم ہے   کہ ہے آدمی جب تلک دم میں دم ہے
شکم پرورِ حرص ناز و نعم ہے   کرے جس قدر شکرِ نعمت وہ کم ہے
مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے

اسی طرح ۱۴ بند اشعار پر لگائے۔ جب آتش نے غزل ختم کی تو صبا

رند و خلیل کے چہروں کی رنگت فق تھی۔ ابھی تک یہ اپنے آپ کو اہل زبان خیال کرتے تھے اور نسیم کو ہندو سمجھ کر زیادہ وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے لیکن اس روز سب لوہا مان گئے کہ موزونیٔ طبع ہو تو ایسی ہو اور مضمون آفرینی کا مادّہ ہو تو ایسا ہو۔

نسیم کی جو وقعت شعراء لکھنؤ کے زمرہ میں تھی اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوتا ہے ایک مرتبہ دہلی سے ۳ مصرعے امتحاناً لکھنؤ بھیجے گئے کہ شاعران لکھنؤ ان پر مصرعے لگا کر بھیجیں۔ تینوں مصرعے حسب ذیل ہیں۔

(۱) ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا۔

(۲) اس لئے قبر میں رکھا انھیں زنجیر سمیت

(۳) من میروم بکعبہ و دل میرود بہ دیر

اب اہل لکھنؤ کی یہ کوشش ہوئی کہ ایسے مصرعے لگا کر بھیجے جائیں کہ دہلی والوں کو بھی یہاں کی شاعری کا قائل ہونا پڑے۔ اگر مصرعے سست لگے تو کرکری ہو جائیگی۔ غرضکہ ۳ شخصوں کو جو کہ ہر طرح سے اس کام کے لئے موزوں خیال کئے گئے ایک ایک مصرعہ پر مصرعہ لگانے کا کام سپرد ہوا۔ پہلا مصرعہ ناسخ کو دیا گیا دوسرا آتش کو اور تیسرا نسیم کو گو اس وقت اور بڑے بڑے شاعر بھی موجود تھے مگر آتش و ناسخ کے ساتھ لکھنؤ کی آبرو قائم رکھنے کا شرف نسیم ہی کو حاصل ہوا۔ تینوں استادوں نے جی توڑ کر مصرعے لگائے ہیں ناسخ کا مصرعہ یہ ہے ؎

ڈال دے سایہ اپنے آنچل کا   ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا

آتش نے کہا ؎

حشر میں حشر نہ برپا کریں یہ دیوانے   اس لئے قبر میں رکھا انھیں زنجیر سمیت

نسیمؔ کا مصرعہ بھی لاجواب ہے ؎

من میروم بکعبۂ و دل میرود بہ دَیر — دارم ز دین و کفر بہر یک قدم دو سیر

یہ معرکے لکھنؤ میں اب تک یادگار ہیں۔

مگر افسوس حبیبِ قوم کے ساتھ عمر نے وفا نہ کی۔ گلزار نسیم کو شائع ہوئے چار برس گذرے تھے کہ باغ جوانی پر اوس پڑ گئی۔ ہیضہ کی بیماری نے دفعتہً خاتمہ کر دیا۔ اپنے شعر کے آپ ہی مصداق ہوئے ؎

روح رواں جسم کی صورت میں کیا کہوں
جھونکا ہوا کا تھا اِدھر آیا اُدھر گیا

۱۸۴۲ء میں بتیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ مشتاق مرحوم کی رباعی ہے

مغموم رکھا مدام دلگیری نے — مارا ہے جوان فلک کی بے پیری نے
واللہ کہ آتشِ فروغِ ناسخ — ٹھنڈی کر دی نسیم کشمیری نے

نسیمؔ کے متعلق احمد علی صاحب شوق کی رائے

نسیمؔ مرحوم لکھنو کے رہنے والے تھے اہل زبان تھے۔ جب باہر والے لکھنؤ میں رہ کر زباندان ہو سکتے ہیں تو وہ شخص جس نے لکھنؤ میں پیدا ہو کر یہیں آنکھیں کھولیں۔ یہیں زبان کھولی ہو۔ یہیں عمر بھر رہا ہو اس کا فصیح البیان ہونا کیا تعجب کی بات ہے۔ گلزار نسیم کی خوبیوں کو میرا ہی دل جانتا ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ نسیمؔ مرحوم نے جس فصاحت کے ساتھ گلزار نسیم کو نظم فرمایا ہے میں اس کو نہیں پہونچ سکا۔ میں نے اپنی قوت شاعرانہ ایک حد تک ترانۂ شوق میں صرف کی اور اس قدر صحیح ہے کہ ترانۂ شوق کی تصنیف کے وقت گلزار نسیم میری نگاہوں کے سامنے تھی۔ حاشا اس غرض سے نہیں کہ میں اُس کا جواب لکھوں بلکہ اس غرض سے کہ بحر ایک ہی ہے مضامین نہ لڑ جائیں لیکن نسیمؔ کی

فصیح بیانی نے میری یہ حالت کی کہ جا بجا دانتوں پسینہ آگیا اور پھر تن میں کامیابی کی حد تک نہ پہونچ سکا۔ مثلاً نسیم مرحوم نے فرمایا ہے ؎

پھالے پڑیں گال اگر چھوئے ہوں
کالے ڈسیں بال اگر چھوئے ہوں

ترانۂ شوق میں یہ رنگ ایک مقام پر آگیا ہے اور میں نے اُس جگہ بہت شعر نکالے مگر نسیم مرحوم کے اس شعر کی لطافت اور فصاحت اور تناسبِ الفاظ کو میرا کوئی شعر نہ پہونچ سکا۔ میں نسیم مرحوم کی روح کو گلزار نسیم کی داد کہاں تک دوں۔ جس رنگ میں یہ مثنوی ہے اپنی مثال آپ ہی ہے اور سچ یہ ہے کہ حضرت آتش مغفور کا یہ رنگ ہی نہ تھا۔ اگر وہ مثنوی فرماتے تو شاید گلزار نسیم کی سی نہ ہوتی ؎

شگفتہ ہیں مضامیں کے چمن سے ہم چمن ہم سے
ہوے رنگیں بیاں دونوں سخن سے ہم سخن ہم سے

انتخاب از دیوان نسیم

جب ہو چکی شراب تو میں مست ہو گیا — شیشے کے خالی ہونے سے پیمانہ بھر گیا
لے قاصدِ خیال نہ پیکِ نظر گیا — اُن تک میں اپنے آپ ہی لیکر خبر گیا
روحِ رواں و جسم کی صورت میں کیا کہوں — جھونکا ہوا کا تھا اِدھر آیا اُدھر گیا
بیدل جو مجھکو پایا تو بولا خیال یار — مہماں بُلا کے صاحبِ خانہ کدھر گیا
طوفانِ نوح اس میں ہو یا شورِ حشر ہو — ہونا جو کچھ ہے ہوگا جو گذرا گذر گیا
شوریدگی سے میری یہاں تک وہ تنگ تھے — روٹھا جو میں تو خیر منائی کہ شر گیا
گذرا جہاں سے میں تو کہا سن کے یار نے — قصہ گیا فسا د گیا درد سر گیا
کاغذ سیاہ کرتے ہو کس کے لئے نسیم — آیا جواب خط تمھیں اور نامہ بر گیا

تکلف نہیں ہمسے زیبا تمھارا تمھارے ہمارے ہمارا تمھارا
لیا دل تو لو جان بھی کیوں رہے جی تمنا ہماری تقاضا تمھارا
یہ تصویر چہرہ اُتر کیوں گیا ہے کھنچے کس سے ہو کیا ہے نقشہ تمھارا
نہ تیر آہ کا دست قدرت میں اپنے نہ شمشیر ابرو پہ قبضہ تمھارا

نسیم اس چمن میں گلِ تر کی صورت
پھٹے کپڑے رکھتے ہیں پردا تمھارا

بتوں کو جو دیکھا گنہ کیا ہمارا خدائی خدا کی تماشا ہمارا
بتوں کی گلی چھوڑ کر کون جائے یہیں سے ہے کعبہ کو سجدہ ہمارا

اشک ٹپکے حال دل کا کھل گیا دیدۂ گریاں سے پردہ کھل گیا
دل سے اُمڈے اشک خوں آنکھوں کی راہ جوش مے سے خُم کا ڈھکنا کھل گیا
کوچۂ جاناں کی ملتی تھی نہ راہ بند کیں آنکھیں تو رستہ کھل گیا
نرگسِ جادو ہے اب عالم فریب زلف کا لوگوں پہ لٹکا کھل گیا

آج کیونکر ہو خبر اُس کو نسیم
شعر پڑھنے کا بھی فقرا کھل گیا

جلد او ماہ تو گھر سے نکلا شکر ہے چاند کدھر سے نکلا
سامنا چھوڑ نہ دینا خورشید خنجر اُس مہ کی کمر سے نکلا
مثلِ بُو رخ نہ کیا سوئے چمن پھر نہ آیا میں جدھر سے نکلا
دل نے پھر تجھسے لگائی ہو نہ لو آہ پھر شعلہ جگر سے نکلا
کس کی آنکھوں پہ چڑھا تھا کہ یہ دل ہو کے خوں دیدۂ تر سے نکلا

سیر گلرویوں کی کرتا ہو گا
ہے نسیم آج سحر سے نکلا

منت دلا کسی کی نہ اصلا اُٹھائیے — مر جائیے نہ نازِ مسیحا اُٹھائیے
کیسا حجاب کیسی حیا اور کہاں کی شرم — پردہ سے ہاتھ ہاتھ سے پردہ اُٹھائیے
جلئے مگر چنار کے پنجہ کی طرح سے — بہرِ دعا نہ دستِ تمنّا اُٹھائیے
اے جان دل جلا کے نہ لیجئے کسی کی آہ — آنچ آتی ہے جو آگ سے شعلہ اُٹھائیے
چاہ اپنی مانتا نہیں وہ بے یقیں اگر — قرآں کا جامہ پہنئے گنگا اُٹھائیے
آنکھیں سوجھاتی ہیں کہ فسوں کیجے سرمہ سے — لب کہتے ہیں کہ قتل کا بیڑا اُٹھائیے

ہمسے سوا ہیں غیر ہوا خواہ واہ واہ
ہوتے ہوئے نسیم کے پنکھا اُٹھائیے؟

خم نہ بن کر خود غرض ہو جائیے — مثل ساغر اوروں کے کام آئیے
ابر رحمت سنتے ہیں نام آپ کا — خاکساروں پر کرم فرمائیے
صبر رخصت ہو تو جانے دیجئے — بیقراری آئے تو ٹھہرائیے
جوہر تیغ نگہ کھل جائیگا — مُنہ نہ میرے زخم کا کھلوائیے
دل میں ہے دکھلائیے تاثیر عشق — ٹھنڈی سانسوں سے انھیں گرمائیے
چھانٹئے رو کر غبارِ چشم کو — اشک سے اس گرد کو بٹھلائیے

سرد آہیں بھرتے ہیں جب ہم نسیم
کہتے ہیں وہ ٹھنڈے ٹھنڈے جائیے

جب نہ جیتے جی مرے کام آئے گی — کیا یہ دنیا عاقبت بخشائے گی
گر یہی ہے اس گلستاں کی ہوا — شاخ گل ایک روز جھونکا کھائے گی
صندلی رنگوں سے مانا دل ملا — دردِ سر کی کس کے ماتھے جائے گی
خاکساروں سے جو رکھیگا غبار — او فلک بدلی تری ہو جائے گی
دل نہ ہو بے جگر کہوں گا کچھ — بیقراری ٹھہر کہوں گا کچھ

ہمصفیرو جو آئے گا صیاد — حسرتِ بال و پر کہوں گا کچھ
کیوں نظر سے گرائے طفلِ سرشک — مردمِ چشمِ تر کہوں گا کچھ
ہوشیاری تو دیکھو کہتا ہے — بیخبر آ خبر کہوں گا کچھ
میری باتیں ہیں بہتر از گوہر — اے صدف کان دھر کہوں گا کچھ
نہ رکھ ارمان دل میں عمر رواں — کیا میں اے ہمسفر کہوں گا کچھ

خود چلا ہر قدم پہ کہتے نسیم
ٹھہر تو نامہ بر کہوں گا کچھ

دل سے ہر دم ہمیں آواز لگا آتی ہے — بند کانوں کو بھی گریہ کی صدا آتی ہے
گُل ہوا کوئی چراغِ سحری او بُلبل — ہاتھ ملتی ہوئی پتّوں سے صبا آتی ہے
آئینہ صاف سکندر کو دکھایا تو نے — خوب اے خضر تجھے راہ بتا آتی ہے

جس قدر وصلِ بتاں کا تمھیں رہتا ہے فراق
اے نسیم اتنی کبھی یادِ خدا آتی ہے

کیا ملا عرضِ مدّعا کر کے — بات بھی کھوئی التجا کر کے
لائے اُس بُت کو التجا کر کے — کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے
میں وہ بے آس ہوں کہ میرے پاس — یاس آتی ہے آسرا کر کے
لبِ نازک کے پاس رہنے دو — تِل برابر ہے دل مسا کر کے
حق ترے دانہ پانی کا صیاد — جاؤنگا دام دام ادا کر کے

دنیا میں عیش و غم سے ہیں یکسر بھرے ہوئے — شیشوں کے دل ہیں خالی تو ساغر بھرے ہوئے
ساقی دہن ہے زخم کی صورت فراق میں — پیالہ میں موج مے سے ہیں خنجر بھرے ہوئے
اے صبح میں دکھاؤں مرا چاکِ سینہ دیکھ — شبنم سے سب ہیں زخمِ گلِ تر بھرے ہوئے
دیوانہ طفلِ اشک کا ہوں میں کہ شعلہ سا — دامن میں جائے سنگ ہیں اخگر بھرے ہوئے

دل خالی کرے ابر ندامت سے لاکھ بار　　اے قطرہ تجھسے خود ہیں سمندر بھرے ہوئے
لخت دل و سرشک ہے اب صورت مژہ　　ہم خالی ہاتھ ہیں گہر و زر بھرے ہوئے

کس گل پہ اوس پڑ گئی وقت سحر نسیم
شبنم سے دیکھے دیدۂ عبہر بھرے ہوئے

فراق دیدہ ہوں میں وصل یار باقی ہے　　خزاں رسیدہ چمن کی بہار باقی ہے
وہ فصل گل نہیں پر عندلیب کے دل میں　　گلوں کا داغ ہے گلچیں کا خار باقی ہے
ہوا تو کہتی ہے صاف آمد بہار چمن　　صدائے غنچہ و صوت ہزار باقی ہے
خیال یار نے ایسا کیا ہے گوشہ گزیں　　کنارگیری کنج مزار باقی ہے
جنون و عقل کے قصے سے چھوٹے بعد فنا　　نہ پردہ در ہے نہ وہ پردہ دار باقی ہے
گلوں کے بدلے ہے کانٹوں کا ڈھیر مرقد پہ　　موے پہ بھی خلش روزگار باقی ہے
غبار راہ ہوں پر خاکساری کہتی ہے　　ہوائے اوج و دماغ وقار باقی ہے
یقیں ہے شغل تصور سے تجھ پہ قابو ہو　　اب ایک نقش بھی اے نگار باقی ہے
بتوں کے قہر سے ہمکو مقام یاس نہیں　　امید رحمت پروردگار باقی ہے

ساقی قدح شراب دے دے　　مہتاب میں آفتاب دے دے
ساقی باقی جو کچھ ہو لیلے　　باقی ساقی شراب دے دے
لیلیٰ میں نے تجھے بنایا　　مجنوں مجھکو خطاب دے دے
بیدار ہیں بخت خفتۂ ہجر　　یارب آنکھوں کو خواب دے دے
پیاسا جاتا ہے نشتر یار　　او رگ کچھ خون ناب دے دے

اس بت سے نسیم زر نہ تو مانگ
جو چاہے وہ بیحساب دے دے

کیوں خفا رشک حور ہوتا ہے　　آدمی سے قصور ہوتا ہے

مئے الفت سے بھر گیا جو دل	صورتِ شیشہ چور ہوتا ہے
جس کو دیکھا وہ اس زمانہ میں	اپنے نزدیک دور ہوتا ہے
کسکی لیتا نہیں خبر رزّاق	آدمی نا صبور ہوتا ہے
کشتیِ مے نہیں تو اے ساقی	بحرِ غم سے عبور ہوتا ہے

باغ میں جاؤ جاتے ہو جو نسیم
صبح کو وہ ضرور ہوتا ہے

پھانس لیتی ہے دل سمجھ لینگے	زلف کرتی ہے بل سمجھ لینگے
ہم سپاہی ہیں او کماں ابرو	تیغ پکڑے اجل سمجھ لینگے
نیتِ شب حرام اے ساقی	آج پیتے ہیں کل سمجھ لینگے

آج بے مثل ہو سخن میں نسیم
چار دن میں مثل سمجھ لینگے

پہونچی نہ راحت ہم سے کسی کو ایسے اذیت کوش ہوئے
جان پڑی تب بارِ شکم تھے مر کے وبالِ دوش ہوئے

مخمس

زمانہ میں ہیں نکتہ داں کیسے کیسے	خط و خال کے ہیں بیاں کیسے کیسے
زباں زد ہیں وصفِ بتاں کیسے کیسے	دہن پر ہیں انکے گماں کیسے کیسے
کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

وہ خونخوار عاشق کُشی پر جو آیا	کوئی دم کے دم بیقراروں میں ٹھہرا
رواں جب ہوا تیغ سے خون میرا	نہ مڑ کر بھی بے درد قاتل نے دیکھا
تڑپتے رہے نیمجاں کیسے کیسے

قضا جس دم آجاتی ہے بن کے دشمن	کسی کی نہیں چلتی ہے مشفقِ من

اجل ہے گذرگاہ ہستی میں رہزن عجب کیا چھٹا روح سے جامۂ تن
لٹے راہ میں کارواں کیسے کیسے

خزاں خار اپنے دکھاتی ہے کیا کیا بہار اپنے پھل پھول پاتی ہے کیا کیا
شگوفہ ہر ایک فصل لاتی ہے کیا کیا زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

نہ زخمی بدن ہیں نہ گھائل ہوئے ہیں نہ خونیں کفن ہیں نہ بسمل ہوئے ہیں
لہو مل کے کشتوں میں داخل ہوئے ہیں تمھارے شہیدوں میں شامل ہوئے ہیں
گل و لالۂ و ارغواں کیسے کیسے

وجودِ بشر کیا عدم ہی عدم ہے کہ ہے آدمی جب تلک دم میں دم ہے
شکم پرورِ حرصِ ناز و نعم ہے کرے جس قدر شکرِ نعمت وہ کم ہے
مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے

جو دلسوز فرقت میں ہیں داغ سوزاں تو دمساز ہیں نالۂ و آہ و افغاں
بنے رہتے ہیں روز ناخواندہ مہماں غم و غصہ و رنج و اندوہ و حرماں
ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

کوئی جانتا ہے کسی کو خبر ہے کہ پردہ میں کون اے صنم جلوہ گر ہے
کہیں کچھ خیال اور کہیں کچھ نظر ہے دل و دیدۂ اہل عالم میں گھر ہے
تمھارے لئے ہیں مکاں کیسے کیسے

جو مے نوش ہیں رنگ انکے جمے ہیں پئے پھول بدمستیاں کر رہے ہیں
گلابی کے ہاتھوں میں ساغر لئے ہیں بہار آئی ہے نشہ میں جھومتے ہیں
مریدانِ پیرِ مغاں کیسے کیسے

کہاں تخت خسرو کہاں طاقِ کسرا محلِ اقامت کا انکے پتہ کیا

ملے خاک میں سیکڑوں مسند آرا نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے

الٰہی یہ بت دین و دل دونو لیں نگار اُنکے نقشے لکھیں کیوں نہ دل ہیں
نظر باز سب نقد جاں کھول دیویں تیری کلک قدرت کے قربان آنکھیں
دکھائے ہیں خوش رُو جواں کیسے کیسے

فسانے جو کچھ حسن اور عشق کے ہیں لب نئے سے سب پوست کندہ سنے ہیں
جو مغز سخن سمجھے ہیں جانتے ہیں تپ ہجر کی کاہشوں نے کئے ہیں
جدا پوست سے استخواں کیسے کیسے

جسے دیکھو ہے شوق سے تجھ پہ مرتا ترے دم سے مردہ بھی ہو تو ہو زندا
نظر ذرّہ ذرّہ پہ ہے مہر سیما توجہ نے تیری ہمارے مسیحا
توانا کئے ناتواں کیسے کیسے

نسیم آج کیونکر نہ ہو مست دل خوش کہ سبزہ چمن کی روش پر ہے دلکش
خزاں باغ سے بھاگتی ہے مشوّش بہار گلستاں کی ہے آمد آمد
خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے

خمسہ فارسی

فدائے حسن و جمال تو گلعذارانند شہید تیغ نگاہ تو شہسوارانند
اسیر حلقۂ زلف تو پختہ کارانند غلام نرگس مست تو تاجدارانند
خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند

تو زلف رانکشودی زروے عشوۂ و ناز مرا زگریہ چناں تر شد است دامن راز
اگرچہ با من و تو بودہ است ناز و نیاز ترا صبا و مرا آب دیدہ شد غماز
وگرنہ عاشق و معشوق رازدارانند

بہ پیچ وتاب نہ تنہا منم بجانِ حزیں | کہ عالمے است پریشت بیقرار و بے تسکیں
زگفتنم اگر آشفتہ ٔ تو چیں بجبیں | گذار کن چو صبا بر بنفشہ زار و بہ بیں
کہ از تطاولِ زلفت چہ سوگوارانند

بہ یاد روے تو اے جانِ جاں نفس بنفس | بجاے خویش دمم شوق میزند ہر کس
مرا کہ بر سر حرف آورد ہوا و ہوس | نہ من براں گلِ عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزارانند

نگوییت کہ چو من ضبطِ خستہ جانی کن | صلاح کار خود اے دل چنانکہ دانی کن
عمل بگفتۂ مستان اگر توانی کن | بیا بہ میکدہ و چہرہ ارغوانی کن
مرو بصومعہ کہ آنجا سیاہ کارانند

ترا کہ ہست بجا ہوش و ہم حواس برو | بزعم زہد خودی ہمدریں قیاس برو
برو برو برو اے شیخ ناشناس برو | نصیب ماست بہشت اے خداشناس برو
کہ مستحق کرامت گناہگارانند

بوصل حسرتِ مشتاق بیتواں دانست | علاجِ زہر ز تریاق بیتواں دانست
اگر نہ حالتِ آفاق بیتواں دانست | زنقشِ چہرۂ عشاق بیتواں دانست
کہ ساکنانِ درِ دوست خاکسارانند

چو لالہ داغ و چو گلبرگ خار خار مباد | چو غنچہ تنگ دل و ہمچو سبزہ زار مباد
جدا ز سنبلت اے گل نسیم وار مباد | خلاصِ حافظ ازیں زلفِ تابدار مباد
کہ بستگانِ کمندِ تو رستگارانند

خمسہ دیگر

گشتہ یگانہ بیگانۂ من | مجنون تماشہ فرزانۂ من
شب شمعِ من گشت پروانۂ من | شد آں پریرو دیوانۂ من

افسوں نمودہ افسانۂ من

تا پُر زمے گشت پیمانۂ من عشرت سرا شد غم خانۂ من
آباد گردید ویرانۂ من چوں جاں در آمد جانانۂ من
شد خانۂ تن کاشانۂ من

گل را عروسِ تو در بر آمد در باغ امید بلبل بر آمد
ہنگام وصلِ یکدیگر آمد فصلِ بہاری از در در آمد
از خویش رفتہ دیوانۂ من

اے آنکہ کس نیست پئے آرزویت خلوست عالم چوں گل ز بویت
در انجمن بود شب گفتگویت گفتم بمستی وصفے ز رویت
جوشِ پری زد خمخانۂ من

در حشر پرسند گر داستانم گویم کہ من خود از بیخود آنم
احوالِ بزم گیتی چہ دانم زو شمع روئے آتش بجانم
شد خاک پایش پروانۂ من

دیشب بدورِ جام مے آگیں بگرفت از من عقل و دل و دیں
امروز پیشم نامد ز تمکیں بشکست ساقی پیمانِ دوشیں
بر سنگِ دل زد پیمانۂ من

ہر چند بودم خود زار و محزوں احوالِ من گشت از غم دگرگوں
شد استخوانم چوں بید مجنوں تا چند گویم از جورِ گردوں
ایں آسیا ہیں بکدانۂ من

در و خیالش چوں گشت مہماں ہوش و خرد شد از من گریزاں
از جاں گذشتیم در یاد جاناں بیگانہ گشتیم از آشنایاں
تا آشنا شد بیگانۂ من

مخمس دیگر

لیتا ہے جس کا نام ترا واں نشاں کہاں　　کیا بات تیری چاند کہاں اور کتاں کہاں
ذرّے اور آفتاب کا ممکن قراں کہاں　　دل تو کہاں وہ مہوش نامہرباں کہاں
ناداں ہے زمین کہاں آسماں کہاں

اپنے ہی دن بُرے تھے تجھے کیا بھلا کہیں　　پھیرا اپنی ہی سمجھ کا رہا دل کو کیا کہیں
سرگشتگی کے شوق کا کیا ماجرا کہیں　　کعبہ کہیں کنشت کہیں میکدہ کہیں
تیرے لئے خراب ہوئے ہم کہاں کہاں

کس سے بگڑ کے آئے ہو کیوں منہ بنائے ہو　　کس سے ستم رسیدہ ہو کس کے ستائے ہو
کس شخص کی تلاش میں تشریف لائے ہو　　ظلمت کدہ میں میرے جو اے خضر آئے ہو
کیا راہ بھولے خیر تو ہے تم یہاں کہاں

صیاد دور ہے ابھی فرصت ہے بلبلو　　دو چار دم کی باغ میں مہلت ہے بلبلو
سب حوصلے ہیں کچھ بھی جو الفت ہے بلبلو　　ہنس بول لو یہ وقت غنیمت ہے بلبلو
پھر گل کہاں بہار کہاں آشیاں کہاں

غنچہ بھی ہے ہوا بھی ہے وقتِ سحر بھی ہے　　نغمہ بھی ہے نوا بھی ہے مطرب پسر بھی ہے
شیشہ بھی ہے صراحی بھی ہے جام زر بھی ہے　　گلشن بھی ہے بہار بھی ہے ابر تر بھی ہے
لا ساقیا شراب کہ پھر یہ سماں کہاں

شاعر پہ حرف رکھتے ہیں گو نکتہ بیں سہی　　منہ کیا مجال کیا جو کرے ہم سے بیرخی
لیکن ہزار بات کی اک بات ہے یہی　　کچھ بھی نہ ہو تو بات نکالیگا کیا کوئی
تیرے دہن کا وصف کریں ہم کہاں کہاں

حاصل کسی سے تھا نہ جو اہرنہ زر نہ سیم　　اک واہ وا فقط تھی سو وہ ہو گئی فہیم
وہ وقت ہے کہ کہتے ہیں خاقانی و کلیم　　کیا کہئے شعر خونِ جگر کھاکے اے نسیم
جوہر شناش کوئی کہاں قدرداں کہاں

انتخاب از مثنوی گلزار نسیم

آغاز مثنوی

یارب مرے خامے کو زباں دے | منقارِ ہزار داستاں دے
افسانہ گُلِ بکاؤلی کا | افسوں ہو بہارِ عاشقی کا
ہرچند سُنا گیا ہے اُسکو | اُردو کی زبان میں سخن گو
وہ نثر ہے داد نظم دوں میں | اس مے کو دو آتشہ کروں میں
ہرچند اگلے جو اہل فن تھے | سلطانِ قلمروِ سخن تھے
آگے اُن کے فروغ پانا | سورج کو چراغ ہے دکھانا
پر بحرِ سخن سدا ہے باقی | دریا نہیں کاربند ساقی

دلبر کا شاہزادوں سے چوسر کھیلنا

رنگ اُس کا جما تو لا کے چوسر | کھیلی وہ کھلاڑ بازی بدکر
وہ چھوٹ پہ تھی یہ میل سمجھے | بازی چوسر کی کھیل سمجھے
مغرور تھے مال وزر پہ کھیلے | سامان ہارے تو سر پہ کھیلے
بدبختی سے آخری جُوا تھا | بندہ ہوتا بدا ہُوا تھا
دو ہاتھ میں چاروں اُس نے لوٹے | پنجے میں پھنسے تو چھکے چھوٹے
ایک ایک سے رات بھر نہ چھوٹا | پَو پھٹتے ہی جُگ اُنھوں کا ٹوٹا
زنداں کو چلے مچل مچل کر | نردوں کی طرح پھرے نہ چلکر

تاج الملوک کا دلبر سے چوسر کھیلنا

وہ چشم و چراغ بیسوا کے | کرنے لگے تاک جھانک آکے
نیولا وہ کہ مار آستیں تھا | چٹکی کے بجاتے ہی وہیں تھا
بلّی تو چراغ پا تھی خاموش | بل ہو گیا موش کو فراموش

ہنس ہنس کے حریف نے رُلایا — مانندِ چراغ اُسے جلایا

پاسے سے چلی نہ جعل سازی — اُجڑی وہ بسا بسا کے بازی

پھر پاسے نے کی نہ پاسداری — ہمت کی طرح وہ دل سے ہاری

پاسے کی بدی ہے آشکارا — راجہ نل سلطنت سے ہارا

داتا تو کرے کب اس طرف میل — ہارا ہے جوئے کے نام سے بیل

بارے دیکھا جو بیسوا نے — بندہ کیا غیر کا خدا نے

بولی بہزار عجز و زاری — تم جیسے میاں میں تم سے ہاری

لونڈی ہوں نہیں عدول مجھکو — خدمت میں کرو قبول مجھکو

بکاؤلی گلچیں کی تلاش میں نکلتی ہے

وہ سبزۂ باغ خواب آرام — یعنی وہ بکاؤلی گُل اندام

جاگی مرغِ سحر کے غُل سے — اُٹھی نکہت سی فرشِ گل سے

مُنہ دھونے جو آنکھ ملتی آئی — پُرآب وہ چشمِ حوض پائی

دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے — کچھ اور ہی گُل کھلا ہوا ہے

گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل — جھنجھلائی کہ کون دے گیا جُل

ہے ہے مرا پھول لے گیا کون — ہے ہے مجھے خار دے گیا کون

ہاتھ اُس پہ اگر پڑا نہیں ہے — بُو ہو کے تو پھول اُڑا نہیں ہے

نرگس تو دکھا کدھر گیا گل — سوسن تو بتا کدھر گیا گُل

سنبل مرا تازیانہ لانا — شمشاد انھیں سولی پر چڑھانا

نرگس نے نگاہ بازیاں کیں — سوسن نے زباں درازیاں کیں

پتا بھی پتے کو جب نہ پایا — کہنے لگیں کیا ہوا خدایا

اپنوں میں سے پھول لے گیا کون — بیگانہ تھا سبزہ کے سوا کون

شبنم کے سوا چُرانے والا — اوپر کا تھا کون آنے والا
جس کف میں وہ گل ہو داغ ہو جائے — جس گھر میں ہو گُل چراغ ہو جائے
گلچیں کا جو ہاے ہاتھ ٹوٹا — غنچہ کے بھی مُنہ سے کچھ نہ پھوٹا
او خار پڑا نہ تیرا چنگل — مشکیں کس لیں نہ تو نے سنبل
او بادِ صبا ہُوا نہ بتلا — خوشبو ہی سُنگھا پتا نہ بتلا
بلبل تو چہک اگر خبر ہے — گُل تو ہی مہک بتا کدھر ہے
اُنگلی لبِ جو پہ رکھ کے شمشاد — تھا دم بخود اُس کی سن کے فریاد
جو نخل تھا سوچ میں کھڑا تھا — جو برگ تھا ہاتھ مل رہا تھا
رنگ اُس کا غرض لگا بدلنے — گُل برگ سے کف لگی وہ ملنے
بدلے کی انگوٹھی ڈھیلی پائی — دستِ آویز اُس کے ہاتھ آئی
خاتم تھی نام کی نشانی — انسان کی دستبُردِ جانی
ہاتھوں کو ملا کہا کہ ہیہات — خاتم بھی بدل گیا ہے بدذات
جس نے مجھے ہاتھ ہے لگایا — وہ ہاتھ لگے کہیں خدایا
عُریاں مجھے دیکھ کر گیا ہے — کھال اُس کی جو کھینچیے سزا ہے

نامۂ بکاؤلی بہ تاج الملوک

مانگا کاغذ دوات خامہ — لکھا گلچیں کے نام نامہ
اے دلبرِ دلبرِ دغا باز — وے دیو سوارِ عرش پرواز
اے پردہ کشائے بے حجابی — وے دزدِ حنائے دستیابی
اے رہروِ رو بہ رہ نہادہ — وے صرصرِ گل بباد دادہ
تو باغِ ارم سے لے گیا گُل — تو مجھ سی پری کو دے گیا جُل
بے رخ ترے واسطے ہوئی میں — فرخ ترے واسطے ہوئی میں

جو جو اسرار تھے نہانی / سب تجھ سے سُنے تری زبانی
کیا لطف جو غیر پردہ کھولے / جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے
داغوں پہ دئے ہیں داغ تو نے / دکھلائے ہیں سبز باغ تو نے
کانٹوں میں اگر نہ ہو اُلجھنا / تھوڑا لکھا بہت سمجھنا

جواب نامہ از تاج الملوک

اے شاہ ارم کی دخت گلفام / فرخ لقب و بکاؤلی نام
اس نام کے اس لقب کے صدقے / اس نامے کے اس طلب کے صدقے
میں نے جو غرض سے جی چرایا / تو نے کیوں آکے منہ چھپایا
تقدیر پھری پھری نہیں تو / امید گئی، گئی نہیں تو
اے کاش میں کچھ بھی سانس پاتا / جی کھول کے داغِ دل دکھاتا
اب مجھ میں وہ دم اجی کہاں ہے / وہ دل، وہ جگر، وہ جی کہاں ہے
قابل وہاں آنے کے کہاں ہوں / ما بھی جو رہا تو نیم جاں ہوں
تو برقِ دماں میں خرمنِ خار / و سیلِ رواں میں خستہ دیوار
تو جوششِ یم ئیں موربے پر / میں نقشِ قدم، تو بادِ صرصر
دھڑکا ہے یہی تو جان دونگا / مرجاؤنگا، اب نہ میں جیوں گا

مکالمۂ بکاؤلی و تاج الملوک

آیا تو وہ منتظر تھی خونخوار / اندیشہ سے کانپ اُٹھا گنہگار
واں غصہ بھری غضب وہ چتون / پلکوں سے یہاں نظر پہ چلمن
واں پھانسنے کو بلا وہ گیسو / یاں تابِ سخن نہیں سرِ مو
بولی وہ پری بصد تأمل / کیوں جی تمھیں لے گئے تھے وہ گل
کیا کہتی ہوں میں ادھر تو دیکھو! / میری طرف اک نظر تو دیکھو!

ہے یا نہیں یہ خطا تمھاری　　فرمایئے کیا سزا تمھاری

کی عرض رضا ہے جو خوشی ہو　　عاشق کی سزا جو پوچھتی ہو

مشکیں زلفوں سے مشکیں کسوائیے　　کالے ناگوں سے مجھکو ڈسوائیے

تلوار سے قتل ہو جو منظور　　ابرو کے اشارے سے کرو چور

زنداں میں جو زندہ بھیجنا ہو　　اپنے دلِ تنگ میں جگہ دو

یہ سُن کے وہ شوخ مسکرا کے　　بولی اُسے چھاتی سے لگا کے

گلچیں تو فقط نہیں چمن کا　　محرم ہے سارے تن بدن کا

رُخ دیکھ چکی ہوں اب ترا میں　　مُنہ دوسرے کو دکھاؤں کیا میں

سودائے فراق میں بکاؤلی کی حالت

سنسان وہ دم بخود تھی رہتی　　کچھ کہتی تو ضبط سے تھی کہتی

کرتی تھی جو بھوک پیاس بس میں　　آنسو پیتی تھی کھا کے قسمیں

جامے سے جو زندگی کے تھی تنگ　　کپڑوں کے عوض بدلتی تھی رنگ

یک چند جو گزرے بے خور و خواب　　زائل ہوئی اُس کی طاقت و تاب

صورت میں خیال رہ گئی وہ　　ہیئت میں مثال رہ گئی وہ

آنے لگے بیٹھے بیٹھے چکر　　فانوس خیال بن گیا گھر

سمجھانے لگیں کہ مرتی ہے کیوں　　ترکِ خور و خواب کرتی ہے کیوں

رحم اپنی جوانی پہ ذرا کر　　مُنہ دیکھ تو آئینہ منگا کر

صورت تری زار ہو گئی ہے　　گُل ہو کے تو خار ہو گئی ہے

ہے ہے تری عقل کس نے کھوئی　　ناجنس کو چاہتا ہے کوئی

سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار　　اب مان نہ مان تو ہے مختار

غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجے　　دُکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجے

جھنجھلائی بکاؤلی کہ بس بس
اب ایک کہو گی تم تو کیں دس
بلبل اُسی رشکِ گل کی ہوں میں
تم کیا ہو ہزار میں کہوں میں
سوچیں وہ کہ یہ نہیں سمجھتی
ہے بلکہ برنگ زلف اُلجھتی
مجنوں ہو اگر تو فصد لیجے
سایہ ہو تو دوڑ دھوپ کیجے
بیماریٔ عشق لا دوا ہے
اس باغ کی اور ہی ہوا ہے
آخر یہ تو جی سے اپنے ہے تنگ
ایسا نہ ہو لائے اور کچھ رنگ
یاد آئیں جو ابروانِ خمدار
رہتے نہ کہیں گلے پہ تلوار
کریاد کہیں چہِ ذقن کو
کو دے نہ کنوئیں میں باؤلی ہو

روح افزا کے باغ میں بکاؤلی تاج الملوک سے کہتی ہے

رو رو کے بکاؤلی دل افگار
بولی کہ خدا کو علم ہے یار
پھرتا تھا تو چشم و دل میں میرے
دیدے مرے نقشِ پا تھے تیرے
مشکل مجھے اپنا تھامنا تھا
ہر وقت قضا کا سامنا تھا
ہمچشم پھرے تھے مثل مژگاں
ہمسایہ تھے سب کشیدہ داماں
گھر میں رہنا گراں تھا میرا
زنجیر کا گھر مکاں تھا میرا
جو کھٹکے سر ٹکارتا تھا
پتھر سا کھینچ مارتا تھا
سختی سہی یا کڑی اُٹھائی
افتاد تھی جو پڑی اُٹھائی
طالع سے کسے تھی ایسی امّید
نکلا ہے کدھر سے آج خورشید
کیوں منہ پہ شفق خوشی سے پھولی
کیا شام وصال راہ بھولی

نوشتہ۔ پنڈت ارجن ناتھ منٹو صاحب خلف پنڈت کشمیرا لال منٹو صاحب۔

آپ ماہ ستمبر ۱۸۸۱ء میں شہر امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مرحوم پنڈت کشمیرا لال منٹو صاحب وکیل ہائیکورٹ لاہور تھے اور امرتسر میں وکالت کرتے تھے۔

آپ حصول تعلیم کی غرض سے اوائل عمر ہی سے شہر لاہور میں رہے۔ امتحان انٹرنس پنجاب یونیورسٹی کے پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور ۱۹۰۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ سنسکرت کے مضمون میں تمام صوبہ بھر میں آپ کا نمبر اوّل رہا۔ انگریزی اور سنسکرت میں آپ کی قابلیت اعلیٰ درجہ کی ہے جس کے ثبوت میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے الور گولڈ میڈل آپ کو عطا ہوا ہے۔

۱۹۰۵ء میں خالصہ کالج امرتسر میں سنسکرت کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور تقریباً انیس برس اسی عہدے پر مامور رہے۔ ۱۹۲۱ء میں پنجاب یونیورسٹی کا سنسکرت کا امتحان ایم۔ اے پاس کیا۔ ۱۹۲۴ء میں ہندو سبھا کالج امرتسر کے قائم ہونے پر آپ وائس پرنسپل کے عہدے پر ممتاز کئے گئے اور اب تک اسی عہدے پر مامور ہیں۔

جاتا رہے گا لطف تڑپنے کا مفت میں — تیر مژہ کلیجے کے گر پار ہو گیا
تاثیر کچھ عجب ہے تری جنس حسن کی — جسکی نظر پڑی وہ خریدار ہو گیا
زندہ تھا جسکے دم سے جہاں میں جنونِ عشق — رخصت تمھارا آج وہ بیمار ہو گیا
چشم سیاہ مست جو دیکھی ہے اُسنے آج — زاہد بھی جام مے کا طلبگار ہو گیا
منطق سمجھ میں زاہد مشفق کا کیسے آئے — ایک گھونٹ پی کے نوشتہ گنہگار ہو گیا
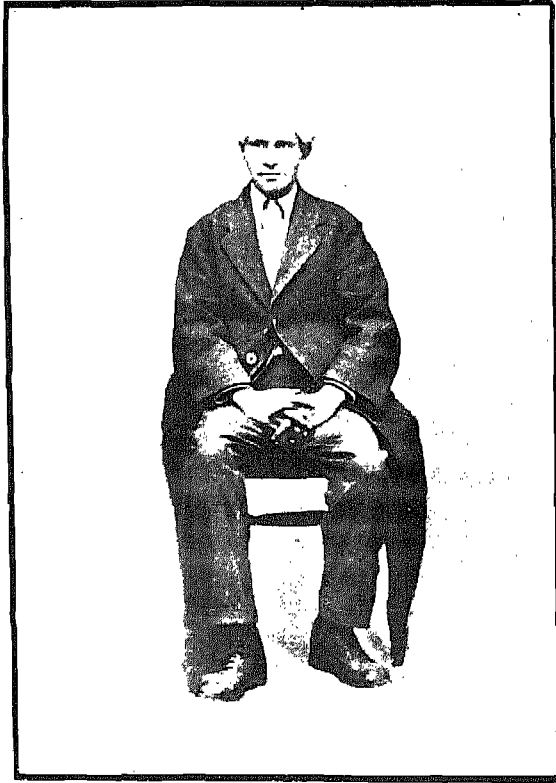
پنڈت ارجن ناتھ منٹو۔ نوشتہ

سینے میں تیرے تیرِ نظر جب اُتر گئے
زخموں کے ساتھ جتنے تھے ناسور بھر گئے

سب کو گمان ہوا کہ اُٹھا گلستاں میں ابر
اک دن جو روئے یار پہ گیسو بکھر گئے

کچھ تو ہمارے نالوں کا آخر اثر ہوا
مدفن پہ میرے آج وہ آکر ٹھہر گئے

شاید وہ بے نقاب تھے محفل میں رات کو
پروانے جل کے شمع کے شعلے پہ مر گئے

اچھا ہوا جو اُس نے مرا سر قلم کیا
اک سر کیسا تھا لاکھ مرے درد سر گئے

ولہ

ہماری شہادت کے قائل ہوئے ہیں
گل و لالہ و ارغواں کیسے کیسے

مٹائے ہیں بے روزگاری نے دیکھو
جوانانِ ہندوستاں کیسے کیسے

جو قسمت میں لکھا تھا وہ مل رہا ہے
کئے پاس گو امتحاں کیسے کیسے

نشیمن پہ نوشہ کے کیا پوچھتے ہو
گریں آن کر بجلیاں کیسے کیسے

اثر تیرا آہِ رسا ہو رہا ہے
رقیبوں کا مجھسے گلا ہو رہا ہے

میں کیسے کہوں یہ بُرا ہو رہا ہے
جو کچھ ہو رہا ہے بھلا ہو رہا ہے

تم ابرو کی تلوار کھینچو نہ کھینچو
مرا فیصلہ بے قضا ہو رہا ہے

ہر اک بزم میں جا کے سن لیجئے
مری مرگ کا تذکرہ ہو رہا ہے

قیامت کے سامان پھر ہو رہے ہیں
طلب آج پھر آئینہ ہو رہا ہے

میں تنہا طلبگار تیرا نہیں ہوں
زمانہ ترا مبتلا ہو رہا ہے

ولہ

اغیار مرے داغِ جگر دیکھ رہے ہیں
جلتا ہوا بیکس کا یہ گھر دیکھ رہے ہیں

مہمان اُنھیں غیر کے گھر دیکھ رہے ہیں
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہے ہیں

یہ بھی مری قسمت کہ اُنھیں رحم نہ آئے
تڑپوں میں اِدھر اور وہ اُدھر دیکھ رہے ہیں

موسیٰ نے بھی دیکھے نہ سرِ طور وہ جلوے
جو ہم کہ پسِ روزنِ در دیکھ رہے ہیں

وہ بزم میں بیٹھے ہیں بنے صورتِ تصویر
سب کو یہ گماں ہے کہ اِدھر دیکھ رہے ہیں

بیٹھے ہوئے نوشہ در دلدار کے آگے
اب شامِ تمنا کی سحر دیکھ رہے ہیں

جس کو لگے ہیں آپ کی ترچھی نظر کے تیر — قائل نہ وہ چھری کی نہ برچھی کی مار کا
میری لحد کے پاس بنا دینا ہمدمو — چھوٹا سا اک مزارِ دلِ بیقرار کا
رسوا نہ ان کی بزم میں ہوتا میں اسطرح — کمبخت دل جو ہوتا مرے اختیار کا
رو رو کے طفلِ اشک نے گوہر سے یوں کہا — میں بھی یتیم ہوں کسی اُجڑے دیار کا

عصیاں کے داغ دامنِ نوشہ سے دُھل گئے
برسا جو ابرِ رحمتِ پروردگار کا

اُس جا چلیں بتوں کے نظارے جہاں نہ ہوں
چشمِ فسوں کے رمز و اشارے جہاں نہ ہوں
نوشہ وہاں پہ کشتیِ عمرِ رواں کو چھوڑ
امید و یاس دونوں کنارے جہاں نہ ہوں

عارضِ دلبر پہ ہے زلفِ سیہ آئی ہوئی
یا گلستاں میں کوئی کالی گھٹا چھائی ہوئی
سوزشِ پنہاں بجھا دے اس لگی کو کیا عجب
بجھ چکی اشکوں سے آتش تیری بھڑکائی ہوئی

اک وہی نوشہ نہ آیا میرے مرجانے کے بعد
میری میت پہ تھی سب خلقِ خدا آئی ہوئی

ہمہ اوست

ملا ہے دشتِ ختن میں غزال بن کر تو — چھپا ہے ملکِ بدخشاں میں لعل بن کر تو
بتوں کے رخ پہ لبھاتا ہے خال بن کر تو — وجودِ ہستی میں آیا خیال بن کر تو

ہرایک شے میں الٰہی ظہور تیرا ہے
ظہور تیرا ہے بیشک یہ نور تیرا ہے

لبِ گدا سے ہے نکلا سوال بن کر تو — اور حسنِ ناز میں آیا جمال بن کر تو
شبِ فراق میں آیا ملال بن کر تو — زوالِ ہستی سے نکلا کمال بن کر تو
اُڑا ہے دشت میں گرد و غبار بن کر تو
چمن میں نکھرا ہے حسنِ بہار بن کر تو

کہیں جوان کہیں پیر بن کے رہتا ہے — کماں میں ابرو کی تو تیر بن کے رہتا ہے
کہیں تو عاشقِ دل گیر بن کے رہتا ہے — کہیں تو لیلےٰ کہیں ہیر بن کے رہتا ہے
تو پائے وحشی میں زنجیر بن کے رہتا ہے
تو سب کی آنکھوں میں تصویر بن کے رہتا ہے

نیکو۔ پنڈت بھوانی داس کاچرو

آپ کے سوانح عمری اگر آئندہ معلوم ہونگے تو ضمیمہ جلد دوم میں درج کئے جائیں گے آپ کا ایک ترجیع بند اور مختلف اشعار و رباعیات کئی برس کی کوششوں کے بعد خاص سرینگر کشمیر سے حضرت طالب کی خاص توجہ سے دستیاب ہوئے ہیں۔ تبرکاً درج کئے جاتے ہیں۔ ان کے ملاحظہ سے قدر شناسان سخن اندازہ کر سکیں گے کہ جناب نیکو کی فارسی قابلیت کس اعلیٰ درجہ کی تھی۔ بحر طویل کے آٹھ مصرع ملاحظہ کیجئے اور داد دیجئے۔

ہرپارہ دل بسینہ جداگانہ سوختیم — جشن است و صد چراغ بیک خانہ سوختیم
نے آشنائے ماشدہ گلچین نہ باغباں — زین باغ ہمچو سبزۂ بیگانہ سوختیم

دیگر

شُست نقشِ انجم از افلاک مژگانِ ترم — ابر شد مستغنی از دُر بار آبِ گوہرم
دوریِ او بسکہ بیرحمانہ میسوزد مرا — شمع بالیں میشود ہر کس کہ آید بر سرم
سوختن بر آتشِ من آب نتواند زدن — میتوان رنگِ قیامت ریخت از خاکسترم

پختہ مغزان جنون راداغ مرہم میشود استخوان کافور گشت از سوختن چون اخگرم
ہم سبو ہم شیشہ ہم خُم دانۂ انگور دار از خیالِ چشم مستِ یار شد دل دربرم
مایہ دارانِ جنون را قلبِ توفیقِ منست وقتِ ریزش ہمچو مینا خم بہ پیشِ ساغرم
رفت تا دامن کشان صیّاد بے پروا نکو
درجدل با ضعفِ طالع ہست صیدِ لاغرم
درجدائی پیشِ یاران ہست قدرے دیگرم از بریدن میشود چون تیغ ظاہر جوہرم
شیشہ ام در ساعتِ سنگین بقا لب آمدہ نشکند از سختیِ دوران دل غم پرورم
کرد طوفان ابرِ رحمت رخت ما را سیل بُرد ورنہ کے بود اینقدر ز آلودگی دامن ترم
مرگ نو بادا مبارک طالبانِ وصل را چون بلا آمد بغل وا کردہ تا گہ دربرم
دل بود وارستگان را کاروان سالارِ عشق ہمسفر با آہ شد جان چون سپند مجمرم
گشت کز حکم قضا پرور نگاہ او مرا
چشم تا پوشید نیکو کردگارِ محشرم
چین نیست برابروش پئے قتلِ جہانے کرد است دگر دستِ قضا زہ بکمانے
شمشاد قدے لالہ رخے غالیہ موے سنبل رقمے گلبدنے غنچہ دہانے
یک ناز و صد آشوب و یک انداز و صد آفت یک عشوہ و صد فتنہ بلائے دل و جانے
شد بر یمینِ لعلِ لبش خال مُسلّط تقدیر چہ بنشاند نگینے بمکانے
ہردم پئے خونریز اسیرانِ خود آید از خانہ برون تیز چو تیغے ز میانے
نیکو چہ دہد ہدیۂ شمشیرِ نگاہش
لختِ جگرے قاشِ دلے پارۂ جانے

برآمد سنبل و شمشاد گاہے راست گاہے کج
خبر از قد و زلفت داد گاہے راست گاہے کج

دو گیسویت که گشت از باد گاهے راست گاهے کج
بر رویت پیچ و تاب افتاد گاهے راست گاهے کج
ز آهم گردد آن شمشاد گاهے راست گاهے کج
چو سروے کو شود از باد گاهے راست گاهے کج

رباعی

دنیاے گذشته چون جرس می بینم هر پیشروے که بود پس می بینم
روباه گرفته جاے شیرانِ زمان بر مسند طاؤس مگس می بینم

وله

زضبطِ گریه غم پرورده دل رنجور میگردد که در زخم آب چون گردد گره ناسور میگردد
نشد به درد دل درزندگی روشن پس از مردن کفن شاید بداغم مرهم کافور میگردد

وله

دل به بازی بُرد آن دلبر چه میداند کسے سحر کرد آن چشم جادو گر چه میداند کسے
لعل میگون از تهِ خطش کبابم کرده است آتش در زیر خاکستر چه میداند کسے

وله

باز دیدم مهربان نامهربانِ خویش را کرده شاید امتحان سود و زیانِ خویش را
ایمنم از دهر تا ترکِ تعلق کرده ام خود زدم از رشکِ رهزن کاروانِ خویش را

وله

شب که با ما شیشه دلها آن ستمگر جنگ داشت آسمان هم از کواکب دامنِ پر سنگ داشت

وله

بگلشن سعی دارد باغبان دیوار بستن را ازین غافل که گل در پیش دارد بار بستن را

وله

کے آبِ طرب سیر نوشید و رفت که تا چشم واکرد پوشید و رفت

وله

به بحرِ جهان اے دلِ مستِ خواب بود قالبِ آدمی چون حباب

وله

شب که مرغِ سحری ناله و غوغا میکرد شاید آن سیم بدن بند قبا را واکرد

وله

یار در فکرِ دلفگاری ها ما در اندازِ جان سپاری ها

رباعی

عاشقِ صادقی اگر دلبرِ پُر جفا طلب ریشِ دل و خراشِ جان دردِ سر و بلا طلب
گر هوست بود نکو عمرِ دوباره در جهان آب بقا چه میکند آن لبِ جانفزا طلب

ولہ
خاطر بتلا یکے طرۂ مشکفام دو ؎ ہست کشاکشم بسے صید یکے و دام دو
دین بروم بجانبے کفر بجانب دگر ؎ دل بکہ اقتدا کنم قبلہ یکے امام دو

ولہ
دل را اگرچہ صاف کنی ہمچو آئینہ ؎ بیشک جمال دوست بہ بینی معائنہ
او در دل من ست و دل من بدست او ؎ چون آئینہ بدست من و من در آئینہ

ترجیع بند

بند اوّل

اے دل چہ کنی صلاح و تدبیر ؎ در دشت قضا رہ رضا گیر
بر تودۂ خاک آرزو چند ؎ از قوس خیال میزنی تیر
اعمال خود است حاکم ما ؎ چرخ و مہ و مہر را چہ تقصیر
ہرگز نکنی شکایت دہر ؎ این جملہ ز قسمت ازل گیر
بشکن قلم و بسوز دفتر ؎ در آب بشوے این طوامیر
بگذار فسون و این فسانہ ؎ بشنو سخن خرد و ز پیر
ہرگاہ نمیشود مبدّل ؎ تقدیر کس از صلاح و تدبیر
بر خاک رہ رضا نشینیم
تا رسے چہ کند خدا بہ بینیم

بند دوم

احوال خود از مہ و ستارہ ؎ در قرعۂ و فال و استخارہ
دیدیم بسے و لے ندیدیم ؎ در بیش و کم نصیب چارہ
از ریزش سنگ فتنہ سازد ؎ ہر دم دل خلق پارہ پارہ
زاہل نہ شود خط جبینت ؎ گر سر بزنی بہ سنگ خارہ
زیر جبل ار بود نصیبت ؎ پیش تو رسد بیک اشارہ

در خیبر بکوش و مغتنم دان — عمرے کہ نیابیش دوبارہ
بر قسمت خویش باش راضی — العاقل یکفیہ الاشارہ
چون حکم قضا قضا ندارد — گیرم پس از و چرا کنارہ
بر خاک رہِ رضا نشینم
بارے چہ کند خدا بہ بینم

بند سوم

در چاہِ کبود چرخ پُر فن — افتادہ بسے چو گیو و بیژن
این سفلہ نواز از قدیم است — با مردم ارجمند دشمن
این باغ دو در طلسم گاہے است — دیدن نتوان گلش بچیدن
نے خار و نہ گل نہ غنچہ ماند — نے زنبق و نارون نہ سوسن
نے سرو نہ قمری و نہ بلبل — نے سنبل و باغبان نہ گلشن
صاحب نظران چو گل گذشتند — زین باغ دریدہ جامہ بر تن
جز عبرتِ ازین چمن تماشا — نآید بہ نظر نہ در شنیدن
چون رنگ ثبات نیست باوے — این باغ و بہار را چہ دیدن
رفتم ز بہار و باغ و سیرش — بستم بدل این خیال احسن
زین بعد نمیروم بجاے — از صبر کشیدہ پا بدامن
بر خاک رہِ رضا نشینم
بارے چہ کند خدا بہ بینم

بند چہارم

اے دل ز جفا و جور گردون — از دیدہ مریز اینقدر خون
چرخست و جفا دگر چہ خواہی — زین گنبد فتنہ باز و وارون

چیزے کہ بود درون کوزہ | ناچار فتد ز کوزہ بیرون
من از کہ کنم دگر شکایت | از بہر چہ باشم آہ محزون
ہر چند دویدم و ندیدم | در دشت و دیار و کوہ و ہامون
یک منزلِ عافیت بہ عالم | یک تن ز بلاے چرخ مامون
تا چند خورم غم کم و بیش | اینست صلاح کار م اکنون

بر خاک رہِ رضا نشینیم
بارے چہ کند خدا بہ بینیم

بند پنجم

گر صاحب عقل و ہوشمندی | دل دور ز ہوس و ہوا نہ بندی
تا افعیِ حرص در کنار است | سیلے خور و آفت گزندی
تا چند و بال خویش جوئی | از خواہشِ جاہ مہ پرندی
با نالۂ و اشک و آہ خو کن | بر بند دہان ز ہرزہ خندی
حاجت طلب از خدا اے اکبر | در حالت عجز و مستمندی
کامت نشود ز دہر حاصل | پس بہر چہ دل بدہر بندی
من یافتہ ام نکو صلاحے | اے یار تو ہم اگر پسندی

بر خاک رہِ رضا نشینیم
بارے چہ کند خدا بہ بینیم

بند ششم

حکمے کہ قضا بہ خلق راند | تیریست کہ بر ہدف نشاند
آن تیر خطا ندارد اصلا | خونِ دلِ عالمے چکاند
گر بندہ دو گاہ میکشاید | کار تو صلاح ہر چہ داند

میزان فلک بکام کس نیست گاہے دہد وگہے ستاند
چیزیکہ نصیب ماست بیشک رزّاق کریم خود رساند
بر خاک رہِ رضا نشینم
بارے چہ کند خدا بہ بینم

بند ہفتم

آن کیست کہ با فلک ستیزد از رُمح وسہام او گریزد
این نشوی ز تیر و توسش ہر لحظہ خدنگ فتنہ ریزد
خاکستر فتنہ است و آفت غربالِ فلک ہر آنچہ بیزد
پُر بادۂ کام جام جاہل یک جُرعہ بکام ما نریزد
تا چند کسے ز گردشِ دہر با بخت سیاہ خود ستیزد
برخیز دلا چہ حسرت است این از جزع و فزعِ تو چہ خیزد
بر خاک رہِ رضا نشینم
بارے چہ کند خدا بہ بینم

بند ہشتم

از اہل جہیم اے برادر گفتیم ہر انچہ بود بہتر
این دہر بہ کس وفا نکردہ نے چرخ نہ خور نہ مہ نہ اختر
پس اے دل پُر سفیہ وساوس مارا چہ امید زو چہ باور
در دست قضاست گوئے چوگان از شکوۂ روزگار بگذر
نے نے غلط است این کہ گویم اورا چہ گنہ چہ جرم بنگر
چون نیست بدست خویش چارہ زین پس نکنم تلاش از سر
بر خاک رہِ رضا نشینم
بارے چہ کند خدا بہ بینم

بند نہم

اے چرخ بہ من گزند تا چند — زخم غل و قید و بند تا چند
در مذہب تو دوا روا نیست — با این دلِ دردمند تا چند
بر آتشِ اضطرابِ دلہا — اے از شرر تو سپند تا چند
ما بسمل و تو کمان ورآغوش — بر دوش زکیں کمند تا چند
بگذر دل ازین زمانہ سازی — با ابلہ و سفلہ پند تا چند
نیکو تو گذر ازین زمانہ — نیکو گندت نژند تا چند

بر خاک رہِ رضا نشینم
بارے چہ کند خدا بہ بینم

بحر طویل

مصرع اوّل ۔ حمد ذاتے کہ بیک نکتۂ کن کرد بنا جملہ تراکیبِ سماوات و اراضی و ہمہ علوی و سفلی و ہم افلاکی و خاکی اگر از جوہر و عرض است و راز عنصر و اجرام دگر ہر چہ بر و نست ازین ہا مثلِ حواس و ہوس و عشق و عقول و نفس و روح و قوی نفس و خرد و شعلۂ ادراک و رموزِ حرکات و سکنات و زمن و انفس و آفاق و جہات و عدد و وزن و مقادیر و مربع و مدبر و ابعاد و موالید و ہیولیٰ و صور و معنی و لفظ و سخن و ہیأت و افعال و حروف و گہر و علت و اعراب و اگر فتح و ضم و کسر و گر مادے و گر فاعلی و صوری و غائی است ہمہ شکل ثلاثی و رباعی و خماسی چہ مجرد و چہ مرکب چہ زمان و چہ مکان آلت و تفضیل اگر امر و گر نہی و اگر فاعل و مفعول چہ ماضی چہ مضارع من و عن ساکن و مسکون اگر واحد و گر جمع چہ معلوم و چہ مجہول اگر طاق و گر جفت ہمہ مادۂ اضداد و موافق شبک و نقطہ و پرکار و خط و دائرہ و قطرۂ رقوم و فلک و سیر و سکون ثابت و سیار و بروج و درجات و اثرِ رجعت و آثارِ سعادت چہ ہبوط و چہ صعود و نظر سعد و نحوست چہ وبال و چہ شرف

میل و قران ناظر و منظور چہ تثلیث و چہ تربیع ہمہ طرح مقولات بتفریق زبانہا و وجود و عدم و ظلمت و نور و ازل و ہم ابد و لیل و نہار و سحر و شام چہ آغاز و چہ انجام اگر غیب و شہود ہست و مجاز است و حقیقت اگر امس است و اگر غد و عشی آمد و اشراق چہ ماضی و چہ مستقبل و حال و چہ بہار و چہ خزان موسم پیری و جوانی و دگر صیف و شتا را۔

مصرع دُوم ۔ داورا داور سا عاجز و مظلوم نواز احمدا پادشہا والی کونین توئی باقی دارین توئی عالم اسرار توئی کاشف استار توئی قابل توبات توئی سامع اصوات توئی دافع بلیات توئی راحم مرحوم توئی فارج مہموم توئی ناصر مغلوب توئی ساتر معیوب توئی ملجاءِ مطرود توئی حاکم بخشندہ توئی عذر پذیرندہ توئی خالق رزاق توئی موفی میثاق توئی در ہمہ موجود توئی بر ہمہ معبود توئی اے ز ہمہ پاک و مبرا و منزہ کہ بود ذات و صفات تو برون از حد مقیاس قیاس و خرد و وہم و ز ادراک؛ یقین است چسان میرسد ادراک بکنہ صفت ذات حکیمے کہ شد ادراک از و خلق و شدہ خلق از و صاحب ادراک؛ خدایا تو ہمانی کہ کسی جز تو نداند کہ چسانی و چسانست حق معرفت و حق عبادات تو در عذر بود جوہر اول ز ادایش نکند ذرہ بجز نکتۂ لا احصی و لا حول کسے از ملک و آدم و جن و نبی و عارف و صوفی و ولی فلسفہ؛ حقا کہ تو بیچون و چگونی و ز ادراک برونی چہ کند نقش ز کیفیت نقاش بیان؛ خلق ز خالق چہ دہد شرح؛ ز مصنوع روایت چہ شود شان نزول صفت صنعت صانع؛ اللہ اللہ چہ جلال است کہ لال است درین بحث زبان ہمہ املاک مقرب؛ نتوان دم زدن انجا بجز از عجز؛ خدایا بری از خوف و رجا برتری از مجد و علا میرسدت عز و غنا میسزدت حمد و ثنا اے شہ اقلیم بقا عفو کن جرم و خطارہ نبود پادشہا در حرم قدرت تو چون و چرا را۔

مصرع سویم ۔ قادرا ذکر تو گویم کہ تو پاکی و خدائی؛ تو کریمی تو رحیمی حکیمی تو حلیمی تو علیمی تو قدیمی تو عظیمی تو مقیمی؛ تو خبیری تو بصیری تو کبیری تو قدیری؛ تو جلیلی تو کفیلی

تو وکیلی تو کفیلی؛ تو بسیطی تو محیطی تو سمیعی تو شفیعی؛ تو رفیعی تو منیعی تو سریعی تو بدیعی؛ تو رشیدی
تو شهیدی تو حسیبی تو طبیبی تو رقیبی تو قریبی تو نصیبی تو حسیبی؛ تو مجیبی تو حمیدی تو مجیدی؛
که تواند که باحصاء صفات تو زبان غیر نعوذ اے شہ اقلیم بقا باز کشاید؛ که کند حمد و
سپاس تو بنوعے که سزاوار تو می بود ادا؛ لیک زبان را بحق نعمت و بخشایش و احسان
سخن فرض بود شرح ثنائے تو بقدرے که تواند ملکا؛ ورنه چه امکان که چو من مور ضعیفے کند
از چاه مساحت بفلک؛ باز چه حرفست که میگویم و گفتم نرسد دعوی این حرف هم انجا؛
همه عذر است که گفتم تو ببخشا بکرم عذر مرا؛ از تو چه پوشیده توان داشت که دانائی و
بینائی و ستاری و غفاری و فتاحی و جباری و قهاری و قیومی و جان بخش جهانی همه را
رزق رسانی تو دهی و تو ستانی تو به بندی تو کشائی سحر از شب تو نمائی تو برآرنده حاجات
فقیر و غنی و اضعف و اقوی و کس و ناکس و مسکین و غریبی تو کنی مشکل ما حل توئی آن.
حاکم اعدل توئی آن داور اکمل که بحکم تو ابابیل کشد پیل و مان پشه ناچیز خورد
مغز سر نخوت نمرود؛ ز لطف تو اگر نار و گر خار بود گل شود و باز شود یار کبوتر؛
تو دهی گل بچمن بوے بگل لعل بکان رنگ بلعل و بصدف گوهر پاک و بگهر آب و
برز خوشهٔ انگور و بانگور مل و نشأ بمل نور بخورشید و قمر سیر و سکون ارض و سما را؛

مصرع چهارم - چه کنم چاره ندارم که کند چارهٔ کارم ز که جویم بکه گویم که چها
کردمن؛ چرخ دغاباز و فسوں ساز و ستم کیش و بداندیش و جفا کار و دل آزار و
دلی پرور و مظلوم کش و ظالم و سفاک و شموش و حسد آئین و کج آهنگ و بجان
دوست نادان و بدل دشمن دانا و حسود و عدو و خوار کن و خصیم عزیزان خرد پرور
و اهل هنر و مردم ممتاز؛ غلط بین و دغل جوے و دناءت طلب و سفله نواز و سفلی و
کودن و تاراجی و غارتگر و بے همت و انصاف سیه دست و دل و شعبده پرداز و
مزور صفت و فتنه پسند؛ آه چه بد وضع و شریر است که گر حلقه شود محور و چون تیر شود

قوسِ قزح راست نه ایستد زکجیها و بکامِ دلِ عشاق نگردد کند از غرب اگر مهرِ جهانتاب
طلوع و قمر از داغِ پلنگ آید و قطبین برآیند بسیارکی از کین ننهد در ردپر دانه دلے
شمع و چراغے ز فراغے نرساند…… بلب تشنه اگر سیل بر دجله جهان قطرهٔ آبے ندہد یک
لب نانے زپس مدتِ ماہے چو مہ تو بکسی تا کہ بسلخش نرساند نکند جام کسے پُر ز مے عیشِ
طرب صبح صفت تا که بخونش نه نشاند شکند شیشهٔ دلہاے زلیخا صفتان آہ پسندان و
چو یوسف چه قدر صاحب تعظیم نشاند است بزندان چه جفا پیشه و بیدادگر و فتنه گزین
است که کارش همه کین است نپوشاند تنے را که گریبان نه دریداست نه نوشاند لبے را
که هلاهل نه چشیداست که دیده است از و مهر گذشتند همه داد کنان نعره و فریاد زنان
با دل پر داغ ز دستش چه کے و قیصر و خاقان و چه فغفور و جم و جمله گدا و شه و سلطان و
ملک اینچه بیان است که گر چرخ سکون گیرد و گر ارض کند سیر مبدل نشود خاصیت و
طینتِ اشیا مکن از دورِ زمان شکوه چه خوش گفت درین باب عزیزے که ازین
چرخ جفا جو مطلب بوے وفا را

مصرع پنجم۔ دوستان شمه از دردِ دل خسته و رنجور و حزینِ من سرگشته صدپاره
جگر عاجز و مظلوم بغربت شده پامالِ الم جاہل و بے معرفت از شعبدهٔ بازیِ دوران و نیاموخته
علم جمل و زرق و کید و فن و تکذیب و خلاف و غلط و مکر و دغا سوخته از حمق دماغ و
نفس خویش بتحصیل فنونے که درین وقت شود مرد ازان نادم و معیوب بلے صدق
و صفا مہر و وفا حلم و حیا ترسِ خدا راستی و پاسِ حقِ نان و نمک علم و خرد فضل و ہنر
دانش و دانائی و تدبیر و رسائی همه عیب است بنزدیک عزیزانِ زمان آه نخوانده
سبق کینه وری فتنه گری حقد و غل دوستی و دشمنی و خصمی و بدخواهی و بے باکی
و چالاکی و جراری و طراری و عیاری و تلبیس شعاری و ملمع صفتی قلب سرشتی
دوزبانی و دورویی و غرضمندی و قابوطلبی ترکِ حفاظِ حقِ نعمت شدن از جام مے

حرص و ہوا ہیش و لا یعقل و جاہل# نزدن فال در اندیشۂ دور از اثر قرب جہالت#
و شکستن سر پیمان کمر توبہ بسنگ ستم سنگدلی# فرق نہ کردن ز حلال آنچہ حرام است
بہر ملت و ہر مذہب و ہر کیش برد میش و بخو گرگ و بکف گندم و در کیسہ جو و بینش و
بینائی و انصاف و حیا خوب فراموش نمودن# ز کرم گوش نمائید کزین پیش زمانے
بتقاضائے نصیب ازلی زانکہ درین پیشۂ رنج و غم توشہ ہمہ دم نبود ہیچ گزیرے ز تلاش و
مطلب و چہ معیشت# چہ وضیع و چہ شریف و چہ مقیم و چہ مسافر ہمہ را فرض عظیم است
بسعی طلب رزق دویدن# بمن افتاد سر و کار بہمراہی شخصے کہ اگر نعل کمیت قلم را تم
توصیف صفاتش نشود از قطرہ زنی سودہ درین بادیہ ہرگز نبرد راہ بمطلب# ہوس
ختم سخن مختصر اینست کہ گر دید توان جانب ایجاز با حصار و شمار صفتش زانکہ ز تعریف
ہنر او ز توصیف معرا است# چہ دم میزند آنجا کسے از مردم واصف کہ کند جوہر اول
کہ تشخیص مزاجش سر کلاوۂ ادراک و شعور و خرد و ربط سخن گم بجز این حرف# کہ لاثانی
ولا مثل و غریب است و عجیب است ز اصناف بنی آدم و ز انواع بنی جان
نتوان گفت قضا را#

مصرع ششم ۔ حبذا صاحب دم ذکر خفی بیشۂ منشی کہ ز اقلیم عدم
تا کہ بدولت بسوے ملک وجود ہمہ تعریف قدم زدہ شدہ ہمدم بدم اول صبح از
سرتیغ زبان دو دم از دلکشی خیل ندیم و ندم صاحب تدبیر و ہواگیر و دبیر
و نکو اندیشہ و خوش فکر و گروہ خدم چابک و چالاک و حریف و تزک و زیرک و ہشیار
و خبردار و نظر باز و ہمہ معتبر از کسب و ہنر# معتقد از جوہر شان جملہ جہان خاصہ
جبنی# کہ کسے را بجز از خویش خردمند ندانند چہ کند وصف کسے از صفت و حرفت
آن نزرف نگاہان# کہ از آنہا کسے ار حرف زند شاخ شغال است فلانجا کند آمین
ذکرے و ستہ کند از گل تصدیق نبو بادہ نماید دل آقا خوش# و گوید اگر از بیضۂ بط

پیل دمان زاد کسے؛ یار و رفیقانش با حسنت بگیرند و وہ صاحب مجلس صلہ اش اسپ دہد کہ
میلِ سرانجام سواری و عماریش؛ زعنقا کسے از نقل کند وام بکفت پیش نشتابد کس دیگر
قفس آمادہ کند صاحب ادراک پیشش؛ شتر از خردل و ز اسپند اگر اسپ بگو بند
کہ رو بد ز زمینش کاوش اندیشۂ آقا کند ار حدتِ طبع و خرد آہنگ سواری بزمین
ہوس؛ از شوق کشد رخت دمے در حرم خانۂ زین گاہ بہ خلوتکدۂ منزل محمل نشیباً للّٰہ
بفن و فہم و فراست ہمہ استاد و نیب از ہمہ استادؔ از انجملہ یکے رلفت بفرمایش آقا
پئے کارے بہ نفسے و دیر شد آقاش متعرض شد و پرسید بگو باعثِ اہمال چہ شد؛ گفت سخن
پرورِ دیرینہ ز خدمت چو مرخص شدم از راہ شنیدم کہ بآنزوے لبِ دجلۂ عمان شدہ
واگلشن خوبی؛ ہوسِ سیر و تماشا بدلم ریشہ دوانید؛ بایلغار گذر کردم و فی الفور رسیدم گل و ریحان
عجب دیدم و چیدم قدرے بہر نثارِ تو؛ بر جعبت چو زدم گام ہوا تیرہ شد آورد چنان ابر
حریقے کہ نشان داد ز تسخین رگِ ناریِ مخدوم؛ بباریدہ بسے آتشِ سوزندہ؛ شدم عاجز و
ناچار کشیدم ز بغل پارچۂ کاغذ باریک؛ یکے دلو تراشیدم و بستم کمرِ ہمتِ خود چست و
بچرخ از رسنِ فکر رسا دلو گمان خشک نمودم دلِ دریا چو دل و دستِ تو؛ انداختم از
دانۂ باروت دران مزرعہ تخمے شدہ چون بختِ تو سبز و نہالے چو خیالِ تو بیک چشم زدن
سرزد و بالید و شدہ سایہ ور از سدرہ ہم افزون؛ بظلش رخت کشیدم بنشستم و یکے
رستم از آسیبِ بلاے شررِ بارش؛ و آن ابر چو استاد روان گشتم و در خدمت مخدوم
رسیدم سبب دیر ہمین است؛ گرفت از کفش آقا گل و گفتش کہ ادب شو چہ قدر کار
و مسافت چہ قدر بود؛ روا نیست شدن شام و عشا آمدن اے مردِ دبنگ
آدم مارا؛

بخیالِ طوالت

درمیانی دو مصرع چھوڑ دیے گئے۔

مصرع ہفتم۔ یا رب از لطف و عطا و رحمت و فضل و کرم بخشش و جودے کہ نمودی بخلیل آتش سوزندہ گلستان و رہا ساختی از بندِ ملامت مہ کنعان و کشیدی بیرون از چاہِ سیہ یوسف گل پیرہن و باز جوان ساختی از رحمتِ عام زلیخائے زمان را و فرستادی از اکرام ز خوانِ کرم نعمتِ من بپسندی اے منعم بر حق من و سلوی پئے موسی و قومش تو نہادی بسر مریم گیتی گل عیسی و فروزی سحر از عطئے شہا و مفر دادی از آسیب کسوف غم و آشوب خسوف اے چمن آرائے سموات بگلہائے شہب شمس و قمر را و درختان خزان دیدۂ و افسردۂ و دلسوختہ را روح دمانی تو بقالب بہ نسیم سحر فصل بہاران و قبائے ورق سبز و کلاہ گل حمری بہ بر و تارک آنہا زدی اے نشو و نما بخش گلستان جہان دانہ ز زندان تہ خاک بر آوردی و از حبس عدن لعل و دُر از بند صدف باز رہائی و کشادی گرہ از خاطر ہر غنچہ و مرغ از قفس بیضہ تو آزاد نمائی و خلاصی وہی از محبس زندان بچہ ہارا +

مصرع ہشتم۔ چہ شود گر من عاجز و بیچارہ و دل پارۂ آوارہ و افگار و جگر سوختہ رنجور و غریب و ز وطن دور پریشان و ز خود رفتہ و بیتاب و نوان بیکس و بے زور و زر و زار و گرفتارِ غم و درد و نہ بیگانہ دیارے و اسیر غم و تشویش ز دست عمل خویش بجان آمدہ در قید فرنگی کہ بجز لطف تو امید خلاصی است کم اینجا ز غل و بند رہائی و رسالی بوطن پیش عزیزان سخن سنج و گہر گنج و دل آویز و طرب خیز و سخن پرور و دانا و کشائے گرہ از کار و ز شرقِ کرم و فضل دمانی سحر دولت پندار و کنی بارور از لطف نہال عمل و شاخ امیدم دہی

از مصطفٰیؐ معرفت ذات وصفات صمدی ساغر سرشار ٭ و بوحدت کنیم شاد و فروزی بحریم دل من شمع یقینے کہ برم راہ بعرفان و نماند اثرے از ہوسے و نہی تاج قناعت ٭ بسرم ملک توکل بہ تو لم دہی ٭ و خم نکنی قامت چون سرو من از بار غم منت احسان کسے ٭ شاکرم از نعمت خودداری ٭ و آری برون از خاطر من ہر چہ بغیر از تو بود عیب من از لطف بپوشی و ببخشی و بیامرزی و گیری قلم عفو و عطا در کف و منسوخ کنی نامۂ تقصیر خطا را ٭

واجد۔ پنڈت رائے زندہ رام موبد صاحب

آپ کے فرزند رائے رایان پنڈت ٹیکا رام المتخلص بہ ظفر تھے مفصل حالات ظفر کے سوانح زندگی میں درج ہیں۔

آپ کا وطن مالوف خاص کشمیر تھا آپ نے وہاں علوم نجوم و عربی و فارسی و حکمت و فلسفہ و رمل وغیرہ میں کمال حاصل کیا اور آپ خوشنویس بھی بے نظیر اور اس فن میں رشید ا ئی دیلمی کے شاگرد رشید تھے اور ایسے تیز دست ہوئے کہ اپنے اُستاد سے بھی بالا دست ہو گئے۔ فن موسیقی میں بھی آپ کو اچھی دستگاہ و مہارت تھی اور آپ خوش گلو بھی تھے۔ بخیال انکے فضائل کے بعض متعصب مسلمانان کشمیر نے آپ کو بجبر مسلمان کرنا چاہا ناچار آپ نے مع اپنے قبائل کے کشمیر سے ہجرت کی اور شاہجہان آباد یعنی دلی میں جاگزین ہوئے وہاں بتدریج آپ کو اس وقت کے مشاہیر اہل شعر و سخن کے ساتھ زیادہ ارتباط پیدا ہوا اور آپ سلطنت مغلیہ میں اپنی فکر و تدبیر سے مناصب و مراتب اعلیٰ پر پہونچے۔

مدّ بسم اللہ بنگر بر سرِ دیوانِ ما	ہست این طغرا شبیہِ ابروئے جانانِ ما
آب و آتش توشۂ راہِ فنائے عاشق است	شمع سوز و زآہِ گرم و دیدۂ گریانِ ما

تا بدل کردم سواد یک الف روشن ز عشق	داد درس خاموشیِ شمع است در محفل مرا

مردکم آواز مضراب حسینی میزند ۔ شد درین بستان چوتاک این صاحبی حاصل مرا
اوج ناقص میشود آخر بدور نیم ماہ مہ بہ گردید روشن از مہ کامل مرا
زندگی بے بندگی سرمایۂ دردسراست از خیال خود مکن یارب دمے غافل مرا

واحد۔ پنڈت شیو پرشاد صاحب عرف شبّن لال صاحب سیتاپوری

درد اور رنج میں دن رات کٹے ہے اب تو جسم کا تاب وتواں روز گھٹے ہے اب تو
وقت طفلی وجوانی کا گیا سب وہ نکل دیکھئے کیسے کھٹولا یہ چلے ہے اب تو

قطعۂ تاریخ انتقال پنڈت اجودھیا پرشاد فرزند خود

عالم ہے نظر میں میرے تاریک عزیزو کچھ حدّ وحساب غم واندوہ نہ پوچھو
آسایش دل کی نہیں اب کوئی رہی راہ صد حیف شب وروز ہوں با نالۂ و با آہ
آخر کو کہوں کیا کہ ہوں کس درد والم میں ہے ناطقہ یاں بند مرا کثرت غم میں
گر سنتے ہو تو مختصر اتنی ہے حقیقت ہے مرگ پسر سے مری اس طرح کی حالت
ماتم ہے مچا گریۂ و زاری و بکا ہے ایک کوہ الم سر پہ مرے ٹوٹ پڑا ہے
اک آہ کی سوزش سے مری خاک فلک ہو نالہ جو کروں تو تہ و بالا یہ سمک ہو
تاریخ کی فکر اس کی بہت تھی مرے دل کو اس واسطے تا چند رہے یاد یہ سب کو
اس فکر میں تھا ہی کہ صدا کانوں میں آئی ہاتف یہ پکارا کہ ہے کیا دیر لگائی

تعمیہ سرآہ سے کر شاعر کامل
افسوس ملا خاک میں لخت جگر و دل
۱۲۹۳
۱
۱۲۹۴ھ

وارستہ۔ پنڈت بیربل کاچرو ساکن رعناواڑی سرینگر کشمیر

آپ نے ستر سال کی عمر پاکر سمت ۱۹۱۶ بکرمی میں وفات پائی اُس وقت مہاراجہ رنبیر سنگھ حکمران کشمیر تھے۔

تاریخ ترمیم مندر بیروصاحب

ساخت جرنیل از سرِ صدق و صفا ... مندرِ پُر نورِ بیرو جانفزا
خواستم از درگہِ خاصِ اکال ... سموتِ ترمیم ایں عالی بنا
دادہ زیبِ تختہ باشِ زمس ... ہاتفے فرمود با تاجِ طلا

بنوع دیگر

مندرِ پر نور بیرو شد درست ... عالم از نورِ ظہورش مقتبس
من بدرگاہِ کریم لایزال ... گشتہ ام از بہر سموت ملتمس
ہاتفے فرمود با تاجِ طلا ... دادہ زیبِ تختۂ باشِ زمس

بطرف باغ شنیدم ہزار بار ہزار ... خطاب کرد بہ بلبل کہ اے شکر گفتار
برو بصحن چمن طرح آشیاں افگن ... کہ شاہ گل بسر تخت بر گرفت قرار
قشون گل پئے ہم دستہ دستہ صف بستند (سپاہ) ... بقصد آنکہ نیا بند بہر مجرا بار
پیادگانِ بنفشہ ستادہ اند بباغ ... سپر بدوش و بکف تیغ تیز جوہر بار
تہمتانِ صنوبر دلاورانِ سمن ... بہ پردلی و شجاعت مقیم در گلزار
نقیب بادِ بہاری بفرط سوز و سُرور ... ندائے عیش رساند بساکنانِ دیار
مدار رنجۂ دل خود ز پنجۂ گردوں ... کہ خرمی و غمی را کجا درنگ و مدار
کنوں کہ فصل بہاراست حالیا برخیز ... مے آر بکف و ہرگز زدی بیاد میار

ہمہ بیقرار و بیخود شب و روز ماندہ در غم ... با سینہ ہائے پر سوز با دیدہ ہائے پُر نم
ہمہ را جگر پُر از خوں ہمہ را دو دیدہ جیحوں ... ہمہ دلفگار و محزوں ہر لحظۂ و ہر دم

ہمہ راہبر در منزل ہمہ را دواست بر دل ہمہ را دو پاے در گل ہمہ سر فروز مانم

منم و دلِ حزینے ز فراق نازنینے گل چہرہ مہ جبینے آشفتہ حال و درہم

خورشید وش عزیزے گم گشت از بر من چوں مہ چراغ کاہم چوں برق چوں نالم

ایں دردِ بے دوا را صاحبدلاں خدا را خواہند یک دعا را از کردگار اکرم

آں اکرم المکرم آں اعظم المعظم خلاق جملہ عالم رحمے کند بحالم

تاوا رہم ز محنت فارغ شوم ز زحمت انواع صبر و رحمت گردد قرین حالم

اے نوبہار خوبی و فخرِ زمان زماں برگشت تا تو گشتی ازیں ناتواں تواں

دیگر نماند در تن و ہم قوتے کہ بود از بسکہ گشتہ ام ز غمت و رجہان جہاں

بر من چو شب شد از غم گیسوے پر خمت روز یکہ بیمنت شدہ ام بیزبانِ زباں

خواہم کشید در دہنِ خویش از فراق تا چند میکشم ز دل آہ و فغاں فغاں

ولہ

موے پر چین تست چوں شبِ تار روے رخشاں نشانِ شعلۂ طور

گیسوانت بسر کشی کفار ابروانت چو دودۂ کافور

کاکلت گنج حسن راست حصار دلِ عشاق در خمش محصور

سنبل از طرہ ات گرفت بخار خط و خالت بمشک داد بخور

نرگس از دیدۂ تو یافت خمار چشم آہو ز عشوہ ات مخمور

گل سوری ز رنگِ آں رخسار شد معطر او یافت نزہت سور

کرسی عیش را توئی معمار خانۂ دل تو کردۂ معمور

شادماں از وصال تو حضار غائباں را خیالِ تست حضور

بر سرم از عنایتت دستار لطف عاشق ز مہوشان دستور

واے ہرگز ترا نباشد عار | بر سرِ بینواے عاجز و عور
از غضب در دلم فگندی گار | ساز از قہر عارضم پُر نور
جور و ظلم و جفا تراست شعار | صبر و حلم و وفا مراست شعور
باد ہموارہ حامیت غفّار | کوست بخشندہ و رحیم و غفور

گرد غم از عنایتِ دادار
باد وارستہ از دلِ تو دور

غزل بے نقطہ

کرد کرم داورِ اکرم مرا | داد مرا دور و دور ہم مرا
مرہم دردِ دلِ ما داد و کرد | دور ہم و وہم و الم ہم مرا
سور و سرور ہمہ علم و عمل | کرد عطا عالمِ اعلم مرا
عادل اعدل کہ دہد داد دور | حمد و را داد طمع کم مرا
در رہِ اسرار دلِ اہلِ درد | کرد ہم آمو ماہر و محرم مرا
وسوسہ رو داد دلم را مگر | سروِ دلارام دہد دم مرا
مردمکِ او دلِ آہو دزد | کاکلِ او دامِ رہِ رم مرا
داد گرہ طرّۂ طرّار و کرد | سلسلہ در سلسلہ درہم مرا
حورِ ارم ہر سحر و ہر مسا | داد رسا ہمسر و ہمدم مرا

درد مرا ہمدمِ وارستہ کرد
داد وہِ عالمِ آدم مرا

غزل یک حرف با نقطہ و یک حرف بے نقطہ

شوخِ آذر فگن کجا باشد | زلفکِ پر شکن کجا باشد
جانِ من سیم بر بسے دیدیم | چو تو نازک بدن کجا باشد

پر جو بر خوب و چون لب مے رنگ　　یمن و نسترن کجا باشد
شد ز ہجر تو جعفری رخ من　　اشک پر خون من کجا باشد
چون کنم چون من از ستم خو چرخ　　بوفا بر زمن کجا باشد
گرد وارستہ طرز صنعت فوق
مثل او خوش سخن کجا باشد

درصنعت کہ لب بہ لب نمی پیوندد

اے رخت غیرت چناں گشتہ　　خنجر عشوہ ات سناں گشتہ
سینہ ات صاف تر ز آئینہ است　　دیدہ ات نرگس فتاں گشتہ
قد تو سرو و خد تو لالہ　　تن تو رشک گلستاں گشتہ
خوے تو آتش است و زلف تو دود　　روے سرخ تو دلستاں گشتہ
گاہ وارستہ را نظر نکنی
عین الطاف تو عیاں گشتہ

غزل منقوطہ

چین جبین بت چینی بہ بین　　زیب ذقن بیش ز بینی بہ بین
بخت شفیقش بیقین بیش بیش　　بے غضبی فیض نہ بینی بہ بین
نقش جبین زینت وارستہ بیش
بخشش بے غش بہ یقینی بہ بین

گروہے بت پرستی پیشہ کردہ　　دراں انوار حق اندیشہ کردہ
گروہے خویش را خوانند ترسا　　گروہے پیرو عیسیٰ و موسیٰ
گروہے در رہ اسلام پویاں　　مجاہد ہاے احمد باز گویاں
بسا کس زاں میاں بے ریب و بے کبر　　ثنا خوان علی ہستند و بوبکر

گراین افضل دراں ہنر چہ حاصل — از اسرارِ حقیقت جملہ غافل
گروہ شاہ نانک ورد دارند — قدم در راہِ حکم او سپارند
جداگانہ سلوکے یاد دارند — بدینساں رہروانِ بیشمارند
غرض ہر یک بکارِ خویش ہشیار — بہ تقیٔ کیش یکدیگر روا دار
مگر صاحبدلاں کیشاں امین اند — بصدقِ جان و دل قادر برین اند
یکے دانست بے تشبیہ و بے یار — کہ نورِ اوست در ہر شے پدیدار

ہر آنکہ بردپے براصل اسرار
نشد برنجشِ مورے رواداد

کیست کہ از گردشِ گردون دوں — جام حیاتش نشدہ و اژگوں
ہر کہ بہ انصاف سرے بر فراشت — ماند ز آفات و حوادث مسؤں
وانکہ بہ بدعتِ خود برگماشت — رفت ازیں وار بحسرت برُوں
چہ خوش فرمود استادِ خردمند — زبہرِ زر پرستاں نکتۂ چند
بہ بیں قاروں چہ برد از گنج دنیا — نبرز و گنج دنیا رنج دنیا
درم داری کہ در سختی در آید — سروکارش بہ بد بختی بر آید
کسے کو مالکِ دینار باشد — بود لازم کہ برخوردار باشد
گر آید سائلے بر درگہِ او — کشاید دل نیارد چیں در ابرو

خصوصاً بر جہانداران ذیشان
بود واجب بہر کس بذلِ احساں

بیا اے باغباں اندیشہ فہمے — در بربستۂ گلزار بکشائے
مغنّی لحن داؤدی بر آور — گل آمد تاج بہبودی بسر بر
بیا ساقی بدہ رطلِ گرانم — کہ از اندوہِ دوراں سرگرانم

مدار از ہیچ نوعے گرد بر دل　　کہ شد از فضل یزداں حل مشکل
تو نیز اے بلبل پاکیزہ گوہر　　ز سر مستی ندائے خوش برآور

مبارک مقدم نوروز باشد
طرب اندوز و جاں افروز باشد

قطعہ

آں خدائے کہ خود بہ یکتائے　　خالق مومن است و ترسائے
چہ بمسجد چہ خانقاہ و چہ دیر　　نور پاکش بجلوہ آرائے
کفر و دیں را بہم در اندازد　　ہر یکے را ہر و بخود رائے
گہ بمسجد شرف دہد ز سجود　　کفر را گہہ دہد تو انائے
دیدۂ معرفت چو گردد باز　　خود تماشا و خود تماشائے
طالبا رستگار ربت ہوشست　　ساز کارے کہ سازگارائے

نیست حد کس برب العالمیں　　باز گوید یا چناں کن یا چنیں
مالک و مختار یک ذات است و بس　　در علوش نیست کس را دسترس
خود بسوز و خود بسازد خود دہد　　خود بگیر و خود نشیند خود جہد
ہر چہ خواہد خود کند مقدور اوست　　ماہ و خور یک ذرۂ از نور اوست

عقل کل را در حریمش بار نیست
غیر او کس محرم اسرار نیست

از کف مرگ خلاصی بگدا و شہ نیست　　از تہ کار کسے غیر خدا آگہ نیست
ایں چنیں درد کہ ورثۂ جانفرسا　　چارہ صبر است بجز صبر علاجے بہ نیست

از بزم طرب بادہ گساراں رفتند　　قطعہ　سیمیں بدناں و گلعذاراں رفتند
افسوس ہمیں است دریں دہر خراب　　ما باکہ نشستیم کہ یاراں رفتند

قطعہ

ہر آنکہ زاد دریں دیر بے ثبات بمرد ندیدم و نشنیدم کس از اجل جاں برد
خوشا کسے کہ ز غمہاے ایں جہاں وارست بعجز روے ارادت بسوے حق آورد

قطعہ

چو قسمت را بخلق آواز دادند بہر کس ہر چہ شاید باز دادند
یکے را خاطرے با عیش دمساز یکے را جان غم پرداز دادند

قطعہ

بدنیا دل نہ بندد ہر کہ مرد است کہ دنیا قلزم اندوہ و درد است
کنارہ جو ازیں دریاے خونخوار ہر آنکو میشود یکتا و فرد است

قطعہ

دنیاست کہ آرام درو پیدا نیست شادی و غمش سر بسر پا بہوا نیست
گر عمر بخوشدلی رود نیست حباب یکدم کہ بہ غم میگذرد جاں فرساییست

در صنعت مفردہ

از درت دورم و دردے دارم دل داغ و رخ زردے دارم
داروت داد داور داوار درج دل دور از در آزار
سر فگندم در رہت یعنی کہ خاک پاست ایں میروی فارغ ز من یعنے چہ استغناست ایں
آہوے مست است چشمت یا غزال دشت چیں یا سیہ مست شراب ناز یا شہلا است ایں
منبع نوش است یا سرچشمۂ آب حیات معدن لعل و گہر یا لعل شکر خاست ایں
نونہال باغ رحمت یا سہی سرو چمن یا بلاے آسماں یا آں قد بالاست ایں
ہر کہ با ما میرود بدنام عالم میشود
اے معزز دور شو وارستہ رسواست ایں

بر تن چوں سیم ایں گلگوں قبا میزیبدت اے سر من خاک پا جانم فدا میزیبدت
بہر تسخیر دلم اے ظالم بے داد گر حلقہاے گیسوے بس خوشنما میزیبدت
کے تواں بستن حنا بر دست و پاے نازکت رنگ لعل ناب ہم دانم کجا میزیبدت

ازلطف اے سرت گردم نگاہ جلوۂ کیں ادائے خوشنما گاہے بما میزیبدت

آمدی وارستہ سویم بردہ ازجا مرا
بہر تسخیر دلم زلف دوتا میزیبدت

در تعریف بہار کشمیر

بہاراست اے بلبل نغز گوے بسوے چمن از طرب آر روے
بہر شاخ گل شاد و خنداں نشیں گل عیش از باغ عشرت بچیں
بہاراست اے عندلیب چمن صلائے نوی دہ بعیش کہن
کہ گل در گلستاں بفرط نشاط بہ تخت چمن ریخت طرح نشاط
بہاراست اے ہدہد نامہ بر دل از کف مدہ برکشا بال و پر
ببر نامۂ گل سوے باغباں کہ خود را ز رنج و محن وارہاں
بہاراست اے مطرب خوش ادا بزن بر بط چنگ و برکش نوا
بہاراست اے ساقی بادہ نوش بکش پنبۂ غفلت از گوش ہوش
بہاراست اے زاہد سست راے بسختی بکوش و بشادی گراے
بہ میخانہ در عاشقانہ در آ در فیض بر روے خود وا نما
بیا اے سخن سنج فرخندہ خوے ز دیّ و پری قصہ ہا بر مگوے
کنوں وقت شادی غنیمت شمار کہ کس را خبر نے ز فردا ے کار
بیا اے صبا و بیا اے شمال بپاے طرب فرق غم را بمال
کہ نوروز فیروز شد جلوہ گر بہاں خلعت تازہ کردہ ببر

غزل چاربارہ

بنے دارم بساما نے برنگ و بو گلستا نے برخ صبحے بمو شامے مے آشامے غزلخوانے
بساما نے قمر روے سمن بوے چمن کوے سخنگوے چہ جادوے جفا جوے وفادانے

برنگ و بو سمن بوے چو دُر دنداں بلب مرجاں بقدِ سروے بخد مہرے پری چہرے فلک شانے
گلستانے چمن کوے بلب مرجاں بلاے جاں مہے تاباں بقد سروے چو گل خنداں خوش الحانے
برخ صبحے سخن گوے بقد سروے مہے تاباں دہن تنگے بدل سنگے چہ نیرنگے بلا را نے
بموشامے چہ جادوے بخد مہرے بقد سروے بدل سنگے برابر وچیں ز دُرج لب دُر افشانے
مے آشامے جفا جوے پری چہرے چو گل خنداں چہ نیرنگ ز دُرجِ لب شکر ریزے ستمرانے
غزلخوانے وفادانے فلک شانے خوش الحانے بلارانے دُرافشانے ستمرانے دل و جانے

جواب

بُتے دارم بسامانے برنگ و بو گلستانے برخ صبحے بموشامے مے آشامے غزلخوانے
قمر روے کمر موے سمن بوے چمن کوے سخنگوے چہ جادوے جفا جوے وفا خوانے
مہے تاباں بلاے جاں چو دردنداں بلب مرجاں بقد سروے بخد مہرے پری چہرے فلک شانے
غزلخوانے بدل سنگے بکف چنگے خوش آہنگے نگارینے حنا چنگے چہ نیرنگے بلا را نے
بقد سروے برخ زیبا بچشم آہو کماں ابرو شکر پاسخ نکو نامے زباں شیریں سخندانے
بخد مہرے برابر دچیں چو گل رنگیں بنو آئیں بہ تن سیمیں قبا زریں ز دُرج لب دُرافشانے
خوش آوازے پر از نازے ادا سازے دل انبازے فلک تازے چو شہبازے بہ کبکِ دل ستمرانے

چو وارستہ بسے باشد گرفتارش کجا چوں او
کند قرباں بصدقِ دل بہ آں مہوش دل و جانے

اگر کافر ز بت آگاہ بودے کجا از راہ حق گمراہ بودے
مسلماں گر بدانستے کہ بت چیست بدانستے کہ دیں در بت پرستی است
اگر گبر است در آتش پرست است خیالے در دلِ خود نقش بست است
عزیز آنکہ واحد را پرستند ز فکر کفر و دیں فارغ نشستند
تسلّی دادہ ہر کس را بہ رنگے ز آتش نیست خالی ہیچ سنگے

در صنعت کہ یک لفظ با نقط و یک بے نقطہ

یقیں کہ زیب دہد بخشش اہل نیت را — غنی دوام بجنت رود زفیض کرم

در تعریف چائے

از پاکی مشربش چگویم — ہر چند کہ زادۂ خطائی است

ایضاً

چائے است کہ رشک مے نابش بینی — مرغوب مزاج شیخ و شابش بینی

کیفیتِ او بسکہ کند رفع خمار — بیدار شوی اگر بخوابش بینی

قصۂ ستی نامہ معروف بہ مثنوی سوز و گداز

الٰہی شمع جانم را بر افروز — منور کن دلم چوں مشعل روز

درخشاں کن چو سیتا سینہ ام را — تجلی خیز کن آئینہ ام را

زبانم شمع ساں روشن بیاں کن — دُرونم شعلہ وش آتش فشاں کن

ز عشقے بر دلم آتش بر افروز — خس و خار ہوا را اندراں سوز

معطر کن دماغم از گلِ عشق — مخمر کن گلِ من از گِلِ عشق

شناور کن بہ بحرِ شوق جانم — زباں در حمد کن گوہر فشانم

خداوندا توئی معبود ہر بود — بذاتِ مطلقت ہر بود موجود

ز خورتا ذرہ پیدا کردۂ تست — غش و خالص ہویدا کردۂ تست

گلے خورشید از باغ جمالت — نمے عماں ز دریاے جلالت

تو آتش را دہی ایں سینہ سوزی — تو بخشی آب را ایں جانفروزی

اگر بر لالہ آتش فتد آب — شود زلفِ بنفشہ زور سن تاب

تو آتش را دہی از آب روغن — گل از شبنم کند ایں نکتہ روشن

ز سوزت گلخنِ جانہا گلستاں — ز عشقت دود دلہا سنبلستاں

چو دیواں وار عشقت از سر شوق — دہد پروانۂ دل گرمیِ ذوق

دَوَد ہندو زنے پروانہ کردار — بدل گرمی سیاؤش نہ بر نار

زنم بر آتشِ اندیشه بادے — کنم سر قصۀ آتش نژادے

جوانے بود در اقصاے کشمیر — نکو روے و نکو خو نیک تدبیر

دلش پروانه وار از عشق سوزاں — رخش چوں شمع از شادی فروزاں

زسوزِ سینه پُر آتش کنارش — که خود آتش پرستی بود کارش

نهادش برق خاشاک تمنّا — دمِ او صرصرِ خاکِ تمنّا

تنش کاشانۀ جانانۀ شوق — سرش سودائیِ افسانۀ شوق

سرشکش آب گلزارِ محبّت — خلیده در دلش خارِ محبّت

همه شب آه دمسازِ درونش — همه روز اشک همرازِ برونش

کبابِ آتشِ غم سینۀ او — الم خاکسترِ آئینه درا و

لبش در زیرِ گفتارِ محبّت — زبانش شعلۀ نارِ محبّت

زصهباے حقیقت پُر ایاغش — ز نورِ معرفت روشن چراغش

رخش فانوسِ شمعِ روشنِ حسن — قدش نو رسته سروِ گلشنِ حسن

جبینش ساده ابرویش کشاده — میانش قشقه پُرکار اوفتاده

نسیمِ گل هوا دارِ گلِ او — هواے بوے گل از سنبلِ او

دو زلفش بُرده زنّار از برهمن — فگنده شیخ مسجد را به گودن

زده آتش رخش در سینۀ گل — خمِ زلفش شکسته پشتِ سنبل

قمر آئینه دارِ خوبیِ او — صنوبر خانه خیزِ طوبیِ او

زچشمِ کافرش صد خانه ویراں — زخالش صد مسلماں نامسلماں

نگاهش ناوک اندازِ جفا بود — چو دورِ آسماں بس بیوفا بود

نه بُد بیوجه پیشِ چشم بینی — عصا در دستِ هر بیمار بینی

میانِ چهره بینی خوشنما بود — مگر شق القمر خورشید را بود

لبِ او بادہ نوش از خون یاقوت ‎ دہانِ نوش خندش قند را قوت

دہانش تنگ تر از غنچۂ گل ‎ زبانِ او سخن آموزِ بلبل

حدیثِ گردنِ او چوں کنم سر ‎ تعالیٰ شانہ اللہ اکبر

چگویم زاں کفِ معجز نمایش ‎ حنائی گشتہ کاغذ از ثنایش

طلب زاں سینہ آب از شرم ریزد ‎ کہ آں از سیم و ایں از سنگ خیزد

چگویم زاں فروزاں ساقِ سیمیں ‎ چو شمعے بُد بفانوسِ بلوریں

کفِ پائے چگویم چشمِ بد دور ‎ بخوبی یک قدم پیش از رخِ حور

باین خوبی باین شوخی باین ناز ‎ بنازِ بے نیازش بود دمساز

شبے کز خوابِ ناز او دیدہ میدوخت ‎ ببالینش چو شمع استادہ میسوخت

نیاسودے بہ یکدم بے رخِ یار ‎ رساندے ہجر تش برسوختن کار

ہمہ شب گردِ آں زلفِ چلیپا ‎ جگر ویدے بصد دل شانہ آسا

بدینساں آں دو ہمراز ہم آواز ‎ نمودہ ساز مہرِ یکدگر ساز

گہے دل را بشادی شاد کردند ‎ دراں شادی خدا را یاد کردند

سر آمد زیں نمط چوں روزگارے ‎ سپہر از کینہ برپا کرد یارے

ز نیرنگی چناں آتش برافروخت ‎ کہ جانِ ایں دو یکدل در نفس سوخت

قضا و آں نوجوانِ لالہ رخسار ‎ چو چشمِ نوعروسِ خویش بیمار

سپاہِ تب در آمد تند و سرکش ‎ بہ اقلیمِ وجودش در زد آتش

ز قصرِ سینہ تا کاشانۂ جاں ‎ رسید آتش فشاں ایواں بہ ایواں

شبستانِ دل و خلوت گہِ سر ‎ سراسر ہیمہا با سوخت یکسر

چناں در استخواں تب سرکش افتاد ‎ تو گوئی در نیستاں آتش افتاد

عیاں شد رنگِ سوسن از زبانش ‎ نہاں شد بوئے سوسن در دہانش

ے آشام لبش بتخالہ گردید   خراب ژالہ برگ لالہ گردید

زہر جانب طبیباں جمع گشتند   ہمہ پروانۂ آں شمع گشتند

زہر در باب حکمت بر کشادند   بفکرِ چارۂ کارش فتادند

یکے داغِ زبانش دید و بشمرد   کہ داغ از برگ لالہ چوں توان برد

یکے در چشم زردش دید و گفتا   چساں یرقاں رود از نرگس اے وا

یکے نیلی عذارش دید و گفت آہ   کجا خیزد کلف از چہرۂ ماہ

سخن کوتاہ دانایانِ حکمت   ندیدندش ز چارہ روے صحت

ہمہ از چارہ اش پرہیز کردند   ز مرگش شربتے تجویز کردند

چو دانست آں مہِ خورشید رخسار   کہ روزِ روشنش گردد شبِ تار

بروں آمد ز خلوت جامہ در چاک   بسر بر یک بیاباں خاک و خاشاک

ز نرگس اشکِ گلگوں ریخت گلگل   بخرمن ہا ز سر برکند سنبل

چو مظلوماں ببالینش گذر کرد   ز حسرت در سراپایش نظر کرد

بگفت اے ابرِ نیسانِ امیدم   چمن بندِ گلستانِ امیدم

کدامیں صرصرِ تند ایں ستم کرد   کہ شمشادِ ترا چوں بید خم کرد

کدامیں بادِ سخت آفت رسانید   کہ سوسن از گلِ رویت دمانید

کدامیں آہِ سرد ایں آتش افروخت   کہ جسمِ نازکت را چوں قلم سوخت

من و زیں پس چو بلبل نالہ کردن   برنگِ گل جگر پرکالہ کردن

خروشیدن چو رعد از بیقراری   گرستن زار چوں ابرِ بہاری

چناں سازم سیہ از آہ عالم   کہ صبحِ روز در محشر زند دم

فشارم حلقِ خود از طوقِ گیسو   نیارم رحم بر خود یکسرِ مو

کنم با خاطرِ ناشاد فریاد   دہم صورِ قیامت خلق را یاد

باین زاری بت بے صبر و آرام | سیہ میکرد روز از صبح تا شام
چو خورشید آسمان را کردید رود | سواد شب زمین را شست چون عود
فلک از اشک غم پُر کرد داماں | بسان چشم گریان یتیماں
بساط آرائے بزم بیقراری | قدم در راہ دشت جانسپاری
سنبک از خواب شیریں دیدہ بربست | ز تلخی ہائے آشوب جہاں رست
سحر کہ چوں بعادت مو بد روز | بہ کانون فلک شد آتش افروز
بماتم یک بیاباں حلقہ بستند | بہم در حلقۂ ماتم نشستند
دراں حلقہ بت آشفتہ ساماں | گریباں چاک کردہ تا بداماں
بحسرت ہر زماں چوں ابر گریاں | ز سر تا پا برنگ برق عریاں
بہ زاری گفت با آتش پرستاں | خدارا ہمتے بر زیر دستاں
کہ من در عشق این دلدار یکرنگ | دلے دارم بسان چشم خود تنگ
نمی گنجد درین دل صبر و آرام | بود آرام مشکل بے دلارام
دلارامم کہ از عالم سفر کرد | بہمراہش خواہم پا ز سر کرد
چو زینساں آں سہ ایں لولوئے رنگشاں | نمود آویزۂ گوش حریفاں
دل شاں زیں سخن زیر و زبر شد | دراں آشفتگی آشفتہ تر شد
ربود از چشم شاں یکبارگی خواب | ز سر ہوش و ز دل عقل و ز تن تاب
بناخن سینہ ہا را ریش کردند | فغان و نالہ بیش از بیش کردند
چو گل صد پارہ کردہ جامۂ جاں | چو بلبل با ہزاراں آہ و افغاں
چو بدمستاں بخاک رہ فتادند | بزاری سر بپائے او نہادند
بگفتندش کہ اے دل دادہ دل تنگ | جگر خوں کردہ از غم سینہ از سنگ
کسے بر خود چنیں ناواں نسازد | ز بہر مُردہ کس جاں نہ بازد

دلت دانیم بے او ناصبور است — کہ وصلِ جسم و جاں باہم ضرور است

بہ نارِ ہجرِ او میسوز و میساز — خیالِ او بدل میساز و مساز

صبوری کن ازیں اندیشہ برگرد — دلِ با خوں میفزا درد بر درد

زبہرِ تو ہمہ جا تنہا بسازیم — مہیّا ہر چہ میباید بسازیم

چو بشنید ایں سخن آں لعبتِ پاک — زسوزِ دل کشید آہ شغبناک

بگفت ایں آرزو بے اختیار است — رضائے من رضائے کردگار است

زیک حرفش ہمہ خاموش گشتند — سراپا ہوش و یکسر گوش گشتند

پس آنگہ زاں میاں برخاست پیرے — و پیرے نکتہ دانے نکتہ گیرے

بگفت از مکرِ گردوں پُر حذر باش — کہ دیوت راہزن شد پُر خطر باش

چنیں رسم است کیں چرخِ جفا کیش — گہے مرہم دہد گاہے دہد ریش

ازیں تشویش بگذر ایں محال است — کہ خود سوزی بہر ملّت وبال است

چنیں آشفتۂ و غمناک بودن — ز دین و از جہاں بیباک بودن

چو بشنید ایں سخن زاں پیر آں ماہ — بر آشفت و کشید از سوزِ دل آہ

بگفتش کاے مدبّر مردِ دانا — بعقل و ہوش برہر کس توانا

خطا باشد خطا کیں چشمِ غمّاز — کزیں پس مردم آزاری کند ساز

خطا باشد سرِ ایں زلفِ پُر پیچ — بدستِ شانہ بے آں دستِ سیمیں

دلِ پاکم ز نام و ننگ ترسد — کہ آید شیشہ ام بر سنگ ترسد

نہ بینم کاندریں خاکِ خطرناک — بجز دامانِ دریا دامنے پاک

ہمہ سرمست جامِ شاد کامی — فرامش کردہ نامِ نیک نامی

گدازم خانۂ آئینہ بے نور — ز خورشیدِ جمالِ خویشتن دور

کنم بتخانۂ خود را نشیمن — بُتے را می پرستم چوں برہمن

گل اُورا از نرگس میدہم آب | بخود بر تلخ گردانم شکر خواب
کنم لب از سخن چوں غنچہ خاموش | ندارم بر حدیثِ این و آں گوش
ہمہ بہتر کزیں دریاے ہائل | رسانم کشتیِ خود را بساحل
کنم با بلبلِ خود با دلِ خوش | تماشاے بہارِ باغِ آتش
بچشمم خوشتر از گلنار نار است | شرار و نار ہر کو خامکار است
نہادم را کہ از آتش خمیر است | سمندر روش ز آتش ناگزیر است
نسازم تا نسوزم پیکرِ خود | نخسپم تا نیابم دلبرِ خود
ز آتش چوں سمندر سر نتابم | تپِ ہجرانِ دلبر بر نتابم
چو بر گفت این سخن ماہِ دل افروز | ز دلہا جوش زد آہِ جہاں سوز
بر آمد بانگ ماتم شور شیون | ز ہر سو ہمچو ناقوسِ برہمن
زمین از اشکِ گلگوں گشت گلشن | ہوا از دُودِ آہِ گرم گلخن
اجازت داد مُوبد کام و ناکام | کہ وصلِ آب و آتش باد پدرام
پری پیکر چو حرفِ وصل بشنفت | رُخش مانند برگِ لالہ بشگفت
بزرگانِ طریقت را بفرمود | کہ بر سازید سازِ دلبرم زود
شما باشید زہنساں شاہ پرواز | کہ من سازِ عروسی میکنم ساز
بگفت این و چو سرو از جاے برخاست | ز ہر نقشِ قدم بستانے آراست
دروں شد در شبستاں شاد و خرم | بروں کرد از برِ خود رختِ ماتم
بپوشید اطلسے رنگیں تر از گل | ز مشکیں مو بر و بگذشت سنبل
رخ از گلگونہ رنگیں کرد چوں گل | لب از پان چوں لبِ پیمانۂ مُل
دو مشکیں طوق را افگند بر دوش | دو قوسِ عنبریں زہ کرد تا گوش
غزالِ مست کرد از سرمہ طنّاز | بیاباں در بیاباں عشوہ و ناز

بگردن در فگند از زلف زنّار　　جبین سادہ کرد از قشقہ پُرکار
برنگے بر سر انگشتان حنا بست　　کہ گوئی شاخ مرجان رتنش از دست

باین آئین باین زیور باین ساز　　باین شوخی باین خوبی باین ناز
بکف مالاے از یاقوت و گوہر　　بسان زاہدان پاک گوہر

برآمد چوں مہ تابندہ از در　　مے ذوق وصال یار در سر
زہر سو نعرۂ ناقوس برخاست　　خروش زنگ و بانگ کوس برخاست

سیہ پوشاں زغم افغاں و خیزاں　　بحسرت اشک سرخ از دیدہ ریزاں
چناں زد آہ سرد از سینہ ہا سر　　کہ گوی گرم شد بازار محشر

لب ہم مشرباں با نالہ دمساز　　درون یکدلاں با آہ ہمراز
بپا کردند نار شعلہ انگیز　　ز دود عود و صندل عنبر آمیز

پری پیکر نگار شعلہ کردار　　وفا پرور عروس لالہ رخسار
رواں شد ہمچو آتش بر لب آب　　کہ از آب آتش خود را دہد تاب

زآب اندام خود را کرد سیراب　　برآمد چوں گل خورشید از آب
نخست آں خاک آتش مردہ از باد　　بخوابانید در آتش چو شمشاد

پس آنگہ قامتے چوں شعلہ سرکش　　دوتا کرد از پئے تعظیم آتش
ببوسید آتش از تعظیم پایش　　برنگ شعلہ بر سر داد جایش

سر جانانہ بر زانو نہادش　　لبش بوسید و رو بر رو نہادش
زدلداری چناں در بر کشیدش　　کہ جاں در تن زجسم خود دمیدش

چو در آغوشش حصول مدعا کرد　　زباں بر انجمن گرم دعا کرد
شب ہر سوگوارے خندہ زا کن　　دل ہر بیدلے عشرت فزا کن
سر ہر خاکسارا زخاک بردار　　شب ہر تیرہ روزے را بر و زآر

بآتش گفت آنگہ کاے جگر سوز — ز روے لطف چوں رویم برافروز
چناں شد از دم او شعلہ سرکش — کہ در دم کرد خاکش ہمچو آتش
ز قیل و قال دنیا اکتفا کن — مناجات جناب کبریا کن
الٰہی برفروزاں شمع جانم — تجلی خیز کن طور روانم
بنور معرفت طبعم برافروز — درونم را نما چوں مشعل روز
توئی ظلمت زداے تیرہ روزاں — توئی مرہم فروزاں سینہ سوزاں
چراغ دیدہ ام را ساز روشن — کہ تا یابم فراغ از ماے و من
ز اندوہ جہاں وارستہ گردم — براہت پا ز سر پیوستہ گردم

پئے تاریخ ایں ہنگامۂ زشت
ندا از غیب آمد دور برگشت
۱۱۳۲

کردہ نقاش خوش تماش بہار — ورق دشت و صفحۂ گلزار
از تصاویر لالۂ و سنبل — ثانی خلد و ثالث فرخار
میبرد دل بغمزۂ جادو — طرفۃ العین نرگس بیمار
بہواداری صبا و شمال — سبز گردید بید و سرو و چنار
درچنیں موسم طرب انگیز — بنواحی کوچہ و بازار
باہزاراں ترانہ بلبل مست — شعر استاد میکند تکرار

چشم بکشا کہ جلوۂ دیدار
متجلی است بر در و دیوار

ولہ

دنیا کہ بکس وفا ندارد — کارے بجز از جفا ندارد
ہر کس کہ باصل می برد پے — کے رنجہ شود ز پنجۂ وے

وحشی - پنڈت بشمبھر ناتھ ربو صاحب دہلوی

ہم اپنے جوش پہ جب چشم تر کو دیکھتے ہیں
حباب سان فلکِ فتنہ گر کو دیکھتے ہیں

کہاں کا عشق کسے اُنس اور کیسی چاہ
یہ گلعذار فقط ابنو زر کو دیکھتے ہیں

یہ جوش آتا ہے عنقا کے باندھ لائیں پر
کبھی تمھارے جو موے کمر کو دیکھتے ہیں

وفا - پنڈت دیا ناتھ سپرو صاحب خلف پنڈت منسارام سپرو صاحب بریلوی

حضرت وفا کی مختصر کیفیات کا ایک قلمی مجموعہ مولف کو دستیاب ہوا ہے جس میں تصنیفات ذیل شامل ہیں۔

جامِ جم - رقعات فارسی

وقائع روزگار - یعنے حالات سیر و سیاحت راجپوتانہ و میواڑ و مالوہ۔ ۲۵ - جمادی الثانی ۱۲۳۵ھ سے اس سیاحت کا آغاز ہو کر آخر ۱۲۲۸ھ یا شروع ۱۲۲۹ھ میں اس کا خاتمہ ہوا - اور ۱۲۴۰ھ میں بمقام مرادآباد کُل واقعات سیاحت خود مصنّف نے قلمبند کئے۔

مثنوی چراغ دل اردو و مثنوی داغ دل اردو ۱۲۳۴ھ و ۱۲۳۸ھ میں تصنیف کی گئیں۔ دیوان وفا فارسی - غالباً ۱۲۴۰ھ کے بعد لکھا گیا ہے۔ ناظرین کو تعجب ہو گا کہ وفا نے زمانہ بھر کے وقائع تو لکھ ڈالے مگر اپنے اور اپنے بزرگوں کے سوانح پر ایسا پردہ ڈال رکھا کہ تصنیفات بالا میں

کہیں اس کا ذکر نہیں ہے کہ وفاؔ کے بزرگوں نے کشمیر کو کب خیرباد کہا اور شروع میں ہندوستان کے کس مقام پر پہنچ کر سکونت اختیار کی۔

وقائع روزگار کی تالیف کا ذکر جہاں آپ نے کیا ہے اُس سے البتہ اسقدر ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی عمر عزیز کا زیادہ حصّہ بریلی، روہیلکھنڈ میں صرف کیا ہے۔ آپ نے تمہید میں حسب ذیل گلفشانی کی ہے۔

"ازانجا کہ دبیر قدرت کاملہ از قلم جوا دنقشے بوالعجب بر لوحِ قسمت ہر یکے کشیدہ است لہذا انیاز مند دیا ناتھ پنڈت وفاؔ کشمیری از مقام دلنشین بریلی ملقب بہ رُوہیلکھنڈ بہ ارادہ سفر و سیر اقطاع دور دست و دید وا دید صحبت رنگین ہر مقام و شوقِ استماعِ سخن مقرّرانِ خوش کلام چوں جادہ پیمائی اختیار کرد۔۔۔

آپ کے دیوان کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔ آپ کا کلام اُستادانہ ہے۔ اور سلاست و فصاحت بلیغ کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ زبان فارسی میں آپ کو دستگاہ کامل تھی اور اردو میں بھی آپ کی خوش بیانی دل کو لبھاتی ہے۔

درآمد جبین برابر و تیغ در کف قاتل دلہا — کشیدہ مدّ بسم اللہ آہ از خونِ بسملہا

اثر در ناقہ از فریادِ مجنوں میشود پیدا — ز دہشت بجذ میر کارواں بر بند محملہا

ز دامِ کاکلش بر پائے دل صد بند می افتد — کجا آں ناخنِ ہمّت کہ سازد حل مشکلہا

رسد کے تیر مژگانِ درازش بر دلِ ہر کس — بسر نافا بلے نتواں کشیدن بار نفا بلہا

فرو ماندم بدریائے الم چوں نقطۂ مرکز — مقامم حلقۂ گرداب شد دورم ز ساحلہا

زبدمستی بسانِ خواجہ شد طبع وفاؔ مائل

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً وناولہا

زدم آتش زسوزِ سینۂ خود گلستانے را — ز داغِ دل خجل کردم بہارِ بوستانے را

نمیدانم زمن آزردہ خاطر چوں شد آں کافر — الٰہا مہرباں سازی بمن نامہربانے را

چو بلبل از تپِ ہجراں ازاں آتش زباں گشتم　　کہ تا از سوزِ دل پیشِ تو گویم داستانے را
ندانی قدرِ من روزے ترا معلوم خواہد شد　　مرنجاں کافرا بیدیں چو من آزردہ جانے را

پس از مردن کہ داغِ دل زخاکستر شود پیدا　　ہمہ عالم بسوزد آتش از اخگر شود پیدا
زطوفانِ سرشکِ چشمِ من برہم شود عالم　　زفریاد و فغانم شورشِ محشر شود پیدا
مگو او را کہ بہ گردید زخمِ بسملت اے دل　　کہ بہرِ قتل بازاز ابرو ئیش خنجر شود پیدا
بتِ مغرورِ من اندیش از جور و جفائے خود　　کہ روزِ حشر بر تو ہم کسے داور شود پیدا
وفا دیوانگی ظاہر مکن ورنہ بہ تدبیرش
رگِ جانِ ترا از ہر مژہ نشتر شود پیدا

بیخود نیم از جفائے طرّہ میجوشیم ما　　از تعلّی فغاں با چرخ ہمدوشیم ما
سرمہ را تا آں سیہ چشمم بچشمِ خود کشید　　از سیہ بختی لباسِ تیرہ می پوشیم ما
طاقتے داریم بیخود نیم از سوزِ درونِ　　از مزاجِ نازکش چوں غنچہ خاموشیم ما
ہرچہ آمد بر سرم از نیک و بد بگذشت و رفت
اے وفا از یادِ سختی ہا فراموشیم ما

سنگِ دل را رحم نامد ہیچ بر زاریِ ما　　خم زکاکل کرد وا بہرِ گرفتاریِ ما
سوختم از حسرتِ ایں درد و غم بس سوختم　　گہ نہ کرد آں فتنۂ مغرور غمخواریِ ما
کشتیِ امیدِ ما از ناخدا پروا نہ کرد　　بُرد از یکسو بدیگر سو سبکساریِ ما
تارِ زُلفش حلقہ زد بر گردنِ جانِ اسیر
چینِ ابروئیش گرہ زد بر دلِ آزاریِ ما

در تنم با قیست یکدم از نفس ایجاں بیا　　شامِ یلدائی مرا چوں صبح اے جاناں بیا
از محیطِ اندیشہ تا کی بر لبِ جو نہ قدم　　گر نمی آئی بدل در دیدۂ حیراں بیا
سینہ را چوں صفحۂ آئینہ کردم صاف و پاک　　مہرِ عالمتابِ من اکنوں دریں میداں بیا

شور محشر میکند برپا دلِ نالانِ ما جوش می آرد ز طوفان دیدۂ گریانِ ما
ما نمیدانیم عکسِ کیست در چشمانِ ما این قدر دانیم گل میرو ید از مژگانِ ما
ہمصفیرانِ چمن گمنام چوں بلبل نئیم از دہانِ غنچہ آید ہر نفس دستانِ ما
اے کہ ہر داغِ دلم چوں غنچۂ گل تازہ است
دست رس صرصر نیابد بر سرِ بستانِ ما

از مہرِ بتاں در تب و تابست دلِ ما چوں شمع سراپا ہمہ آبست دلِ ما
نالیدنِ ما نغمہ سرائیدن ما شد تار از رگِ جانست و ربابست دلِ ما
از آتشِ داغم جگرِ من ہمہ آنست دریا جگرِ ما و حباب است دلِ ما

از دلِ خود چو بر کشم در شبِ ہجر آہ را دودۂ او سیہ کند روے سپیدِ ماہ را
از رہِ جور باز آو از سرِ قتل در گذر ماہ رخا ز مہر بخش بندۂ بیگناہ را
غنچہ لبا بکن سخن شور بگلستاں فگن از لبِ غنچہ گوش کن نعرۂ واہ واہ را
من خجلم ز جرمِ خود بخششِ تو پناہِ من داورسا کنوں مگیر ایں دلِ عذر خواہ را
اے بہوائے جلوہ ات جاں بلبم رسیدہ است
جلوہ بدہ بہ جلوہ گہ جلوۂ گاہ گاہ را

تا چشم بر آورد ز مژگاں جگرم را خلقے است تماشائی گلہائے ترم را
گر باد نسیمے ز سرِ زلفِ تو آرد سازند ازاں لخلخۂ دردِ سرم را
تکلیف نہ سازید طبیباں بہ علاجم آگاہ کنید از تپِ من بے خبرم را
عشقِ تو دگر بر طرفِ کوہ و بیاباں سر داد سرِ خاطرِ شوریدہ سرم را
یارب ز غمش جانِ من آمد بلبِ من آرید خدا را بہ سرم جلوہ گرم را
خنداں بسرِ لاشۂ من آمد و میگفت بینید تماشاے قتیلِ نظرم را
صد شکر وفا منتِ دوناں نہ کشیدم بے برگیِ من کار کند برگ و برم را

نگہ دار از کدورتہاے دنیا آئینہ را   غبار آلا مکن از گردِ محرومی جبینم را
نکردی رحم بر بیچارۂ مسکین و محزونے   بگردابِ بلا انداختی جانِ حزینم را
زیک ایمائے چشم سحر ساز مے آن کافر   شکیب و صبر تاب و طاقت و آئین و دینم را

بچشم سرمہ سائیش تا نگاہے کردہ ام پیدا   ازاں روز بروزِ تیرہ راہے کردہ ام پیدا
مدان این آہ را لے سرد دل چون نالۂ شمعے   کنوں از دل من آتشبار آہے کردہ ام پیدا
زلب آہ و زجاں سوز و زچشم اشکے و خون از دل   پئے تسخیر آں دشمن سپاہے کردہ ام پیدا
وفا در خاکساری از ہمہ ہم چشم و ہم بازو
طفیلِ سیّدِ خود عزّ و جاہے کردہ ام پیدا

نہ ہوائے سیر بستاں نہ سر بہار مارا   ہمہ لالہ زار دارم زسرشکِ خود قبارا
مکشا گرہ زکاکل مشکن دلِ حزینم   زجفا و جور باز آ بنواز بے نوا را
تو اگر زمن نسازی زغمت بیاس سازم   زہوس کنارہ گیرم بہوا و ہم ہوا را
بشبے وصال او را بکنارِ خود کشیدم   نہ حجاب بود آں جا نہ مداخلت حیا را
بہ فراقِ جاں گداز تہ دلِ خار خار دارم
نگہے بحالِ زارم بت سنگدل خدا را

کن بر طرف زچہرۂ زیبا نقاب را   تا چشم بر رخِ تو فتد آفتاب را
بیہوش شد زنرگسِ جادو طراز دل   افسوں شکست آہ طلسمِ حباب را
ہنگامِ میکشی است مکش دست خویشتن   کن سرنگوں بہ بزم سبوئے شراب را
دانی جفا و جور کہ با او چہ کردۂ
گر بنگری زحالِ وفا اضطراب را

تیرہ ایامی است از ہجرانِ لبِ ناکام را   آہ از ہم فرق نتواں کرد صبح و شام را
ساغرِ دل را از سنگِ سرمہ بتراشیدہ اند   از شکستن ہم نمی یابم صدا آں جام را

هرزه نالی ها زلب تا چند می باید وفا
با تو صد جنگ است اکنون گردشِ ایام را

بسوخت برقِ نگه خرمنِ دل و جاں را
فروغ داد و گر بار داغ پنهاں را

بکوئے او بچه امید ناله ها سازم
که گل نگوش کند نالهٔ هزاراں را

زیک کرشمه ربایند خوش نگه دیں را
بکفر راه نمایند صد مسلماں را

درند جامه و برهم زنند صبر و شکیب
خیالِ زلف اگر هست خوشخیالاں را

وفا ز غصه چو از بزمِ عاشقاں رفتی
قرار نیست به دل جانِ بیقراراں را

درجهاں اکنوں مرا پروائے بدنامی نماند
برگزیدم هرچه باداباد دینِ یار را

پیش گل در باغ نرگس لافِ خوبی میزند
کاشکے می دید چشمِ سرمگینِ یار را

کدامے آتش افروزے به بزمِ یار بود امشب
که گرم از آهِ سردِ او در و دیوار بود امشب

به بزمِ مے پرستاں دیده آں ترسا نژادے را
بدوشِ پارسائے زاهدے زنار بود امشب

زعکسِ سنبلِ کافر چمن میداشتم دل را
بهارِ سینهٔ من رشکِ صد گلزار بود امشب

بجانِ نو ز شفقت کرده ام توبه دگر کافر
مکن از معصیت آلوده دامانِ نماز امشب

شکیب از دل دل از پهلو بود از دل فریبی ها
بیک چشمک زدن آں نرگسِ جادو طراز امشب

جاں در عجب مصیبت دل در عجب بلائے است
بیگانه خوست با من با غیر آشنائے است

در زلفِ او اسیرم در کام اژدها هم
هر منزلے بلائے هر گام اژدهائے است

در بزمِ آشنایاں یارے وآشنائے
در بزمِ ناسپاساں بیگانه خو وفائے است

بہ بزمِ دوش چو آں فتنۂ زماں برخاست
نشست درد بدل نالہ و فغاں برخاست

بگو صبا بتِ مغرور را کہ از حسرت
شہیدِ خنجرِ نازِ تو از جہاں برخاست

ز تُربتے کہ نہاں داشت آسماں بحجاب
ز خواب جست چو او حشر ناگہاں برخاست

کدام گل بچمن آمدہ کہ از غیرت
پرید رنگِ گل و لالہ خونچکاں برخاست

از شورشِ جفائے تو ہنگامہ گرم شد ہمدوشِ حشر آہ دلِ مضطرِ من است
ہر جا کہ پا نہی ز غبار رم قیامت است ہر جا کہ رد کشی ز عقب محشرِ من است

شوقِ دیدارِ پری بازدل و جانم سوخت
یادِ آں خالِ لب و زلف پریشانم سوخت

پنبہ پر داغ منہ سود نباشد ز علاج
داغِ حسرت ہمہ جا سینۂ بریانم سوخت

سنگ با شیشہ نکرد انچہ جنوں بامن کرد
خارِ صحرا ہمہ آتش شد و دامانم سوخت

خبرے نیست ترا از تپِ من لے عیسیٰ
دست بردار کہ درد و غمِ جانانم سوخت

اینکہ دامن بکمر بزدہ دلدارِ من است غالباً عشوۂ آں فتنہ دِر آزارِ من است
اہلِ ہمسایہ متنفر سید ز آوازِ حزیں گفتگوئیست کہ با یار و دلِ زارِ من است
قصۂ قیس کہن شد ورقِ تازہ بخوان در دبستانِ جنوں رونقِ بازارِ من است

بگذر از قتل وفاؔ ورنہ بروزِ محشر
فاش گویم کہ ہمیں قاتل و خونخوارِ من است

نہ بلبلے کہ لبِ غنچہ در فسانۂ ماست | ظہور در ہمہ جا رنگِ عاشقانۂ ماست
شگفت گل ز نسیم و ز میکشی ساقی | غمِ جدائی او ساز و برگ خانۂ ماست
شکستہ پاہیم و صحرا طویل ذیل کنول | اساس خانۂ توفیق آشیانۂ ماست

ناوکِ جنبشِ مژگاں تو دل خواہد دوخت
چشمکِ نرگسِ فتّانِ تو بے چیزے نیست
خال بر عارضِ تو فتنہ گری ہا دارد
حلقۂ زلفِ پریشاں تو بے چیزے نیست
تا نہ ایں اوج بگیرد بخدا می ترسم
گردشِ خاکِ شہیدانِ تو بے چیزے نیست

تیرے کہ از کرشمہ بہ پہلو رسیدہ است | صد جا بدامن از دلِ ما خوں چکیدہ است
در حسن چوں تو ہیچکسے را ندیدہ ایم | قربانِ آں شوم کہ ترا آفریدہ است
ظالم بہ تیغِ ناز چہ حاجت بکشتن است | دارم دلے کہ از ستمِ تو طپیدہ است
گر بگذری بخاکِ من آہستہ نہ قدم
کانجا وفاؔ ستم زدۂ آرمیدہ است

از علاجِ دردِ ہجرت سوختم | اے علاجِ مستمنداں را علاج

نالۂ دل بر فلک محشر ہویدا میکند | بر سرِ محشر فغانم حشر برپا میکند
حسرتِ گلچینیِ گلچیں ز سوز دردِ دل | بلبلِ خاموش را در باغ گویا میکند
کثرتِ مے آنقدر افزود آں مینوش را | جامِ خالی کرد و اکنوں رو بمینا میکند

نگندہ زلف چو آں گل بدوش می آید | زجان سنبل و ریحاں خروش می آید
کہ بستہ است در گلستاں کہ از حیرت | چو غنچہ بلبلِ بیدل خموش می آید
دلا ز دستِ نگارینِ او بگیر و بناز | کہ گل نہادہ بکف گل فروش می آید
چرا ملال نباشد مرا کشیدن مے | بدوش جام و سبو بادہ نوش می آید

رسیدہ فصلِ گل و مے بکش وفاؔ زچمن
نوائے بلبل و قمری بگوش می آید

رحمے بخاطرِ تو گر اصلا ندادہ اند | دل تنگئے از جفائے تو ما را ندادہ اند
داری بچشم خویش عجب سحرِ سامری | ایں جادوے بہ نرگس شہلا ندادہ اند
معذوری از محبتِ آں مستِ بادہ کش | زاہد ترا کہ دیدۂ بینا . . . ندادہ اند

از عشق آتشے کہ نہادم گرفتہ است
در آشیانِ بلبلِ شیدا ندادہ اند

سبو در پائے او افتد بریزد اشک از مینا | زبزم میکشی گر غیرتِ شمشاد برخیزد
چہ خوش باشد کہ برمقتولِ خود رحمے کند قاتل | چہ باشد نام بیدائے ازاں بیداد برخیزد
اگر آں بے مروت برمزارِ من گذر سازد | غبارِ من بہ تعظیمش چو سروِ آزاد برخیزد

کافرِ زلفِ سیہ تاراجِ ایماں میکند | خالِ ہندوے تو ہندو را مسلماں میکند
آہ از بیدادِ گلچیں آہ در فصلِ بہار | آشیانِ بلبلِ بیچارہ ویراں میکند
از ہجومِ دردِ او دل از شکیبائی گذشت | جیب سازد پارہ پارہ چاک داماں میکند

وحشتِ دل رو بسیرِ کوہ و ہاموں میکشد | سوزشِ آہ و فغانم سر بگردوں میکشد
شورِ رسوائیِ ما در ہر دو عالم چوں رسید | چادر از خجلت بروے خویش مجنوں میکشد
سالہا ہم بزمِ عیشِ آں پری رو ماندہ ام | حیرتے دارم کہ امشب سر زمن چوں میکشد

لالہ از رخسارِ گلگوں داغ بر دل میخورد — غنچہ از رشکِ لبِ او جامِ پُر خوں میکشد

نیم تبسّم تو مرا قتل میکند — نیم نگاہِ تو بدلِ ما شرر شود
عضوے مدد نکرد ز اعضائے تن مرا — شاید معاونِ دلِ من ایں جگر شود
گریۂ خواہم کہ از طغیانیش دریا شود — نالۂ خواہم کہ آں در سینہ آتش زا شود
جشنِ نوروزے بود آں روز در میخانۂ — من ز دستش مے کشم او بر سرِ مینا شود
اے وفا از نالہ و زاریِ صبح و شامِ ما
کے اثر در خاطرِ آں مست و بے پروا شود

همصفیرانِ چمن فصلِ بہار آخر شد — شد خزاں بر سرِ ہر غنچۂ و کار آخر شد
امشب از نالۂ دل سوز امید اثر است — است امروز یقیں کایں شبِ تار آخر شد
بر درِ باغ ز دربان چو تعرّض دریافت — سر بہ دیوار زد و بلبلِ زار آخر شد
دست بر داشتہ ام از سرِ خود در رہِ شوق — سرگراں بودم و صد شکر کہ بار آخر شد

بہر آزردنِ من فتنہ گرے پیدا شد — یا الٰہ از سرِ نو دردسرے پیدا شد
شامِ غم قسمتِ ما بود پس از عمر کنوں — دور باشِ دلِ ما را سحرے پیدا شد

نو بہار است یار می آید — بہ غمم غمگسار می آید
بر سرِ گل خزاں رسید مگر — بلبلِ زار زار می آید
گلعذارا شہیدِ زلفِ ترا — بوے خوش از غبار می آید
ساغر از مے تہی مکن ساقی — دمِ صبحم خمار می آید
کاکلِ او بخود کشد از دام — کز نگاہش شکار می آید
رحم کن بے مروّتم کہ دلم — از رہِ انکسار می آید
اے وفا غم مخور کہ آخر کار
نالۂ تو بکار می آید

بمیانِ من و معشوق حجابے باقیست | نازم آں روز کہ ایں ہم زمیاں برخیزد
برسرِ حشر بپا حشر شود کاش اگر | از دلِ خستۂ من آہ و فغاں برخیزد

از نگاہم چوں نگہ ُوز دیدہ جاناں میرود
برفلک از جانِ محزوں شور و افغاں میرود

اے مسلماناں خبر گیرید و تدبیرم کنید
دل بدستِ کافرے دادیم و ایماں میرود

بعدمردن نیز از سرگشتگی خالی نشیم
گرد بادِ خاکِ ماسوئے بیاباں میرود

از ہجوم درد و غم کار از شکیبائی گذشت
کاوشِ خارِ الم برجانِ بیجاں میرود

کسے کہ از مژہ ات خار در جگر دارد | زکاوشِ جگرے حالتے دگر دارد
خراب کوے ترا کے ہوائے گل باشد | کجا دماغ کہ از بُو دماغ تر دارد
حذر ز آہِ غریبے کہ بر درِ تو کشد | کہ دور باش دلِ بے کسے اثر دارد
مگو فغانِ تو ہرگز بگوشِ من نرسید | زشورشِ دلِ پُرغم جہاں خبر دارد
اگر جنوں ز سرِ شور دست بردارد | نہ جاں بکاہد و نے دل شکست بردارد
شکستِ توبہ کند پارسائے خشک دماغ | سبو بدوش چو آں مے پرست بردارد

اگر بہ بزم زند دورِ چشمِ میگونش
خمار از سرِ ہشیار و مست بردارد

گر بخوانی بہ بزمِ خویش دمے | قدمِ ما بہ لامکاں باشد
از نگاہِ تو چوں نہ بگریزم | نوکِ مژگانِ تو سناں باشد
در ہوایش بفصلِ گل بلبل | شور از تو زمن فغاں باشد

دوش گفتیم باو نکته ز خواب شمشیر — یافتم از خم ابروش جواب شمشیر
منکه از خنجر ناز تو شدم غرق بخوں — میدہی چوں بمن کشته عذاب شمشیر
حسن نیکوت دہد صیقل تیغ ابرو — مژه ات آب خورد از دم آب شمشیر
خواب دیدم که شدم بسمل تیغ نگہت — دیده محفوظ شد از دیدن خواب شمشیر
یار ہندو وش من شیوهٔ ہندو دارد — کشته را سوخته از برق عتاب شمشیر

کشتهٔ تیغ تمنّاے تو گردید وفا
چه شود گر شود او مست شراب شمشیر

ز سیر سیر نگشتیم و شد بہار آخر — بریم داغ ز گلگشت لاله زار آخر
در انتظار تو صد شام را سحر کردیم — بشوق روے تو کردیم روزگار آخر
ز رنج دادن جان غریب و آواره — ترا بدست چه افتاد اے نگار آخر

وفا نساختهٔ عهد و قول خود ز وفا
کجاست عهد و چه شد قول و آن قرار آخر

با این تنگ آشیانے کلبهٔ صیاد بس خوشتر
ز بے بال و پرے ایواے بودن در قفس خوشتر
حکایت ہاے خود از ساربان میگفت خوش مجنوں
ز فرط شوق میدانست آواز جرس خوشتر
چه خوش باشد که وقت نزع بر بالین من آئی
غریق بحر داند دستگیری ہا ز خس خوشتر

در دل خود مهر مهوش نه نشاں دارم ہنوز — زخم دیگر را تمنّاے بجاں دارم ہنوز
کے مدد در گریه میخواہم ز خون لخت دل — از بن مژگان خود آب رواں دارم ہنوز
بلبل بیدل ز دمسازان خود میگفت دوش — خار کلفت در جگر از باغباں دارم ہنوز

از دلِ آشفتۂ من داستانِ غم مپرس　　قصۂ جورِ تو ظالم بر زباں دارم ہنوز

از جفائے باغباں گو بال و پر بشکستہ ام
رغبتے از گل ہوائے بوستاں دارم ہنوز

ابروے عشوہ ساز تو بند نظر ہنوز　　ناز و کرشمہ غمزہ بدل فتنہ گر ہنوز
شد سالہا کہ چشم اثر دارم و نشد　　از نالۂ شبینۂ و آہِ سحر ہنوز
کم شد اگر ز دیدۂ من اشک باک نیست　　دارم خلیدہ خارِ مژہ در جگر ہنوز
گو آشنائے کہنۂ آں بے مروتم　　دارم ز گردشِ نگہِ او خطر ہنوز

مردیم در غمش کہ وفا نامہ برچہ شد
از شہر یار ہیچ نیامد خبر ہنوز

ستمگرا سببِ آہِ عاشقانہ مپرس　　تو واقفی ز سرِ حال و از بہانہ مپرس
دل و جگر ہمہ قربانِ تست لے کافر　　کماں بدست کشیدہ ز من نشانہ مپرس
گذشت انچہ بدل بود از کشاکشِ زلف　　بپرس از دلِ من از زبانِ شانہ مپرس

کنوں غذائے دلم قطرہ ہائے اشکِ من است
وفا گذر ز سرِ قصۂ آب و دانہ مپرس

کو طبیبِ مہرباں گویم از و آزارِ خویش　　میکنم فریادہا خود بر سرِ بیمارِ خویش
کو نزامیلِ تماشائے قیامت در دل است　　از دلِ محزوں کنم سر نالہائے زارِ خویش
گلعذارا گر بسر داری ہوائے بوستاں　　بینمایم از دلِ پر داغِ خود گلزارِ خویش

قدر دانی مبتلائے عشق را آندم کہ من
پیشِ تو روشن کنم داغِ دلِ بیزارِ خویش

سوخت از سوزِ تپِ عشقش گریبانم چو شمع
خاست آتش از دلم بنشست بر جانم چو شمع

سوخت مارا انتظارِ آں پری آتش مزاج
شعلہ سر برزد ز فرقِ ماؤ گریانم چو شمع
از لبانم بر نیاید دودِ دل از راہ حیف
گو ز سوزِ دردِ ہجرِ یار سوزانم چو شمع
آتشِ آہِ دلِ من آہ کافر آتش است
سوخت آخر رفتہ رفتہ جیب و دامانم چو شمع
از متاعِ جسمِ زارم رشتۂ جاں ماندہ است
داغِ دل در پہلوے من سوخت سامانم چو شمع

شیوہ ہاے آں بتِ عیار ما دانیم و دل — طرزِ دلگیری آں مکار ما دانیم و دل
ترک یاری کرد و از جاں دوست ترمیدارمش — دشمنِ جانِ منِ ناچار ما دانیم و دل
از خموشی از تکلم از تبسم از نگاہ — دلبری ہا دارد آں خودکار ما دانیم و دل
ہاں وفا ہشیار شو بر اختلاطِ او مناز
کے کند مہر و وفا آں یار ما دانیم و دل

بے سبب نیست چنیں زاری و حیرانیِ دل — ایں ہمہ باعثِ عشق است پریشانیِ دل
خندہ ات ریخت نمک بر جگرِ من از آں — ساختم در غمِ ہجرانِ تو مہمانیِ دل
از بلائے سیہِ زلف نبود یم خبر — سہل دانستہ نکردیم نگہبانیِ دل
تا خیالِ رخِ جاناں بدرونم جا کرد — ظلمت از سینہ بدر شد ز درخشانیِ دل
اے وفا منع نکردم کہ مشو عاشقِ او
ہیچ حاصل نہ شود غیرِ پشیمانیِ دل

یاد آیامے کہ رو بر آستانت داشتم — از دلِ شوریدہ سر برپا قیامت داشتم
خواہشِ دل باز برکویت مرا آوردہ است — اکیہ از سوداے زلفِ تو فراغت داشتم

من چہ کردم از حریمِ خویش راندی بیگناہ بے مروّت از تو من امّیدِ راحت داشتم

از مزاجِ نازکت اندیشہ کردم گو زغم
داستانہا یاد و برلب صد حکایت داشتم

من بتدبیرِ مرض پیشِ مسیحا رفتم خود بخود آہ بکامِ اجل از پا رفتم

درغمش سوختم و خاک شدم آخرکار گردبادے شدم و جانبِ صحرا رفتم

او بکفت تیغ بقتلِ صفِ دلہا میرفت سایہ ساں من زعقب بہرِ تماشا رفتم

داشتم دستِ تہی۔ قیمتِ آں زلف دو چند بود دیوانگی از من چو بسودا رفتم

اے وفا بر درِ میخانہ کہ مے نوش رسید
سرنگوں جام و سبو بود چو آنجا رفتم

تانگہ بر گلرخے شمشاد بالا کردہ ام ناشکیبی در دلِ بیتاب پیدا کردہ ام

زخمِ ناز از دستِ آں ابرو کمانے خوردہ ام جانِ محزوں را نشانِ تیرِ غمہا کردہ ام

منکہ از عمرے زتو امّیدِ الفت داشتم از جفائے تو کنوں قطعِ تمنّا کردہ ام

اے دررہِ تو جان و دلم وقف و فدا ہم مستانہ شبے کن گذرے جانبِ ما ہم

تاچند ز اغیار شدن گرم تبسّم یک گوشۂ چشمے بشہیدانِ جفا ہم

از خواب چہ پرسی بشبِ ہجر کہ گردد از دردِ جدائی نہ بہم دیدۂ وا ہم

گویند زجاں رفت بسودائے وفایت
داری خبرے ہیچ ز احوالِ وفا ہم

سرگذشتِ خویش را دیشب بیانے داشتم
بلبل آسا پیشِ آں گل ترزبانے داشتم

بوسہ گر دادم رکابت را زمن رنجہ مشو
در کفِ بے اختیارانے خوش عنانے داشتم

این نمیدانم که اکنوں زیں خموشی ہا چہ سود
منکہ از دردِ دل خود داستانے داشتم

مپرس آہ زوردِ غمے کہ من دارم — چہ حسرتے بدل وجانِ خویشتن دارم
غریبِ راہِ جنونم چناں بوادیٔ عشق — کہ آگہی زمنازل نہ از وطن دارم

تا نظر بر چہرۂ آں گلعذارے داشتم
در جگر از نوکِ خامہ خار خارے داشتم
رفتہ رفتہ در نیستاں آخرش زد آتشے
من نہاں ہر چند در سینہ شرارے داشتم
جوش میزد داغِ دل از شوق در پہلوئے من
در نظر از سنبلِ زلفش بہارے داشتم

چوں زسودائے دل امروز ببازار شدیم — ہر کجا بود غم و درد خریدار شدیم
دوش پرواز نمودیم کہ رویش بینیم — تا لبِ بام نرفتیم و گرفتار شدیم
گو بپا آبلہ داریم ولے میگردیم — در رہِ دشت دوی قافلہ سالار شدیم
دینِ ما عشق کہ در دیر و حرم از رہِ شوق — گاہ تسبیح و گہے رشتۂ زنار شدیم
عہد ما بود کہ در عشق وفا جاں بازیم
عہد کردیم وفا بر سرِ اقرار شدیم

بہارِ روے تو ہر گاہ جاناں یاد میکردم — دلِ ناشادِ خود را زاں تصور شاد میکردم
ہمہ شب سے بکویش نالہ و فریاد میکردم — دلِ خود را ز بندِ زندگی آزاد میکردم
ہاں تقصیر اے کافر مشو رنجیدہ دل از من — کہ امشب بر درِ تو نالہ و فریاد میکردم
بہ لاچاری و مجبوری بدفعِ دردِ دل یاراں
شمیم کاکلِ او را طلب از باد میکردم

اعداد جفائے خود زمن مپرس — من از ستمت شمار دارم
شاید زغلط بخاکم آئی — زاں بر سر رہ مزار دارم
اے چشم زشوخیت چو سیماب — بنگر کہ چہ اضطرار دارم
دل تنگ مشو وفا کہ اکنوں
بر حالِ تو غمگسار دارم

صبحِ قیامت بود چاکِ گریبانِ او — فتنہ بپا میکند گردشِ دامانِ او
نرگسِ مخمورِ او یاد دہد ساحری — تیر بلا میزند ہر سر مژگانِ او
عارضِ گلفامِ او برگِ گلِ لالہ است — صبح گریباں درد از لبِ خندانِ او
صبر و تواں باختہ از سرِ سودا وفا
وائے طفیلِ جنوں ایں سر و سامانِ او

از سوز انتظارت ہر لختِ دل کباب است — کیفیتے ندارد جامِ شراب بے تو
جانِ لبم رسیدہ دم در گلو گرہ شد — دارم دمے حیاتے ہمچوں حباب مے تو

خانۂ تو لالہ زار آمد ولا از داغ ہجر
خانۂ خود بیں کجا بہرِ تماشا رفتۂ
آستیں بر چشم میداریم و افشانیم خوں
تا زپیشِ چشم حیراں گلعذارا رفتۂ
جاں زتن بر لب رسیدہ دل بہ پہلو می طپد
تا ز بالینِ منِ دلخستہ یارا رفتۂ

از غمِ ہجر کنوں عاشقِ جانباز ترا — نالہ طرزے دگرے باشد و ہائے دگرے
ایکہ در دامِ سیہ زلفِ تو بودیم اسیر — بر سرم نازِ تو آورد بلائے دگرے
وادر بیناز تو فریاد چہ کافر کیشے — من بکارِ تو و باشی تو برائے دگرے

عاقبت آہِ دلِ سوختگاں سوخت مرا ۔۔۔ من برائے تو جگر خون۔ تو برائے دگرے
فصلِ گل آمد و بلبل ز تو فورِ مستی ۔۔۔ میزند بر سرِ ہر غنچہ نوائے دگرے

در رہت خاک شدم پا نہ نہی بر خاکم
آخر الامر شدی خاک بپائے دگرے

تا مسی از بہر خوبی صرفِ دنداں کردۂ ۔۔۔ برق در داماں ابرِ تیرہ پنہاں کردۂ
بر سرِ یک بگینہ بگذشت صد آفت ز تو ۔۔۔ صد ہزاراں از نظر با خاک یکساں کردۂ
بر درِ او حلقہ زن صد قیس و وامق بودہ اند ۔۔۔ وحشتِ دل تو کجا عزمِ بیاباں کردۂ
تا نگاہِ تو بمن افتاد دادم عقل و ہوش ۔۔۔ دشمنِ جانم مرا با خویش حیراں کردۂ

تا نگہ دزدیدہ رفتی از ہجومِ عاشقاں
عالمے برہم زدی خلقے پریشاں کردۂ

افسوں دمیدہ نرگسِ جادوے کیستی ۔۔۔ بیہودہ گردِ خاک سرِ کوئے کیستی
چندیں خوش آمدت بہ نسیمِ سحر چراست ۔۔۔ در آرزوے نکہتِ گیسوئے کیستی
اکنوں ز تیغِ غمزہ کہ کارت تمام کرد ۔۔۔ بسمل ز دستِ خنجرِ ابروئے کیستی
از دوستاں کشیدہ دلی بے سبب چرا ۔۔۔ چنداں جفا کشیدۂ بد خوئے کیستی

تیرے کہ زد زناز بہ پہلوے تو وفاؔ
نشتر خلیدہ در جگر از موئے کیستی

از رخِ گلنارِ خود آتش بجان انداختی ۔۔۔ شورِ محشر از نگہ در خانماں انداختی
زخمِ کاری شد بدل ہر گہ بسوے سینہ ام ۔۔۔ تیرِ نازِ خویش اے ابروکماں انداختی
عالمے از عشقِ تو ہنگامہ آراگشتہ است ۔۔۔ رخنۂ از غمزۂ خود در جہاں انداختی
گفتگو در عارضِ تو ہست با ہم خلق را ۔۔۔ از نقابِ چہرۂ خود در گماں انداختی
اے وفاؔ از داستان جانگداز خویشتن ۔۔۔ شورِ وحشت در سرِ کون و مکاں انداختی

ایکہ یا زلف گرہ وا میروی — صد گرہ ہا بستہ جاں رامیروی
جمع میداریم دل از روے تو — بے سر و پا کردہ مارا میروی
مثل دیوانہ مرو از اختیار — حیف می آید کہ رسوا میروی
مرگ عاشق در رہ او زندگی است
اے وفا چوں ناشکیبا میروی

جادو نگہے کجکلہے بادہ فروشے — از ناز و ادا فتنۂ وصد فتنہ بدوشے
چوں مرغ چمن گرم نوا گہ بہ تکلم — باشد چو لبِ غنچہ گہ از ناز خموشے
قدّے چو قیامت بقیامت زدہ گردش — دامن بکمر برزدہ آمد چو سروشے
تنہا بفریبش نشدم مائل و مفتوں
عالم بہ تماشاے رخش حلقہ بگوشے

تمام شب کہ سرِ خویش از درے میکوفت — کہ میگریست ستم دیدۂ بکوے کسے
بہ زیر خاک نہاں کن ز بیکسی خود را — چو گرد با و مشو گردِ جستجوے کسے
تمام عمر ز مستی خراب خواہد داشت — کشیدنِ تو مئے تلخ از سبوے کسے
غمیں مباش و دل خود ز دست خویش مدہ
وفا ز طعنۂ و تشنیع و گفتگوے کسے

بر سرِ کشتہ اگر میلِ تماشا داری — بگذر از ناز کہ اعجاز مسیحا داری
مستیِ چشم دگر کیفِ شرابِ گلگوں — چشم بد دور عجب نشۂ دو بالا داری
چشم جادوے تو از دیدۂ آہو خوشتر — غمزۂ و ناز بہ از نرگسِ شہلا داری
تا کجا وصفِ سہی قامتیِ تو گویم — سرو قد خوش قدے از سرو دو بالا داری
ایکہ بد عہدی تو شہرۂ عام است وفا
کے بایفا رسد آں عہد کہ باما داری

نیاوردی گلے بر تربتِ من مگر در سینہ از من خار داری
کرا دیدی کہ ہر دم در خیالش دلِ غمگین و جسم زار داری
چنیں اختر شماری در رہِ کیست چرا ایں دیدۂ بیدار داری
گریبانِ تو چوں گل چاک کیست ز مژگان کہ در دل خار داری
بہ ہجرِ کیست ہر شام و سحر آہ بدل غم داری و بسیار داری

بتا از گفتۂ بدخواہ نا حق
وفائے خویش را بیزار داری

سر بشوریدگی و چاکِ گریباں داری
اے جنوں باز سرِ کوہ و بیاباں داری
رُو چو گل داری و لب برگِ گل و غنچہ دہاں
رنگ و بوئے چمن اے سروِ خراماں داری
اے فلک دستِ تعدّی ز سرِ ما بردار
سر بہ تخریبِ منِ بے سر و ساماں داری
ایں چنیں ہرزہ سرائی دلِ نالاں تا کے
چند در عشقِ بتاں نالہ و افغاں داری
تا کشادی گرہ از زلفِ پریشاں شدہ خلق
چہ پریشانیِ عالم ز پریشاں داری

اردو

نالوں کی گرمیوں سے پھٹتے دل و جگر ہیں
لب خشک ہو رہے ہیں کانٹے زبان پر ہیں
سینہ کے داغ سوزاں آنکھوں کے اشک خونیں
اس نخلِ عاشقی کے یہ گل ہیں وہ ثمر ہیں

نیرنگی جہاں سے ازبسکہ جی جلا ہے

سینہ کے داغ میرے طاؤس کے سے پر ہیں

خورشید و ماہ کو میں پھرتے ہی دیکھتا ہوں

یہ کسکی جستجو میں اللہ در بدر ہیں

کس شمع رو کے غم میں روتا ہے اسقدر تو

آنسو وفاؔ یہ تیرے سوزندہ جیوں شرر ہیں

دل کو پھروں ہوں کو بکو گذرے ہے شب کراہتے

سہتے یہ کیوں خرابیاں گر نہ کسو کو چاہتے

تری گلی میں تڑپتے ہیں نیمجاں ہر روز نگاہ سے ہے تری قتلِ عاشقاں ہر روز

جور نج ہجر سنا ہمنے روز طفلی سے سووے ہے خوبیِ قسمت سے آسماں ہر روز

ولہ

ہم دیتے نہ دل آہ اگر مفت جبروں کو ہوتا نہ مرے درپئے آزار کوئی شخص

ولہ

سوفند روز کرتے ہیں اُس بدگماں سے ہم

بچتے نہیں ہیں اس کے وِلے امتحاں سے ہم

دھونی رما کے بیٹھے ترے درپہ اس لئے

تا چہیئے جی کبھی نہ اُٹھیں اس مکاں سے ہم

ولہ

مانوس محبت کو مری زور سے وحشت کھینچے ہے کہ چل دیکھ بیاباں کا تماشا

ولہ

کبھی ناشاد دل ہوتا نہیں ہے شاد یا قسمت

عجب ڈھب کی پڑی ہے اپنی یہ افتاد یا قسمت

ولہ

وفاؔ کیا حال دل اپنا کسی کو آہ لکھ بھیجوں

نظر آتا نہیں غمخوار کوئی اس زمانے میں

انتخاب از مثنوی چراغ دل

درد سے چشم تر کر اسے خامہ — دودِ دل سے سیاہ کر نامہ
درد ہے مطلعِ صحیفۂ عشق — درد ہے مقطعِ صحیفۂ عشق
درد شیرازۂ محبت ہے — درد اندازۂ محبت ہے
درد سے ہووے آب و تاب سخن — درد سے نالہ زن ہے مرغ چمن
درد ہے ساز و برگ کارِ جنوں — درد ہے رونقِ دیارِ جنوں
درد ہے شمعِ محفلِ عشاق — درد ہے ہمدمِ دلِ مشتاق
ثمرۂ نخلِ غم کشاں ہے درد — مطلبِ خاص انس و جاں ہے درد
عشق ہے گر شراب درد گزک — عشق ہے گر کباب درد نمک
عشق دریا ہے درد ساحل ہے — آہ طوفاں ہے آشنا دل ہے
درد جس دل میں اپنا گھر کر جائے — درد بن پھر اسے نہ کچھ خوش آئے
درد خوننابِ شیشۂ دل ہے — غم کشوں کو خمار حاصل ہے
درد سے جس کا دل گداز نہ ہو — بابِ عرفان اس پہ واز نہ ہو
درد ہے رہنما و رہبرِ عشق — درد ہے بادشاہ کشورِ عشق
بحرِ الفت کا آشنا دل ہے — کشتیِ غم کا ناخدا دل ہے
درد سے مجھ کو بھی محبت ہے — درد سے دل کو میرے الفت ہے
بسکہ دریائے درد جوش پہ ہے — طبع اپنی بھی کچھ خروش پہ ہے
لب پہ آتا ہے میرے جو مضموں — درد کا ہے وہ مصرعۂ موزوں
عشق کا کچھ بیان لکھتا ہوں — درد کی داستان لکھتا ہوں
ہو گیا ہوں زبس تمام وفا — شہرۂ عام ہوں بنام وفا

آمد آمد ہوئی بہار کی جب | بلبلوں نے اٹھایا شور و شغب
بر سرِ گل ہوا جو فیضِ نسیم | تازہ کرنے لگی دماغِ شمیم
دیکھ فصلِ بہار وہ رعنا | جانبِ بوستاں گیا تنہا
سیر کرتا تھا ہر طرف دل شاد | سرو کی طرز غم سے ہو آزاد
جس روش پر چمن کی تھا جاتا | لالہ حسرت سے داغ کھاتا تھا
ایک تختہ کی سیرِ گل کر کے | اور تختہ پہ پھر نظر کر کے
کہیں اپنا دکھا گیا انداز | کسی گل کو سکھا گیا انداز
کسی غنچہ پہ مسکراتا تھا | طرزِ واشد اسے سکھاتا تھا
اس طرح سے بناز و طرز و ادا | تا لبِ جوئبار آ نکلا
ایک مہ پارہ مہ جبیں مہوش | جلوہ پرداز و دلربا دلکش
جلوۂ مہر سے جبیں ہم رنگ | نورِ مہتاب جس کے حسن پہ دنگ
رخِ تاباں کی گرد زلف سیاہ | خوشنما جس نمط ہو ہالۂ ماہ
تھی جو ابرو کجی پہ شکلِ کماں | دلِ عشاق اسکے تھے قرباں
سحر کرتی تھی نرگسِ فتاں | نرگسی زن تھی ہر رگِ مژگاں
صدفِ گوش اس کی کان صفا | مثلِ دُرِّ یتیم جانِ صفا
بسکہ تھا مثلِ غنچہ تنگ دہاں | رشک سے اسکے غنچہ لال زباں
تھے جو یاقوت رنگ وہ لبِ لعل | ہونٹھ چاٹے تھا اس کو دیکھ کے لعل
مسی مالیدہ لب ہیں سلکِ گہر | دامنِ شب سے جوں نمودِ سحر
دیکھ کر رنگِ عارضِ گلگوں | رشک سے گل ہوا سراپا خوں
دوش و بر کی صفا کو دیکھ قمر | رخ پہ کھینچے تھا ابر کی چادر
پنجۂ دست پنجۂ مرجاں | ہر رگِ جاں سے کھینچتا تھا جاں

تختۂ سینہ تختۂ صندل
رشک قاقم تھا روکشِ مخمل

کاش رکھتی جو برگِ گل سر پر
بار سے ہوتا اور حالِ کمر

ہو گئی ناگہاں جو اُس سے دوچار
لے گئی دل سے صاف صبر و قرار

دل سے اُٹھنے لگے شرارۂ آہ
جان و تن میں الم نے ڈھونڈی راہ

دامنِ صبر تار تار ہوا
غم کے ناخن سے دل فگار ہوا

اشک جاری سے بہ گیا دریا
خون ہو کر مژہ سے دل ٹپکا

زلف کو ہو گئی پریشانی
چشم جادو بھری کو حیرانی

اُڑ گیا رنگِ عارضِ گلگوں
ہو گیا اُس کو دیکھ کر مجنوں

ہوئی افسردہ غم سے ریحانی
جاں کو ہونے لگی گراں جانی

آتشِ غم نے دل کباب کیا
دردِ دل نے جگر کو آب کیا

چاک تھا پنجہ زن گریباں میں
نہ رہا ربط جیب و داماں میں

ایک دن اُس کا باپ گھبرا کر
فرطِ شفقت سے خونِ دل کھا کر

کس لئے روز و شب ہے تو دلگیر
کس کی موجِ ہوا ہوئی زنجیر

اپنے غم خوار سے بیاں کر سب
رازِ دل مو بمو عیاں کر سب

لب سے مہرِ سکوت اپنے اُٹھا
پدرِ مہرباں سے کہنے لگا

پنجۂ عشق نے مرے یکبار
جیب و داماں کے کر دئے سوتار

زلف وا ہو گئی جو عارض پر
لائی کالی بلا وہ میرے سر

مو بمو اپنی زلف سُلجھا کر
دام میں لائی دل کو اُلجھا کر

سنگِ فتنہ سے شیشۂ دل چور
کر گئی اُس کی نرگسِ مخمور

پھر نہ قالب میں جاں رہی باقی
کچھ نہ تاب و تواں رہی باقی

بسکہ تھی دل سے دل کو باہم لاگ
پھونک دی عشق نے یکایک آگ

گرلبوں سے رواں تھی اُس کے آہ — راہ پہ تک رہی تھی ہر سرِ راہ
اِس کا گر ہاتھ تھا گریباں تک — چاک تھا اُس کا جیب و داماں تک
کار تھا اُس کو آہ و زاری سے — شغل تھا اِس کو بیقراری سے
سیل آنسو بہایا اُس نے اگر — سوز سے اِس کا بھُن گیا تھا جگر
ولولہ گرچہ اُس کے تھا دل پر — اِس کی حالت سے تھا جنوں کا اثر
اِس کی مژگاں پہ لختِ دل ٹھہرا — اُس کے دل پر تھا زلف کا لہرا
گر وہ بھرتا تھا آہ حسرت سے — کرتی تھی یہ نگاہ حیرت سے
چاک دل اپنا وہ دکھاتا تھا — غم کلیجے کو اِس کے کھاتا تھا
غم ہوا اس کا ہمدم و دل سوز — یہ تھی اُس کے الم سے غم اندوز

شوقِ جاناں نے دل کو خون کیا — گرمیِ عشق نے جنون کیا
خورش و خواب نے جواب دیا — طاقت و تاب نے جواب دیا
شمع ساں سوزِ دل سے جلتا تھا — آتشِ عشق سے پگھلتا تھا
دل میں خارِ الم چُبھا اُس کے — جاں پہ نقشِ جنوں کھُدا اُس کے
تیرِ غم نے گذر کیا جاں پر — دردِ فرقت سے ہو گیا مضطر
غم نے آخر بہت ستایا جب — جوش سودائی نے دبایا جب
تخمِ وحشت جنوں لگا بونے — زندگی سے لگا خفا ہونے
وہ ہیں بھرنے لگا یکایک دم — ہو گئی اُس کے دل کی صورت غم
اس قدر غم سے جسم زار ہوا — مرگ کا اُس کے انتظار ہوا
غم کی ماری ہوئی جو حالت نزع — نفسِ واپسیں سے ہو دل جمع
ایک دن جی کو اپنے کھو بیٹھا — اپنے جینے سے ہاتھ دھو بیٹھا

وفاؔ - پنڈت امرناتھ شرغہ صاحب مقیم جیند

عورت کی عظمت

مرد کے شیشۂ دل کو جو جلا دیتی ہے — اِستری نورِ حقیقت کو دکھا دیتی ہے

دل سے داغِ غم و افکار مٹا دیتی ہے — آن کی آن میں سب رنج بھلا دیتی ہے

ہے یہی گلشنِ ہستی کی نسیمِ راحت — ہاں یہی غنچۂ امید کھلا دیتی ہے

ہے بہارِ چمنستانِ تمنا اِس سے — غیرتِ باغِ ارم گھر کو بنا دیتی ہے

سر بسر ہے یہ نہالِ ثمر افشانِ مراد — پھل یہی تلخیٔ محنت کا چکھا دیتی ہے

خانہ آبادیٔ انساں ہے اسی کے دم سے — ہاں یہی رونقِ کاشانہ بڑھا دیتی ہے

مرہم خاطرِ بشکستہ اسے کہتے ہیں — آس یہ یاس نصیبوں کی بندھا دیتی ہے

اس سے بن جاتا ہے گھر بقعۂ نورِ عشرت — پردہ یہ ظلمت و عسرت کا ہٹا دیتی ہے

جو اسے لکشمی کہتے ہیں بجا کہتے ہیں — گھر میں دریا یہی دولت کا بہا دیتی ہے

سرستی نام ہے ویدوں میں اسی کا لکھا — فاضل و رہبر یہ انساں کو بنا دیتی ہے

اِس کو سمجھو یہ سراسر ہے خوشی کی دیوی — خاکہ آلام و مصیبت کا اُڑا دیتی ہے

مرد کی صاحبِ تدبیر مصاحب ہے یہی — یعنی بگڑی ہوئی تقدیر بنا دیتی ہے

بن کے خورشید چمکتے ہیں اسی کے جائے — چار چاند ان کی فضیلت کو لگا دیتی ہے

حاصل اسکے ہی وسیلے سے تو ہوتی ہے نجات — ہاں یہی راستہ مکتی کا بتا دیتی ہے

اور اب کیا کہوں افسانۂ عظمت اِسکا — عورت انسان کو ایشور سے ملا دیتی ہے

اے وفاؔ ہوتا ہے جس گھر میں نرادر اسکا

خاک میں گردشِ چرخ اُس کو ملا دیتی ہے

پنڈت منموہن کشن ولی - ولی

ولؔی - پنڈت بھولا ناتھ صاحب

ترچھی نظروں سے دیکھ مست قاتل　　تیرے تیغ و تبر سمجھ لیں گے
کچھ ولؔی کو نہیں ہے غم اس کا　　قتل پر کس کمر سمجھ لیں گے

ولؔی - پنڈت من موہن کشن ولی صاحب بی۔ اے بیرسٹرایٹ لا

خلف پنڈت گوپی کشن ولی صاحب۔ بقیہ ص ۸۰۴ پر

آپ تقریباً تین سال تک ایڈیٹر "بہار کشمیر" رہے۔ فی الحال ریاست شکیت پنجاب میں بعہدۂ جوڈیشل سکرٹری مامور ہیں۔

نوائے ہمصفیراں

باغ میں کل اک پھول جو پھولا　　مست ہوا نے جھلایا جھولا
بولی "خاک ہوں چھانتی آئی"　　"تیری خوشبو کھینچ کے لائی"
"حسن کی تیرے ہوں متوالی"　　"میں نے دیکھی ڈالی ڈالی"
خوب جھلایا اور ہنسایا　　اس کا سب دکھ درد بھلایا
رات پڑی تو شبنم آئی　　پھول کی اس نے پیاس بجھائی
پھر وہ بولی "اے مستانے"　　"جور گلچیں تو کیا جانے"
"تو ہے حسن پہ اپنے شاداں"　　"میں اپنی رقت پر نالاں"
"ہنسنا ہے قسمت میں تیری"　　"رونا ہے تقدیر میں میری"

پر ہے ایک انجام ہمارا
ایک ہی شب کا یاں ہے گزارا

مقتل میں آج جائیں گے دلبر کے سامنے
جوہر کھلیں گے تیغِ ستمگر کے سامنے

زخمِ جگر کا ہوگا مسیحا ہے کیا علاج
مرہم کریگا کیا ترے نشتر کے سامنے

زاہد ہلالِ عید کا ہے منتظر مگر
اپنی ہے عید یار کے خنجر کے سامنے

ہیں سخت شرمسار گناہوں سے اپنے ہم
کس مُنہ سے جائیں داورِ محشر کے سامنے

آفاتِ دنیوی سے بچے گا نہ حسن بھی
کیا بس چلے گا شمع کا صرصر کے سامنے

توبہ تو کی تھی مے سے مگر دل کو کیا کریں
پھر رے چلا ہے شیشۂ و ساغر کے سامنے

دل کی تڑپ نے بڑھ کے دلاسا دیا مجھے
آہٹ کا ان کے پاؤں کی دھوکا ہوا مجھے

ناصح نے ترکِ عشق کے دکھلائے سبز باغ
ایسے بہشت سے تو ہے دوزخ بھلا مجھے

پہنچے بہشت میں تو نہ حوریں ملیں نہ جام
کیا تیرے قول کا ہو یقیں زاہدا مجھے

جانِ نزار کی یہی معراجِ عشق تھی
تنکا سمجھ کے لے اُڑی بادِ صبا مجھے

دستِ دعا جو سوئے فلک ہم اُٹھا چکے
بولا وہ بُت کہ مانگ خدا سے ہم آ چکے

خون اپنا پی کے رہ گئے ہم بزمِ یار میں
جب جانبِ رقیب وہ ساغر بڑھا چکے

پھندے میں اپنی کاکلِ پیچاں کے پھانس کر
حلقہ بگوش اپنا ولی کو بنا چکے

قصیدہ

در تہنیت سالگرہ مبارک مہاراجہ لکشمن سین بہادر والیِ ریاست سکیت
بتاریخ ۱۴ اگست ۱۹۳۰ء

آج کا دن ہے دنوں میں انتخاب
مجلسوں میں ہے یہ مجلس لاجواب

دل بھی خواہانِ دولت کا ہے شاد
خصم و حاسد کا ہوا سینہ کباب

ہے سریر آرا شہ والاگہر
دھوم ہے جشنِ شہی کی دور دور
ہے مبارک دن۔ گھڑی شبھ۔ نیک سال
خوبیاں مہاراج لکشمن سین کی
معدلت میں ثانیِ نوشیرواں
پاک طینت صاف نیت راست رو
ہیں ترقی کے جو آثار ہر طرف
دل میں رکھتے ہیں رعایا کا جو درد
ہو مبارک یہ برس سینتیسواں
جب تلک رقصاں ہیں انجم بر فلک
ہو فزوں اقبال۔ یاور بخت ہو

جلوہ پاش و پُر ضیا چوں آفتاب
سر بہ سنگِ آستاں ہیں شیخ و شاب
کُھل گیا ہے عشرت و بہجت کا باب
ہوں رقم تو ہو مرتّب اک کتاب
شوکت و صولت میں چوں افراسیاب
والیانِ ملک میں ہیں انتخاب
ہے یہ فیضِ ذاتِ دولت انتساب
منعم و مفلس ہیں یکساں باریاب
گیارھواں سالِ جلوسِ آنجناب
جب تلک جانِ زراعت ہیں سحاب
دشمن و بدخواہ رہیں خانہ خراب

ہاکسر۔ پنڈت پران کشن ہاکسر صاحب خلف پنڈت رام کشن ہاکسر صاحب

شہر دہلی آپ کا مولد ہے۔ آپ کے والد ماجد پنڈت رام کشن صاحب ہاکسر متخلص بہ بسمل جو انگریزی و فارسی و عربی و سنسکرت کے عالم و فارسی کے اعلیٰ شاعر تھے دہلی میں انگریزی مدرسہ کے ماسٹر تھے اور بہ ہنگام غدر وہیں ہلاک ہوئے۔ اپنے والد کی ہلاکت کے وقت پنڈت پران کشن صاحب کی عمر اُنیس ۱۹ برس کی تھی۔ بیس روز بعد اُن کی مادرِ شفیق کا سایہ بھی اُن کے سر سے اُٹھ گیا اور وہ اپنے تین بھائی اور دو بہنوں کی پرورش و تعلیم وغیرہ کے کفیل ہو گئے۔ چنانچہ آپ دہلی سے بتلاش معاش اندور پہونچے وہاں پنڈت سروپ نراین صاحب ہاکسر سی۔ آئی۔ ای برادر اکبر پنڈت دھرم نراین صاحب ہاکسر سی۔ آئی۔ ای نے اُن کو مدرسہ میں بعہدہ ماسٹری ملازم کرا دیا۔ آپ کچھ عرصہ تک ایک اردو رسالہ کے ایڈیٹر بھی رہے اور ایک موقع پر مہاراجہ صاحب ہلکر سے کئی ہزار روپیہ انعام پایا۔ وہاں کے زمانۂ قیام میں سر رابرٹ ہمیلٹن ایجنٹ گورنر جنرل سنٹرل انڈیا آپ کے خاص مربی و سرپرست تھے اور اُن کے بعد جنرل سر ہینری ڈیلی آپ کی قابلیت و

فضیلت۔ تربیت و متانت سے اس قدر متاثر ہوے کہ آپ کے بہت بڑے مربی و محسن بن گئے۔ آپ تقریباً ۱۳ سال اندور میں مقیم رہکر بھوپال میں آئے اور کچھ عرصہ تک وہاں کی فرمانروا شاہ جہاں بیگم صاحبہ کی دختر نیک اختر سلطان جہاں بیگم صاحبہ کے اتالیق رہے۔ اسکے بعد آپ ریاست رتلام میں چلے آئے وہاں میر شہامت علی صاحب ریجنٹ تھے۔ انھوں نے آپ کو ہز ہائنس رنجیت سنگھ بہادر مہاراجہ صاحب رتلام کی تعلیم کے واسطے جو اُس وقت نابالغ تھے مقرر فرمایا اور آپ نے وہاں چند سال تک اس خدمت کے فرائض انجام دئے۔

بعدازاں آپ چالیس سال کی عمر میں گوالیار میں وارد ہوے اور یہاں آکر مہاراجہ جیواجی راؤ صاحب بہادر سیندھیا کے حکم سے آپ سرینت بلونت راؤ بھیّا صاحب سیندھیا کے اتالیق و اُستاد مقرّر فرمائے گئے۔ یہ درجۂ امتیاز آپ کو اے۔ جی۔ جی صاحب موصوف کی سفارش سے حاصل ہوا تھا۔ ہز ہائنس مہاراجہ سر مادھو راؤ صاحب سیندھیا عالیجاہ بہادر کی تعلیم بھی ابتداً آپ ہی کے سپرد ہوئی تھی اور یہ رسم مبارک باقاعدہ جلسہ دربار منعقد ہو کر ادا کی گئی تھی۔ سرینت بلونت راؤ بھیّا صاحب اور حضور ممدوح کو آپ سے محبت و عقیدت ہی نہ تھی بلکہ آپ کو ایک سچّا خیر اندیش و رہبر سمجھتے تھے۔ انھوں نے آپ کو ہزار ہا روپیہ عطا فرمایا جس کو آپ نے فقرا و غربا میں صرف کر دیا۔

آپ ۱۹۲۳ء میں ۸۶ سال کی عمر پاکر لشکر میں راہی ملک بقا ہوے۔ پنڈت پران کشن صاحب بہت بڑے صاحب قوت۔ ریاضت کیش۔ فقیر منش باخدا بزرگ تھے۔ علاوہ فارسی کے علم انگریزی پر بھی آپ کو بدرجہ کمال عبور تھا۔ علم نجوم میں بھی آپ کو کامل دستگاہ تھی۔ آپ کی پیشین گوئیاں اکثر لوگوں کو صحیح ثابت ہوئی ہیں۔ آپ کو کرشن بھگوان کی خاص طور پر بھگتی تھی اور اسی میں شبانہ روز محو رہتے تھے۔

آپ نے مرتاض درویشوں کے ہمراہ تمام ہندوستان کے مقدس و متبرک مقامات کی کئی کئی بار زیارت کی۔

آپ کو فن سخن میں کسی اُستاد سے تلمذ نہیں رہا۔ اپنی شاعری کے ابتدائی زمانہ میں شاید آپ نے اپنا تخلص عاشق رکھا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس تخلص کو بہت جلد ترک کر دیا اور اسکے بعد آپ نے بلاتخلص ہی رہنا پسند کیا۔ جب طبیعت کا رجحان ہو جاتا تھا تو سیکڑوں اشعار مثل گوہر آبدار آپ تصنیف فرماتے تھے اور پھر بھی آپ کے خداداد ذخیرہ میں کمی نہ ہوتی تھی۔ آپ غالب کے کلام کے بڑے مدّاح تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے غالب کی ایک فارسی رباعی کا ترجمہ نظم میں کیا تھا اور اُسی سلسلہ میں اُس پر ایک قصیدہ لکھ ڈالا جو قصیدہ فیضِ غالب کے نام سے مشہور ہے یہ قصیدہ جسیم و ضخیم ہے۔ اس موقع پر صرف غالب کی فارسی رباعی اور اُس کا ترجمہ منظوم جس کا اوپر ذکر ہوا ہے درج کیا جاتا ہے۔

رباعی حضرت غالب

بہ آدم زن بہ شیطاں طوقِ لعنت	سپردند از رہ تکریم و تذلیل
ولیکن در اسیری طوقِ آدم	گراں تر آمد از طوقِ عزازیل

ترجمہ اردو منظوم از پنڈت صاحب موصوف

آدم کو تو عورت ملی شیطان کو لعنت	دو طوق پڑے دونوں کی گردن میں برابر
تکریم کا تذلیل کا تھا فرق جو اُن میں	ہے کفش وہی کفش دوشالے کے بھی اندر
جب طوقوں کو دھر تولا تو پھر سب نے ہی دیکھا	تھا طوق سے ابلیس کے آدم کا گراں تر

آپ کی تصنیفات سے "قصیدہ فیض غالب" کے علاوہ "جلوۂ جہاں نما" "جلوۂ خدانما" "برج جگار" "بٹن کا ہورنگا" "خزانۂ غیب" خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ برج کی اصطلاح میں جناب بٹن کی ہولی کو "ہورنگے" کے نام سے موسوم کرتے ہیں:۔

برج ہے صنع قدرت کا عجب کارستان — جس طرف دیکھو نظر آئے وہیں طربستان
چپہا اُس کا یہ کہتا ہے بہ آواز بلند — جنتِ عدن مرے سامنے ہے غولستان

پران کشن صاحب کی نظمیں انکے روحانی خیالات کا ذخیرہ ہیں اور ان کے کلام میں لفظی شعبدہ پردازی نہیں ہے۔ چنانچہ "جلوۂ خدانما" کے آخری صفحہ پر خود ارشاد فرماتے ہیں:-

نہ یہ منشی کا ہے اغراق نہ شاعر کا غلو — عشق کا صدق ہے اور صدق کے اظہار سے ہو

پنڈت پران کشن صاحب ہاکسر نثار بھی بڑے زبردست تھے آپ کے خطوط کا ایک کافی مجموعہ پنڈت شیونا تھ کول شاکر کے پاس موجود ہے جو پنڈت صاحب موصوف نے اُن کے نام تحریر کئے تھے۔ پنڈت صاحب موصوف کو شاکر صاحب سے ایک خاص اُنس تھا اور اُن پر بدرجہ غایت عنایت فرماتے تھے۔

نظم خزانۂ غیب میں ۷۳۵ اشعار ہیں اور اس کے ساتھ ۱۰ صفحوں کا دیباچہ بھی ہے۔ جس کے ایک ایک لفظ سے مصنف کی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس نظم کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ہم نے عالم میں آکے کیا دیکھا — نیست کا ہست ترجما دیکھا
ہوش کے جاؤ اپنے تم صدقے — کہ فنا کو جہاں فنا دیکھا
آنکھ کا صبح اُٹھ کے شکر کرو — جس سے دنیا کا سب مزا دیکھا
کان کی بات جس نے دل سے سُنی — گوشش شنوا کا مزا دیکھا
الغرض جو حواس ہیں پانچوں — اُن سے دیکھا جو کچھ نیا دیکھا
ان کی دولت کا نام ہے بس علم — یہ ہی حکمت کا مدعا دیکھا
یہ نہ ہوں گر تو روح ہے بیکار — کس نے انحد کو بے صدا دیکھا
بے بقا بولتے ہیں صورت کو — عام کا یہ محاورا دیکھا

گویا صورت ہے جسم کے اندر — جہل کا کیا مغالطا دیکھا
علم شے کے لئے ہیں دو ہی طریق — ان سے باہر کسی نے کیا دیکھا
یا مکاں ہوگا یا زماں ہوگا — ان کا ہی سب نے سلسلا دیکھا
ہے مکاں صاف مظہرِ ہستی — جبکہ اجزا میں کُل کو جا دیکھا
رہی سیرت وہ ہے زماں کی غلام — یہ چھپا راز یاں کھلا دیکھا
شے میں ہرگز صفت نہ صورت ہے — ان کا اپنے ہی میں پتا دیکھا
ہوش کے سارے یہ تماشے ہیں — اس کی ضد میں کہو تو کیا دیکھا
بے خبر ہیں نہیں ذرا کچھ فکر — مُوکشِ میں بس یہی بھلا دیکھا
لطفِ صحبت سے وہ نہیں آگاہ — جس نے سونے ہی میں مزا دیکھا
ہوش کی چھب کا نام ہے صورت — یہ معمّا یوں ہی کھلا دیکھا
جسم بے روح تو بہت دیکھے — روحِ بے جسم کو بھلا دیکھا
جس جگہ ہوش ہے وہیں ہے روح — ہوش صورت کا بس خدا دیکھا
کس نے دیکھا ہے ہوش ہو موجود — اور صورت کو ہو فنا دیکھا
ہند میں ایک بھی ستی کو کبھی — اپنے مالک کو چھوڑتا دیکھا
ہوش شوہر ہے اور صورت زن — ساتھ ہی دونوں کو فنا دیکھا

انتخاب تہنیت نامہ جو بتقریب ولادت جناب ولیعہد بہادر طول عمرہٗ و دام اقبالہٗ کشمیری پنڈتوں کے جانب سے دربار عالیجاہ گوالیار میں پیش ہوا

جب امیروں میں خبر پہونچی کہ لشکر میں آج — مچ رہا شور ہے لو غیب سے آئی دولت
سُنتے ہی بارۂ اعظم میں ہوے سب حاضر — اور چستی سے وہیں بعد ادائے خدمت

گود میں لے کے سنتوکے نے مہا راجہ کو — کود اور پھاند کے کیا خوب دکھائی کسرت
(آپا جی راؤ صاحب سنتوکے)

یہ محبت کا ہے اعلان یہ خوشی کا اظہار — وا بے آداب کہاں اور کہاں یہ حرکت

آپا صاحب کی صفت اور ثنا کیا ہو بیاں — خاندانِ شہِ عالی سے ہے اُن کو قربت

سب پہ روشن ہے وہ ہیں آج امیروں سے امیر — مظہرِ جود و سخا مہبطِ نورِ عظمت

راؤ راجہ نے سُنا مژدۂ جاں بخش بدل — بیٹھ موٹر میں چلے وہ بکمالِ سرعت
(رگھناتھ راؤ دنکر شمشیر خاص بہادر سی۔ آئی۔ ای)

رُخ تھا محلوں کی طرف دل نہ رہا قابو میں — اس قدر زوروں پہ اُس وقت تھا جوشِ فرحت

پیچ پگڑی کے کھلے جاتے تھے بیہوشی میں — بند جامہ کے نہ بندھتے تھے یہ تھی محویت

سر میکیل پہ ہوئی وجد کی حالت طاری — جب خبر پائی کہ محلوں میں ہے کیا کیفیت
(کرنل سر مائیکل فیلوز)

راج سے رابطہ اُن کا ہے قدیم اور عظیم — پشت در پشت چلے آتے ہیں کرتے خدمت

صاف دل صاف نظر صاف ہی ہیں اُنکے عمل — صوفیوں کی طرح رکھتے ہیں صفائے طینت

کسرِ نفسی میں اگر کاہ تو عظمت میں کوہ — فیض سے بحرِ رواں طبع سے صاحب جودت

چند سرداروں کا احوال کیا میں نے بیاں — کون کر سکتا ہے ہر اک کی جداگانہ صفت

گھوڑپڑے موہتے اور آنگرے اور پاٹنکر — پھر سنتوکے ہیں بڑے سب میں بجاہ و عظمت

پھالکے دو ہیں ہر ایک اُن میں بصد عز و شرف — راجپوتوں ہی میں جا اُن کی ملے کنیت

مدحت ان کی وہ کرے جس سے ہے شمس کی مدح — حال اُن کا وہ لکھے جو لکھے رازِ قدرت

جب قلم پہونچا یہاں دل نے کیا مجھ سے خطاب — اب تو سرداروں کے حالات سے پائی فرصت

خود مہاراجہ کے گھر کا بھی کرو کچھ تو بیاں — کر رہیں کیا ہیں وہاں پردگیانِ عصمت

سُنتے ہی میں نے قلم پھیرا بسمتِ مرغوب — طبع سے مانگی مدد طبع ہے گنجِ دولت

اُس نے ہنس کر یہ کہا آؤ چلو میرے ساتھ — پردۂ خاص اُٹھا دیکھ لو کیا ہے صورت

دیکھتا ہوں تو تماشا ہے عجب پیشِ نظر — راجہ اندر کے اکھاڑے کی ہے کُل کیفیت

بھیا بلونت نے اُس وقت بصد فخر و ناز — مہد علیا سے کہا سن کے نوید بہجت
(یعنی والدۂ ماجدۂ حضرت سلطان)

روشنی چشم کی ہو تم کو مبارک ماور — دیکھ لو آج تماشائے ظہورِ قدرت
بھیّا بلونت کی توصیف کرے کون بیاں — کہ وہ خود شاعرِ غرّا ہیں بفرِ شوکت
بلونت راؤ بھیّا صاحب سندھیہ
حال سے محتشم اور دل سے ہیں وہ ایک درویش — بخش دی فخر کو کُل فقر و فنا کی دولت
فقر کا جامۂ حشمت میں لگا کر پیوند — دونوں عالم کئے تسخیر بزہد و عفّت
شمس کی طرح عیاں اُن کا جمال اور کمال — روح کی طرح نہاں اُن کی رہی شانِ ہیبت
علم میں گر ہیں عطارد تو عمل میں برجیس — بزم میں لطف کو اور رزم میں دیکھو ہیبت
قہر سے کار چھپے مہر ہو پھر بر سرِ کار — جب خطا بخششِ اعدا پہ بندھے وہاں نیّت
حالِ مژگاں کا یہ ہو فرطِ حیا سے اُس وقت — جُھک پڑیں وہ بھی علمہائے عدو کی صورت
صاحبِ سیف و قلم زیب دہِ جاہ و حشم — حاکمِ دادرس و داورِ بیضا ملّت
بھیّا بلونت ہوئے چُپ تو یہ ہمیں نے دیکھا — پاس پردہ کے کھڑے اور ہیں بس اک حضرت
شان کو دیکھو تو ممدوح ہیں بس عالیشان — اور اخلاق کو ہے اُنکے نہایت وُسعت
رازداری میں وہ رکھتے ہی نہیں اپنا عدیل — راست کاری میں حریف اُن سے اُٹھائے خجلت
مُعتبر مُوتمن و صافِ دل و پاک نظر — شاہ سے اُن کی رہا کرتی ہے اکثر خلوت
صاحبِ کلک و علم مجمعِ ہر لُطف و کرم — کون سی چیز ہے جس پر نہیں اُنکو قدرت
جامعِ علم و عمل منبعِ ہر فضل و کمال — قامعِ بُغض و حسد حامیِ رسمِ خُلّت
نام کیلاس ہے اور رکھتے ہیں سب سے اخلاص — کوئی شاکی ہی نہیں اُنکا یہ ہے اُنکی صفت
گرزلی پنڈت کیلاس نراین ہاکسر
میں ہوں ایک گوشہ گزیں مجھکو ہے خلوت سے کام — مُفت کی کھاتا ہوں کرتا ہی نہیں کچھ محنت
چند ہی روز کا مہماں ہوں میں اس عالم میں — بیٹھا نیّار رہوں بُلوائے جو ربُّ العزّت
گر کوئی پوچھے کہ خلوت سے ہو نکلے کیسے — کس سے دل مانگ کے لائے ہو کہو تو حضرت
پُور پُر نور کے وبدار کی خاطر میں نے — دل کو دلبر سے لیا چھین بزور و قوّت
خاتمہ شعروں کا ہوتا ہے بصد عجز و نیاز — نہ مجھے نظم سے نے نثر سے ہے کچھ نسبت

ہجر۔ پنڈت تربھون ناتھ سپرو صاحب۔ خلف پنڈت بشمبر ناتھ سپرو المتخلص بہ صابرؔ۔ سوانح عمری حضرت ہجرؔ از پنڈت برج نراین چکبست مرحوم۔

(ماخوذ از کشمیر درپن بابتہ ماہ ستمبر ۱۹۰۳ء)

ذوقؔ مرحوم کی تربت کو خدا عنبریں کرے کیا دردناک دل پایا تھا فرماتے ہیں ؎

کِھل کے گُل کچھ تو بہار جانفزا دکھلا گئے   حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بِن کِھلے مُرجھا گئے

یہ شعر اُن بیکسوں کا مرثیہ ہے۔ جن کا چراغِ ہستی سرِ شام ہی گُل ہو گیا اور جو دنیا سے ناشاد و نامراد گئے چنانچہ یہ جوانمرگ جس کا نام زیب عنوان ہے انھیں حرماں نصیبوں میں ہے جن کی زندگی کی بہار جانفزا پر قبل از وقت اوس پڑ گئی اور جن کے غنچۂ آرزو بن کِھلے مُرجھا گئے۔ لیکن اس روا روی کے عالم میں طبیعت کی رنگینی اور بیان کی شوخی نے اپنا سکّہ قدر دانوں کے دل پر جما دیا اور وہ کیفیتیں دکھائیں۔ جن کی یاد ابتک پس ماندہ احباب کے دل میں دردِ محبّت پیدا کرتی ہے یہ مانا کہ حضرت ہجرؔ کو زمانہ نے شہرت عام کا تمغہ عطا نہیں کیا اور مثل صیفیؔ و ضمیرؔ و نسیمؔ و سرشارؔ کے سخندانانِ کشمیر کی بزم نورانی کے بالانشینوں میں ان کا شمار نہیں ہو سکتا مگر تاہم اس بزم کے جس گوشہ میں یہ بیٹھے ہیں اُس گوشہ کی ان کی ذات سے رونق ہے۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مرقّع حیات بھی ہدیۂ ناظرین کیا جائے۔

حضرت ہجرؔ کے والد ماجد کا نام پنڈت بشمبر ناتھ سپرو صاحب المتخلص بہ صابرؔ تھا۔ حضرت ہجرؔ ۱۸۵۳ء میں تحصیل چُنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر زیادہ تر سکونت سے فیض آباد فیضیاب رہا۔ علوم مشرقی کی تعلیم زمانہ کے دستور کے مطابق مکتب میں حاصل کی۔ انگریزی میں کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف، اے تک سلسلۂ تعلیم جاری رہا۔ لیکن امتحان کی ناکامیابی نے دل توڑ دیا اور اس سلسلہ کو ترک کرنا مناسب سمجھا۔ بعد ازاں فکر معاش میں اودھ کے مختلف ضلعوں میں گھومتے رہے۔ آخر کار گونڈہ میں

پنڈت تربھون ناتھ سپرو - ہجر

مستقل سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر گردشِ تقدیر نے چین نہ لینے دیا۔ دو سال گذرے تھے کہ درد زانو کی شکایت پیدا ہوئی۔ مرض نے نہایت طول کھینچا۔ مجبور ہو کر فیض آباد علاج کے لئے واپس آنا پڑا۔ یہاں موت کا فرشتہ تاک لگائے بیٹھا تھا۔ غرضکہ چھ مہینے بیمار رہ کر ماہ مارچ ۱۸۹۲ء میں حضرت ہجر نے احباب کو داغِ مفارقت دیا۔ تخمیناً ۳۹ سال کی عمر پائی۔

حضرت ہجر کے جوہر و کمال کا اندازہ کامل طور پر اُسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اُس زمانہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے ہو جبکہ اُردو زبان میں انقلابِ عظیم درپیش تھا۔ اور اس کی انشا پردازی کا رنگ بدل رہا تھا۔ حضرت ہجر اُن چند جدت پسند بزرگواروں میں ہیں جن سے کہ اس انقلاب کی بنیاد پڑی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ انگریزی تہذیب و تربیت کا رنگ اُردو زبان کے پیراہن پر چڑھ رہا تھا۔ یعنی گو رجب علی سرور کے تکلفات و تصنع کو خیرباد کہہ کر نثرِ اُردو کو سادگی کے زیور سے آراستہ کر رہے تھے۔ اس اختراع و ایجاد کا ذریعہ "اودھ پنچ" تھا۔ اودھ پنچ کی اُردو میں ایک خاص سادگی، بے تکلفی، نازکی اور دلبستگی کا رنگ تھا جو کہ قدما کے طرزِ عبارت کے برعکس تھا۔ اس موقع پر اس امر کا اعلان ضروری ہے کہ گو کہ اودھ پنچ ظرافت کا پرچہ تھا مگر اسکے مضامین محض ظرافت کے لحاظ سے زیادہ قابلِ قدر نہیں ہوتے تھے۔ یوں تو ظرافت کے معنی آجکل بہت وسیع ہیں۔ سلامتی سے ہر محلے میں دس بارہ ظریف مل جائینگے۔ ہر طفلِ مکتب جس کو پیرِ بخارا کی زبان میں کچھ مداخلت حاصل ہے اپنے تئیں نعمت خانِ عالی سمجھتا ہے لیکن اگر ظرافت کا اعلیٰ معیار پیش نظر رکھکر اودھ پنچ کے مضامین کا اندازہ کریں تو ہم کو مایوس ہونا پڑتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسکے مضامین میں طبیعت داری اور بذلہ سنجی کے اعلیٰ نمونے موجود ہیں مگر وہ بات کہاں جو غالب دہلوی کی روزمرہ کی باتوں میں

تھی۔ کہ جو فقرہ زبان سے یا قلم سے نکل گیا وہ ابتک سینہ بسینہ چلا آتا ہے اور جتنے مرتبہ دُہرائیے اُتنا ہی زیادہ لطف دیتا ہے مگر اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ اردو زبان اودھ پنچ کے احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی اودھ پنچ کے مضمون نگاروں نے اردو نثر کے پاؤں سے تصنع کی بیڑیاں کاٹیں اور پرانی قیدوں سے آزاد کیا۔ اس زمرہ میں ہجر و سرشار و ستم ظریف و احمد علی شوق اور خود لائق اڈیٹر منشی محمد سجاد حسین صاحب کا پایہ عالی تر ہے۔ ان حضرات میں سوائے سرشار کے کسی سے ایسی تصنیف یادگار نہیں جس سے کہ مصنف کا نام صفحۂ ہستی پر اردو زبان کے وجود تک قائم رہے۔ لیکن اگر کبھی اس انقلاب کی تاریخ لکھی گئی جو کہ اودھ پنچ نے اردو انشاء پردازی میں پیدا کردیا تو یہ لوگ آیندہ نسلوں کے شکریہ کے مستحق ضرور مانے جائینگے غرضکہ یہ ثابت ہوا کہ حضرتِ ہجر اُن چند حضرات میں ہیں جنھوں نے کہ اُردو زبان کو اپنے احسان سے گرانبار کیا ہے منشی محمد سجاد حسین صاحب فرماتے تھے کہ اودھ پنچ کے پہلے خریدار حضرتِ ہجر تھے اور سال بھر تک قریب قریب ہر پرچہ میں آپ کے ایک دو مضامین شایع ہوا کئے مگر افسوس کہ وہ جلسہ برہم ہوگیا نہ ہجر ہیں نہ سرشار۔ نہ ستم ظریف وہ کیفیت ہی نہیں

اے مصحفی میں روؤں کیا اگلی صحبتوں کو ۔۔۔ بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

خود منشی محمد سجاد حسین صاحب کو مکروہات زمانہ نے ایسا ستار رکھا ہے کہ مدت سے آپ کے صریر قلم کا نغمہ نہیں سُنائی دیا۔ افسوس۔ ؎

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی ۔۔۔ اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

اودھ پنچ کا بھی اب وہ رنگ نہیں بس اب اپنے گذشتہ عظمت کے مزار پر چراغ روشن کئے ہوے ہے۔

اس تشریح کے بعد ہم حضرت ہجر کی طباعی اور جدت پسندی کا اندازہ

کر سکتے ہیں۔ اس موقع پر آپ کے مضامین کے اکثر حصے بر سبیل اقتباس لکھے جاتے ہیں جن سے کہ آپ کی تحریر کا رنگ ظاہر ہوتا ہے۔ پرتابگڈھ سے بحیثیت نامہ نگار اودھ پنچ لکھتے ہیں۔ سردی کا مہینہ کیا شروع ہوا کہ پرتابگڈھ کرۂ زمہریر بن گیا۔ ہفتہ گزشتہ بھر آفتاب کی صورت دیکھنے کو ترس گئے وہ جھما جھم پانی برسا کہ دمبدم یہی خوف معلوم ہوتا تھا کہ خطۂ یونان کی طرح تمام تختہ کا تختہ دریا برد نہ ہو جائے۔ تمام شب وظیفہ پڑھتے گزری ہر لحظہ و ساعت یہی خیال رہتا تھا کہ کہیں کھپریل کی چھت رکوع میں نہ آجائے۔ ہاں آپ نے کچھ اور بھی سنا۔ فرخ سیر کے وقت میں ع باران یارید ریزۂ قند و نبات۔ واللہ اچھا چاشنی دار ابر تھا۔ مگر افسوس لکھنؤ میں ایسی بارش نہ ہوئی کہ ہر ایک چھینٹے کے بعد ذرا منہ میٹھا ہوتا (اودھ پنچ مطبوعہ ۲؍ فروری ۱۸۷۷ء)۔

ہولی پر ایک معرکے کا مضمون لکھا ہے جو کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اس سے بھی اقتباس حسب ذیل ہے۔ واللہ ہولی کی فصل کیا آئی گویا اندھیری رات میں سرخ مہتاب چھوٹے ایک عالم بیر بہوٹی کی طرح سرخا سرخ ہو گیا۔ ٹیسو پھولنے سے جنگل میں منگل ہو رہا ہے۔ قطع کا قطع لال بھبھو کا معلوم ہوتا ہے۔ باغ بغیچوں (باغیچوں) میں گلِ عباس۔ گلِ اورنگ۔ گلِ آفتابی۔ گلِ شفتالو۔ گلنار۔ گلِ سرخ کھلے ہوئے الگ الگ اپنا جوبن دکھا رہے ہیں اور سے

چھوٹ سے لالۂ احمر کے یہ ہے رنگ بہار لال ہے مثلِ شفق رنگ سپہر گرداں

آجکل زمانہ نے کچھ ایسا رنگ بدلا ہے کہ سبزی، کاہی وغیرہ جتنے رنگ تھے سب اُڑ گئے اب جدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھئے گلنار۔ گلابی۔ عنابی۔ بنفشئی کے سوا دوسرا رنگ نظر نہیں آتا...... شوقینوں نے جانور بھی پالے تو لال ہی پالے......

اس فصل میں لڑکا بھی پیدا ہوا تو لال خاں یا ہوری لال کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

ان انتخابات سے حضرتِ ہجر کی طرز تحریر کا انداز کھلتا ہے۔ خیالات کی شوخی

اور عبارت کی روانی اور چلبلا پن لکھنے والے کی طبیعت داری کی شاہد ہیں۔ یہ وہی رنگ ہے جس کو حضرتِ سرشار نے فسانۂ آزاد میں معراج دی۔

اس زمانہ میں جبکہ سلیس اور سادہ اردو لکھنے کا عام رواج ہے ایسا طرز تحریر زیادہ حیرت نہیں پیدا کرتا۔ لیکن اگر یہ خیال ملحوظ خاطر رہے کہ یہ مضامین پچیس برس اُدھر کے لکھے ہوئے ہیں جب کہ اس طرز تحریر کی بنیاد پڑی تو ہم کو ہجر کی جدت طبع کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اودھ پنچ کے علاوہ آپ سنجیدہ مضامین مختلف رسالوں اور اخباروں میں لکھا کرتے تھے۔ یہ امتیاز زیادہ تر مراسلہ کشمیر۔ مرۃ الہند۔ وکیل ہند وغیرہ کو حاصل ہوتا تھا۔ "ماہیتِ خواب، نفس امارہ" "ترقی تہذیب" "مسئلہ ویدانت" وغیرہ پراکثر معرکے کے مضامین لکھے جن کو کہ عبارت کی سلاست و پاکیزگی اور خیالات کی بلندی کی وجہ سے پسند عام اور قبول خاص کا شرف نصیب ہوا۔

حضرتِ ہجر کے زباندان ہونے میں شک نہیں اکثر انگریزی خیالات کا عکس اردو میں اس صفائی سے اُتارا ہے کہ بارک اللہ کہیں پر عجز کا شبہ بھی نہیں معلوم ہوتا ہے بے تکلف قلم چلا جاتا ہے تمثیلاً ایک لطیفہ لکھا جاتا ہے جو کہ انگریزی لطیفہ کا ترجمہ ہے۔

حضرت شریڈن ایک مہاجن کے مقروض تھے۔ پیسہ ٹکا پلّے نہ تھا۔ ایسے وقت میں تقاضے کو مہاجن صاحب تشریف لائے۔ شریڈن نے چھوٹتے ہی ایسا فقرہ چست کیا کہ مہاجن صاحب تمام آٹے دال کا بھاؤ بھول گئے۔ شریڈن نے کہا بھئی فی الحال اگر اصل مانگتے ہو تو بے سُود ہے اور اگر سود چاہتے ہو تو دراصل نہیں۔ یہ سن کر مہاجن گھبرایا اور پوچھنے لگا کیوں جناب آخر میرا روپیہ ملیگا کہ نہیں۔ شریڈن نے ہنس کر جواب دیا واللہ تم بھی بالکل آدمی ہو گھبرائے جاتے ہو۔ خاطر جمع رکھو قرض پر تو ہمارا تمام کارخانہ چلتا ہے۔ انشاء اللہ تمھیں سے روپیہ لیکر ادا کیا جائیگا۔

(اودھ پنچ مطبوعہ، ۲۷ مارچ ۱۹۰۷ء)

اس سے کسی شخص کا انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں کسی لطیفہ کا ترجمہ کرنا اور اصل مذاق قائم رکھنا کار آسان نہیں۔ کیونکہ مذاق کا پہلو بہت کچھ زبان کا پہلو لئے ہوتا ہے مگر حضرت ہجر کے زور قلم کے سامنے اس مشکل کا آسان کرنا دشوار نہ تھا۔ چنانچہ "اصل اور سود" کے لفظ سے اس لطیفہ کی رونق دوبالا ہو گئی ہے۔ اس قسم کی پاکیزگی اور سلاست کی قدر زیادہ معلوم ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ بعض حضرات معمولی باتوں کا ترجمہ کرنے میں کیا کیا گاؤزوریاں کرتے ہیں میں نے ایک رسالہ میں دیکھا کہ مصنف نے "لوز مارلس" کا ترجمہ "ڈھیلا اخلاق" کیا ہے جن لوگوں کے کانوں میں سلاست کا نغمہ سمایا ہے وہ ایسا ترجمہ نہ کرینگے۔ مگر ہر کس وناکس کے کان اس نغمہ سے آشنا نہیں۔ یہ جوہر خداداد ہے۔

شاعری کے لئے بھی حضرت ہجر کی طبیعت خاص طور سے موزوں تھی۔ قدر بلگرامی (نور اللہ مرقدہٗ) کے شاگرد تھے اردو سے توان کو خاص اُنس تھا۔ اس کے علاوہ محمد سجاد حسین صاحب فرماتے تھے کہ فارسی کا کلام ان کا خوب ہوتا تھا۔ اکثر احباب کے جھگڑے دریا کنارے ہوتے تھے وہاں حضرت ہجر برجستہ اشعار تصنیف کیا کرتے تھے۔ غزل کم کہتے تھے مسدس کا رنگ زیادہ پسند خاطر تھا۔ اس قسم کی نظموں میں لسان الغیب کشمیر۔ کچا چٹھا۔ نوحہ کشمیر و فغانِ کشمیر نے زیادہ شہرت پائی۔ مگر افسوس ہے کہ اُنھوں نے اپنے کلام کی قدر نہ کی خدا جانے یہ کیا قدرت کا راز ہے کہ اکثر صاحب جوہر اپنے جوہر کی قدر نہیں کرتے۔ انیس مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

کس طرح قدر بھلا اپنے سخن کی ہو انیس | مرتبہ مشک کا آہوئے ختن کیا جانے

چنانچہ حضرت ہجر نے کبھی کسی نظم یا مضمون کا مسودہ اپنے پاس نہیں رکھا۔ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ نظم کا کلام ازبر رہتا تھا۔ شاید یہی وجہ اس بے توجہی کی ہو۔ لیکن ان کے

مرنے کے بعد بابو گنگا پرشاد صاحب ورما اڈیٹر اخبار ایڈوکیٹ وہندوستانی نے کچھ ان کا کلام جمع کر کے ترتیب دیا تھا اور یہ ارادہ تھا کہ ایک مجموعہ کی صورت پر شائع کیا جائے مگر شومیِ تقدیر وہ بھی تلف ہوگیا۔ ایک مسدس اُن کا موسوم بہ کچا چٹھا اکثر بزرگان قوم کے پاس موجود ہے۔ یہ وہ لاجواب نظم ہے جو کہ انھوں نے قومی جھگڑے کے موقع پر تصنیف کی تھی اس کے پڑھنے سے ان کی زباندانی اور جوش طبیعت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس نظم میں نہ رنگین بیانی کو دخل ہے۔ نہ زیادہ تر تشبیہوں اور استعاروں سے کام لیا ہے۔ لیکن شکوہِ الفاظ اور ترکیب کی چستی کا یہ عالم ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ دریا اُمڈا چلا آتا ہے۔ سیدھی سیدھی باتیں ہیں مگر گرمیِ تاثیر سے مالا مال ایک ایک حرف اپنے دامن میں ایک شعلہ چھپائے ہوئے ہے۔ واقعی کس جوش وخروش کا مطلع ہے ؎

عداوت کے شعلے کو بھڑکانے والو　　جہالت کی زنجیر کھڑکانے والو

دلوں کو ضعیفوں کے دھڑکانے والو　　نیا روز ایک جوڑ پھڑکانے والو

یہ کیا نت نئے شعبدہ بازیاں ہیں

یہ کیا قوم میں رخنہ اندازیاں ہیں

یا ایک مقام پر بگڑ کر کہتے ہیں ؎

اگر لکھنؤ میں تمھیں باخدا تھے　　بڑے نیک طینت بڑے پارسا تھے

اگر قوم میں تم ہی دھرم آتما تھے　　بڑے پاک باطن بڑے پارسا تھے

تو بہتر تھا گھر بار سب تیاگ دیتے

چلے جاتے کاشی میں سنّیاس لیتے

یا قوم کی حالتِ زار کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں ؎

ہر اک قوم میں صیدِ رنج و محن ہے　　نہ وہ صحبتیں ہیں نہ وہ انجمن ہے

نہ ہے جوش قومی نہ حبِ وطن ہے بدی پر پھر امسال چرخِ کہن ہے

محبت ہے باقی نہ اُلفت ہے باقی

پڑی قوم میں پھر ہے نا اتفاقی

ان متفرق بندوں کے پڑھنے سے وہ سماں آنکھوں کے سامنے نہیں بندھ سکتا جس کے لئے کل مسدس کا پڑھنا شرط ہے۔ قومی جھگڑے کے متعلق بہت سی نظمیں اہل قوم نے شایع کیں لیکن صرف دو نظمیں ایسی تصنیف ہوئیں جن کا خیال قدر دانان سخن اپنے دل سے خوشی سے نہ مٹائینگے۔ ایک تحفۂ سرشار یعنی پنڈت رتن ناتھ در کی مثنوی اور دوسرا یہ مسدس جو کہ حضرتِ ہجر کے زور فکر کا نتیجہ ہے۔ سُنا گیا ہے یہ مسدس جس کا ایک مصرع بھی بیکار نہیں اور جس میں ۷۵ بند ہیں ایک شب میں لکھ ڈالا تھا۔ اور وہ بھی تپ کی حالت میں۔ مولانا حالی کا مسدس بھی اسی رنگ میں ہے مگر چونکہ مولانا ممدوح کے دل میں شاعری کی آگ روشن نہیں ہے لہذا ان کے مسدس میں اس جوش و خروش کا اظہار نہیں جو کہ سچے جھٹے کا خاص جوہر ہے۔

فیض آباد میں ایک انگریز نے سرجو کی تعریف میں ایک نظم کہی تھی۔ اس کا ترجمہ حضرت ہجر نے اردو میں کیا تھا۔ وہ نظم تو کل کلام کے ساتھ تلف ہو گئی صرف ایک شعر یاد ہے جو کہ لاجواب ہے ؎

کیا لطف ہے شام کو لبِ جو

اک ناز سے بہ رہا ہے سرجو

اس سلسلہ میں اس امر کا ذکر لازم ہے کہ حضرتِ ہجر کے والد ماجد پنڈت بشمبر ناتھ سپرو صاحب بھی اردو و فارسی کے ماہر تھے قلم میں بھی زور تھا۔ چنانچہ مختلف کتابیں ان سے یادگار ہیں جن میں کہ سراب حیات اور تزک جرمی کا مرتبہ بلند ہے۔ میرے دوستو! اگلے وقت کے بزرگوں کا علمی شوق قابل قدر ہے۔

پنڈت بشمبر ناتھ علاوہ دفتر کے چھ گھنٹے کام کرنے کے چار پانچ گھنٹے روز کتب بینی میں
صرف کرتے تھے۔ حضرت ہجر نے ایسے قابل باپ کے دامن تربیت میں پرورش پائی
تھی۔ مگر دونوں کی طبیعت کا رنگ جداگانہ تھا۔ پنڈت بشمبر ناتھ کے طرز عبارت میں
پرانی چاشنی کا مزا قائم ہے۔ وہی مسجّع عبارت وہی محمد شاہی ترکیبیں وہی تصنّع
و تکلّفات کا رنگ اُن کی تصانیف کے ہر صفحہ پر مرجھائے ہوئے چمن کی گذشتہ بہار کی
یاد دلاتا ہے گو کہ انھوں نے یہ زمانہ بھی دیکھا تھا مگر ان کے دل کو طرز قدیم سے
محبّت تھی برخلاف اسکے حضرت ہجر کے انداز تحریر میں ایک قدرتی کیفیت ہے جس پر
کہ ہزار مصنوعی تکلّفات قربان ہیں۔ سنجیدہ مضامین میں بھی طبیعت کی شوخی اپنی
جھلک دکھاتی ہے۔ بس معلوم ہوتا ہے کہ ابر کے پردہ میں بجلی چمک رہی ہے۔

حضرت ہجر کے جاننے والے سب ان کی طبیعت داری کا لوہا مانتے تھے
اوائل عمر ہی سے طبیعت اپنا رنگ دکھانے لگی تھی۔ طالبعلمی کے زمانہ میں مختلف
اخباروں اور رسالوں میں مضامین لکھا کرتے تھے۔ عجب خداداد ذہن پایا تھا ہر رنگ
میں اپنا رنگ جما لیتے تھے۔ کشمیری۔ پنجابی۔ ہندی۔ بنگالی زبانوں میں اس لہجہ سے
گفتگو کرتے تھے کہ اہل زبان میں اور ان میں فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ انگریزی میں
اعلیٰ درجہ کی تعلیم نہیں پائی تھی۔ لیکن چونکہ کتب بینی کا شوق ہمیشہ قائم رہا لہٰذا اس
زبان میں بھی اچھی دستگاہ پیدا کر لی تھی۔ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کا یہ عالم تھا کہ
جس صحبت میں بیٹھتے تھے اُس کی زینت ہو جاتی تھی زبان میں جادو تھا۔ بیٹھے بیٹھے
ایک فقرہ ایسا کہہ دیا کہ سننے والے ہنستے ہنستے لوٹ گئے مگر ان کی پیشانی پر شکن بھی
نہ پڑی گویا کچھ جانتے ہی نہیں اُن کے دلاویز لطائف و ظرائف ان کے احباب کے
ابتک ورد زبان ہیں۔ ایک مرتبہ لاہور جانے کا اتفاق ہوا وہاں ایک بزرگ قوم سے
ملاقات ہوئی جو کہ شاعری کا شوق رکھتے تھے۔ مگر فارسی میں کہتے تھے اور اکثر

غلبۂ ذکاوت سے خبط اور مہمل بھی بک جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت ہجر کو بھی انھوں نے اپنا کلام سنایا اور دیر تک سمع خراشی کرتے رہے۔ دوسرے روز جب ملاقات ہوئی تو انھوں نے حضرت ہجر سے فرمائش کی کہ آپ اپنا کلام یا کسی استاد کا کلام سنائیے انھوں نے پیشتر سے ایک غزل تیار کر رکھی تھی جسکی نشست الفاظ نہایت چست اور بندش نہایت پختہ تھی اور مختلف اشارے اور کنائے ایسے تھے کہ معلوم ہوتا تھا بڑے دقیق اور فلسفیانہ مضامین نظم ہیں لیکن اصل میں ہر ایک شعر مہمل اور بے معنی تھا۔ حضرت ہجر نے ان کو یہ غزل سنائی اور کہا کہ قاآنی کی تصنیفات سے ہے۔ بس پھر کیا تھا وہ صاحب ان اشعار پر مفتوں تھے اور شاعر کی نازک خیالی اور بلند پروازی کی داد دیتے تھے۔ یہاں تک کہ آٹھ روز میں نہایت مشقت سے اس غزل کی شرح طیار کی جو کہ آخر میں اودھ پنچ کی نذر کی گئی۔

اس قسم کے لطیفے اکثر ان سے یادگار ہیں حضرت ہجر کا ادب و انکسار بھی قابل تعریف ہے جس سے کہ وہ ہمیشہ ہر دل عزیز رہے۔ کبھی تنگ ظرفی کو سینہ میں جگہ دی اور ایسی بات نہ کی جو کہ دشمن کو بھی ناگوار ہو باوجود اس فضیلت و اعزاز کے چشم مروت نشۂ غرور سے نہ جھکی۔ منشی محمد سجاد حسین صاحب فرماتے تھے کہ سوائے تعریف کے کبھی ان کے منہ سے کسی کی برائی نہ سنی اگر کسی نے کبھی ان کی شان میں بے ادبی بھی کی تو چشم پوشی کر گئے۔ بقول انیس ؎

ضبط دیکھو سب کی سن لی پر نہ کچھ اپنی کہی
اس زباندانی پہ گویا بے زباں پیدا ہوئے

ایک مرتبہ طوطی ہند کے اڈیٹر نے ان کے ایک مضمون کا مضحکہ اڑایا اور ظرافت کے جوش میں تہذیب و شرافت پر خاک ڈالنے سے بھی نہ درگذر کیا۔ حضرت ہجر نے اسکے جواب میں ایک مختصر سا مراسلہ اودھ پنچ میں شایع کیا جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

”حضرت اڈیٹر طوطی ہند آپ نے جو کچھ میری نسبت تحریر فرمایا ہے وہ مضمون نگاری

کی شان کے خلاف ہے ۔ اگر آپ ظرافت کے پیرایہ میں میرے مضمون کا جواب دیتے تو بہتر ہوتا آپ نے جو ذاتی حملے مجھپر کئے ہیں ان کا جواب ترکی بہ ترکی دینا پسند نہیں کرتا۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ میں کس قابل ہوں جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ سب آپ کی تعریف ہے۔"

غرضکہ عجیب شریف وباضع آدمی تھا زندہ دلی کا وہ عالم کہ کبھی غم و غصہ کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا گو کہ زمانہ نے بے وفائی کی مگر انکا ہمیشہ یہی اصول رہا کہ ع

دل پر ہجوم غم ہو جبیں پر شکن نہ ہو

یہ زندہ دلی مرتے دم تک ان کی رفیق رہی۔

مگر حیف کہ فلک پیر حضرت ہجر کی جوانی نہ دیکھ سکا۔ کیا افسوس کا مقام ہے ؎

کچھ عمر بھی نہ پائی تھی ایسے مسن نہ تھے ۔ کہتا تھا خود شباب کہ مرنے کے دن نہ تھے

(چکبست)

نظر سے خوش گذرے

ملک الشعرا مولانا اودھ پنچ صاحب متفقی اور موزوں تسلیمات عرض کرتا ہوں۔ حضرت لشکری زبان میں تو یار لوگوں نے خوب سمند فکر کی جولانیاں دکھائیں اب ذرا زباں وری کی ندرت ملاحظہ فرمائیے مگر للہ مارے خوشی کے اس وری پر لوٹ نہ جائیے گا۔ ہاں چل میرے خامہ بسم اللہ۔

غزل

خود نمائیست کہ من می دانم ۔ بیوفائیست کہ من می دانم

ہر کہ در ہند فرنگی زادست ۔ بادشاہیست کہ من می دانم

حیف صد حیف سیہ قاضی ہند ۔ لادوائیست کہ من می دانم

ہر کہ پیماں شکن و بد عہدست ۔ بے ریائیست کہ من می دانم

درجہاں تابع و محکوم شدن ۔ بد بلائیست کہ من می دانم

ارمغان ہر کہ بہ نذرش آورد — آشنائیست کہ من می دانم
گر کسے او بخوشنامد بنھا د — با صفائیست کہ من می دانم
ہر کہ جان داد و آہے نہ کشید — باوفائیست کہ من می دانم
ناصحا نسخۂ تالیفِ قلوب — کیمیائیست کہ من می دانم
ہر کہ زرداد بہ ٹیکس و چندا — بینوائیست کہ من می دانم
کوٹ و پتلون و کلاہ ترکی — خوشنمائیست کہ من می دانم
پئے نظارہ بہ معبد رفتن — اتقائیست کہ من می دانم
لکھنؤ از پئے چانڈو بازاں — طرفہ جائیست کہ من می دانم
ہجر خاکِ کفِ پائے محبوب — توتیائیست کہ من می دانم

ہندوستان اور انگلستان کی دُو دُو باتیں

ہندوستان — نیاز از من ز تو ناز و ادا ہا — ز تو دشنام ہا از من دعا ہا
انگلستان — میانِ فاتح و مفتوح رمزیست — نمیدانی کنون جور و جفا ہا
ہندوستان — چہ غزنی، غوری و خلجی چہ مغلاں — ز دستِ شان بسے دیدم بلا ہا
انگلستان — ہمین گویم نداری چشم بینا — تلطف میکنم۔ خوانی جفا ہا
ہندوستان — بہ تار برقی و گردون[*] دودی — سزد لا زیب توصیف و ثنا ہا
ولے ورمِ طحالِ ہند چون است — بسے من از خُلد جستم دوا ہا
انگلستان — چرا اکنون در شکوہ کنی باز — لٹن حینیکہ بخشیدہ شفا ہا
ہندوستان — گہے انکم گہے لیسنس آمد — چہ خوش گستردۂ دام بلا ہا
انگلستان — نمیدانی رموزِ خسروانی — نظر کن در بجٹ جود و سخا ہا
ہندوستان — نمودم بہرِ الحاق عذر داری — کجا یابم بگو بختِ رسا ہا

---

[*] یعنی ریل کا انجن۔

انگلستان — نہ کردی گوش اسپیچ گورنر — چرا کردی چرا کردی خطا ہا
ہندوستان — ترحم کشتۂ تیغِ جفایت — جگر خون گشتۂ خوبیت وفا ہا
انگلستان — خموش اے ہجر تا کے یاوہ گوئی — بدردم صد چو ہند و مبتلا ہا
ہندوستان — نداری گوش برعالم وگرنہ — طپیدن ہائے دل دارد صدا ہا

میٹھی میٹھی باتیں

انگلستان — دل ہمی پیچد زگفت وگوئے تو — زار شد چون با قوتِ بازوئے تو
کابل — من نہ تنہا عاشقِ زارِ توام — اوست ہم آئینہ دارِ روئے تو
انگلستان — بار سولان گرم جوشی اینچنین — حیف من دور او ست ہم پہلوئے تو
کابل — کے توام کرد با او اتفاق — ہر سحر یاد آمدم آن خوئے تو
انگلستان — گر مرا جائے دہی در ملکِ خویش — سر نہم پیشِ خمِ ابروئے تو
کابل — شیشۂ دل وہ زید عہدی شکست — برہمین پیچم چو تارِ موئے تو
انگلستان — اے سرت گردم مرنج از من کہے — سیرگاہِ ماست دائم کوئے تو
کابل — چاپلوسی کے کنی اکنون بمن — شبہ دائم گر بود لولوئے تو
انگلستان — نخوت و خود بینی اللہ الصمد — میشوم قربان برین خوشخوئے تو

رباعیات

حضرت اودھ پنچ صاحب یوں لکھنے کو تو رباعیات عمر خیام زبان زد خاص و عام ہیں مگر جناب ہماری رباعیوں میں افیون کے توام ہیں۔ واللہ وہ چاشنی ہے کہ تار نہ ٹوٹے۔ لے اس بکواس سے کیا حاصل اُس توام کا ہمیں بھی مزا تو چکھائیے۔ بہت بہتر سہ

رُباعی

چانڈو کا جو کوئی لطف ہم سے پوچھے — تھک ہاتھ میں لے لگائے بمبو مُنہ سے
ہو مُتنظر جو آبِ کوثر کا مزا — ہر چھینٹے کے بعد اِک گنڈیری چوسے

قند مکرّر

میٹھی میٹھی گزک نہ ہم سے چھوٹے ۔۔۔ وقیا نوسی ٹُنگ نہ ہم سے چھوٹے
گھر بار چھٹے بلا سے لیکن اے ہجر ۔۔۔ افیون ۔ چانڈو ۔ مدک نہ ہم سے چھوٹے

دیگر

جی آپ ہی آپ آج گھبراتا ہے ۔۔۔ رہ رہ کے کلیجہ مُنہ کو آتا ہے
دیکھو اے ہجر ۔ دیکھو دل کی باتیں ۔۔۔ اُسکے کوچہ میں پھر لئے جاتا ہے

اس دل کی صفائی کا عجب لیکھا ہے ۔۔۔ ہر اک سے خوشامد کی لیا کرتا ہے
میری سے میرے تیری سے تیرے آگے ۔۔۔ یہ آئینہ بھی ایک ہی مُنہ دیکھا ہے

درد اکہ خفا ہے یار جانی مجھپر ۔۔۔ نازل ہے بلائے آسمانی مجھپر
ممکن نہیں بے حضور جینا اے ہجر ۔۔۔ ہے ابتو وبال زندگانی مجھپر

فرقت کا کہاں ہے یارا مجھکو ۔۔۔ ہے درد کا ایک فقط سہارا مجھکو
یوں تو دنیا میں سینکڑوں معشوق ۔۔۔ لیکن تری سادگی نے مارا مجھکو

اُلٹا اپنی قسمت کا لیکھا دیکھا ۔۔۔ جو کچھ کہ نہ دیکھا تھا دیکھا دیکھا
بن بن کے بگڑ گئی ہیں لاکھوں باتیں ۔۔۔ ان آنکھوں سے ہمنے کیا کیا دیکھا

کیسے منصوبے اور کہاں کی گھاتیں ۔۔۔ کاٹے کٹتی نہیں ہیں ابتو راتیں
کیونکر نہ ہو تلخ زندگانی اے ہجر ۔۔۔ یاد آتی ہیں ان کی میٹھی میٹھی باتیں

کسکی فرقت میں ہجر روتے ہو تم ۔۔۔ کس کے لئے بیقرار ہوتے ہو تم
لے ہوش میں آؤ مان جاؤ کہنا ۔۔۔ کیوں مفت میں اپنی جان کھوتے ہو تم

احباب کی ہجر قدردانی دیکھو ۔۔۔ خستہ جگروں پہ مہربانی دیکھو
ہو ہم کو حضور سے خیالِ فاسد ۔۔۔ ان کج فہموں کی بدگمانی دیکھو

صد حیف وہ دل کی بیقراری نہ رہی
افسوس وہ دل لگی ہماری نہ رہی
پردے سے نکلتے ہی ہوا پردہ فاش
اسرار نہاں کی پردہ داری نہ رہی

در مذہب من اگر شوی بادہ پرست
بہ زانکہ بری بجانب افیوں دست
نے مرد نہ زن نہ مُردہ و نے زندہ
نے خفتہ نہ بیدار نہ ہشیار نہ مست

قطعات

ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں
کیوں جی یہ طرز گفتگو کیا ہے
تجھکو گوہر کہیں جو بیدھے ہیں
جھوٹے موتی کی آبرو کیا ہے

آج کس کے خرام ناز سے ہجر
ہو رہا یہ سڑک پر اُتو ہے
جب ڈھلکتی ہوئی چلی گوہر
لوگ کہنے لگے کہ لُولُو ہے

اُنھیں بلانے کا اے ہجر خط تو بھیجا ہے
خدا کرے وہ خود آئیں جواب کے بدلے

کیا کہئے کہ کس سمت گئی اور کدھر آئی
آندھی کی طرح آئی طبیعت جدھر آئی
سیپارۂ دل کھول کے پڑھنے لگے عشاق
وہ چاند سی کوٹھے پہ جو صورت نظر آئی
شاید کہ گذر کوچۂ جاناں میں ہوا ہے
خوشبو سے مہکتی جو نسیم سحر آئی
بھولے سے کیا یاد کبھی ہمکو۔ تو دم نزع
ہچکی بھی جو آئی تو بنوع دگر آئی
اے ہجر سویرا ہے ابھی ہوش میں آؤ
پھر دیکھو بُرا ہوگا طبیعت اگر آئی

لیکے آئینہ جو دیکھا رخ روشن اپنا
خود فراموش ہوا دیکھ کے جوبن اپنا
میرے مدفن سے جو گذرے تھے تو اللہ رے ناز
دونوں ہاتھوں سے اٹھائے ہوئے دامن اپنا
توڑتے ہیں دل عشاق کھلونے کی طرح
بھولے بن بن کے دکھاتے ہیں لڑکپن اپنا
رخ پر نور کی ضو گر کہیں دیکھے خورشید
دامن ابر سے ڈھانکے رُخ روشن اپنا

بے کسی کا چکارا

در کنجِ غم افتادم و دمساز کسے نیست   دردا کہ بہ فریادم و فریادرسے نیست
بر بیکسیم بین کہ زبیسنش ٹکسں آہ   می نالم و جز نالہ کسے ہم نفسے نیست
اقلیم تجارتِ زغم آمد بہ تکلّم   "جانکاہ تراز من بجہاں آہ کسے نیست"
آتش زنِ کالائے شکیب است گرانی   میگریم و از گریہ ام آگاہ کسے نیست
در معرضِ بحث آمدہ آزادی اخبار   صد حیف چو مٹکاف کسے دادرسے نیست

خامش بنشین ہجر توکّل بخدا کن
کو گلبن و گلشن کہ پُر از خار و خسے نیست

خلوت میں ایک روز خوشامد سے یہ کہا   عاشق سے اپنے جانِ جہاں مُنہ نہ موڑئے
بولے ہمارے آپ ہیں عاشق خدا کی شان   جن پر کہ آپ مرتے ہیں ہاتھ اُنکے جوڑئے
دکھلائیے اُنھیں کو یہ سب ٹھنڈی گرمیاں   جا کر اُنھیں کے آگے پھپھولے یہ پھوڑئے
بس بس انھیں کو گود میں جا کر بٹھائیے   اُن سے لپٹئے جا کے اُنھیں کو جھنجوڑئے
سُنتے ہی یہ گلے سے جو لپٹا تو بولے وہ   ہاتھوں کو توڑ ڈالئے گردن مروڑئے
سن ہو گیا یہ سُن کے بس آنسو نکل پڑے   رو کر کہا کہ ہجر کا دل یوں نہ توڑئے

تیوری چڑھا کے ناز سے سُن کر دیا جواب
ابتو اکیلے آپ نے اچّھا نہ چھوڑئے

اک دن وہ گلے لپٹ کے بولے   بس دیکھ لیا کہ بیوفا ہو
کچھ آج پھرے پھرے ہو یہ کیا   تم ایک ہی بانیٔ جفا ہو
آخر ہم بھی سنیں ہوا کیا   کس رنج میں ایسے مبتلا ہو
کیوں خیر ہے کیا پٹے ہوئے ہو   اتنے کیوں آج بدمزا ہو
ہاں ہاں سمجھے کہو تو کہدیں   اب کیا کہیں تم سے ہجر کیا ہو

زانو سے جو کل ہٹا لیا سر | بس اتنی ہی بات پر خفا ہو
کیا دل کا لگانا دلگی ہے | معلوم ہو گر کسی کو چاہو
معشوقی۔ عاشقی میں کیسی | ہم بندے ہوں تم کہو خدا ہو

گلدستہ

بہار آئی ہے۔ پھولے چمن شجر ہیں نہال | ہرے ہیں سبزہ سے جنگل گلوں سے گلشن لال
چمن کو پھول مبارک ہوں پھول کو خوشبو | اودھ کو پنج اودھ پنج کو یہ دوسرا سال
مزہ عجب ہے کچھ اس پرچہ میں کہ صورت طفل | جوان و پیر کے منہ سے ٹپک رہی ہے رال
برت کعبہ نرالی ہے سج ترا لی دھج | خدا گواہ۔ نیا سکہ ہے نئی ٹکسال
یہ بول چال جدا ہے یہ چال ڈھال جدا | جدا سخن کی روش ہے جدا یہ طرز مقال
ہیں لوگ جھومتے یوں قیل و قال پر اسکے | کہ جس طرح کسی صوفی کو آئے بزم میں حال
معاندین نے پٹکا بہت سر اسکے لئے | مگر تراش خراش اسکی پائیں تھا یہ محال
کہاں یہ فوق سما اور کہاں وہ تحت ثریٰ | کجا براق نبی اور کجا خر دجال
ہے ابتدا ہی میں اس کے بس انتہا کا مزہ | خدا کی شان مہ نو میں حسن بدر کمال
ہوا شیوع زمانہ میں جس برس اسکا | عجب سعید تھا الحق وہ سال فرخ فال
اودھ کے چیف کمشنر کا بڑھ گیا عہدہ | کہ لفٹننٹ گورنر ہوے ہیں وہ امسال
ہوئی ترقی فرما نرواے انگلستاں | خطاب قیصری پایا بدولت و اقبال

جو ہندیوں کو ہوئی اس خطاب کی شادی
زبان ناطقہ اس کے بیان میں ہے لال

واسوخت

سوکھے گرگٹ کی طرح جسم نہ تھا زار کبھی | ٹوپی چوگوشی نہ دیتے تھے تم اے یار کبھی
وکھنی وضع نہ تھی آپ کی زنہار کبھی | اس طرح منہ پہ برستی نہ تھی پھٹکار کبھی

چال اُس فیل کی اے یار نہ چلتے تھے تم
غول کو اپنے نہ اس طرح کچلتے تھے تم

غیر کی بات میں کیوں دخل دیا اے نادان
ہے مَثَل ننھا سا منہ اور یہ گز بھر کی زبان

آبکاری کی نہیں یاد نہ اُس کا کچھ دھیان
اور کچھ عرض کروں گا تو کھپو گے مری جان

طُولِ تقریر سے عشاق میں دُرگت ہو جائے
کہیں ایسا نہ ہو پدّی کی ضمانت ہو جائے

یاد ہیں ہم کو ترے اگلے فسانے کیا کیا
ہیں مرے مدِّ نظر تیرے ٹھکانے کیا کیا

زکیں دی ہیں تجھے اربابِ ولا نے کیا کیا
بار دیکھے ہیں ترے اگلے زمانے کیا کیا

بات کرنی تجھے ہو جائے گی دشوار بہت
مَلکہ بحث میں ہمکو بھی ہے اے یار بہت

بند کچھ تیرے سراپا میں بھی لکھنا ہے ضرور
سر۔ کدو۔ سیم۔ بھویں۔ رس بھری چشم بے نور

دانت ہیں تخم کدو ناک ہے یا پنڈ کھجور
گال سوکھے ہوئے بیگن ہیں تو ہیں کان اچھور

ڈیڑھ بالشت کا قد وہ کہ چچینڈا شرمائے
سبزی منڈی کا سماں آنکھوں کے آگے پھر جائے

ہوئے تھے خوش بہت ہم سب کہ اب انگریز آئل ہا
گھروں میں چین سے بیٹھے ہوئے روٹی تو کھائل ہا

مگر سرکار نے آکے بہت روپیہ گھٹائل ہا
کہ ٹھکرائن کی نتھنی اور جھلنی بھی بکائل ہا

ہوئی جب سے عملداری او لوکل فنڈ ہے جاری
بھئی روٹی کی دشواری نہیں پیسا ستائل ہا

اِدھر ہے مال کی طلبی سوا کی ہے اُدھر جلدی
ذرا ہو دیر۔ ہو قرقی مصیبت میں پھنسائل ہا

ٹکس ہے۔ فیس ہے۔ جرمانہ ہے چُنگی ہے چندہ ہے
روپیہ کھینچنے کی صورتیں کیا کیا جائل ہا

کہوں کیا حال ہے تم سے نہیں کچھ حال باقی اب
علاقہ بنک میں اس خرچ سے گروی رکھائل ہا

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے — سینہ جویائے زخمِ کاری ہے
پھر جگر کھودنے لگا ناخن — آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے
اک مہینے سے چُپکے بیٹھے ہیں — واہ کیا واقعہ نگاری ہے
کیا لکھیں دل نہ جب شگفتہ ہو — آفتِ جاں امیدواری ہے
بیٹھے آکے نہ کوئی دفتر میں — نادری حکم اب یہ جاری ہے
کیا کریں اب غریب اپرینٹس — رات دن شغلِ آہ وزاری ہے
مارے تخفیف اور ٹیکس کے بیچ — رو چکے سب ہماری باری ہے
دل ہوائے خرامِ ناز سے پھر — محشرستانِ بیقراری ہے
جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے — روز بازارِ جاں سپاری ہے
ہو رہا ہے جہان میں اندھیر — زلف کی پھر سرشتہ داری ہے
پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز — گرم بازارِ فوجداری ہے
شجرِ کہنہ ہو گئے سرسبز — کیا ہی گوہر کی آبداری ہے
مفت کا مال کرتی ہے تحصیل — بس یہی اک وفاشعاری ہے
پھر گرانی سے ناک میں دم ہے — اب نہ وہ اشرفی نہ ساری ہے
پھر اُسی بیوفا پہ مرتے ہیں — پھر وہی زندگی ہماری ہے
دیکھئے فیصلہ یہ کب تک ہو — حضرتِ دل کی روبکاری ہے
اک نہ اک دن یہ ہوگا پردہ فاش — اس کا خمیازہ شرمساری ہے
نہوڑے نہوڑے یہ اونٹ کی چوری — واہ کیا خوب پردہ داری ہے

سمجھے کہ پتھر کے ہوئے

(یہ وہی نظم ہے جس کا ذکر چکبست نے کیا ہے اور لاہور میں ایک صاحبِ قوم کو سُنائی تھی)

سرِ کشیدہ زنخشب چو ماہِ کنعانی — نہفتہ قلبِ زلیخا بہ پایۂ تختانی

بیش بسینهٔ فرو هشته مجمر یاقوت — چو صاعقه فتد اندر سنبل مانی

زلن نراقی و بتخالهٔ ید بیضا — با وج طور رسیده کلیم ثعبانی

ز بطلیموس و دیوجانس ولقونا جبین — شکسته خم فلاطون حکیم یونانی

به جم که جامهٔ جامی ست جام و جم غفیر — به انتظام نظامی است نظم شروانی

دهد همای سعادت چو بال عنقا را — بفرق شاه چو ققنس کند نگسرانی

نهاد گندم و جو را درون کان نمک — ز شور بختی هیموں بگنبد سلطانی

همه به مغز سخن رائے مهمله دانند — نوشت تحت ثری چون بتائے فوقانی

فشرد پنجهٔ خورشید شاخ سدره — ز مقرعهٔ چو علم زد به کاخ روحانی

خط غبار برآورد چون طلسم فرنگ — نهاده ابر بخاور کلاه بارانی

علم نمود چو پرچم پرند مشکین را

درون رخنه خریده حکیم کرمانی

مرے ساقی چانڈو کا چھینٹا پلا — که هستم اسیر کمند هوا

مزا کرکرا ہو گیا وے چرس — نداریم غیر از تو فریاد رس

خوش از چانڈو بازی دگر کار نیست — وزین گرم تر هیچ بازار نیست

مدک چون مس قلب را کیمیاست — که افیون همه درد ها را دواست

اگر چانڈو بازی تو کر اختیار — شود خلق دنیا ترا دوستدار

یہ افیونیوں کی کمر خم نہیں — نهد شاخ پُر میوه سر بر زمین

کمر خم ہوئی رہ گیا مغز و پوست — تواضع ز گردن فرازان نکوست

مدک کش اگر دم لگاے سنبھل — زند سوز او شعله در آب و گل

ادھر لاؤ حقہ لگاؤ نہ دم — که ناگه شود سر بسر کالعدم

جو افیوں پیئے ہے وہ ہے آدمی — نه زیبد ز مردم بجز مردمی

میاں ہجر پینک میں آٹھوں پہر
بغفلت مبر عمر در روے بسر

وہ کمان و تیر لیکر جو پئے شکار آیا — سوئے دشت صید بنکر دلِ بیقرار آیا

نہیں عکسِ قدِ دلبر بمیانِ آبِ خنجر — پئے سیر ہے صنوبر لبِ جوئبار آیا

مرا ڈھل چکا تھا منکا مری چھپ چلی تھیں نبضیں — مرے تن میں جان آئی جو مکاں میں یار آیا

ترے غم میں دیدہ و دل ہیں مثالِ برق و باراں — کوئی بیقرار آیا کوئی اشکبار آیا

مرے ناخنوں میں لکھی ہیں تمہارے دل کی باتیں — چلو بس قسم نہ کھاؤ مجھے اعتبار آیا

وہ ملی خلش کی لذت کہ جنوں نے ہونٹھ چاٹے — مرے آبلہ کے منہ میں جو وہاں خار آیا

دلِ جاں بلب کی میرے نہ کسی نے کی عیادت — ترے تیر کے تصدق کہ یہ بار بار آیا

چلو جھوٹی جھوٹی باتیں نہ بناؤ ہجر مجھے
نہیں غیر پہ ہو مائل مجھے اعتبار آیا

سالِ نو اودھ پنچ

بادۂ احمر لادے ساقی — ابتو پھول پلا دے ساقی

پھول نہ ہو تو ٹھرّا لادے — خم کو اٹھا کر منہ سے لگا دے

ہو جو نہ ٹھرّا تاڑی دیدے — سیندھی لا کے پہاڑ سی دیدے

سیندھی میں بھی ہو جو بہانا — لانا لانا بھنگ ہی لانا

سبزی پل کر خوب بنے گی — دیکھنا کیسی گاڑھی چھنے گی

سبز قدوں سے کام پڑا ہے — ہند میں اک کہرام پڑا ہے

اس میں بھی ہو جو غرّہ دینا — دینا دینا طرّہ دینا

چھینٹے دے کر ہمکو نہ دم دے — چٹ پٹ بھر کر ایک چلم دے

کابل سے ہم گرزک منگائیں — جا کے بخارا دھوئیں اڑائیں

کش کوئی دینا سُلک کا دینا — لانا چھینٹا مدک کا دینا

فکر نہ کر تو اس کی اُس کی
دیکھ تو ہم نے کیا کیا مانا
نخرا ہے ترا سازِ تن ٹیڑھا
نشّہ جما دے دام نہ مانگ
چار جو پائے آٹھ اُڑائے
جام پہ جام پلائے جا
مانگیں تو کہدیں صاف نہیں ہم
من میں دھیرج رکھنا ساقی
جس دم پائے دیدے دام
باتوں کا تیری خرچ بڑا ہے
کیا کیا سوانگ تماشے لائے
روم و روس لڑایا ہم نے
دیکھے سب نے قلم کے جوبن
حال دکن کا سارا چھاپا
شام اودھ کا رنگ جمایا
سچ کہو ہم جو نہ دل بہلاتے
جان ہی لیتی فاقہ مستی
چھاپتے پرچہ اُڑتی خاک
کلوں سے کہتے جانچ تو لوں
پینچ سے ملک کو پاٹا ہم نے
ناؤ لگی دو ہلّے پار

افیون کی اک دیدے چُسکی
پھر بھی ہم سے آنکھیں چُرانا
ناچ نہ آئے آنگن ٹیڑھا
پاس نہیں ہے بھونی بھانگ
خالی ہاتھوں گھر کو آئے
دام کا ذکر نہ لائے جا
مُصرف ہیں صرّاف نہیں ہم
پینچ کے دام بھی ہیں کچھ باقی
کھڑی مجبوری چوکھا کام
رندوں سے اب کے پالا پڑا ہے
کیا کیا باغ سبز دکھائے
ریچھ کا ناچ نچایا ہم نے
بجلی چمکی اُتر ــ دکھن
کا جل پر بھی مارا چھاپا
توڑ بنایا جوڑ بنایا
ابتک ہوش میں کسکو پاتے
پانی کے بدلے خاک برستی
فاقہ سے مُنہ پر رہتی خاک
چل بے چرسنے چرخ چوں
سال مزے میں کاٹا ہم نے
مارا غوطہ پہلے پار

ہاں مئے رنگیں ساقی لانا سال بھرے کی باقی لانا
تشنہ لبی سے رند ہیں ترسے اُبلے مٹکا - ہتھیا برسے
سُرخ شراب اور اودی گھٹائیں گرم پیالہ ٹھنڈی ہوائیں
گڑگڑ بادل پڑپڑ بوندیں خاک پہ برسیں جھڑجھڑ بوندیا
نکلے صدا ہر خاکے سے برسو رام جھڑاکے سے
برسیں گے برسائیں گے بنئے مُنہ تھتائیں گے
جھوم کے آئے ابر بہاری باغ پہ برسے باری باری
پھول کھلیں جب بُلبل چہکے دل بھی اُچھلیں رہ رہ کے
کیسا نکھرا سارا گلشن نہر بھری ہے گردن گردن
غنچے چٹکیں لے کے بلائیں مانگیں زباں سے برگ دعائیں
جب تک گلشن ہرا بھرا ہے عارض گُل سب بھرا بھرا ہے
دل ہو شگفتہ چمن ہو ہر جا خوش رہیں یارب راجا پرجا
قیصرِ ہند جئیں جم جم راج میں اُنکے براجیں ہم

شاہنامہ پنچ

بنامِ جہاندارِ گردون قتاب یلِ نامور پنچ عالی جناب
سمندِ قلم را بزین آورم بہ میدانِ قرطاس جولاں کنم
بہ رمحِ سخن نیزہ بازی کنم پئے ہندیاں چارہ سازی کنم
مرا قیصر از گنج یاری دہد ہم از منزلت کامگاری دہد
دریغا کہ آتش زبانی نماند بشمشیرِ کلکم روانی نماند
نہان شد ز نظرم عروسِ سخن تہی گشت از ان شمع روانجمن
درآمد چو بادِ مخالف بجوش چراغِ دماغم بدو شد خموش

دریغا اسیرم بکنج قفس ‌‌ شقیقم بآزار ضیق النفس
بدل آتش غم برافروختم ‌‌ زسرتا بپا شمع سان سوختم
زدست فلک صبر وتابم کجاست ‌‌ کنون وانمش انچہ برماز ناست
ہمین بہ کزین رہ بہ پیچم عنان ‌‌ باحباب گویم یکے داستان
زمغرب چو تہذیب اندر رسید ‌‌ گل نو بگلزار عالم دمید
بدنبال او ہمرہان تاختند ‌‌ بخوش گوئیش نقد جان باختند
خروشید بروے چو شیر ژیان ‌‌ یل پیلتن ملک ہندوستان
بہ تیر وکمان وبہ گرز وخدنگ ‌‌ رجز خوان در آمد بمیدان جنگ
ولے چون بہ تہذیب نظرش فتاد ‌‌ خروشید چندے سخن کرد یاد
حیارا پس پشت انداختہ ‌‌ ز رخ پردۂ شرم برداشتہ
پس آنگہ در مدح را باز کرد ‌‌ بدو وصف خود گفتن آغاز کرد
علم در جہالت برافراشتم ‌‌ زوانشوران جملہ پرداختم
الا چاپلوسی شعار من است ‌‌ بریاوہ گویان وقار من است
سوے ماتکا برکشیدم سپاہ ‌‌ گہے رونتا بم زناورد گاہ
زچانڈو بیک کش برآرم چو دود ‌‌ فتد سرنگون سقف چرخ کبود
بسر می برم خوش بہ پیمانہ ہا ‌‌ زنم آتش اندر مدک خانہ ہا
اگر اندکے حب افیون خورم ‌‌ بغرب تبر نیشکر بشکنم
بہ گرز گران بشکنم کوزہ را ‌‌ تراشم ز شمشیر خرپوزہ را
نہنک و با بنوحربات جنگ من اند ‌‌ ہمیں ہردو تیر وتفنگ من اند
بدوزم ازان چشم غماز را ‌‌ کنم پشت خم گردن افراز را
زاجسام جوش جوانی برم ‌‌ جوانی مگو زندگانی برم

دهم بال و پر کاغذ بادرا — نمایم خجل زود پریزادرا
بجنگ آورم گرد را درجهان — فغان خیزد از برنشِ ریسمان
زتعلیم نسوان حذر میکنم — من احوالِ ایشان تبر میکنم
نخواهم که شایستگی رو دهد — نخواهم کسے گوئے سبقت برد
نخواهم که افشاے رازم شود — نخواهم که بیدانشی کم شود
نخواهم که ممتاز و برتر شوم — نخواهم که نکبت ز پا افگنم
نخواهم که با هم شود اتفاق — نخواهم که رو پیچد از من نفاق
نخواهم قدم در تجارت زنم — نخواهم که سیر و سیاحت کنم
چو بشنید تهذیب چندین سخن — بشد پیش او چون سهیلِ یمن
بخشم اندر آمد از و رشک ماه — به پیچید بر خود چو مارِ سیاه
بدو گفت که اے هند ناسازگار — به بینی کنون گردشِ روزگار
دریغا که برگشت پیکارِ تو — غنوده شد آن بخت بیدار تو
نگه کن کنون آتشِ جنگِ من — کند و دل و زور و آهنگِ من
همه جائے جنگ بیرون کنید — همه نیکوی را بافزون کنید
دریغا که اے هند فرخ نژاد — فنون را چنین گفتهٔ خیر باد
چو بینم شکسته پر و بالِ تو — مرا گریه آید بر احوالِ تو
خدارا کنون راستی کوش باش — بغفلت میر عمر با هوش باش
بافعالِ خوبش چهره را غازه کن — زاهلِ خرد خرقه را تازه کن
ز تقلید خود را میارا برنگ — مکن همسری گه باهلِ فرنگ
وفا کن وفا جو وفادار باش — زنیرنگیِ چرخ هشیار باش
مکن عمر خود ضائع در مسکرات — حذر کن از تلخ گرد حیات

بکوشید اکنون بہ تحصیلِ علم | کہ در ہر قرآن بود تفضیلِ علم
بہ بندید بہر سفر توشۂ | بیاور ز ہر خرمنے خوشۂ
نشاید ترا گھہ برانگیختن | بہ چشم کرم بین بہ اہلِ وطن
غریبے توئی در سرائے سپنج | مرنجان کسے را وہم خود مرنج
ہمی گفت و تہذیب دم در کشید | فرو برد سر ہر کہ او را شنید
کنوں ہجرِ دل خستۂ دردمند | کند پاک دستِ دعا را بلند
الٰہی اودھ پنچ من شاد باد | حسود ش نگو نسار و برباد باد
معینانِ اورا بیفزا اے قدر | بکن نام شان روشن اکنون چو بدر

جامِ جہاں نما

رندوں سے کہاں چھپے گا ساقی | پرسال کی مے ابھی ہے باقی
بھر دے جامِ شراب جلدی | آمد آمد ہے سالِ نَو کی
جھٹ پٹ دینی بھی ہو تو دیدے | باقی جو کچھ ہوں دام لے لے
کچھ فکر نہ کر تو اُس کی اِس کی | کسکی رہی اور رہیگی کسکی
کیا جانئے بعد کیا ہو لے دے | گھوڑا چھوٹے کہ ہاتھی چھوٹے
خرقہ جبہ دیا ہے سب پھیک | در پر ترے آکے کُشری ٹیک
مجھکو مئے بیہوشی پلا دے | اپنے ہی گروہ میں ملا دے
ساقی سُن کر یہ مسکرایا | ہنس کر یہ سخن زباں پہ لایا
اے پیرو راقمِ اودھ پنچ | اے خادم خادمِ اودھ پنچ
کر وصف بیاں قلم کے اپنے | جوہر تو دکھا قلم کے اپنے
ہو کچھ نہ خیال خشک و تر کا | کچا چٹھا ہو سال بھر کا
لیکن شستہ ہو نظمِ اردو | یہ ہی میدان ہے اور یہی گو

تحریر میں التزام وہ کر — لغزش نہ قلم کو ہو کہیں پر
مطلب اپنا کہیں نہ چھوٹے — ہاں سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے
لکھ بات بھی ایسی ٹھیک چُن کر — پتّا نے لگیں پتے کی سُن کر
اُس وقت سے ٹھن گئی یہ جی میں — ہو شاد کا رنگ مثنوی میں
لیکر جو قلم سنبھل کے بیٹھا — مضمون کھنچ آئے دست بستا
مرغانِ چمن کا چہچہانا — سبزے کا ہوا سے لہلہانا
ہر سرو پہ قمریوں کی پرواز — پیاری حق سرّہٗ کی آواز
ٹھنڈے ٹھنڈے ہوا کے جھونکے — گلدستے چُنے ہوے گلوں کے
وہ صبح کا وقت اور وہ گلزار — آنکھوں میں سما گیا بس ایکبار
راحت جو ملی تو نیند آئی — سونے کا صبا پیام لائی
اُس نیند میں ایک خواب دیکھا — گلشن اک لاجواب دیکھا
ہر مرغ چمن چہک رہا تھا — سارا جنگل مہک رہا تھا
جو نخل تھا سرو قد کھڑا تھا — دھانی اوڑھے ہوے ڈوپٹا
سبزہ جوبن دکھا رہا تھا — رمنا دل کو لبھا رہا تھا
شبنم سے چمن میں سب بھرے تھے — لبریز گلاب کے کٹورے
پھسلن تھی روش پہ اس بلا کی — پھرتی تھی نسیم لڑکھڑاتی
شبنم کا ہر ایک قطرہ دُر تھا — مُنہ غنچوں کا موتیوں سے پُر تھا
اک ناز سے نہریں گھومتی تھیں — ہر پائے شجر کو چومتی تھیں
طائر شاخوں پہ جھولتے تھے — نظّارۂ گل سے پھولتے تھے
شاخیں گل کی جو ہل رہی تھیں — باچھیں بلبل کی کھل رہی تھیں
ق
خنداں پاکر جو چہرۂ گل — بے پر کی اُڑا رہی تھی بلبل

غنچوں کی جو مٹھیوں میں زر تھا — پھیلائے تھا ہاتھ ہر ایک پتّا

وہ پھول جو گھاس میں کھلے تھے — ق کچھ اور ہی زیب دے رہے تھے

اک لطف تھا بیشی و کمی میں — تارے چھٹکے تھے چاندنی میں

منہ دھونے کو صبح منہ اندھیرے — شبنم کے بھرے تھے آبخورے

بو پھیلی تھی عاشقی کی ایسی — ق بلبل کی عجیب کیفیت تھی

پڑتی تھی جو دھوپ گل پہ چھن کر — سایہ کرتی تھی کھول کر پر

اک حوض تھا شکلِ آئینہ صاف — منہ دیکھ لو جس میں ایسا شفّاف

وہ حوضِ لطیف گر نظر آئے — کوثر کے بھی منہ میں پانی بھر آئے

عمدہ پانی کا ذائقہ تھا — میٹھا شربت سے بھی ہوا تھا

ہموار نہ قطعۂ چمن تھا — سطح میں نشیب تھا بہت سا

اک عمدگی اونچ نیچ میں تھی — بارہ دری بیچوں بیچ میں تھی

کوٹھی تھی بنی وہ بادشاہی — دولھن کی طرح سجی سجائی

سبحان اللہ وہ عمارت — آتی تھی نظر خدا کی قدرت

اک تختِ زمرّدیں بچھا تھا — اک شیر تھا اُس پہ جلوہ فرما

ازبسکہ ہے نکتہ داں اودھ پنچ — تھا صدر نشیں وہاں اودھ پنچ

اشجار کی ڈالیوں میں پھل تھے — جھلتے طاؤس مورچھل تھے

زلفِ مشکیں اگر وہ دکھلائے — سنبل کا یہ بانکپن نکل جائے

غیرت سے گلوں کے رنگ ڈھل جائیں — نرگس دیکھے تو آنکھیں کھل جائیں

دلچسپ وہ اُس کی داستاں ہے — سوسن کو بھی یاد برزباں ہے

سیرت ایسی کہ ماشاء اللہ — صورت ایسی کہ واہ جی واہ

اتنے میں صبا خبر یہ لائی — ہشیار ہو وہ بہار آئی

سنبھلے طائر پروں کو تولے | غنچے چٹکے نقیب بولے
پینے کو بڑھے سب اہتمامی | غنچوں میں ادھر دغی سلامی
پھولوں نے جو ٹوپیاں اچھالیں | غنچوں نے بھی پگڑیاں سنبھالیں
اشجار نے ڈالیاں نکالیں | سبزہ نے بچھایا بڑھ کے قالیں
اوپر جو نگاہ کی تو دیکھا | اک تخت ہوا پہ آرہا تھا
صورت میں بعینہ ہمنڈولا | وہ تخت تھا یا اڑن کھٹولا
کل تھی نہ کوئی نہ بادباں تھا | جھونکوں سے نسیم کے رواں تھا
حیرت سی ہوئی ہر اک پہ طاری | گھوڑوں پہ ہوا کے تھی سواری
مژدہ پھر سالِ نو کا لائی | چھم چھم کرتی بہار آئی
دکھلائیں گلوں نے خوش ادائیں | کلیوں نے چٹک کے لیں بلائیں
کیا امن و اماں کا وہ محل تھا | روشن پانی میں بھی کنول تھا
گلشن کا عجیب حال دیکھا | جسکو دیکھا نہال دیکھا
اتنے میں ستم ہوا یہ برپا | پچھیاؤ کا آیا ایک جھونکا
آتے ہی لگا یا اک رڑنگا | بہنے لگی پھر تو الٹی گنگا
وہ رنگ نہ تھا نہ وہ فضا تھی | سر پر بس کھیلتی قضا تھی
ہر سمت مسان سا پڑا تھا | بھیرول گلشن میں ناچتا تھا
مرجھایا ہوا تھا ہر گلِ تر | پھٹکار برس رہی تھی منہ پر
نرگس حیرت میں چپ کھڑی تھی | ٹپ ٹپ آنسو گرا رہی تھی
اُس حوض کا تھا عجیب نقشا | بالکل سوکھا ہوا پڑا تھا
گرد اُسکے کہیں تری جو پائی | سبزے کے عیوض جمی تھی کائی
نہریں سب خشک لب پڑی تھیں | ہونٹوں پہ پپڑیاں جمی تھیں

غیرت سے گُل عرق عرق تھے ۔ فوّارے شراب کے تھے بہکے
دیدے نرگس کے گڑ گئے تھے ۔ حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے
ہُو کا عالم تھا انجمن میں ۔ جھاڑو تھی پھری ہوئی چمن میں
اُس دم تھی بہار سٹپٹائی ۔ چہرے پہ تھی مُردنی سی چھائی
چلتے چلتے کسی بہانے ۔ کچھ کان میں کہدیا صبا نے
بس برق مثال ہو گئی وہ ۔ غُصّے سے لال ہو گئی وہ
گلچیں سے کہا پکڑ کے کھینچے ۔ سوسن کی زبان سنپسیوں سے
تھا حکم یہ اب نہ دیکھو بھالو ۔ آنکھیں نرگس کی پھوڑ ڈالو
لائے قمری ہزار اب راگ ۔ آزادیِ سرو کو لگے آگ
اب اس کی سنو نہ کوئی تقریر ۔ ڈالو گردن میں طوق و زنجیر
بازوئے بلبل کے توڑ ڈالو ۔ گردن اُس کی مروڑ ڈالو
بنوٹ کی یہ سب فروتنی ہے ۔ مارو گردن یہ کشتنی ہے
بے سود ہے اس میں چارہ سازی ۔ اچھی نہ تھی یہ زباں درازی
اس کی قسمت میں جو بدا تھا ۔ دیدوں گھٹنوں کے آگے آیا
بے فائدہ اب ہے رنج و حرماں ۔ خود کردۂ خویش را چہ درماں
گلشن کی تو یوں ہوئی تباہی ۔ انساں پہ بلائے قحط آئی
مدراس پہ پہلے آئی آفت ۔ برباد ہوئی تمام خلقت
سرکار ہماری آڑے آئی ۔ فاقہ مستوں کی جاں بچائی
پانی نہ برسنا تھا نہ برسا ۔ ترسا ہر ایک گبر و ترسا
گذرا حد سے جو قحط کا جبر ۔ آہوں کا دھواں اُٹھا بنا ابر
نازل ہوئی رحمتِ الٰہی ۔ مُنہ مانگی مراد سب نے پائی

سرسوں پھولی ہر اک نظر میں — ٹھنڈک سی پڑی دل و جگر میں
اک مرتبہ باد تند آئی — مغرب سے نیا شگوفہ لائی
کی سرکشی اہل سرویا نے — بلوا کیا مل کے اشقیا نے
ٹرکی جب سرزنش کو جھپٹے — روسی اُن کی مدد کو لپکے
ڈینیوب اُتر جو آئے روسی — ترکوں کی ہوئی تمام ترکی
جھنڈا جب پلونا پہ گاڑا — آپس میں بدا گیا اکھاڑا
دونوں میداں میں دھم سے کودے — خم خوب تڑپ تڑپ کے ٹھونکے
روس آیا جو پینترا بدلتا — دستی کھینچی تو پیٹھ پر تھا
لنگر کو زمین سے اکھیڑا — ٹنگڑی پہ چڑھا دیا اڑنگا
دھوبی پاٹے کا داؤں کرکے — دے پٹکا زمیں پہ اُس کو بھد سے
تھا روم کرا بنا غضب کا — اک پیچ چلا نرالے ڈھب کا
ہر سمت ہوا یہ شور برپا — بغلی ڈوبا وہ روم نکلا
سنبھلا نہ تھا روم ابھی نکل کر — پھر روس نے لے لیا پٹوں پر
کھائی اک ڈھیکلی سمٹ کر — پٹ آیا زمین پر اُلٹ کر
بے قابو حریف کو جو پایا — پھر روم کو روس چھاپ بیٹھا
آناً فاناً میں پھر یہ دیکھا — نیچے سے روم پیٹھ پر تھا
رگڑے پہلے بہت بتائے — ڈنڈے گھونسے بہت چکھائے
لیکن جو تھا روم سست و مجہول — دو ہی پکڑوں میں دم گیا پھول
نیچے گو روس چپ پڑا تھا — ق — لیکن یہ کٹا پٹا ہوا تھا
سب کچھ کیا دم نہ اُس کا ٹوٹا — آخر بہ تنجی بنا کے چھوٹا
چھٹتے ہی کسا جو اُس نے حلقوم — پایا انعام قرص وھاطوم
پشتک پہ اُڑا یا دیکے کاندھی — ہفتے گانٹھے سواری باندھی
اندری کو چڑھا کے دی جو تھپکی — بس ختم ہوئی تمام کشتی

شہرہ ہوا ہر طرف وہ مارا | وہ روس نے روم کو پچھاڑا
شیرینیِ فتح کی جو تقسیم | دوڑے شاہان ہفت اقلیم
کچھ ہو ہمیں سیر بس ملا سب | حلوا مانڈے سے ہم کو مطلب
لکھنا ہے امیر کو جو نامہ | زوروں پہ ہے بس کمیتِ خامہ
بدلے ہوئے اُس کے ہیں یہ تیور | رکھتا ہی نہیں قدم زمیں پر
کُتّوں زاغوں کی عفت نہ غاں ہے | قابل سُننے کے داستاں ہے
ق
کابل میں سفیرِ روس آیا | نقشہ کچھ اُس نے وہ جمایا
خرمستیاں سوجھیں کابل کو | نزلہ ہوا طرفہ مینڈکی کو
سرکار نے بھیجی جب سفارت | روکا اُس کو خدا کی قدرت
شیروں کا یہ روکنا غضب تھا | ہتّھے پہ یہ ٹوکنا غضب تھا
آئی تھی افاغنا کی شامت | لکھی قسمت میں تھی ندامت
پہلے تھا بلوں پہ میر آخور | لشکر جو بڑھا تو گھٹ گیا زور
کیا جنگ میں فوج کام کرتی | آخر آخور کی تھی بھرتی
واں فوج افاغنا تھی گم صم | نقارے کی یاں صدا تھی ڈھم ڈھم
ایک ہی ہلّہ میں لے لیا کُل | ڈھاکہ قرم پیوار کوتل
اللہ رے دلاوروں کے جگرے | آگے یہ بڑھے ہٹے وہ پیچھے
بولی یہ سپاہ بادلِ شاد | لو فتح ہوا جلال آباد
توپیں دغنے لگیں دنا دن | وزروں کو بنایا رشکِ گلخن
نصرت کی سلامیاں ہوئیں سر | نعروں سے بپا تھا شورِ محشر
سب نے مل کر جو غل مچایا | سوتے سوتے مجھے جگایا

افسانہ یہ ہجر خواب کا تھا
آنکھیں کھلتے ہی کچھ نہ دیکھا

فغانِ کشمیر

کرتا ہے کشمیر بین راجہ مرا لُٹ گیا کھو گیا آرام و چین راجہ مرا لُٹ گیا

ہائے پیارا میرا راج دُلارا مرا آنکھوں کا تارا مرا راجہ مرا لُٹ گیا

ہائے دلاور میرا صاحب لشکر مرا سرور و صفدر مرا راجہ مرا لُٹ گیا

عدل کا بانی میرا راحتِ جانی مرا یوسفِ ثانی مرا راجہ مرا لُٹ گیا

خلق کا تھا نورِ عین مُلک کا تھا زیب و زین دل کو ہو کس طرح چین راجہ مرا لُٹ گیا

بیٹھے بٹھائے مرا عیش منغص ہُوا ہائے یہ کیا ہو گیا راجہ مرا لُٹ گیا

سر پہ بلا آ گئی غم کی گھٹا چھا گئی کسکی نظر کھا گئی راجہ مرا لُٹ گیا

راج ہوا پائمال دل ہو گیو تکڑ نڈھال زندگی اب ہے وبال راجہ مرا لُٹ گیا

تھے جو امیر و وزیر راج کے سچے مشیر ہو گئے بالکل حقیر راجہ مرا لُٹ گیا

چھن گیا مال و منال لُٹ گیا جاہ و جلال ہے مرا جینا محال راجہ مرا لُٹ گیا

ہائے بھرا گھر مٹا سب ہوئے بے دست و پا کوئی نہ افسر رہا راجہ مرا لُٹ گیا

ہائے یہ جور و ستم مٹ گیا جاہ و حشم کیوں نہ ہو دل کو الم راجہ مرا لُٹ گیا

ہائے غضب ہو گیا عیش مرا کھو گیا بخت مرا سو گیا راجہ مرا لُٹ گیا

رنج گوارا نہیں ضبط کا یارا نہیں کوئی سہارا نہیں راجہ مرا لُٹ گیا

بھائی تھا ڈاکو ہوا جان کا لاگو ہوا ہائے ہلاکو ہوا راجہ مرا لُٹ گیا

غیر کے پالے پڑے جان کے لالے پڑے سینہ میں چھالے پڑے راجہ مرا لُٹ گیا

چاہتے ہیں اہلِ کیں غیر ہو مسند نشیں میرا ٹھکانا نہیں راجہ مرا لُٹ گیا

غیر کی ہو بندگی اسکی ہے بس شرمندگی حیف میری زندگی راجہ مرا لُٹ گیا

بھائی کو کاوش ہوئی راج کی خواہش ہوئی جان کو کاہش ہوئی راجہ مرا لُٹ گیا

اب نہ وہ دربار ہے اب نہ وہ سرکار ہے مُلک پہ ادبار ہے راجہ مرا لُٹ گیا

اب نہ وہ شوکت رہی اب نہ وہ صولت رہی
اب نہ وہ دولت رہی راجہ مرا لُٹ گیا

اب وہ فراست کہاں اب وہ سیاست کہاں
اب وہ ریاست کہاں راجہ مرا لُٹ گیا

مُلک کا غمخوار تھا دیں کا مددگار تھا
دھرم کا اوتار تھا راجہ مرا لُٹ گیا

اپنا پرایا ہُوا گھر کا صفایا ہُوا
کیا یہ خدایا ہوا راجہ مرا لُٹ گیا

ہائے ستم ہو گیا عیش قسم ہو گیا
ناک میں دم ہو گیا راجہ مرا لُٹ گیا

جتنے ہیں اہلِ وطن سب کو ہے رنج و محن
کہتے ہیں یہ مرد و زن راجہ مرا لُٹ گیا

رنج میں کبتک سہوں چپ میں کہانتک رہوں
ہجر میں کس سے کہوں راجہ مرا لُٹ گیا

مہاراجہ کشمیر کا نوحۂ دیگر

قسمت نے کی بُرائی فریاد رس الٰہی
جاں ہے لبوں پہ آئی فریاد رس الٰہی

کشمیر کی زمیں پر میرے دلِ حزیں پر
غم کی گھٹا ہے چھائی فریاد رس الٰہی

یاروں نے مُنہ کو موڑا اپنوں نے ساتھ چھوڑا
کی سب نے بیوفائی فریاد رس الٰہی

غیروں سے کیا شکایت بگڑی خود اپنی قسمت
دشمن ہوا ہے بھائی فریاد رس الٰہی

مجکو سبھی نے سمجھے بنا یا خاکہ مرا اُڑایا
پرچوں میں بم مچائی فریاد رس الٰہی

مصنوعی خط بنائے سو اُشغلے اُٹھائے
جھوٹی خبر اُڑائی فریاد رس الٰہی

صد حیف حاسدوں نے صد حیف فلسدوں نے
اک آگ ہے لگائی فریاد رس الٰہی

*رزیڈنٹ نے مجکو کھویا قسمت نے مجھکو کھویا
عظمت مری گھٹائی فریاد رس الٰہی

فقرے عجب اُڑائے منڈھے عجب لڑائے
حکمت کی تہ جمائی فریاد رس الٰہی

بیجا سبھی ڈبو یا کیا جانے کیا لکھا تھا
بات اک نئی بنائی فریاد رس الٰہی

خود تاج میں نے چھوڑا خود راج میں نے چھوڑا
کیا پر کٹی اڑائی فریاد رس الٰہی

---

* رزیڈنٹ کشمیر۔

جاہل مجھے بنایا غافل مجھے بنایا　　عزت مری مٹائی فریادرس الٰہی
ہے ہے بناکے بوکھل مجھکو کیا معطّل　　کونسل نئی رچائی فریادرس الٰہی
مجہول کر دیا ہے معزول کر دیا ہے　　کیا میں نے کی بُرائی فریادرس الٰہی
خود میری آشتی نے خود میری راستی نے　　آفت یہ مجھ پہ ڈھائی فریادرس الٰہی
ملزم مجھے بنایا مجرم مجھے بنایا　　یہ دل میں کیا سمائی فریادرس الٰہی
جو تھے وزیر میرے جو تھے مشیر میرے　　سب کو دغا بتائی فریادرس الٰہی
میں ہو رہا ہوں بیکس میں ہو رہا ہوں بےبس　　آفت ہے سر پہ آئی فریادرس الٰہی
تُنجے بنیں ہنر مند مجھکو کریں نظربند　　ہے شانِ کبریائی فریادرس الٰہی
مہاراجہ اور گزارا کیونکر یہ ہو گوارا　　مَیں اور ٹھکر گدائی فریادرس الٰہی
کی تھی جو جانثاری کی تھی جو جاں نثاری　　اس کی سزا ہے پائی فریادرس الٰہی
ہے ہے وہ میری عظمت ہے ہے وہ میری شوکت　　سب خاک میں ملائی فریادرس الٰہی
حالت مری ہے ابتر جینے سے موت بہتر　　غم سے ملے رہائی فریادرس الٰہی
معذور و مستمندم مجبور و دردمندم　　مشکلکشا کُجائی فریادرس الٰہی
اب یہ ہی جستجو ہے اب یہ ہی آرزو ہے　　شملہ پہ ہو رسائی فریادرس الٰہی

گر ہجر راج چھینا ہے حیف میرا جینا
قیصر کی ہے دُہائی فریادرس الٰہی

مثنوی

ستارا ہر ایک جھلملانے لگا　　چراغِ سحر ٹمٹمانے لگا
نسیمِ سحر گُدگُدانے لگی　　ہر اک غنچہ لب کو ہنسانے لگی
چڑھا مے پرستوں کے سر پر خمار　　طبیعت کو ہونے لگا انتشار
بھری بھنگ کی خالی ٹھلیا ہوئی　　مے آشام کی ختم تلیا ہوئی

پھر آنے لگیں مجھکو جمہائیاں
بدن توڑتی پھر ہیں انگڑائیاں
پھر آنکھیں مری ڈبڈبانے لگیں
پھر اب ہچکیاں مجھکو آنے لگیں
ستم ہے فرنٹ اک زمانہ ہوا
دگر گوں ہر اک کارخانہ ہوا
نہ تاڑی نے صد حیف تاڑا مجھے
نہ بنت العنب نے ہی تاکا مجھے
کسی نے بھی مطلق خبر تک نہ کی
نہ چلو ہی بھر نے کہیں سے ملی
سحر منہ اندھیرے حریرہ پلا
فرنگی محل کا خمیرہ پلا
مزا توگزک کا ادھوڑا نہ چھوڑ
ذرا سیخ پر لا کے لیموں نچوڑ
صراحی میں لاکر تو بھر دے شیری
مزہ ہو کہ شیشے میں اترے پری
پلا پھول جس سے مہکتا چلے
قلم ہر قدم پر بہکتا چلے
عیادت کو آنا اک انداز سے
اشارہ ہو پھر عشوۂ وناز سے
کسی کے ہیں مدفن پہ آئے ہوئے
ذرا پائینچوں کو اُٹھائے ہوئے
تجھے ساقیا ہائے کیا ہوگیا
کہ یوں ہجر سے تو خفا ہوگیا
قسم تجھکو بادِ بہاری کی ہے
قسم تجھکو بلبل کی زاری کی ہے
قسم ہے تجھے اپنی بیداد کی
قسم ہے تجھے میری فریاد کی
غریبوں ہی کی بے بسی کی قسم
تجھے میری ہی بے کسی کی قسم
تجھے اپنی شرم وحیا کی قسم
تجھے عاشقوں کی بلا کی قسم
قسم تجھکو غفلت شعاری کی ہے
قسم میری ہی بیقراری کی ہے
تجھے اپنی ہی آن کا واسطہ
تجھے ہجر کی جان کا واسطہ
مئے ارغوانی پلادے مجھے
پھر اس لالہ رخ سے ملادے مجھے
مجھے اس پری وش کا چہرہ دکھا
نئے رنگ کا اک دسہرہ دکھا
خدایا کہیں بت مرا رام ہو
دلِ زار کو جس سے آرام ہو

جدائی میں کب تک میں جیتا رہوں
کہاں تک میں زخموں کو سیتا رہوں

جدھر دیکھئے حسرت و یاس ہے
تماشا ہے بستی میں بن باس ہے

کہیں روزِ ہجراں کی اب شام ہو
فقط ہم ہوں اور وہ دلآرام ہو

کہیں دردِ دل کی دوا اب ملے
ملے رنج و غم سے رہائی مجھے

ہوا جیسے جھٹ پٹ ہجرت کا ملاپ
گلے مجھ سے لپٹے وہ خود آکے آپ

لسان الغیب کشمیر

سنبھل قومی اعزاز کے کھونے والے
زمانہ میں تخمِ حسد بونے والے

جہالت کے چشمہ سے مُنہ دھونے والے
خبردار او بیخبر سونے والے

گھٹا کی طرح چھا رہی ہے تباہی
تری قوم پر آرہی ہے تباہی

ترے ساتھ کیا قوم نے کی بُرائی
جو گمنام فہرست ہر جا گھمائی

یہ کیا تفرقہ ڈالنے کی سمائی
چھٹے باپ سے بیٹے بھائی سے بھائی

بھلا مقتضائے ریاست یہی ہے
شرافت یہی ہے نجابت یہی ہے

تری قوم کو اس عداوت نے کھویا
جہالت نے کھویا حماقت نے کھویا

بنا گھر ترا تیری عادت نے کھویا
تجھے فخرِ بیجا کی شامت نے کھویا

وہ حالت ہے جس کا سُدھرنا ہے مشکل
تو اب سے اب اُبھرنا ہے مشکل

یہ سودا سمایا ہے کیا تیرے سر میں
جو شاخیں نکالی ہیں جھوٹی خبر میں

ہے ہم پیچ بھی جیت ہر ایک گھر میں
لڑائی ٹھنی ہے پدر اور پسر میں

جو چندے رہی یونہی بے اعتدالی
تو پھر قوم کا بس ہے اللہ والی

یہ ذاتی تشخص یہ نخوت کہاں تک   یہ پندار یہ عُجب بِثروت کہاں تک
یگانوں سے اپنے یہ نفرت کہاں تک   یہ مینڈھے لڑانے کی عادت کہاں تک

ذرا کھول کر کان سُن اس سخن کو
ہے در پیش چہ آخرش چاہ کن کو

یہ انصاف سے تو نے کیوں مُنہ کو موڑا   یہ اغوا کا کیوں تو نے طوفان جوڑا
خورد نوش کیوں اپنے بھائی کا چھوڑا   یہ کیوں سلسلہ حبِّ اخوت کا توڑا

یہ نفسانیت کیا سمائی ہے سر میں
یہ اخراج جائز ہے کس شاستر میں

بھلا پنڈتوں سے یہ وِستھا بھی لی تھی   جرائم کی مجرم سے تحقیق کی تھی
کمیٹی میں پُستک بھی کوئی کُھلی تھی   کچھ انصاف بھی واں تھا یا دل لگی تھی

یہی طور پنچایتوں کا اگر ہے
سزاوار اخراج ہر اک بشر ہے

جہاں مل گئے چار ہم قوم بھائی   شکایت کسی نے کسی کی سُنائی
تو پھر کس کا اظہار کس کی صفائی   وہیں فرد اخراج دستخط کرائی

ہوئی گشت شہروں میں اور سب نے جانا
کہ خارج ہوا قوم سے ہے فلانا

یہ اخراج کا گر رہا تازیانہ   کہاں رہی گر یہی ہے فسانہ
تو آتا ہے نزدیک وہ بھی زمانہ   کہ اُٹھیگا کُل قوم کا آب ودانہ

مزا ہے یونہیں نت نیا تفرقہ ہو
یونہیں قوم میں تعمیہ تخرجہ ہو

مرے قوم کے پیارے کشمیری بھائی   یہ ہٹ دھرمی کیوں اتنی دل میں سمائی
گھٹا خوف کی کیوں ہے آنکھوں پہ چھائی   سمجھ بوجھ کر کیوں ہے بے اعتنائی

ذرہ دل میں سوچو تو للہ صاحب
ہے ظاہر نہیں کچھ دل میں کچھ واہ صاحب

بمجبوری دستخط کا کرنا غضب ہے — بزرگوں پہ الزام دھرنا غضب ہے
اس اخراج سے اب توڑنا غضب ہے — خجالت کے آگے نکرنا غضب ہے

وہی ہو گا قسمت میں جو کچھ بدا ہے
رضائے خدا راستی میں سدا ہے

یہ غالب ہوئی دنیوی تم پہ عبرت — کہ دنیا کو عقبیٰ پہ دی تم نے سبقت
بڑھی ایسی تخفیف بیجا کی عزت — گھٹائی نگاہوں سے ایماں کی وقعت

نہ ہے اور نہ ہوگا یہ مسلک تمھارا
مبارک تمھیں دہریہ پن تمھارا

کھلے بندوں ہوٹل میں جانا روا ہے — گلاسوں کا منہ میں لگانا روا ہے
برانڈی کی بوتل لنڈھانا روا ہے — مٹن چاپ و کٹلٹ کا کھانا روا ہے

پیو برف بے کھٹکے اسٹیشنوں پر
اُڑاؤ لیمونیڈ و سوڈا و جنجر

کرو سر کو چھپ چھپ کے گر خم تو جائز — عبادت کرو اُلٹی دائم تو جائز
جو گھر ڈال لو کوئی خانم تو جائز — شکر شیر ہو جاؤ باہم تو جائز

وہی کرتے ہیں جنکے کچھ حوصلے ہیں
جو سچ پوچھو دولت کے سب چوچلے ہیں

طوائف سے ہو گرم جوشی تو واجب — بہم مل کے ہو بادہ نوشی تو واجب
امیروں کی ہو خیر کوشی تو واجب — جو دانستہ ہو چشم پوشی تو واجب

مدک، چانڈو، افیون ہے تم کو جائز
دوائے ہر ایک چیز ہے تم کو جائز

ان افعال پر نکتہ چینی خطا ہے رئیسوں کو ہر فعل کرنا روا ہے
نہ معلوم کیا کیا دلوں میں بھرا ہے اس اخراج کا اور ہی مدعا ہے
کلب اور اغوا کا ہے اک بہانا
غرض قوم پر ہے دباغت جتانا

ارے جوشِ قومی کہاں ہے کدھر ہے یہ کیا ہو رہا دیکھ شام و سحر ہے
کبھی تیری انصاف پر بھی نظر ہے تری قوم کی دیکھ حالت تبر ہے
جو مفلوک ہیں یا کہ ہیں صاحبِ زر
نگاہوں میں تیری تو ہیں سب برابر

جو مارل کرج کا تجھے ہے سہارا دباغت یہ کب تجھکو ہوگی گوارا
اگر تو بھی اس وقت ہے سب کو ہارا جنیں خوف بیجا مبارک شمارا
یقیں یہ نہیں تیری ہمت جو کم ہو
یہ ممکن نہیں تو نہ ثابت قدم ہو

کسی نے بھی اخراج ایسا سنا ہے کبھی ایسا کشمیریوں میں ہوا ہے
سمجھنے کے قابل یہ کل ماجرا ہے یہ ذاتی عداوت نہیں ہے تو کیا ہے
بجھاتے ہیں ثالث لگی اپنے جی کی
صدا بھی نہیں سنتے ہیں مدعی کی

یہی سب میں چرچا یہی گفتگو ہے کہ یہ قوم بھی حیف کیا جنگجو ہے
کٹے مرتے آپس میں ہیں ایسی خو ہے بھلا کیوں نہ ہو آخرش لکھنؤ ہے
ولایت کا جو نام تک لے وہ خارج
جو جانے کی ترغیب تک دے وہ خارج
نہ دستخط کرے بند پر وہ بھی خارج مخالف اگر ہے پسر وہ بھی خارج

موافق نہیں گر پدر وہ بھی خارج کرے جو اگر یا مگر وہ بھی خارج
یہ اخراج کا مادّہ پک رہا ہے
ہر اک برطرف برطرف بک رہا ہے

بڑھی اس قدر، ہجرؔ نا اتفاقی گئی چھوٹ آپس کی سب خوش مذاقی
محبّت کی بُو تک رہی اب نہ باقی نہیں ہوتے بھائی سے بھائی ملاقی
پھنسی قوم ہے ظلمتِ ما و من میں
ترقی کا چاند آگیا ہے گہن میں

جگ رِشپیر جی

یہ کیوں آج اٹھکھیلیوں پر صبا ہے یہ کیوں ہر شجر وجد میں جھومتا ہے
کھلا آج کیوں گُل کا بندِ قبا ہے یہ خورش آج کیوں بلبلِ خوشنوا ہے
چمن آج کیوں رشکِ باغ جناں ہے
بھلا کس کی آمد کا جلسہ یہاں ہے

گھٹا کیوں یہ اُمڈی ہوئی آرہی ہے یہ ٹھنڈی ہوا ساتھ کیوں لا رہی ہے
خوشی کیوں یہ چاروں طرف چھا رہی ہے طبیعت یہ کیوں آج لہرا رہی ہے
یہ کیوں ہر گھڑی برق ہے مسکراتی
اشاروں میں آنکھوں سے کیا ہے بتاتی

چمن میں یہ کیوں آج گلکاریاں ہیں یہ کیوں انجمن میں طرحداریاں ہیں
یہ بازار میں کیوں خریداریاں ہیں یہ کیوں آج دعوت کی تیاریاں ہیں
یہ احباب کا آج کیوں جمگھٹا ہے
مگر ہو نہ ہو جگ یہ رِشپیر کا ہے

اسی جگ نے دعوت کا مژدہ سُنایا اسی جگ نے ہے جوشِ قومی دکھایا

اسی جگ نے چھوٹے بڑوں کو بُلایا　　اسی جگ نے سب بھائیوں کو ملایا

اسی جگ نے بنیاد ڈالی خوشی کی

کھولی کے سب بجے ہورش پیرجی کی

بزرگوں کو ہو گرمجوشی مبارک　　سبھوں کو ہو جشنِ رشی جی مبارک

جوانوں کو ہو پائمردی مبارک　　ہراک کو ہو یہ حُبِّ قومی مبارک

کنوں خیر باد لیست رنج و تعب را

مبارک ہمہ ممبرانِ کلب را

یہ کیا قوم پر جگ کا تھوڑا اثر ہے　　ہوا جمع آ آکے ہر ذی ہنر ہے

عیاں فرحت و خورّمی سربسر ہے　　فقط حُبِّ قومی پہ سب کی نظر ہے

مبارک ہو تقریب جو دن یہ لائی

خوشی سے ملے آج بھائی سے بھائی

نوا سنج ہر بُلبل نغمہ خواں ہے　　سبق حبِّ قومی کا نوکِ زباں ہے

ہر اک گُل مسرت سے خندہ زباں ہے　　یہاں آج کشمیر کا سا سماں ہے

ہوا سے نہیں یہ شجر ہل رہے ہیں

خوشی سے یہ باہم گلے مل رہے ہیں

لبوں پر یہ کیوں نام کشمیر آیا　　یہ کس نے ستم دفعتہً مجھ پہ ڈھایا

زباں تو ہی کہہ کیا بھلا تو نے پایا　　جو ایسی خوشی میں مجھے خوں رلایا

یہ کیوں بے محل یاد آئی وطن کی

چھڑی داستاں کیوں یہ رنج و محن کی

مرا کر کرا ہو گیا حیف سارا　　جگر ہو رہا ہے مرا پارہ پارا

نہیں ضبط کا مجھکو اس وقت یارا　　کروں کیا یہ دل ہے نہیں سنگ خارا

جو ایک جا ہوئے آج ہیں سب برادر
سُناتا ہوں کچھ حال ہمدرد پاکر

وہ کشمیر جنّت کا تھا جو کہ ثانی   کیا کرتے تھے جسکی سب مدح خوانی
بلا اُس پہ نازل ہوئی ناگہانی   ہوئی جان لوگوں کو دو بھر بچانی

عجب رقّت آمیز یہ واقعہ ہے
عجب درد آمیز یہ سانحہ ہے

وطن پر ہے ایک آج کل آفت آئی   عجب آئے ہی جس سے ہل چل مچائی
زمیں سر پہ ہے زلزلوں نے اُٹھائی   ہوئے صیدِ غم سارے کشمیری بھائی

غضب میں گرفتار چھوٹے بڑے ہیں
مصیبت میں بھائی تمھارے پڑے ہیں

مکانات یکلخت سب ڈھ رہے ہیں   مکیں سینکڑوں آفتیں سہ رہے ہیں
جگر شق ہے اشک آنکھوں سے بہ رہے ہیں   مصیبت میں رو رو کے یہ کہہ رہے ہیں

مدد المدد حبِ قومی کجائی
بوا ماندگاں دستگیری نمائی

چھتیں گر رہی ہیں کہیں پر دھادھم   تلف ہو رہی ہیں کہیں جانِ آدم
پڑا ہے کوئی زیرِ دیوار بے دَم   بپا ہے وطن میں ترے سخت ماتم

کیا ایسی حالت میں سب نے کنارا
فقط بیکسی کا رہا ہے سہارا

کہیں خاک بر سر پسر بے پدر ہے   پدر کو کہیں حیف داغِ پسر ہے
کوئی جاں بلب کوئی خستہ جگر ہے   یتیمی پہ اپنی کوئی نوحہ گر ہے

جدھر دیکھئے ایک محشر بپا ہے
وطن آجکل کیا ہے ماتم سرا ہے

کہاں زر و پیہ پاس جو گھر بنائیں　　کہاں بیٹھ کر جیف کھائیں پکائیں
مصیبت سے بچوں کو کیونکر بچائیں　　وطن چھوڑ کر ہائے کس سمت جائیں

وہ اس وقت حالت بتر ہو رہی ہے
کہ خود بیکسی دیکھ کر رو رہی ہے

لگائے ہوئے ٹھٹ مصیبت کھڑی ہے　　نکلنا ہے دشوار مشکل پڑی ہے
مسافت خطرناک منزل کڑی ہے　　تلاطم میں کشتی ہماری پڑی ہے

یہی وقت امداد ہے بھائی آنا
بھری ناؤ ڈوبی بچانا بچانا

تباہی تری قوم پر آ رہی ہے　　تنزل کی تمثیل دکھلا رہی ہے
شگوفہ نیا روز اک لا رہی ہے　　گھٹا کی طرح سر پہ منڈلا رہی ہے

رہیگی نہ یہ عظمتِ قوم باقی
رہی یونہی گر اس میں نا اتفاقی

یہ مانا وطن سے ہے منہ تم نے موڑا　　ہے سب سلسلہ آمد و شد کا توڑا
یہ مانا کہ سب واسطہ تم نے چھوڑا　　کہیں اور رشتہ محبت کا جوڑا

مگر جوشِ خوں کو بھلا کیا کروگے
کہاں تک خموشی کو جائز رکھوگے

وطن سے ہو نفرت یہ ممکن نہیں ہے　　نہ ہو اس کی چاہت یہ ممکن نہیں ہے
نہ چاہے طبیعت یہ ممکن نہیں ہے　　رہے دل سے الفت یہ ممکن نہیں ہے

تعلق وہی قوم کو ہے وطن سے
کہ جو روح کو ہو تعلق بدن سے

مدد جوشِ قومی کہ وقت مدد ہے　　بپا دیکھ ہنگامہ جزر و مد ہے

تجھے دستگیری میں کیا رد و کد ہے — تری قوم پر وقتِ بد وقت بد ہے
ہے لازم نہیں سرد مہری جتانا
تجھے فرض ہے ڈوبتوں کو بچانا

مصیبت کا گرداب ہے ایسا حائل — پڑا ہے کوئی نیم جاں کوئی گھائل
مدد کے ہیں گو غائبانہ وہ سائل — نہیں ہوتی پر قوم اُس سمت مائل
وطن میں ہر اک صیدِ رنج و محن ہے
یہاں فکرِ اسبابِ عیش و طرب ہے

یہ مانا زمانہ کی بگڑی ہوا ہے — ہر اک اپنی حالت میں خود مبتلا ہے
مگر ہجر کی صرف یہ التجا ہے — مصیبت زدوں پر ترحم روا ہے
ہر اک شہر میں جمع سب ہوں برادر
کریں ان کی امداد کی فکر مل کر

رشوت

مسدس

اے موئے قلم صورتِ معنی کو دکھا دے — اے حسنِ بتاں یوسفِ ثانی کو دکھا دے
اے طبعِ رسا اپنی روانی کو دکھا دے — اے لطفِ سخن سحر بیانی کو دکھا دے
ہاں ہجر پھڑک اُٹھیں یہ اعجاز بیاں ہو
اعجازِ مسیحا دمِ تقریر عیاں ہو

بہبودیِ مخلوق میں ہاں تیز قلم کر — بیچارے غریبوں پہ توجہ کوئی دم کر
تخریب میں رشوت کے مضامین رقم کر — بگڑیں جو عدو سورۂ اخلاص کو دم کر
سائل کی مصیبت کی تو تصویر دکھائے
آہِ دلِ مظلوم کی تاثیر دکھا دے

ایماں کا گلا کاٹے وہ شمشیر ہے رشوت   چھیدے جو جگر عدل کا وہ تیر ہے رشوت
محتاج ہو زردار وہ اکسیر ہے رشوت   ظالم بھی ہو قابو میں وہ تسخیر ہے رشوت
رشوت ہی وہ ڈائن ہے کہ جنتر نہیں جسکا
رشوت ہی وہ ناگن ہے کہ منتر نہیں جسکا

رشوت ہی نے ہم ہندیوں کا نام ڈبویا   رشوت ہی نے تحقیر کا یہ تخم ہے بویا
رشوت ہی سے اعجاز ہمارا گیا کھویا   رشوت ہی سے حکام ہمارے ہوئے جویا
بے آبرو رشوت سے ہوئے سب کی نظر میں
رشوت ہی سے ایمان کی کشتی ہے بھنور میں

راشی غضب قہر خدا سے نہیں ڈرتے   افسوس عدالت کی سزا سے نہیں ڈرتے
اللہ رے ستم جور و جفا سے نہیں ڈرتے   صد حیف غریبوں کی بکا سے نہیں ڈرتے
یہ لوگ جدھر دولت دنیا ہے اُدھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں بندۂ زر ہیں

بے زر کے دئے کام ہے مشکل سے نکلتا   قسمت میں جو لکھا ہے وہ ٹالے نہیں ٹلتا
اس دینے سے گو دل ہے ہر ایک شخص کا جلتا   پابندیِ قانون سے کچھ بس نہیں چلتا
رشوت کا جو لے نام وہ فوراً ہی دھرا جائے
ثابت نہ ہو گر جرم تو پھر خود ہی سزا پائے

حالت پہ غریبوں کے چلا آتا ہے رونا   آرام سے گھر جنکو میسّر نہیں سونا
رشوت کے لئے پیچھے پھرتے ہیں بچھونا   برباد اسی طور رہا ہے اُنھیں ہونا
تقدیر سے ناچار ہیں کچھ کہہ نہیں سکتے
بیچارے بلا زر کے دئے رہ نہیں سکتے

سائل تنِ تنہا ہے ستمگار ہزاروں ۔۔۔ دراصل انار ایک ہے بیمار ہزاروں
اک جان کی خاطر ہیں طلبگار ہزاروں ۔۔۔ اک دل ہے فقط اور دل آزار ہزاروں
پھر کس سے اس اندھیر کی فریاد کرے وہ
کیونکر نہ بھلا رُوپیہ برباد کرے وہ

چپڑاسی بھی بے نذر ٹھہرنے نہیں دیتے ۔۔۔ اسوار کو گھوڑے سے اُترنے نہیں دیتے
پیدل کو کہیں پانوں بھی دھرنے نہیں دیتے ۔۔۔ حاکم سے ملاقات بھی کرنے نہیں دیتے
ملتی نہیں مہلت کوئی دم ان کے ستم سے
ڈاکو کی طرح لوٹتے ہیں رُوپیہ ہم سے

ایک مرتبہ ان لوگوں کو روکھی جو سناؤ ۔۔۔ اور بار دگر اپنی جو صورت کو دکھاؤ
پھر کیا تھا ڈپٹتے ہیں کہ بستر کو اُٹھاؤ ۔۔۔ فرصت نہیں صاحب کو ذرا بھی چلے جاؤ
انعام کی لالچ میں بہانے ہیں بناتے
حکام کے اخلاق میں دھبہ ہیں لگاتے

اے راشیو یکساں نہیں رہتا ہے سدا حال ۔۔۔ دنیا میں ہے ادبار کبھی اور کبھی اقبال
نکلے نہ کبھی ناک کے رستے یہ زر و مال ۔۔۔ یہ طرزِ معیشت نہ بنے جان کا جنجال
زنجیرِ طلا پاؤں کی زنجیر نہ ہو جائے
ہنسلی یہ کہیں طوقِ گلوگیر نہ ہو جائے

اے ہموطنو ہے یہ دمِ شکر گذاری ۔۔۔ مل جائے گا پھل تم کو ریاضت کا تمھاری
ہاں ہجرؔ دعا مانگ کہ یا حضرتِ باری ۔۔۔ محفوظ و سلامت رہے سرکار ہماری
مُنہ مانگی مرادیں جو ہماری ہیں وہ ملجائیں
حاصل ہو خوشی باچھیں ہر اک شخص کی کھلجائیں

کچّا چٹّھا

عداوت کے شعلہ کو بھڑکانے والو — جہالت کی زنجیر کھڑکانے والو
دلوں کو ضعیفوں کے دھڑکانے والو — نیا روز اک جوڑ پھڑکانے والو
یہ کیا نت نئی شعبدہ بازیاں ہیں
یہ کیا قوم میں رخنہ اندازیاں ہیں

عداوت کا یہ بیج کیوں تم نے بویا — یہ کیوں تم ہوئے اپنی خواری کے جویا
یہ کیوں تم نے اعزازِ ذاتی کو کھویا — یہ کیوں قوم کا نام تم نے ڈبویا
ہوئی سب کو معلوم عادت تمھاری
ملی خاک میں سب شرافت تمھاری

تمھیں نشۂ مال و دولت نے کھویا — ریاست نے کھویا وکالت نے کھویا
تمھیں عُجب و پندار و نخوت نے کھویا — تمھیں قوم کی چودھراہٹ نے کھویا
بھلا قوم میں پھوٹ کیوں تم نے ڈالی
کہاں کی یہ مرجاد تم نے نکالی

بیوہ ستفا ہراک جا سے پہلے منگالی — گروجی کے ہاتھوں پراچھت کرالی
شہادت سے جب ہو چکی کُل صفائی — کوئی بات لا مذہبی کی نہ پائی
بشن جی کو تب بھائیوں نے ملایا
خوشی سے اُنھیں ساتھ اپنے کھلایا

تمھیں پہلے ہی سے تھی بد اعتقادی — تمھاری طبیعت تھی جھگڑے کی عادی
جو تم میں تھے پلّے سرے کے فسادی — اُنھوں نے یہ ہر سو پھرادی منادی
سبھا کی طرف جو ہیں وہ داخلی ہیں
موافق بشن جی کے کُل خارجی ہیں

اگر لکھنؤ میں تمھیں باخدا تھے بڑے نیک طینت بڑے پارسا تھے
اگر قوم میں تم ہی دھرم آتما تھے بڑے پاک باطن بڑے باصفا تھے
تو بہتر تھا گھر بار سب تیاگ دیتے
چلے جاتے کاشی میں سنّیاس لیتے

یہ کیوں تفرقہ قوم کا تم کو بھایا کہ اخراج کا تم نے محضر بنایا
یہ کیوں ہر جگہ گشت اسکو کرایا بھلا ایسی چالوں سے کیا تم نے پایا
اُنھیں کو پسند آئی طاعت تمھاری
نہیں جانتے تھے جو حکمت تمھاری

تمھارے دلوں میں تو کینہ بھرا تھا تمھیں تو دراندازیوں کا مزا تھا
تمھیں تو حکومت کا چسکا پڑا تھا تمھارا تو کچھ اور ہی مدعا تھا
اگر مثل اوروں کے خاموش رہتے
تو پھر قوم کے چودھری کون بنتے

یہ کیوں تم نے جھنڈے پہ دیں کو چڑھایا یہ کیوں قوم کو تم نے نکّو بنایا
دباغت کا کیوں تم نے ڈنکا بجایا یہ کیوں سوتے فتنہ کو تم نے جگایا
سمجھ بوجھ کر کیوں بنے تم اناڑی
کہ خود پانوں میں اپنے ماری کلھاڑی

محبّت کے رشتہ کو کیوں تم نے توڑا شرارت سے کیوں باپ بیٹوں کو چھوڑا
یہ کیوں بھائی بہنوں سے مُنہ تمنے موڑا عزیزوں کو کاٹا قریبوں کو چھوڑا
نہ کچھ جوشِ خوں کا کیا پاس تم نے
کیا اپنا گھر ستیا ناس تم نے

یہ کیوں تم نے شوہر سے زوجہ چھڑائی جدا کیوں کئے تم نے بھائی سے بھائی

یگانوں کو کیوں تم نے سوکھی سُنائی　　دھتا کیوں عزیزوں کو تم نے بتائی

جلے دل کے گو تم نے پھوڑے پھپھولے

بجے تم تو کیا گھر میں تاشے نگوڑے

کیا قوم کو اپنی بدنام تم نے　　مضامیں کئے فحش ارقام تم نے

مصائب کے طشت از بام تم نے　　کئے واہ کیا دھرم کے کام تم نے

حکیمانہ تم کو خموشی تھی واجب

تمھیں قوم کی پردہ پوشی تھی واجب

اتو کھے ہوئے دھرم کے تم ہی بانی　　تمھیں پر ہوئی ختم سب نکتہ دانی

تمھیں کو ملی قوم کی پاسبانی　　تمھیں کو ملی قوم کی حکمرانی

تمھیں چودھری کوئی مانے نہ مانے

ریاست ہے بخشی تمھیں کو خدا نے

جو اس دھرم کی پہلے آئی تھی شامت　　ہر اک سو بپا ہو گئی تھی قیامت

جو پہلے تھی اس قوم پر آئی آفت　　وہ سب آپ ہی کی تھی شفقت عنایت

زمانہ کے نیرنگ پہچانتے ہیں

پس پردہ ہے کون ہم جانتے ہیں

بھلا یاد ہے تم کو وہ بھی زمانہ　　کلب کی کہانی کلب کا فسانہ

بشن جی ہوئے جب تھے لندن روانہ　　جب اغوا کا ڈھونڈھا تھا تم نے بہانہ

کھلی جب تمھاری تھی ذاتی عداوت

اُٹھانا پڑی تھی تمھیں جب ندامت

نیا اُشتعلہ جب اُٹھایا تھا تم نے　　کلب گھر کو ہوّا بنایا تھا تم نے

دیا قوم کو جب کہ دھوکا تھا تم نے　　دھرم جال میں جبکہ پھانسا تھا تم نے

ہے آنکھوں تلے کُل تماشا تمھارا
وہ سب آڑ میں دھرم کے جو ہوا تھا

جب اک مرتبہ چکھ چکے تم حلاوت　　جب اک مرتبہ مل چکی تم کو لذّت
جب اک مرتبہ کھو چکے اپنی عزّت　　جب اک مرتبہ ہو چکی تم کو خفّت

نہ باز آؤ اب بھی تو شامت تمھاری
نہ مانو ہمیں کیا ہے قسمت تمھاری

اگر تم تھے سب پیروانِ شریعت　　اگر تم تھے سب سالکانِ طریقت
اگر تم تھے سب واقفانِ حقیقت　　اگر تم تھے سب نیک و پاکیزہ طینت

تو رشیوں کے اقوال کو ماننا تھا
اُنھیں ہادی و رہنما جاننا تھا

کلب والوں سے جو نکہ تھی اک عداوت　　نہ کشمیر و کاشی کی کی تم نے قوعت
نہ پونا کی سمجھی ذرا بھی حقیقت　　نہ کی تم نے مطلق منوجی کی عزّت

موافق نہ سوجھی منافق نہ سوجھی
بیو سنھا اُٹھا لاے اک مادھوی کی

یہی پاراشر مادھوی نے لکھا ہے　　کہ کلجگ میں بحری سفر نارواہے
اگر مرتکب کوئی اس کا ہوا ہے　　کرے قوم ترک اُسکو یہی روا ہے

جو اس امر میں حکم تھے پیشتر کے
ہوئے وہ نہ منسوخ و متروک اس سے

سُنیں جو ہوے دہرم کے اب ہیں بانی　　اُسی مادھوی کا یہ ہے قولِ ثانی
جو کلجگ میں ہوجے شرابی و زانی　　نہیں اُس سے جائز پراچھت کرانی

کھلانا نہیں قوم میں اُس کا جائز
ملانا نہیں قوم میں اُس کا جائز

مفید اپنے جتنا تھا تم نے چھپایا — مُضر جو تھا اپنے وہ تم نے چھپایا
یہ کیوں قوم کو تم نے بُت سا بنایا — بیوستھا کا کیوں ایک پہلو دکھایا

جو چلتے ہو مرجاد پر تو بجا ہے
بڑھا وید سے رُتبہ مرجاد کا ہے

جہازوں پہ چڑھ کر جگت ساتھ جانا — وہاں ساتھ غیروں کے کھانا اڑانا
شرابوں کے کنٹر کے کنٹر لنڈھانا — طوائف سے مُنہ وقتِ صحبت ملانا

ہوا سب یہ مرجاد ہی کے دھرم سے
یہ قیدیں چُھٹیں سب اسی کے کرم سے

دھرم پتر کا میں یہ تم نے لکھا ہے — سبھا والوں کو بھی یہ کہتے سُنا ہے
اصول ایک تم نے یہ قائم کیا ہے — کہ مرجاد پر سب کو چلنا روا ہے

اصول اب کہاں وہ کیا تھا جو جاری
کہاں ہے وہ مرجادِ قومی تمھاری

بزرگوں کی مرجاد کیوں تم نے توڑی — تعصب سے کیوں دھرم کی راہ چھوڑی
صداقت کی کیوں تم نے گردن مروڑی — یہ کیوں تم نے انصاف کی آنکھ پھوڑی

حوالہ بیوستھا کا دینا لچر ہے
بزرگوں کی مرجاد بحری سفر ہے

رعونت کا کیا ابر ہے تم پہ چھایا — نحوست کا کیا پڑ گیا تم پہ سایا
سری کرشن کو کیوں سبھا میں ملایا — بشن جی کے تھا ساتھ کل جس نے کھایا

یہی نا کہ سب جج کا داماد تھا وہ
بشن ناتھ ہندو کا دل شاد تھا وہ

سبھا میں یہ اندھیر کیسا مچایا   بھلا دھرم میں کیسا اپنا پرایا
یہ کیوں مرلیدھر کو نہ تم نے ملایا   یہ کیوں دہلی والوں کو نیچا دکھایا
بیوستھا تو لے دے کے کی بعد حاصل
سری کرشن کو کیوں کیا پہلے شامل

یہ امت بڑھانے کی کیا تم کو سوجھی   یہ سمسرگیوں کی پراچت ہے کیسی
بیوستھا گئے بھول تم بید جی کی   بھلا کرتے کیا کو را پنی دبی تھی
تمھیں قوم کی گر ہے ذلت گوارا
چنیں دھرم کا ذب مبارک شمارا

پراچت کی توقیر تم نے گھٹائی   خود ہی دھرم کی تم نے عزت گھٹائی
یہ خود غرضی سے عقل کیوں سٹ پٹائی   کہاں وہ گئی اب تمھاری ڈھٹائی
سبھا کو کیا حیف بھر بھنڈ تم نے
مچایا عبث اتنا پاکھنڈ تم نے

جو ظاہر میں ملتے تو کیا تھی برائی   نہ ہوتی تمھاری کبھی جگ ہنسائی
دلوں میں جو ہوتی تمھارے صفائی   نہ جھگڑا تھا کوئی نہ کوئی لڑائی
مثل تم پہ صادق ہوئی بھائی میرے
کہ گڑ کھاؤں پرہیز ہے گلگلوں سے

عجب پاک یہ خطۂ لکھنؤ ہے   جسے دیکھئے قوم ہی کا عدو ہے
پڑے پھوٹ کیوں کر یہی جستجو ہے   یہی بات چیت اور یہی گفتگو ہے
خرابی پہ ہر شخص اپنی تلا ہے
خصومت کا ہر سمت دڑبا کھلا ہے

جو دشمن کلب والوں کو جانتے ہو دل دشمنی ان سے گر مانتے ہو
تو پھر دھرم کا جال کیوں تانتے ہو تم اوروں کو ساتھ اپنے کیوں سانتے ہو

دھرم اُس جگہ ہے جہاں آشتی ہے
اُدھر ہو نگے ہم سب جدھر راستی ہے

تمھارے ہوے ہتکھنڈے سب پہ ظاہر ہوئے قوم کے لوگ سب تم سے ماہر
جو خدمت کو تھے دھرم کی دل سے حاضر کھُلی شعبدہ بازی اُن سب پہ آخر

جو کی جَو فروشوں نے گندم نمائی
تو گھر کی بضاعت بھی اپنی گنوائی

جہالت نہ ہوتی سبھا بھی نہ ہوتی حماقت نہ ہوتی سبھا بھی نہ ہوتی
عداوت نہ ہوتی سبھا بھی نہ ہوتی ریاست نہ ہوتی سبھا بھی نہ ہوتی

وجود سبھا کے عناصر یہی ہیں
اراکیں سبھا کے بظاہر یہی ہیں

سبھا لکھنؤ میں نچایا کرو تم بشن پد کھڑے ہو کے گایا کرو تم
دوتارا دھرم کا بجایا کرو تم نیا روز اک سوانگ لایا کرو تم

چکت ہوگئے پا کے درشن تمھارا
کھُلا سب پہ بھرو پیا پن تمھارا

ستم قوم پر اس سبھا نے ہے ڈھایا اُسی نے یہ شور و شغب ہے مچایا
اُسی نے یہ طوفان جھوٹا اُٹھایا اُسی نے یہ روز نحوست دکھایا

یہ کیں حرکتیں لا اُبالی اُسی نے
ہر اک گھر میں ہے پھوٹ ڈالی اُسی نے

فقط پانچ ہی اس سبھا کے ہیں بانی سناتے ہیں جو قوم کو لن ترانی

دھرم ان کا ہے بُھس میں چنگی لگانی ہے عادت میں اُن سب کے ایذا رسانی
ہیں ہیچ عیب پر عیب سے سب بری ہیں
یہی قوم کے آجکل چودھری ہیں
اُنھیں کی ہے دنیا میں صاحبقرانی اُنھیں کی ہے کُل قوم پر حکمرانی
یہی کرتے ہیں دھرم کی نگہبانی یہی کرتے ہیں قوم کی پاسبانی
جسے چاہیں خارج کریں یا کہ داخل
انھیں کو ہیں کُل اختیارات حاصل
انھیں کی یہ بیجا سخن سازیاں ہیں انھیں کی یہ سب شعبدے بازیاں ہیں
انھیں کی یہ کُل فتنہ پردازیاں ہیں انھیں کی یہ سب رخنہ اندازیاں ہیں
جدائی کا چہرہ دکھایا اُنھیں نے
تباہی کا نقشہ جمایا اُنھیں نے
کرے کوئی فریاد ان کی بلا سے کوئی ہووے ناشاد ان کی بلا سے
کوئی ہووے برباد ان کی بلا سے کسی پر ہو بیداد ان کی بلا سے
انھیں کیا ہے ان کو حکومت سے مطلب
عداوت سے مطلب خصومت سے مطلب
یہ شیوہ ہے اپنا بنایا انھوں نے بلا ہو غما جو کہ پایا انھوں نے
وہیں حاشیہ اک چڑھایا انھوں نے دھرم پتر کا میں چھپایا انھوں نے
لکھے جھوٹ گر اس کو سچ جانتے ہیں
لکھے سچ اگر جھوٹ اُسے مانتے ہیں
دماغوں میں اُنکے کچھ ایسی چری ہے خودی اس قدر انکے دل میں بھری ہے
بشن جی کے جانب جو کوئی جری ہے وہ پھر فاسق و مفسد و مفتری ہے

یہی ایک بے عیب ذاتِ خدا ہیں
یہی دھرم اوتار دھرم آتما ہیں

ولی کھنگڑ انکے جو ہیں دھرم مورت　　جنھیں قوم سے اپنی ہے اک عداوت
نکالی یہ حضرت نے بدعت کی صورت　　کہ دیتے ہیں اخبار والوں کو اُجرت

مخالف وہ مضمون چھاپیں چھپائیں
جہانتک بنے قوم کو وہ بنائیں

ہمیں کیا جو وہ روپیہ یوں اُڑائیں　　ہمیں کیا ریاست جو اپنی لُٹائیں
ہمیں کیا جو خود بگڑیں ہم کو بنائیں　　ہمیں کیا سبھا کو رکھیں یا مٹائیں

اگر غم ہے تضحیکِ قومی کا غم ہے
الم ہے ہمیں گر تو اس کا الم ہے

سبھا نے یہ ہیں قاعدے اب بنائے　　یہ ہیں قوم پر اپنی سکّے جمائے
نہ حقّہ پئے کوئی نے پان کھائے　　عزیز اپنا خود گھر میں آئے نہ جائے

بہو ہے تو میکے میں آنا ہے مشکل
ہے بیٹی تو سسرال جانا ہے مشکل

مرے شہر دہلی کے تابندہ اختر　　مرے شہر دہلی کے سچے برادر
ذرا دیکھو یاں لکھنؤ میں تو آکر　　تمھارے بنے کون ہادی و رہبر

کرو آکے انصاف خود منصفانا
مناسب نہیں وقت پر مُنہ چھپانا

نہیں تم کو اس دم خموشی روا ہے　　نہیں تم کو اب چشم پوشی روا ہے
تمھیں قوم کی خیر کوشی روا ہے　　تمھیں قوم پر سر فروشی روا ہے

تمھیں راستی کا ہے کافی سہارا
بچاری سبھا کیا کرے گی تمھارا

نہیں تم کو واجب سبھا کی اطاعت　　نہیں چھوڑنی تم کو لازم شجاعت
مناسب تمھیں قوم کی ہے رفاقت　　کہ قومی رفاقت ہے بابِ سعادت

رہ حق میں سر سے گذرنا ہے بہتر
خدا دے جو ہمت تو مرنا ہے بہتر

نہیں ہو اگر تم جفاکار بھائی　　نہیں ہو اگر تم دل آزار بھائی
اگر تم ہو پکے وفادار بھائی　　اگر تم ہو سچے مددگار بھائی

مناسب ہے یہ تفرقہ دور ہووے
یہ قومی بلا جلد کافور ہووے

وہ پنجاب کے خندہ رویوں کو دیکھو　　وہ پنجاب کی گفتگویوں کو دیکھو
وہ پنجاب کے نیک خویوں کو دیکھو　　وہ پنجاب کے صلح جویوں کو دیکھو

کہ کیسے ہیں پکے مددگار قومی
کہ کیسے ہیں سچے وہ غمخوار قومی

وہ اصحاب پنجاب پاکیزہ طینت　　کہ جن کے دلوں میں بھری ہے محبت
جنھیں دل سے ہے قوم کا پاس عزت　　جو رکھتے نہیں بھائیوں سے کدورت

مدد کا یہی لے کے پیغام آئے
یہی وقت پر قوم کے کام آئے

مرے حاجتِ قوم برلانے والو　　مصیبت میں لوگوں کے کام آنے والو
مرے حبِ قومی کے دکھلانے والو　　مرے صلح کی راہ بتلانے والو

چلو! وقتِ امداد بھائی یہی ہے
بڑھو! وقتِ مشکل کشائی یہی ہے

ہوا قوم پر پھر نحوست کا پھیرا　　تعصب نے پھر آکے ڈالا ہے ڈیرا

جہالت کا پھر چھا رہا ہے اندھیرا — مصیبت نے پھر قوم کو آ کے گھیرا

جماعت پہ پھر آ گئی ہے تباہی
جدا ہو گئے پھر ہیں بھائی سے بھائی

ہر اک قوم میں صبر رنج و محن ہے — نہ وہ صحبتیں ہیں نہ وہ انجمن ہے
بدی پر پھر امسال چرخ کہن ہے — نہ ہے جوش قومی نہ حب وطن ہے

محبت ہے باقی نہ الفت ہے باقی
پڑی قوم میں پھر ہے نا اتفاقی

مدد قوم والو کہ وقت مدد ہے — تمہارے عزیزوں پہ پھر وقت بد ہے
تمھیں دستگیری میں کیا رد و کد ہے — نہ کینہ ہے تم کو نہ بغض و حسد ہے

غضب آفتیں سر پہ آئی ہوئی ہیں
بلائیں گھٹا ٹوپ چھائی ہوئی ہیں

مدد کشتی قوم پٹتا رہی ہے — جہالت کی موجوں سے بہتا رہی ہے
تعصب کے ٹیلوں سے ٹکرا رہی ہے — بھنور میں عداوت کے چکرا رہی ہے

محبت کے پتوار سے ہاں سنبھالو
خصومت کے گرداب سے ہاں نکالو

یہی قوم سے ہجر کی التجا ہے — کہ دیکھے وہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے
کل اس کچے چٹھے کا یہ مدعا ہے — کہ دھوکے کی ٹٹی فقط یہ سبھا ہے

فقط بات کی پچ نے آفت یہ ڈھائی
ہر اک گھر میں ناحق یہ ہم تیغ مچائی

راقم

اس دھوکے کی ٹٹی کو اگر کوئی ہٹائے — کھل جائے طلسمات ابھی دھرم سبھا کا

ترانۂ غم

حضرت سلامت۔ عین شام کلیان کے وقت ٹپّا ٹوٹیاں کرتا جا بجا ٹھیکے لیتا ہوا وادیِ ایمن کی دُھن میں جنگلے کی راہ سے جوسُر کی طرح سیدھیاں بھرتا ہوں تو کابل ہی میں سَم کی طرح جا ٹھہرا پھر آپ جانئے کوہستانی ملک کیسی کیسی پاٹ دار تانیں سننے میں آئیں کہ میاں تان رس خاں کی شہرت کا چڑھا چاند جی سے اُتر گیا۔

۹ تاریخ کو جنرل اسٹیوارٹ کیا قندھار میں داخل ہوئے کہ جتنے افسران فوج افاغنہ تھے دیس چھوڑ پر دیس سدھارے۔ حضرت امیر شیر علی خاں کے ہاں محفل رقص و سرود میں ایک ترانہ ایسا الاپا گیا کہ واہی واہ۔ حضرت مغنّی نے تو پشتو میں بھیک مانگی تھی ہم اُس کا ترجمہ نذر ناظرین کرتے ہیں لکن للہ ذری اسے گوری کی دُھن میں غُنغُنا ئیے گا۔

دھونڈا

شیر علی سے کہتے ہیں رو رو مل کر سارے افغانی

تُم دِری نا تُم، تُم دِری نا تُم، دیم تنا دِر تا دانی

پہلے نہ سمجھے روکی سفارت ہوگئی سب کو حیرانی

تُم دِری نا تُم، تُم دری نا تُم، دیم تنا دِر تا دانی

چھن گیا ڈھاکہ ترسَم پیشیں یہ تھی مصیبت پیش آنی

تُم دِری نا تُم، تُم دری نا تُم، دیم تنا دِر تا دانی

کابل والے چھپتے ہیں بل میں درّوں میں سب وِیرانی

تُم دری نا تُم، تُم دری نا تُم، دیم تنا دِر تا دانی

ہائے ہمارے سر پر ٹوٹا کیسا غضب یہ سلطانی

تُم دِری نا تُم، تُم دِری نا تُم، دیم تنا ور تا دانی

فوجیں جتنی تھیں ڈوبیں لہو میں بن دانے اور بن پانی
تم دِری ناتم، تم دری ناتم، دیم تنا درتا دانی
آگے ہیں انگلش پیچھے ہیں روسی بغل گھونسے ایرانی
تم دِری ناتم، تم دِری ناتم، دیم تنا درتا دانی
کوڑی سیر بکیں گے ہئے ہئے پستے، کشمش، خوبانی
تم دِری ناتم، تم دِری ناتم، دیم تنا درتا دانی
ابتو پھنسے ہیں ہجر قفس میں واے دریغا نا دانی
تم دِری ناتم، تم دری ناتم، دیم تنا دِرتا دانی

قصیدہ بہاریہ در صفت مراۃ الہند

مژدہ باد اے بلبلِ گلزار زار و ناتوان
گشت جاگیرِ بہاران این گلستانِ جہان

ہر شجر شد سبز پوش از مقدمِ فیضِ بہار
ہر خس از جوشِ نمو بالید و شد طوبیٰ نشان

در گلستان نغمہ زن گشتند مرغانِ چمن
عندلیبان را حدیثِ گل شدہ نوکِ زبان

با چنین زیب و صفا آمد عروسِ فصلِ گل
نرگسِ شہلا بحیرت ماند و سوسن بے زبان

سرو از روے زمین برخاست بہرِ چاکری
باغبانِ خلد ہم گسترده فرشِ ارغوان

آب پاشی کرد در ہر کوچہ و برزن سحاب
از نسیمِ عنبرین بُو شد معطر ہر مکان

سنبلِ پیچان زموے خود چو شد جاروب کش
ہر روش از جعدِ مشکینش شدہ عنبر فشان

خندۂ گل مید ہد ہر دم صدائے دُور باش
نیست ممکن در حوالیِ چمن دخلِ خزان

سرخ گشتہ روے گل از سبزیِ اشجارِ باغ
زخمِ بلبل سبز شد از سرخیِ روے گلان

اے خوشا فیضانِ فیضِ آشنائیِ بہار
سبزۂ خوابیدہ ہم بیگانہ از بیمِ خزان

در برِ گل مثلِ گلرویان قبائے لالہ رنگ
بر سرِ غنچہ کلہ کج صورتِ غنچہ لبان

میبرد صبر و قرار این از دماغِ اہلِ قدس
می رود ہوش و حواسِ خاطرِ زاہد ازان

حبذا این جلوۂ فصلِ بہارِ باغِ دہر
اشک شبنم ریختہ از رشکِ گلزارِ جنان

حیرتے دارد جہان امسال از فیضِ نمو
دود آہِ قمری نالان شود سروِ روان

در شبِ مہ از پئے نظارۂ روئے چمن
آسمان ہم می کشاید دیدۂ سیارگان

چون دمِ عیسیٰ صدائے خندۂ گلہائے باغ
در تنِ بیجانِ بلبل می رساند تازہ جان

اے زہے جوشِ شبابِ لیلیِ فصلِ بہار
بہرِ گلگشتِ چمن مجنون صفت عالم روان

چون منِ دل تنگ رفتم از پئے سیرِ چمن
خود بخود بشگفت خاطر غنچہ سان در بوستان

قدرتِ حق ہر طرف ہر سو تماشائے عجیب
بوئے گل در بوستان چون در تنِ خاکیست جان

باعثِ این رونقِ عالم ندانستم کہ چیست
بوالعجب استادہ بودم در گلستان ناگہان

ہاتفِ غیبی بگوشم مژدۂ فرخ رساند
این چہ حیرت ہاست اے پژمردہ خاطر نیم جان

باش شادان و فرحناک و رہا کن رنج و غم
موسمِ گل آمد و رفت از چمن فصلِ خزان

گفتم این طرفہ بہارے ہست اے روشن ضمیر
کز ازل ہرگز ندیدہ دیدۂ اہلِ جہان

صد چمن سرسبز شد صد بار آمد فصلِ گل
این تماشائے تعجب زا مگر کے بُد دران

صد عنادل دیدہ ام صد گل نظارہ کردہ ام
لیکن این رنگِ عجائب بُد نہ این طرزِ فغان

طرفہ گلشن طرفہ گل طرفہ چمن طرفہ بہار
تازہ رنگ و تازہ بو تازہ زمین تازہ زمان

می کشد طول ار بگویم سربسر المختصر
منعکس شد گوئیا در آئینہ باغِ جنان

گفت ہاتف آرے آرے راست میگوئی بلے
من ہمیں پنداشتم تو آنچہ راندی بر زبان

یافت رنگ و بوئے اجرا یک گلِ اخبارِ نو
نام آن مرآۃ ہند آئینۂ ہندوستان

مدّعا ایش از فروغِ علم و دانش چونکہ بود
کرد رو آن آئینہ با عجز سوئے آسمان

اللہ اللہ این چہ آئینہ است من در حیرتم
ہست سرتا سر صفا چون حوضِ کوثر بیگمان

خار و خس نگذاشت جاروبِ صبا در صحنِ باغ
از رگِ گل میکند بلبل بنائے آشیان

بین عجائب باغ و فکرِ سالِ تاریخش بکن
تاکہ باشد افتخارت درمیانِ شاعران

گوش کردم این سخن غوطہ زدم در بحر فکر تا بر آرم گوہر مقصد چو در ّ شایگان
ہجر گفتا سال او بار وئے زیبائے بہار
این چمن بے خوف ماند دائم از فصل خزان
۱۸۶۹ع
۱۸۶۵

برہا

ایک مصیبت زدہ بیوہ کی فریاد

تُمری پیت کے کارن گوریا ہوک اُٹھے دن رات
تلپھے تلپھے مورا جیرا تمہوں نہ پوُچھیو بات
تمری پیت کے کارن گُوریا چھانڑ دیہوں گھر بار (چھوڑ دیا)
جیت مرت ہوں کبہوں نہ پوچھیو ہمری اور نہار
تمری پیت کے کارن گُوریا ہمکا پرت ناہیں چین
اگیا برہ کی مور کریجوا پھونکت ہے دن رین
تمری پیت کے کارن گُوریا کھاب پیئب سب چھوٹ
آس لگن رہ گئی جنیا ں جائے نہ دکھیو ٹوٹ
تُمری پیت کے کارن گُوریا نیند نہ آوے نین
تم بن چھن پل کل نہ پرت چین کھوئے گیو سب چین

کہروا

مہنگ سمو جیو کھائے ری ننَدیا ہائے ری نندیا ہائے ری ننَدیا
کادوں کھائے کاہ بچائے دس سیر جھنجھری بچائے ری ننَدیا
مورکھ بنے اجان کہائے (کیا) یہ دُکھ ہمکا کھائے ری نندیا
صاحب بہادر جگ جگ جیو...یں جن دُکھ دین مٹائے ری ننَدیا

تار، بجلیا ۔ ریل بھوائی ہمرے کارن لائے ری ننَدیا
ہند کے سب جن منگل گائین کیصر کے بَل جائے ری ننَدیا
ٹرکی ڈکھیا روس کے آگے کَرنَل بَل (قیصر) پچتائے (صدقہ) ری نندیا
روس کو چٹکی بجا ابسمارک ریچھ کا ناچ نچائے ری نندیا
دھرتی پر راج کا کون ٹھکانا آج آئے کل جائے ری نندیا
پہلے سمجھ کر بات نہ کینھیں (ڈگری کا) اب کاہے پچتائے ری نندیا

ہجر پیا سب رل مل گائیں
پھوٹ کا گھر جل جائے ری نندیا

لِکھائے نہیں دیتیو پڑھائے نہیں دیتیو سئیاں پھر نگن بنائے نہیں دیتیو
لنگا دوپٹا نیک نہیں لاگے میمن کا سایہ منگائے نہیں دیتیو
اُوئی گورِن ہم رنگ سنولیا رنگا میں رنگ ملائے نہیں دیتیو
گوبروا سے چھانڑ و لیپ پوت چونا سے بھتیاں پتائے نہیں دیتیو
ہم نا سوئی بے کوٹھا اٹریا ندیا پہ بنگلہ چھوائے نہیں دیتیو
سرسوں کا اُبٹن ہم نا لگے بے صابن سے دیہیاں ملائے نہیں دیتیو
کب لگ بیٹھی کاڑھے گھونگٹ وا میلا، تماشا جائے نہیں دیتیو
ڈولی، میانہ پہ کب لگ ۔ ڈول گھوڑا پہ کاٹھی کسائے نہیں دیتیو
دھن دولت کے کارن بلما سمندر میں بجرا چھڑائے نہیں دیتیو
بہت دناں لگ کھٹیا توڑن ہندن کا کاہے جگائے نہیں دیتیو
درس بنا جیا ترست ہمرا کیصر (قیصر) کا کاہے دکھائے نہیں دیتیو

ہجر پیا تورے پیّاں پڑت ہیں
پنجا میں اِکّا چھپائے نہیں دیتیو

تمرے ملن کی نردئی سئیاں   کاسے پوچھی او پائے
نین رسیلے توری بانکی چھب گوریا   دیکھ رہو ناہیں جائے
تمھیں بتاوو کوؤ جتنیاں   ہو تم چتر سو جان
کہہ بدھ تم سے ملی ہم گوریا   نکلیہو جات پران
پیت کی موری پرتیت نہ مانیو   سانچ کا سمجھیو جھونٹ
پھوٹ گیو گوری مور کرموا   جب سے بندھیوں تورے کھونٹ
لیکھب پڑھب تمرا سب گوریا   ہمرے کونے کاج
گنوئیں گانوں کے ناتوں سے جنیاں   تم کا آوے لاج
سہرن کی مہرارو گوریا   تم سے لگاویں پیت
لہنگا پھریا نیک نہ لاگے   چھانڑیو دیس کی ریت
سوتن کے تم کارن گوریا   ہم کا دینھیو کلیس
چھتین پر جب او منگے جو بناں   چھانڑ چلیو پردیس
من ماں دیا کچھو ناہیں تورے گوریا   کو دو مرے مرجائے
تمری رے پیت کی ریت نیاری   مارت ہو للچائے
ہمرے جراوے کے کارن بلما   اپنے لگایو پیت
تمری بھیوں بیرن میں گوریا   اور بھئیں سب میت
ہمرا جیا تم کا ہے جرایو   سوتن پاس بلائے
سب دکھ تمرے سہب ہم گوریا   یو دکھ سہا نہ جائے
پیت تو ایسی کرسے گوریا   جیسے دیپ پتنگ
جہاں برے جر جر مرے دکھیا   کبھوں نہ چھانڑے سنگ
ہارو کی بھیت ہے پیت یئے تمری   ہجر پیا بس جاؤ
ان کا ملایو ہم کا جرایو   کا پھل پایو بتاؤ

مکریاں

گوئیاں اودھ پنچ۔ تم بھی کیا کہو گے۔ سب کچھ سُنا۔ مل مکریاں نہیں سُنی۔ لوسنو ے

گھر بیٹھے وہ موہیں بلاوے ۔ مطلب کی اک بات سُناوے
مانگت ہر یا بنے وہ بندہ ۔ اے سکھی ساجن نا سکھی چندہ
دیگر
مورے پاچھے کچھری دھائے ۔ گھاٹ، سڑک، پُل، مکتب جائے
دیکھت موہیں نکارے کھیس ۔ اے سکھی ساجن نا سکھی فیس
دیگر
آم سے رنگت بدن چھو ہارا ۔ مکھی مارے وہ دکھیا را
بیٹھے جھومت تھا مٹے بمبو ۔ اے سکھی ساجن نا سکھی چنڈو

ایک نوجوان دیہاتن کا دُکھڑا

کارے کروں سئیاں آوت ناہیں ۔ ہیئے لگی آگ بجھاوت ناہیں
دَرس بنا مورے ترست نینناں ۔ پیاری صورتیا دکھاوت ناہیں
رین دناں موری درکت چھتیاں ۔ سُونی سجریا سُہاوت ناہیں
تلپھت انس دن رین کٹت ہے ۔ اُن کا کوؤ بلاوت ناہیں
جب سے گئے سُدھ موری بسرائن ۔ ہم کا سندیس پٹھاوت ناہیں
چھوٹ دیور موری ایکو نہ مانے ۔ تنی ہو اُن جائے مناوت ناہیں
جیسو پیا ترسائن ہم کا ۔ ایسو کوؤ ترساوت ناہیں
دیس کی ریت کے کارن ہم کا ۔ ساس بدیس پٹھاوت ناہیں
نردئی سئیاں بھئے بیدردی ۔ اپن پاس بُلاوت ناہیں
جس جیا ہمرا جرائن سئیاں ۔ اس کوؤ ہائے جُراوت ناہیں
تلپھ تلپھ جیا نکست ہمرا ۔ اُن کے من کچھو آوت ناہیں
جانیں کا وے بیر پرائی ۔ کوؤ اُنھیں سمجھاوت ناہیں

جاسے پیا سنگ ساتھ نہ چھوٹے اُس کوئی جوگ بتاؤت ناہیں

ہجر پیا کھوں نیند لگائن

ہمکا تمہیں بُلاؤت ناہیں

نظم نا مکمل

برات آئی ہے کاکوری سے ساقی آبِ احمر دے

مہک سیندھی کی جس کنٹر سے آتی ہو وہ کنٹر دے

وہ کنٹر دے کہ جس سے بوئے عطرِ فتنہ آتی ہو

وہ سیندھی دے کہ جو دل کو سرورِ وصل دلبر دے

نہ ہو سیندھی ترے خمخانہ میں ساقی تو جانے دے

جو کنٹر بھی نہ ہو باقی تو پانی ہی کی جھجھر دے

اگر پانی کے دینے میں بھی تجھکو ہچکچاہٹ ہے

تو منہ پیرِ مغاں تشنہ لبوں کا خاک سے بھر دے

نہ ہو ایندھن جلانے کو تو کھائیں کیا پکائیں کیا

کوئی چولھے میں لکڑی کے عوض کیا پانوں دے سر دے

قسم بالے میاں کی ہمکو دعوت کی نہیں پروا

جو تو نوشہ کو اسپ و فیل و گاو و میش و خچر دے

دریا پار سرجو کے کنارے دیہاتی برات دیکھکر خوش ہو رہے ہیں

گاتے بجاتے سنگھاتی آے دیکھو دیکھو براتی آے

پیارے[۵] آے دُلارے آے بھائی برادر سارے آے

سیندھی آئی تاڑی آئی چھکڑے آے گاڑی آئی

---

۵ تقی حسن عرف پیارے صاحب نام نوشاہ۔

مرشد چھبیل پچھبیلے آئے چیلے شوخ رنگیلے آئے
بجتا ہے وہ مرفہ تاشا آؤ آؤ دیکھیں تماشا

شیخ صاحب

کس آفت میں پھنسے آکر عجب یاں کارخانہ ہے
نہ بستر ہے بچھانے کو نہ سر پر شامیانہ ہے

مولوی صاحب

جائے تنگ است مردمان بسیار وقنا ربنا عذاب النار

بھانڈ

کیسا خیمہ کیسا ڈیرا پیڑوں پر اب لیو بسیرا
بتّی وتّی ڈھونڈھ کے لاؤ تیل کہاں ہے پھوس جلاؤ

مسخرا

مُنڈچِڑے پن میں ہمارا نام ہے یہ گلا اپنا ہے اور صمصام[۵] ہے
شیرمالیں کیسی کیسی روٹیاں نوچ کر کھا جاو اپنی بوٹیاں

پروردہ

.... پر سلریا[۱۵] یاد رکھنا اتنی بات
ماتھے پر ٹیکا لگے گا نیل کا بھو کوں مرجائیگا پاٹھا فیل کا

رنڈی

کنھّا نہ ڈلی پائی کیا خوب نوازش کی سردی میں ہوا کھائی کیا خوب نوازش[۵۲] کی

---

۵ صمصام علی۔ عزیز دار عروس۔ ۱۵ سلار بخش عرف سلاری۔ گھر کا پروردہ

۵۲ نوازش علی۔ لڑکی کے دادا یا چچا کا نام۔

گاڑی بان

چارہ ہے نہ سانی ہے کیا خوب نوازش کی دانہ ہے نہ پانی ہے کیا خوب نوازش کی

کہار

کا کہی توہ سے مور بھیّا کھاپت رہے ہم سیر سَوَیّا
کیا کہیں تم سے میرے بھائی کھاتے تھے ہم سیر سَوا سیر

گھر کا چھوڑ براتے آئن چَربَن لون نہیں کوؤ دیوَیّا
گھر کو چھوڑ کر برات میں آئے چبینا نون کوئی دینے والا نہیں

اَن بِنا جیو بیاکل ہوہیگا ہارے رے دیّا باپ رے دیّا
ناج کے بغیر جی پریشان ہو گیا مار ڈالا مار ڈالا

ٹیپ کا بند

بھوکے پیاسے آئے براتی کچھ نہ ملا بھنڈارے سے
ٹپّے گاتے پیٹ بجاتے بھاگے سب گنڈارے سے[۵]

پنڈت شیونا تھ چک صاحب کیفؔ اسی زمانہ میں گونڈہ میں تحصیلدار تھے جبکہ ہجرؔ مرحوم وہاں وکالت کرتے تھے۔ ۱۸۹۰ء سے ۱۸۹۲ء تک ایک ماہواری رسالہ موسوم بہ گلدستۂ کیف بہ سرپرستی جناب کیفؔ گونڈہ سے شایع ہوتا تھا۔ اس میں جناب ہجرؔ کی غزلیں انکے محرّر کے نام سے جسکا تخلص دلکشؔ تھا نکلا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک غزل دستیاب ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بیسوا تھی چل بسی اچھا ہوا جانے والی چیز کا غم کیا کریں[۱]
لیکے اب عرضی کا قارم کیا کریں فیصلے ہی جب ہوں کم ہم کیا کریں
کھانے پینے کا سہارا جب نہ ہو رہکے گونڈہ میں بھلا ہم کیا کریں
ہوتی ہے یاں زیر تکّوں پر گذر اب چرندم اور خورندم کیا کریں
کنج تنہائی میں حقہ تک نہیں ہے کوئی مونس نہ ہمدم کیا کریں
ذلتیں دلکش ہیں قسمت میں لکھیں اس میں پھر تم کیا کرو ہم کیا کریں

---

۵ ضلع بہرائچ میں ایک قصبہ ہے۔

۱ مصرعہ طرح

ہجر۔ پنڈت بشمبر ناتھ منشی صاحب عرف بابوجی خلف اکبر پنڈت بدری ناتھ منشی صاحب لکھنوی شاگرد خواجہ آتش۔

حضرت کیفی نے پنڈت بشمبر ناتھ منشی المتخلص بہ ہجر کے کوائف زندگی و خاندانی حالات رسالہ بہار کشمیر بابتہ جنوری ۱۹۲۸ء میں درج فرما کر ایک بڑا احسان دنیائے ادب پر کیا ہے۔ چنانچہ وہ مضمون رسالہ مذکور سے اخذ کرکے ہم تذکرۂ ہذا میں درج کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ناظرین والاتمکین اسکو پڑھکر حظِّ وافر اُٹھائیں گے۔

پنڈت بشمبر ناتھ عرف بابوجی پنڈت بدری ناتھ منشی کے بڑے بیٹے تھے آپ کی پیدائش ۱۸۲۴ء کے قریب ہوئی۔ بیالیس برس کی عمر میں ۱۸۶۶ء میں انتقال کیا۔ بڑے بہادر اور جری آدمی تھے اس زمانہ کے فنِ سپاہ گری کے نہایت شوقین اور ماہر تھے۔ مزاج میں بانکپن اور متانت کا رنگ حاوی تھا۔ شاہی زمانہ میں اپنے چچا راجہ شیو ناتھ سنگھ چکلہ دار بانگرمئو کے ساتھ اس علاقہ کے سرکش زمینداروں کی سرکوبی اور بغاوت فرو کرنے میں مصروف رہے اور وہاں امن و انتظام قائم کیا انتزاع سلطنت کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام نے آپ کو ضلع ہردوئی کا کوتوال مقرر کیا۔ غدر ۱۸۵۷ء کے ایام میں سرکار انگریزی کی طرف سے باغیوں سے جنگ میں مصروف رہے۔ ایک موقع پر ایسا ہوا کہ انگریزی فوج کسی مصلحت سے میدان جنگ سے پسپا ہوئی مگر ہمارا شاعر سپاہی وہیں ڈٹا رہا۔ آخر زخمی ہو کر باغیوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوا لیکن دوسرے روز لڑ بھڑ کر اپنی فوج میں واپس آگیا۔

شورش کے رفع ہونے کے بعد ہردوئی کے ڈپٹی کمشنر کے سررشتہ دار مقرر ہوئے بعد میں کچھ عرصہ تک چودھری حشمت علی صاحب تعلقہ دار ضلع ہردوئی کی نیابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے مگر وہاں زیادہ قیام نہ کیا لکھنؤ چلے آئے اور ۱۸۶۶ء میں سرگباس ہوئے۔

مرحوم وجاہت ظاہری میں بھی اپنے زمانہ میں بے مثل تھے۔ ان کا مردانہ حسن ہر شخص کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ پنڈت بشوناتھ منشی ہجر کے متبنّیٰ فرزند اس وقت لکھنؤ میں موجود ہیں پنڈت جواہر ناتھ منشی ہجر کے بھائی تھے۔ جنکے صاحبزادۂ اکبر پنڈت اقبال کشن منشی گرٹو فخر قوم جناب پنڈت جگت نرائن صاحب ملّا رئیس لکھنؤ کے بھانجے ہیں۔ آجکل فیض آباد میں وکالت کرتے ہیں۔ نہایت تجسّس اور کوشش سے یہ کچھ خاندانی کوائف اور حالاتِ زندگی معلوم ہوئے جو سپردِ قلم کئے گئے۔ اُن کے لئے راقم پنڈت منوہر لال زتشی اور پنڈت اقبال کشن منشی صاحب کا از حد ممنون ہے۔ پنڈت رتن ناتھ در سرشار سے ہجر کے نہایت مخلصانہ مراسم تھے یہ قیاس درست معلوم ہوتا ہے کہ سرشار نے فسانۂ آزاد میں میر داستان یعنی آزاد کا کیرکٹر بہت کچھ ہمارے ہجر مرحوم کی زندگی اور شعار سے لیا ہے۔ فسانہ کا بغور مطالعہ اور ہجر کی زندگی کے مفصّل کوائف ضرور اس کی توثیق کرینگے۔

دیوان کی کیفیت۔ یہ مجموعہ ۸۸ صفحوں کا ہے ۱۸۹۴ء میں حسب فرمایش جناب مولوی محمد یوسف صاحب مہتمم ہیسٹنگس پریس بارہ بنکی مطبع اعجاز محمدی لکھنؤ میں طبع ہوا۔ شروع میں صاحبِ دیوان کے بھائی پنڈت جواہر ناتھ منشی نے ایک صفحہ کا دیباچہ لکھا ہے اس میں لکھتے ہیں کہ مصنّف مرحوم کے فرزند سعید پنڈت بشوناتھ منشی کے پاس خاطر سے یہ دیوان مرتب کیا گیا۔ دیوان کے آخر میں مولوی محمد رفیع صاحب رئیس فتحپور ضلع بارہ بنکی نے خاتمہ لکھا ہے۔ دیباچہ اور خاتمہ دونوں میں کھلّم کھلّا شکایت کی گئی ہے کہ لوگوں نے نہایت بے تکلّفی سے ہجر کے کلام کے جواہر پاروں کو آبائی ترکہ سمجھ کر ان پر دست تطاول دراز کیا۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں :-

"یہ دیوان اس پریشان مجموعہ کا انتخاب ہے جسکو ہجر مرحوم کی فیاض طبیعت نے نہ پہنچنے کا کام سمجھ کر ردّیوں میں ڈال دیا تھا اور اس گرانبہا سرمایہ میں سے

ایک شعر بھی اس میں پایا نہیں جاتا جس کو شباب کی کہنہ مشقی میں اس عالی خیال نے اپنے احباب کی دلچسپی کے لئے بعینہ ایک ایسے ساز کی حیثیت سے ترتیب دیا تھا کہ جو ہزار ہا دلکش اور پُر اثر زمزموں سے بھرا ہوا تھا۔ تعجب کے ساتھ ظاہر کرتا ہوں کہ میں اس گم شدہ دیوان کے متعلق ایک حرف بھی لکھ نہیں سکتا جبکہ اس بچے ہوئے بے سروپا حصہ میں سے بھی چند بیش بہا غزلیں ایسے نامی سخنوروں کے کلام میں بلاتغیر لفظی پاتا ہوں جن کی نسبت سرقے کا الزام لگانا شاعری کا خون اپنی گردن پر لینا ہے۔"

یہ یوں ہوا کہ انتقال سے کچھ پہلے مزاج کی وارستگی کے تقاضے سے ہجر مرحوم نے چوک میں ایک مکان کرایہ پر لیا تھا جہاں ان کی نشست اور یارانِ سرپل کی بھیڑ بھاڑ رہتی تھی۔ تصانیف کی بیاضیں بھی وہیں تھیں۔ اُسی مکان میں وہ فوت ہوئے جب اعزّا آئے تو علاوہ اور قیمتی سامان کے یہ بیش بہا ادبی خزانہ بھی گم پایا۔ جو مجموعہ اس وقت سامنے ہے وہ ابتدائی کلام کے مشقی یا محض مسوّدے ہیں۔

یہی حال تعشق مرحوم اور نسیم مبرور کے کلام کا ہوا۔ وہ مسیح الشعرا لالہ سری رام کی ذات ہے۔ جس کی بدولت لکھنؤ کو اپنے بیش بہا جواہر یعنی کلام تعشق کی یاد آئی اور مشکل سے اتنی ضخامت کا ایک مجموعہ جتنا دیوان ہجر ہے مطبع سے نکلا۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ نسیم کی روح کو یہ جزوی تسلّی بھی نصیب نہ ہوئی۔

مرتب کی شہادت اور خود مصنّف کے اقرار سے یہ پتا چلتا ہے کہ ہجر مرحوم خواجہ حیدر علی آتش کے ارشد تلامذہ میں تھے فرماتے ہیں ؎

آگ پانی میں لگاتے ہیں جو مضموں اپنے
گرمئ صحبتِ آتش کا اثر دیکھتے ہیں

ایک اور جگہ کہا ہے ؎

کلام ہجر کا قائل ہے آتش ہنر کا قدر داں اہلِ ہنر ہے

ہجر مرحوم خاص لکھنوی تھے اور لکھنؤ سے انھیں محبت تھی۔ کہا ہے ؎

مجموعہ ہے یہ ہند میں ملک و دیار کا
اے ہجر لکھنؤ سے نہ کر زینہار کوچ

ہجر کی شاعری کا وہی رنگ ہے جو اُردو کی کلاسیکل شاعری سے مخصوص ہے۔ اس مجموعہ میں غزلیں ہیں اور مُلّا محمد حسن کاشی کے مشہور ہفت بند کی تضمین۔ فصاحت اور خوش بیانی میں ان کا کلام نہایت اعلیٰ درجہ رکھتا ہے آتش اور صبا کے حلقہ کا رنگ پھوٹا پڑتا ہے۔ فرمایا ہے ؎

نصیحت یاد رکھتا ہوں کسی اُستاد دانا کی
فصاحت سے نہ ہو خالی زباں پر جو سخن آئے

لیکن جس طرح استاد جب چاہتے بلاغت کے باغ لگا دیتے ویسے ہی شاگرد بھی کلام بلیغ سے عاری نہ تھے۔ کہا ہے ؎

آفت کا سحر آنکھوں میں انکی ہے دیکھئے جادو سمٹ کے نرگسِ جادو میں رہ گیا
سبحہ نے رشتۂ زنّار کو دل میں رکھا اب تو کچھ معرکۂ شیخ و برہمن نہ رہا

لامکاں میں جو نہیں کون و مکاں میں بھی نہیں
دل میں کیفیّت نہیں اپنی تو جامِ جم میں کیا

بڑا وصف ہجر کے کلام کا یہ ہے کہ ابتذال اور رکاکت ان کے ہاں نام کو نہیں لفظی رعایت کی وبا اُس زمانہ میں بہت پھیلی ہوئی تھی لیکن ہجر نے نہ اپنی قبر پر نیم کا درخت لگایا نہ محرم کے گوٹے سے گوکھرو تیار کیا۔ اس اعتبار سے ان کا کلام شاید ایک یا دو ہی جگہ بدمزہ ہوا ہو۔

آج کل جو حالت ابنائے وطن کی ہے اس کا نقشہ ہجر مرحوم کئی قرن پہلے کھینچ گئے فرمایا ؎

ہوئے گبر و مسلماں ہائے کیا پڑھ پڑھ کے سودائی
خدا کے واسطے لڑتے ہیں کیوں تا حق کی حجت پر

سزا پھر، جزا پھر ۔ کی زمین میں ردیف کا نباہ کیسا مشکل ہے ۔ ہجر نے وہ وہ شعر اس زمین میں نکالے کہ بے اختیار دل سے واہ واہ نکلتی ہے ۔ طوالت کے خوف سے صرف دو شعر یہاں لکھے جاتے ہیں ؎

جو سنتے ہیں سب جھوٹ ہے واعظ کی کہانی
جنت ہے نہ دوزخ ہے جزا ہے نہ سزا پھر

اس "پھر" کا لطف زباندان ہی اُٹھا سکتا ہے ؎

میخوار ہیں تو ہم ہیں گنہگار ہیں تو ہم — واعظ تجھے کیا کام ہے کی ہم نے خطا پھر

یہاں "پھر" کسی اور ادا سے بیٹھا ہے ۔ کیا نفیس غزل کہی ہے ؎

اقرارِ وصل سے مجھے آئے قرار کیا — باتیں یہ جھوٹ موٹ کی ہیں اعتبار کیا
بدمست سب کو نشۂ دنیا نے کر دیا — بیہوش ہو رہا ہے ہر اک ہوشیار کیا
یہ کان سننے والے ہیں تقریر یار کی — نغمے ہمیں سنائے چمن میں ہزار کیا
گنتی میں اب گناہ ہمارے نہیں رہے — جو بے حساب چیز ہے اس کا شمار کیا

چھوٹی بحروں میں وہ قدرت ہے کہ ہر شعر پر کالۂ الماس کی طرح چمک رہا ہے چند متفرق اشعار نقل کئے جاتے ہیں ؎

تیری بھی جفا کا ذکر آیا — مذکور ہوا جہاں ہمارا
عنقا کی صفت ہے عاشقوں کی — ہے نام کو بس نشاں ہمارا
کھل گیا چہرے سے غصہ آپ کا — دیکھئے پھر رنگ بدلا آپ کا

صاف روشن ہے کدورت آپ کی — آئینہ ہے دل ہمارا آپ کا
سچ تو یہ ہے کون میری سی کہے — ایک مَیں سارا زمانہ آپ کا
ایک سا جلوہ ہے دونوں میں عیاں — آپ کا کعبہ کلیسا آپ کا
موت کیا آئی کہ تسکیں ہوگئی — آپ کا بیمار اچھا ہوگیا
داغِ دل چمکا قیامت میں مرا — حشر میں اک حشر برپا ہوگیا
ہجر دُنیا ہے یہ غفلت کی جگہ — ہوش میں آؤ تمھیں کیا ہوگیا

فصاحت اور بلاغت۔ محاورے کی صحت۔ بندش کی چُستی۔ مضامین کی بلندی اور برجستگی روزمرہ کی دلاویز سلاست وغیرہ اوصاف کے علاوہ جو کلام ہجر کے خصوصی جوہر ہیں، ور دبھی آپ کے اشعار میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے حقیقت میں سچ کہتے ہیں ؎

غزل سُن کر تو ایسی بیخودی اے ہجر ہوتی ہے
جو یاروں کو مرے دل کی خبر ہوتی تو کیا ہوتا

اس زمانہ کی شاعری کا مقامی رنگ بھی ہجر کے ہاں موجود ہے ؎

لائیگا رنگ عشق رخ وزلف یار کیا — دیکھیں دکھائے گردشِ لیل ونہار کیا
نظروں میں گلرخوں کی کھٹکتا ہوں کس قدر — کانٹا بنا ہے سوکھ کے یہ جسم زار کیا
ماتھے سے جھوٹ موٹ کا صندل چھڑائیے — رخصت بھی کیجئے کہیں اس دردسر کو آپ

ایک بہاریہ غزل کی شان ملاحظہ ہو ؎

شکل آئینہ ہوں آنکھیں محو وحیرانِ بہار — چشم نرگس سے جو دیکھے روئے خندانِ بہار
سبزۂ بیگانہ ہے گلشن میں خضر رہنما — شبنم باراں کو کہئے آب حیوانِ بہار
خوبرویوں سے بھرا ہے کیا مرقع ہے چمن — مانی وبہزاد وش ہیں نقش بندانِ بہار
دیکھئے انصاف سے تشبیہ ہے کیا صاف صاف — جو بیاران چمن ہیں آئینہ دارانِ بہار

تصوف اور انسانی زندگی کے دقیق حقایق بھی شاعر کی نظر غائر میں سمائے ہوئے تھے اور اس شعر میں تو فصاحت اور بلاغت دونوں کا عطر نکال کر رکھدیا ہے ۔

سبحہ نے رشتۂ زنار کو دل میں رکھا
اب تو کچھ معرکۂ شیخ و برہمن نہ رہا

انتخاب دیوان

اثر دکھلائیگا جب عشق اپنے جذب کامل کا — اُڑیگا نور پروانوں کے پیچھے شمع محفل کا
نہ دَوڑا ساربان بس روک لے ناقہ کو لیلیٰ کے — مقام رحم ہے مجنوں تھکا ماندا ہے منزل کا
ترے در کے گدا کیا مال شاہی کو سمجھتے ہیں — یہاں پر جام جم بھی ہو تو ایک کاسہ ہے سائل کا
تماشا یہ عجب ہوتا کہ تم بھی لوٹ ہو جاتے — تڑپنا ایک نظر دیکھا جو ہوتا اپنے بسمل کا

نہ کی قدر اس کی کچھ اے ہجر چشم اشک طوفاں نے
نہایت قیمتی تھا ورنہ ہر ٹکڑا مرے دل کا

رشک ہے اُن کو کہ مجھ سا دوسرا ہو جائیگا — آئینہ میرا جو صورت آشنا ہو جائے گا
جھوٹ کبتک لے بتو بولو گے ہم سے روز روز — حشر کے دن وعدۂ فردا وفا ہو جائے گا
گر قدم رکھدو زمیں پر مہر گردوں کے لئے — آئینہ مُنہ دیکھنے کو نقش پا ہو جائے گا

ہجر ابرو سے اشارہ قتل کا کرتے ہیں وہ
اب کوئی دم میں ہمارا فیصلہ ہو جائیگا

صدا تک بھی نہ دی کیسا دل پُر آرزو ٹوٹا — پھپھولا کوئی پھوٹا یا حباب آرزو ٹوٹا
تمنائیں ہزاروں خانماں برباد پھرتی ہیں — الٰہی خیر یہ کس کا دل پُر آرزو ٹوٹا
خدا کا شکر ہے اب تو بتوں کے سجدے ہوتے ہیں — مبارکباد اے زاہد کہ تیرا بھی وضو ٹوٹا
خیال کاکل پیچاں عدوئے دل نہ ہو کیونکر — جہاں بال آگیا آئینہ میں اے خوبرو ٹوٹا
صبائے عطر پرور سے دماغ جاں معطر ہے — خدا جانے کہاں جام شراب مشکبو ٹوٹا

تمھیں انصاف سے کہدو نظر کس کی لگی اسکو
سرِ محفل جو آئینہ تمھارے رو برو ٹوٹا

شکایت ہے شکستِ شیشۂ دل کی بجا تم سے
تمھارے ہاتھ سے ٹوٹا تمھارے روبرو ٹوٹا

خدا جانے پھنسے شیخ و برہمن کس کے پھندے میں
پڑا ہے رشتۂ تسبیح و زنارِ گلو ٹوٹا

ابھی اے ہجر خطِ یار میں کیا کیا رقم کرتا
غضب ہے لکھتے لکھتے خامۂ پُر آرزو ٹوٹا

یہ داغ بعد مرگ مرے دل میں رہ گیا
دھبہّ لہو کا خنجرِ قاتل میں رہ گیا

دنیا سے کوچ کرکے میں آگے نہ بڑھ سکا
پھیلا کے پاؤں گور کی منزل میں رہ گیا

جل جل کے خاک ہو گئے پروانہ اور شمع
اک تذکرہ سا صبح کو محفل میں رہ گیا

مہماں نوازیاں جو پسند آگئیں مری
آکر خیالِ یار مرے دل میں رہ گیا

اے ہجر پیچ و تاب میں یاں ہو گئی سحر
سودائے زلفِ یار مرے دل میں رہ گیا

دم غنیمت ہے سوا دم کے ہے اس آدم میں کیا
غافلو کس کو خبر ہے دم میں کیا ہے دم میں کیا

لامکاں میں جو نہیں کون و مکاں میں بھی نہیں
دل میں کیفیت نہیں اپنے تو جامِ جم میں کیا

بات کیفیت کی کہتا ہوں سمجھنا شرط ہے
دل میں کیا ہے ہم میں کیا ہے جام میں کیا جم میں کیا

چاشنی ایک دل کو حاصل ہو عجب لذت ملے
غم کو کھا کر دیکھ لے کوئی مزہ ہے غم میں کیا

نورِ آنکھوں میں ہو دل پہلو میں تن میں جان ہو
دربدر ڈھونڈھیں تمھیں کیوں تم نہیں ہو ہم میں کیا

رنج مرنے کا نہیں مطلق ترے بیمار کو
اے مسیحا پر کھیں گے تجھکو سب عالم میں کیا

رُوکھی رُوکھی اُلجھی اُلجھی ہائے رہتی ہیں لٹیں
یہ سیہ پوشانِ کاکُل ہیں کسی ماتم میں کیا

رنج فرقت کم نہیں اے ہجر لطفِ وصل سے
زخم میں جو کچھ مزہ ہے ہوئیگا مرہم میں کیا

رو بر و اُن کا جو نقشہ ہو گیا ‏ آئینہ کو صاف سکتہ ہو گیا
موت کیا آئی کہ تسکین ہو گئی ‏ آپ کا بیمار اچھا ہو گیا
آبرو رو کر ملا دی خاک میں ‏ رازِ دل آنکھوں سے افشا ہو گیا
آبرو رونے سے آنکھوں کی بڑھی ‏ اشک کے قطروں سے دریا ہو گیا

ہجر دُنیا ہے یہ غفلت کی جگہ
ہوش میں آؤ تمھیں کیا ہو گیا

سُن کے مقتل میں یہ آواز کہ قاتل آیا ‏ جان میں جان پڑی دل میں مرے دل آیا
تیغِ ابرو کے جو مُنہ چڑھ کے مرا دل آیا ‏ پھر جو آیا مرے پہلو میں تو بسمل آیا
یادِ گیسو نے سفر میں بھی کیا ہے اندھیر ‏ جب نظر ہم کو سوادِ سرِ منزل آیا
بعد میرے کفِ افسوس کے مَلنے کے سوا ‏ کچھ ترے ہاتھ مرے ذبح سے قاتل آیا

بیکسی میں شبِ ہجراں کی کہوں کیا اے ہجر
پاس میرے نہ قضا آئی نہ قاتل آیا

ہمیں دو دم کی مہلت اور اگر ہوتی تو کیا ہوتا ‏ ذرا تکلیف اے دردِ جگر ہوتی تو کیا ہوتا
سبک روحی نہ ہم کرتے اگر ترکِ علائق سے ‏ گرانباری دمِ عزمِ سفر ہوتی تو کیا ہوتا

کچھ نہ کچھ افتاد ہوگی نالۂ و فریاد سے — اک نہ اک دن پھٹ پڑیگا آسمانِ کوے دوست
حشر کو بھی یہ اُٹھائے سے نہ اُٹھیں گے کبھی — چھوڑتے ہیں کب زمین افتادگانِ کوے دوست
کعبۂ و دَیر و کلیسا میں جہاں چاہو سنو — کس جگہ ہوتی نہیں ہے داستانِ کوے دوست
صورِ اسرافیل ہے گویا کہ شہنا کی صدا — خواب میں غافل پڑے ہیں خفتگانِ کوے دوست
پانوں کا اُٹھنا ہی مشکل ہے زمیں سے اے فلک — سر اُٹھا سکتے ہیں کیا افتادگانِ کوے دوست

ہجر کا بھی اے فلک پہنچے وہیں مشتِ غبار
جس زمیں میں دفن ہیں سب دوستانِ کوے دوست

آمد آمد ہے کسی ساقی کی میخانہ میں آج — اپنی اپنی جا پہ ہیں بیٹھے ہوئے ہشیار مست
ایک عالم پہ نہیں میخانۂ ہستی کا رنگ — ہوش میں دو چار بیٹھے ہیں تو ہیں دو چار مست

ہجر میں تو رند سرخوش ہوں مرا مذکور کیا
میکدے کی سرزمیں کے ہیں در و دیوار مست

جلوہ فرما چشم میں ہے جلوۂ جانانہ آج — شربتِ دیدار سے لبریز ہے پیمانہ آج
غیرتِ رخسارِ تاباں سے تمھاری بزم میں — شمع تو بجھ بجھ گئی جل جل گیا پروانہ آج
آزماؤں گا کسی ساقی کی میں دریا دلی — دیکھنا ہے ظرف تیرا بھی بس اے پیمانہ آج

معرکہ ہفت آسماں سے ہے ہماری آہ کا
نام ہے جس کو خدا دے ہمتِ مردانہ آج

دیکھے جو آنکھ کھول کر انسان غور سے — جامِ جہاں نما ہے رخِ باصفاے صبح
بیتابیوں سے دیتا ہے کیا کیا صداے شوق — مدت سے روح مرغِ سحر ہے فداے صبح

اے ہجر جسکو شوق ہو فصلِ بہار میں
بلبل کی داستاں میں سنے ماجراے صبح

بس ہوا ہیں سب خزاں میں رنگ و سامانِ بہار — بلبل و گل ہیں فقط دو دن کے مہمانِ بہار

شکل آئینہ ہوں آنکھیں محو و حیرانِ بہار — چشمِ نرگس سے جو دیکھے روئے خندانِ بہار

بند ہے اس کا دہاں اُس کی زباں خاموش سے — غنچۂ و سوسن ہیں دونوں رازدارانِ بہار

ایک ہی جھونکے میں لوٹا ہے گلوں کو ایک قلم — کیا خزاں نے آن کر مارا ہے میدانِ بہار

دیکھئے انصاف سے تشبیہ ہے کیا صاف صاف — جوئبارانِ چمن ہیں آئینہ دارانِ بہار

نہیں دھبا لہو کا جم گیا قاتل کے خنجر پر — ہمارے خونِ ناحق کی ہوئی ہے مُہر محضر پر

نہ جبتک پی چکوں میں بادہ کش جی بھر کے اے ساقی — جھکی رکھنا صراحی میری خاطر روئے ساغر پر

خیالِ گردشِ دوراں بھی رندو تم کو لازم ہے — نہ ہو بیہوش کم ظرفی سے تم اِس دورِ ساغر پر

ہم عشق کے بندے ہیں ہمارا ہے یہی قول — مل جائیں جسے بُت اُسے مل جائے خدا پھر

جو سنتے ہیں سب جھوٹ ہے واعظ کی کہانی — جنت ہے نہ دوزخ ہے جزا ہے نہ سزا پھر

محفل میں وہی جام وہی ساقی و مے ہو — اے چرخ وہی دَور وہی رنگ دکھا پھر

مقتل میں مجھے دیکھ کے کہتا ہے وہ قاتل — ہر پھر کے تجھے لائی ہے کیا تیری قضا پھر

لازم ہے کیجئے نئی بیداد دیکھ کر — چاہا ہے آپ کو ستم ایجاد دیکھ کر

موجود مجھ سا عاشقِ نالاں ہے باغ میں — اے عندلیب کیجیو فریاد دیکھ کر

اے ہجر باغِ دہر میں وہ عندلیب ہوں
ہر دم ہے تاک میں جسے صیاد دیکھ کر

اے دل نہ بتوں کی التجا کر — توبہ توبہ خدا خدا کر

جان دیکے ملا وہ شوخِ خودکام — کھوئے ہم آپ اُس کو پا کر

اے دل گیسوئے یار کا عشق؟ — سودائی ہوا ہے کچھ دوا کر

تا رازِ دروں نہ ہووے افشا — دل کا دل ہی میں فیصلا کر

بُلبل کو خار دے کے پہنے! — گلچیں پھولوں کا ہار افسوس

گذران ہے یہ عالم تو ہم — اے چرخِ طلسم کار افسوس

توڑنے اے آسماں مٹائے کیا کیا نقش و نگار افسوس

نہ فکر کون و مکاں ہے نہ لامکاں کی تلاش نہ اس جہاں کی ہمیں ہے نہ اُس جہاں کی تلاش

بہار آئیگی سرسبز پھر چمن ہو گا شگوفہ لائیگی اک روز باغباں کی تلاش

نہ دیر ہی سے غرض ہے ہمیں نہ کعبہ سے
بتو تمھارے ہے بس سنگِ آستاں کی تلاش

مشتعل داغِ جنوں سے ہے ہمارے دل میں شمع
ہائے تنہا جل رہی ہے گوشۂ منزل میں شمع

دستِ موسیٰ نے دعا مانگی ید بیضا ملا
نور قدرت سے ہوئی روشن کفِ سائل میں شمع

حسنِ عصمت سے دوچنداں ہوگیا فانوس میں
شکل لیلیٰ جب ہوئی پردہ نشیں محمل میں شمع

آتشیں رخ پر ترے اُڑ اُڑ کے پروانے گرے
شرم سے جل جل کے آخر بجھ گئی محفل میں شمع

بے خطر پھر کیوں نہ یہ پروانے گستاخی کریں
کچھ زباں سے کہہ سکے اتنا نہیں مقدور شمع

آرزوے دو جہاں کو پھونک کر اے ہجرؔ ہم
چشم دل سے دیکھتے ہیں جلوۂ مستور شمع

دلِ دیوانہ ہے منزل گہ جانانۂ عشق داغِ پہلو ہے چراغ درِ کاشانۂ عشق

یہ لبالب تو وہ لبریز مئے الفت سے دیدۂ و دل ہیں مرے شیشۂ و پیمانۂ عشق

حسنِ جانانہ یہاں جلوہ نما رہتا ہے شیشۂ دل ہے تماشائے پری خانۂ عشق

چشم مجنوں سے کوئی آنکھ اُٹھا کر دیکھے
منزلوں حسن سے آباد ہے ویرانۂ عشق

لامکاں گوشۂ خلوت ہے اک اسکا اے ہجر
عرش سے فرش تلک سب ہے جلوہ خانۂ عشق

لذتِ زخم سے کہتا ہوا قاتل قاتل
مُنہ کے باہر نکل آیا ہے مرا دل قاتل

دونوں ابرو ہیں کہ قاتل کے مقابل قاتل
ہمدگر ہیں کہیں لڑ جائیں نہ قاتل قاتل

دھوم مقتل میں مچا رکھی ہے مقتولوں نے
واں سے دن رات صدا آتی ہے قاتل قاتل

جو گیا مر ہی مٹا ایک نہ پھر کر آیا
منزلوں میں ہے فقط گور کی منزل قاتل

زخم کھانے کا تجھے بھی تو مزا ہو معلوم
کوئی تجھسا تجھے مل جائے جو قاتل قاتل

زلف و ابرو - مژہ و چشم خط و خال سبھی
سچ تو یہ ہے کہ ہے قاتل ترا تل تل قاتل

بعد ازیں کون اُٹھائیگا ترے جور و ستم
ہجر کا سا نہ ملے گا تجھے بیدل قاتل

ہیں قطرۂ اشک گوہرِ دل
کھنچکر آیا ہے جو ہرِ دل

کعبہ ہو کہ دیر جائینگے ہم
لیجائے جدھر کو رہبرِ دل

پیتے ہیں شراب عشق اے ہجر
ہم رند ہیں - مست ساغرِ دل

یورشِ بادِ صبا سے نہ ہو برہم شبنم
آبرو تیری نہ ہو جائیگی کچھ کم شبنم

دیکھ سکتی جو نہیں نور کا عالم شبنم
صبح کے ہوتے ہی کرجاتی ہے بس رم شبنم

سیر گلزار میں اُس گُل کو جو دیکھا اے ہجر
چہرۂ گُل پہ خجالت سے گئی جم شبنم

مشورت در پردہ رکھتے ہیں بڑے کامل سے ہم
چپکے چپکے باتیں کرلیتے ہیں اپنے دل سے ہم

ہیں وہ بسمل حشر تک دامن نہ چھوٹے ہاتھ سے
جب تلک بھرلیں نہ اپنا خون بہا قاتل سے ہم

بزمِ عالم میں وجود اپنا سمجھتے ہیں عدم
بیٹھے ہیں محفل میں لیکن ہیں الگ محفل سے ہم

کس قدر ہیں غرق گردابِ محیطِ بیخودی
عین دریا میں پڑے ہیں بیخبر ساحل سے ہم

جوششِ دل سے مرے آنکھیں جو گریاں ہوگئیں
صورتیں درپردہ جو کچھ تھیں وہ عریاں ہوگئیں

کون سے عاشق کا مرجانا وبالِ دوش ہے
کس لئے شانوں پہ یہ زلفیں پریشاں ہوگئیں

کیسے کیسے جوہرِ پاکیزہ ہیں اس خاک میں
روحیں کیا کیا آن کر محبوسِ زنداں ہوگئیں

پھر بہار آئی جنوں کا پھر سر و ساماں ہوا
وحشتیں پھر آن کر دست و گریباں ہوگئیں

کتنے بیباک ہیں دیکھو یہ جفا جو دونوں
صفِ مژگاں پہ جھکے رہتے ہیں ابرو دونوں

مصحفِ رخ کے مجاور ہیں یہ ہندو دونوں
اہتو کافر نہ رہے یار کے گیسو دونوں

ہے ہزاروں دلِ عشاق کا مسکن اُن میں
ہیں مگر شامِ غریباں ترے گیسو دونوں

مئے گلرنگ کہاں ہوش کدھر ہے ساقی
اشک خونیں سے بھرے ہیں ترے چلو دونوں

سر جھکایا تو ہوئی سیر دو عالم اے ہجر
جامِ جم ہیں یہ مرے کاسۂ زانو دونوں

کعبہ و دیر و کلیسا میں جدھر دیکھتے ہیں
اُسی بے نام و نشاں یار کا گھر دیکھتے ہیں

سات پردوں میں عبث چھپتے ہو ناحق ہے حجاب
ہم تصور میں تمھیں آٹھ پہر دیکھتے ہیں

آگ پانی میں لگاتے ہیں جو مضموں اپنے
گرمئ صحبتِ آتش کا اثر دیکھتے ہیں

کب بھلا عشق کے انجام سے غافل ہم ہیں
موت کس بات کی دیتی ہے خبر دیکھتے ہیں

زاہد بتوں کے عشق کا اظہار بھی تو ہو
کافر گلے میں رشتۂ زنار بھی تو ہو

ہر روز طور پر ہو تجلی ہزار بار
موسیٰ سا کوئی طالبِ دیدار بھی تو ہو

کانٹوں میں اپنے شوق سے اُلجھوں میں اے جنوں
دامانِ پیرہن میں کوئی تار بھی تو ہو

پوچھوں تو کس سے پوچھوں میں اس بیخودی کا حال
تم میں سے غافلو کوئی ہشیار بھی تو ہو

ہوائے نشہ پھر پیدا ہوئی فصلِ بہار آئی
لگادے ساقیا منہ سے مرے اک جام مینائی

محبت بھی جو کی میں نے تو ان کی زلفِ پیچاں سے
ذرا اندھیر تو دیکھو کہاں اُلجھا میں سودائی

دلِ پژمردہ تازہ ہوگیا اے ہجر اک دم میں
بدن میں جان سی آئی اُدھر کی جب ہوا آئی

یہ بیڑیوں سے صدا بار بار آتی ہے
چلو چلو کسی جانب بہار آتی ہے

خودی سے چلتے ہیں جب بیخودی کے عالم کو
ہمارے کام مئے خوشگوار آتی ہے

جو دردمند ہو کوئی تو دل کی ہم کہدیں
ہمیں دوائے دلِ بیقرار آتی ہے

کہیں کہیں یہ ابھی یادگار باقی ہے
مٹا مٹا سا جو نقش و نگار باقی ہے

کہاں کہاں نہ پھراویگا عشقِ چشمِ بتاں
یہی جو گردشِ لیل و نہار باقی ہے

لحد میں دفن جو ہونگا تو کانپ اُٹھیگی زمیں
کہ اضطرابِ دلِ بیقرار باقی ہے

نہ وہ چمن ہے نہ وہ گل نہ وہ ہوائے بہار
ہزار حیف کہ تنہا مزار باقی ہے

میرے پہلو میں دلِ ناداں نہ ہوتا کاشکے
ایک شب تو میں کبھی راحت سے سوتا کاشکے

گریۂ بیجانے بزمِ یار میں رُسوا کیا
چپکے چپکے دل ہی دل میں اپنے روتا کاشکے

چشمِ تر میں حیف آنسو ڈبڈبا کر رہ گئے
ہائے رویا تھا تو میں جی بھر کے روتا کاشکے

دیکھتا میں بھی کہ پھر کیونکر مٹا دیتا تو مجھے
اے فلک میں دَور میں تیرے نہ ہوتا کاشکے

مُنہ کو آتا ہے کلیجہ شق جگر ہونے کو ہے
یہ مہم یہ معرکہ بھی آج سر ہونے کو ہے

ہوگیا صدق و صفا سے صورتِ آئینہ صاف
دل قبولِ خاطرِ اہلِ نظر ہونے کو ہے

گُل کی تیرے روبرو تصویر آدھی رہ گئی
ہم سے اور بلبل سے اب تقریر آدھی رہ گئی

مر گئے ہم رہ گیا الفت کا قصہ ناتمام
نامۂ اعمال کی تحریر آدھی رہ گئی

شور و غوغا تا کجا بہرِ خدا خاموش ہو
رات باقی نالۂ شبگیر آدھی رہ گئی

ضبط میں جو کچھ اثر ہے آہ وزاری میں کہاں
مُنہ سے نکلی بات اور تاثیر آدھی رہ گئی

چھوڑ کر دنیا ہوئی اے ہجرؔ عقبیٰ کی تلاش
فکر آدھی کم ہوئی تدبیر آدھی رہ گئی

بہارِ باغ نے کیا کیا بہارِ باغ دکھلائی
عروسِ فکرِ رنگیں کو سجا پھولوں کے زیور سے

تواضع کی صفت ہم نے نہ پائی ایک ساقی میں
کبھی جھکتے نہ دیکھا گردنِ مینا کو ساغر سے

ٹھہرتا ہی نہیں ہے دل ہمارا بحرِ الفت میں
یہ کشتی دیکھئے کب آشنا ہوتی ہے لنگر سے

بتانِ خوبرو سے گو محبت ہے ہمیں لیکن
غرض رکھتے ہیں ہم اپنے خدا کے بندہ پرور سے

شرابِ عشق ظرفِ چشم و دل میں تھم نہیں سکتی
ڈھلک جاتی ہے مینا سے چھلک جاتی ہے ساغر سے

فدائے ساقیِ کوثر ہوں میں وہ رندِ مشرب ہوں
پیالہ ہاتھ میں شیشہ سرِ محفل بغل میں ہے

جگر شق کر نہ او قاتل کیا ہے دل کو گر زخمی
مقامِ رحم بھی کچھ ہے کہ اک بسمل بغل میں ہے

بڑی تالیف سے روکا ہے دل کو دم دلاسوں میں
بصد دقّت ہے پہلو میں بصد مشکل بغل میں ہے

کیا جانئے کیوں جلتی ہے کیا دل سے لگی ہے
لَو شمع کی کس رونقِ محفل سے لگی ہے

ہستی کا ٹھکانا نہیں دریائے عدم میں
ڈوبی ہوئی کشتی کہیں ساحل سے لگی ہے

ہاں آتشِ جاں سوزِ محبت کی حرارت
پوچھے کوئی اُس دل سے کہ جس دل سے لگی ہے

بے سوزِ دروں آنکھ سے آتا نہیں رونا
اشکوں نے بجھائی ہے جہاں دل سے لگی ہے

پُرزے مرے اُڑتے ہیں کہ ٹکڑے مرے پہلے
آپس میں یہ بازی جگر و دل سے لگی ہے

بحالِ بیخودی گذرا ہوا افسانہ کہتا ہے
پر اپنے دل کی کیفیت نہیں دیوانہ کہتا ہے

سرِ مو عقدۂ زلفِ دوتا کھلتا نہیں ان کا
زبانیں گو کہ ہیں لیکن نہیں کچھ شانہ کہتا ہے

رموزِ عاشقاں کچھ ہم سے عاشق ہی سمجھتے ہیں
اشاروں میں جو شمعِ بزم سے پروانہ کہتا ہے

صراحی میکدہ میں ہچکیاں لے لے کے روتی ہے
جو اگلے میکشوں کا حال کچھ پیمانہ کہتا ہے

تضمین بند سوم از ہفت بند مُلاّ محمد حسن کاشی

جنّت از جوے سخاوت آبِ کوثر یافتہ جبرئیل از فیض رابت بال و شہپر یافتہ
بحرِ شور از آبروت کانِ گوہر یافتہ اے سپہرِ عظمت از فرِّ تو زیور یافتہ
آفتاب از سایۂ چترِ تو افسر یافتہ

در دو عالم آنکہ یکسر بانگ یکتائی زدہ آنکہ از مہ تا بماہی طبل و انائی زدہ
آنکہ مہرِ حکم بر فرمانِ والائی زدہ آنکہ اندر آفرینش لافِ بالائی زدہ
رفعت را ز آفرینش پایہ برتر یافتہ

چھانتے ہیں خاکِ در شمس و قمر لیل و نہار اس زمیں کے ذرّہ ذرّہ پر کواکب ہیں نثار
ریمیائی سیمیائی سیم و زر کا کیا شمار از غبارِ درگہِ چرخ اخترامت آشکار
کیمیاگر نسخۂ گوگردِ احمر یافتہ

بحر و دریا ہیں رواں سب کو ہے تیری جستجو تجھ سے اے جوے سخا حاصل کریں تا آبرو
ہفت قلزم ہفت گردوں میں یہی ہے گفتگو روزِ فتح الباب را بر دستِ دریا بارِ تو
نسر طائر را فلک چوں بط شناور یافتہ

دوسرا تجھ سا نہیں تو ہی ہے شاہِ دو جہاں سر بسر محتاج ہیں تیرے زمین و آسماں
پھر گیا خالی ترے در سے کوئی سائل کہاں ہر کہ دستت را بدریا کرد نسبت بے گماں
رشحۂ دستِ ترا دریائے اخضر یافتہ

آسمان و عرش و کرسی کو تو کیا ہے امتیاز لامکاں ایک آشیانہ ہے ترا او ہوشیار
عقدۂ مشکلکشائی کا یہاں کھلتا ہے راز بازِ قدرت ہر جگہ بالِ جلالت کردہ باز
طائرانِ سدرہ را در زیرِ شہپر یافتہ

بے شماراں را نمودی ہمچو قاروں مال مست نیمچو پیشِ سخاوت در دو عالم ہرچہ ہست
اے خوشا قسمت خوشا طالع کہ در روزِ الست ہر کہ مُہرِ مہرِ تو بر صفحۂ جاں نقش بست
مخزنِ دل راچو کانِ زر تونگر یافتہ

خاکساری مدّتوں کی جب ہوئی حاصل صفا ۔۔۔ مشکلوں سے شکلِ آئینہ ہوئی صورت نما
آبرو جب تو نے بخشی تب ہوا نشو و نما ۔۔۔ باصفائے گوہرِ ذاتِ تو رضوان سالہا
خاک خجلت بر زمینِ آبِ کوثر یافتہ

کون پا سکتا ہے تیری ابتدا و انتہا ۔۔۔ اُسکے لاعلمی سے عاجز ہیں ملائک جز خدا
بے گماں ہے شانِ خالق یا علیِ مرتضیٰ ۔۔۔ ساقیِ کوثر نہ چنداں مدح باشد مر ترا
اے ز نو دریائے فطرت کانِ گوہر یافتہ

گر نہ ہوتا تو تو ہوتا عالمِ اسباب کب ۔۔۔ تو خدا کے نور سے ۔ تجھسے ہوا پیدا یہ سب
طول کو اس جا سے بس میں مختصر کرتا ہوں اب ۔۔۔ گر نہ بودے ذاتِ پاکت آفرینش را سبب
تا ابد حوّا سترون بودی آدم عذب

تضمین بند ششم

لامکاں یک گوشۂ از قصرِ ایوانِ شماست ۔۔۔ وسعتِ عرشِ بریں کُنجِ ز میدانِ شماست
دفترِ لوح و قلم تحریرِ دیوانِ شماست ۔۔۔ اے کہ فرمانِ قضا موقوفِ فرمانِ شماست
دور دورانِ فلک دَورے ز دورانِ شماست

سایہ ات عرشی کہ کرسی پایۂ اقبال اوست ۔۔۔ رحمتت ابرے کہ عمّان مایۂ اقبال اوست
جلوہ ات نورے کہ روشن آیۂ اقبال اوست ۔۔۔ آفتابے کا سماں در سایۂ اقبال اوست
پرتوِ از لمعۂ گوئے گریبانِ شماست

در دو عالم بارگاہت را حصارے بیش نیست ۔۔۔ عرشِ اعظم رتبہ ات را پایہ دارے بیش نیست
پیر گردوں بر درت جز خاکسارے بیش نیست ۔۔۔ آنچہ از وے عالمِ امکاں عیارے بیش نیست
صورتے صد چنداں رُکنے ز ارکانِ شماست

بیضۂ گردوں کو تو چاہے تو لے پر میں دبا ۔۔۔ کھولے گر شہپر چھپے شمس و قمر تک کی ضیا
پنجوں میں جا ہے تو لیوے عرش و کرسی کو اٹھا ۔۔۔ قبۂ نہ چرخ را چوں دانہ برچیند ز جا
مرغِ تقطیعے کہ آں بر بامِ ایوانِ شماست

ساکنانِ عالمِ ارواح کا ہے بندہ دم کہتے ہیں روح الامیں اللہ رے جاہ و حشم
دیکھتا ہوں عرش و کرسی کا یہاں پایہ ہے کم نسبتِ قدرِ ترا با اوجِ گردوں چوں کنم
زآنکہ اوجِ او حضیضِ قدرِ ایوانِ شماست

جوششِ کاندر دلِ عمّانِ امکانِ قضاست شورشِ کاندر سرِ انسانِ امکانِ قضاست
ہر سرے کاندر سر و سامانِ امکانِ قضاست ہر گہر کاندر ضمیرِ کانِ امکانِ قضاست
صورتِ اظہارِ آں موقوفِ فرمانِ شماست

زعم باطل ہیں نصارا کو مسیحا سے ہے ساز علم پر یونانیوں کو اپنے ہے اک امتیاز
بندۂ عاجز کو تیری ہی شفاعت پر ہے ناز بر درِ دولت سرایت روے بر خاکِ نیاز
با دلِ پر درد بر امیدِ درمانِ شماست

در جگر تا چند از غم تیر و پیکاں داشتن عاقبت تا کے دلا ایں خار در جاں داشتن
ہست لازم ما حضر در پیشِ مہماں داشتن دردِ پنہاں پیشِ درماں چند نتواں داشتن
عاقلی نبود ز درماں دردِ پنہاں داشتن

ہری۔ پنڈت ہری کول صاحب۔ آپ ۱۹۱۴ بکرمی مطابق ۱۸۵۸ء میں بہ مقام سری نگر کشمیر پیدا ہوئے۔ فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے وقت کے ایک مشہور اُستاد پنڈت ٹھاکر بھان سے پائی۔ بچپن ہی سے طبیعت معرفت کی طرف جھکی ہوئی تھی چنانچہ بقول آپ کے چودہ سال کی عمر میں عالمِ وجد و مستی میں کشمیر کی مشہور عارفہ للی شری کے درشن سے فیضیاب ہوئے۔

انھی دنوں میں گھر بار چھوڑ کر کارہ بامہ گاؤں کی طرف بھاگ گئے۔ دو سال تک یہاں مقیم رہے اور ہر روز علی الصباح شنکر ناگ کے پوتر مقام پر پلو جا پاٹ میں مشغول و محو رہتے تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ یہاں ایک رات کو عالمِ رویا میں شری کمار جی کے بھی درشن ہوئے جنھوں نے ایک کتاب عطا کر کے آپ کو پڑھنے کی ہدایت فرمائی

اسی وقت سے آپ کی شاعرانہ طبیعت کے جوہر کھل گئے اور آپ بے دھڑک رواں شعر کہنے لگے۔ چند دنوں کے اندر اندر اشعار کا ایک دفتر تیار ہوگیا جس کو آپ نے بعدازاں دیوان کی صورت میں ترتیب دیا۔ افسوس ہے کہ دستبرد زمانہ سے یہ تلف ہوگیا۔

اس کے بعد آپ واپس سری نگر تشریف لائے اور تقریباً ایک سال تک لوگوں کو فارسی میں درس دیتے رہے۔ ۱۷ سال کی عمر میں ایک علم دوست اور صاحب مذاق وزیر وزارت سے تعارف حاصل ہوا۔ ان کا نام لالہ رام کشن تھا۔ انھوں نے آپ کو محکمۂ مال میں اپنے ماتحت بمقام گلگت بطور محرّر ملازم رکھا۔ یہاں تین سال تک فرائض انجام دینے کے بعد جموں میں بھی لالہ صاحب موصوف کے تحت دو سال تک کام کرتے رہے۔ سنہ ۱۹۴۸ء بکرمی میں ملازمت سے دست بردار ہوگئے۔

آپ کو اہلِ عرفان اور خدادوست اصحاب سے دلی عقیدت تھی۔ بلکہ خود بھی علم روحانیت کے ماہر ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے۔

آپ کے تصنیفات میں سے علاوہ تلف شدہ دیوان کے مثنوی قصۂ "گل بکاولی" المعروف بہ "گلشنِ عشق" "فارسی بھاگوت منظوم"۔ ایک دو مختصر رسالے اور چند قصائد یادگار ہیں۔ مثنوی میں نظامی اور قصائد میں قاآنی کا تتبع کرتے تھے چنانچہ تقریباً ہر شعر سے انہیں استادوں کا رنگ جھلکتا ہے۔ تشبیہات اور استعارات کے برتنے میں کافی مشق بہم پہنچائی تھی۔ پُرگو ہونے کے علاوہ اگرچہ کلام تکلف اور تصنع سے خالی نہیں لیکن کہنہ مشقی اور پختہ کلامی کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کے اشعار میں بجاو بیجا تصرفات کا عنصر غالب ہے۔ فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے اور عربی سے بھی آشنا تھے۔

آپ ماہ پوہ سنہ ۱۹۸۷ بکرمی مطابق ماہ دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء میں رہگرائے عالمِ جاودانی ہوئے۔

انتخاب از گلشنِ عشق المعروف بہ قصّۂ بکاؤلی

حمد و ثنا میں فرماتے ہیں ؎

اے ہمہ تحتِ تو توئی مافوق — حسن و عشقِ تو عاشق و معشوق

اے بہ عشقت نیاز و حسنِ تو ناز — صفتِ ذاتِ تست ناز و نیاز

اے بذاتِ ترا صفاتِ ازل — در جہاں ہر چہ ہست علم و عمل

اے کہ ہاہوت عینِ ذاتِ ترا — نورِ لاہوت شد صفاتِ ترا

اے صفاتِ کبودِ تو جبروت — جلوہ آرا شدہ از و ملکوت

اے عیاں آمد از نہاں ملکوت — رونق افروزِ عالمِ ناسوت

اے چنیں رنگ ہا زبے رنگی — سر زدی در فراخی و تنگی

اے ازیں ہر سہ صفتت معروف — ملک و خلق و جن شدہ موصوف

اے توئی بے کنار دریائے — پر ز موج و حباب و از مائے

بحر را آب و آب را گرداب — خاصیت ہست و نیز موج و حباب

پس حباب و مواج و ہم گرداب — مختلف کے تواں شمرد ز آب

زیں دلالت ز تو جہاں در تو — ہست در ظاہر و نہاں در تو

خود توئی کوزہ ساز و کوزہ توئی — خود خریدار و جام و کوزہ توئی

اے کہ در واحدی نہ گنجیدی — دوئی اندر یکے پسندیدی

کے تواں گفت بے دوئی واحد — واحدی را دوئی بود شاہد

چہ دوئی و چہ احدیت بظہور — ہمچو النور بہ مہر و مہر بہ نور

اے توئی در وجود ہا موجود — بے وجودی و با وجود شہود

اے ہمہ ظاہر و نہاں در تو — بے نشانی و ہر نشاں در تو

اے توئی معدنِ علوم و عمل   مخزنِ رازِ آخر و اوّل
اے توئی مہرِ مہر و ماہِ ماہ   منبع و مجمع سپید و سیاہ
اے توئی خالقِ مکین و مکاں   مالکِ ملک و مُلک و جان و جہاں
اے توئی خود بخود جہاں پیکر   جاں دہ و جاں بری و جاں پرور
اے بامرِ تو آب پویاں است   آتشِ تفتہ شعلہ خیزاں است
قادرا قدرتِ تو بیچوں است   از دل و عقل و وہم بیروں است
چہ تصوّر کنم بذاتِ ترا   چہ مصوّر شوم صفاتِ ترا
اوّلِ اوّلی و دیگر ہیچ   آخرِ آخری و دیگر ہیچ
ہر چہ ہستی توئی درون و بروں   بے تو نا گفتنی است ہر مضموں
نقش و نقّاش ہر چہ ہست توئی   آنچہ دارد بلند و پست توئی
اے ہری دم مبدم بدمسازی   چوں بدینساں بحق بپردازی
حق شناسی و حق سرا باشی   حق شوی کے زحق جدا باشی

عشق مجاز و حقیقت کے بارے میں سے

اے نسیمِ صبا شمیمِ عشق   رہنما ساز در حریمِ عشق
عشق مہرے است کز ظہورِ اُو   مہر و مہ ذرّہ ہائے نورِ اُو
عشق مشکے است کز نسیمِ اُو   عالمے مست از شمیمِ اُو
عشق چوں آفتابِ تابندہ   مور تا مہ ہمہ ازو زندہ
عشق نارے است کز فلک تا خاک   تف گرفتہ ازو سمک بہ سماک
جذبۂ عشق چوں کمال گرفت   بدر از وے پیکرِ ہلال گرفت
جذبۂ عشق در دلِ مجنوں   لیلی آورد از عدم بیروں
جذبۂ عشق یافت چوں فرہاد   جانِ شیریں بنامِ شیریں داد

جذبۂ عشق یافت چوں عذرا | سر زد از جانِ وامق شیدا

جذبۂ عشق یافت چوں بیضا | صبح تا شام رفت چوں شیدا

جذبۂ عشق چوں دویدہ بہ آب | کہ بدریا زکوہ شد بہ شتاب

جذبۂ عشق چوں بنار آمد | کہ بہر سوئے شعلہ بار آمد

جذبۂ عشق چوں ہوا بگرفت | کز سمک جملہ تا سما بگرفت

جذبۂ عشق اگر نہ بودے | کس بہ کس در جہاں نیاسودے

چرخ بے عشق کے رواں گردد | بادِ بے عشق کے رواں گردد

آتش از عشق ہم شرر خیز است | آب از عشق موج انگیز است

خاک سکوں ز عشق بے پروا | اختر از عشق عشوہ گر بہ سما

عشق معشوق را عیاں کردہ | عالم پیر را جواں کردہ

عشق سوزے است گو بہ نالہ و آہ | عاشقاں داشت در سپید و سیاہ

عشق جاں بخش و دلفروش آمد | شیوۂ عشق نیش و نوش آمد

عشق را خو ہمہ بناز و نیاز | قوت آہ و ویل و وائے و سوز و گداز

عشق دردے است لاعلاج و دوا | عشق دردے است در سماع و نوا

عشق از نے کند حکایت ہا | وز جدائی بسے شکایت ہا

عشق معشوق را کمال افزود | عشق عشاق را زوال افزود

عشق آباد کرد ویرانہ | عشق بر شمع تاخت پروانہ

عشق در بحر و بر قرار آورد | عشق در مرد و زن گزار آورد

عشق آوازہ الست در ہر گوش | کہ از دل بجان و جاں را ہوش

شیر از عشق ہم اسیر شود | روبہ از عشق شیر گیر شود

اے ہری عشق جانِ جاناں است — ہر کہ را عشق نیست بیجاں است
سوزِ عشقت اگر نہ گردد کم — شاد باشی بہ جانِ جاں ہردم

در تعریف باغ و بہار

شبے اندر چو آہوئے سیمیں — رم گرفتہ بباغِ خضراز چیں
روشنانِ سپہرِ خضرائی — عشوہ گر شُدّ بجلوہ آرائی
نافہ از نافِ آہوئے شبِ تار — مُنتشر کردہ بُد نسیمِ بہار
شبے السحق ز پرتوِ ناہید — چہرہ گشتہ بہ چہرۂ خورشید
بہ عطّاریِ نافۂ گلہا — کارواں کش صبا بہ منزلہا
مہ بخورشید از شکوہِ ضیا — عَلَم افراشتہ بہ ارض وسما
صبحِ صادق خجل ازاں شب بود — مہر از مہرِ ماہ پُر تب بود
روز از عودِ آں شبِ فیروز — مجمرِ مہر کردہ نور اندوز
سطحِ گردوں بہ اختر و پرویں — گوہر آمود بود و نور آگیں
از شمایم مشامہا مشحوں — ہر نسیمے مفرّح محزوں
پشتہ و دشت چوں گلستاں بود — راغہا ہمچو باغ و بُستاں بود
عکسِ مہ آبِ سیم دادہ بکشت — زرفشاں ہر چمن برنگِ بہشت
کردہ سقّائی کہکشانِ سما — آب پاشی بہ سبزۂ غبرا
وہ چہ شبنم بروئے سبزۂ تر — ہمچو اختر بہ چرخِ اخضر
سیمِ اصباح یا سمینِ سفید — بزرِ احمرِ گلِ خورشید
نجبہر از نشۂ مئے ہستی — چشم وا کردہ بُد بہ سرمستی
لالہ ز اندوہِ نیستی یکسر — چاک کردہ بجامۂ احمر
روزہ کش سوسنِ مسیح زباں — دستِ موسیٰ بہ صبح دادہ نشاں

ز آتشِ رنگِ ارغوانِ چمن شعلۂ طور بُد عیاں بہ دمن
از شقایق عیاں بہ فیضِ نسیم بود گلنار نارِ ابراہیم
زرِ خلاصِ گونۂ جعفر کردہ سیماب نسترن در بر
ساقیِ گُل بہ ساغرِ لالہ ریختہ بود بادۂ (احمر) آلہ
با سہیلِ سمن ز مسروری خندہ زن بود شعریِ سوری
کردہ واصل نسیمِ بستانی بام نسریں بہ شامِ ریحانی
بہ سمائے بنفشۂ سرِ خم بود رخشندہ روشنانِ نم

ظہورِ صبح کو اس طرح بیان کرتے ہیں سہ

بامداداں کہ چوں شہنشہ چیں ریخت از جامِ لعلِ مے بزمیں
صد ہزاراں عروسِ سیم اندام رُخ نہفتہ بہ تُتُقِ نیلی فام
بانوے شام در حجاب آمد خسروِ روم در شتاب آمد
صبح چوں شد جہاں فروز از نور زنگِ تاریکی از جہاں شد دور
صبح دم کز افق سپیدہ دمید شد ز رخت سیاہ شب نومید
مرغِ زرینِ چیں پرید از چیں زاغِ مشکیں شد آشیانہ نشیں
لعلِ گلرنگ شد بروں از سنگ مُشتِ دُر گم بُدُرجِ نیلی رنگ
چوں سحر گہ بہ ساغرِ جمشید سبز او رنگ بر بشد خورشید
مشعلِ روز گشت تابندہ شمع شب گل بنفشہ آگندہ
بامداداں چو خازنِ افلاک گنج زر ریختہ بدامنِ خاک
نازنینانِ چرخِ سنجابی پردہ بر رُخ کشیدہ عنابی

چوں سپیدہ دماں سپیدۂ روز شد ز بیضا ضیا جہاں افروز

آمدِ شام اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

چوں عروسِ فلک بہ پردہ دری | شد بروں از افق بہ جلوہ گری
نازنینانِ چرخِ عباسی | ہمہ شد عشوہ گر بہ رقاصی
رومیِ بر حبش شدہ منصور | روم قاہر شد و حبش مقہور
چینیِ تاخت زد بہ ہندستاں | کرد تاراج ہند و زنگستاں
چوں براورنگِ چرخِ نیلی رنگ | محفل آراستہ شہنشہ زنگ
شد بہ پرواز زاغِ مشکیں پر | پرِ طوطی نہفتہ بیضۂ زر

سراپاے بکاؤلی کا خاکہ اس طرح پیش کرتے ہیں ؎

دلبر و دلکش و دلا رامے | گلبر و گلرخ و گل اندامے
گوہرِ دُرجِ قلزمِ خوبی | اخترِ برجِ حسن و محبوبی
آفتابِ سحر گہِ نوروز | ماہتابِ چہاردہ شب و روز
برکشیدہ بہ فرقِ او زعبیر | نہرے از شیر خامۂ تقدیر
چہ عبیر و چہ جوئے شیر دراں | جلوۂ بام گو بہ شام عیاں
وہ چہ شام و چہ بام عالمتاب | زادہ کافور گو بنافۂ ناب
وہ چہ کافور و نافہ در ظلمات | شد رواں جوئبار آبِ حیات
وہ چہ پیشانیش بہ حسن و جمال | صبح نوروز و بدرِ چرخِ کمال
چوں سپہرش سرو رخش چوں ماہ | اختر و شب دو چشم و زلفِ سیاہ
چہ جبیں و چہ قشقہ اش بجبیں | رستہ بر نسترن شقائقِ چیں
وہ چہ قشقہ بجبہہ عالمتاب | ماندہ خورشید در برِ مہتاب
جعد و زلفش بہ پیچ و تاب کمند | کردہ دلہا بہ بندِ پُر چیں بند
وہ چہ پُر پیچ و تابِ گیسویش | ہالۂ مشک بر مہِ رویش

وہ چہ زلفش بچہرہ پیوستہ سنبلِ تر زنسترن رستہ

کاکلش ہمچو ہندوئے چوں قیر زنگ را کردہ تا ختن تسخیر

پیشِ ابروئے آں بتِ مسعود طاقِ محراب سر نہد بہ سجود

وہ چہ ابرو کمانِ خمدارش قوسِ ابلیس و تیغِ دمدارش

خم گرفتہ چہ جفت ابرویش طاقِ محراب کعبۂ رویش

دردو ابروش خالِ نیلیں ناب سنگِ اسود چو ہست درمحراب

وہ چہ چشمش غزالِ باغِ ارم دامِ پا بندِ آہوانِ حرم

وہ چہ دیدہ چہ آفتِ دلہاست سرمہ پرور دو نرگسِ شہلاست

ہست مژگانِ آں بتِ چوں ماہ بالِ شاہبازِ عشوہ مرغِ نگاہ

وہ چہ مژگاں سنانِ جنگ وظفر تیز پر گو دو پرِ بازِ نظر

بینیش از دو بید برگ پرتو گلِ نسریں دمیدہ سر بفرو

وہ چہ بینی ز طاقِ ابرویش رکنِ محرابِ کعبہ رویش

رُخِ رخشان آں بتِ چوں حور یدِ بیضا چہ مہر و شعلۂ طور

وہ چہ رخ موجِ رنگِ آتشِ تر آب و تابِ ہزار شمس و قمر

دہنش غنچۂ گلِ چمن است دُر بجکے از عقائقِ یمن است

چہ دہن تنگ تر ز حلقۂ میم صدفِ بے بہائے دُرِّ یتیم

لب و دندانِ آں بتِ چو قمر دُرجِ یاقوت گشتہ پُر ز دُرَر

وہ چہ لب برگِ لالۂ احمر موجِ رنگِ گلِ شقائق تر

بر رخِ آلِ اوست خالِ سیاہ گو زحل جا گرفتہ در برِ ماہ

وہ چہ خالِ سیہ بروے چو نار ہندوے معتکف شدہ در نار

خالِ مشکیں براں رخِ گلرنگ زنگیِ جا نشیں بہ ملکِ فرنگ

خالِ اسود بر اں لبِ احمر — مورکے رفتہ درمیانِ شکر
چہ ذقن گوئے عنبریں چوگاں — سیبِ سیمینِ گلشنِ رضواں
وہ چہ گردن دراز و نرم و صفا — بازوے حورِ جنت الماوا
بر و دوشش بہارِ ہشت بہشت — پیشِ او عبدۂ بہشت نوشت
دریسار و یمیں چہ خوش بازوش — شاخِ نسریں بہ سرو ہم آغوش
سینہ اش نوبہارِ باغِ ارم — قاقمِ جا نوزِ ریاضِ حرم
وہ چہ سینہ چو شوشۂ سیماب — بزرِ احمری شدہ ہمخواب
گل و نسریں بہم نظیر شدہ — آب و آتش ز ہم خمیر شدہ
ساعد و دستش از علاقۂ زر — پُرچو گوش و چوگردنش زگہر
ساعدش حوتِ سلسبیل و زلال — درشنا بر مواجِ غنج و دلال
دستِ سیمنش از حنا رنگیں — یدِ بیضا مگر ضیا آگیں
کفِ پایش کہ پُر حنا دارد — درخرامش چہ خوشنما دارد
پاے تا سر بدیں نزاکت و ناز — سروِ ناز است آں بتِ طنّاز
اے ہری تو ازیں خیال گذر — بے مثال از مثال تُست بدر
درمثالے کہ بے مثال بود — گفت و ناگفت ایں خیال بود
دل کجائی و ایں کمال کجاست — تو کجائی و ایں جلال کجاست
قدرت است ایں کہ حجز قدیرِ جہاں — داندش کس نہ آشکار و نہاں
قادر و قدرت ایں دو یکساں اند — ہمہ درکارِ شاں پریشاں اند

درتعریفِ باغِ بکاؤلی ؎

چوں ملک زادۂ فریدوں فر — باغ را ہر طرف فگندہ نظر
دید باغے چو باغِ خلدِ بریں — ازپس و پیش و زیسار و یمیں

زارغوان و شقیق ہر چمنے — از عقائق چو پُر بُوَد یمنے
سنگ را لالہ کردہ بتخانہ — جعدِ سنبل صبا زدہ شانہ
چہرۂ نسترن سمن رستہ — سبزہ رخ زآبِ نم فروشستہ
سرو شمشاد در ہم آغوشی — گل و سنبل خوشا زہم دوشی
نافہ سائیدہ سو بسو شببو — عنبریں کردہ باغِ عنبر بو
گلِ نرگس بچشمِ خواب آگیں — لالہ را کردہ غارتِ دل و دیں
تاجِ زرّیں بسر گلِ جعفر — گلِ سوری گرفتہ اندر بر
آسماں گونہ یا سمین ریّاں — عشق پیچاں بریسماں پیچاں
کج کلہ داشتہ بنفشہ بسر — گلِ سرخش درآوریدہ ببر
برسرِ شاخِ ہر گلِ حمری — پرودِ انگیز بلبل و قمری
میزدے فاختہ فغاں کوکو — قمریاں درجوابِ او ہو ہو
گلِ داؤد با گلِ خورشید — بادہ پیما بہ ساغرِ جمشید
شبنم از روئے سبزہ بردہ زنگ — بر سرِ سبزہ لالہ و ریحان دنگ
چمن اندر چمن ہمیشہ بہار — بے خطر از خزاں ہمیشہ بہار
صف بصف ہر طرف بسے گلزار — خیل در خیل صد ہزار ہزار
کبک و درّاج و ہدہد و مینا — مست و مستانہ ہر یکے بہ نوا
سرفرازانہ نخلہائے رطب — سائبانہ کشیدہ تاکِ عنب

بکاؤلی کے خواب سے بیدار ہونے اور پھول کے غائب ہوجانے کے متعلق

داستاں گوئے ایں فسانۂ خوش — گوید از حالِ آں مہِ دلکش
کہ بہ مسند بہ خوابِ نازش بود — بلباش چوں گل و دلش بر بود
صبحدم چوں زداز سپیدی دم — ظلمتِ شب شدہ ہمہ بعدم

آفتاب از افق نمایاں شد
تابِ مہتاب تاب پنہاں شد

ماہ سیما بکاؤلی خور تاب
گشت بیدار چوں ز شیریں خواب

باز چوں کرد چشم بر گلشن
اوفتادش نگہ بسرِ دامن

دید بر دامنش نوشتہ بزر
عشق آمیز یکدو بیت زبر

خواند گفتا بہ حضرتِ باری
اینچہ خواب است وانچہ بیداری

کیست کو مرغ شد پرید اینجا
بلبل آسا بہ گل رسید اینجا

جز ہوا کیست کو بباغ خزید
خوابناکم بجز حجاب ندید

آدمی زادہ را کجا یارا
کہ در آید بروضۂ مارا

چوں بدینساں بسے نمود خیال
شد شتاباں بہ چشمہ اندر حال

چوں رسیدہ بچشمہ خار بچشم
دید جائے گل و چو چشمہ زچشم

ریخت گل آب بر گلِ رخسار
مہر انور نمود اختر وار

رطب از برگِ نسترن بگزید
ہمچو گیسوئے خود بخود پیچید

لعلِ یاقوت از گہر سفتہ
ہمچو موئے خودش شدہ آشفتہ

پیش و پس دید و دید از چپ و راست
سرو گر کج نمود گاہے راست

سخت رنجیدہ از فراقِ گل
نالہ ہا زد چو خستہ دل بلبل

بانگ زد ہمچو فاختہ کوکو
قمریاں داد پاسخش ہو ہو

ہمچو دیوانہ ہر طرف بدوید
دید ہر سو بدیدہ ہیچ ندید

گفت کہ اے رہزنِ دل و جانم
راہ چوں یافتی بہ بستانم

چیست کامت بگو چہ نام ترا
چوں شدی باز از مقامم مرا

دزد را سیم و زر بود مقصود
لیک عزمِ تو نوعِ دیگر بود

گرچہ در گنجداں نہ بردی راہ
لیک بر لعلِ لب فگندہ نگاہ

تیز پرواز کردهٔ چو ہزار گل بہ منقار بردہ از گلزار
چون بدینسان بسانِ دیو زدہ دست حسرت بہ مکر و ریو زدہ
سخت رنجید و بانگ بر زد ہان حاضر آئید ہر طرف حوران
چون چنین بانگ وحشت آمیزش حور ہا از لب شکر خیزش
گوش کردند و جملہ رفتہ زہوش ہمہ حاضر شدہ بجوش وخروش
ماہرو سرخ کردہ چہرهٔ وچشم چین بر ابرو زدہ بکینۂ وخشم
ہر یکے را زدہ بزجر و عذاب بسکہ شد تیز تر بخشم و عتاب
کیست آنکو ز راہِ حیلہ گری راہ یا بندہ شد بہ باغ پری
دیدہ عریان مرا دریں کاخش پاے تا سر دو چشم گستاخش
بلبلا نہ ربودہ گل از باغ لالہ ساں داشت در دلِ من داغ
وآنگہی بانگ زد بطیش و عتاب زود حاضر کنید دُزدِ خراب

غزل در صفتِ آئینہ معشوق بیک قافیہ

اے منوّر ز نورِ رخسارت مردمِ خلق و چشمِ آئینہ
چون در آئینہ روے خود دیدی شد فزوں آب وتابِ آئینہ
چہرہ با چہرهٔ تو چہرہ چو کرد پُر عرق گشت روے آئینہ
طرفہ بیں روبرو چساں دُزدد گنجِ حسنِ تو دُزدِ آئینہ
از گلِ روئے تو ہزار آسا گشت معکوس چشمِ آئینہ
تابِ شمعِ رخت سراسر سوخت ہمچو پروانہ جسمِ آئینہ
آفتابِ عذارت اے دلجو کرد پُر نور ماہِ آئینہ
تابِ مہرِ تو اے ہلال ابرو بدر سر زد ز عکسِ آئینہ
اے ہرؔی دل بہ صیقلِ توحید کُن مصفّا بسانِ آئینہ

قصیده

در مدحتِ مہاراجہ پرتاب سنگھ صاحب بہادر آنجہانی والیِ ریاستِ جموں و کشمیر

چوں صبح خونِ تیرہ شب از تیغ بیضا ریختہ … گردونِ گرداں بر سرش عقدِ ثریا ریختہ

شب بود گفتی چوں حبش دنداں کشیدہ بر لبش … در استخواں سوز تبش بیمار آسا ریختہ

مہ بود با نویش نگر بگرفتہ برزانوش سر … در گریہ از چشمانِ تر لولوے لالا ریختہ

من مست و ساقی در قدح صہبا ز مینا ریختہ … کاندر ہلالِ یکشبہ رخشندہ بیضا ریختہ

شنجرف در سیماب بیں آتش میانِ آب بیں … اندر بلورِ ناب بیں یاقوت حمرا ریختہ

از آب نار انگیختہ وز نار نور انگیختہ … از نور ہور انگیختہ در قطرہ دریا ریختہ

مریخ آغوشِ قمر بیجادہ در مرمر نگر … الحق بہ مروارید تر لعلِ مصفا ریختہ

ناگہ در آمد از درم یار و نگار و دلبرم … ہوشِ سر و توشِ برم گیسوے چہرا ریختہ

شنگول و شنگ و شوخ کے و ستاں سرو مستکے … طناز و نازہ انداز کے گلگوں بو جہا ریختہ

از نازِ آں سروِ چمن آمد خراماں پیشِ من … از لعلِ لب اندر سخن لولوے لالا ریختہ

برخیز اے صاحب نفس کن ترکِ عزلت یک نفس … خود را چرائی در قفس طیار ماوا ریختہ

در مدحتِ شاہِ جہاں از گنج خود شو زر فشاں … کاندر سخاوت بر کساں گنجِ ہوا سا ریختہ

در بزمِ کیخسرو سیر در رزم اسکندر حشر … در فر و جاہ و زور و زر خجلت بہ دارا ریختہ

کاؤس طیفر چاکرا فغفور قیصر بیکرا … کز دانش و داد و سخا فخرت ز کسریٰ ریختہ

از صولتش لرزاں فلک وز سطوتش ترساں ملک … پژماں ز سہمش شد سمک سماک اژدہا ریختہ

نیسانِ جودِ او نگر کز اوجِ جودی زر و گذر … طوفانِ مروارید تر در بحر و صحرا ریختہ

از مہر و قہرش جلوہ گر دورِ فلک بر خیر و شر … قہرش حجر مہرش گہر بر خصم و احبا ریختہ

خاک کفِ پایش نگر چوں توتیا شمس و قمر — روز و شب و شام و سحر در چشمِ بینا ریختہ

در شیری واژدر دلی رستم بآں روزِ یلی — زالے است پیشِ زابلی تاب و توانا ریختہ

از خنجر الماس گوں در روزِ رستاخیز چوں — وز خنجرِ ظالم بروں بادِ مسیحا ریختہ

شاہنشہِ بیضا ضیا پرتاب سنگھِ مہ لقا — کا فضالِ او ظلِّ ہما بر گبر و ترسا ریختہ

زیرش نگاورا برشئے نیکو جمال و دل کشے — کز پوے و تگ نیساں وشئے ژالہ بغبرا ریختہ

صرصر نہاد و برق رَو ابرے است گویا رعد غو — کز شرق تا مغرب بدو بارانِ خضبا ریختہ

شاہا ہری راکن نظر کو روز و شب شام و سحر — در بدحنت لعل و گہر دریا بدریا ریختہ

شاید اگر بنوازیش در فرِ مفخر سازیش — سر بر فلک افرازیش بر سر گہر ہا ریختہ

تا دورِ چرخ و مہر و مہ مادام باشد سال و مہ — سعد و نحس بر کہ و مہ در روز و شبہا ریختہ

اعدا و خصمِ پُر شرت بدخواہ و بدخو بدترت
بے تن سرش از خنجرت در خار و خس ہا ریختہ

ہمدم - پنڈت کنور گوری پرشاد منشی صاحب خلف پنڈت کنور شیام پرشاد منشی صاحب اکبر آبادی - آپ کی ولادت بمقام تحصیل اترولی ضلع علیگڈھ ۱۸۶۳ء میں ہوئی۔
آپ کے جدّ امجد راجہ دیارام صاحب جاگیردار صوبۂ بہار کے صاحبزادے پنڈت ٹھاکر پرشاد صاحب میر منشی ایجنٹ گورنر جنرل ممالک متوسط ہند تھے اور آپ کے دادا کنور کالکا پرشاد صاحب اور اُن کے بھائی کنور درگا پرشاد صاحب دونوں غدر ۵۷ء میں ممالک متحدہ آگرہ میں ڈپٹی کلکٹر تھے - خیر خواہی اور وفاداری کے صلہ میں گورنمنٹ ہند کے عطا شدہ مواضعات دھوتانہ - مادھوپور وغیرہ ضلع متھرا میں ابھی تک موجود ہیں مگر ورثائے ذکور کی غفلتوں سے ورثائے اناث کے قبضوں میں چلے گئے ہیں۔ آپ کے والد درجہ اول کے تحصیلدار اور دادا صاحب دونوں آگرہ کے رؤساء قدیم اور گورنمنٹ کے

پنڈت کنور گوری پرشاد منشی - ہمدم اکبرآبادی

درباریوں میں ممتاز تھے۔ تحصیلدار صاحب کو اپنی علالت کی وجہ سے پنشن لینی پڑی اور جبکہ ہمدم تین چار برس کے تھے آگرہ میں مستقل طور پر قیام پذیر ہونا پڑا۔

مولوی۔ ماسٹر کی درس تدریس کے علاوہ والد صاحب نے آپ کو خود گلستاں بوستاں کی سیر کرائی۔ نو برس کی عمر میں تپِ کہنہ لاحق ہو جانے سے آپ کے والد کو ایسا صدمہ ہوا کہ بستر علالت پر پڑ گئے اور مر کر ہی اُٹھے۔ دسویں برس سایۂ پدری سر سے اُٹھ جانے سے ہمدم بحر عالم میں دُرِ یتیم ہو گئے۔ والدہ کی ناز برداریوں اور خبرگیری نے ان کو فارغ البالی کی زندگی بسر کرائی۔ پدری ترکہ نے ضروریات زندگی سے بے فکر کر رکھا ہے۔ مالکِ حقیقی کی نگاہ کرم سے اولاد سے بھی نہال ہیں۔ ۱۶ برس کی عمر میں آپ کی شادی رائے بہادر بشیشر ناتھ صاحب ہانگل وکیل ورئیس اکبر پور ضلع فیض آباد کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ خسر صاحب کے نام آموں کا شکریہ نظم میں بڑے مزے کا لکھا ہے۔ آپ کی وضع سادہ ہے۔ خوش چلن۔ تہذیب کے پُتلے ہیں۔ نازک مزاج حد درجہ کے ہیں۔ دشمن دنیا بھر میں نہیں رکھتے۔ ہاں دوست بھی اِنے گنے ہیں۔ مہمان نوازی آپ کا شعار ہے۔

آگرہ کالج میں انٹرینس کلاس تک انگریزی پڑھی۔ فارسی، عربی دوسری زبان تھی۔ دو سال تک سدہیں قانون کے لکچر سُنے مگر امتحان میں شریک نہیں ہوئے۔ زبانِ اُردو میں اعلیٰ قابلیت کی سند (الہ آباد) سے حاصل کئے ہوئے ہیں۔ اُردو سے بچپن ہی سے لگاؤ تھا۔ اسکول کی زندگی ختم ہو جانے پر بیسویں صدی کے جنم لیتے ہی ۱۹۰۱ء میں آپ کو شوق ناول نویسی کا پیدا ہوا۔ طبع رواں نے دو روحانی اولادیں خارِ غم امید و وصال کے نام سے پیدا کیں۔ نامی پریس کانپور نے ان کو اپنی آغوش میں لینا چاہا مگر اجازت نہ ملنے سے مجبور ہو گیا۔ ان کے بعد عشقیہ رنگ ترک کر کے اور چند ناول تیار کئے۔ مرقع عبرت کو اپنی والدہ کی وفات کی یادگار اور آتشی شیشہ کو

گورنمنٹ عالیہ کی پنجاہ سالہ جوبلی کی یادگار بنائی۔ سرمۂ بصیرت کو منشی جے نراین ورما مالک رسالہ لکھنؤ نے اپنے رسالہ میں شایع کیا۔ ایران کا شاہزادہ جسکو نام مراد شاہزادہ پہلے کہتے تھے العزیز اخبار آگرہ میں ضمیمہ بن کر شایع ہوا۔ جاپان کی تاریخ بھی اسی اخبار کا ضمیمہ بنی۔ ناول توران کا پھول جو فردوسی کا پلاٹ ہے سرجیمس ڈگس لاٹوش لفٹننٹ گورنر ممالک متحدہ آگرہ کے نام سے معنون ہے اس میں لفٹننٹ گورنر ممدوح کے شکریہ کا خط خوب پُر لطف ہے۔ چونکہ آپ کے بزرگ گورنمنٹ کے قدیم وفادار عہدے دار تھے اسلئے انھوں نے بھی جادۂ وفاداری سے کبھی باہر قدم نہیں رکھا سنہ ۱۹۱۲ء میں دربار تاجپوشی پر قصیدوں کا مجموعہ غنچۂ طرب حضور ملک معظم جارج پنجم کو سنہ ۱۹۲۲ء میں حضور پرنس آف ویلس کی ورود پر آگرہ میں ایک قصیدہ حضور ممدوح کو اور سنہ ۱۹۲۹ء میں سائمن کمیشن کی آمد پر ایک رُباعی سائمن صاحب کو ذریعہ اخبار نذر کیں۔ ہر سہ تحائف نے گرانقدر مہمانوں کی قبولیت کا شرف حاصل کیا۔ غنچۂ طرب احاطہ بمبئی اور کشمیر میں منظور شدہ انعامی کتب کی فہرست میں درج ہے۔

سنہ ۱۹۱۴ء تک آپ کو کتب نویسی کا شوق رہا۔ دو درجن کتابوں سے زیادہ تالیف تصنیف کیں بعدازاں بنکوں کے دیوالہ نکلے اور کثیر تعداد میں روپیہ ڈوب جانے سے کچھ دماغ پر ایسا صدمہ پہنچا کہ یکایک اس شوق کو یک قلم ترک کر دیا۔ اس زمانہ کے بعد صرف اخبارات و رسائل میں آپ کا کلام نظم و نثر ضرور ملتا ہے۔ چونکہ رسائل و اخبارات کی پابندیاں دوسری ہوتی ہیں اسلئے اس آزاد منش کا پہلا طرز ان میں نہیں پایا جاتا ہے۔ ہاں ہر موسم۔ ہر وقت مختلف مذاہب پر ان کے دل کے ارگن سے نکلے ہوئے راگ گنبدِ فلک میں گونجتے ہوے سُنے جا سکتے ہیں۔ ہولی ہو یا دیوالی عید ہو یا بقر عید۔ رام لیلا ہو یا محرم الحرام۔ ساون بھادوں ہوں یا رمضان المبارک سبھوں پر راگ راگنیاں موجود ہیں۔ ہم خرما و ہم ثواب کا مضمون ہر ایک میں معنی کی طرح

پوشیدہ ہے۔

اس باہنر نے "جائے اُستاد خالیست" کو درست جان کر مولانا نثار اکبرآبادی مغفور کو اپنا اُستاد بنایا۔ حضرت واصف اکبرآبادی مرحوم کو اپنا کلام بہت کچھ دکھایا۔ مگر افسوس اتنا ہے کہ یہ دونوں ماہران فن صرف ناظم ہی تھے۔ اس ناثر و ناظم کو اُستاد کامل نہ ملنے سے کمال عروج حاصل نہ ہوسکا۔ حضرت نثار نے ان سے ایک روز کھلے الفاظ میں فرمایا تھا کہ نثر اور نظم میں سے کسی ایک کو سلام کرو ورنہ دونوں ہاتھ سے جاتی رہیں گی۔

اگر آپ کا تمام کلام نظم طبع شدہ جمع کیا جائے تو کیا عجب پانسو۵۰۰ صفحوں کا کلیات مرتب ہو جائے۔ غزلیں۔ قصیدے۔ مسدس۔ قطعے۔ سہرے۔ رباعیاں۔ مثنویاں۔ تاریخی مادے۔ ساقی نامے۔ رقعات شادی۔ سب کثرت سے موزوں کئے گئے ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں سب سے چھوٹے لڑکے کے مرجانے سے دل پکڑ کر ایسے بیٹھ گئے ہیں کہ اب قلم اُٹھانا بارگراں ہو گیا ہے۔ اگرچہ لکھتے یا کہتے ہیں تو اُس میں یہی بیان ہوتا ہے کہ پہلے میں اپنا دل خوش کرنے کو کہتا تھا مگر اب گھبرائے ہوئے دل کے بہلانے کو۔ اب بھی اس عاشق سخن کا زخمی دل گاہ گاہ دریائے خون میں ڈوب کر ایسا حسرت ناک نظارہ پیش کر دیتا ہے کہ حضرات سخن شناس کلیجہ تھام کر رہ جاتے ہیں۔

آپ کا کلام فصاحت و سادگی کا نمونہ ہے۔ جس خوبی سے بت پرستوں سے آپ کا قلم داد سخن لے لیتا ہے اُسی خوبی سے اللہ والوں وحدانیت کے جان نثاروں سے تحسین کلام پر ہُوحق سنوا دیتا ہے۔ پہلے ہمدم کے کلام کا رنگ عاشقانہ تھا مگر اب اُداسی۔ حسرت۔ مایوسی۔ ناکامی آپ کے مضامین میں بھری ہوئی ہیں۔

تاریخی مادے آپ خوب نکالتے ہیں۔ اپنی ولادت کی تاریخ فی البدیہہ یوں فرمائی ہے:۔

مرغِ بسمل سے سوا عالم میں ہوں — دل میں میرے چبھ گئی ہے تیغ عشق
کیوں حباب آسا نہ ہوں امواج پر — سن ولادت کا مری ہے تیغ عشق
۱۸۸۰ء

عاشقی کیا ہے کہو بندۂ جاناں ہونا — دیکھ دل اس ستم ایجاد کو حیراں ہونا
زندگی کیا ہے۔ عناصر کی جمالی تصویر — موت کیا ہے۔ نظرِ خلق سے پنہاں ہونا
مجھکو بھی طور کا دکھلائے تماشا کوئی — میں بھی دیکھوں تو ذرا ہوش کا پرّاں ہونا
ان سے سیکھے کوئی زلفیں ہیں بناتے کیونکر — مجھسے پوچھے کوئی عاشق کا پریشاں ہونا
اپنے اعمالوں کو دنیا میں سنبھالو ہمدم
جاکے محشر میں کہیں تم نہ پشیماں ہونا

جتنا زیادہ یار کا مجھپر کرم ہوا — نظروں میں اپنی آپ میں اتنا ہی کم ہوا
حرفِ غلط ہوں صفحۂ نامہ میں شوق کے — میں مٹ مٹا کے رہ گیا جس جا رقم ہوا
ہستی ہماری۔ عمر کے گھٹنے کی ہے دلیل — مرنے کے واسطے ہی یہ اپنا جنم ہوا
دنیا میں سرکشی کو مٹاتا ہے انکسار — خم گشتہ تیغ سے سرِ ترکش قلم ہوا
دنیا کے سرد و گرم بہت چکھ چکا ہوں میں — اس میں کوئی خوشی تھی نہ اس میں الم ہوا
لینے سے تیرے آئی ہے دنیا نظر مجھے — آئینہ دل کا میرے لئے جامِ جم ہوا
آنکھیں نشیلی یار کی جو یاد آئی ہیں
پینا شراب جام کا ہمدم کو سم ہوا

کہتے کہتے کیوں زباں بدلی کہ غمخواروں میں ہوں — کیوں نہیں کہتے وہی تیرے ستمگاروں میں ہوں
یہ تو کس منہ سے کہوں تیرے خریداروں میں ہوں — اے مسیحائے زماں ہاں تیرے بیماروں میں ہوں
جب کہا آنکھوں نے ہم سو جان سے ہیں اُنپر فدا — دل تڑپ کر بول اُٹھا میں بھی خریداروں میں ہوں
بیکسی غربت میں دیتی ہے دلاسے یوں مجھے — تو نہ گھبرانا کہیں میں تیرے غمخواروں میں ہوں

کیا مزہ ہو بخش دے وہ حشر میں اس عرض پر
اے خدا رحمت کا خواہاں ہوں گنہگاروں میں ہوں

توبہ تو بہ پی کے بہکوں ایسا کیا کم ظرف ہوں
روز کا ہوں پینے والا مست سرشاروں میں ہوں

کیا کروں ہمدم ادائیں ہیں حسینوں کی غضب
ایک دل کس کس کو دوں میں لاکھ دلداروں میں ہوں

وصل کی شب کس نزاکت سے چلی آتی ہے نیند
آج کچھ اٹکھیلیوں کی چال دکھلاتی ہے نیند

ہجر کی شب لاکھ چاہوں پر نہیں آتی ہے نیند
صاف آنکھوں سے مری کمبخت اُڑ جاتی ہے نیند

شکل دکھلائی جہاں نظروں سے پنہاں ہو گئی
کیا قسم کھانے کو میری آنکھ میں آتی ہے نیند

ہائے ایسے وقت تم آئے کہ میں ہوں بے خبر
نزع کا عالم ہے اور مجھکو چلی آتی ہے نیند

خواب میں آنے کا کیا رستہ نکالا آپ نے
آپ کی تو دل لگی ہے یاں اُچٹ جاتی ہے نیند

پاؤں بھی تھک تھک کے سو جاتے ہیں کوچے یار میں
سایۂ دیوار میں اُن کو بھی آ جاتی ہے نیند

دیکھ کر آنکھیں نشیلی اپنے مستِ ناز کی
بیخودی کی کیسی متوالی چلی آتی ہے نیند

ہچکیاں بھی آ رہی ہیں بیخودی کے ساتھ ساتھ
موت کا پیغام میرے واسطے لاتی ہے نیند

ہماری آرزو۔ حسرت۔ تمنّا۔ مدّعا تم ہو
یہ سب کچھ ہو مگر اب تک نہ سمجھے ہم کہ کیا تم ہو

بُرا اور بے وفا میں ہی سہی سارے زمانے میں
چلو دشمن بھلے اور با مروّت با وفا تم ہو

کسی کا حشر کے دن پوچھنے یہ کہنا قیامت ہے
کہیں ہمنے تمھیں دیکھا ہے صورت آشنا تم ہو

مسیحائے زماں مشہور ہو مانا مگر دیکھو
نہ آئے کام جب اپنے تو درد لادوا تم ہو

بتو ہم بھی سنیں کس بات پر تم اتنے نازاں ہو
کہ ہم بھی صنعتِ خالق ہیں گر شانِ خدا تم ہو

سوالِ وصل اے ہمدم کبھی جو اُن سے کرتا ہوں
خفا ہو کر وہ کہتے ہیں کہ مطلب آشنا تم ہو

چڑھے تیور ہیں کیوں یہ بیرخی اے یار کیسی ہے
اُلجھنا ہر گھڑی ہر بات پر تکرار کیسی ہے

نگاہِ ناز کا ہو وار مجھ پر بھی کہ میں دیکھوں   کرے جو میان ہی میں کام وہ تلوار کیسی ہے
تمھاری یاد دل میں چٹکیاں لیتی ہے رہ رہ کر   یہ در پردہ کسی سے چھیڑ اے دلدار کیسی ہے
کبھی تاکا اسے بسمل کیا اس کو اُسے مارا   غضب کی چلبلی چنچل تری تلوار کیسی ہے

نشے میں چور میخانے سے ہمدم جھومتے نکلے
کوئی اس وقت دیکھے آپ کی رفتار کیسی ہے

میرا کعبہ میکدہ قبلہ مرا بتخانہ نہ تھا   بندۂ ساقی تھا میں مذہب مرا رندانہ تھا
دنگ تھا قاتل مرا شوقِ شہادت دیکھ کر   سو قدم آگے رقیبوں سے دلِ دیوانہ تھا
کیوں ہوں خائف خون کی ہوگی جو میرے باز پرس   داورِ محشر سے کہہ دونگا کہ سب افسانہ تھا
وصل کی شب کُنجِ گلشن چاندنی چھٹکی ہوئی   یار ساقی تھا سبو غنچہ تھا گُل پیمانہ تھا

پارسا ہمدم بنے ہیں آج۔ کل کا ذکر ہے
میکدے سے آرہے تھے ہاتھ میں پیمانہ تھا

کیا لطف ہو وہ نورِ تجلّے نظر آئے   آنکھوں میں سما کر مرے دل میں اُتر آئے
آنکھوں میں تری یاد سے آنسو جو بھر آئے   آغوش پکاری کہ وہ نورِ نظر آئے
اے موت کہ چھُٹ جاؤں غم و رنج و الم سے   جی جاؤں میں یا رب جو یہ امید بر آئے
کیا شوق تمنّا ہے غشی میں بھی دل اپنا   چلّاتا ہے ہاں پھر وہی جلوہ نظر آئے

لپٹے جو گلے تیغ کے کٹ کٹ گئے دشمن
ہمدم بھرے مقتل میں ہمیں نام کر آئے

جس دل میں درد و غم تھا وہ ہمدم رہا نہیں   کیا جی کے اب کروں کہ کوئی آسرا نہیں
کچھ تو خدا کا خوف ذرا دل میں لائیے   ہم بے کسوں کا اتنا ستانا روا نہیں
کس دل میں تم نہیں ہو کن آنکھوں میں تم نہیں   وہ کون ہے بشر جو تمھیں دیکھتا نہیں
تصویر ہم نے حضرتِ یوسف کی دیکھ لی   تم سے سوا نہیں ہے یہ تم سے سوا نہیں

بوتل لگا دے مُنہ سے شرابِ طہور کی ساقی نشہ میں اور بھی سوجھے گی دور کی
خواہش پری کی ہے نہ تمنّا ہے حور کی آنکھوں کے سامنے رہے صورت حضور کی
شورِ آمدِ نسیم کا صحن چمن میں ہے اُڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی
کیا پوچھتے ہو حال دلِ بیقرار کا اللہ کا ہے شکر عنایت حضور کی

ہمدم مرے گنا ہوں کو بخشے گا وہ کریم
محشر میں جب لگاؤنگا رٹ یا غفور کی

ہمارے عشق کی حالت جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے کسی کی دل نشیں صورت جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے
وہی رونا۔ وہی گریہ۔ وہی آہیں۔ وہی زاری مریضِ ہجر کی حالت جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے
وہی سوزِ نہانی ہے وہی پھکنا وہی جلنا تپِ غم کی مری شدت جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے

چمک دل میں کسک سینے میں آنکھوں میں کھٹک ہمدم
ہماری عشق میں حالت جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے

آئے سمجھانے ہیں ناصح ترے دیوانے کو کوئی سمجھائے تو کیا آئے ہیں سمجھانے کو
غیر پی جائیں مَیں ترسا کروں پیمانے کو ساقیا آگ لگے اس ترے میخانے کو
بلبلیں شاخوں پہ اٹھلائی ہوئی پھرتی ہیں پھول کھلتا ہے کوئی پھر ہے بہار آنے کو
جھومتا جاتا ہے لے لیکے بلائیں مے کی میکدے میں کوئی دیکھے ترے مستانے کو

یاد آجاتی ہے اس جا بھی کسی کی ہمدم
رکھے آباد خدا اس ترے بتخانے کو

مسدّس

(مہارانی کوشلیا جی کے سامنے مہاراجہ دسرتھ جی کا جان توڑنا)

بے سوچے بات کیا مرے مُنہ سے نکل گئی رانی بچن کو لے کے عجب چال چل گئی
بدقسمتی کی میری نہ صورت بدل گئی آئی ہوئی یہ ساعتِ بد بھی نہ ٹل گئی

رخصت کیا ہے رام کو بن باس کے لئے
ٹھہرے بدن میں سانس یہ کس آس کے لئے

جوگی کا بھیس کرکے میرے لال چل دئے — سرون کا خون رنگ دکھاتا ہے یہ مجھے
آئے کرم وہ سامنے اپنے کئے ہوئے — انجان بن جو اوروں کو میں نے تھے دکھ دئے

بچنے کا میں نہیں مجھے غم نے کیا تمام
چودہ برس کو چھٹ گئے لچھمن سیا ؤ رام

ہردم زمیں کو پھونک کے رکھتے تھے جو قدم — بن باس کی اُٹھائیں وہ تکلیف دمبدم
مُنہ کو کلیجا آتا ہے۔ گھٹتا ہے میرا دم — بچوں پہ میرے ٹوٹ پڑا ہائے کوہ غم

چودہ برس کو ہائے چھٹا مجھسے میرا لال
اب زندگی حرام ہے۔ جینا ہوا وبال

کوشلیا وفا کی تو دیبی ہے لاکلام — جور و جفا پہ میرے لیا چپ سے تو نے کام
صبحِ امید پر تری دیکھوں میں غم کی شام — روزِ حیات کیوں نہیں ہوتا مرا تمام

نورِ نظر کے جانے سے ظلمت سی چھائی ہے
کشتیِ عمر ورطۂ آفت میں آئی ہے

چالیس عجیب چلتے ہیں مطلب کے آشنا — اپنی غرض پہ چھوڑ دیں ظالم رہِ وفا
ان کی بلا سے غیر پہ لاکھ آئے گو بلا — لیکن نکالیں مکر سے یہ اپنا مدعا

کس زندگی کے واسطے کرتے ہیں یہ عذاب
بھٹکے پھرینگے چھوڑ کے ظالم رہِ ثواب

اے رام تجھ بغیر مرا غیر حال ہے — لچھمن کے ہجر کا مجھے رنج و ملال ہے
سیتا کے بن میں جانے کا صدمہ کمال ہے — ڈوبا ہوں بحرِ ہجر میں جینا محال ہے

فرقت میں کھنچ کے آئی لبوں پر ہے جانِ زار
عیشِ جہاں کھٹکتا ہے بن بن کے دل میں خار

منہ موڑ کر نہ جاؤ نہ پھیرو نظر کو تم بیداد بن کے توڑو نہ میری کمر کو تم
ہاں ملتوی کرو میری خاطر سفر کو تم آجاؤ جلد شکل دکھاؤ پدر کو تم
کچھ دم تو اور دید کے ارماں نکال لوں
چمٹا کے تم کو سینہ سے پھر دیکھ بھال لوں

اے رام ہائے رام دکھی دل بہت ہے آج تیرے بغیر لگتا ہے سنسان سارا راج
تھی آرزو کہ دیتا تجھے اپنا تخت و تاج پر دشمنوں نے سارا بگاڑا ہے کام کاج
سو ہاں روح غم ترا اے نونہال ہے
فرقت کی ہر گھڑی مجھے ایک ایک سال ہے

اے رام تجھ پہ صدقہ مری جان ہوگئی مشکل بڑی پڑی تھی پر آسان ہوگئی
فرقت میں تیری جان بھی ہلکان ہوگئی یہ موت میرے درد کا درمان ہوگئی
دم توڑتا ہوں جینے کا اب لطف خاک ہے
ایشور کے بس سپرد مری روح پاک ہے

انتخاب مسدس

راجہ گوپی چند کا بہن سے بھیک مانگنا

منظور تھا گرو کو جو گوپی کا امتحاں درج وہاں میں کھولی زبانِ گہر فشاں
فرمایا گر فقیری کا دل میں ہے کچھ گماں لا بھیک تو بہن سے کہ پورا ہو امتحاں
ثابت قدم رہا جو رہِ امتحان میں
خورشید بن کے چمکے گا دونوں جہان میں

بوئے وفا دماغ میں تیرے سما نہ جائے اُلفت بہن کی بھولی ہوئی یاد آ نہ جائے
سوزِ دروں بھڑک کے کہیں رنگ لا نہ جائے تیری رگوں میں خون کہیں جوش کھا نہ جائے

کرنا تو کام ضبط سے ہے وقتِ امتحاں
قابو میں دل نہ رکھا تو ہوگا تجھے زیاں

پہنچے بہن کے گھر جو الگ دے کے یہ کہا بابا بھلا ہو دور سے آیا ہے اک گدا
دیتا ہے در پہ تیرے کھڑا ہو کے یہ صدا ٹکڑا ملے فقیر کو۔ مالک کرے بھلا
آئے لگا کے آس ہیں بابا ہمیں ملے
صدقہ ہی ہم کو دیدے کہ آفت تری ٹلے

سنتے ہی اس صدا کو نکل آئی اک کنیز اور پوچھا بابا تم کو ہے مطلوب کون چیز
ہو بھوک پیاس تم کو تو لاکر بصد تمیز دنیا کی نعمتیں ابھی حاضر کرے کنیز
اس گھر سے بے لئے کوئی سائل پھرا نہیں
محروم آج تک کوئی در سے گیا نہیں

داسی نے ڈرتے ڈرتے سنایا تمام حال کی عرض ساری اپنی گذشتہ و قیل و قال
بھائی کا نام رانی کو سن کر ہوا خیال دیکھوں میں آپ چل کے کہ ہے کون خوشخصال
دامن جو دستِ شوق نے کھینچا چلی گئی
لیکن حیا سے آڑ میں چلمن کے وہ رہی

پوچھا ادب سے آپ کا آسن ہے کونسا میرے محل پہ آج قدم رنجہ کیوں کیا
داسی یہ بے تمیز ہے۔ بیشک ہے پُرخطا کیا جانے بدصفات فقیروں کا مرتبا
تم وہ خدا کے لال ہو جن پر نہال ہو
اُن کے گھروں میں مال کا ہرگز نہ کال ہو

پایا بہن کو اپنی جو پردے میں تر زباں کچھ دیر وہ خموشی سے سنتے رہے بیاں
آخر سنائی غم سے بھری اپنی داستاں آنکھوں سے سیلِ اشک بہن کے ہوا رواں
تھامے ہوئے جگر کو بہت بیقرار تھی
گویا کہ نوکِ تیر کلیجہ کے پار تھی

پھر بولی دل سنبھال کے اے مرد باخدا پاؤں میں ہے پدم مرے بھائی کے بے بہا
بھرِ خدا اُٹھا کے قدم تُو مجھے دکھا تا دل کو ہو یقین۔ یہ مٹ جائے وسوسا
دیکھوں گی گر پدم تو میں جانوں گی بھائی ہے
دینے کو مجھکو رنج یہ صورت بنائی ہے

ٹالا بہت سا پہلے کہ دیکھے نہ وہ پدم مجبور جب ہوا تو دکھایا اُسے قدم
دیکھا پدم جو پاؤں میں غالب ہوا یہ غم دم اُس کا دم زدن میں ہوا راہیِ عدم
الفت کا نام کر گئی، بھائی پہ مر گئی
روشن وہ اپنا نام خدائی میں کر گئی

زندہ ہوئی دوبارہ تو کہتی یہی اُٹھی بھائی دکھائی کس نے تمھیں راہ جوگ کی
کیوں راج پاٹ چھوڑ کے یہ راہ فقر لی آخر کہو تو تم نے یہ کیا دل میں ٹھان لی
کیا تھی خبر نصیب میں ایشور نے ہے لکھا
بھائی کا جوگ ہائے بہن کو ہو دیکھنا

کفنی کو پھینک بھسم کو چہرے سے تُو مٹا اس روپ سے ہمارے دلوں کو نہ تو جلا
چل ساتھ میرے۔ راج میں کر جشنِ جانفزا کیوں رانیوں کو سوگ میں کرتا ہے مبتلا
خوش ہو رعایا جس سے تو وہ راج کاج کر
آباد میرے باپ کا تو تخت و تاج کر

بارہ برس کی عمر میں ہونا جو تھا فنا ہمشیرا ماں نے راہِ بقا پر لگا دیا
اُس پر ملا جو ہم کو گرو جی کا آسرا بیڑا ہماری عمر کا طوفاں سے بچ گیا
تم کو بہن ملال ہے ناحق کے واسطے
سوچو یہ کیا خیال ہے ناحق کے واسطے

ہمشیرِ صبر کیجئے فرقت کا وقت ہے
رمنے کو یہ فقیر ہے کلفت کا وقت ہے
خادم کو اپنے پیر کی خدمت کا وقت ہے
کیجے وداع خوشی سے کہ رخصت کا وقت ہے

دامِ جہاں میں ہو نہیں سکتا ہے یہ اسیر
سب کا خدا بھلا کرے۔ لے چلدیا فقیر

قصیدہ در توصیف شاہ ذیشان اعلیٰ حضرت ملک معظم جارج پنجم تاجدار ہند و انگلستان ادام اللہ اقبالہ

آمدِ قیصر سے گلشن بن گئی یہ سرزمیں
شکر کر اے ہند تیرا اب کوئی ثانی نہیں
آئی ہے بن کر دُلھن فصلِ بہاری ناز سے
بن رہے ہیں آجکل دولھا سب اشجارِ زمیں
کِھل رہے ہیں پھول رنگارنگ کے اس شکل سے
جامۂ رنگیں پہن کر آئیں جیسے کچھ حسیں
شاخِ گلبن کی لچک اپنی دکھاتی ہے ادا
ناز خود جس پر فدا ایسی بنی ہے نازنیں
حسن کا عالم ہے ہر سُو کھِل رہا ہے ہر سنگھار
بھینی بھینی بُو کہیں پر دے رہی ہے یاسمیں
نرگسِ شہلا نے مستی کا دکھایا ہے سماں
ہر طرف آتی نظر ہے آج یہ چشمِ سرمگیں
لالۂ احمر سے روشن ہو گیا سارا چمن
تختہ تختہ پر عیاں ہے آج رنگِ آتشیں
چاندنی کا پھول وہ جس پر فدا ہے چاندنی
مُنہ کی کھائے سامنے آئے اگر ماہِ مبیں
سامنے سورج مکھی کے پھر گیا سورج کا مُنہ
روبرو سنبل کے ہے زلفِ حسیناں شرمگیں
دانت دکھلاتے ہیں کھِل کھِل کر انارانِ چمن
تاک میں انگور کے خوشے لٹکتے ہیں کہیں
پتہ پتہ سے عیاں ہے آج اسرارِ خدا
ڈالی ڈالی سجدۂ خالق میں خم ہے ہر کہیں
واہ کیا جوبن برستا ہے چمن پر کیا نکھار
سین قابلِ دید کے قدرت نے کھینچا ہے یہیں
واہ وا دلچسپ قدرت نے بنایا کیا چمن
دوڑ کر جائے نظر جس جا پہ رہجائے وہیں
صحنِ گلشن میں بچھا ہے فرش ہر جا مخملی
شوق کا پائے نظر اُس جا پہ رہجائے وہیں

راگ سے ہیں راگ جن سے گونج اٹھا ہے چمن
چہچہے سے چہچہے دلچسپ و دلکش دل نشیں

یہ بہارِ جاں فزا ہے یہ فضا ہے دل کشا
کیوں تر و تازہ نہ ہو اس سے مری جانِ حزیں

ولولے آئے ہیں دل میں دیکھ کر یہ جوشِ رنگ
لکھ دے ہمدم تو یہ مطلع گو کہ مشکل ہے زمیں

تخت پر جلوہ فگن ہے شاہِ جارج پنجمیں
اے دلِ مشتاق من ایں صورتِ زیبا ببیں

بخششیں سے بخششیں دل کھول کر کی ہیں عطا
دست ہمت پر ترے اے شاہِ والا آفریں

ساری دنیا میں نویدِ جشن ہے پھیلی ہوئی
قیصرِ ہند آکے دہلی میں ہوے مسند نشیں

تو ہے وہ قیصر کہ سب شاہانِ والا شان آج
آستانہ پر ترے آ آ کے ملتے ہیں جبیں

اتحادِ باہمی شبیر و شکر کی شکل ہے
ہو گئے ناپید تیرے عہد میں سب بغض و کیں

خوف کے مارے پڑے شیرِ نیستاں کو بخار
دیکھ لے جو خواب میں وہ چشم تیری خشمگیں

دامن اپنے اپنے بھر لیں موتیوں سے سربسر
دُرفشانی کر رہی ہے آج تیری آستیں

اس طرف بھی اک نگاہِ لطف اے عالی ہمم
دے رہا ہے یہ دعاے خیر اک گوشہ نشیں

شرق سے لے غرب تک محکوم ہو عالم ترا
تا ابد قائم رہیں دنیا میں یہ تاج و نگیں

نعمتِ عظمیٰ عطا کر یا الٰہی شاہ کو
شاد و خرّم رکھ سدا تو اسکو ربّ العالمیں

مناجات

جرم و عصیاں کا خطاکار ہے بندہ تیرا
بخش دے بخش دے بخشش کا ہے شیوا تیرا

پتہ پتہ پہ ترے حسن کا نقشہ دیکھا
ڈالی ڈالی سے عیاں صاف ہے جلوا تیرا

یہ اندھیرا - یہ بھنور - میری یہ ٹوٹی کشتی
ناخدا ان کے بچا تو ہی سہارا تیرا

سب کا ہے اور کسی کا بھی نہیں لطف یہ ہے
اس دورنگی پہ بھی شیدا ہے زمانا تیرا

طور پر حضرتِ موسیٰ بھی گرے غش کھا کر
تاب کس کی ہے جو دیکھے کوئی جلوا تیرا

مثلِ آئینہ تجھے دیکھتا ہوں - تو مجھکو
ہوں تماشائی بھی اور میں ہی تماشا تیرا

یہ زمیں تیری ۔ فلک تیرا مہ و مہر ترے — دونوں عالم میں غرض راج ہے شاہا تیرا

بخش دے لاکھ خزانے بھی تو کیا تجھکو کمی — تو بھی ہے بحر کرم ۔ دل بھی ہے دریا تیرا

کبھی ہمدم پہ بھی ہو جائے عنایت کی نظر

یہ بھی اک بندۂ ناچیز ہے شاہا تیرا

کیوں چھیڑتا ہے ہمدم ۔ یاں دل دکھا ہوا ہے — تو رازدار ہو کر کیا حال پوچھتا ہے

پردہ نشیں بنا ہے ۔ چلمن سے جھانکتا ہے — اچھا ہے تیرا پردہ ۔ اچھی تری حیا ہے

چٹکی نمک کی بھر دے زخموں کے منہ میں ظالم — جب تک نہ درد چمکے بے لطف بے مزا ہے

پھولا نہ باغ ہستی میرا بہار میں بھی — کیسی ہے یہ عنایت ۔ کیسا کرم صبا ہے

ملک عدم کے رہرو جب جا چکے تو سمجھے — کہتے ہیں جس کو دنیا ۔ عالم وہ خواب کا ہے

آیا خیال ہمدم ۔ ہوتا ہے خیر مقدم — اشکوں کا سیل بہکر لینے اسے چلا ہے

اے حسن والو لوٹو ۔ مرد سخی ہے ہمدم

بیٹھا ہوا یہ نقد دل کو لٹا رہا ہے

مجھے پھندے میں ڈالا آسماں کے — یہ ہیں سب ہتھکنڈے دور زماں کے

مٹیں جھگڑے کہیں وہم و گماں کے — تمھیں سچے ۔ ہمیں جھوٹے جہاں کے

کئے ٹکڑے جگر کے نذر جاناں — ہوئے اظہار یوں درد نہاں کے

سوا ہے جام جم سے دل ہمارا — نظارے اس میں ہیں کون و مکاں کے

نظر یاں آگئی شان الٰہی — گدا ہم بن گئے کوچے بتاں کے

سخندان سلف کے ہم ہیں پیرو

کہ ہیں ہمدم غبار اس کارواں کے

مثلث (پیام ہمدم)

وقت امداد ہے تم شاہ کے آڑے آؤ — شیر بن جاؤ نہ کچھ خوف کسی سے کھاؤ

جنگ میں لڑنے کو بھارت کے دُلارو جاؤ

ملک اور قوم پہ ہاں زک نہیں آنے پائے   رُخ جو دشمن کرے اِس سمت تو مُنہ کی کھائے

جنگ میں لڑنے کو بھارت کے دُلارو جاؤ

تیغِ ہندی کا ہیں مانے ہوئے لوہا دشمن   اُن کو تم گھاٹ لگا آؤ کہ سر ہو یہ رن

جنگ میں لڑنے کو بھارت کے دُلارو جاؤ

حقِ خدمت سے ہو آزاد۔ یہ خدمت کرکے   چاہے سر جائے مگر پاؤں نہ رن سے سرکے

جنگ میں لڑنے کو بھارت کے دُلارو جاؤ

بھیم ارجن کا تمھیں نام ہو رکھنے والے   آریہ ورت کی آنکھوں کے تمھیں ہو تارے

جنگ میں لڑنے کو بھارت کے دُلارو جاؤ

نام رہ جائے زمانہ میں وہ ساکھا کردو   شاہ کے قدموں پہ ہو جاؤ فدا تم مردو

جنگ میں لڑنے کو بھارت کے دُلارو جاؤ

حکمِ شاہی کو رکھو شوق سے سر آنکھوں پر   جو وفادار ہیں ہمدم وہ نہیں پھیرتے سر

جنگ میں لڑنے کو بھارت کے دُلارو جاؤ

عبرت ناک سین

پردہ حیرت کا اُٹھا۔ سین نرالا دیکھو   دیکھنے والو یہ عبرت کا تماشا دیکھو

جنگ یورپ کا یہ دل سوز نظارا دیکھو   پرشیا والوں کا بگڑا ہوا خاکا دیکھو

کبر و نخوت کا ہمیشہ یہی انجام ہوا

جو مٹا ان پہ وہ ہر کام میں ناکام ہوا

جنگ یورپ میں جو جبّار بنا پھرتا تھا   ہنگری کا جو مددگار بنا پھرتا تھا

روس بھر میں جو ستمگار بنا پھرتا تھا   شہر پیرس کا طلبگار بنا پھرتا تھا

وہی بے یار و دیار آج بنا پھرتا ہے
شاہ کل تک تھا پر اب شکلِ گدا پھرتا ہے

جس نے پانی میں ڈبوئی ہیں ہزاروں جانیں — مُفت میدان میں کھوئی ہیں ہزاروں جانیں
جس کے اس ظلم سے روئی ہیں ہزاروں جانیں — سُکھ سے ابتک نہیں سوئی ہیں ہزاروں جانیں

آج اُس کو ہیں پڑے جان کے لالے دیکھو
تنِ تنہا ہے۔ نہ لشکر۔ نہ رسالے دیکھو

ہند لینے کا جو سودائی بنا بیٹھا تھا — قیصرِ ہند کا جو بھائی بنا بیٹھا تھا
جنگ یورپ کی جو رسوائی بنا بیٹھا تھا — جس کا ہر شخص تماشائی بنا بیٹھا تھا

خانہ ویراں ہے وہ ہمدم یہ تماشا دیکھو
اُس کی بگڑی ہوئی تقدیر کا نقشا دیکھو

تشبیب قصیدہ از ہمدم

حبذا لطفِ خدا و کرمِ عز و جل — جس کے اخلاق سے ہے خلقتِ عقلِ اوّل
بزمِ ادراک میں کی شمعِ تجلّی روشن — اور پھر قلب میں پروانہ کے رکھی مشعل
روشنی علم کی یوں کون و مکاں میں پھیلی — جس طرح مہرِ درخشاں کہیں آیا ہو نکل
دامنِ سبز پہ سبزہ کے شعاعیں ڈالیں — سبز مخمل پہ لگائی ہے سنہری مدخل
زر فشاں جبکہ ہوا خامۂ زرّیں تیرا — کھینچ دی اِس ورقِ دل پہ سنہری جدول
جہلِ تاریک کو دُنیا سے مٹایا تُو نے — یدِ قدرت کی ہے شمشیرِ قلم میں صیقل
منشیِ حمد رقم مجھ کو بنایا تُو نے — فخر قسمت کو دیا اے مرے منشیِ ازل
عقدۂ علم کو ہیں ناخنِ حکمت درکار — یہ معمہ نہیں آسانی سے ہو جائے جو حل
مردِ میدانِ عمل اُن کو بنایا تو نے — جیت کر لے گئے جو علم و ہنر کے دنگل

تیرے الطاف و کرم کی یہ فراوانی ہے — چھائے برٹش کی حکومت کے سروں پر بادل
جس طرف جائے نظر بس یہی آتا ہے نظر — فضل سے تیرے یہی راج ہے سب سے افضل
بارشِ فیض سے ہے علم کا گلشن شاداب — چشمۂ مہر سے ہیں اُس کے زمیں پر جل تھل
ہر تمنا ور کو یہاں گو ہر مقصود ملا — وہی محروم رہا پاؤں گیا جس کا پھسل
ہندیوں کی بھی ہے قسمت کا ستارہ چمکا — مل کے باہم جو کیا سب نے یہ آخر فیصل
ملک والوں کی ہو تعلیم ہنر مند بنیں — کوئی اُمّی نہ رہے اور نہ کوئی اجہل

غرب کی روشنی ہو شرق میں ان کے دم سے
تار بجلی کا جلائیں یہ بجائے مشعل

"برج کی سیر"

سلونو کو جو ہم متھرا گئے یہ کام کر آئے — بھرے دربار میں سرکار کو پرنام کر آئے
نہ پوچھو واہ کیسی موہنی صورت کسی کی تھی — ہم اپنے دل کو اُس کا بندۂ بے دام کر آئے
کھلی تقدیر اپنی۔ جاگ اُٹھی سوئی ہوئی قسمت — مسافر بن کے ہم بسر آنتہ میں بسرام کر آئے
کہاں کا دل یہاں تو جان تک اُن پر فدا کر دی — ابھی تھی ابتدا الفت کی ہم انجام کر آئے
عجب تھی دُھن وہ ہنسی کی کہ سُدھ بُدھ کھو گئی اپنی — محبّت کا بھلا ہو۔ دل کو ہم ناکام کر آئے
پھرے وحشی کی صورت ڈھونڈھتے ہم برج میں تجھکو — تجھے نام آور اپنے آپ کو بدنام کر آئے

ہزاروں شیفتہ بسمل ہیں جس کے تیر مژگاں کے
تماشا ہے کہ اُس بانکے کو ہمدم رام کر آئے

نظر میں ہیں مری۔ خم دار گیسو — ڈسے لیتے ہیں بن کر مار گیسو
مداوا ہو چکا میرے مرض کا — مرے حق میں بنے آزار گیسو
زبانِ حال سے دل مانگتے ہیں — بڑے ہیں آپ کے طرّار گیسو

چڑھاؤ سر نہیں منہ آئیں گے یہ | سنوار و تم نہیں۔ ہر بار گیسو
پھنسا لیتے ہیں دل کو دام بن کر | رسوا ہیں آپ سے ہشیار گیسو
سیہ مستوں کی صورت جھومتے ہیں | بڑے ہیں آپ کے سرشار گیسو
پجاری حسن کا تیرے صنم ہوں | گلے کی ہیں مرے زنار گیسو

کہاں یہ بخت خفتہ میرا ہمدم
کہاں وہ طالع بیدار گیسو

قطعہ بر وفات مولٰنا محمد علی جوہر محب قوم

ہوا تاریک مشرق رحلت جوہر سے واویلا | حقوق قوم کی سچی طلب تھی قلب طالب میں
سن رحلت اگر مرحوم کا لکھنا ہے اے ہمدم | تو یہ لکھدو۔ گیا ہے آفتاب ہند مغرب میں

۱۹۳۱ء

قطعہ بر وفات فخر قوم محب وطن جناب پنڈت موتی لال صاحب نہرو

مانا ہے سائمن نے بھی اُن کے کلام کو | طور وطن کے ایک ہی نہرو ہوئے کلیم
شہرہ ہے جن کی عظمت و فضل و کمال کا | ہمدم ہے اُن کا سال فنا۔ فاضل عظیم

۱۹۳۱ء

قطعہ وفات رائے بہادر پنڈت بشیشر ناتھ ہانگل صاحب رئیس اکبر پور ضلع فیض آباد خسر جناب ہمدم

کرد باد خزاں ہمہ بد رنگ | لطف باغ و بہار رخصت شد
بکرمی سال مرگ خسر ایں است | تختۂ بے مثال۔ غارت شد

سمت ۱۹۸۸ ب

قطعہ تاریخ بر ولادت صاحبزادہ اکبر پنڈت شیو نارائن صاحب بھان عاجزؔ

کچھ عجب جوبن گلستاں سے ٹپکتا آج ہے
ہر روش پر ہے بہارِ بے خزاں آئی ہوئی

سنبل و ریحان و نرگس کے عجب انداز ہیں
آنکھ جن پر پڑتی ہے للچائی للچائی ہوئی

کون سے گل کی ہے آمد جس کی اتنی دھوم ہے
آج جو بادِ صبا پھرتی ہے اٹھلائی ہوئی

کون سے گلرو کے آنے کی خبر لائی صبا
جھومتی ہیں اس طرح شاخیں جو بل کھائی ہوئی

باغباں جامے سے باہر ہو رہے ہیں مثلِ گل
کھل گئی ہے جو کلی کل تک تھی مرجھائی ہوئی

بکرمی سمت میں لکھ تاریخ ہمدمؔ دیکھ کر
رحمتِ خالق کی عاجزؔ پہ گھٹا چھائی ہوئی

۶۴۸ و ۶۲۱ و ۳۰۱ و ۱۸۱ و ۱۲ و ۴۲۶ و ۱۱ و ۲۱
سمت ۱۹۷۰

قطعہ تاریخ بر وفات منشی سید عاشق علی صاحب سب انسپکٹر پولیس ضلع ایٹہ

اک مہرباں کا ماتم برپا ہے شہر بھر میں
سچ تو یہ ہے قیامت مرنا ہے نوجواں کا

غم کی گھٹا ہے چھائی تاریخ لکھ یہ ہمدمؔ
ڈوبا ہے آہ کوئی خورشید خانداں کا

۲۸ ۶ ۳۶ ۱۱۲۰ ۷۰۶ ۲۱
سنہ ۱۹۱۷ء

قطعہ تاریخ وفات بابو مرلیدھر صاحب ہیڈ ماسٹر وکٹوریہ ہائی اسکول آگرہ

درویش و غنی ۔ شاہ و گدا ۔ مفلس و زردار
اے دورِ زماں تو نے تو چھوڑا نہ کسی کو

اُستاد کی تاریخ یہ ہمدمؔ نے لکھی ہے
لو آج رشی کیش میں موت آئی رشی کو

۳۶ - ۴ - ۸۴۰ - ۱۱۰ - ۴۴۶ - ۱۱ - ۵۱۰ - ۲۱
سمت ۱۹۷۳

قطعہ تاریخ بر وفات فخرِ قوم جناب پنڈت بشن نراین صاحب درؔ ایم اے بیرسٹر لکھنؤ

ہائے درؔ کی ناگہانی موت نے
کر دیا ہے ہند میں محشر بپا

ہائے کیسی موت کی آندھی چلی
گلِ چراغِ قوم جس نے کر دیا

رنگ و بو بن کر اُڑی ساری بہار
باغِ عشرت لکھنؤ کا مٹ گیا

سمت ۱۹۷۳

آؤ ہمدمؔ اُس کے پھولوں میں چلیں
خیر اندیشِ خلایق ـ جل چکا

۱۹۱۶ء + ۵۷ = سمت ۱۹۷۳

تاریخ وفات حسرت آیات دلبند و جگر پیوند رایشور پرشاد منشی

سیہ مستی گئی ہے ہوش آیا | حرام اس دل کو شغلِ مُل ہوا اب
کھور و پیٹ کر تا ریخ ہمدم | چراغِ بزم راحت گل ہوا اب

سنہ ۱۹۲۷ء

ہندو۔ پنڈت مکند رام متوطن سرینگر کشمیر۔ آپ کا اصلی وطن کشمیر تھا اور محلۂ درابی یار (متصل حبہ کدل) میں سکونت پزیر تھے آپ کا خاندان ٹپلو کے نام سے مشہور تھا جن کی اولاد اس وقت تک کشمیر میں موجود ہے۔ آپ کی نسبت زیادہ حال معلوم نہ ہوا سوائے اس کے کہ اوائل عمر میں ہی بہ تلاشِ معاش حیدر آباد چلے گئے تھے اور وہاں نواب میر جنگ بہادر اور راجہ راجیشری رائے کے ہاں ملازمت اختیار کی سنہ ۱۲۶۳ھ میں زندہ تھے۔ بقولِ پنڈت بلبدر ٹپلو بی۔ اے جو آپ کے خاندان کے موجودہ وارث ہیں آپ کے کلام کا بیشتر حصہ تلف ہوا ہے۔ ایک غیر مطبوعہ اور مختصر مجموعۂ کلام دستیاب ہوا ہے جس میں سے مندرجۂ ذیل انتخاب نذرِ ناظرین کیا جاتا ہے ؎

جنوں بے اختیارم میکشد سوے بیابانہا | ز انساں تلخ عیشم اُنس میگیرم بہ حیواں ہا
بگرداب بلا جا نبازیم غوّاص ساں دارد | دُرِ مقصود می آرم بکف از موجِ عمانہا
پرستش با خدا دارم بکفر و دیں نہ پروازم | درِ اسلام میکوبم زنم ناقوسِ رہبانہا
سرے از سر بدر کردم سرم سرزد بہ تنہائی | سرو کارم ہمیں بہتر چہ می سازم بہ سامانہا

بہرِ قتلم چست بستہ تیر و ترکش بر کمر | میشوم قربانِ او چالاک می آید بروں
ہر طبیعت جلوہ میدارد بہ اصلِ خویشتن | گر زمیں را کندہ سازی خاک می آید بروں

شمیمِ گیسوے مرغولہ مُویت | دماغ من سرا پا مشکِ چیں کرد
بتانِ سنگدل از عشقبازی | بہ بیں ہندو خرابِ کفر و دیں کرد

شب رفت وزمن قصۂ زلفِ تو درازاست　　کوتاہی بختم کہ میاں پردۂ راز است
درباطنِ ما دیر و حرم کار مجا زیست　　ما را دلِ خود کعبۂ و برخویش نمازاست

چوں رنگ ارغوانِ عذارش سمن کجا　　بوے دماغ زلف بمشکِ ختن کجا
آرایشِ بدن ہمہ از بہر زندگیست　　بر مردہ ورنہ غیرت وننگ کفن کجا
مقسوم آب ودانہ بہ گردوں پراں برد
ہندو وطن کجاؤ زمینِ دکن کجا

دیدہ ترکردم ز ہجرِ زلف او　　آب میسوزم چراغِ شام را
دراصالت غرتِ فولاد تن　　قیمت از جوہر بہ بیں صمصام را

چیست دانی تو قامتِ دلبر　　ازقیامت بہ دہر آثار است
چشم مستت چہ طرفہ رندِ جہاں　　زاہدِ خشک عین بیمار است
از انا الحق زباں دریدہ دہاں　　سرِ منصور بر سرِ دار است

پس ازمردن کند خاکسترِمن شعلہ افروزی　　زسر تا پا زسوزِ عشق اخگر ریزدرنارم

گرلبِ او بادہ نوشی میکند　　چشم او مردم فروشی میکند
نوبتِ ہریک بوقتِ خویشتن　　صبحدم کوس ایں خروشی میکند
بیخبر ہندو زتقدیرِ ازل
بر سرِ تدبیر کوشی میکند

عبیرِ زلف او تا بر زمیں ریخت　　مسلماناں زکافر رنگِ دیں ریخت
صحیح نسبت چو شد برصادِ عینش　　بہ داماں برد سر دندانِ سیں ریخت
نہفتم درگریباں گریہ ازغیر　　چہ سازم جوے اشک از آستیں ریخت

مقیم چلّہ بہ قربان آں کماں ابروست　　کہ مژۂ برصفِ عشاق تیر بارانند
زچشم مستِ تو گل ہم نہد وقوفِ شراب　　وگرنہ نرگسِ بستاں چہ کاسہ دارانند
جمال روے تو شیداست مہر وماہِ فلک　　ستارہ جملہ چو سیماب بیقرارانند

ناخنِ طعنہ زد چو مضرابم — تارِ جان را سہ تارہ کرد افسوس
گوہرِ اشک من ز بیداری — دور از گوشوارہ کرد افسوس

گرداب زندگی دچو آبِ رواں بشر — موجِ نفس چنانکہ شد آمد حباب را
دنیا زراعت است پئے کارِ عاقبت — ریزی ہر آنچہ تخم دِرَو برمآب را

در سرِ یارم سرے از سیرِ باغِ دیگرے — آہ بر دل لالہ ساں بگذاشت داغِ دیگرے
بعد ازیں در خدمتش خود نامہ خود قاصد شوم — برنمی آید مُرادم از بلاغِ دیگرے
شب بہ بزمِ وصل ہندو طرفہ ساقی گشت یار — سوے من مینا تہی مے در ایاغِ دیگرے

گلدستہ دست و پاے تو سروِ سہی بالاے تو — من بلبلِ شیداے تو از گلستانِ کیستی
ناوک ز مژگاں خوردہ ام آماج رادل کردہ ام — قربانِ جانت گشتہ ام ابرو کمانِ کیستی
از اشک ریزم گوہرے قد حلقہ کردم بر درے — گوشِ تو سوے دیگرے غفلت بیانِ کیستی
کاکُل پسِ سر جاں گسل تاریک شد چین و چگل — تاراج کروی ملک دل کشورستانِ کیستی
ہندو نکردی بندگی برباد دادی زندگی
در عاقبت شرمندگی اندر گمانِ کیستی

بلبل شدی اگرچہ گرفتارِ جورِ گل — چوں من بنالہ سینہ فگارے نمیکنی
دوش از زبانِ شمع بہ پروانہ شد ظہور — سوزی بہ نارِ عشق و شرارے نمیکنی
ہندو اگرچہ باز ز اسلام آمدی
باور چرا بہ دینِ کفارے نمیکنی

تیرباراں میکند مژگانِ او — پردۂ زلفش حمایت میکند
نالۂ دلسوز را آگہ نۂ — بشنو از نے چوں حکایت میکند
سرنوشتِ خویشتن نتوان شست
بے سبب ہندو شکایت میکند

جنونِ مستی وساقی خیال و دل جام است — سرشک دیدہ بہ عاشق چو پر تکالی سے
بہ دل چو جاے نمودم بآں دلِ سنگیں — قدم نہادہ بگفتا شکستہ مینا ہے

بانگِ جرس بخواب شنیدم ز کارواں — دنیا فنا سراے ز منزل کنید طے
گر صورتِ خداے بہ گیتی ظہور نیست — ہندو شنو بگوش کہ حق است جملہ شے

راحت و غم ابتدا ہمزاے من — آں بقاے عمر و ایں افناے من
اے جفایت کے بترسم اے فلک — دست بالا زیرِ نقشِ پاے من
نیست دنابود
شاہِ رندم فوجِ من موجِ مے است — یک صراحی دو قدح اُمراے من
بے طریقت بے شریعت کارِ من — ضدِ مذہب مشربِ غراے من
گرچہ بے برگم ندارم بارِ دل — گوہرِ والاے من کالاے من

شادی و غم اندر جہاں اینہم گذشت آنہم گذشت — فصلِ بہاران و خزاں اینہم گذشت آنہم گذشت
خوبانِ گیتی روز و شب مجنون او در چاہِ غم — لیلی وش و یوسف رخاں اینہم گذشت آنہم گذشت

از محتسبِ دہر شدہ سرمہ بہر دم — چشمانِ سیہ مست ترا بادہ بجام است
ہندو ندہد نسبتِ قدت بہ صنوبر — کاستادہ چو سرہنگ یک آزادہ غلام است

بر قامتش دعاے سرافرازم آرزوست — خود را بزیرِ پاش سراندازم آرزوست
قربانِ پاے وے شدنم دسترس کجا — اے سبز بخت حنا بہ توانبازم آرزوست
ساقی تو در چہ نشاکہ واکن دہانِ خُم — جام و سبوے و شیشہ زہم پردازم آرزوست

دیوان عفو جاری از بارگاہِ قدرت — اسنادِ بے گناہی عصیاں شدہ ست مارا
اُستادِ عشق ازبر کردہ کتابِ عشقم — تعلیم حرف مکتب نسیاں شدہ ست مارا

از غیرتِ رخسارۂ آں سرو سمن بر — گل در چمن افسردہ و بے رنگ مشام است
داریم بہ سجادہ طوافِ حرمِ دل — احرام درونِ حج ما صاف حرام است

یاس - پنڈت سری کشن صاحب عرف بھیّا جی کول لکھنوی ولد پنڈت راچند صاحب عرف راجی کول ابن پنڈت مہاراج کول وتاتری۔

آپ کے والد پنڈت راچند کول اور دادا پنڈت مہاراج کول ریاست گوالیا مین ایک مدّت تک ملازم رہے وہاں سے لکھنؤ چلے آئے اور وہیں بود و باش اختیار کرلی حضرت یاس واجد علی شاہ کے عہد میں کسی محکمہ کے داروغہ تھے۔ غدر کا زمانہ خوب دیکھا حسن خدمات کے صلہ میں دو ہزار روپیہ سرکار انگریزی نے عطا فرمایا۔ برٹش گورنمنٹ میں چند سال سب انسپکٹر پولیس اور بعد کو ضلع لکھیم پور کھیری اودھ میں داروغہ آبکاری کے عہدہ پر مامور رہے۔ مستفید پنشن ہو کر پھر لکھنؤ میں اقامت اختیار کی جہاں بچّہ بچّہ بھیّا جی صاحب کے نام سے واقف تھا نہایت ہر دلعزیز باوضع بزرگ تھے کشمیری آل انڈیا کانفرنس کے برسوں آنریری سکرٹری رہے۔ نسیم لکھنوی آپ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اور آپ اُنھیں سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ آپ کی شیریں بیانی کے اشعار ذیل شاہد ہیں۔

تصوّر جلوہ آرا دل میں ہے اللہ کی قدرت کا
کہ بتخانہ میں آیا ہوں مَیں مشتاق اُسکی صورت کا

نہ ڈر روزِ جزا کا ہے نہ اندیشہ قیامت کا
تر صد اُسکی بخشش کا بھروسہ ہے عنایت کا

عجب رندانِ بیخود تاک میں ہیں دخترِ رز کی
الٰہی خیر ہو اب تو ہے حافظ اُسکی حرمت کا

فدائے ناز ہو کر مر گیا زیرِ قدم اُس کے
کہ نقشِ پائے نازک اب نشاں ہے میری تربت کا

دمِ گریہ نکلتے ہیں جو اشکِ گرم آنکھوں سے
اثر باقی ابھی ہے سوزشِ دل کی حرارت کا

جنوں ہوتے ہی ٹکڑے کر دئے دامانِ صحرا کے
خدا حافظ یہ ادنیٰ ولولہ ہے جوشِ وحشت کا

سینہ یادِ عارضِ تاباں سے روشن ہو گیا
داغِ دل شکلِ چراغِ دشت ایمن ہو گیا

ضعف کی شدّت سے اب میں سر اٹھا سکتا نہیں
ناتوانی سے گریباں طوقِ گردن ہو گیا
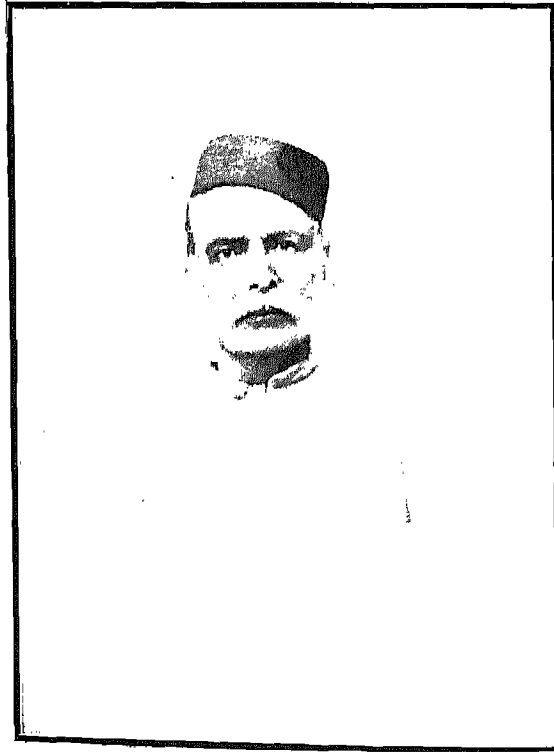
پنڈت سری کشن کول۔ بیاس

دیکھ کر جلوہ مرے اُس شہسوارِ حسن کا — ماہِ نو گردوں پہ نقشِ نعل توسن ہو گیا
لختِ دل ٹپکے مژہ سے جبکہ ہجرِ یار میں — دامنِ گلچیں سے افزوں اپنا دامن ہو گیا
ہجر میں اے یاسؔ کیا ہو اب امیدِ زندگی
ایک دل تھا دوست اپنا وہ بھی دشمن ہو گیا

مہرِ تاباں اور وہ رشکِ قمر دونوں ہیں ایک — خالِ رُو و نجمِ رخشانِ سحر دونوں ہیں ایک
وہ نہاں آنکھوں سے ہے تو یہ نظر آتی نہیں — جادۂ ملکِ عدم اُسکی کمر دونوں ہیں ایک
وہ چُبھی رگ ہائے تن میں اس سے ہے مجروح دل — نوکِ مژگانِ نگار و نیشتر دونوں ہیں ایک
جب لگائے تیغ وہ کیونکر نہ روکوں آنکھ پر — میری آنکھوں کی سیاہی اور سپر دونوں ہیں ایک
وہ جلا دے تختۂ روئے زمیں یہ آسماں — آتشِ سوزان و آہِ پُر شرر دونوں ہیں ایک
کیا کریں یاسؔ خالق کی میں اپنے اب کہوں
اُسکے آگے بے ہنر اہلِ ہنر دونوں ہیں ایک

کششِ آہ تیرا ہم بھی اثر دیکھیں تو — کب وہ آتا ہے پریزاد ادھر دیکھیں تو
دل لیا جان بھی لیں ذبح کریں سر بھی لیں — آپ سب ظلم کریں ایک نظر دیکھیں تو
چشم بد دور تمھیں سنتے ہیں ہم صید فگن — کیسے تم چھوڑتے ہو تیرِ نظر دیکھیں تو
قتلِ عاشق کو فقط تیغِ نگہ کافی ہے — کس لئے فکر ہے آپ ایک نظر دیکھیں تو
آج ہے فرقتِ دلدار میں رونے کی بہار — جوشِ گریہ ترا اے دیدۂ تر دیکھیں تو
کوئے جاناں میں ابھی حشر بپا کر دینگے — آنکھ پھیرے ہوئے جاتے ہیں کدھر دیکھیں تو
صید ہونے سے کہیں طائرِ دل ہٹتے ہیں — چھوڑ تو دیجئے شہبازِ نظر دیکھیں تو
کون کہتا ہے کہ پھل دیتا نہیں نخلِ دار — آپ نیزہ پہ مرا کھینچ کے سر دیکھیں تو
از رہِ لطف یہ مقتل میں وہ فرماتے ہیں
ہے پڑا یاسؔ کہاں خستہ جگر دیکھیں تو

ترے دیوانے اپنا خانماں برباد کرتے ہیں
اسیرِ دامِ الفت ہیں قفس آباد کرتے ہیں

رقیبِ روسیہ کو بزم میں وہ یاد کرتے ہیں
نئی بیداد کرتے ہیں ستم ایجاد کرتے ہیں

لگاوٹ میں ستم ایجاد کیا بیداد کرتے ہیں
حنا ملتے ہیں خونِ عاشقِ ناشاد کرتے ہیں

اب آتے ہیں اب آتے ہیں وہ ہم کو یاد کرتے ہیں
یہی کہہ کہہ کے تسکینِ دلِ ناشاد کرتے ہیں

چمن ہے ابرِ تر ہے مطرب و میناؤ ساقی ہے
الٰہی وہ بھی آ جائے جسے ہم یاد کرتے ہیں

مرے جاتے ہیں عاشق جنبشِ لبہائے شیریں سے
مسیحا اختیار اب شیوۂ جلّاد کرتے ہیں

غضب ہے ذبح کرتے ہیں تو ہنس کر بھی جلاتے ہیں
تماشا ہے مسیحائی یہاں جلّاد کرتے ہیں

جو وہ خواہانِ سر ہے تو یہاں بھی سر گرانی ہے
عبث سر کاٹنے میں دیر اب جلّاد کرتے ہیں

نگاہِ شوخ سے زخمی بدن ہوتے ہیں دیوانے
مژہ رگ رگ میں کارِ نشترِ فصّاد کرتے ہیں

ادائے شکر کر اے یاسؔ کیسی طبع موزوں ہے
پسند اپنی غزل سب شاعرِ استاد کرتے ہیں

تاریخ طبع کتاب شمس الضحیٰ مصنفہ پنڈت رتن ناتھ در سرشار

ذی جودت و خوش بیاں رتن ناتھ
فخرِ ہندوستانِ ادراک

گل گفت بطرزِ نو کتابے
تو بادۂ گلستانِ ادراک

نامش شمس الضحیٰ نہادہ
نورِ مہِ آسمانِ ادراک

اوراق کہ تحفۂ گلِ فہم
مضمون با گلستانِ ادراک

بخشیدہ زخوبیِ خیالات
در قالبِ علم جانِ ادراک

چوں زیورِ انطباع پوشید
ایں شاہدِ نوجوانِ ادراک

بکشود برائے سالِ تالیف
کلکِ فہم زبانِ ادراک

گفت از سرِ لطف مصرعۂ نغز
گلدستۂ بوستانِ ادراک

۱۲۹۴ھ

قطعہ تاریخ ولادت فرزند ارجمند پنڈت اندر نرائن صاحب گھر

این چہ خوش وقت سعید او چہ خوش این روزگار — آمدہ در گلشن عشرت نسیم نو بہار
بلبلان شیرین نوا و مطربان خوش نغمہ ساز — میشود شور مبارکباد ہر سو بار بار
بارور گردید از فضل خدا نخل مراد — یعنی داد اندر نرائن را پسر پروردگار
نیّر اوج شرافت کوکب برج شرف — گلبن گلزار دولت نونہال نامدار
گوہر درج وفا این ست فخر خاندان — یافت پنڈت جے نرائن وہ چہ نور نامدار
گشت نام اقبال نارائن لقب عالی گھر — زندہ ماند تا صد و سی سال با عزّ و وقار
از زمین تا آسمان آمد دعاہا بار بار — یا الٰہی عمر طبعی یابد آن عالی تبار
بہر تاریخ ولادت چون ز دل میخواستم — یافتم از فکر عالی این چہ مضمون آبدار

با دعاے صد ہزاران ہاتفم این مژدہ داد
وہ چہ بادا نیّر اقبال رخشان با وقار
۱۸۰ ۶ ۱ ۸

تاریخ ولادت فرزند ارجمند جناب مہاراجہ صاحب بہادر دام اقبالہ۔ والئے جموں و کشمیر

حبّذا این فرحت افزاے بہار کشمیر — آنکہ از فرط بشاشت شدہ فردوس نظیر
خوش خبر داد چنین پیک صبا وقت سعید — زینکہ تولید مبارک شدہ چون بدر منیر
وہ چہ فرزند مہاراجہ بہادر ذی جاہ — صاحب جود و سخا وارث تاج کشمیر
کان اخلاص و وفا معدن خوبی و ذکا — نور افزاے ریاست شدہ چون ماہ منیر
اے خدا نیّر اقبال درخشان بادا — دولت و ملک فزون باد بود خوش تقدیر
شاد و خرّم بود و مرتبۂ صدر نشین — ذی ہنر صاحب تمکین بود از ربّ قدیر

این دعا از من و از جملہ کسان آمین باد — عمر طبعی بود از عاطفتِ ربِ قدیر
ہاتفِ غیب پئے سالِ ولادت ز طرب — داد آواز کہ نیک اخترِ اوجِ کشمیر

فکرِ عشرت شدہ از بہرِ شمارِ سمٰوات
کہ ندا آمدہ حرفِ سرِ ہر مصرع بگیر
۱۹۶۱ بکرمی

قطعہ تاریخ ملازمت نورِ چشم برج کشن کول سلمہ

اے قبائے علم دولت راست بر بالائے تو — تاج و تہذیب لیاقت بر سر والائے تو
اے ہمہ اوجِ سعادت نام نامی برج کشن — عہدۂ اعلیٰ بود آسان بدوشِ پائے تو
اے ظہورِ کامرانی و نشاط افزائے دل — طرّۂ اقبال و دولت بر سرِ زیبائے تو
اے شہِ اورنگ علم و دانش و فہم و ادب — فتح شد اقلیم معنی از سرِ آرائے تو
اے مبارک فالِ نیکو باعثِ شادی بود — خوش نما چترِ ہما شد بر سرِ والائے تو
اے خورِ اوجِ ذکاوت کار آسان کردہٗ — معنیِ روشن شدہ از فہمِ نور افزائے تو
اے گلِ گلزارِ دولت وے نہالِ باغِ علم — سرو بستانِ لیاقت قامتِ زیبائے تو
اے کہ از ذاتِ تو گشتہ باعثِ نام آوری — شد فروغِ خاندان از ہمتِ والائے تو
کارِ خدمت وہ چہ از حسنِ لیاقت می کنی — حاکمِ اعلیٰ بود خوشدل ز موزونیِ رائے تو
شادمان شد ہر عزیز و دوستان خورسند دل — ہر عدوے روسیہ پامال زیرِ پائے تو
اے کہ روشن ساختی ہر عقدۂ باریک تر — آفرین صد آفرین بر فہمِ نور افزائے تو
بادعا ہا این ندا از غیب آمد بہر سال — روز افزوں با ترقی ماند احکم جائے تو

اے مہِ اوجِ ذکاوت وے مہِ برجِ شرف
اے ظہورِ کامرانی فہمِ نور افزائے تو

قطعہ تاریخ وفات پنڈت سومناتھ مبعی

افتخار ہند پنڈت سومناتھ — شد سوئے فردوس زین دار فنا
گفت ہاتف سال تاریخش چنیں — مُردی و حسرت ہمہ احباب را

ایضاً

خدیو مصر ہنر سومناتھ پنڈت آہ — بہشت منزل فانی و شد بہ دار بقا

چون بود رشک ظہیر و کلیم در فن شعر
بگفت ہاتف غیبی خلاصۃ العلما
۱۲۹۴ھ

تاریخ وفات پنڈت دیا شنکر صاحب نسیم لکھنوی

اے وائے نسیم چل بسے ہیں — عالم کو ہے رنج و بیقراری
ہے سینۂ صبح چاک غم میں — بادِ سحری کو بیقراری
گلشن میں بھی خاک اُڑ رہی ہے — ہر ایک چمن پہ سوگواری
غم سے گل بھی ہے چاک دامن — لالہ نے کلاہ سر اُتاری
پژمردہ ہے گل تو بلبلیں زار — ہیں نوحہ کناں بہ آہ وزاری
ہر برگِ شجر خزاں رسیدہ — گلشن سے بہار ہے سدھاری
شمشاد بھی سوچ میں کھڑا ہے — شورِ قمری پہ بیقراری
سنبل کو ہے پیچ و تاب غم میں — چشم نرگس سے خون جاری
سبزہ کا ہے تار تار دامن — شبنم کی ہے غم سے اشکباری

یوں ہاتفِ غیب نے ندا دی
اب بخشے اسے جنابِ باری
۱۲۶۱ھ

یاور - پنڈت جگت نراین ہاکچر صاحب

خمسہ بر غزل آذری

بلبل بباغ و بوم بویرانہ آشناست — باسرو و شمع قمری و پروانہ آشناست
صوفی بورد و رند بہ پیمانہ آشناست — زاہد بکعبہ گبر بہ بتخانہ آشناست
ما و دلے بجلوۂ جانانہ آشناست

این دوستی و ستمگاریش بہ بین — این شیوۂ جفا و وفاکاریش بہ بین
این طرز مونسی و دل آزاریش بہ بین — این دلبری و شوخی و عیاریش بہ بین
گاہے بما و گاہ بہ بیگانہ آشناست

نے رند و نے فقیہ و نہ مومن نہ کافرم — زاندم کہ او فتاد ہوایش درِ سرم
از بندِ کفر و دین شدہ آزاد خاطرم — پاے نہادہ ام برہِ کعبہ و حرم
پاے دگر بکوچۂ جانانہ آشناست

عمریست ہیچ گانہ بہر شام و بامداد — رویش چو دید دین و دلِ خود ز دست داد
صوم و صلواۃ بود بجان و دلش مراد — صوفی کہ جز بہ وِرد گہے لب نمی کشاد
پیمان شکست و بالبِ پیمانہ آشناست

عمرے براہ سعی ز سر ساختیم پا — حاصل نہ شد ز اہل جہان ہیچ مدّعا
قطعِ امید ساختہ از غیر و آشنا — زاندم کہ آذری زدہ ام تکیہ بر عنا
پہلوے ما بمسندِ شاہانہ آشناست

دارم دلے نہ خویش و نہ بیگانہ آشناست — با درد یار و با غمِ جانانہ آشناست
ابرو بہ تیغ بازی و مژگان سنان زنی — چشمش بہ ترک تازیِ ترکانہ آشناست

نہنمان صبا کہ مشک فشان شد زکوے یار
گیسوے او مگر شدہ باشانہ آشنا ست

دل برعروس دہر مبندی کہ ہر نفس
بیگانہ آشنا و زبیگانہ آشنا ست

از دین و کیش این دلِ دیوانہ ام مپرس
گاہے بکعبہ گاہ بہ بتخانہ آشنا ست

اے در خیالِ خالِ و عرقناک روے یار
مرغ دم بہ آب و نہ با دانہ آشنا ست

گو عیش زندگی و کجا راحتِ حیات
آنرا کہ ہست باغم جانانہ آشنا ست

نقدِ غمِ فراقِ بتان در دلِ خراب
دارم نہان کہ گنج بویرانہ آشنا ست

بلبل صفت چرا بکشم نالہ یاورا
آہ از یگانۂ کہ بہ بیگانہ آشنا ست

یقین۔ پنڈت اودت نراین صاحب شیوپوری عرف چکبست لکھنوی شاگرد حضرت دریا

اللہ اللہ رے اثر نالوں کا تیرے بلبل
پردۂ غیب سے گُل چاک گریباں نکلا

کھا گئے بن کے بلا تیرے معنبر گیسو
جانِ عاشق کے لئے ہوگئے اژدر گیسو

عَرَقِ رخ سے بنے سبحۂ گوہر گیسو
نورِ افشاں سے ہوئے غیرتِ اختر گیسو

پیچ کھاتا ہے ادھر موے کمر عاشق پر
بل کی لیتے ہیں اُدھر تیرے معنبر گیسو

تیری تحریک سے اے بادِ صبا کیا حاصل
ہوگئے اور نقابِ رخِ دلبر گیسو

کوکبِ بخت کو دونوں کے شرف حاصل ہے
خال رخ پر ہیں تو ہیں یار کے سر پر گیسو

کس طرح عاشقِ بدبیں کی نظر کام کرے
باعث حفظ ہوے تیرے سیہ تر گیسو

صورتِ درد جگر حال پریشاں ہو جائے
خواب میں دیکھے اگر عاشقِ مضطر گیسو

اے یقیں سنبلِ تر سے کوئی نسبت کیا ہے
سنبلِ باغِ جناں سے بھی ہیں بہتر گیسو

نگاہِ لطف سے اے جان اگر نظر کرتے
تمھارے تیروں سے سینہ کو ہم سپر کرتے

جو نامہ بر ہیں رقیبوں سے ساز رکھتے ہیں
ہم اپنے حال سے کیونکر اُنھیں خبر کرتے

جفائے چرخ سے فرصت ملی نہ دم بھر کی
ہم اپنے حال سے کیونکر اُنھیں خبر کرتے

ہوا اثر نہ ترے دل میں سخت حیرت ہے
یہ نالے وہ تھے کہ پتھر میں بھی اثر کرتے

فرشتے کرتے فغاں آسمان ہل جاتے
ہم ایک نالہ جو اے چرخ کھینچ کر کرتے

غنی ہوے ہیں یہاں دولت قناعت سے
وہ ہم نہیں جو تمنائے سیم و زر کرتے

یقینؔ قابو میں رکھتے جو نفس سرکش کو
زمیں پہ کارِ ملائک یہی بشر کرتے

تاریخ وفات پنڈت جے گوپال زتشی

بزرگِ قوم جے گوپال نامی
کہ جن کا عرف تھا مشہور زتشی

متانت اور لیاقت میں یگانہ
سخاوت حاتم طے سے بڑھی تھی

اُنھیں ضیق النفس نے آ دبایا
ورم نے اور اُس پر زیادتی کی

اطبا سے رجوع لائے اعزا
ہر ایک تدبیر بہبودی کی سوچی

ولے جانبر نہ ہو کر اس مرض سے
خدائے جاں کو آخر جان سونپی

یقیںؔ کو جب ہوئی تاریخ کی فکر
سرِ ہجرت سے ہاتف نے ندا دی

سنِ ہجری سے کہہ تاریخِ رحلت
گئے بیکنٹھ جے گوپال زتشی

سنہ ۱۳۱۰ھ تعمیہ سرِ ہجرت عدد ۵

پنڈت شیام نراین مشران۔ یکتا

یکتا۔ پنڈت شام نرائن مشران صاحب خلف پنڈت لچھمی نرائن مشران صاحب مفتوں۔

پنڈت شام نرائن مشران متخلص بہ یکتا بہت عالی خاندان اور رئیس فرخ آباد تھے ان کے والد ماجد پنڈت لچھمی نرائن مشران فرخ آباد کے رئیس اعظم آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنر تھے اور پسندیدہ خدمات کے صلہ میں ملکہ وکٹوریہ کی سند خیر خواہی پائے ہوئے تھے اور زبانِ فارسی کے ماہر اور علوم وفنونِ ادبیہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے حضرت یکتا بمصداق الولد سر لابیہ جامع کمالات اور علوم غریبہ کے ساتھ چند فنون لطیفہ و شریفہ مثل مصوری و نقاشی۔ نقشہ نگاری۔ خوش نویسی۔ ناخن نگاری سے بھی پورے واقف تھے چند قسم کے خط مثل خطِ گلزار۔ خطِ توام وغیرہ کے عمدہ لکھ سکتے تھے۔ اردو۔ فارسی۔ انگریزی میں استعداد وسیع اور عربی سنسکرت بھاشا میں دخل کافی ووافی رکھتے تھے۔ ملازمت سرکاری میں تحصیلداری تک پہنچکر ریاست بڑوانی وسط ہند کے دیوان عرصہ تک رہے۔ دیانت اور امانت میں خصوصاً اور قابلیت وانتظام ریاست میں عموماً مشہور نزدیک و دور رہے۔ آخر زمانہ میں اپنے وطن مالوف میں دس برس تک میونسپل کمشنر رہے سنہ ۱۹۰۲ء میں بغرض سیر وسیاحت کشمیر جنت نظیر تشریف لے گئے اور وہیں سے راہی جنت ہوئے ایام قیام کشمیر میں ایک موقع پر مہاراجہ کشمیر کے دربار میں قصیدہ مدحیہ پیش کیا۔ اور مورد تحسین و آفرین ہوئے صلہ میں سات پارچہ کا خلعت عطا ہوا۔

بدو شعور سے ذہن نقاد اور طبع وقاد کی علامتیں ظاہر ہوتی تھیں جو سن رشد کو پہنچکر درجہ کمال کو پہنچیں خاندان کے اعزہ واقربا کے نزدیک نہایت ہونہار سمجھے جاتے تھے ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی — می تافت ستارۂ بلندی

شعر کا مذاق سلیم اور وجدان صحیح قدرت نے اُن کی طبیعت میں ودیعت کیا تھا اردو فارسی نثر و نظم لکھنے میں پایہ بلند رکھتے تھے صفاتِ حمیدیہ میں یگانہ اور عاداتِ نکوہیدہ سے بیگانہ تھے۔ حضرت یکتاؔ مشورہ سخن اپنے پدر بزرگوار یعنی حضرت مفتونؔ سے کرتے تھے باسٹھ برس کی عمر میں ۲۸ / اگست ۱۹۰۴ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اور خدا کے جوار رحمت میں داخل ہوئے اُنکے کلام سے چند اشعار بطور نمونہ از خروار از دریا بار درج ذیل ہیں حضرت یکتاؔ کے کلام میں مضامین کی جدت اور استعارات کی طرفگی کے ساتھ وہ لطفِ ادا اور حسنِ بیان بھی ہے جسکے بغیر شعر مقبول خاطر نہیں ہوسکتا۔

حضرت یکتاؔ نے شوخ اور عاشقانہ طبیعت پائی تھی کہیں کہیں عشق کی لذت اور واردات بیان کرتے ہیں اور کہیں شوخی اور درد ترشح ہے کہتے ہیں:۔

جب بہار آئی تو پھانسا دام میں صیّاد نے ۔۔۔ گل کی صورت بھی نہ دیکھی بلبلِ ناشاد نے

چشم پرنم جو کرے پردہ دری اے یکتاؔ ۔۔۔ عشق کے راز کو کس طرح چھپائے کوئی

یارب شکستگی جو تھی اُس کے نصیب میں ۔۔۔ پہلو میں آبلہ نہ ہوا کیوں بجائے دل

رفعِ رنجش بہت آسان ہے معاً اے قاصد ۔۔۔ صلح ہو جائے گی آنکھیں جو لڑائے کوئی

رفعِ رنجش۔ عاشقوں کو معشوق کے ہجر میں اکثر خیال آتا ہے کہ ہم معشوق کے ملنے پر اُس سے دردِ فراق۔ بیتابیِ ہجراں اور اضطرابِ دل کی شکایت کریں گے لیکن جب معشوق سامنے آتا ہے تو غم و غصہ اور درد و تکلیف سب بھول جاتے ہیں کوئی گلہ و شکوہ یاد نہیں آتا بلکہ محبوب کے ملنے کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر خوشی میں بیخود ہو کر کوئی لمحہ رائیگاں نہیں جانے دیتے۔ سعدی شیرازی نے بھی اسی قسم کا مضمون لکھا ہے:۔

گفتہ بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم ۔۔۔ چہ بگویم کہ غم از دل برود چوں تو بیائی

ایک شاعر عرب نے بھی یہی کیفیت بیان کی ہے کہ جب عاشق اور معشوق کی آنکھیں چار ہوتی ہیں تو زبانیں لرزتی ہیں لیکن نگاہیں صلح کرا دیتی ہیں یکتاؔ کے شعر مذکور میں بھی عشق کی وہی گہری لذت اور واردات بیان کی گئی ہے۔

غزلیات

شکلِ خورشید وہ خود آئے گا مہتابی پر — اوج پر جب مری قسمت کا ستارا ہوگا
پھر گلگشت کبھی آئے جو وہ رشکِ بہار — طرفہ اس وقت چمن زار کا نقشا ہوگا
داغ ہوگا رخِ رنگیں سے جگر لالہ کا — خجل آنکھوں سے گلِ نرگسِ شہلا ہوگا
دہنِ تنگ سے ہونگے نہ فقط غنچے تنگ — پیچ سنبل بھی خمِ زلف سے کھاتا ہوگا

چال پر ہوگی فدا جانِ تذروانِ چمن
سروِ آزاد غلامِ قدِ بالا ہوگا

گاہے خزاں ہے باغِ جہاں میں کبھی بہار — گُل جس جگہ تھے کل نظر آتے ہیں خار آج
گنتا ہے وہ ہماری خطاؤں کو قہر سے — یکتاؔ ہمارے حق میں ہے روزِ شمار آج

عشق میں کفر سے مطلب ہے نہ اسلام سے کام — بخدا ہمکو ہے بس اُس بتِ خودکام سے کام
خونِ دل بادۂ گلرنگ ہے آنکھیں ساغر — ہجرِ ساقی میں نہ مے سے ہے نہ کچھ جام سے کام
ہجر میں غم کو کیا مونس و ہمدم اپنا — عیش کا ہمنے لیا کثرتِ الام سے کام

نذر کو زر لائے غنچے جب گئے وہ باغ میں — سروقد اُٹھکر اُنھیں تعظیم دی شمشاد نے
عشق میں دنیا کی پروا ہے نہ عقبیٰ کا خیال — دونوں عالم کو بُھلایا ہے تمھاری یاد نے
نخلِ قامت اس کا اے یکتاؔ چمن میں دیکھکر — لکھ دیا خطِ غلامی سرو سے آزاد نے

نئے طور کا ہے تڑپنا ہمارا — کرو ذبح دیکھو تماشا ہمارا
ادب سے رُکے دیدۂ تر میں آنسو — رہا بند کوزہ میں دریا ہمارا

سہے جور کیا کیا ہیں سنگیں دلوں کے | یہ فولاد ہے یا کلیجا ہمارا
اشاروں ہی سے ہمکو دم پر چڑھا کر | گلا تیغ ابرونے کاٹا ہمارا
کرو تم جفا ہم وفا ہی کرینگے | وہ خو ہے تمھاری یہ شیوا ہمارا
وہ ہیں سخت جانی میں ضرب المثل ہم | کہ قاتل نے مانا ہے لوہا ہمارا
عکس افگن جو گل عارض جاناں ہو جائے | دیکھتے دیکھتے آئینہ گلستاں ہو جائے
حسن واحد ہے کسی رنگ میں جلوہ دکھلائے | زلف مشکیں بنے یا عارض تاباں ہو جائے
داغ سودا ہوں وہ پرسوز کہ اے موسم گل | جگر و دل کے شبستاں میں چراغاں ہو جائے
یا خدا زیب فزوں پائے رخ روز وصال | نقطۂ خال ستمگر شب ہجراں ہو جائے
پھاڑ کر پھینک نہ دوں اسکو تو اے وحشت دل | طوق آہن سے سوا مجھکو گریباں ہو جائے
دیکھ لے گل ترے چھلے کا جو اے رشک پری | داغ حیرت سے دل مہر سلیماں ہو جائے
حسن اس بت کا وہ افزوں ہو کہ اے یا خدا | روز محشر قد گیسو شب ہجراں ہو جائے

دستۂ گل ہیں ترے شعر نہ کیوں اے یکتا
صفحہ صفحہ ترے دیواں کا گلستاں ہو جائے

یارب مرے جنوں کا یہ کچھ رنگ ڈھنگ ہو | دامن سے عار نام گریباں سے ننگ ہو
جوہر سے خاک فائدہ بعد از فنا نہیں | آئینہ کب مزار سکندر کا سنگ ہو
بسمل ہو خلق دیکھے جو تیوری چڑھا کے یار | ابرو بنے کمان تو مژگاں خدنگ ہو
تا کے کبھی جو اُس بت ترسا کا طوق زر | ہالہ میں آفتاب کو قید فرنگ ہو
زلفیں دبا نہ لیں کہیں رخسار یار کو | غالب نہ روم پر کہیں اقلیم زنگ ہو

دراز ل بخشید قوت غم من دیوانہ را | آن کہ روزی میر ساند ابلۂ و فرزانہ را
مو بمو در پنجہ گیر د گیسوے جانانہ را | طرفہ دستے بے گمان بخشید ایزد شانہ را
خواب در چشمش نیامد ہر کہ حالم گوش کرد | طرفہ تاثیرے بود بر عکس این افسانہ را

هر کہ مستِ بادۂ عرفان بود باشد خموش — پر شدن باز از صدا دارد لبِ پیمانہ را

چون نہ بعد از کشتنم آن شعلہ رو رقّت کند — اشک ریزد شمع چون سوزد بہر پروانہ را

ساز از رحمت دلم را مخزنِ اسرارِ خویش — یارب از عرفان عطا کن گنج این ویرانہ را

بسکہ سوزان آتشِ غمہاے پنہانی درو ست
سینہ ام یکتا تو گوئی ماند آتش خانہ را

بدخلِ علم چو پُر کردہ اند سینۂ ما — ز خرج میشود افزائشِ خزینۂ ما

مصیبت از دلِ ما کے رباید استقلال — ز سنگ بشکند اصلا ز آبگینۂ ما

نشاند تجربہ ما را بہ بامِ عقل و تمیز — بود نشیب و فرازِ زمانہ زینۂ ما

ز نفسِ ناطقہ شد زیبِ جسمِ ما یکتا
گرفتہ است ز سلطان شرف مدینۂ ما

خاکِ رندان را نوید حشر از صہباے ماست — نعرۂ صورِ قیامت قلقلِ میناے ماست

باعثِ آرائشِ تن جوششِ سوداے ماست — طوقِ حسنِ گردن و زنجیر زیبِ پاے ماست

جوشِ عشقِ تا کجا و الفتِ مجنون کجا — خانۂ چشمِ دلِ ما محملِ لیلاے ماست

از وفورِ گریۂ ما پُر حذر باش اے فلک — کشتیِ تو کہنہ گشت و موجزن دریاے ماست

لرزہ افتد گر بر اندامِ فلک نبود عجب — چرخ را دورانِ سر از شورِ یا ہاے ماست

روے رنگینش گلستانیست ما را در نظر — سنبلِ تر زلف چشمش نرگسِ شہلاے ماست

روزیِ ما خوردنِ خونناب دل باشد مدام — بے نواے ساقی ہمین ساغر ہمین صہباے ماست

شورشِ دل تا کہ یکتا پردہ از رخ بر فگند
کوچۂ جانان حریفِ محشر از غوغاے ماست

بہتر حیات نیست ز آزاد زیستن — مُردن بسے خوش ست ز ناشاد زیستن

اے شاہ ملکِ حسن بفرما چہ زیبدت — باداد زیستن کہ بہ بیداد زیستن

حقا کہ سخت تر بود از سختیِ اجل　　یکدم بزیر خنجرِ جلاد زیستن
یکتا وصال مرگ طلب کن بہ ہجر یار
تا کے عبث بہ نالہ و فریاد زیستن

در صفت بارش برف بمقام کشمیر

بسکہ کوہ و دشت باشد مہبطِ باران برف　　در زمستان خطۂ کشمیر گردد کانِ برف
برزمین و بامہا گویا بود انبار سیم　　ریزہ ریزہ نقرہ پاشد دستِ سیم افشانِ برف
یک قدم خالی نباشد جا پئے دخلِ خزان　　نسترن زار است سرتاسر بہارستانِ برف
چندمہ در سال فرماید بمیدان ہم نزول　　بر سرِ کوہ است دایم خیمہ زن سلطانِ برف
شدتِ سرما غذا را سرد سازد آن چنان　　میخوریم اینجا تو گوئی آب برف و نانِ برف
برف چون بارد دگر و سردی موسم فزون　　وقت کت کش[1] باشد اما سخت تر دورانِ برف
از برودت یخ شود ہم بالش و بستر تمام　　بر تنِ ما جامہ از سردی بود خفتانِ برف
زیستن بے آتش و مجمر درین جا مشکل ست
جان گزا باشد پلنگ نیشتر دندانِ برف

ز تیغ عشقِ تو با دل نگارم　　بسانِ مرغِ بسمل بیقرارم
بیا اے مرگ گر یارم نیاید　　کہ از ہجرت بسے بہتر شمارم
شدم تا محوِ حسنِ شمع رویان　　ز جانِ خویشتن پروانہ دارم
مپرس از من کہ دل در سینہ داری　　تو خود فرما کہ دارم یا ندارم
خطا از ما چہ شد آخر کہ زینسان　　کنی اے آہوِ مشکین زمارم
ہمانم باغبانم آنچہ خواہد
نمیدانم گلم یکتا کہ خارم

---

[1] برف پگھل کر جب پھر جم جاتی ہے اسکو اصطلاح اہل کشمیر میں کت کش کہتے ہیں۔

گشت خور پروانۂ شمعِ رخِ نیکوے تو   خم ہلالِ آسمان شد از غمِ ابروئے تو

گر کلیمِ ایمنِ عشقت مرا خوانی بجاست   شجرۂ طور است مارا قامتِ دلجوئے تو

از پئے مرغِ دلِ عشاق اے صیادِ خلق   حلقۂ دامِ بلا شد حلقۂ گیسوئے تو

دسترس تا پشتِ پایت حیف شد مشکل مرا   غیر را شد رونما آئینۂ زانوئے تو

چشم قتانت کجا و دیدۂ آہو کجا   سرمۂ چشمِ غزالانست خاکِ کوئے تو

در شبِ ہجران فزون محزونش اے یکتا خموش
می رباید خوابِ مردم شورِ ہا و ہوئے تو

پیچ و خم گیسو کے ہرگز مارِ پیچاں میں نہیں   ابروے جانان کے جوہر تیغِ بّراں میں نہیں

رنگ و بو رکھتا ہو جو مثلِ گلِ رخسارِ یار   پھول ایسا ایک بھی سارے گلستاں میں نہیں

یار کے دندان و لب کی اُن سے کیا تشبیہ دوں   آب یہ دُر میں نہیں سُرخی یہ مرجاں میں نہیں

راستی اس میں کہاں ایسی یہ موزونی کہاں   قامتِ جاناں کی خوبی سرو بستاں میں نہیں

خوب ہی پُرزے کئے شاباش اے دستِ جنوں   تار تک باقی ہمارے جیب و داماں میں نہیں

جان دیتے ہو بتانِ سنگ دل کے عشق میں
کوئی ناداں تم سا یکتا نوعِ انساں میں نہیں

خوف کر آہِ دلِ سوزاں سے اے چرخِ کہن   تو کمر تا حق نہ میرے درپئے آزار باندھ

نوشتۂ فصلِ بہاری کی ہے آمد اے صبا   ہر طرف گلزار کے پھولوں کی بندھنوار باندھ

کس پہ یہ آج پھیریں گی خنجر کلائیاں   نکلی ہیں آستینوں سے باہر کلائیاں

ان ساعدوں کی پائیں نہ ہمسر کلائیاں   دیکھی ہیں خوبرویوں کی اکثر کلائیاں

محفوظ کیسے دل رہے ہاتھوں سے یار کے   دل کش جو انگلیاں ہیں تو دلبر کلائیاں

مہندی سے ہاتھ لال ہیں ساعد پر آب و تاب   مرجاں اگر ہیں پہنچے تو گوہر کلائیاں

ہاتھوں سے اُس حسین کے بڑھا پہونچیوں کا حسن　　زیور کے واسطے ہوئیں زیور کلائیاں
گجرے جو پہنے پھولوں کے اللہ رے نازکی　　سوسن بنیں وہ رشکِ گلِ تر کلائیاں
بے کل ہے اس ہوس میں طبیعت کہ دیکھئے
یکتا کے ہاتھ آئیں وہ کیونکر کلائیاں

مسدّس

اعمال بد ہیں گو مرے تا درجۂ کمال　　ہے ذاتِ پاک بھی تری بخشش میں بے مثال
گر ہوں قصور لاکھ تو اے ربِّ ذوالجلال　　رحمت سے پانچ صفر کو تو لاکھ سے نکال
رہ جائے جبکہ ایک تو اس کا حساب کیا
تھوڑے حساب کے لئے رکھنا کتاب کیا

قدرت کا تیری قصر ہے وہ آسماں پناہ　　بیند چو سوے او خرد افتد ز سر کلاہ
در کے ترے گدا ہیں زمانے کے بادشاہ　　بیشک وہ جن و انس و مَلَک کا ہے سجدہ گاہ
یہ کہکشاں اُسی کا چمکتا غبار ہے
جاروب کش ستارۂ دنبالہ دار ہے

تن میں ہجومِ رنج سے جاں بیقرار ہے　　جاری سرشکِ چشم کہ دریا کی دھار ہے
عصیاں سے منفعل دلِ عصیاں شعار ہے　　سائل ترے کرم کا مرا حالِ زار ہے
سُن لے ذرا سبب مری فریاد و آہ کا
دھو ڈال آبِ عفو سے دھبّا گناہ کا

ضعف و علل نے مجھکو ہے مجبور کر دیا　　فکر و الم کے دام میں رہتا ہوں مبتلا
فرما مدد کہ قیدِ مصائب سے ہوں رہا　　دنیا کی ہر بلا سے خدایا بچا بچا
پاس آئے جو بلا تو مرا دل صبور ہو
سو کوس اضطراب طبیعت سے دور ہو

بغض و حسد سے سینہ کو میرے فراغ ہو　　روئے ہوا و حرص سیہ شکل داغ ہو
یکسر تہی غرور سے میرا دماغ ہو　　دل روشنی سے خانۂ دل کا چراغ ہو
باقی رہے وجود نہ وہم و خیال کا
پروانہ میں بنوں تری شمعِ جمال کا

تیرے سوا کسی کو نہ معبود میں کہوں　　تیرے سوا کسی کا نہ محتاج میں بنوں
تیرے سوا کسی پہ توکّل نہ میں کروں　　جز راہِ حق نہ اور کسی راہ پر چلوں
جب تک کہ جاں ہو یاد تری حرزِ جاں رہے
وردِ زباں ہو نام ترا تا زباں رہے

قوّتِ روانِ اہلِ جہاں تیرا نام ہے　　آرامِ جانِ غمزدگاں تیرا نام ہے
درمانِ دردِ پیر و جواں تیرا نام ہے　　تفریحِ قلب و ذوقِ لساں تیرا نام ہے
بے شبہہ خارِ غم رگِ جاں سے نکل گیا
جب نامِ پاک تیرا زباں سے نکل گیا

تو وہ قدیم ہے کہ تری ابتدا نہیں　　ہر شئے کی انتہا ہے تیری انتہا نہیں
دنیا میں پاک عیب سے تیرے سوا نہیں　　رحم و کرم میں مثل تیرے دوسرا نہیں
قدرت سے تیری سب یہ نہاں سے عیاں ہوا
کُن کی صدا کے ساتھ ظہورِ جہاں ہوا

پستی ملی زمیں کو بلند آسماں ہوئے　　قایم ہوئے جو کوہ تو دریا رواں ہوئے
اشجار بھی بہارِ ریاضِ جہاں ہوئے　　انساں برائے قالبِ آفاق جاں ہوئے
خلقت سے ناصیہ جو زمیں کا چمک گیا
انجم سے آسماں کا ستارا چمک گیا

ہوتے نہ مہر و ماہ جو اے میرے پاک رب　　اس تیرہ خاکداں میں نظر آتا نور کب

گردش یہ دائمی نہیں اُن کی ہے بے سبب ۔۔۔ پھرتے ہیں چاکری میں کمر بستہ روز و شب
ہر کارے ہیں یہ دو تری عالیجناب کے
اللہ رے بخت مہ کے نصیب آفتاب کے

گر مجھکو اپنی درگہِ عالی میں بار یاب ۔۔۔ دریا بنوں میں قطرہ سے ذرّہ سے آفتاب
اُٹھ جائے درمیاں میں جو حائل ہے اک حجاب ۔۔۔ بندہ سے کیا ضرور ہے مالک کو اجتناب
دل میرا جلوہ گاہ ہو عرفاں کے نور کا
سینہ بنے فروغ سے ہمدوش طور کا

بخشا جہاں میں تو نے مجھے مرتبہ بلند ۔۔۔ پہنچے نہ اس کو تیرے کرم سے کبھی گزند
صابر ہوں اور صبر ہے یا رب تجھے پسند ۔۔۔ کیا غم ہے آج ہے جو حزیں جانِ مستمند
فضلِ عمیم سے ترے کب مجھکو یاس ہے
ہر حال میں زباں سے نکلتا سپاس ہے

مجھپر نگاہ رحم کی ربّ العباد رکھ ۔۔۔ بھولوں جو میں کبھی تجھے تو مجھکو یاد رکھ
تنہا نہ دہر میں تو مجھے با مراد رکھ ۔۔۔ سب میرے دوستوں کو عزیزوں کو شاد رکھ
بھروسے عدو کے سینہ کو خوفِ مآل سے
خالی کر اُس کو کینۂ وح۔س۔د سے

افکار کے مرض میں ہے جاں مبتلا مری ۔۔۔ ہے تیرے ہاتھ شافیِ مطلق شفا مری
فرما تو حاجتوں کو روا یا خدا مری ۔۔۔ رحمت سے سُن لے سن لے یہ اب التجا مری
مقبول ہو حضور میں تیری مرا کلام
یکتا تو واقعی ہے میں یکتا مرا ہے نام

ہر موئے تن زباں ہو تو کچھ ہو بیانِ رنج — کیونکر میں اک زباں سے کہوں داستانِ رنج
سنتے تھے ذکر معدنِ لعل و گہر یہاں — آنکھوں سے دیکھ لی دلِ محزوں میں کانِ رنج
دل میں مرے ملی اُسے آرام کی جگہ — منزل پر آکے ٹھہر گیا۔ کاروانِ رنج

یکتا دلِ حزیں میں سویدا کا نام ہے
داغ سیاہ ہے یہ مقرر نشانِ رنج

ناداں کی دوستی میں کوئی کیا جلائے دل — دشمن ہو اپنی جاں کا جو تم سے لگائے دل
یارب شکستگی جو تھی اسکے نصیب میں — پہلو میں آبلہ نہ ہوا کیوں بجائے دل
کیا پوچھتے ہو اب دلِ شیدا کی آرزو — قابو میں اپنے ہو تو کہوں مدعائے دل

کب رونما ہو صورتِ معنی نہ ہو اگر
یکتا مثالِ آئینہ حاصل صفائے دل

ہونگے پامالِ خزاں لے بلبلِ گلزار پھول — اس بہارِ چند روزہ پر نہ تو زنہار پھول
اک فقط بلبل کو سودا روئے رنگیں کا نہیں — تاکتے ہیں منہ ترا گلشن میں سو سو بار پھول
رہتے ہیں خنداں یہ دائم وہ فقط وقتِ بہار — دل کے زخموں سے مرے کیونکر کھائیں خار پھول
فصلِ گل میں سبکہ طالب ہے مئے احمر کا دل — دمبدم کہتا ہوں پھول لے ساقیِ سرشار پھول

ہر دم دلِ پُر سوز ہے نالاں صفتِ صور — محشر کا سدا گرم ہے بازار بغل میں
فرقت میں سکونِ دلِ بیتاب کی خاطر — رکھتا ہوں شبیہ بتِ عیار بغل میں
بڑھکر ہیں بھویں کاٹ میں شمشیرِ دو دم سے — رکھتی ہے بلا آپ کی تلوار بغل میں
آنکھوں سے بہا بادۂ خوں ہجر میں ساقی — مینائے شکستہ ہے دلِ زار بغل میں

افسانۂ محبت کے رقم اس میں ہیں کیا کیا
یکتا یہ ترا دل ہے کہ طومار بغل میں

فصلِ خزاں میں لطفِ بہارِ چمن کہاں — سوسن کہاں گلاب کہاں نسترن کہاں

عازم ہوں گاہ دشت کا گہ کوہسار کا ... لیجائے دیکھئے مجھے دیوانہ پن کہاں
آدم کو عیش خلد کا دنیا میں خواب تھا ... غربت کی آفتیں کہاں لطفِ وطن کہاں
عاشق ہیں کیسے کیسے کئے عشق نے ہلاک ... وامق کہاں ہے قیس کہاں کوہکن کہاں

ہے یہ عشق و حسن کا شہرہ کہ جسکو دیکھئے ... میرا کہتا ہے وہ قصہ یا کہانی آپ کی
دیکھکر صورت کو وہ خود نقشِ حیرت بن گیا ... کیا بھلا کھینچے گا پھر تصویر مانی آپ کی
لوگ کہتے ہیں سویدا جسکو وہ اے گلبدن ... داغِ سودا میرے دل پر ہے نشانی آپ کی

لَو لگائے نہ کبھی شمع رخوں سے زنہار ... دل کو پروانہ کی صورت نہ جلائے کوئی
جوشِ وحشت کے یہ معنی ہیں کہ میری صورت ... پُرزے دامانِ بیاباں کے اُڑائے کوئی

چشمِ پُرنم جو کرے پردہ دری اے یکتا
عشق کے راز کو کس طرح چھپائے کوئی

توسنِ عمر شب و روز برابر ہے رواں ... میلِ آرام یہ کرتا نہیں رہوار کبھی
مرکزِ دائرۂ حسن ہو تم نام خدا ... کجروی جائے نہ شکلِ خطِ پرکار کبھی

کام کچھ نکلا یہ سمجھیں دیدۂ خونبار سے ... چاکِ دامن جب رفو ہو آنسوؤں کے تار سے
لین دین ایسا جہاں میں ہمکو گر آتا نظر ... بختِ خفتہ کو بدلتے طالعِ بیدار سے
شوقِ مے وہ ہے کہ کب ہم پر نگاہِ مہر ہو ... لڑ رہی آنکھیں ہیں دست و ساغرِ خمار سے

آج پھر یاد مجھے اک ستم ایجاد کی ہے ... پھر ہوس دل کو جگر کاوِی بیداد کی ہے
چین گل کو ہے نہ بلبل کو چمن میں آرام ... اسکو گلچیں کی تو دہشت اسے صیاد کی ہے
نہیں رہتا ہے جو لب تشنۂ خونِ عشاق ... کیوں یہ پھر خشک زباں خنجرِ فولاد کی ہے
غم جگر سوز تو صیاد ہے نازک خاطر ... ضبط کی تاب نہ جرأت مجھے فریاد کی ہے

پھر ہوئی مدِّ نظر آرائشِ گیسو اُٹھیں ... کیا بلائے تازہ کوئی میرے سر پر لائینگے
مے کے بدلے ہجرِ ساقی میں پئینگے خونِ دل ... چشمِ تر کو کام میں ہم جاے ساغر لائینگے

سیرِ گلشن کو اگر جائیگا وہ گل پیرہن | مٹھیاں بھر بھر کے غنچے نذر کو زر لائینگے
پست فطرت جو ہیں وہ ہرگز نہ پائینگے فروغ | خاک کے ذرّے کہاں سے تاب اختر لائینگے

مقتل میں آج خوں وہ ہمارا بہا گئے | دم بھر میں ایک عمر کا جھگڑا مٹا گئے
بلبل کو محوِ عارضِ گلگوں بنا گئے | آخر چمن میں آپ نیا گل کھلا گئے
صحنِ چمن میں اُسکے رخ و قد کو دیکھکر | حیران گل تھے سرو تھے سکتے میں آگئے

ہاں بپا یادِ قدِ جاناں میں محشر کیجیئے | صور کے ہمدم ہوں وہ نالے ولا سر کیجیئے
جام مے ملجائے ساقی سے لا تو شلِ جم | گھر میں بیٹھے بیٹھے سیرِ ہفت کشور کیجیئے
مفت کی پی جاؤں وہ میکش میں لیے ساقی نہیں | سو دعائیں دوں عطا جو ایک ساغر کیجیئے
خضر سے کیا خاک پوچھوں یار کے گھر کا پتہ | خود جو ہو گم کردہ رہ کیا اسکو رہبر کیجیئے

قصیدہ*

درمدح عالیجناب مہاراجہ دھراج سر پرتاپ سنگھ بہادر جی-سی-ایس-آئی-اندر مہندر سپر سلطنت انگلشیہ والی قلمرو جموں و کشمیر ولداخ وغیرہا دام اقبالہٗ وحشمتہٗ

نظر کہیں نہیں آتا جہاں میں اسکا نظیر | بہشت کا ہے نمونہ قلمرو کشمیر
ہَوا یہاں کی صبا ہے تو آب آبِ حیات | زمیں کی خاک ہے رتبہ میں ہمسرِ اکسیر
وہ جاں نواز ہے آتش یہاں کہ کانگر کو | عزیز رکھتے ہیں سو دل سے سب صغیر و کبیر
بہار برف کی دیکھو اگر زمستاں میں | وہ لطف آئے کہ مُنہ سے نہ ہو سکے تقریر
نہ سمجھو برف برستے ہیں فیض قدرت سے | سمن کے یہ گلِ تر یا کہ ریزہ ہاے عبیر
نہیں یہ مقدمِ فصلِ بہار کی خاطر | بچھایا کرتا ہے فرّاشِ ابر فرشِ حریر
صفت بہار کی لکھتا ہوں ب عجب کیا ہے | قلم کی شاخ جو ہو گلفشاں دمِ تحریر

* یہ قصیدہ ۲۶ مئی ۱۹۰۳ء کو مہاراجہ صاحب بہادر کے حضور میں پیش ہوکر مصنّف کو خلعت مرحمت ہوا۔

یہ فصل وہ ہے کہ جس میں شگوفۂ اشجار
فزوں بچشم تماشائیاں کنند تنویر
وفورِ لالہ و گل ہر طرف ہے عشرت خیز
شگفتہ دل ہو جو دیکھے اُسے کوئی دلگیر
عجیب کیوں نہ ہو گلمرغ کے چمن کی فضا
فضائے بخشی ہے پھولوں کو اس جگہ جاگیر
نسیمِ باغِ ارم آتی ہے اِدھر ورنہ
کہاں سے آئی یہاں کی ہوا میں یہ تاثیر
وہ لطف شہر میں دریا کی ہے روانی کا
کہ سلسبیل کا ہے لطف اُس کا عشر عشیر
ہٹائے وقتِ تماشا کوئی اُسے کیونکر
نظر کے پانوں کو پانی کی موج ہے زنجیر
بروے آب ہے ہر وقت کیا ہی فرحت بآ
رواں ہر ایک طرف کشتیوں کا جمِ غفیر
نہ ہاوز بوٹ۔ کئے ہیں عجیب صنعت سے
یہ خانہ ہائے رواں سطحِ آب پر تعمیر
یہاں کے میووں کے ہمسر ارم میں شاید ہوں
زمیں پر ایسے کہاں ہیں لطیف اور کثیر
یہ جیسا ملک ہے ویسا ہی اس کا مالک ہے
ملک خصال فریدوں شکوہ جم توقیر
وہ کون اندر مہندر سری مہاراجہ
جہاں میں نام سے پرتاب سنگھ جی کے شہیر
ہے اس لئے سپرِ سلطنت خطاب کہ ہے
اُسی کی تیغ سے ہیمت ہند امن پذیر
ثنائے شاہ میں کرتا ہوں اب گل افشانی
بنے گی نغمۂ بلبل مرے قلم کی صریر

مطلع ثانی

نہ کیوں ہو کشورِ کشمیر تجھ سے زینت گیر
فلک ہے ملک تری ذاتِ پاک مہر منیر
قدم سے تیرے ملا مسندِ شہی کو عروج
نگیں کی نام سے تیرے چمک گئی تقدیر
تو وہ ہے خسروِ عادل کہ سب مساوی ہیں
تری نظر میں امیر و فقیر و پیر و صغیر
ہوئی ہے ان دنوں پیدا دکی وہ سر شکنی
کہ شکل اُسکی ہوئی عین واو میں تغئیر
بنی وہ عدل سے تیرے صفیر عنقا کی
کہاں سے کان میں آئے ستم کشوں کی نفیر
عیاں ہوں صاف نہ کیوں تجھ پہ رازِ ہائے نہاں
ملا ہے تجھکو مصفا تر آئینہ سے ضمیر
سخا میں حاتم طے سے نہ دوں تجھے تشبیہ
کہ فیضِ عام میں بے شبہ ہے تو ابرِ مطیر

گہر نشاں ہے تو نیساں کی مثل فرق یہ ہے
قلیل اُسکی بضاعت ہے۔ تو امیر کبیر

تو لا جواب سخی ہے کہ اک سوال کے ساتھ
کرم سے تیرے تو انگر بنے گدائے حقیر

مہام ملک میں عقدہ وہ کون ایسا ہے
جسے کہ وا نہ کرے تیرا ناخنِ تدبیر

عدو کا کیوں نہ جلا دے یہ خرمنِ ہستی
نیام ابر سیہ برق ہے تری شمشیر

نہیں ہے قوسِ قزح۔ دیکھ کر کماں تیری
یہ اُسکی کھینچی ہے نقاشِ چرخ نے تصویر

جگر کو شوق سے دشمن ہدف بناتے ہیں
اس آن بان سے چلتا ہے تیرا رن میں تیر

شکار گہ میں شہا تیرے دست و بازو پر
نثار کرتے ہیں جانوں کو اپنی خود نخچیر

وہ کون ہے جو نہیں تیرے خُلق کا ممنون
یہ وہ کمند ہے جس میں کہ اک جہاں ہے اسیر

میں ملک ہند سے درشن کو تیرے آیا ہوں
ملا وہ تیرے کرم سے ہوا جو بخت نصیر

یقیں ہے مجھسے غریب الوطن پہ ہو مبذول
نگاہِ مہر تری اے امیر ابنِ امیر

بیاں زباں سے ہوں کس طرح تیرے سب اوصاف
مجالِ خامہ نہ یہ ہے کہ کر سکے تسطیر

دعا کر اب مہاراجہ کے حق میں لے یکتا
نہ کر تو مدح سرائی کے ختم میں تاخیر

برنگِ سرو ہو تو زیب باغ دہر شہا
دراز عمر تری ہو بفضلِ ربِّ قدیر

وہ اوج پائے ترا انجم شوکت و اقبال
کہ آسماں کا ہو سر اور تیرا پائے سریر

ہمیشہ یاورئ بخت سے تو ہو شاداں
بلا و رنج رہیں دشمنوں کے دامنگیر

غزلیات وغیرہ

ہر دم جگر درد فلک کج ادا مرا
سائیدہ است گردشِ ایں آسیا مرا

از شرم معصیت نکنم التجائے عفو
یاراں دعا کنید کہ بخشد خدا مرا

ولہ

تابشِ خورشیدِ محشر را حسابے دیگر است
عارضِ پُر نورِ جاناں آفتابے دیگر است

مست دارد اشک خونیں و دل بریاں مرا
آں شرابے دیگر است و ایں کبابے دیگر است

نسبتش با سنبل و زنجیر واقعی چوں دہم　　زلفِ مشکینِ بتاں را پیچ و تابے دیگراست
کے کند چرخِ ستمگر انچہ دل با من کند　　در پئے آزارم ایں خانہ خرابے دیگراست
گرم کن در دیدہ ام جاے بتِ پردہ نشیں　　پردۂ چشم دل افگاراں حجابے دیگراست
ابر بارد گاہ گاہ و ایں فشاند خوں مدام
دیدۂ گریانِ ما یکتا سحابے دیگراست

نوٹ - دوبارہ درج ہو گیا ہے

زتیغِ عشق تو تا دلفگارم　　بسانِ مرغِ بسمل بیقرارم
بیا اے مرگ گر یارم نیاید　　کہ از ہجرت بسے بہتر شمارم
شدم تا محو حسنِ شمع رویاں　　ز جانِ خویشتن پروانہ دارم
مپرس از من کہ دل در سینہ داری　　تو خود فرما کہ دارم یا ندارم
ہمانم باغبانم انچہ خواند
نمیدانم گلم یکتا کہ خارم

مخمس تضمین غزل پنڈت دیبی پرشاد صاحب شگفتہ متخلص بہ فرحت کانپوری

میل راحت نبود طبع بغم ساختہ را　　سبزگے دید کسے نخل براندا ختہ را
صبر از دل برود عاشقِ جاں باختہ را　　گر بہ بیند بچمن آں قدا فراختہ را
سرو در چشم ہوس میل شود فاختہ را

از سر لطف نظر کے بر خم ساختہ یار　　کے بہ تسکین دلِ غمزدہ پرداختہ یار
بل حریفانہ ز من نرد دغا باختہ یار　　غلط است اینکہ بگویند بمن ساختہ یار
نتواں راست شمرد ایں سخن ساختہ را

بیدلاں را خبر از سرئ گرمی نبود　　غم فردا و خیالِ طرب دی نبود
طرز گرد ان جہاں دست درازی نبود　　کشتنِ عاشق سر باختہ مردی نبود
نکشند ہیچ دلاور سپر انداختہ را

روزِ فردا مگر اے دل سرِ بہبود مدار   تا ز آئینِ طریقت نشوی واقفِ کار
نخلِ حنظل چو نشانے ندہد شیریں بار   بر ہدف تیرِ خطا گشتہ نہ افتد زنہار

چارہ ہرگز نبود عمرِ تلف ساختہ را

جاے در دیدۂ نمناک کند طفلِ سرشک   زانکہ لختِ دلِ عشاق بود طفلِ سرشک
گو بدیں پایۂ اعزاز رسد طفلِ سرشک   بر ندارند چو بر خاک فتد طفلِ سرشک

آبروے نبود از نظر انداختہ را

بر فلک چوں نرسانم ز تفِ غم فریاد   فصلِ گل آمد و از بند نگشتم آزاد
پیشِ گلشن پئے حسرت قفسم را جا داد   طرفہ طرزِ ستم ایجاد نمودہ صیاد

کز قفس کردہ رہا مرغِ پر انداختہ را

کس نباشد جگر افگارِ سنانِ مژہ اَت   ہمچو یکتا کہ فتاد است تپاں در رہِ اَت
زلف برپا نکند صرف بلا و آفت   چشمت از غمزہ کند قصدِ ہلاکت ز جہت

جانِ من منع کن ایں تیغِ جفا آختہ را

ترجیع بند بتقاضاے دلِ درد مند

نہ نارِ غم مرا چوں شمع جسمِ ناتواں سوزد   براں سوزندہ شمعم صورتِ پروانہ جاں سوزد
اگر آہے کشم از دل زمیں تا آسماں سوزد   نہ تنہا آسماں بل عرش سوزد لامکاں سوزد

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

بود کیشِ تو دانم عشوہ سنجی و خود آرائی   وے بگذر خدا را از سرِ شوخی و رعنائی
ندارد در فراقت یک نفس جانم شکیبائی   بوصلِ خود علاجم کن کہ تو رشکِ مسیحائی

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

پئے رنج والم در سینہ سوزاں از مکاں دارم | ہما نا آتشے در زیر خاکستر نہاں دارم
عجب مشکل بجانِ خویشتن اے دوستاں دارم | نہ اکنوں طاقتِ ضبط و نہ یارائے فغاں دارم

مرا در دلیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

دلم صد پارہ از تیغِ نگاہت است اے قاتل | زبیتابی چساں غلطاں نباشم صورتِ بسمل
لبِ خود گرچہ میخواہم بخاموشی بود واصل | ولے ایں کار آساں بر من افتادست بس مشکل

مرا در دلیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

چو باشد شیوۂ او بامنِ مسکیں جفا کاری | بود کارِ شبا روزم فغان و نالہ وزاری
بود خفتن غشی و عین بیہوشیست ہشیاری | نہ یکتا خوابِ من خوابِ و نہ بیداریست بیداری

مرا در دلیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

اشعار کہ در صفتِ چشمہ شاہی واقع کشمیر ہنگام سیر و تماشائے چشمہ موصوف بتاریخ ۳۰ اگست ۱۸۹۱ء گفتہ شد

لطفِ آبِ خوشگوارِ چشمۂ شاہی نگر | چشمۂ کوثر اگر خواہی کہ آید در نظر
پیشِ آب و تابِ ایں پاکیزہ آبِ پر صفا | آبرو بر خاک دارد ریختہ آبِ گہر
برف ساں سرد است و شیریں ہمچو ریانِ لبِ یار | ہم سبک ہم صاف چوں جسمِ بتانِ سیمبر
داشتے گر خضر ز آبِ جانفزائش آگہی | سوئے ایں چشمہ سکندر را گشتے راہبر
گر دہند ایں آب نخلِ خشک را نبود عجب | سبز گردد برگ و گل بر آورد بخشد ثمر
صورتِ فوارہ اش جاری ز صنعت کردہ اند | تا ز لطفِ زاں برانگیزد پئے طبعِ بشر
چادرِ سنگیں فزاید ہر زماں توقیرِ آب | بر سرش ہر قطرہ گردد غیرتِ لولوئے تر

خوشتر است ایں آب سے زانکہ قوت میدہد — گر بنوشد جرعۂ زیں صاحب ضعف جگر
کے عجب زیں چشمۂ شفاف اگر سازد درست — دیدۂ اہل تماشا عینک نور بصر
آب خضر از شرم آبش گشتہ در ظلمت نہاں — چشمۂ شاپور پیشش بر زمیں افگندہ سر
نافع کامل چنیں یکتا ندیدم دارو ئے — طرفہ در ہضم غذا ایں آب میدارد اثر

باغ جان خلق ازیں آب رواں شاداب باد
چشم زخم ناکساں زیں چشمہ ماند دور تر

یکے از غریبان کشمیر

حکایت ۲۶ پنڈت کیشو بھٹ جی

از کتاب بھگت مالا

بہ علم نکتہ دانی تر زبانے — بیاں فرمود رنگیں داستانے
کہ کیشو بھٹ چو در دانش سر آمد — پئے تسخیر دانا یاں بر آمد
بہر جا بید خواں می یافت قابل — بہ بحث علم خود میساخت قائل
بسوے گونڈ ویس آں مرد رو کرد — فزود اندر دل دانشوراں درد
سوالش را نداشت کس جوابے — خفا گشتے چو چشم از آفتابے
بہ بحث علم او زنّار داراں — ہمہ خجلت قرین و شرمساراں
زدل گشتند را جع سوے معبود — علیم مطلق است و باشد و بود
نیاز شاں قبول آمد بہ درگاہ — جناب کشن و ہم بلرام ناگاہ
بہ دانش پیر لیکن خورد سالاں — کہ میکردند بازی با گوالاں
رسیدند و بہ جمع بید خواناں — تسلی دادہ گفتند اے جواناں
کنیم امروز ما از خوش دلائل — ہنر ور مرد را در بحث قائل
گزیں کردند جاے بر لب گنگ — نشستند و سخن سر شد بہر رنگ
جناب کشن گفتش اے سخنداں — کلام از طبع زاد خویش برخواں

ہماندم موج زد آں بحرِ زخّار — بہ وصفِ گنگ شد طبعش گہربار

سراسر گوش کردآں عالم الغیب — بگفت اکثر قباحت ہاست ہم عیب

ازیں گفتار کیشو بھٹ بجوشید — کہ از گل چشمۂ خورشید پوشید

بہ آں حسقم و قباحت ساخت قائل — بحیرت ماند از اں رعنا شمائل

درونش سوخت گفتا صبح دیگر — نمایم بحث اے طفلِ سخنور

بہ مسکن رفت و با صد پیچ و تابے — نہ چیزے خورد و نے شب کرد خوابے

بہ یادِ مرشدِ کامل فرو شد — خیالش در تصوّر روبرو شد

بگفتش با ہمہ علم و فضائل — مرا از کودکے کردند قائل

بہر حرفے کہ او کردے خطابے — نمی آمد ز من ہرگز جوابے

بحیرت ماندہ ام زیں کارِ نادر — بہ بُردم پے بہ قدرت ہائے قادر

جوابش داد کاے فرزانہ مخروش — مگو کودک مشو دیوانہ کن گوش

کہ آں دانا ظہورِ ذاتِ قدسی ست — سر یکشن است دانا تراز کیست

تمامی قدسیاں مشتاقِ دیدار — ملایک را میسّر نیست گفتار

زہے دولت کہ دیدارش تو دیدی — ز گفتارش بہ کامِ دل رسیدی

مکن ہرگز خیالِ بحث با او — سعادت جوی و بر پایش بنہ رو

شنید آں مژدہ کیشو بھٹ بہ در جست — براہِ انتظارِ او نظر بست

برآمد صبحدم چوں مہر تاباں — بہ شوقِ پائے بوسش شد شتاباں

بہ پایش سود سر از فیضِ دیدار — ز دل زنگِ خودی خود رفت یکبار

ز لطفِ مقدمش روشن جبیں شد — ز خود بینی گذشت عین الیقیں شد

دل از علم و عمل آزاد کردش

ز گنجِ معرفت آباد کردش

(ماخوذ از مراسلہ کشمیر مارچ ۱۸۶۹ء)

ضمیمہ جلد ثانی

عاجز۔ پنڈت موتی لال شرغہ صاحب (نیز صفحہ ۴ ملاحظہ ہو)

مولف۔ جناب عاجز مرحوم کے فرزند پنڈت امرناتھ صاحب حال مقیم مُرار کی عنایت کا مشکور ہے کہ انھوں نے جناب مرحوم کے کچھ حالات سے مطلع کیا ہے۔ پنڈت صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ عاجز مرحوم کا کلام ان کی زندگی میں ضائع ہوگیا تھا مرحوم کے ایک ایرانی نژاد عبدالحلیم عاصم نامے دوست تھے اُنھوں نے مرحوم کا کل کلام طبع کرانے کی غرض سے لے لیا تھا مگر نتیجہ آخر یہ ہوا کہ پھر وہ کسی کی نظر سے نہ گذرا۔ خدا جانے عاصم کی اُس مجموعۂ کلام کے لینے اور گُم کر دینے میں کیا مصلحت تھی۔ عاجز مرحوم نے دو کتابیں ایک محبوب نامہ بروزن محمود نامہ اور دوسری جواہر بدائع نظمی تصنیف کی تھیں اور ان کو چھپوا کر بطور تحفہ اپنے احباب میں تقسیم کیا تھا مگر افسوس ہے کہ ان دونوں کتابوں میں سے اب ایک بھی دستیاب نہیں ہوئی۔ علاوہ ان کے ایک مثنوی مناجاتیہ بھی جس میں ایک سو سے زیادہ اشعار تھے عاجز کی تصنیفات میں سے تھی۔ گو وہ طبع کرائی گئی تھی لیکن اسکا بھی کہیں پتہ نہ ملا۔ پنڈت امرناتھ صاحب نے چند اشعار اپنے والد مرحوم کے جو اُنکو یاد تھے عنایت کئے ہیں وہ بصد شکریہ درج کئے جاتے ہیں۔

کاکُلِ او کرد طولِ کارہا	در دلم دارد الم طومارہا
کرد رُو در ہر سرِ مو مارہا	طرّۂ او دامِ دل آرد ہمہ

اشعار مثنوی

خدایا بندۂ عصیان شعارم	ترحّم را ز تو امید دارم
کرم کُن با ہمہ ناکاریِ من	ز حد بگذشت آہ و زاریِ من
پریشانم ز دستِ نفسِ خیرہ	بہ چشمانم جہان گردیدہ تیرہ
ندارم جز درت ماوائے دیگر	من و این گریہ ہائے وائے دیگر

گناہاے کہ کردم نیک دانی اگر گویم وگر دارم نہانی
نکوکارے نشد از من کہ نازم علاج آن نمی دانم چہ سازم
بجز لطفت کہ باشد دستگیرم ز دستِ خود بہ معصیت اسیرم
کنون خون میخورم بر غفلتِ خویش بود دردِ سرم بر عزلتِ خویش
جفاہا کردہ ام از دست بر خویش نمک پاشیدہ ام خود بر دلِ ریش
سزاوارم بخواہی ہرچہ آن کُن نمیگویم چنین کُن یا چنان کُن

عاجزؔ- پنڈت درگاپرشاد صاحب نگسی خلف پنڈت بھوانی داس صاحب متوطن دہلی

آپ ریاست بھرتپور میں نائب سرشتہ دار عدالت دیوانی و فوجداری تھے۔ آپنے ایک کتاب مجمع البحرین عاجز تصوّف و معرفت میں ۱۸۷۵ء میں تصنیف و تالیف کی تھی جو مطبع الٰہی آگرہ میں طبع ہوئی اور ارباب قوم نے ہاتھوں ہاتھ اسکو لیا۔ عاجزؔ کا کلام اُسی کتاب سے انتخاب کرکے ناظرین کرام کے ملاحظہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ ۱۸۷۶ء میں عاجزؔ کی عمر تقریباً ۵۶ سال کی تھی سال وفات معلوم نہ ہو سکا۔

خموشی گوہر است و خوبیش گفتن نمی آید دُرِ وصفش بسلکِ خامہ در سفتن نمی آید
خموشی را محک اعمال را مثلِ طلا دانی چو گردے بر عمل افتد جز آن رُفتن نمی آید
خموشی را بگو نیّر کہ نورِ حق ازان خیزد زاہلِ دل خلافِ آن پذیرفتن نمی آید
خموشی عین اشراق است فصلِ حق و باطل را بلے از کس فروغ مہر بہ نہفتن نمی آید
خموشی غنچۂ ذکر است عاجزؔ ہم تو شاغل شو کہ بے لب بستن از تقریر بشگفتن نمی آید

دیگر

خموشی راحتے دارد کہ در گفتن نمی آید خموشی ہر کہ دارد گہ بہ آشفتن نمی آید
بخوابِ غفلتِ دنیا مدہ نسبت خموشی را دلے کز صمت شد بیدار در خفتن نمی آید
رہِ اہلِ جہان رسمے است کش گویند راہ و رسم ولے این رہ بجز چشم و مژہ رُفتن نمی آید
نہ بندی تا دو چشم و چشم دل را تا نہ بکشائی گُلِ دیدارِ حق را گاہ بشگفتن نمی آید
مئے یادِ خدا عاجزؔ بود موضوع جامِ دل چو خوردی جُرعۂ زان وصف در گفتن نمی آید

دیگر

خامش بعشقِ یار کہ یابی جمال را دانی کہ صبر دل بنماید وصال را

چون بستگی لب بود از بہر حسن فکر
خامُش کہ لطف او بہ توآرد کمال را

لب وا مکن بہ نطق بود عیب بیں جہاں
چون غنچہ لب کشاد در آمد زوال را

بین نقش خامشی بہ نگین حسن نام داد
مُہر سکوت کُن تو نشان جلال را

ہم پلّہ بے سکون سر میزان کجا شود
عاجز تو ہم خموش قرار خیال را

در سیہ مستی بخواب آورد چون جانان مرا
روے خود را خود بدید و گفت خود مانند ما

چشم را ہم منتشر گردید چون تار نظر
عزم چون کردم کہ بینم جلوہ ہاے باصفا

بود چون عاجز بہ دیدن دیدۂ نادیدہ ام
پردۂ بیہوشیم افتاد بر رُد بر ملا

ماؤ تو آنجا نبود و بود ہم پیدا نبود
جلوہ ہا ہم خود شد و خود دید ہم آن جلوہ ہا

عاجزا خوش لذّتے آمد بجام بیخودی
ہردم و ہر لحظہ میخواہم سُرورش از خدا

درین چمن کہ کسے خستۂ خزان گردید
ز نخل پستی دوران گُل بلندی چید

ہمان بہ مغز سخن میتوان رسید ز پوست
زبان و گوش یکے باشدش بگفت و شنید

نہال بخت ہر آنکس کہ ز شحنۂ حق یافت
بر حصول مقاصد بکف تو اند دید

جمال شاہد مطلق ہمان بخود بیند
ہر آنکہ چشم و دلش ہر چہار سو نہ دوید

ہمان بہ شوق وصالش قدم نہد آخر
کہ سوے بام تصوّر کمند دل بکشید

چو مثل عاجز حیران روی بہ وادی عشق
توان رسید بہ یکدم بہ منزل توحید

صورتے دیدم بہ چشم دل خود از معنی جدا
جلوۂ طبعش بگویم یا کہ انوار خدا

بود آن نورے و چشم من تو انستش ندید
ساز و سامان خدائی داشت یکسر در قفا

در خیال دیدن آن آنقدر حیران شدم
کین حواس خمسہ ام یکبا رشد پا در ہوا

حالت رفت آنچنان عاجز کہ گفتن نادرست
این حواس ظاہر و باطن ندارد اقتضا

ولہ

ہست دنیا مثل دریاے روان
چون حباب و موج انسان را بدان

راز پنہانی ست کز ذات کریم
گشت از یک حکم کُن پیدا جہان

اے دلِ من اندرین دارِ فنا دم مزن بر ہستی خود بے گمان
بشنو از من گر تو میخواہی نجات کلمۂ توحید کن وردِ زبان
گر ہوس داری ز دنیا برخوری
ہمچو عاجز اسم اعظم را بخوان

رباعیات

بیا اے فاعلِ خاموشی و گفتارِ ما من بنہ مُہرِ خموشی بردہانِ ماجرائے من
بُدم لب بستہ از روزِ ازل عاجز صفت گرچہ ندانم در سخن حکمت چہ بودے لب کشائے من

ولہ

اے دل تو چہ بر ہستیِ خود می نازی وین نقدِ حیات رائیگان می بازی
آنرا کہ بود اوّل و آخر عدمش بودش بمیان چگونہ قایم سازی

ولہ

نمیدانم چہ شد احوالِ عالم بگویم خواب را تمثالِ عالم
بگو عاجز چگونہ میتوان زیست کہ اعمال است چون احوالِ عالم

ولہ

بگو من کیستم ماہیتم چیست نمیدانم چگونہ میتوان زیست

در صفت عشق

عشق نیرنگ سازِ جان آمد عشق مرغوبِ انس و جان آمد
عشق رنگین بود بیک رنگی عشق وسعت دہد بہ دل تنگی
این طلسمات عشق پیدا کرد ہمہ گر مبتلا و شیدا کرد
عشق دلچسپ صورتے دارد ہمہ با وے ضرورتے دارد
در غمِ عشق خود گرفتار است خواہ دیوانہ خواہ ہشیار است
سرِ سرمد بکارِ عشق شدہ قیس مجروحِ خارِ عشق شدہ
عشق منصور را کشیدہ بہ دار شمس تبریز پوست کردہ نثار
گہ بود اصل و گاہ شاخ بود عشق را قدرتِ فراخ بود
گہ مجاز و حقیقت است گہے گاہ شرع و طریقت است گہے
گہ فقیر است و گاہ دولتمند گاہ مغموم و گاہ فرحت مند

عشق باشد انیس جان و دل | عشق باشد جلیس آب و گل
حالتِ عشق راکجاست حصار | حل نگر دیدہ است این اسرار
مرد آبست کاندرین دریا | از سرِ ضبط کردہ است شنا
سالکِ این طریق دریا بر | گر سلامت رود گہر یا بر
پردۂ ہفت رنگ را مشمار | ہست یکرنگ در ہمہ گلزار

عاشق۔ پنڈت درگا پرشاد صاحب خلفِ پنڈت ٹیکا رام صاحب لکھنوی

دیباچۂ کتاب قلمی میں جناب عاشق نے حسب ذیل تحریر فرمایا ہے

خادمِ آستانِ سخن کہ محض سخنے از سخن شنیدہ وجز سخن وصفِ سخن سخنے نہ شنیدہ عاشق روئے شاہدِ سخن عاشق تخلص عاشقی فن احقر الانام درگا پرشاد ولد ٹیکا رام گوشِ سخنورانِ سخن ایجاد میرساند کہ ایں آشفتہ طرزِ سخن را کہ بے تکلف سخن ساختگی سخنے نمی تواند ساخت از چندے ہوائے سخن در سر افتادہ بود و سر در ہوائے سخن نہادہ بودم ہر نفس با سخن ہم سخن می بودم و ہر دم سخن از سخن می نمودم سخنے کہ درو ذکر سخن نبودے گوش نمیکردم و حرفے کہ بیگانہ از سخن نمودے بزبان نمی آوردم و گاہے کہ سخنِ رنگین برزبانم می آمد چون سخن بہ ہر گوشے میرساندم تا آنکہ از فیضِ سخن فیضے بمن رسید سخنے چند بے تکلف گفتم ہر چند قابل آن نہ دیدم کہ بگوشِ سخنورانِ سخن ایجاد برسانم اما چون این سخن از لب و زبانِ عجز و نیاز برآمدہ ممکن کہ در پیشگاہِ قبولِ سخن دانانِ سخن شناس سخنِ این سخن ناشناس پذیرا افتاد و ہر صاحب سخنے ہر جا جائے سخن سخن چینی بیند بہ اصلاح آرد۔

عاشق کہ سخن ز عجز خود میگوید | این حرف بہ اربابِ خرد میگوید
مشکل بود آئینِ سخن گوئیہا | آسان نتوان گفت کہ بد میگوید

پنڈت مہاراج کرشن صاحب صاحبین لکھنوی المتخلص بہ ندیم تحریر فرماتے ہیں کہ جب اُن کے دادا صاحب پنڈت کنہیا لال صاحب عاشق پنجاب سے بہمرہی حکام انگلشیہ

کشمیر گئے تھے تو بہت سی قلمی کتابیں لائے تھے۔ بہت تو ضائع ہوگئیں معدودے چند ابھی بچی ہیں چنانچہ اُن میں سے حضرت عاشق (درگا پرشاد صاحب) کا ایک مجموعہ نظم ہے جس کا انتخاب زینت بخش اوراق تذکرہ ہذا ہے۔ یہ مجموعہ نظم بھی حضرت عاشق کے سوانح عمری کے متعلق خاموش ہے۔ البتہ سرورق پر قطعہ ذیل درج ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجموعۂ بالا سنہ ۱۲۰۹ ہجری میں تحریر کیا گیا تھا۔

منتظم شد ز طبع عاشق زار — عاشقِ کاملِ تمام عیار
سال تاریخ چون شمار نمود — یک ہزار و دو صد دگر نُہ بود

اے ز تو نورِ نظر ہمگنان — نورِ چراغ بصر ہمگنان
نور دہِ دیدۂ بینا توئی — مہرہ کشِ حقۂ مینا توئی
ہست ز تو روز و شب صبح و شام — سلسلۂ کارِ جہان را نظام
چون تو بہ رخسار نقاب افگنی — دفترِ ایام در آب افگنی
شب ز الم زلف پریشان کند — سلسلۂ عیش بہم بر زند
عقل بہ حیرت چہ ستاید ترا — ہر چہ ستاید ہمہ شاید ترا
وصفِ تو بیرون ز حدِ گفتگوست — خاکِ درت مایۂ صد آبروست
عالمِ عُلوی ز جلالِ تو پُر — عالمِ سفلی ز نوالِ تو پُر
آب دہِ روضۂ جان ہا توئی — تاب دہِ گوہرِ کان ہا توئی
سبزہ بوصف تو کشیدہ زبان — غنچہ بمدح تو کشادہ دہان
گنبدِ گردون بہ جلالِ تو گم — فکر دو عالم بہ خیالِ تو گم
پُشتِ فلک خم شدہ از بارِ تو — روے زمیں تازہ بہ دیدارِ تو
چرخ بہ چرخ است ز سوداے تو — خاک کند جان بہ تمناے تو
ہست ز مہرِ تو بشام و سحر — روے شفق سرخ ز خونِ جگر
میکنم از دُور تو اصنع ترا — اے ہمگی نور تو اصنع ترا

سراپاے معشوق

وہ چہ سیمین تنت اے سیم اندام — کہ از ورشک بردنقرۂ خام

شیوہ ات ناز و جفا آئینت — کشتنِ عاشق بیدل دینت

پیشہ ات جور و ستمگاری ہاست — رسم و راہِ تو دل آزاری ہاست

قامتت سروِ روانش گویم — طوبیِ باغِ جنانش گویم

وہ چہ سروِ قدت اے غارتِ ہوش — با قیامت گذرد دوش بدوش

طرزِ رفتار نواے رشکِ چمن را — بر سرِ کبک بود قہقہہ زن

فرقِ مشکیں تو راہِ ظلمات — خضر گم کردہ دران راہِ نجات

کاکلت پاے تو بوسد ہر دم — حلقہ بر حلقۂ و خم اندر خم

کز تو روے دلِ دیوانہ اسیر — پایت از جعد بود در زنجیر

جبہہ ات نیمۂ ماہست ز نور — شود مہ جبہہ پیشش از دور

لوحِ سیمی است کہ خطاط قضا — در ازل کردہ برو مشقِ صفا

یافت از حلقۂ گوشت چو خبر — حلقہ در گوش تو گردید گہر

گرچہ آویزۂ گوشت گردید — در صفا با بُنِ گوشت نرسید

چشمِ بیمار تو مستی مخمور — گشتہ از بادہ کشی ہا رنجور

گرچہ مست است و اگر بیمار است — لیک در بردنِ دل ہشیار است

گردشِ چشم تو چون دورِ سپہر — سببِ فتنہ بود اے بے مہر

از چہ در دورِ تو مستی عام است — گردشِ چشم تو دورِ جام است

از دہانِ تو نگویم سخنے — خود ترا ہیچ نباشد دہنے

رہبرِ راہ عدم گرچہ کم است — دہنت رہبرِ راہِ عدم است

کمرت رشتۂ گلدستہ بود — کہ بدان خرمنِ گل بستہ بود

زیرِ دامانِ تو فتنہ است نہاں — بہتر این فتنہ بزیرِ داماں

ساعدت دستِ خرد تافتہ است — دست بر کشورِ دل یافتہ است

سرِ انگشت حنا بستۂ تو   غنچۂ دستِ تو گلدستۂ تو
کفِ دستت زحنا رنگین نیست   جز بخونِ دلِ ما رنگین نیست
کفِ پاے تو چہ خونہا پامال   کرد از رنگ حنا تا شد لال
برکفِ پا کہ زگل آزردہ   گوئیا نشترِ خارے خوردہ

آغاز قصہ

بود مردے بہ بنارس آزاد   نیک دل نیک روش نیک نہاد
نہ زغم بر دل و جانش بارے   خاطرش را نہ بہ کلفت کارے
تروتازہ چو گلِ تازہ و تر   بادلِ شاد ہمی برد بسر
گہ بہ گلگشتِ گلستان رفتے   ہمچو گل خرم و خندان رفتے
گہ شدے شمعِ شبستان افروز   زیست میکرد بدینسان شب و روز
تاکہ از گردشِ دولابِ سپہر   شد بدل حالتش از گردشِ دہر
دلِ اورا بہ جنون مائل ساخت   خرد از طبع دلش زائل ساخت
در سرش مایۂ سودا جا کرد   در جہانش بجنون رسوا کرد
منحرف شد دلش از جادۂ عقل   ریخت بر خاک سیہ بادۂ عقل
آشنایان شدہ زو بیگانہ   بنہادہ لقبش دیوانہ
ہمچو بلبل بہ چمن نالیدے   خاک کندے و برخ مالیدے
گاہ در گریہ گہے در خندہ   گاہ آزادہ و گاہے بندہ
گاہ خاموش و گہے گویا بود   در ہمہ خانۂ و کو رسوا بود

منتظر بود دلش کاخر کار
دوحۂ عشق چہ می آرد بار

روزے آن شیفتۂ شورِ جنون   شد جنونش بہ چمن راہنمون
دلش از خانہ چو زندان بگرفت   راہ گلگشتِ گلستان بگرفت
چون صبا سوے چمن کرد گذار   برگل و سرو سمن کرد گذار

خبرش داد ز حیرانیِ او — زلف سنبل ز پریشانیِ او
لاله از داغِ دلش کرد خبر — سرو چون آه در آمد بہ نظر
درچمن از سرِ عبرت نگریست — گاه خندید بران گاه گریست
نالۂ درد ز بُلبل بشنید — گلِ داغ از چمنِ حیرت چید
گاه بر سبزه چو شبنم غلطید — گہ بہ شمشاد چو ارقم پیچید
چون ز گلگشت دلش شاد نگشت — ہمچو مار از سرِ گلشن بگذشت
شامگاہے بسرِ بازار رسید — قصرے آراستۂ دلکش دید
اندران غرفہ کہ بُد مطلعِ مہر — جلوہ گر گشتہ مہے زیبا چہر
ماہروے چو ہلالش ابرو — ماہ از رشکِ رخش باختہ رو
سیمبر سیم ذقن سیم اندام — نوش لب نوش دہن نوش کلام
خوبروے شکرین گفتارے — سمن اندامے و گل رخسارے
قدش از سرو روان دلکش تر — لبش از لعلِ بدخشان خوشتر
گلبدن غنچہ دہن نسرین بُو — ماہ رُخ - چاہ زنخ مشکین مُو
سیہ مو لعل لب و دُر دندان — سیمبر سیب ذقن موے میان
قامتش رشک دہِ قامتِ سرو — طرزِ رفتارِ وے اندوہِ تذرو
چہرۂ غیرتِ ماہِ تابان — چاک کردہ دلِ عاشق چو کتان
مرد دیوانہ کہ دید آن مہ را — ساخت مہرش بہ دلِ او ماوا
ماند محوِ رخِ آن حور جمال — حیرت آگیں شدہ آئینہ مثال

آہ بر آہ کشیدن سر کرد
نالہ بر نالہ دمیدن سر کرد

نازنینے کہ از نزاکتِ تن — رنجہ گشتے تنش ز برگِ سمن
گلعذارے کہ چون بہ باغ شدے — از رخش لالہ داغ داغ شدے
مہ جبینے کہ در شبِ مہتاب — جبہہ اش بروے از رخِ مہ تاب

سرو قدّے کہ چون خرامیدے — سرو چون سایہ پاش بوسیدے
بو ورعنا زنے پرستارش — در ہمہ حال یاور و یارش
گفتش از راہ مہربانی ہا — کاے گلِ باغِ دلستانی ہا
گلِ رویت چرا زریر شد است — وز چہ رو حالتت تغیر شد است
روز و شب بیمنت چو دف نالان — چون جلاجل بہم دو کف نالان
تنِ تنہا بہ غصّہ خون خوردن — رازِ دل را بلب نہ آوردن
مُہر بر دُرجِ لعل بنہادن — حقّۂ راز بستہ نکشادن
ترک دادن نشاط عشرت را — در نوشتن بساطِ صحبت را
خاطرت بازگو غمی از چیست — در موادِ طرب کمی از چیست
چہ شد آن در نشاط کوشیدن — بادہ از جام عیش نوشیدن
تیغِ غمزہ کشیدن از سرِ ناز — سر فگندن ز دوش اہل نیاز
تاب دادن کمندِ گیسو را — آب دادن حدیقۂ رُو را
گفت کاے محرمِ سرایرِ من — گفت کاے واقفِ ضمائرِ من
چہ کنم قصدِ زیب و آرایش — چہ زنم دم ز عیش و آسایش
ہمدمِ من زمن جدا گشتہ — ہمچو جان از بدن جدا گشتہ
کیست کز نخلِ من ثمر چیند — کیست کاندر جمالِ من بیند
نیست جنسِ مرا خریدارے — نیست تا زِ مرا طلبگارے
صبحدم چون وزید باد نسیم — خاست از خوابِ ناز لعبت سیم
نرگسِ چشمِ او خمار آلود — قدمِ نازکش نگار آلود
آنکہ آئینہ را بکف بہ گرفت — دید و در حسنِ خویش ماند شگفت
زلف را رشتۂ رسائی داد — غمزہ را حکم کج ادائی داد
چون شد آرایشِ جمال تمام — پردہ بربست ماہِ سیم اندام
چہرہ را ساخت از حریر نقاب — ہمچو بر برگ لالہ چادر آب

از پئے اختلاطِ مستانہ — مجلس آراستہ جدا گانہ
قدح و ساغر و صراحی و مے — نقل و صنبور و چینی و دف و نے
بالشے نرم تر ز سینۂ حور — شمعے افروختہ نہادہ ز دور
ساقیان شیشہ را نگون کردند — دلِ غم را ز غصّہ خون کردند

مناجات

الٰہی چشم جانم باز گردان — ز بیراہی دلم را باز گردان
براہِ راست آور روے جانم — مکن کج رو بسانِ آسمانم
دلے دارم ہوا و رز و ہوسناک — سرم را کن ز سوداے ہوس پاک
چراغِ درد بر را ہم بیفروز — طریقِ عشق جانکا ہم بیاموز
سرے دہ پُر ز سوداے جنونم — دلے چون برگِ لالہ غرقِ خونم
دلے دہ کو سراپا درد باشد — رُخے کز کلفتِ غم زرد باشد
دلے با بیدلی یارِ صمیمے — لبے با نالہ دمسازِ قدیمے
دلے پا بستۂ بندِ بلا ہا — کہ از عشقش رسد ہردم صلا ہا
دلے صد چاک مانندِ صنوبر — دلے از تاب و تب مانندِ اخگر
دلے در حسرت و افسوس ماندہ — بہ درد و غم کشی مانوس ماندہ
دلے نالان چو بلبل در گلستان — پریشان چون بہارِ سنبلستان
دلے در بند غم محبوس ماندہ — ز اُمّیدِ طرب مایوس ماندہ
برون کن پنبۂ غفلت ز گوشم — کہ با افسانۂ عشقت ہوشم
برنگِ عین سرِ حرفِ غم ساز — چو شبنم در میانِ عشق انداز

در فضیلت عشق

بہ کوے دوست باشد رہنما عشق — خوشا عشق و خوشا عشق و خوشا عشق
ز عشق است اینکہ گردون بیقرار است — ز عشق است اینکہ گیتی خاکسار است
حیاتِ آدمی در عشق باشد — نشاطِ دائمی در عشق باشد

بلند از آسمان ہا جاے عشق است | سر خورشید زیر پاے عشق است
زعشق است اینکہ جان با تن بود یار | دل بے عشق را تو مردہ پندار
بہ چرخ آرد فلک را نغمۂ عشق | برد از خود ملک را نغمۂ عشق
چو عشق اندر دلے جا گرم سازد | اگر چون سنگ باشد نرم سازد
سرے کاندر سر او جاے عشق است | سراسر در سر سوداے عشق است
ز شادیہا بود خوشتر غم عشق | ہمہ شادی بود در عالم عشق
سخن در عشق از اندازہ بیش است | ولے تتمیم او بر جاے خویش است
بیا ساقی سخن از جام وے گوے | بیا مطرب حدیث از ناے وے گوے
تو مے دہ تا کہ سر مستی نمایم | تو نے زن تا ز بند غم در آیم

نالۂ جانکاہ

منم امشب بہ آہ و نالہ دمساز | بہ داغ دل چو برگ لالہ دمساز
دلے خالی ز صبر و چشم پُر نم | ندارم ہمدمے جز نالۂ غم
غم ہجران غمے جانکاہ باشد | دل غمگیں ازین آگاہ باشد
منم در ورطۂ این غم فتادہ | بہ سیلاب الم ہا رخت دادہ
بہ کویت بہ نشستن بر خس و خار | کہ بے روے تو در ایوان و گلزار
کنم از حال خود سویش خطابے | مگر آید جوابے با صوابے

سواد نامہ

زہے وصلت بہار زندگانی | زلال چشمہ سار زندگانی
جمالت آفتاب برج خوبی | نہال قامت تو رشک طوبی
اگر مجنون بہ لیلی بود مفتون | زعشقت عالمے گردیدہ مجنون
ز فرقت نافہ را خون در جگر خشک | بہاے موے وے صد نافۂ مشک
پریشان کردۂ صد دل ز کاکل | یکے ز آشفتگان آوست سنبل
رخت اکلیل مہ از سر رباید | بہ پیشش جبہہ مہر از دور ساید

بیا اے بے تو جانم در تب و تاب — کہ ہستم در فراقت بے خور و خواب
نہ شب در چشمِ گریان خواب آید — نہ روزم صبر و تسکین رو نماید
بیا و از وصلِ خویشم شاد گردان — ز بندِ فرقتم آزاد گردان

جواب نامہ از دلبر

کہ اے بیہودہ گوئے ہرزہ گفتار — مزن بیہودہ دم دم را نگہدار
نیم ماہی کہ از بحرم بر آری — نیم صیدے کہ در دامم در آری
وگر گوئی مرا درد و غمِ خویش — کنا دایزد ترا زین بیش دلریش
تو گر سوزی زغم مارا چہ تقصیر — مثال از شمع و از پروانہ برگیر
ترا امیدِ وصلم از جنونست — علاجت اندکے اخراجِ خون است
ازین سودا نیابی ہیچ سودے — وزین آتش نہ بینی غیر دودے
دہی از صحبتِ دیرین بیادم — کزین حیلہ کنی از خویش شادم
چہ یاد آرم زمانہ و بود خود واے — کہ در زندان سراے داشتم جاے
فرستی گر دِگر قاصد بدین سوے — نخستین گو کہ دست از زندگی شوے
بخونِ او شود رنگیں رُخِ او — زبانِ تیغ گوید پاسخِ او

اے نورِ دو چشم پاک بینان — وے چشم و چراغِ شب نشینان
آرامشِ سینہ ہاے بیتاب — آسایشِ دیدہ ہاے بیخواب
درمان دہِ دردِ دردناکان — مرہم نہِ زخم سینہ چاکان
سرسبز نماے باغِ امید — لبریز کُن ایاغِ امید
رحمے بر حالتِ منِ زار — لطفے بر حالِ این گرفتار
دارم ولے از ہجومِ اوہام — چون مرغ اسیر بستۂ دام
نے گوش کند کسے فغانش — نے رحم کند کسے بجانش
از بارِ گناہ گرچہ پستم — در دامنِ عفوِ تست دستم

نومیدیم ارچہ جان گدازد — عفوِ تو امید تازہ سازد
باعفوِ تو ہست امیدواریم
کو نگذارد بشرمساریم

اے خامہ زعشق زن نوائے — بر دردکشان بزن صلائے
عشق است بلائے جانِ عاشق — آتش زن خانمانِ عاشق
برق از تب و تابِ او شرارلیست — خاک از سرِ کوئے تو غبارلیست
جان و دل ما برشتۂ اوست — آب و گِل ما سرشتۂ اوست
عشق آفتِ جانِ بیدلان است — کلکش بر جان و دل روان است
شاہیست کہ سکّہ اش زداغ است — زو سینہ شگفتہ باغ باغ است
آوازۂ عشق چون کہ خیزد — دانش زشنیدنش گریزد
آن دل کہ زسوزِ عشق خالی است — ہمکاسۂ مہرۂ سفالی است
دل بے تبِ عشق مشتِ خاک است
با آب دلے کہ دردناک است

عاشق - پنڈت شیوراج ناتھ صاحب کول مرحوم نیز صفحہ ۱۶ ملاحظہ ہو۔

ہے جنونِ مجنوں کا تیرے روز افزوں آجکل — لیلی وش عاشق ہے تیرا رشکِ مجنوں آجکل
آجکل میں تم سے عیسیٰ دم کا وہ بیمار ہوں — حکم دو تو دیکھ لوں نبضِ فلاطوں آجکل
ہے بہارِ باغ کا منظر ہمارے سامنے — زلف شبگوں۔ چشم میگوں۔ روئے گلگوں آجکل
میں نے سیکھا ہے مضامینِ دہن کا باندھنا — میں نے باندھے ہیں پرِ عنقائے مضموں آجکل

یہی عشاق کا دل پھانس لیا کرتے ہیں — حلقۂ زلفِ دوتا۔ زلف چلیپا۔ مو باف
چہرہ مہتاب۔ نظر برق۔ ہلال ابرو ہیں — زلف ہے کاہکشاں عقدِ ثریا مو باف

جلوا ہے اس کا ایک ہی ہر خوب و زشت میں — پرتوفگن وہی تو ہے سب کی سرشت میں

واعظ خدا کرا کہنا یہ کفر ہے　　ہوں گے حسین بڑھ کے بتوں سے بہشت میں

جلوۂ عارض نہیں ہے بادۂ گلرنگ میں　　آفتابِ حشر نکلا آب آتش رنگ میں
ہے جھلک مہتاب کی پیشانیِ پُرنور پر　　ہے چمک خورشید کی رخسارِ آتش رنگ میں
وہ خفا ہیں۔چاند سے تشبیہ کیوں تلوے کو دی　　کیوں کہا اچھے ہیں دونوں اپنے اپنے رنگ میں

میرے سینہ سے چلی پھر آہ آتشبار آج　　جل نہ جائے تو سہی یہ گنبدِ دوّار آج
ہائے کس شوخی سے کہتے ہیں کہ میں ہی جاں بلب　　جان سے تم ہو گئے ہو کس لئے بیزار آج

روے رنگیں کی بہار آتی ہے آج اُس سے نظر
ہے درِ فردوس عاشق روزنِ دیوار آج

لوٹتی رہتی ہیں ہر رنگ کا جلوا شب و روز　　آنکھیں رہتی ہیں مری محوِ تماشا شب و روز
شام کاکل کی ہے۔شب گیسو کی دن ہے رُخ کا　　طائرِ دل کا یہیں پر ہے بسیرا شب و روز
دیکھتی رہتی ہیں آنکھیں تری کیوں دل کی طرف　　تاکتی رہتی ہیں کیوں مال پرایا شب و روز

باغباں بیدرد۔گل بے رحم۔شیون بے اثر　　مدتے درباغ بودم ہمنواے عندلیب
درچمن اے رشکِ گل بشنو بزیرِ شاخِ گل　　شیونم یکسو دگر شو نالہاے عندلیب

در بہاران داغہاے سینۂ عاشق بہ بین
تحفہ ہا آوردہ است اے گل براے عندلیب

عاصی۔پنڈت مہاراج کرشن گورٹو صاحب خلف پنڈت جیالال صاحب گورٹو

آپ کی فارسی کی تعلیم اعلیٰ درجہ کی تھی۔کسی قدر انگریزی بھی جانتے تھے۔سترہ اٹھارہ سال آپ ریاست ساہن پور ضلع بجنور میں اسسٹنٹ منیجر رہے اور اُسکے بعد تقریباً تیرہ سال تک تعلقہ داران بھدری۔جگادھری۔دھامپور اور ہلدور کے ہاں

بہ حیثیت منیجر آپ مامور رہے۔ آپ فقیر دوست تھے۔ اور آپ کا رجحان طبع تمام عمر اپنے مذہب کی عظمت کے جانب رہا۔ ۱۹۱۶ء میں ۶۴ سال کی عمر پاکر بمقام بجنور آپ رہگرائے ملک بقا ہوئے۔ نثر میں ایک کتاب چراغ معرفت آپ نے تصنیف کی تھی۔ اُسکا دیباچہ جو نظم میں ہے اس تذکرہ میں درج کیا جاتا ہے تاکہ آپ کی یادگار قائم رہے۔

ہر نام زنام تست نامی — ہر ذات بہ ذاتِ تو گرامی
بودن ہمہ ہا ز بودنِ تُست — راہ ہمہ از نمودنِ تُست
از دانہ چہ غنچہ ہا شگفتی — در بیضہ چہ مرغہا نہفتی
اے در رہِ تو خیالِ دانا — بر یک قدم است ناتوانا
از رازِ تو صاحبانِ ادراک — گشتند مُقر بما عرفناک
پس من کیم و رسائیم چیست — در حدِ تو تزاژ خائیم چیست
آن بہ کہ ازین کنارہ گیرم — از فضلِ تو کارِ چارہ گیرم
غیرت نشوم بہ کس گرفتار — جز تو نبود بہ کس سروکار
آزادیِ من اسیریِ تست — سعیِ من و دستگیریِ تست
عاصی مہاراج کرشن بندہ — در سجدۂ تست سر فگندہ
راہت دشوار و لنگ پایم — ز افضال فرست رہنمایم
ہر شوق ز خاطرم برون آر — یک عشقِ خود اندرونِ من دار
در جان و دلِ من آتشے زن — برقے سوِ خرمنِ من افگن
از الفتِ خویش دہ جنونم — سوز این ہمہ اندرو برونم
از ہجر خودم جدائی بخش — تا وصل خودم رسائی بخش
تو قادر مطلقی خدایا — من بندۂ احقر البرایا
تا خود برسانی از تو خواہی — پس چیست تامل اے الٰہی
از جملہ بریدہ سوے خود خوان — ما را مشکل ترا ست آسان
از جہل اگر روم بہر سو — چون قبلہ نما بتو کنم رُو

از چشمِ کرم بہ دادِ من رس — من ہیچمدان چہ دانم و بس

دیباچۂ نسخۂ چراغ معرفت

تعجب چیست گر خورشیدِ رخشا — چکد اندر دواتم قطرہ آسا
سزاوار است گر بر ہر دُرِ حرف — دبیرِ چرخ صد دُرّے کند صرف
نئے کِلکم اگر گردد شکر سئے — زہر کتھائے مدوحم عجب سئے
بہ پنج انگشتِ من گر خامۂ ما — پذیرد پنج حسِ فعلیست ادنیٰ
سزد گر کاغذم گردد زر افشان — ز بحرِ شعر جوشد بحرِ عرفان
کہ عزمِ من بہ مدحِ ذوالکمالے است — کہ در چشمش جہان خواب و خیالے است
تعلق یکسر از دنیا بُریدہ — بہ دامانِ تجرّد پاکشیدہ
امیرِ مسندِ عرفان پناہی — دلش روشن بہ انوارِ الٰہی
ضمیرش مرجعِ اسرارِ باری — خیالش با خدا در راز داری
رجوعِ اولیا در چار سویش — کہ جامے حاصل آید از سبویش
حیاتِ جاودان در سایۂ او — فنا فی اللہ باشد پایۂ او
بہ بحرِ معرفت فی الجملہ غرق است — از و تا حق چو موج و بحر فرق است
خلوصِ نیتش ز آلودگی دور — صفائے قلب او نورٌ علیٰ نور
مقدّس ذاتِ او دُور از خدا نیست — کہ لفظ از معنیش ہرگز جدا نیست
گرامی نامِ او نزدیک و ہم دور — بسانِ ماہ و خورشید ست مشہور
زبان صد رہ بہ آبِ گنگ شویم — کہ نامِ پر بہم دیو آشرم بگویم
بہ علمِ معرفت اُستادِ کامل — مرا فخرِ مریدی زوست حاصل
منم از خادمانِ خادمانش — یکے از زُلّہ بردارانِ خوانش
زبس پُر معصیت ناکارہ ناکام — بدان مہاراج کرشن، گورٹو نام
جنابِ قبلہ ام پنڈت جیالال — کہ رحمت باد و غفران شاملش حال
بہ دہلی مسکنِ اجدادِ من بود — کہ در عہدِ سلاطین خوش چمن بود

چو آنجا واشد و آبم نماندہ
معاشم سوے بحنورم رساندہ

خدایا سایۂ آن قطب عالم
طبیب عاصیان غوث المعظم

مخلّد بر سر ما خاکساران
بہ عصیان روزگار خود گذاران

بود گسترہ تا راہے بہ بینیم
بہ فیض او زغم فارغ نشینیم

درین ایّام از جوش ترحّم
گرفتار معاصی دیدہ مردم

اصولِ گیان و ہم بیراگ بنوشت
کہ تخم معرفت در قلب ہا کشت

بہ سلک طبع آرم این گہر را
گزارم پیشکش اہلِ بصر را

امید از صاحبانِ دل چنین است
کہ عاصی این غلام کمترین است

دعاے در حقِ عاصی بگویند
معاصی نا مرام را پاک شویند

عاصی - پنڈت ہر نراین المعروف پنڈت بشمبھر ناتھ ہاکسر صاحب

خلف راے بہادر پنڈت دھرم نراین ہاکسر صاحب سی - آئی - ای

آپ اندور ریزیڈنسی میں ایک مدت تک بعہدۂ مترجم مامور رہے اور آپ کا تمام حصۂ عمر اندور میں گذرا آخر حصۂ عمر میں آپ اپنے فرزند کرنل پنڈت کیلاس نراین ہاکسر کے پاس بمقام لشکر گوالیار چلے آئے تھے اور وہیں ۱۹۶۵ء یا ۱۹۶۶ء میں تقریباً ۴۲ سال کی عمر پاکر آپ نے اس دار فانی سے رحلت کی - افسوس ہے کہ آپ کے فارسی اور اردو کلام کا مجموعہ تلف ہوگیا - سنسکرت میں بھی آپکو اچھا دخل تھا -

مناجات

حیرت زدہ ہوں مرے خدایا
ڈھونڈھا تجھے لاکھ پر نہ پایا

آنکھوں کا قصور ہے یہ سارا
ہر شے میں ہے ورنہ تو سمایا

سو بار میں تیرے در پہ آیا
حالِ دلِ مضطرب سنایا

عاصی یہ بتاؤ تو کہ تم نے
اس دہر میں آکے کیا ہے پایا

پنڈت ہرنراین عرف بشمبرناتھ ہاکسر۔ عاصی

ہوں گنہگار پر مجھے زنہار — اپنے در سے نہ پھیر تو غفّار
ہے بجز تیرے کون یا معبود — جو سنے میرا درد و حالِ زار
تیرہ بختی نے کر رکھا ہے مجھے — اس جہانِ دنی میں بالکل خوار
کاہشِ دل نے کر دیا ہے نحیف — جیسے ہوتا ہے عنکبوت کا تار
میں ہوں جورِ فلک سے چکر میں — جیسے گردش میں رہتا ہے پرکار

یاد حق کی مدام کر عاصی
دل کو آتا ہے بس اسی سے قرار

غزل

آن پہنچا ہوں ترے در پہ تری کھٹ پٹ سے
میرے سر کا ہے محال اٹھنا تری چوکھٹ سے
نشۂ کبر سے تھے حضرتِ انساں مخمور
رنج کی اوس پڑی آنکھ کھلی پھر جھٹ سے
حضرتِ عشق کے پھندے میں نہ پھنسنا اے دل
یاد رکھ عہدہ برآ ہو گا نہ اس نٹ کھٹ سے
ہے یہ وحشت کا کرم عقل مری کی زائل
مخمصہ چھوٹ گیا خوب بچے جھنجھٹ سے
دل کو بھٹکاتا ہے کیوں یاد کر اپنے حق کی
عاصی چل بھاگ نکل دہر کی اس کھٹ کھٹ سے

قطعہ

مصیبت میں ہو بندہ اور خالق — خبر اس کی نہ لے یہ کب ہے ممکن
دعا جو مانگی جائے صدقِ دل سے — نہ ہو مقبول وہ یہ کب ہے ممکن

ایضاً

بتاؤں کیا تمھیں یارو طبیعت کس پہ آئی ہے — مرا محبوب ہے وہ ہی کہ جسکی یہ خدائی ہے
حرم میں دیر میں ہے ڈھونڈنا بیکار عاصی کو — چلو دیکھو درِ جاناں پہ ۔ وہ دھونی رمائی ہے

ایضاً

بتا دل تجھے کس کی یہ آرزو ہے کہ پھرتا ہے مارا تو یوں کو بہ کو ہے
کہیں زلف کھولی ہے جاناں نے شاید نسیم سحر کس قدر مشکبو ہے

مادۂ تاریخ اختیار یابی مہاراجہ سیندھیا عالیجاہ بہادر

در ۱۸۹۵ء

ملہم غیبی سے پوچھا میں نے کچھ فرمائیے خورمی ہے آج کیسی زیر چرخ زرنگار
ہنس کے بولے ہو گئی درگاہ ایزد میں قبول مانگا کرتے جو دعا تھے مدتوں سے جاں نثار
اب خوشی میں گاتے پھرتے ہیں ترانہ کو بہ کو ماوھو راؤ سیندھیا مہاراجہ۔ صاحب اختیار

۱۸۹۵

رباعی

شاہ من خستہ روانم در الطاف ببند رحم فرمائو نگہدار تو مارا ز گزند
گرچہ عصیان شدہ سرزد ز من ناکارہ سرورا۔ بہر من این خواری و عسرت مپسند

حیاتے میدہد یاد مسیحا قضا تدبیر کار من چہ کردی

عاصی۔ یکے از ارباب قوم

۱۸۷۴ء کے کسی ایک مہینہ کے مراسلہ کشمیر کے چند اوراق ناچیز مولف کے ذخیرۂ کتب میں اتفاقاً دستیاب ہوئے۔ چنانچہ تاریخ ذیل انھیں اوراق سے اخذ کیگئی ہے۔

تاریخ وفات پنڈت شیونراین بہار

چگویم از ستم چرخ پر فریب و جفا کہ از ممات چواسنے نمود حشر بپا
حلیم و صاحب اخلاق و جمع اوصاف بہار بود لقب شیونراین اسم آورا
زمانہ ہم چو دی از پیشتر ندارد یاد نزاد مادر گیتی چو او درین دنیا

پنڈت رتن نراین در - عرش

بہ مکتبِ خردش بہر اکتسابِ ادب — نشستہ صد چو فلاطون و بُو علی سینا
بنائے جلسۂ تہذیب کردہ او قائم — بہ قوم نامۂ کشمیر یافت زو اجرا
پیامِ مرگ بہ گوشش چو گفت پیکِ اجل — بہ بست رختِ سفر زین جہان بہ دارِ بقا
فغانِ ماتمیان از زمین بہ عرش رسید — ز فرطِ غم بہ جہان شورِ حشر شد برپا
ز دودِ آہ حزینان فلک شدہ نیلی — ز چشم نوحہ گران ہر طرف روان دریا
ازین غم است کہ گل چاک کردہ پیراہن — وزین الم بہ چمن بلبل است در غوغا
ازین غم است کہ چشمِ سحاب گریان است — ز برق کردہ فلک آہِ آتشین پیدا
شنید ہر کہ ازین صدمۂ جگر فرسا — بگفت آہ چہ شد وا مصیبتا دردا
بہ سالِ رحلتِ او عاصیا چو پے بردم — ز سرِ غیب بہ گوشِ من این رسید ندا
کہ ہفت و ستہ و نہ اعداد با مراتب او — نویس و از رہِ ترتیب کن دوتا او را
ازین حساب چو آگہ شوی نشان یابی — ز سالِ عیسویِ رحلتش بدون خطا
دگر ز سمبتِ بکرم کنی تو استفسار — ہزار و نہ صد و سی و یک است اے دانا

۱۹۳۱ ب

عرش-پنڈت رتن نراین در صاحب خلف پنڈت کشن نراین در صاحب لکھنوی

آپ ماہ مارچ ۱۸۸۹ء میں بمقام فیض آباد پیدا ہوئے۔ آپ کی ملازمت کا آغاز بطور اسسٹنٹ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول کانپور ۷، ا۔ جولائی ۱۹۱۷ء سے ہوا اور اگست ۱۹۲۰ء میں آپ کی تقرری مستقل طور پر بعہدۂ سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہوئی۔ جس کی وجہ سے آپ کو کانپور چھوڑ کر سیتاپور جانا پڑا۔ اضلاع بریلی، بدایوں اور گونڈہ میں آپ نے اسی عہدہ پر کام کیا ہے اور اب اگست ۱۹۲۶ء سے سیتاپور میں سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہیں۔ آپ کے والد ماجد صوبۂ اودھ میں سب جج تھے اور آپ فخر قوم پنڈت بشن نراین در۔ آبرؔ مرحوم کے سب سے چھوٹے بھائی ہیں۔ ظرافت۔ خوش اخلاقی اور منکسر المزاجی کے اوصاف سے آپ متصف ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

ہے طلسمِ حیرت افزا جس کا دنیا نام ہے
مرگ و ہستی کا سمجھنا اک خیالِ خام ہے

آپ کی الفت میں مرگ و زیست سے کیا کام ہے
درد جس دنیا میں ہو دل کو وہاں آرام ہے

سارا عالم جب تمھارے چاہنے والوں میں ہے
پھر ہماری آرزو کیوں مفت میں بدنام ہے

رنج ہی میں یاد آتا ہے خدا انسان کو
گردشِ ساغر سے بہتر گردشِ ایام ہے

بیخودیِ شوق میں ساقی تکلف برطرف
خُم کے خُم مُنہ سے لگا دے جام کا کیا کام ہے

سو رہے ہیں مرنے والے مُنہ لپیٹے قبر میں
اب نہ حسرت ہے۔ نہ ارماں ہے نہ کچھ پیغام ہے

طلسمی ایک دھوکا ہے فقط یہ دل کے ارماں کا
وفا کیسی۔ کہاں کا عشق۔ کیسا حُسن جاناں کا

نسیم اُس کی صبا اُس کی صبا کی شوخیاں اُس کی
گُل اُس کا رنگِ گُل اُس کا وہ ہے بُلبل گلستاں کا

قیامت کر رہی ہے ہائے یہ دیوانگی اپنی
کئے دیتی ہے پردہ فاش میرے رازِ پنہاں کا

ہوائے دہر کیا بدلی کہ اپنوں نے بھی رنگ بدلا
گلوں کا قافلہ تک بن گیا مہماں گلستاں کا

ابھی کیا دیکھنا تم۔ یہ جنوں کیا کیا دکھائے گا
نہ گلزاروں کا رکھّے گا۔ نہ رکھّے گا بیاباں کا

طریقِ عشق میں جو مٹ گیا اُسکا میں پیرو ہوں
لحد پر قیس کی سایہ رہیگا میرے داماں کا

ولہ

کم مائیگیِ دل نے کیا ہے ہمیں ذلیل
راہِ طلب میں بڑھنے کی ہمت نہیں رہی

تم نے جو ایک شمع جلا دی تھی ایک رات
سُنتا ہوں وہ بھی اب سرتربت نہیں رہی
یہ کس لئے ہے آتشِ دوزخ بھی شعلہ خیز
کیا تیری قدر اشک ندامت نہیں رہی
اے عرش اب تو تم کو بھی آئینِ عشق میں
پابندیِ جنوں کی ضرورت نہیں رہی

نہ فرقت میں تڑپتے اور نہ فریاد و فغاں کرتے
اِک آہ سرد کے پردے میں رازِ دل عیاں کرتے
مرے قلب و جگر کی بیکسی پر اک جہاں روتا
یہ ناکامِ محبت گر کبھی آہ و فغاں کرتے
نہاں ہیں خاک کے پردے میں کیا کیا حسن کے جلوے
کہاں قدرت گلوں میں ہے کہ وہ انکو عیاں کرتے
تعلّی کی نہ لو اے عرش بس خاموش ہو جاؤ
رموزِ ہستیِ موہوم کو تم کیا بیاں کرتے

عزیز۔ پنڈت شام ناتھ زتشی صاحب خلف اکبر رائے صاحب پنڈت منوہر ناتھ صاحب زتشی دہلوی۔ اکونٹنٹ محکمہ پبلک ورکس پنجاب

پنڈت صاحب مرحوم فاضل اجل عالم اکمل پنڈت رام کشن صاحب بسمل مرحوم کے جو پرانے دہلی کالج میں ماسٹر تھے نواسے تھے۔ علوم رسمیہ سے بخوبی ماہر تھے۔ بچپن ہی سے فن سخن کا ذوق تھا۔ خُلق و مروّت اہلیت اور شرافت وزندہ دلی میں فرد تھے افسوس کہ عالم شباب ہی میں پہنے بعمر ۳۲ سال انتقال کیا۔ کلام میں سادگی ہے۔ تصنّع سے بہت دور تھے اور روزمرّہ زیادہ لکھتے تھے۔

دلبر تو ہم نے مانا ادھر سے نکل گیا
پہلو سے دل بتاؤ کدھر سے نکل گیا
غنچۂ دلِ مرا کھِلاِتا جا
شکل بہرِ خدا دکھاتا جا
مضطرب ہو رہا ہوں لے دلبر
وعدۂ وصل سُن سُناتا جا

عزم رخصت اگر مصمم ہے　　مجھکو راہِ عدم بتاتا جا
ہائے تجھ بن نہیں ہے کل پڑتی　　جا۔ یہ جھگڑا مگر مٹاتا جا
بے کلی ہے عزیز کو پیارے
اس کی تدبیر کچھ بتاتا جا

رنج و راحت مجتمع ہیں اے عزیز
دیکھ لو یوں کہہ رہے ہیں خار و گل
آنکھ گو مست ہے بدمستوں کی　　لیک باطن میں تو بیدار ہے دل
گئی افسوس جوانی تری برباد عزیز
کچھ نہ سمجھے کہ یہ افتادہ مصیبت کیا ہے

انتخاب دیوان عزیز

پنڈت کرتا کشن صاحب گورٹو دہلوی

نیز صفحہ ۹۴ ملاحظہ ہو

کہ سوخت خار و خسِ آشیان بلبل را　　دگر بہار برافروخت آتشِ گل را
برآمدہ است چو دود از و مارِ سنبل را　　بہ پیچ و تاب کہ آورد آتشِ گل را
طپیدنِ منِ بسمل اگر نہ خوش داری　　چرا بہ خویش پسندیدۂ تغافل را
بریز آبِ طرب نیز ساقیا در جام　　بلند ساز درین بزم بانگِ قلقل را
عزیز منتِ دونان چرا توان برداشت
گرفتہ ایم بکف دامنِ توکل را
از بیکسی بسوخت دلِ داغ دار ما　　روشن نکرد شمع کسے بر مزار ما

هستیم سرگران بہ شبِ غمِ عزیزؔ وار ساقی بیار بادۂ و بشکن خمار ما

لاے نمط بہ میکدہ پاے خمے فتادہ ام کس نفشاند جرعۂ خاک منِ خراب را
اشک ز دل بہ چشم شد باز ز چشم بر مژہ ریخت مژہ بہ پاے من این گہرِ خوشاب را
چشمِ فلک بحالِ ما اشک فشاند آنقدر حسرتِ گریہ برق برق سوخت دلِ سحاب را

بہ بزمِ بادہ مرمن چو بے حجاب نشست پیالہ باے مے و مینا پر آفتاب نشست
نظر فگند چو آن رشکِ گل بہ غنچۂ و گل حجاب کرد و ز شبنم تر نقاب نشست
گذشت از سرِ ما آب و شد بپا طوفان نگر کہ کشتیِ عمرم درونِ آب نشست
بہ آرزوے مے لالہ رنگ حضرتِ شیخ زکعبہ آمد و در محفلِ شراب نشست

خوشا عزیزؔ کہ مانند آصفی در جام
بہ ذوقِ شعر و سخن در خمِ شراب نشست

گلِ روے تو دیدنم ہوس است خارِ مژگان خلیدنم ہوس است
رشتہ بر بالِ من مزن صیّاد بہوایش پریدنم ہوس است
بہ تمنّاے وصلِ گل بدنے جامہ بر تن دریدنم ہوس است
جان ز سختی نمیرسد بہ گلو آبِ خنجر چشیدنم ہوس است
بادۂ وصل او نمیخواہم دُردِ دَردی کشیدنم ہوس است

چشم بہبودی مرا از ابروے خمدار نیست راست بازی درمیانِ تیغ کجرفتار نیست

گردید غرق لجۂ خون آفتابِ صبح برخاست بے نقاب چو ماہم ز خوابِ صبح
کیفِ شرابِ ناب ز ہوشش نمی برد سرمستِ ناز میکند اورا چو خوابِ صبح
رنگِ بہار چون نفزاید درین چمن بارد چو قطرہ قطرہ بہ گلشن سحابِ صبح

چشمِ فتانِ کسے برد ز دل تاب و شکیب سرمہ ام شد بہ گلو طاقتِ فریاد نبود
دل بہ نظّارۂ او باختہ ام ہم دین را غارتِ ہوشِ من آن حسنِ خداداد نبود
آمدی بر سرِ بیداد و نہ کشتی قاتل اے ستمگر مگرت طرزِ جفا یاد نبود

سوخت جان و دلِ من آتشِ ہجران کسے ‏ ‏ از دلم خاست نہ دودے کہ شرر زاد نبود

تاگذر لالہ رخے را بہ گلستان افتاد ‏ ‏ بلبل از گل شد و گل چاک بہ دامان افتاد

حسرتِ زخم نباشد دلِ مجروح مرا ‏ ‏ وہ چہ شورے زلبِ او بہ نمکدان افتاد

تانگہ کرد سرِ زلف و رخِ رنگین را ‏ ‏ خارِ حسرت بہ دلِ سنبل و ریحان افتاد

زخمیِ ناوکِ مژگانِ حریفے گشتم ‏ ‏ بے سبب تہمتِ خون بر سرِ جانان افتاد

غم مخور اے دلِ پُر درد کہ غمخوار آمد ‏ ‏ غمِ دیرینہ شد و راحتِ بسیار آمد

نوک پیکان کسے در دل من کرد اثر ‏ ‏ تیرِ مژگانِ کسے تا لبِ سوفار آمد

دمبدم راوقِ عشقِ تو مرا برد ز خویش ‏ ‏ طرفہ کیفے است کہ با ساغرِ سرشار آمد

دل بستۂ مہرِ توام جان دادۂ عشقِ توام ‏ ‏ پروانۂ روئے توام تو شمعِ ماواے دگر

در کوے او افتادہ ام خاکِ رہش گردیدہ ام ‏ ‏ جز آستانش می سزد مارا نہ ملجاے دگر

رنجے مبر بیفائدہ از بہرِ درمانم طبیب ‏ ‏ بیمارِ عشقش بہرِ خود دارو مداواے دگر

بلبل چرا آشفتہ از شور و افغانِ عزیز

او داشت غوغا دیگرے داری تو غوغاے دگر

ہرچند گریستیم و اکنون ‏ ‏ اے وائے کہ چشمِ تر نداریم

تیرِ مژہ ار زند چہ باک است ‏ ‏ از بے جگری جگر نداریم

افسردہ دلیست زیرِ پہلو ‏ ‏ در گلخنِ تن شرر نداریم

آوارۂ غربتیم و جز اشک ‏ ‏ ما زادِ رہِ سفر نداریم

صیاد نمید ہد رہائی ‏ ‏ ہیہات کہ بال و پر نداریم

ما در امیدِ وصلِ تو شبہا گریستیم ‏ ‏ در کنجِ خانہ با دلِ شیدا گریستیم

از دیدہ آب آمد و بر دامنم نشست ‏ ‏ اے طفلِ اشک واے چہ رسوا گریستیم

جوشِ درونِ ما چہ اثر کرد بر فلک ‏ ‏ کز چشمِ زار عقدِ ثریا گریستیم

ازان روزے کہ دیدم چشمِ میگونش بچشمِ دل ‏ ‏ ز خود بیگانہ گر دیدم بیک پیمانہ مدہوشم

شبِ تاریک و جوشِ ابر و تابِ برق و شورِ رعد
هزار افسوس کامشب نیست ماہِ من در آغوشم

منہ انگشت بر نبضِ منِ بیمار اے نباض
مریضِ عشقم و مانندِ نبضِ موج در جوشم

چو شبنم بر سرِ گل بادہ پیمائی نمی دانم
برنگِ باغبان گلدستہ آرائی نمیدانم

تمنا ہر طرف دامن کشان در ذوقِ وصلِ او
مثالِ برق بینا ہم شکیبائی نمیدانم

دل را بہ داغِ حسرتِ جانانہ سوختیم
قندیل را بہ رونقِ بتخانہ سوختیم

بتخانہ ہا بہ آتشِ میخانہ سوختیم
صد کفر را بعالمِ مستانہ سوختیم

برباد دادہ ایم متاعِ شکیب را
از گرمیِ نگاہ تو صد خانہ سوختیم

یک جرعۂ زیادہ میسر نشد ہنوز
صد حیف در تحسّرِ پیمانہ سوختیم

مستانہ در ہوائے رخ و زلفِ او عزیز
چون بادہ سوختیم و چو دیوانہ سوختیم

عقدہ از زلفِ گرہ گیرش خوش آسان کردہ ایم
اے پریشانی برائے خود چہ سامان کردہ ایم

پیرہن بارِ گران شد بر تنِ بیمارِ غم
ناتوانی را بہ دل دست و گریبان کردہ ایم

چشمِ تر داریم و دلہا چاک دریاوِ مخش
خارِ حسرت در جگر از نوکِ مژگان کردہ ایم

تا لبِ بامِ آفتابِ عمرِ ما باشد ہنوز
اے اجل زود آ کہ جان را وقفِ جانان کردہ ایم

کافرِ عشقِ بتانم دین و ایمان ہمتے
عاشقِ لامذہبم گبر و مسلمان ہمتے

رحم بر مشتِ پرم صیادِ سنگیں دل نکرد
بلبلِ بے آشیان مرغِ گلستان ہمتے

سرد مہری ہائے دوران التہابِ سینہ داد
چشمِ گریان جز اے سیلِ بیابان ہمتے

کاوشِ دلہا نیفزاید بغیر از درد و غم
ہمتے اے نوکِ مژہ خارِ مغیلان ہمتے

نغمہ گو مرغِ چمن غنچہ ز شادی خندان
دیدم امروز بہ گلگشت بہارے عجبے

کرد کارے عجبے در دلِ بیمارِ کسے
نرگسی چشمِ کسے داشت خمارے عجبے

رفت ہوش و خرد و تاب و توان در دمِ آہ
غمزۂ غارتِ جان کرد چہ کارے عجبے

گاہ با غمزہ کشد گاہ بہ تیغِ ابرو
این ندانم ز کہ آموخت شعارے عجبے

استدعا بہ درگاہ حق سبحانہ تعالیٰ

خدایا مرا از من آزاد کن   دلم را ز رنج خودی شاد کن

دلے وہ کہ فارغ بود از جہان   نگردد بہ آشوب آلودہ جان

دلے وہ کہ باشد ز عصیان بری   بملک قناعت کند سروری

دلے وہ کہ یادت کند روز و شب   ز خود گم کند راہ رنج و طرب

دلے وہ کہ چون گل بود سینہ چاک   برنگ دلِ بلبلان دردناک

دلے وہ کہ چون شمع سوزد مدام   فروزد بہ پروانگی با تو نام

دلے ہمچو باغِ ارم باغ باغ   دلے خانہ افروز مثلِ چراغ

دلے آتش افروز خوانِ خلیل   دلے آبرو بخش دریاے نیل

دلے نالہ پرداز بلبل مزاج   دلے آتش افروز در امتزاج

دلے چاشنی بخشِ شیریں لبان   دلے شورش افزاے مجنون وشان

دلم را بشہرِ خود آباد کن   دلم را سوے مرحمت یاد کن

دلے کز غمِ تو نباشد تہی   دلے خالی از فکرِ امر و نہی

دلے وہ کہ مانندِ ماہی بخاک   طپان باشد و باشدش سینہ چاک

دلے وہ کہ چون مرغِ بسمل طپد   دلے کز براے تو ہر جا فتد

دلے وہ کہ آتش زند در شراب   دلے وہ کہ سوزد ز رشکش کباب

دلے را کہ از تو نباشد خبر   درا دل کہ گوید کہ داند خبر

چو پیمانہ باشد لبالب ز مے   بعشرت درآید چو کاؤس کے

دلے وہ کہ صد چاک دارد بہ دل   دلے وہ کہ از ما سوا منفعل

دلے حبّ دنیا فراموش کن   مرا بخش اے خالقِ جان و تن

دلے وہ کہ آماجگاہِ خدنگ   شود بے گمان و شود بے درنگ

دلے وہ کہ از پرتوِ نورِ تو   ز ظلمت برآید بسویت نکو

دلے شورِ محشر برانگیختہ   دلے صد جہان آبرو ریختہ

دلے رنگ وررنگ باشد چو گل | دلے نشئہ بر نشئہ باشد چو مل

ولہ

رسیدم درین باغ فرخاروش | برنگِ غریبانِ بیچارہ فش
روم صبحگاہان سوے ہر دوار | کنم پاک از غسل این جسم زار
برم التجا پیش مرتاضیان | کنم حل مشکل زسنّاسیان
تمناے خاطر برآرم زدل | زخدمتگذاری نگردم خجل
نہم تارکِ عجز در پاے شان | درآرم بجا شرطِ خدمت بجان
گلیمِ اطاعت نہم بر سرم | نصیبے ز الطاف آنہا برم
بخواہم از وشان مرادِ دلت | کہ تا بر رسم بر سرِ منزلت
یقین دارم از لطف واخلاقِ شان | کلاہم رود بر سرِ آسمان
برآید مرا آرزوے تمام | دریں نیست ہرگز مرا یک کلام
کنون کار از دست ودستم زکار | شدہ ناگہان اے ثریّا وقار
دریں دَورِ واژون نہ بینم کسے | کہ بر من نماید کرم اندکے
شما گر بخواہید از ما سخن | خرامان بیائید اندر چمن
دمے تا نشینیم یکجا بہم | نمائیم خالی دل از بیم وہم
وزان پس بگوئیم علیک السلام | علیک السلام و علیک السلام

نہ این نظم گفتم گہر سفتہ ام
بہ کرتا کشن نام خود گفتہ ام

انتخاب مثنوی سام و پری دخت

پس از حمد خلّاقِ بیچون وچند | چنین گوید این عاجز مستمند
کہ شاہِ خراسانِ زرّین کمر | حضورِ منوچہر والا گہر
فرستاد نامہ بصد انکسار | نگارش چنین داد کاے تاجدار
توئی رونق افزاے ہر انجمن | توئی سرورِ سروران زمن

توئی دادخواہِ ستم دیدگان — توئی سایہ گستر بفرقِ جہان
سرِ تاجداران جمشید فر — معین و مددگارِ ہر تاجور
توئی چارہ فرمای بیچارگان — توئی عالم آرای کشورستان
پناہِ بزرگانِ ایران توئی — خداوندِ شاہانِ توران توئی
نواحِ خراسان یکے اژدہا — زیک چند دارد قیامت بپا
بدم درکشد آدم و دام و دد — خرابی رساند بہ شہر و بلد
امیدِ مدد از تو دارم بسے — کہ بفرستی از پہلوانان کسے
یلِ پیلتن سام جنگی جوان — شنید این سخن چون ز شاہِ جہان
بایستاد چون خادمان پاے تخت — جبین سود و گفتا کہ این کار سخت
بتائید و امدادِ لطفِ الہ — بہ نیروے بازوے اقبال شاہ
رسانم بہ انجام و سازم زبون — سرش را بیکدم کنم غرق خون
چنین داد پاسخ یلِ نامور — مرا نیست از رستخیزش خطر
کنم وقت ہیجا دو پارہ تنش — بکوبم سرش بشکنم گردنش
بگفتا و بر اسپ گشتہ سوار — روانہ شدہ سرورِ نامدار
بپاے قلم منشیِ نیک پے — طریقِ نگارش چنین کرد طے
گذر کرد چندے بدینسان چو سام — نیامد خوشش نغمۂ و دورِ جام
صداے نغم خاطرش برگرفت — ہواے شکارش بسر درگرفت
خرامان رسیدند در مرغزار — ہمہ لشکر و سام جنگی سوار
چہ دشتِ مطرّا چو فصلِ بہار — بہر چار سویش روان آبشار
گل و لالۂ و سبزۂ ارغوان — نسیمِ بہاری و آبِ روان
لبِ جو سہی سرو ایستادہ بود — کنارِ چمن سنبل افتادہ بود
چنار آتش از دل برافروختہ — ہوایش دل طایران سوختہ
چو دید آنچنان دشتِ رشکِ بہار — دل سام بشگفت چون لالہ زار

خرامندہ گورے بنظرش رسید | درآمد سوے صیدگاہ و رمید
ہمان دم یل سام زور آزما | دوانید بر پشت او باد پا
ولیکن نہ شد بند در دام او | نہان از نظر شد نشد رام او
تجسس کنان ہر طرف میدوید | کہ تا صید رم کردہ گردد پدید
غرض رفتہ رفتہ بوقت سحر | رسیدہ لب جوے آن نامور
دران مرغزار و لب آبجو | گل تازۂ تر پر از رنگ و بو
صفیر عنادل گل بوستان | بہار چمن رشک باغ جنان
نگہ کرد ایوان زرین نگار | بہار چمن زو شدے شرمسار
یل نامور زو قدم چون بباغ | بفرط طرب با دل پر فراغ
یکایک پری پیکرے را بدید | ز دیدار او خاطرش آرمید
نظر کرد او رنگ زرین وران | یکے پرنیاں نیلگون درمیان
کشیداست نقاش مانی نژاد | بران پرنیان صورت دلنہاد
پری دخت نامش پری پیکر است | سمن بو گل اندام و سیمین بر است
چو آن صورت دلربا سام دید | بعشقش چو گل پیرہن بر درید
بپا و لب او چو مے نوش کرد | بیفتاد و خود را فراموش کرد
برنج و تعب این دل زار شد | بدرد جدائی گرفتار شد
نہ در دل صبوری نہ در چشم خواب | فزونست ہر ساعتم اضطراب
ہمی گفت اے وا شب فرقتم | بسر چون شود ہاے با درد و غم
ہمہ شب درین آہ و زاری گذشت | بدرد و غم و بیقراری گذشت
برآمد چو خورشید عالم فروز | کمر بست آن سرور نیک روز

در خواب دیدن سام پریدخت را

بیفتاد در خواب باغے نظر | مطرا و خندان و شاداب تر
ہمہ داشتند این سخن بر زبان | کہ آمد پری دخت در بوستان

چو در گوشِ سامِ دلاور جوان | در افتاد نامِ بتِ دلستان
یکایک در افتاد بر روے خاک | ز دیوانگی پیرهن کرده چاک
پس آنگه که آمد به هوش آنجوان | بگفتش که اے دلبرِ دلستان
توئی مرہمِ ریش و آرامِ دل | برآید ز لعلِ لبت کامِ دل
نه در دل صبوری نه در سینه تاب | نه طاقت بجانم نه در چشم آب
به تیغِ محبّت ذبیحِ تو ام | بشورش ز حسنِ ملیحِ تو ام
بکن چارهٔ خاطرِ دردمند | دواے دلِ عاجز و مستمند
پریدخت بشنید چون این سخن | بگفتارِ شیرین شده حرف زن
عبث این همه گفتگوهاے تست | عبث این همه جستجوهاے تست
به مهرِ تو صد لاله جان میدهد | به دردِ محبّت جگر میدرد
توئی جلوه فرماے تختِ مهی | عبث دل به عشق و محبّت نهی
مقامِ محبّت سرِ تخت نیست | به دلدادگان یاریِ بخت نیست
سزد عاشقان را اقامت بخاک | جگر خون دل آشفته و سینه چاک
چو بشنید قولِ پریدخت سام | در آمد بجوش آن یلِ نیکنام
بناگاه از خواب بیدار شد | به اندوه و درد والم یار شد
بده ساقی آن مے که شور آورد | نمکپاشِ زخمِ جگرها شود
برآرد ز اقلیمِ راحت برون | بملکِ خرابی شود رهنمون

رسیدن سعدان و سام در اقلیم چین

دبیرِ رقم ساز صاحب خرد | به کلکِ قضا همچنان نقش بست (مطابق قلمی نسخه)
فرستاد سعدان خبر پیشِ شاه | که آمد پریزاد با عزّ و جاه
به ایوانِ شاهی چو آن رشکِ حور | رسید و شده قصر لبریز نور
ازینجا به ایوان خواهر رسید | هم آغوش گردید با صد امید
بپرسید اے خواهر و جانِ من | که بردت بیان کن ازین انجمن

چو رنج و مصیبت کشیدی بگو — چہا درد افزود بر جانِ تو
شبے زندہ جادوے دیو لعین — ز ایوان مرا بُرد اے مہ جبین
چو بیدار شد بخت ناسازگار — در آمد جوانے ز ایران دیار
سمن بو گل اندام و نسرین عذار — شود مہر و مہ بر رخِ او نثار
نگہ ناوک انداز و ابرو کمان — مژہ ہمچو نوکِ سنان جان ستان
دو چشمش فسون ساز و جادو طراز — پئے غارتِ جان و دل نیزہ باز
دہان بے سخن رشکِ قند و نبات — بہ دل مردگان بخشد آبِ حیات
لبش قدر عناب در ہم شکست — گرہ در دلِ نیشکر زار بست
منور ز پیشانیش قرصِ ماہ — نہد پیش او چرخِ گردان کلاہ
چو عشقِ تو اندر دلش جا گرفت — ز حبِّ وطن خاطرش وا گرفت
ترا ہم چنین زیبد اے ماہوش — دلِ پُر حزینش کنی شاد و خوش
ز دیدار خود نا امیدش مساز — بحالِ نزارش بہ پرداز و ساز
پریدخت بشنید چون این سخن — بدل شاد گردید و شد خندہ زن
بظاہر دلے خوردہ صد پیچ و تاب — پریزاد را داد زینسان جواب
اگر گلعذار است آن نوجوان — ندارم سروکارے ہرگز ازان
تو دیوانہ سان ژاژ خائی مکن — ز بیگانگان آشنائی مکن
گذر زین حکایت بکش جام مئے — شنو رود و بربط و دف و چنگ و نئے
بیا تا دمے صرفِ عشرت کنیم — وداعِ غم و رنجِ کلفت کنیم

عاشق گشتن پریدخت بر سام

پریدخت بشنید چون این خبر — کہ مہمانِ شہ شد یلِ نامور
بہ گفتش پریزاد را دلستان — بیا بر سرِ قصر جلوہ کنان
بہ یکسو نشستند ہر دو نہان — کہ تا رازِ مخفی نگردد عیان
درین بزمِ عشرت یلِ شیرزاد — پریدخت را در نظر اوفتاد

بدانست آن غیرتِ گلستان
کہ اینست سام دلاور جوان

در افتاد بیہوش آن نازنین
سراسیمہ و مضطرب بر زمین

ہمہ داد بر باد تاب و توان
شدہ سخت رنجور آن دلستان

کہ اے دشمنِ جانِ این ناتوان
بلا ریختی بر سرم ناگہان

گرفتار کردی بہ دامِ بلا
کنون بس محال این کہ گردم رہا

بیا و بکن چارۂ کارِ من
بیا بر سرِ رحم غمخوارِ من

ملاقات سام با پریزخت

عنان خیز میرفت سام جوان
کہ بر خاست در راہ شور و فغان

نظر کرد خیلے ز خوبانِ چین
ہمہ مہرِ طلعت ہمہ مہ جبین

خرامان بصد شوق در مرغزار
ہمہ شاد و خورّم برنگِ بہار

درین دشت باغیست رشکِ بہشت
نیامِ پریزخت نیکو سرشت

ہنگامِ فصلِ گل و نو بہار
خرامان ہمی آید این گلعذار

غرض رفتہ رفتہ بصد آرزو
در آمد بہ گلزار آن ماہرو

در آمد ز بالاے ایوان فرو
قریبِ سراپردہ آوردہ رو

خروشِ صراحی و شورِ نغم
چو بشنید آن مردِ فرخ شیَم

بہ آوازِ دلکش ترنم سرا
شد آن شیر صولت برمز و ادا

بر آورد مضمونِ رنگین ز دل
کہ اے غیرتِ گلرخانِ چگل

چو زلفِ پریشانت آشفتہ ام
گہرہاے اشک از مژہ سفتہ ام

کجائی تو اے راحتِ جانِ ما
کجائی تو اے دین و ایمانِ ما

تو دمساز باشی بہ چنگ و رباب
من اینجا ز حسرت خورم پیچ و تاب

طلب کن مرا یا بیا پیشِ من
تو اے غیرتِ خلد رشکِ چمن

رسیدن سام پہلوان زیر قصر پریدخت

چنین گفت راوی شیرین بیان
جدا از قمر رخ چو شد پہلوان

بعزم وصالِ پریدخت زود
روانہ ازانجا شدہ مثل دُود

غرض رفتہ رفتہ یلِ پُر امید
بہنگام شب زیر قصرش رسید

بگفتش پریدخت شیرین ادا
وصالم محالست اکنون ترا

ہم آغوش سازد قمر رخ ترا
در عشق سازد بروے تو وا

ادا خوب کردی طریقِ وفا
ہمین بود امیدے ز تو مرحبا

خطا شد ز من اینکہ شیدا شدم
بہ عشقت بہر ملک رسوا شدم

بہر شہر و اقلیم شد آشکار
زعشقِ تواے سرورِ نامدار

تو گشتی گرفتار بندِ گران
اسیرِ غم اینجا شدم ناگہان

چنین گفت و از غصہ چین بر جبین
روان شد سوے خانہ آن نازنین

بصد نا امیدی یلِ تیرہ روز
برآمد ز گلزارِ آن دلفروز

نہ ہوشے کہ دل را بکارے دہد
نہ صبرے کہ جان را قرارے دہد

نہ آن رو کہ تا رخ کند سوے یار
نہ آن رہ کہ آنسو نماید گذار

گہے اشک از چشم تر ریختے
گہے خاک بر فرقِ غم ریختے

بہ صحرا نوردی شب و روز بود
دلش مخزنِ آہِ پُر سوز بود

غرض با غم و نالہ و درد و آہ
رسیدہ سرِ چشمہ وقتِ پگاہ

چراگاہ و ماوائے نخچیر بود
کہ سامِ جوان آنجا آمد فرود

ملاقی شدن پریدخت باسام
درصحرائے پُر ہول

کنون از پریدخت آرم خبر
کہ چون رفت زانجا یلِ نامور

چگویم چہ شد حالِ آن مہ عذار
کشید آہ پُر درد و شد بیقرار

زبس منفعل شد بہ گفتارِ خویش
پشیمانی آورد ازکارِ خویش

درونِ شبستان نیامد قرار | برون آمد و شد بہ توسن سوار
بہ دشتے کہ مسکن گزین بود سام | درآنجا رسید آن بتِ خوشخرام
درآمد یکایک نظر رخشِ او | یقین در دل آورد آن ماہرو
کہ بیشک ہمین جا بود صیدِ من | ہمان صید رم کردہ از قیدِ من
روان پیشتر شد چو آن نازنین | درآمد نظر آن یلِ دل گزین
روان اشکِ گلرنگ از چشمِ تر | جگر خستۂ و خاک بیزان بسر
فغان از لبش بود ہر دم بلند | دو چشمش گہر بار و دل دردمند
پریدخت را دل بحالش بسوخت | شرارِ محبت درونش فروخت
ہمی خواست تا سر نہد پیشِ پاش | ولے عشوہ و ناز گفتش کہ باش
بگفتش پریدخت رشکِ چمن | چہ داری نژاد و کجایت وطن
بدو گفت سام نریمان چنین | کہ بُردہ است دل دخترِ شاہِ چین

عقدِ نکاح بستن سام با پریدخت

نوازندۂ کوس این داستان | صدائے چنین برزد از باستان
چو بنشست شادان بہ تختِ زری | سپہدار با شوکتِ سروری
دلاور بگفتا بفرطِ سرور | کہ بزمِ عروسی پذیرد ظہور
بہ آئین و رسمِ کیومرث شاہ | بہم عقد بستند وقتِ پگاہ
ز اقلیمِ چین کرد عطفِ عنان | شدہ سوے اقلیمِ ایران روان
چو در شہرِ خاور رسید آن جوان | اقامت گزین گشت با فرّ و شان
گہے بزم و گہ خلوت و گہ شکار | گہے سیرِ باغ و گہے کوہسار
پیاپے روان بود چون دورِ جام | زمانہ موافق فلک شد بکام
از آنجا روان باز شد پہلوان | سوے مُلکِ ایران بصد فرّ و شان
بحکمِ شہنشاہِ والا تبار | مرتب شدہ بزمِ رشکِ بہار
چو گشتند فارغ ز عیش و نشاط | شہِ نامور از رہِ ارتباط

جوان را قبا دادہ زرین کمر / کلاہِ کیانی نہادش بہ سر
پس آنگہ جوانمرد کیوان نشان / زشہ گشت رخصت سوے سیستان
شکار افگنان با نشاطِ تمام / بزابل رسید آن یل نیک نام
سرِ نو درآمد بہ زابل بہار / شد از جلوہ اش دشت و در زرنگار
الٰہی تو سرسبز باشی مدام / دوامت بود چرخ گردان بہ کام

بفضلِ خداوند گار جہان
رسا ندم بہ اتمام این داستان

جنابِ عزیزؔ نے اس مثنوی کی کتابت بتاریخ ۱۳ر اکتوبر ۱۸۶۹ء ختم کی تھی۔

قصیدہ

دم میزند زجوہر تیغ تو آفتاب / گردون بہ پیش صید دود و ماہ در رکاب
آن اشجعی کہ رستم دوران زخوفِ تو / بگریزد آنچنان کہ زبادِ خزان سحاب
با چشم خشم گر نگری سوے دشمنت / سوزد جگر کباب شود دل گہ عتاب
آندم کہ در مصاف کشی تیغ از میان / مریخ راز سہم شود زہرہ ہمچو آب
گر حاسدے بہ حشمت و جاہت نظر کند / سوزد در آتشِ حسدِ خود بصد عذاب
بر رخش گر سوار شوی سوے صید گاہ / از تاب تیغ سینۂ شیران شود کباب
تو آن دلاوری کہ زتقدیر شد رقم / بر پرچم لواے تو لفظِ ظفر مآب
آن اختری براوج جمال اے مدار حسن / کز جلوۂ نگاہ تو روشن شود شہاب
در گلستان بزم تو گلہاے رنگ رنگ / پاشند ز آب شبنم ہر روز و شب گلاب
امر نہی بہ بزم رسد چون بہ دورِ تو / ساقی پیالہ بشکند از مجلس شراب
داؤد نغمہ ساز بود در مقامِ تو / زہرہ بہ محفلِ تو کند رقص بے حجاب
گر بہر سیر در چمن آئی سحر گہان / خیمہ ز ابر گردد و باران شود طناب
آن ماہ پیکری کہ زحسنِ جمالِ تو / مہ ز ابر میکشد بہ رخِ خویشتن نقاب
در عہد نو بہار تو ترتیب مید ہد / بلبل بہ وصفِ حسنِ تو ز اوراقِ گل کتاب

جوشِ بہار و ابر ہوا دار و سبزہ زار
در گوشِ گل ز قطرۂ شبنم دُرِ خوشاب

آن حاتمی کہ پیش عطاے تو دست غیب
بر خاک میکشد الفِ ہاے بے حساب

آن نیک منظری کہ ز رشکِ جمالِ تو
گل چاک میزند بہ گریبان ز اضطراب

آمد عزیز بر درِ دولت سراے تو
بروے نگہ ز لطف تواے مالک رقاب

در بحرِ فکر و غور زبس غوطہ ہا زدم
نامد بجز۔ دعاے تو در کف دُرِ خوشاب

از فضل و مہر و لطفِ خداوند کارساز
بر روے تو مدام کشاید ز فتح باب

از گردشِ زمانہ بہ امن و امان مدام
باشی بہ صدرِ جاہ و جلال آے فلک جناب

دورانِ عیش و جاہِ تو دائم خجستہ باد
نا ید ز چشمِ زخم بعہدِ تو انقلاب

غیوری۔ پنڈت گوپال کول صاحب متخلص بہ گوپال و غیوری۔

آپ کے مفصل حالات معلوم نہ ہو سکے۔ آپ غالباً مہاراجہ گلاب سنگھ آنجہانی کے ابتدائی دورِ حکومت میں بمقام سری نگر کشمیر پیدا ہوئے اور زیرِ پرستان محلہ میں سکونت پذیر تھے آخر میں افسر دفتر صدر یعنی بعہدۂ اکونٹنٹ جنرل مامور ہوئے اسی وجہ سے آپ کا خاندان اب تک "دفتری" کے نام سے مشہور ہے۔ فارسی میں خاطر خواہ تعلیم پائی تھی۔ اس کے علاوہ زبانِ سنسکرت کے ماہر اور شعر و سخن سے نہ صرف مذاق آشنا بلکہ اچھے شاعر بھی تھے بھگتی اور یادِ الٰہی میں مگن رہتے تھے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد کلام منظوم اور "ترجمۂ و شم اسکند بھاگوت" کی طرف متوجہ ہوئے۔

کلام میں سلاست اور درد موجود ہے۔ محاسنِ شاعری اور دیگر خصوصیات کلام سے بھی ناآشنا نہیں۔ تقریباً اسی سال کی عمر پاکر اس جہانِ فانی سے رحلت کی۔ افسوس ہے کہ سوائے ترجمۂ "دشم اسکند" کے آپ کا متفرق کلام دستیاب نہیں ہوا۔ بہ امرِ مجبوری فقط اسی کتاب کے انتخاب پر اکتفا کیجاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مناجات

غفار و مکرّم و کریمی ستّاری و راحم و رحیمی
دانائی و آگہ و خبیری بینائی و ناظر و بصیری
بخشندۂ جرم و عذر خواہی برپا ز تو ماہ تا بہ ماہی
اے نامِ تو بیش ازانکہ خوانم وصفِ تو بروں از آنچہ دانم
اے حاصل از تو جملہ حاجات واصل بدرِ تو ہر مناجات
اے بر ہمہ کارساز و کافی ہر درد کرا ہمیشہ شافی
اے آنکہ از آنچہ ناپدیداست بینائے ہر آنچہ کس ندیداست
اے از تو تمام کارِ ہر دل در دستِ تو اختیارِ ہر دل
از قدرتِ خود کنی ہویدا پیدا ز نہان نہان ز پیدا
در کُنہِ تو دم نمیتوان زد زین راہ قدم نمیتوان زد
من کیستم و چہ کارہ فرما بیچارہ ام و تو چارہ فرما
خواہم کہ نرانی از رہِ خویش خوانی ز کرم بدرگہِ خویش
خواہم کہ حسابِ من نہ پرسی از بیش و کم سخن نہ پرسی
دوشم غرقِ گناہ تا دوش بوداست امروز زوز سر جوش
درد اچہ شود چہ چارہ جوئیم چون دست ز بودِ خود بشوئیم
مپسند خجالتم کریما رحمے بر حالتم رحیما
توٗ بے ہمتا بعذر خواہی من ہم یکتا بہ پُر گناہی
بنواز کہ ہر دو ایم یکتا من در گنہ و تو در کرم ہا

ظہورِ تولدِ شری کرشن جی مہاراج کے بارے میں لکھتے ہیں ؎

یک نیم شبے کہ بود در نوٗر ہمچون سحرِ نیمروز مشہور
فرخندہ شبے چہ نیک روزے ہمچون شبِ وصل دلفروزے
این شب کہ شبے است روشنی دہ گفتندش از فلک ملک زہ

خورشید چو عاشقان مدامش جوئندۂ وصل صبح و شامش
در نیم شبان کہ خلقِ عالم بودند بہ خاطرِ فراہم
آسودہ جہان ز شور و غوغا ہر کس بہ مقامِ خویش برجا
آن یکتا دُر بُرجِ قالب باشکلِ چہار دست آن شب
در ساعتِ سعد دیوکی را از بطنِ سعید شد ہویدا
چون مہر ز مشرقِ سعادت فیروزہ موافقِ سعادت
موزون بقد و بہ حسنِ نیکو رنگش بہ ملاحت است دلجو
پُر نور دو چشمش از مہ و مہر روشن کنِ چشمِ مردمِ دہر
پوشیدہ لباسِ زعفرانی آن جانِ جہان بدستانی
در یک دستے بود مدامش ناقوس کہ ہست شنکہ نامش
در دستِ دوم شدہ مزیّن چکر است بنام آن سودرشن
وان پدم بدستِ چارمین است در اصل گلِ کوَل ہمین است
چشمش چو گل و کوَل دہانش چون غنچہ و برگ آن زبانش
زین مژدہ نسیم شد معطّر بیوقت ز آب زد کوَل سر
زین مژدۂ چو گل شگفت ہر دل یک خارِ غمی نماند در دل
زین مژدہ شد از فلک منادی یک شادی و صد ہزار شادی
روزے ہمہ گوپیان بہ عادت از بہرِ حصولِ آن سعادت
گرد آمدند چون شدند آنجا مشغول بہ عزمِ غسل و پوجا
یکبار بہ سجدہ سر نہادند وانگہ درِ التجا کشادند
بینیم عیان جمالِ شری کرشن یابیم ہمہ وصالِ شری کرشن
شری کرشن کہ آگہ از ضمیر است علمش ز ہمہ نہان خبیر است
بے آگاہانہ از پسِ شان گشت آن کسِ بیکسان کسِ شان
عریان شدہ آن ہمہ چو بر آب برفتند برائے غسل در آب

در بازی چون شدند مشغول — آنجملہ لعبتان مقبول
پوشیدنی کز ان خبر داشت — زیشان پوشیدہ رفت و برداشت
بر نخل کدنبہ برلب آب — کان داشت قدم بہ مشرب آب
بگذشت ونشست در تماشا — بگذاشت نگاہ بر تماشا
بعد از غسل آن پری رخان چون — از آب برآمدند بیرون
دیدند کہ رخت ہا بجا نیست — آگاہ کسے ز ماجرا نیست
شرمندہ دگر در آب رفتند — غرق عرق حجاب رفتند
در آب پُر اضطراب و بیتاب — چو ماہی بر کنارہ بے آب

شری کرشن چندر مہاراج کی بانسری بجانے پر گوپیوں کے محو ہو جانے کے متعلق لکھتے ہیں ؎

وقتے شبے از میان شبہا — از خوبی لطف و جان شبہا
از بسکہ نسیم بد معنبر — مے ساخت دماغ جان معطّر
شری کرشن کہ بانسری نوازان — مے رفت براہ مست و نازان
زان زمزمہ ساز بود در دور — سوزے بزمان و بر زمین شور
کردندے آن صدا چو در گوش — گوپیہا میشدند از ہوش
زانگونہ کہ ہر یک اندر آن حال — میرفت ز دست و پا بر آن حال
میدوشید آنکہ شیر از دست — افگندے ظرف میشدے مست
میکرد کسیکہ سرمہ در چشم — یا دیش نماندے از دگر چشم
آنکس کہ بخواب بود یکبار — حیرت زدہ وارگشتہ بیدار
پیش از ہمہ در حضور شری کرشن — تابان مے شد بنور شری کرشن

شری کرشن چندر مہاراج کے ناگہان غائب ہو جانے پر گوپیوں کی بیقراری کا سماں یوں باندھتے ہیں ؎

شری کرشن چو غائب از میان شد — روپوش ز چشم گوپیان شد
نازان کہ زبس بعیش بودند — سرشارہ بجام عیش بودند

تنہا چون رفت از بر شان — رفت از تن ہاے شان برون جان
آنگاہ بصد نیاز و زاری — وز بس سر گشتگی و خواری
آہو صفت از قطار خود دور — اُفتادہ ز چشم یار خود دور
در راہِ طلب فتان و خیزان — خوناب دل از دو دیدہ ریزان
ہر سو نگران و چشم در راہ — واکردہ نظر بہ سوے ہر راہ
زان گمشدہ مے شدند پویان — از ہر طرفے سراغ جویان
میگفتندے کجا شد آیا — چون شد کہ ز ما جدا شد آیا
کو آن بدل آرمیدۂ ما — آرام دلِ رمیدۂ ما
کو آن سرو سایۂ تنِ ما — چون جان ہمہ مایۂ تنِ ما
کو آن گہرِ یگانۂ ما — گم گشتۂ متاعِ خانۂ ما
کو راحتِ جانِ خستۂ ما — پیوندِ دلِ شکستۂ ما
اے چرخ بگو کہ ماہِ ما کو — کو ماہِ شبِ سیاہِ ما کو
ہان اے دلِ ما نشان ازو کو — آن بے ہمہ با ہمہ بگو کو
زین گوشہ زخواب و نوش رفتہ — چون شیفتگان زہوش رفتہ
قمری صفت از فراقِ آن سرو — کوکو زنان ز اشتیاق آن سرو
از بسکہ پُر اشتیاق بودند — استفسارے ہمے نمودند
کاے گلہاے ہمہ درختان — طالعمندان و سبز بختان
از سَری کرشن آگہی شما را — گر ہست نشان دہید ما را
از بس سر سبز و تازہ روئید — با ما خبرے ازو بگوئید
تلسی تو کہ ہر زمان و ہر آن — میباشی در قدمگہِ شان
مردہ از جنبشِ زبانے — ما را زان بے نشان نشانے
زان راحتِ جان بدہ سراغے — یابد دلِ ما مگر فراغے

چون آن ہمہ این ہمہ بخواری / بودند بحالِ بے قراری
فریاد ز خستگانِ نارس / اے داورِ ما بدادِ ما رس
فریاد ز مشتِ دردمندان / اے یارِ ما وفاپسندان
فریاد کہ زار و ناتوانیم / ہجرانِ تو تا کجا توانیم
تا چند شکیب در فراقت / رحمے کہ دگر نماند طاقت
مارا قدرے نماند یارا / یارا نظرے بلطف مارا
غافل از حالِ زارِ مائی / نے ہیچ خبر ز کارِ مائی
مارا بہ غم و محن فگندی / تنہا از خویشتن فگندی
داد از تو کہ بردۂ دل از ما / ماندی آنگاہ غافل از ما
داد از تو کہ جز الم ندادی / رفتی و بغیر غم ندادی
داد از تو کہ دل گرفتی از ناز / جان دادیم و ندادۂ باز
باز آ کہ بروے فرخت باز / خواہیم نمود دیدہ ہا باز
باز آ کہ براہِ انتظاریم / کن چارۂ ما کہ چشم داریم
باز آ کہ شدیم جملہ تن چشم / طاؤس وش از ہمہ بدن چشم
چشمیم کہ جلوہ کے کنی باز / گوشیم کہ حرف کے زنی باز
باز آ از عتاب و ناز باز آ / باز آ اے چارہ ساز باز آ

شری کرشن چندر مہاراج کی تعریف گوپیوں کی زبانی اس طرح بیان کرتے ہیں

اے مایۂ جان ز فرق تا پا / سرمایۂ زندگی سراپا
اے جلوہ ات از سر ادا ہا / غارتگرِ ہوش و دلربا ہا
اے قدِّ تو جانِ جان سراسر / موزون الفے عیان سراسر
اے کاکلِ پُر خمت کمندے / انداختہ ہر دلے بہ بندے
اے جعدِ تو پُر گرہ فتادہ / از کارِ جنون گرہ کشادہ
اے جبہ ات از سرِ تجلی / روشن شدہ مظہرِ تجلی

اے بر پیشانیِ تو تشقہ — تابندہ فروغ مہر بر مہ

اے ابروے تو بدلبری طاق — جفتِ تو ز ہر حساب بیباق

اے چشم تو دلفریبِ مردم — تاراج گرِ شکیبِ مردم

اے کردہ کرشمہ را اشارت — تا کشورِ دل دہد بہ غارت

اے از نظرت یقین گمانہا — بنمودہ عیان ہمہ نہانہا

اے عشوہ ات از فریب و نیرنگ — ملکِ دل و جان گرفتہ بے جنگ

اے بانسری از لبت نواساز — جان در تنِ مردہ مے دہد باز

اے نوش لبِ تو بانسری را — تعلیم نمودہ دلبری را

اے از تو بکام کام مُرلی — خلقے بدمت بدامِ مُرلی

اے از لبِ تو اسیر مُرلی — ہر مرغِ دل از صفیر مُرلی

مُرلی تا بر لبت رسیدہ — خلقے از خانمان بُریدہ

مُرلی ز لبت چو کامران شد — غارتگرِ ہوشِ دلبران شد

مُرلی ز لبت چو بہرہ ور شد — شیرین ز ہزار نیشکر شد

مُرلی بہ لبت چو دسترس یافت — خود را بہ حیات ہمنفس یافت

مُرلی کہ بدستت آشنا شد — ہر سامع ازو ز دست وا شد

مُرلی خود خشک و خالی از ہست — ز و گوش پُر است و دیدہ تر ہست

مُرلی ز لبت چو کام جو شد — بے کام و زبان بہ گفتگو شد

کے یاد کند بہ پیش گاہم — کے شاد کند بہ یک نگاہم

اے واے بہ حالِ زارم اے واے — کافتادہ سخت کارم اے واے

چون سازم و چون کنم چہ چارہ — زین حال کہ حالیا دوبارہ

اے وا کہ ز کلبۂ گدائی — ہم دور شدم بہ بے نوائی

با خود زینگونہ حرف مے راند — درماندہ بہ حالِ خویش مے ماند

میرفت براہ و دل پُر اندیش — دور از پس و نا امید از پیش

زینسان شدے آن جفا رسیده | تا آنکه بدوارکا رسیده
خود را به در سرائے عالی | آن بے سر و پا رساند حالی
ترسان لرزان ز در در آمد | با خاطر پُر خطر در آمد
هر دم به قفا نگاه مے کرد | میرفت و بخویش آه میکرد
کاید کسے از زحاجبانم | ترسم که کشد کشان کشانم
آن برہمن از چنین عنایت | وز اینهمه لطف بے نهایت
حیران شد و در تعجب افتاد | گفت آیا بر من اینچه رُو داد
این حال مگر بخوابم آید | یا در بیداریم نماید
یا گشت فلک بکامم امروز | کارام دل است رامم امروز
یا شوق نهفته شد پدیدار | کم ساخته بخت خفته بیدار
بودم به کجا کجا رسیدم | وین دیدنی بدیده دیدم

غزل

اے شاہ مرا ز تو دُور تا کے | دُور از بر تو صبور تا کے
در سجدهٔ آستان حضرت | آید ز سرم قصور تا کے
از پرده برونم اے نکو رائے | تا کے نکنی ظهور تا کے
وصل تو سرور جان و جانم | مهجور از آن سرور تا کے
جانا قدرے ز ناز باز آئے | با دل شدگان غرور تا کے
زین سوے محیط دهرم اَن سوے | تا کے ندهی عبور تا کے

اے شری کرشن از رقیب بزمت
گوپال بود غیور تا کے

ترجیع بند

اے پاک تو از صفات ما پاک | از پاک صفت چه میکند خاک
وصف تو فزون تراست و بیرون | زاندازهٔ عقل و حدّ ادراک

مارا ازروے خود مگردان | نومید بجانِ آرزو ناک
تاکے زتو دور میتوان زیست | جان خستۂ وسینہ ریش ودل چاک
بالاے تو سرفراز چون سرو | ما پستیِ مائلیم چون خاک
مارا یارا کجاست پارا | کائیم بدرگہ تو چالاک

اِلّا کہ اثرگرہ از تو باشد
یعنی کہ توجّہ از تو باشد

از تو قدمے رمید نتوان | جز تو دمے آرمید نتوان
صبر از تو جدا نکوست گویند | گویند ولے شنید نتوان
چون دل بہ منت کشد ازین پس | منّت زکسے کشید نتوان
ہرچند کہ تیز تر ز تیغست | زیرِ نگہت طپید نتوان
یک برگِ گل از بہارِ وصلت | کے چید توان کہ دید نتوان
درراہِ تو جان رسید برلب | دروا بدرت رسید نتوان

اِلّا کہ اثرگرہ از تو باشد
یعنی کہ توجّہ از تو باشد

اے خوبترینِ خوب رویان | رویت نکو از ہمہ نکویان
از روے تو گل زموے سنبل | دریافتہ رنگ این و بو آن
تاکے پئے دیدنِ تو باشم | باآبِ دو دیدہ دست شویان
رحم آر و مدار اینہمہ دور | روے از نظرِ پُر آرزویان
مپسند کزآب بحرِ جودت | گردند تہی سبو یان ما
کو ممکن لیک گرچہ باشم | وصلِ تو بصد تلاش جویان

اِلّا کہ اثرگرہ از تو باشد
یعنی کہ توجّہ از تو باشد

من از تو بہ مدعاے دیگر | ہردم خوشم از جفاے دیگر

داغ ز تو باغ دیگرے خوب   دردِ تو بہ از دواے دیگر
ہر سوے زگیسوے مسلسل   بینم بہ تو مبتلاے دیگر
بشنیدی نالہ ام ترا شکم   نشنیدی ماجراے دیگر
مپسند مرا کہ رفتہ باشم   از پیشِ تو در قفاے دیگر
جائے کہ صد آرزو شنیدی   کن گوش یک التجاے دیگر
دانستم من کہ دید نتوان   روئیتو بہ سعی ہاے دیگر

آلا کہ انوگرہ از تو باشد
یعنی کہ توجہ از تو باشد

عمریست کہ از برم جدائی   اے عمر کئے از درم درآئی
یکدم بہ سرم نداری آرام   شورام چہا گریز پائی
من بے توچہ رنج ہا کہ دیدم   اے راحتِ جانِ من کجائی
بیگانہ ز خویشم اے یگانہ   بخشائے بخویشم آشنائی
مہجور در عینِ وصلم لے واے   پیشِ منی و نمے نمائی
بر درگہِ عرش سایت اے کاش   سے آسایم بہ جبہ سائی
در وصلِ تو اے گرہ کشائیم   آسان نہ بود گرہ کشائی

آلاکہ انوگرہ از تو باشد
یعنی کہ توجہ از تو باشد

آنی توکہ خود ترا تو دانی   دانی و بری از این و آنی
پیدا ہمہ را کنی و پنہان   خود با ہمہ بے ہمہ ہمانی
پیدا است کہ جملہ از تو پیدا است   چون پیدائی چرا نہانی
دور است سجودت از وجودم   اے صاحبِ جود و مہربانی
من پست ترم ز پستیِ خاک   تو برتر از اوجِ آسمانی
پیشِ تو کجا توان رسیدن   با این ہمہ ضعف و ناتوانی

آلا کہ اثر گرہ از تو باشد
یعنی کہ توجہ از تو باشد

اے آنکہ تو بے منی و بامن — ہرجائی و جوئیمت کجا من
تا وصل تو ام نے وہد دست — من دست ندارمت ز دامن
بیگانگی از من این قدر چیست — اے گشتہ بدررت آشنا من
تو با من و ما من تو جویان — نابینا یاء جا بجا من
امریست محال دیدن تو — دانستم خوب حالیا من
آن وصلِ سعید کے تواں یافت — گر سازم سعیِ عمرہا من

آلا کہ اثر گرہ از تو باشد
یعنی کہ توجہ از تو باشد

فرحت۔ پنڈت کدارناتھ دکھنی صاحب۔ نیز صفحہ ۱۸۱ و ۲۰۲ ملاحظہ ہوں

آپ فصاحت لکھنوی کے شاگرد تھے۔ جلد اوّل میں شاگرد امانت لکھنوی غلطی سے درج ہوا ہے۔ ۱۸۷۷ء میں آپ پرتاپگڈھ میں سرشتہ دار اجلاس ڈپٹی کمشنر بہادر تھے اسکے بعد آپ نے اُناؤ۔ فیض آباد اور دیگر مقامات میں اسی عہدہ کی خدمات کو انجام دیا ہے۔

صیاد چاک ہائے قفس کیوں کئے تھے بند — گر عندلیب زار سے تُو بدگماں نہ تھا
پچھتا رہے ہیں آکے جہانِ خراب میں — کیوں آئے کوئی کام ہمارا یہاں نہ تھا
پہلے پہل وہ آئے تھے جب میرے سامنے — پردہ حجاب آئینہ کچھ درمیاں نہ تھا

وہ چار پھول قبر پہ میری نہ لاسکے
مٹی لحد میں غیر کو دینا گراں نہ تھا

عنادل کو فقط افسوس ہے اپنے نشیمن کا — خزاں کی فصل آتے ہی مٹا سب رنگ گلشن کا
ہے قد شمشاد نرگس آنکھ سنبل زلف چہرہ گُل — انھیں کو دیکھ کر ہے لطف ملتا سیر گلشن کا
کڑی کبتک اُٹھائے اور کہانتک سختیاں جھیلے — الٰہی یہ کلیجہ ہے نہ پتھر کا نہ آہن کا

چمن میں آتشِ گل اس قدر بھڑکی ہے اے گلچیں
گماں ہوتا ہے ہر اک دیکھنے والے کو گلخن کا

ہیں آپ شاہِ حسن یہ ہے شان کے خلاف
بندھوائیے حضور نہ مہندی لگا کے ہاتھ

بھڑکی ہوئی ہے آتشِ گل آگئی بہار
گلچیں چمن میں پھولوں کو توڑے بچا کے ہاتھ

میں خوب جانتا ہوں بہانہ دعا کا تھا
وہ مجھکو آج کوس رہے تھے اٹھا کے ہاتھ

گلستاں میں ہے آیا وہ سہی قد
اکڑتا ہے عبث اے سرو تو آج

بہار آئی گھٹا اٹھی ہے گھنگور
لگا دے منہ سے اے ساقی سبو آج

کل اثباتِ کمر میں بحثے شاعر
دہن کے باب میں ہے گفتگو آج

کیا قیامت ہے سبکسار گرانبار چلے
بے گنہ آئے تھے دنیا میں گنہگار چلے

لکھتے ہیں ہم جو کبھی مدح و ثنائے ساقی
یوں قلم چلتا ہے جیسے کوئی سرشار چلے

شوق یہ ہے کہ پڑے حلق پہ خنجر تیرا
ہے یہ حسرت مرے سر پر تری تلوار چلے

وہ بندھی رہتی ہے نازک کمرِ قاتل میں
ناز سے کیوں نہ لچکتی ہوئی تلوار چلے

رشک سے بزم میں بسمل ہوئے غیر اے فرحت
میری جانب جو ہیں تیرِ نگہِ ناز چلے

کول ~~مشکور~~

پنڈت وشوناتھ کول صاحب ایم۔اے۔ایل ایل بی۔سابق میں آپ کا تخلص مشکور تھا۔ نیز صفحہ ۳۶۶ ملاحظہ ہو

بات بھی سوزِ دروں سے مری جل کر نکلے
آہ کھینچوں تو دہن سے مرے اخگر نکلے

بیٹھنا صحبتِ اغیار میں یوں چھپ چھپ کر
ہم سے اڑنے لگے کیوں آپ کے بھی پر نکلے

چار ہی دن میں یہ ہو جائیں گے رسوائے جہاں
پردے والوں کا قدم گھر سے نہ باہر نکلے

جیتے جی ہم سے نہ چھوٹی تری چوکھٹ او بت
ہم ترے کوچے سے نکلے بھی تو مر کر نکلے

رتبہ گوہر نے سمندر سے نکل کر پایا
قدر ہو کول کی بھی گھر سے جو باہر نکلے

ترا کوسنا بھی دُعا ہو رہا ہے ہمیں زہر آبِ بقا ہو رہا ہے
میں قدموں تلے تیرے دم دے رہا ہوں مرا مطلب اس میں ادا ہو رہا ہے
بھروسہ ہر یجان کیا دم کا میرے ہُوا ہو رہا ہے۔ ہُوا ہو رہا ہے
عجب عشق کی ہمنے سرکار دیکھی یہاں ایک شاہ و گدا ہو رہا ہے
نظر اُن کی اے کومل ہے آئینہ پر
جواب اُن کا اب دوسرا ہو رہا ہے

جو گرا تیری نظر سے وہ سنبھلتا ہی نہیں جو رہا تجھ سے جُدا پھر وہ بہلتا ہی نہیں
جمگیا ہے تیری صورت کا کچھ ایسا نقشہ میرے ارماں کی طرح دل سے نکلتا ہی نہیں
آپ کی آنکھ نہیں ہے جو بدل جائیگا ہوگیا جس کا یہ دل۔ اُس سے بدلتا ہی نہیں
میرا دل تو تری چتون سے لرز جاتا ہے تیرا دل تو مرے نالوں سے دہلتا ہی نہیں
یوں تو اے کومل ترے دل میں ہیں لاکھوں شکوے
روبرو اُن کے تو کچھ مُنہ سے نکلتا ہی نہیں

کوئی غمخوار نہ پایا ہم نے اپنا عالم کو بنایا ہم نے
اُس پریزاد کے غم میں دل سے دونوں عالم کو بھلایا ہم نے
عیش دنیا ہے جو کچھ۔ دے ہم کو صدمے جھیلے ہیں خدایا ہم نے
ہم کو تھا شوقِ شہادت جو بہت آبِ خنجر سے نہایا ہم نے
ہم کو بلبل سے بھڑایا تم نے تم کو غنچہ سے لڑایا ہم نے
بارشِ اشک سے اپنی اے کومل
رتبۂ ابر گھٹایا ہم نے

رباعی

دُنیا میں بشر ہزار ہمنے دیکھے اچھے بُرے بے شمار ہمنے دیکھے
دیں ساتھ جو وقت پر کسی کا اے کومل ایسے نہ وفا شعار ہمنے دیکھے

بہ تقریب سعید جشن سالگرہ مبارک آقائے ولی نعمت حضور پر نور ہز ہائینس مہاراجہ جیاجی راؤ سیندھیا عالیجاہ بہادر فرمانروائے ریاست گوالیار خلد آشیان

سن اٹھائیس ہے یہ اور مہینہ ہے نومبر کا — خوشا تقدیر چمکا ہے ستارہ اب مقدر کا
چلا ہے دَور گلشن میں مئے عشرت کے ساغر کا — نہ کیوں ہو عرش سے اونچا دماغ اب اہلِ لشکر کا
جنم دن ہے مہاراجہ جیاجی راؤ ذی گوہر کا

جدھر دیکھو اُدھر ہیں دلفریب و دلربا جلسے — جہاں جا ہو وہیں ہیں بہجت افزا دلکشا جلسے
جدھر پہنچو اُدھر ہیں منعقد فرحت فزا جلسے — اسی کی ہر طرف خوشیاں اسی کے جابجا جلسے
ادا کرتے ہیں مل کر شکر سب اللہ اکبر کا

دلوں میں جو تمنّا تھی وہ فضلِ حق سے بر آئی — جو کیفیت خیالی تھی وہ ہم نے آنکھ سے دیکھی
خدا کا شکر ہے جس نے مسرّت ہم کو یہ بخشی — دعا درگاہِ رب العالمیں میں ہے یہی سب کی
فلک پر تا رہے جلوہ مہ و مہرِ منوّر کا

الٰہی یہ رعیّت پر ہمیشہ دادگستر ہو — ق — اسی کے لطف و عدل و بذل کا عالم ثنا گر ہو
اسی کے دم قدم سے روشنی عالم میں گھر گھر ہو — مہاراجہ کو جو سال آئے وہ بہتر سے بہتر ہو
ترقی پر رہے حسن و شباب اس خلق پرور کا

جو دیکھو غور سے شہر و دیار اس سے ہیں وابستہ — ہزاروں بندگانِ کردگار اس سے ہیں وابستہ
جو سچ پوچھو تو سب کے کار و بار اس سے ہیں وابستہ — زمانے کی امیدیں بے شمار اس سے ہیں وابستہ
یہی تو ہے سہارا بے کسوں کے قلبِ مضطر کا

خدائے پاک بخشے اس جہاں میں اس کو وہ عزّت — تہِ دل سے سلاطینِ جہاں اس کی کریں عزّت
میسّر ہو اسے عالم میں روز افزوں نئی راحت — فراواں اس قدر ہو عزّ و جاہ و دولت و حشمت
کہ عالم بھول جائے نام دارا اور سکندر کا

رہے حاضر ہمیشہ اس کے در پر فتح اور نصرت — ترقّی پر رہیں اقبال و عمر و دولت و صحّت

بڑھے ہر لحظہ وہر ساعت اسکے ملک کی وسعت   درِ ایوانِ اعظم کا ہو ہر دربان ملک شوکت
عطارد رتبہ ہو ایک اک محرر اس کے دفتر کا
رہیں دنیا میں جب تک مردمانِ نیک و بد قایم   دلوں میں تا رہے لطف و کرم بغض و حسد قایم
سمندر میں رہے تا زور و شور جزر و مد قایم   رہے ماؤں کا سایہ اسکے سر پر تا ابد قایم
رہے عالم پہ دایم سایہ ہمشیر و برادر کا
مسلماں اور ہندو دونوں کہتے ہیں یہی باہم   رہے یہ شاہ عالیجاہ مسرور و خوش و خورم
رہے آباد اسکے سایۂ رحمت میں اک عالم   دعا یہ کولؔ کی بھی ہے خدائے پاک سے ہر دم
کہ یہ فرمانروا۔ فرمانروا ہو ہفت کشور کا

نظم ذیل حضرت کولؔ نے بہ تقریب جلسۂ دعوت کشمیری پنڈت صاحبان بروز نوروز (۷۔ اپریل ۱۹۳۲ء) بمقام لشکر گوالیار پڑھی تھی۔

کیوں ہم ادا نہ دل سے کریں شکر کبریا   لطف و کرم سے جس کے میسر یہ دن ہوا
نوروز کا بھی روز ہے کیا خوب جانفزا   دن بھی نیا ہے۔ ماہ نیا۔ سال بھی نیا
ارماں نئے۔ اُمنگ نئی۔ آرزو نئی
خواہش نئی۔ خیال نیا۔ جستجو نئی
یہ سال حق میں قوم کے یارب ہو نیک فال   دولت بڑھائے اور زیادہ کرے جلال
ہر نوجواں ہو قوم کا ذی علم و ذی کمال   اوصاف جو ہیں اُن میں ہو اک ایک بے مثال
شہرہ ہو اہل قوم کا سارے جہان میں
یہ ہوں یگانہ علم میں شوکت میں شان میں
اُن کے دلوں میں جوش محبت فزوں رہے   بدخواہ اُن کا آنکھ میں سب کی زبوں رہے
رتبہ بھی اُن کا عالم امکاں میں یوں رہے   یہ سب ہوں سرفراز۔ عدو سرنگوں رہے

گلزار بیخزاں ہو چمن کاشمیر کا
جنت ہو نام خطۂ جنت نظیر کا

یہ خطۂ زمیں وہ چمن پُر بہار ہے جس پر ہزار جان سے ہر دل نثار ہے
رشکِ ریاضِ خلد یہ وہ مرغزار ہے سبزے سے جس کے قدرتِ حق آشکار ہے

جنت ہے کاشمیر جو ہندوستان میں
یہ لکھ گئے ہیں حضرتِ اکبر اُس کی شان میں

ہے سیر برف کی وہی بالائے کوہسار جاری ہیں ہر طرف سے وہی اب بھی آبشار
کوسوں تلک وہی ہیں شجرہائے میوہ دار گلزار میں وہی گُلِ نسریں کی ہے بہار

بلبل وہی ہیں۔ گل وہی ہیں۔ بوستاں وہی
نہریں وہی ہیں۔ سرو وہی قمریاں وہی

دریا وہی ہیں۔ دشت وہی ہیں جبل وہی سبزہ کنارِ آب وہی۔ سیرِ ڈل وہی
گردوں پہ مہر و ماہ و سہا و زحل وہی روئے زمیں پہ شہر و مکان و محل وہی

آب و ہوا وہی ہے مرے کاشمیر کی
سردی وہی ہے خطۂ جنت نظیر کی

سب کچھ وہی ہے حیف مگر وہ بشر نہیں وہ اہلِ دل نہیں ہیں وہ اہلِ نظر نہیں
کان و صدف وہی ہیں پہ لعل و گہر نہیں باغ و چمن وہی ہیں پہ گلہائے تر نہیں

قالب ہے دیکھنے کو پہ قالب میں جاں نہیں
نام وطن ہے۔ حبِ وطن کا نشاں نہیں

اب کولؔ کی دعا ہے چمن یہ ہرا رہے دامن گلِ مراد سے اپنا بھرا رہے
سینہ ہمارا معدنِ صدق و صفا رہے دل بھی ہمارا مخزنِ مہر و وفا رہے

حاصل ہو رتبہ ہم کو وہ عزّ و کمال میں
آیا نہ ہو کسی کے جواب تک خیال میں

یوں باغِ آرزو میں ہمارے چلے صبا — نخلِ مراد خوب پھلے پھولے قوم کا
جاری رہے اب ایسے ہی جلسوں کا سلسلہ — ہمپایہ جن کا اور نہ ہو کوئی دوسرا

روشئے زمیں پہ علم و ہنر کی یہ کان ہوں
تہذیب کی یہ جان ہوں عزّت کی شان ہوں

گرٹو - پنڈت اوتار کشن گرٹو صاحب۔ مقیم مُرار گوالیار

آپ کا شوق شاعری تازہ ہے مشق سخن جاری رہی تو طبع موزوں اپنا رنگ دکھائیگی۔

بس جور و ستم ہو چکے - کچھ رحم ہے لازم — جو دل ہے دُکھی - اس کا دُکھانا نہیں اچّھا
نالوں سے ہلائے نہ یہ دل کو ترے - ظالم — اس باغ سے بُلبل کا اُڑانا نہیں اچّھا

بگڑتا کیا تھا شاخِ گل کا ان دو چار تنکوں سے — اُجاڑا آشیاں کس واسطے اے باغباں میرا
کسی کی موت پر گرٹو عبث ہے رنج و غم کرنا — ہے سب کو مرگ لازم اور سب کو ایک دن مرنا

بس اتنی آرزو ہے دلِ پُر اُمید کی — دیکھے نگاہ مہر سے وہ دلربا مجھے
بلبل کی طرح نالۂ و شیون سے کام ہے — کچھ بھی نہ راس آئی چمن کی ہوا مجھے
دیر و حرم کی مجھکو نہ مطلق خبر رہے — ساقی شرابِ عشق تو ایسی پلا مجھے

دامن سے اُنکے کیوں نہ اُلجھ جائے وقتِ سیر — اتنا بھی کیا نہ ہوگا گلستاں میں خار سے
جامِ شراب ہاتھ سے دے اپنے ساقیا — گرٹو بھی فیضیاب ہو فصلِ بہار سے

رند اور زاہد کے جھگڑے کی ہے یکسوئی محال — یہ ہے مانع اور وہ کہتا ہے - کچھ پینے تو دے
خواب میں اُنکے نہ آنیکا گلہ کس سے کریں — نیند ہی گرٹو نہ آئی کوئی اس کو کیا کرے
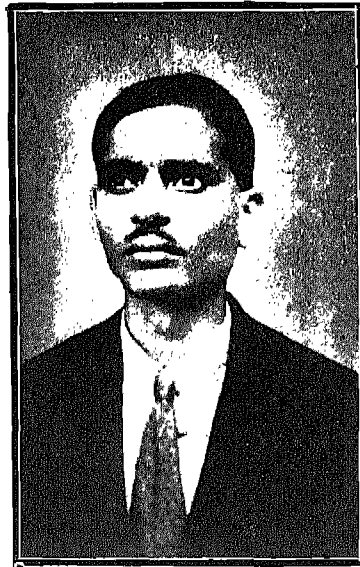
پنڈت اوتار کشن گورٹو۔ گورٹو

پچھمن - پنڈت کاشکاری صاحب ساکن حبہ کدل سرینگر کشمیر

آپ نے بعمر ۴۶ سال سمت ۱۹۰۵ بکرمی میں بعہد مہاراجہ گلاب سنگھ وفات پائی

آپ کا صرف ایک شعر تبرکاً درج کیا جاتا ہے

اے مصوّر چشم خشمش میکشی، مستانہ کش　　چون بہ چشمش میرسی بگذار من خواہم کشید

پنڈت لکھمی رام صاحب

سرینگر کشمیر میں سوامی کیلاس کول جی مہاراج ایک مشہور عارف و عابد بزرگ تھے سنہ ۱۹۷۳ء میں وہ رہگرائے ملک بقا ہوئے۔ پنڈت لکھمی رام جی سوامی جی موصوف کے خاص معتقد ہیں۔ ان کی وفات سے آپ کے دل کو جو صدمہ پہنچا ہے اس کا اظہار آپ نے رُباعیات ذیل میں کیا ہے۔

در ماتم او دہر بسے شیون کرد　　لالہ ہمہ خونِ دیدہ در دامن کرد
گل جیب قبائے ارغوانی بدرید　　قمری نمدِ سیاہ در گردن کرد

ایضاً

غبارِ رہِ خاکسارانِ او　　کشم سرمہ سان دیدہ را مو بمو
ہمیں آرزویم درین جستجو　　دل و جانِ من ہر دو قربانِ او

ایضاً

رفت زین خاکدانِ محنت ورن　　آتش از محنتش گرفتہ چمن
خلق و ملک گلفشان شدہ باہم　　گشت کیلاس رام رام شرن

فرد

زین رحلتِ کیلاس ز سامی گہرش　　گل خلق و ملک فشاند گلگل بسرش

فرد

چونکہ دنیا دید پُر شور و شر است　　بس بہ خلوت نشست شد ایزد پرست

نظم

ولا کار و بارِ جہان ہیچ نیست　　اساسِ زمین و زمان ہیچ نیست
چہ وابستۂ دل درین باغ وراغ　　کہ این بے وفا بوستان ہیچ نیست
اگر سبز و خورّم بود تو بہار　　چو میکرد و آخر خزان ہیچ نیست
کسے زا میازار و از بس مرنج　　کزین بہتر اے نکتہ دان ہیچ نیست

قطع تاریخ وفات

برخیز فلک را سروگردن ہمہ بشکن — افسردہ چرا اہل دلان زین گلشن
افشاندہ ملایک چو خلایق بسرش گل — درساخت چوکیلاس زکیلاس نشیمن

۱۲۶۵ — ۱۳۰ — ۱۲۸ — ۴۵۰
سنہ ۱۹۷۳ بکرمی

لعل ۔ پنڈت کنہیا لعل زتشی صاحب

آپ کی ولادت بریلی میں ہوئی اور کار خاندان سے زتشی خاندان میں آپ متبنیٰ ہوئے عرصہ تک فتح پور سیکری اور سینٹ جان کالج آگرہ میں بہ حیثیت اسسٹنٹ ماسٹر ملازم رہے۔ بعدہ راجپوتانہ مالوہ ریلوے اجمیر میں ہیڈ کلارک تھے اور اجمیر ہی میں حضرت داغ دہلوی کے شاگرد ہوئے۔ آپ نے سنہ ۱۸۹۹ء میں ۷۵ سال کی عمر پاکر بمقام اجمیر انتقال کیا۔ آپ کے فرزند پنڈت برجموہن لعل صاحب زتشی دھولپور ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہیں۔

دارم از عشق بدل سوز و گدازے عجبے — غم بہ طرز عجبے نالہ بہ سازے عجبے
طاق ابروے تو چون قبلۂ من سر بسجود — او بہ نازے عجبے من بہ نیازے عجبے
بہر قتلم چو کشد تیغ نہم سر بسجود — چشم بد دور کہ ہستم بہ نمازے عجبے
پیر گشتی و نہ مردی بہ فراقش اے لعل
باچنین رنج و محن عمر درازے عجبے

ہوئی دولت عشق لاکھوں کو حاصل — نہ صرف ایک منصور منصور نکلا
وہیں تاک کر تیر مژگاں سے مارا — جہاں زخم پر دل کے انگور نکلا
جسے لعل ہم دل میں رکھتے تھے مخفی — زمانے میں وہ راز مشہور نکلا
عشق خوباں کا نتیجہ دل شیدا دیکھا — ہم نہ کہتے تھے کہا مان ۔ نہ مانا ۔ دیکھا
لاکھ اغیار نہ ہوں دید کے قائل اے لعل
ہم بہ تکرار کہیں گے اسے دیکھا ۔ دیکھا

مدنؔ - پنڈت کنور کشن مدن صاحب خلف پنڈت راجکشن مدن صاحب

آپ کا تعلق اُسی خاندان سے ہے جسکے ایک رُکن اعظم جناب ساحرؔ دہلوی ہیں۔

آپ فیض آباد میں بتاریخ ۱۶؍ فروری ۱۹۰۵ء پیدا ہوئے ۱۹۲۵ء میں ایم۔اے کی ڈگری لی اور ۱۹۲۶ء میں ایل۔ایل۔بی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۰ء میں آپ ایڈوکیٹ ہوئے فی الحال ہردوئی میں مقیم ہیں اور وہیں وکالت کرتے ہیں۔ آپ کو ظریفانہ نظم سے زیادہ شوق ہے۔ مناظر قدرت و فطرت کی طرف آپ نے ہنوز توجہ نہیں کی ہے۔

بتوں کے ہاتھ سے کھلوا رہے ہو .... مجھکو تمہاری یہ ادا بھاتی نہیں اللہ میاں مجھکو
میں ٹیں ٹیں کرکے سر کھالوں گا شب بھر یہ نہ تم جانو؟ اسیر تازہ ہوں آتی نہیں طرزِ فغاں مجھکو؟

جوابِ جاہلاں باشد خموشی کیا مدنؔ بولوں
سُناتے ہیں سُنائیں شوق سے وہ گالیاں مجھکو

دانت کھٹے کر نہ دوں اغیار ہاں سنبھلے ہوئے سمجھے ہو مرئل ہے سوکھا ہوا اچھور ہے
سبزۂ خط لائیگا اک دن تباہی حسن کی اے صنم دشمن ترا اللہ میاں کا نور ہے

یار کی نظروں سے کب تک دل بچاؤنگے مدنؔ
مدتوں سے لومڑی تاکے یہی انگور ہے

ہوگیا پیکاں تو دل میں جاگزیں بہرِ وصال حسرت آگیں رہ گیا سوفار مُنہ کھولے ہوئے
دیکھتا جھک جھک کے ہے پیرِ فلک کس کا جمال کون بیٹھا ہے پسِ دیوار مُنہ کھولے ہوئے
مر گیا پھر بھی نہ پاجی پن سے باز آیا رقیب مانگتا ہے شربتِ دیدار مُنہ کھولے ہوئے

پھر دولتی جھاڑتے ہیں چار جامہ دیکھ کر پیراہن ہم وحشیوں پر پھر وبالِ دوش ہے
چنڈو خانہ ہو رہا ہے بزمِ جاناں آج کل جس طرف دیکھو جسے دیکھو وہی مدہوش ہے

سر مُنڈ رہا ہے وصل میں آج اُنکے ہاتھ سے اپنے لئے خزاں ہی میں لطفِ بہار ہے
رندو اُٹھو کہ حضرتِ ناصح بہک چلے لینا ذرا لپک کے شترِ بے مہار ہے

نشاں باقی ہے سر پر آج تک رنگیں سلیپر کا ۔۔۔ کبھی ہم پر بھی لطفِ خاص تھا اک بندہ پرور کا
کُھلا ہے گالیاں دینے پہ وہ ہکلا بتِ میکش ۔۔۔ ہاں ہو تشنہ لب۔ لو منہ کھلا ہے آج جھجھر کا
ذرا سایہ میں ہم بھی دو گھڑی آرام کرتے ہیں ۔۔۔ بگڑتے کیوں ہو لے لینا کرایہ اپنے چھپر کا

مدن گھٹوا کے جانا مونچھ ڈاڑھی بزمِ جاناں میں
کہیں نوچے نہ وہ بُت کیا ٹھکانا ایسے بندر کا

کوس کر کھا جائیں سب کو ہیں اسی تدبیر میں ۔۔۔ آج تک ہم ہیں فریبِ آہِ بے تاثیر میں
مانگ لیتے۔ دل چُرانے میں تمہیں کیا مل گیا ۔۔۔ فرق آخر کیا رہا تم میں اُٹھائی گیر میں
تم مار ڈالو شوق سے گالی نہ دو مگر ۔۔۔ جاں بھر تمہارے ہاتھ ہے عزت خدا کے ہاتھ
سمجھے نہ خاک عقد کی ہم ذمہ داریاں ۔۔۔ پکڑا دیا ہے شیخ نے کچھ بُڑھ بُڑا کے ہاتھ

شاید وہ مسکرا کے مدن سر ذرا جھکائیں
تم کچھ کہو تو کان میں اُنکے دبا کے ہاتھ

کہاں عمرِ عاشقِ نیمجاں۔ کہاں زاہدا تری زندگی ۔۔۔ تری کشتی پہنچیگی حشر تک یہاں جا رہے ہیں جہاز میں
وہ تماشاگاہ کا شور و غل۔ وہ چونّی والوں کا چیخنا ۔۔۔ کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

نہ تو قافیہ کا کہیں پتہ نہ مدن ہے بحر کی انتہا
ترے حوصلے کی ہے یہ سزا کہ پھنسا ہے بندشِ آز میں

وعدۂ پاسِ ادب مجھسے نہ ہوگا وصل میں ۔۔۔ کون جانے بیخودی میں کیا سے کیا ہونے لگے
سہ رہا ہوں آپ کے جور و ستم۔ ایسا نہ ہو ۔۔۔ عاجزی میری تمازی کا ٹکا ہونے لگے

عاشقی پہلی خطا ہے اے مدن تم حشر میں
پانچ سو باسٹھ[*] دکھانا جب سزا ہونے لگے

بتوں کی بندگی یا سجدۂ اللہ میاں کرلوں ۔۔۔ غلامی نقشِ قسمت ہے جہاں کہئے وہاں کرلوں
بجز اغیار کوئی بھی نہ ساتھی حشر میں ہوگا ۔۔۔ یہی ہیں ہمنشیں دوزخ کے ان کو مہرباں کرلوں

جوانی ہے صنم ہے شوق و ہمت ہے اُمنگیں ہیں
یہی دن ہیں مدن دل کھول کر خرمستیاں کرلوں

[*] ضابطہ فوجداری کا ایک دفعہ ہے۔

پنڈت روپ نراین در، سرور

مسرورؔ۔ پنڈت روپ نرائن صاحب در خلف پنڈت کاشی نرائن صاحب در

آپ پنڈت کاشی نرائن صاحب در مرحوم سب جج یو۔پی کے فرزند اصغر ہیں۔ پنڈت بشن نرائن صاحب در آنجہانی آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ بنگال ہائی کورٹ کے اول ہندوستانی جج آنریبل جسٹس پنڈت شمبھوناتھ صاحب غوغائی آپ کے پھوپھا تھے۔ تعلیم انگریزی ایکی ایف۔اے تک ہوئی ہے۔ اُردو، فارسی اور ہندی میں اچھی مہارت ہے۔ نظم میں اساتذہ کے کلام سے آپ کو بہت ذوق و شوق رہا ہے آپ نے طبع موزوں پائی ہے اور احباب کے اصرار سے آپ نے اکثر موقعوں پر نظمیں لکھیں مگر اُن کے محفوظ رکھنے کی پرواہ نہیں کی۔ آپ نے ریاست گوالیار میں زیادہ تر صیغہ جوڈیشل میں ملازمت کی ہے اور اس وقت اُجین میں ڈسٹرکٹ جج ہیں۔ آپ بہت نیک دل۔ خوش مزاج۔ بامروّت اور خلیق ہیں۔

غزل تہنیت بموقعہ ولادت باسعادت سرینت میری کملا راجہ صاحبہ

آج طبع شوق کی کچھ اس قدر جودت بڑھے
آفریں کہتی ہوئی نیرنگیٔ فکرت بڑھے

آج وہ مژدہ سُنا ہے روح پرور جانفزا
خود بخود جس سے سرور و عیش کی لذّت بڑھے

آئی ہیں دنیا میں شہزادی تو دل ہے باغ باغ
غنچۂ دل جب کھلے تو کیوں نہ پھر فرحت بڑھے

جوش پر رہتا ہے دریا ہے کرم سرکار کا
باڑھ پر جس سمت آئے موج کی صورت بڑھے

ایسے پیارے مالک و سرتاج کی پرور دگار
حشر تک عظمت بڑھے۔ ثروت بڑھے حشمت بڑھے

شاہزادے کا بھی ایکے سال ہی مژدہ سنیں
یہ جو عشرت ہے اسی میں اور بھی عشرت بڑھے

سیندھیا پر تا ابد یارب رہے ظلِّ ہما
اور اس دربار کی حشمت بڑھے شوکت بڑھے

شاعرِ مسرورؔ کرتا ہے یہی دل سے دعا
عمر و دولت دخترِ آقا کی ہر ساعت بڑھے

اے آنکھ تو ہے جلوہ دہِ فہم ہر بشر
ہم خواستگار تیری مدد کے ہیں سربسر

اے فکر دیکھیں آج کہاں تک رسا ہے تو
اے کلک تو ہی کھول دے اپنی زبان تر

دنیا میں بعد علم کے حاجت ہے گنج کی
وابستہ ہے اسی سے یہاں پر ہر اک بشر

اوروں میں ایسی کیا ہے جو ہم میں نہیں ہے بات
عقلِ سلیم کا ہے فقط پھیر کچھ مگر

اہلِ فرنگ و پارسیوں کو تو دیکھئے
قانع نہیں ہیں اب بھی ترقی حال پر

پڑھ پڑھ کے نوکری ہی پہ دیں جان کس لئے
کیوں اپنی عمر کاٹیں یونہیں ہاتھ باندھ کر

اک بندۂ خدا کو خداوند کیوں کہیں
کافر بنیں۔ خدا سے ہوں کیوں اتنے بےخبر

کیوں خون اپنا خشک کریں رہ کے زیرِ حکم
خانہ بدوش کیوں رہیں افسوس عمر بھر

کیوں ہم خوشامدوں میں رہیں ان کی رات دن
کیوں ہر گھڑی غلامی پہ باندھے رہیں کمر

گر سو ملیں غلامی سے ہرگز نہیں وہ خوب
آزادی سے جو چار ملیں ہوں وہ خوب تر

آزاد رہ کے خشک ہی روٹی اگر ملے
ذلت کے ہو وہ حلوے سے بڑھ کر لذیذ تر

ہو پُر خطر جو رہنے کو حاصل محلسرا
بہتر ہے اُس سے جھونپڑی ہی گر ہو بےخطر

رکھئے اگر قدم کو تجارت کی راہ میں
آسان ہوں یہ مشکلیں۔ حاصل ہو خوب زر

ہرگز نہ آپ ناز کسی کے اُٹھائیے
دل میں جو حق رہے تو رہے حق زباں پر

انسان ہو کے خوف نہ انسان کا کیجئے
ڈریئے فقط خدا سے کہ حق ہے اُسی کا ڈر

اہلِ فرنگ کی تو ذرا دیکھئے مثال
تاجر تھے پہلے۔ آج جو حاکم ہیں ہند پر

اہلِ فرانس کی بھی تجارت کو دیکھئے
جاپان اور چین اسی سے ہیں نامور

انگلینڈ کی بھی آپ تواریخ دیکھئے
حاصل کیا ہے اس نے تجارت سے کتنا زر

ہیں جملہ اہلِ قوم پہ فضلِ خدا ذہیں
تمثیلِ دہر ہوں یہ تجارت کریں اگر

سر سے یہ دور کیجئے سودا کہ نخلِ قوم
آبِ ملازمت سے فقط ہوگا بارور

ہے میری رائے میں یہ سراسر غلط خیال
کشمیری کر سکیں گے تجارت نہ عمر بھر

وہ کام کونسا ہے جو انساں نہ کر سکے
دل کی طرح نہ بیٹھے وہ ہمت کو ہار کر

بیکار ہے ہمارا یہ سب عذرِ بے زری
درکار اس میں ہے سعی و ہمت و ہنر

ہمدرد اہلِ قوم ہوں سب ایک ایک کے
باندھیں کمر بہم مدد و اتفاق پر

اس وصف کی کمی ہے کہ ہیں جس سے سرنگوں
حاجت اسی کی ہم میں ہے سب سے زیادہ تر

احوال مارواڑیوں کا سب پہ ہے عیاں
کرتے ہیں کوڑیوں سے تجارت جو بیشتر

ہمدردی و محبت و اخلاق و اُنس سے
بنجاتے ہیں یہ تھوڑے ہی عرصہ میں اہل زر

ان کے علاوہ پارسیوں کو بھی دیکھئے
تھوڑے سے ہیں مگر یہ ہیں سب کتنے ذی ہنر

انگریز ابتدا ہی سے کیا مالدار تھے
تاریخ ان کے حال کی شاہد ہے سربسر

خالق نے آپ کو بھی دیا ہے دل و دماغ
فیشن نئے نکالئے ایجاد یں تازہ تر

نکلے کوئی طریق تو سب دستگیر ہوں
رائج پھر اُسکے کرنے کی کوشش ہو ہمدگر

ہو جائیں اہل قوم جو سب اس طرف رجوع
بیشک ترقی اس میں نمایاں ہو زودتر

کشمیر کم نہیں ہے تجارت کے واسطے
حُبِ وطن تو فرض ہے ہر ایک شخص پر

سب اہل قوم اسمیں کرینگے جو غور و خوض
نکلیں گی سینکڑوں روشیں اسکی نیک تر

چھیڑا ہے چند لوگوں نے اس کو جہاں جہاں
امداد اُن کی کیجئے ہم قوم جان کر

دنیا میں نام کیجئے۔ بیدار ہو جیئے
کچھ کھائیے ترس بھی اب اس حال زار پر

مسرور مان لیں جو مری عرض اہل قوم
احسان اُنکا میں کبھی بھولوں نہ عمر بھر

مفتوں۔ پنڈت موتی لال صاحب دہلوی

آپ صاحب دیوان تھے۔ یہ دیوان موسوم بہ وصل یار ماہ اگست ۱۸۸۵ء میں طبع ہوا تھا۔ اس کی لوح پر زندہ شاعروں کا زندہ کلام لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفتوں ۱۸۸۵ء میں حین حیات تھے۔ حضرت کیفی نے اُس دیوان سے غزلیات ذیل لکھ کر ارسال فرمائی ہیں۔ افسوس ہے کہ مفتوں کے حالات زندگی معلوم نہ ہو سکے۔

اُس نازنیں کو بسکہ جفا سے بہت ہے ربط
اس دل رمیدہ کو بھی وفا سے بہت ہے ربط

نیچی نگاہ سے جو کیا دل کو پائمال
ثابت ہوا کہ اُن کو حیا سے بہت ہے ربط

اُس بُت کا آشنا بدل و جاں رہے مدام
جس زندہ دل کو یادِ خدا سے بہت ہے ربط

خوف و رجا کا پردہ جو ہے وصل و ہجر میں
ہر دم ہمیں خلا و ملا سے بہت ہے ربط

نذرِ بلائے زلف جو نفسِ خودی ہوا — ہستی میں روحِ پاک کو "لا" سے بہت ہے ربط
بختِ سیہ کا شکر کہ سودائے عشق میں — گیسو کو دل سے دل کو بلا سے بہت ہے ربط
دودِ جگر سے ہم نے کیا آسماں سیاہ — جب سے کہ اس کی زلف رسا سے بہت ہے ربط
ذرّے پہ نور پاشیِ خورشید کیا عجب — روشن ہے جو زمیں کو سما سے بہت ہے ربط

دیکھی جو قدر دانیِ قاتل نگاہ سے
مفتوں کو تیرِ حکمِ قضا سے بہت ہے ربط

بزم میں جو ماہرو کے سامنے آتی ہے شمع — رعب سے مثلِ چراغِ صبح شرماتی ہے شمع
اشتیاقِ دید میں اُس آتشیں رخسار کے — حالت اپنی عشق سے پروانہ ساں پاتی ہے شمع
دیکھ اس خورشید پیکر کا جمالِ باکمال — تابِ نظّارہ سرِ محفل نہیں لاتی ہے شمع
چار چشمی جو شبِ مہ میں ہوئی اس ماہ سے — دیکھ کر تحقیر سے سورج کو اترائی ہے شمع
جلوۂ حسنِ پری رو جو سمایا آنکھ میں — مستِ صہبائے تحیّر صاف ہو جاتی ہے شمع
دیکھ لینا یار کا کافی ہے داغِ عشق میں — گلشنِ امید میں راتوں جو گل کھاتی ہے شمع

بعد مردن بھی جو مفتوںؔ شمع رو کا ہے خیال
خاک پر کنجِ لحد میں نور برساتی ہے شمع

دخترِ رز سے ہم نے اتنے کھائے داغ — نام سے انگور کے شرمائے داغ
ہجرِ گلرو سے میانِ لالہ زار — داغ پر دل نے دوبالہ پائے داغ
مثلِ پروانہ جلایا شمع کو — آتشِ ہجراں نے جو دکھلائے داغ
قتل پر اُس لالہ رو کا دل بڑھا — ہم کو جائے خونبہا جو بھائے داغ
تا زمینِ دل رہے سیرابِ حسن — آسمانِ عشق نے برسائے داغ
گرمیِ دوزخ ہوئی اک لخت سرد — سوزِ دل نے جس گھڑی چمکائے داغ

تازہ رکھ زخمِ جگر مفتوںؔ مدام
زیست ہے بیکار گر مرجھائے داغ

مونس ۔ پنڈت کیول رام صاحب دہلوی

مونس کے حالات صرف اس قدر دریافت ہو سکے کہ وہ سنہ ۱۲۲۰ھ میں بعہد اکبر شاہ ثانی سلسلہ ملازمت میں تھے۔ آپ کی تصنیفات سے اُردو اور فارسی کی دو مثنویاں ہیں حضرت کیفی دہلوی کی توجہ سے وہ دونوں مثنویاں قلمی ناچیز مولف تک پہنچیں چنانچہ ہر مثنوی کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔ مونس کی زبان اُردو اُس زمانہ کی ہے جبکہ اُردو نے اپنے گہوارۂ ناز سے قدم باہر نہیں نکالا تھا اور مثل ایک شیرخوار بچّے کے آغوش دایہ سے ہمکتی تھی۔

مئے ناب کا ساقیا جام دے ۔۔۔ خوشی سے مرے دل کو آرام دے
کہوں تجھ سے میں تازہ تر یہ سخن ۔۔۔ فراموش کر داستانِ کہن
یہ رنگیں سخن نکتہ پرداز ہے ۔۔۔ کشایندۂ معنیِ راز ہے
نہ کچھ ہے جہاں میں بغیر از سخن ۔۔۔ سخن زندگی ہے بہ ہر انجمن
سخن داں جہاں میں سرافراز ہے ۔۔۔ سخن سے درِ آرزو باز ہے
سنو تم اسے گوش دل سے ذرا ۔۔۔ عجب ہیگا یہ طرفہ تر ماجرا
ملا مجھکو اک مرد ریشِ سفید ۔۔۔ دیا اُس نے یہ مژدۂ پُر امید
بوقتِ سحر آ اُٹھایا مجھے ۔۔۔ بہ نزدیک خود لے بٹھایا مجھے
بنایا در اقلیم ہندوستاں ۔۔۔ چو باغِ ارم شہرِ جنت نشاں
کہا شاہجہاں آباد اس کا ہے نام ۔۔۔ فرح بخش جنت کا ہے وہ مقام
یہاں کی سنی ایسی آب و ہوا ۔۔۔ شفا بخش ۔ ہر رنج کی ہے دوا
مشاموں کو تازہ کرے دمبدم ۔۔۔ فرح بخشِ دل دُور سازِ الم
بہر سوے انہار آبِ گلاب ۔۔۔ لگیں خوشنما جوں پری در شباب
وہ موج اُن میں ہے اس طرح سے رواں ۔۔۔ کہ جوں بال پر آوے جوبن دوان
مجھے ساقیا بھر دے اک جام اور ۔۔۔ ہمیشہ یہ قایم رہے تیرا دَور
چلو ساقیا اب کریں سیر باغ ۔۔۔ منوّر ہوں آنکھیں معطر دماغ
عجب سیر کا یہ گلستان ہے ۔۔۔ یہیں عاشقوں کی بسی جان ہے

قرینوں پہ ایسے لگے ہیں درخت
کہ چون شاہ بیٹھے ہیں برروئے تخت

صنوبر و شمشاد و بید و چنار
صفوں پر عجب دے رہے ہیں بہار

کھلے پھول چنپا بہ این دلبری
جنھیں دیکھ کر مبتلا ہوں پری

چمن میں کھلے ایسے نرگس گلاب
اُٹھے جون پری ناز سے مستِ خواب

گلِ کیوڑا کیتکی یاسمن
چو معشوقِ خندان میانِ چمن

گلِ سوسن و سنبل و زعفران
چہ رعنا و زیبا گلِ ارغوان

جدھر دیکھو ہے اُس طرف لالہ زار
ہزارون طرح کی گلون کی بہار

گلِ سیوتی مالتی جعفری
نمایاں چو معشوق با دلبری

گلِ مہندی ہیں نوعروس چمن
دکھا موہ وہیں مانگ لیتے ہیں من

مصفّا ہے اک حوض بلّور کا
نہ ہوگا ارم میں بھی اُس طور کا

چمک حوض اور آب کی یہ جھلک
یقیں دیکھ کوثر کو بھولے ملک

ادا سے کہیں رقص کرتے ہیں مور
کہیں طوطیاں تان لیتی ہیں زور

کہیں فاختہ شاد شمشاد پر
خوشی قمریاں سروِ آزاد پر

عجب سیر کا دلکشا باغ ہے
جسے دیکھ جنّت کا دل داغ ہے

خوش آواز مرغاں بہر شاخسار
بیاں سب کریں حمدِ آن کردگار

چلیں ساقیا اب طرف شہر کے
فزایندۂ رونقِ دہر کے

چو فردوس یہ شہر ہے بر زمین
سُہانا لگے چون بہ خاتم نگین

بہر جا ہے عالی محل ہیں بپا
مصفّاتر از آئینہ دلکشا

مصفّا مجلّا منقّش تمام
نمایاں ہیں سب اُن مین قدرت کے کام

بہ آسودگی وان ہر اک ذات ہے
خوشی میں کٹے جن کی دن رات ہے

ہر اک شب شبِ قدر ہر روز عید
جدھر دیکھو اُس طرف شادی پدید

کہیں ہو رہے شعر و شیریں سخن
کہیں ہنس رہے مل کے غنچہ دہن

کہیں بازیاں کر رہے دار باز
بتاویں نجومی کہیں دل کا راز

کہیں گاویں با ذوق رانجھا و ہیر
تماشا کہیں کر رہے مارگیر

کہیں خیر و خیرات اور دھرم ہے ... کہیں بے لحاظی کہیں شرم ہے

کہیں بج رہے چنگ و بین و رباب ... کہیں ہو رہے مست پی کے شراب

کہیں سیر کرتے ہیں با دلبری ... ہزاروں ہی مہوش بسانِ پری

عجب سیر کے کوُچے و بازار ہیں ... پری وار بیٹھے دُکاندار ہیں

ہر ایک کام کے جتنے ہیں پیشہ ور ... سدا اُن کے آگے برستا ہے زر

پری روے سب واں کی مستور ہیں ... زسرتا بپا نور کی حور ہیں

فدا ان کے دیکھے سے سرو بلند ... ہوا شرم سے ایک جا پاے بند

مسلسل ہیں زلفیں بسانِ کمند ... ہوے جن میں ہیں روز و شب پاے بند

ہمہ نازنینانِ زہرہ جبیں ... چو گلدستہ باغ جناں بر زمیں

دو ابرو کماں ہیں مژہ چوں خدنگ ... نشانے دلوں پر گرین بے درنگ

لبیں درج یاقوت و دنداں چو دُر ... کہ با جام مرجاں ز الماس پُر

بھری روپ میں سر سے لے پانوں تک ... فرشتے بھی دیکھیں تو ہو جائیں دہک

عجب روپ جوبن کی اُن کی اُمنگ ... کہ ہے جس طرح موج دریاے گنگ

عجب شہر رشکِ پرستان ہے ... سبھی شہروں میں خاص یہ جان ہے

اگر دیکھیں اس شہر کی دلبری ... تلک بھولے جنت ارم کو پری

سنو اب ذرا وصفِ والیِ شہر ... سر افراز بر تاجدارانِ دہر

سنو نام اُن بادشاہِ جہان ... شہنشاہِ اکبر میانِ شہاں

شہنشاہ کی دیکھ کیا شان ہے ... بعینہ کہ شاہِ سلیمان ہے

سکندر اگر دیکھتا اُس کی شان ... بصد شوق وہ گرتا قدموں پہ آن

امیراں بزرگانِ از ہر دیار ... کھڑے صف زدہ پیش آں شہریار

ہزاروں کھڑے ہر طرف سور و بیر ... زرہ پوش با تیغ و با گُرز و تیر

ہمہ پہلوانانِ شمشیر زن ... چو شیرِ سرافراز و لشکر شکن

ترا کام اس وقت ہے ساقیا ... زرا دخترِ رز کو یاں تک لے آ

میانے میں شیشہ کے کر کے سوار ... لے آ اُس پری کو ہے وقتِ بہار

تو اُس وقت لے ہاتھ میں جام کو — خوشی کر سبھی خاص اور عام کو
اُٹھاویگی حظ اُس سے یہ انجمن — کریگی وہ خوش آن کر گلبدن
کھڑی آ ہوئی ناچنے کو پری — ہوئی دُر فشاں زہرۂ و مشتری
ہوا گرم بازار اب ناچ کا — سما آئے گا دیس و کھماچ کا
عجب دیس کی راگنی چھاگئی — نیا روپ مجلس میں دکھلا گئی
پرج سوہنی مالکوس اور بہاگ — برتتے ہیں سب راگنی اور راگ
بندھا راگ اور راگنی کا ہجوم — گئی شش جہت میں تھی مچ انکی دھوم
فلک سے ملک سن کے آئے یہاں — بدرگاہ شاہنشہ این جہاں
تماشے کو آئے تھے وحش و طیور — ارم کی پری اور غلمان و حور
یکایک سبھی وجد میں آگئے — رہ معرفت مفت میں پا گئے
یہ شب تھی شب قدر۔ تھا روز عید — چنیں روز و شب کس ندید و شنید
رہا شام سے صبح تک یہ مزا — فلک پر ملک کہہ گئے مرحبا
نکل آیا یہ سن شہ خاوری — چھپی شرم سے دیکھ لیلی پری
رہے شاد و خرم برین تخت شاہ — جہاں میں جہاں تک رہے مہر و ماہ

کرے ہے دعا مونس خاکسار
مبارک ہو یہ جشن بر شہریار

انتخاب مثنوی فارسی

نخستین کنم حمد آن بادشاہ — کزو یافتہ نور خورشید و ماہ
بگسترده فرش زمیں را برآب — زده خیمۂ آسمان بے طناب
کزو کاخ گردیدۂ بے ستون — شد آراستہ چنبری نیلگون
نہادہ درو شمع از مہر و ماہ — کزان گشت روشن ہمہ بارگاہ
زہر سو خود آمد بجلوه گری — بہر کسوت انس و حور و پری
بیک لفظ کن عالم آراستہ — بیک حکم شد ہرچہ او خواستہ
دگر را بہ خلوت گہش بار نیست — کہ تا او بجز قدرتش بار نیست

کجا فہم من تا ستایش کنم ... کہ توصیف او بر زبان آورم
بدہ ساقیا آن مئے لعل فام ... رمیدہ دلم زان شود باز رام
وزان پس چنین پند من گوش کن ... بنوشانم و ہم خودش نوش کن
بتائید آن کردگار جہان ... شدہ آشکارا انچہ بد در نہان
یکے مرد را دیدم امشب بخواب ... رخش بود رخشان تر از آفتاب
ز سرتا قدم مطلع نور بود ... پُر از نور و روشن تر از حور بود
چو بنشست آن مرد دانائے راز ... در خانۂ راز را کرد باز
نگہ کرد و فرمود آن نامدار ... سوے من کہ اے مونس خاکسار
نشانت دہم نامور بادشاہ ... شہنشاہ اکبر چو تابندہ ماہ
جہانبان جہانگیر و جان جہان ... شہنشاہ والی ہندوستان
بہ مدحش روان کن کنون خامہ را ... رقم زن بہ اوصاف آن نامہ را
ثنا ہا بگو آن گرانمایہ را ... ملک قدر عالی فلک پایہ را
بہ جود و سخا و ز لطف و کرم ... شدہ نور در چشم دیر و حرم
سپہدار و جم جاہ و نیکو کنش ... سرافراز شاہ سلیمان منش
بہ داد و دہش حاتم این زمان ... گہے عدل برتر ز نوشیروان
بہ نیروے روئین تن اسفندیار ... چو افراسیاب است در کار زار
گرفتہ جہان را بہ شمشیر زور ... بر امش نشیند چو بہرام گور
ندیدہ چنین شاہ گردون پیر ... جوان دولت و تخت و صاحب سریر
عروس جہان را گرفتہ بہ بر ... بہ بازوے خیرات شہ تاجور
عطارد دبیرے بہ دیوان او ... کمر بستہ کیوان بفرمان او
خرد دولت و بخت فتح و ظفر ... بہ یاری آن نیک بستہ کمر
بدہ ساقی از بادہ جام طرب ... بگویم ترا داستان عجب
کہ از آرایش جشن شاہنشہی ... مرا داد امشب خرد آگہی
بفرمان شاہنشہے با کرم ... شد آراستہ بزم رشک ارم
برآمد شہنشاہ بر تخت زر ... چو خورشید تابان بصد زیب و فر

بسے پہلوانان چو شیران نر / بہر سو ستادہ کمر در کمر
بہر جاے سرگرم رامشگران / برامش گری ازگران تاگران
برین حورزادان رشک پری / بصد جان و دل زہرہ شد مشتری
برقص و بہ نغمہ دلِ انجمن / نمودند مائل سوئے خویشتن
زہر در در آمد نشاط و سرور / بہ شادی شد این بارگہ پرزنور
صداے مبارک دہد دمبدم / بہ آواز خوش شاہ را زیر و بم
بہ عالم خبر شد ازین جشن شاہ / چہ از پشت ماہی وتا اوجِ ماہ
دعا میکند مونسِ خاکسار / بمدح و ثنا پیشت اے شہریار
بہ تخت خلافت بمان جاودان / بہ عمرِ دراز و بہ بختِ جوان
پئے سالِ این جشنِ فرخندہ فال / ز پیرِ خرد کردہ بودم سوال

کہ ناگاہ ہاتف بگفت آن زمان
زہے شاہ با عدل و روشن روان

در مدح باری تعالیٰ

بخوان مونسا نام او دمبدم / رہا میشوی از وجود و عدم
شب و روز با او بدل یار باش / مئے معرفت نوش و سرشار باش
وشش باد شد و ز خویش آب پاک / شدہ از جلال آتش تاب ناک
ز پالیش زمین، دیدہ اش ماہ و مہر / شدہ از سرش ہفت گردان سپہر
محیط است خود در طبق چار دہ / ز نورش شدہ نور در نورِ مہ
نہان ماند خود را نمودار کرد / ز بالاے بالاتر از کار کرد
بہ تابد بصد ناز با دلبری / بہر کسوتِ انس و حور و پری
میانِ بہر دل گرفتہ مقام / شدہ جلوہ گر در ہمہ خاص و عام
بہ یکبار شد ہرچہ او خواستہ / طلسمِ بدینگونہ آراستہ
بہ این کار کردن نشد زحمتش / نداند بجز او دیگرے عظمتش

ندیمؔ - پنڈت مہاراجکرشن صاحب رازدان صاحب

نیز صفحہ ۴۷۳ ملاحظہ ہو

نوعمری میں آپ کا تخلص مفتوںؔ تھا۔ یہ تخلص آپ کے دادا صاحب جناب عاشقؔ نے آپ کے لئے پسند کیا تھا۔ ۱۹۱۷ء کے بعد آپ نے لباس پارینہ کو اُتار پھینکا اور لباس نو میں دنیائے ادب میں جلوہ گر ہوئے یعنے ندیمؔ تخلص اختیار کیا۔

قطعہ تاریخ جشن قیصری

یعنی

دربار شہنشاہ دوران ۱۳۲۹ھ

۴۰۷ ۱۶۶۶ ۲۶۱

نمی گنجد بخود از شادمانی جملہ ہندوستان — سریرآرا شدہ چون جارج خامس قیصر ذیشان
صدائے ہرّے ہرّے بایدت سہ بار بنمودن — بسر بنہاد اکلیل جہان بانی شہ شاہان
منوّر گشت تاج و تخت از فرق و قدوم او — شہے کو ہست در زیر نگینش جملہ انس و جان
شہے کو ہست شاہنشاہ ہند و جملہ کالونی — شہے کو ہست شاہ برطن وہم سرور ایران
شہے کو ہست چون نوشیروان معدلت گستر — شہے کو ہست بر فرق رعایا سایۂ سبحان
شہے کو ہست شیر بیشۂ عدل و جہانبانی — شہے کو ہست شہباز بہ اوج عزّ و جاہ و شان
شہے کو ہست از دریادلی در گوہر افشانی — شہے کو ہست در جود و سخاوت ابر و بحر و کان
شہے ہستند شاہان جہاں فرمان گذار او — شہے ہو تج ستان و باج گیر از راجگان رایان
فرو رفتند در قعر مذلت جملہ اعدایش — لواؤ پرچم شاہیش بگذشت ست از کیوان
سکندر بودے ار اکنون سپہ سالار او بودے — اگر بودے کنون دارا بدر بودے کمین دربان
چناں در دل مہابت میخورد از عدل و داد او — کہ شیر از گوسپندان میرمد گوید منم ترسان
رعایا جملہ در عہدش حقوق ہمسری دارد — عدالت واست بر ہر سہ نصاران ہندوان ترکان
بعہد او حکیمان آنچنان انگلینڈ میدارد — کہ زانوے ادب تہ کردے ار بودے کنون لقمان
عجب در عہد او سائنس ایجادے نوی کردہ — کہ بر اوج فلک انسان شدہ چون طائران پران

بہند آمد کہ برادرنگ دہلی جلوہ فرماید ... نماید مشکلِ ما ہندیان از لطفِ خود آسان
برائے تاجپوشی در تو آمد قیصرِ دوئم ... تو ہم دہلی بکن مہمان نوازی تا حدِ امکان
خوشا اے ساعتِ مسعود ولے روزِ طرب گستر ... کہ جشنِ قیصری ترتیب دادہ شاہ انگلستان
خوشا وقتے وخرّم روزگارے میتواں گفتن ... فزوں از حدّ و پایان ست اکنوں نازشِ ملیان
نثارِ مقدمش سازیم جان وتن بصدقِ دل ... شہنشہ جارج پنجم بیگم میری ست چون مہمان
خموش اے دل کہ خاموشی ست بس عذرِ ثنائے او ... کجا کج مج زبانِ تو کجا مدحِ شہِ دوران
صلاحِ نیک بشنو عجز داری بہ کہ دم درکش ... عنانِ اسپ مدحت را سوئے راہِ دعا گردان
خدایا بیگم و شاہنشہِ ما شادمان بادا ... دلِ اعدا چو آتش خانۂ ایشان بود سوزان
زند بر سنگ سر چوں آب گر بدخواہِ شان باشد ... بسانِ آبشار اعدائے شان صبح ومسا گریان
بود چوں شیشہ از غم سینہ اش پرخوں کہ بدبین ست ... کباب آسا کند سوزِ درونِ او دلش بریان
برقص آید پیالہ شیشہ از قلقل غزل خواند ... بہر محفل کہ بنشینند عشرت زا بود سامان
نمی داری لبِ دندان خموش لے دل خموش اے دل ... کنوں باید کہ تاریخِ مسیحی را شوی جویان
چو زینت بخشِ اورنگ اند قیصر قیصرہ ہر دو ... بگو سالِ مسیحی۔ ماہِ تابان نیّرِ رخشان

۱۴۱۱ — ۵۰۰
۱۹۱۱ =

برائے سال دربارِ معلّیٰ فکر چوں کردم
ندا آمد کہ۔ جشنِ اولینِ قیصرِ ذیشان
۳۵۳ ۹۷ ۴۰۰ ۱۰۶۱ = ۱۹۱۱

پُر اثر اتنے تو یارب مرے نالے ہوتے ... آہ کرتا میں جہاں۔ دل وہ سنبھالے ہوتے
باغ ہوتا کوئی پہلو میں وہ گلرو ہوتا ... مئے گلرنگ سے لبریز پیالے ہوتے
تھا اگر شوق ٹینس کا بتِ لندن تجھ کو ... گیند کی جا دلِ عشّاق اُچھالے ہوتے
پہلے کیوں کاکلِ پیچاں پہ ہوئے تھے شیدا ... خوف ایسا تھا تو یہ سانپ نہ پالے ہوتے

دشتِ پرخار کی جانب ہے ارادہ مفتوں
سیر ہوتی جو کہیں پاؤں میں چھالے ہوتے

کہاں انداز اپنے نالہ کا بلبل کے شیون میں
اسی کی ہو توں بخشیں رہی ہیں صحن گلشن میں

بتوں کو جانتا ہوں اور واقف ہوں بہت ان سے
دیا ہے نقد جان کچھ تو سمجھ کر دست رہزن میں

کبھی تھا خانۂ کعبہ میں جو کچھ اور اب بھی ہے
وہی تھا اور ہے اس وقت بھی دیر برہمن میں

نہ چھوڑیں گے کبھی مفتوںؔ تجھے ترک کمان ابرو
یہ رہزن نقد دل کو لوٹتے ہیں روز روشن میں

ذرا اے دیدۂ تر ابر گوہر بار ہو جانا
کہ دل کے جوش کا اب چاہئے اظہار ہو جانا

کہیں غش کھا نہ جانا موسیٰ عمران کی صورت سے
وہ جلوہ دیکھ کر اچھی طرح ہشیار ہو جانا

نہ کرنا چھیڑ چھاڑ اصلا کسی سے ابرو قاتل
مناسب کب ہے ہر دم بر سر پیکار ہو جانا

جو چاہو مغفرت مفتوںؔ تو راہ راستی ڈھونڈو
کسی مرشد کے پیرو تم بھی ہاں اے یار ہو جانا

دنیا مری نظروں میں کیا جانئے اب کیا ہے
جس وقت سے اک جلوہ آنکھوں میں سمایا ہے

کیا ذکر دوئی اس میں بے مثل ہے یکتا ہے
ہر چیز کا ملجا ہے ہر چیز کا ماوا ہے

ہے کونسی شے ایسی جس میں وہ نہیں مخفی
جو کچھ کہ نظر میں ہے اس کا ہی نظارا ہے

کچھ اس کی حقیقت پر بھی تو نے ہے نظر ڈالی
بازی گہ دنیا میں کیوں محو تماشا ہے

دنیا سے نہ ما فیہا سے ہم کو ہے غرض زاہد
محفل ہے یہ رندوں کی یا قلقل مینا ہے

ہے عشق کی نظروں میں بیشک وہی فرزانہ
دنیا سے محبت میں کہلائے جو دیوانہ

ہوں رند خرابا تی مشرب مرا رندانہ
بتخانہ ہو یا کعبہ ہر اک مرا میخانہ

وہ ایک ہی مالک ہے ان دونوں مکانوں کا
کعبہ بھی اسی کا ہے جس کا ہے صنم خانہ

کچھ لطف اٹھا زاہد رندی کا مزا بھی چکھ
اک ہاتھ میں ہو سبحہ اک ہاتھ میں پیمانہ

دونوں کی کشش سے میں ساکت ہوں جہاں پر ہوں
رخ ہے طرف کعبہ دل جانب بتخانہ

عشاق ہیں مناسب ہے لو چل کے سبق اس سے
تم سے کہیں بہتر ہے دل سوختہ پروانہ

پایا ہے لقب اچھا واللہ مبارک ہو
کہتے ہیں ندیمؔ اب تو سب آپ کو دیوانہ

ہوئے ہم صید جب سے حیف پائے جستجو ٹوٹا
گرہ کلفت کی دل میں ہے تو دستِ چارہ جو ٹوٹا

نکل جاتے سنا پانی جو ہوتا ہے سبو ٹوٹا
گلستاں دو قدم پر ہے قفس ہے چارسو ٹوٹا

مزا تھا اے پر پرواز گر ہوتا نہ تو ٹوٹا

ہم نے مانا کہ نہیں آج قفس کا در باز
ہمصفیروں نے تو سن لی ہے ہماری آواز

ہوگا انجام بخیر اپنا بلسانِ آغاز
بلبلو کس کو دکھاتی ہو عروجِ پرواز

ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی

ہمارا سر ہے فقط اُس کی آستان کے لئے
نہ کبر و نخوت و پندار و عز و شان کے لئے

مجاز میں ہیں پڑے چھوڑ کر حقیقت کو
کہاں پہنچ گئے نکلے تھے ہم کہاں کے لئے

کبھی تو کشتۂ الفت کی دل وہی کر دو
یہ منتظر ہے فقط ایک لفظ "ہاں" کے لئے

سحر کے نالے مرے بے سبب نہیں ناصح
جرس کی طرح میں ہوں خفتہ کارواں کے لئے

یہ گوشِ گل میں صدا عندلیب کی پہنچی
گری جو برق تو میرے ہی آشیاں کے لئے

نتیجہ خیز ہوا چاک دامنِ یوسف
زلیخا داغ بنی اپنے خانماں کے لئے

ہمارے رنج و محن کی ہے داستان طویل
کچھ اس جہان کے لئے ہے کچھ اُس جہاں کے لئے

نبھا شنک سمبا سے چند قطعات

بولی رنبھا واہ کیسا لطف ہے صحرا میں آج
سر پہ رکھے ہیں جوانانِ چمن پھولوں کا تاج

کیا مہکتا ہے یہ صحرا ہے کلیلوں پر ہر ایک
مرغ شاخِ گل پہ اور دریا میں بطا اور ہنس راج

کیا مزے کی ہے ہوا دل کو لبھاتا ہے سماں
سبزہ ہے نیچے سے اوپر تک زمین و آسمان

چہچہے کرتے ہیں بلبل اور پپیہے کوکتے
ہو بغل میں ایسی حالت میں کوئی آرام جان

بولے شنک رنبھا ذرا دیکھو تو صحرا کی طرف
کیسے بیٹھے ہیں ریاضت کیش ہر سو صف بہ صف

کوہ و صحرا میں ہر اک مصروف یادِ حق میں ہے
کھاتے ہیں جب بھوک لگتی ہے فقط برگ و علف

کوئی ہے مصروف یادِ حق میں چپ بیٹھا ہوا　　پاک اشلوکوں کی ہے کوئی تلاوت کر رہا
جس کے سننے سے گنہگاروں کے جلتے ہیں گناہ　　اور کھل جاتی ہے بالکل حالت ہر دوسرا

تیرتھوں پر ہیں برہمن بید خوانی کر رہے　　اور سمجھا کر ہیں اظہارِ معانی کر رہے
شیو کے درشن ہوتے ہیں کھلتا ہے رازِ عنصری　　واہ وا کیسا ہیں وا رازِ نہانی کر رہے

ہندی نظم ملاحظہ ہو

کسی اُستاد کا شعر ہے:-

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ ثمر نہ سایہ دارم　　ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:-

نا پاتی نا پھول پھل نا چھایا چھتنار　　نا جانوں کیہے ہیتو موہیں اُپجایو کرتار

دوسرا شعر ہے:-

پرتوِ حسنت نگنجد در زمین و آسماں　　در حریمِ سینہ حیرانم کہ چوں جا کردۂ

ترجمہ ملاحظہ ہو:-

تین تلوک ماں ناہین سمانو جیوتی اکھنڈا پار تمھاری
بھگتن ہردے باس کس کیمضو لیلا اپرم پار تمھاری

واسدیو یا شارکا

پنڈت واسدیو صاحب۔ آپ کشمیر کے گاؤں تو تر میں ۱۸۸۵ بکرمی میں پیدا ہوئے تھے اور تقریباً ۵۵ سال کی عمر پا کر ۱۹۴۰ بکرمی میں انتقال کر گئے۔ آپ ایک خدا دوست اور حق رسیدہ بزرگ تھے۔ اسی وجہ سے دیگر سادھوؤں اور مہاتماؤں کی صحبت میں اپنا بیشتر وقت صرف کرتے تھے۔ پنڈت دیوہ کول صاحب دیوہ کے حالات میں کشمیر کے مشہور سوامی طوطہ کاک جی مہاراج کا ذکر آگیا ہے۔ پنڈت واسدیو کو بھی انکے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔

افسوس ہے کہ آپ کے مزید حالات باوجود تلاش دریافت نہ ہو سکے۔ صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ آپ۔ دیوان پنڈت شیوناتھ کول صاحب منتظر اور پنڈت دیوہ کول صاحب دیوہ کے ساتھ محفل سخن گرم رکھا کرتے تھے۔ حضرت منتظر پنڈت دیوہ کول صاحب کے نہایت گہرے دوست تھے اور سوامی طوطہ کاک سے بھی خاص عقیدت رکھتے تھے۔ دیوان صاحب نے پنڈت دیوہ کول کی وفات پر جو قطعہ تاریخ لکھا تھا اس کی ایک نقل ہمیں ہاتھ آئی ہے۔ اس کو یہاں ناظرین کی دلچسپی کے لئے درج کرنا غالباً بے محل نہ ہوگا۔

اگرچہ رفتنِ دیو کول جائے آلام است — ولے چہ غم کہ محبِ حبیب خود کام است
عیاں دو تن بجہاں خفتہ یک رواں بردند — بہم مدام مئے عشقِ خاص مے خوردند
چو دید طوطہ وے از درِ وہجر خود دلریش — کشیدہ بُرد بہ شفقت ببزم عشرتِ خویش
برائے سالِ وصالش رہینِ الفتِ شاں — بگفت منتظر لطف و رحیم ایں پاکاں
بروئے زیب زدنیا کشیدہ دل بے ہول — بظلِ عاطفتِ طوطہ کاک شد دیو کول

۱۹۴۹ بکرمی

کئی بزرگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ واسدیو صاحب کا کلام پرانی شاعری کا ایک اچھا نمونہ تھا۔ لیکن جس طرح آپ کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے اسی طرح آپ کا کلام بھی نہیں ملتا۔ بصد مشکل آپ کی تصنیف سے دو نظمیں اور وہ بھی پنڈت دیوہ کول کے ہاں سے دستیاب ہوئی ہیں۔ ایک سوامی طوطہ کاک جی مہاراج کی تعریف میں اور دوسری خود آنکی ہردوار کی یاترا سے واپسی پر۔ اوّل الذکر میں ناظرین شاعر کے زورِ طبع کا اندازہ فرمائیں۔

قصیدہ قوافی دار در تعریف طوطہ کاک سادھو

بادشاہا شہنشہانِ زمن — در غلامیت داد ہر دم دم
زیرِ ایوانِ قصرِ تمکینت — میرود شمۂ فلک خم خم
چون نشینی بکا مبخشی ہا — میشود دُور دَور حاتم تم
نظرت کیمیاست گر نگری — گنج باشد ز منتت خاکم کم

تا کنی جلوۂ بباغ ظہور — گل بکف رنگ و بوے شبنم نم
چون بعالم ز نیکوئی داری — صیت و آواز و شہرت و ودم
داغ ہجران منہ بہیچ ولے — گر نہی باز بخش مرہم ہم
ساقی کوثری بجام الست — تشنہ لب را نوازش زمزم
جوش گرمی شوق پا بوست — خشک تر کرد در دہا نم نم
نظرم تا ز چشم تو وحشی است — آہو آموز و از قرارم رم
گر سگ کوے خویشتن خوانیم — شیر غم را ز ہم ترا نم شم
گرہماے تو سایہ اندازد — باز گیرد ز چنگ کبکم کم
تا فداے تو گشت جان و دلم — نیست از ہیچ دود داغم غم
برمرادم اگر نہ گردد چرخ — میخورد زیر انقلابم بم
جز لب لعلت ار شکر باشد — بے سخن گفتنش شناسم سم
غیر نامت کہ ہست ورد زبان — بستہ بہتر ز اختلا فم فم
چون مرا نیست جوہر غواص — از فن گوہری ندا دم دم
لیک در بحر ژرف معنی ہا — آشناے سخن شوم کم کم
گر سحاب کرم مطیر شود — از یکے قطرہ بر کشایم یم

پاے خواہش کشم بدامن عشق
تا نباشد بسوے ہیچم چم

قصیدۂ تاریخ آمدن پنڈت طوطہ کاک صاحب سادھو از ہند بہ کشمیر

قاصدے با ناز و طناز آمد از ہندوستان — ہان کہ جان دوستان باز آمد از ہندوستان
سرو آزاد گلستان فضاے لامکان — خازن گنجینۂ راز آمد از ہندوستان
بلبل بستان معنی قمری گلزار لفظ — با نوا با برگ و با ساز آمد از ہندوستان
بینوایان نشاط عیش را در ہر مقام — دم کش و غمخوار و دمساز آمد از ہندوستان
سایۂ بال ہما او مایۂ آب بقا — کردہ سیرے باز شہباز آمد از ہندوستان
ہمدم انفاس ناسوت و بلا ہوتش قدم — محرم انجام و آغاز آمد از ہندوستان

پائے بستِ عشرتِ دلہا اساسِ نونہال — کاخِ غم را خانہ پرداز آمد از ہندوستان
بزمِ عشرت را چو جام و شورِ محفل را چو باغ — سرخوش و مست و سرانداز آمد از ہندوستان
در گلستانِ وفا و گلشنِ صدق و صفا — بلبلِ خوش لحن و آواز آمد از ہندوستان
زاہدِ معبودِ برحق شاہدِ مقصودِ خلق — غسلِ گنگا کردہ با ناز آمد از ہندوستان
غیر حرفِ حق بشست از لوحِ خاطر نقشِ غیر — بے ہوا و حرص و بے آز آمد از ہندوستان
پا بر آورد از بنارس رو سوئے کشمیر کرد — طائرِ ہمت بہ پرواز آمد از ہندوستان
چون سراپا دید گنگا شار گا آواز داد — طوطیٔ شکر سخن باز آمد از ہندوستان

مادۂ تاریخ سنہ ۱۹۲۴ بکرمی

وطن۔ پنڈت برج لال نہرو صاحب خلف پنڈت نندلال نہرو صاحب

آپ ۵ رمئی ۱۸۸۴ء کو بمقام الہ آباد پیدا ہوئے۔ تین برس بعد آپ کے والد کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا اور آپ کی پرورش و تعلیم زیرِ سایۂ عاطفت اپنے عموی محترم فخر قوم پنڈت موتی لال نہرو مرحوم ہوئی۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں الہ آباد یونیورسٹی کی بی۔ اے۔ ڈگری لیکر آپ آکسفورڈ تشریف لے گئے اور وہاں ایگزیٹر کالج میں داخل ہو کر سلسلہ تعلیم جاری رکھا۔ چنانچہ اسی کالج سے ایم۔ اے کی ڈگری ۱۹۰۵ء میں آپ نے حاصل کی اور اسکے بعد محکمہ انڈین فائنینس میں وزیر ہند نے آپ کی تقرری فرمائی۔ آپ فی الحال محکمہ ایسٹ انڈین ریلوے میں بمقام کلکتہ عہدۂ چیف آڈیٹر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی زبان فارسی کی تعلیم معمولی ہے مگر غالب اور دیگر شعرائے باکمال کے کلام کو بہ غور مطالعہ کرکے کافی استفادہ حاصل کیا ہے۔ اور چونکہ آپ نے قدرتاً طبع موزوں پائی ہے آپ اردو اشعار بہ آسانی موزوں کر لیتے ہیں۔ ہاں البتہ انگریزی نظموں سے آپ کی اعلیٰ قابلیت اور لیاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ نے تقطیع اشعار کا ایک جدید اور آسان طریقہ نکالا ہے جن حضرات کو یہ طریقہ دریافت کرنا منظور ہو وہ حضرت وطن سے خط و کتابت کرکے اُس سے ماہر ہو سکتے ہیں۔ حسب الارشاد وطن صاحب اشعار ذیل بلا ردّ و بدل درج کئے جاتے ہیں۔

اس قدر جور و جفا ختم ہے بیداد کا نام — اے خدا تیرے سوا کس سے لوں امداد کا نام
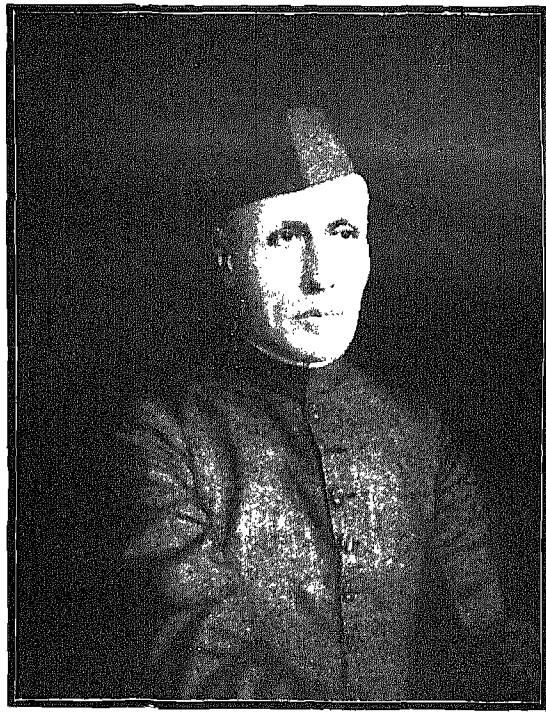
پنڈت برج لال نہرو۔ وطن

درد سینہ سے نکلنے کو کرے ہے اصرار — عقل کہتی ہے نہ لو غیر سے فریاد کا نام
مثل پتھر تہ بنیاد میں دبنا منظور — میرے دبنے سے ابھر آئے گراولاد کا نام

باقی ہے اب بھی نام اگر عز و شاں نہیں — رہتا ہوں اک محل میں اگر پاسباں نہین
تھرّائے جس سے روح۔ وہ گرمی کلام کی — اب بھی نہاں ہے۔ گو مرے مُنہ مین زباں نہین
اہل سخن کی بزم سے مین کیون کرون گریز — کیا محفلون مین میری زبان دُر فشاں نہیں
شیخی بہت سُنی تری۔ کچھ کام بھی دکھا — منظور اب مجھے یہ چنین و چناں نہین
دیکھو اثر یہ آہ کا جس نے کیا ذلیل — اب وہ زمیں نہین رہی وہ آسماں نہین

قومیں ہوئیں سب ایک پھر بینگے وطن کے دن
اب امتیاز برہمن و مسلمان نہیں

ہے مجھے جستجو وہی۔ راہ مجھے دکھلائے کون — حق کی مجھے تلاش ہے۔ نام خدا بتائے کون
خلق سے ساری روٹھ کر آنکھوں کو آنسوؤں سے بھر — گوشہ نشیں ہیں ماڈریٹ انکو مگر منائے کون
ووٹ کی جب تلاش میں۔ گھر سے نکل کے عورتیں — شامل کانگریس ہوئیں۔ بچوں کو پھر کھلائے کون

سیمیں رسوں کے پھیر میں اے شیخ ہوشمند — مٹی میں آبرو کو نہ اپنی لتھیڑ تُو
وہ دن گئے اور آیا زمانہ سُوراج کا — ڈر سے کسی کے پاؤں نہ ہرگز سکیڑ تُو
خوں ہے رواں رگوں میں ہے بیداری کا سماں — اب سوتے والے فتنوں کو دے ایک ایڑ تُو

لڑتے ناحق تھے بہم ہند کے بچے پیارے — کج خیالی نے بہت روز ستایا ہم کو
ایک مدت سے تھے غفلت کے نشہ میں دونوں — غیر نے بات میں بے پر کی اڑایا ہم کو
نیند کے غلبہ میں مُردوں کی طرح سوتے تھے — صور کی جگہ پہ گولے نے جگایا ہم کو
ان شہیدوں نے جو عالم سے مٹے ہستی کے — بیش قیمت ہے سبق یہ۔ جو پڑھایا ہم کو
ہے دُھلد وح پہ اُن کی ہو خدا کی رحمت — راستہ فتح کا کیا خوب بتایا ہم کو
آج وہ دن ہے کہ ہندو نے بھری مسجد میں — فرض بھائی پہ برادر کا سمجھایا ہم کو
سیّد احمد کا وہ کہنا کہ یہ دونوں آنکھیں — ایک ہی ماں کی ہین۔ پھر یاد دلایا ہم کو
پردہ آنکھوں سے اُٹھا سحرِ تعصّب ٹوٹا — باغ پُر فیض۔ یہ عالم نظر آیا ہم کو

ل کے لازم ہے کہ خدمت کریں اُسکی جس نے پالا پوسا ہمیں اور مرد بنایا ہم کو
کام ایسا نہیں کوئی کہ نہ ہو مردوں سے اہلِ دانش نے سبق ہے یہ سکھایا ہم کو
غیب سے ہمتِ عالی کی مدد ہوگی وطن
چھوڑنا وقت مصیبت نہ خدایا ہم کو

اے وائے اضطرابِ خاطر - کہ واں عتاب اور یاں عتاب نامہ کا بھی انتظار رہے

ولی - پنڈت منموہن کشن ولی صاحب - نیز صفحہ ۹۶۹ ملاحظہ ہو۔

آپ ۱۸۹۷ء میں بمقام لاہور پیدا ہوئے اور وہیں فورمین کرسچین کالج سے ۱۹۱۷ء میں بی - اے آنرز کی ڈگری آپ نے حاصل کی۔ اسکے بعد آپ انگلستان تشریف لے گئے اور بیرسٹری کا امتحان پاس کرکے ۱۹۲۳ء میں وہاں سے واپس آکر لاہور میں پریکٹس شروع کی - اب تقریباً تین سال سے آپ ریاست سکیت میں ملازم اور عہدۂ جوڈیشل سکرٹری پر ممتاز ہیں۔

نوحہ بر وفات پنڈت جیون لال کول ڈپٹی سکرٹری ریلوے بورڈ دہلی

اے جوشِ حُبِ قومی ہے امتحاں ہمارا دنیا سے اُٹھ گیا ہے اک نوجواں ہمارا
تھا ناز جس پہ ہم کو آنکھوں کا تھا جو تارا وہ قوم کا دُلارا اور دلستاں ہمارا
بجتی تھی جس کی نوبت دنیا میں وہ کہاں ہے جھنڈا گرا تھا جس کا وہ مہرباں ہمارا
اندھیر اک جہاں میں آتا نظر ہے ہم کو گل ہو گیا چراغِ کشمیریاں ہمارا
ہستیِ مبارک اُس کی تھی قومی انجمن میں ہے ایسی ہستیوں سے قائم نشاں ہمارا
اِس آن میں بُلایا خلّاقِ دو جہاں نے مبہوت غم ہوا ہے پیر و جواں ہمارا
گذرا وہ جسکا ناقد - تھا حکم ریلوے میں آہوں سے اُڑ گیا دل بن کر دھواں ہمارا
اس عمر بیوفا کی پینتیس (۳۵) تھی منزل قزاقِ مرگ! لوٹا کیوں کارواں ہمارا
بھائی فضائے جنت اُس گل کو فصلِ گل میں منت پذیر ہوگا باغِ جناں ہمارا
سولہ (۱۶) تھی فروری کی اُنیس سو اُنتیس (۱۹۲۹)
خلد آشیاں ہوا جب فخرِ جہاں ہمارا

ہاکسر - پنڈت چاند نرائن ہاکسر صاحب خلف پنڈت گووند نرائن ہاکسر صاحب تلمیذ حضرت رہبر جالندھری

آپ کے جدّ امجد پنڈت کنہیالال ہاکسر المتخلص بہ مضطر تھے۔ مارچ ۱۹۳۲ء میں بہ سرپرستی بزم ادب مادھو کالج اجین ایک مشاعرہ منعقد ہوا تھا اُس مشاعرہ میں بہ حیثیت طالب علم ہاکسر صاحب کی غزل مقبول قدر دانانِ سخن ہوئی اور آپکو ایک چاندی کا تمغہ عطا ہوا تھا۔ وہ غزل ذیل میں درج ہے۔

کس جگہ بھول گیا کس کو دیا۔ یاد نہیں
آج پہلو میں ہمارے دلِ ناشاد نہیں

جب سے دل اُس بتِ کافر سے لگا یا ہمنے
ایسے بھولے کہ رہا نام خدا یاد نہیں

اب جو اُٹھے مرے سینہ سے دھواں ہی اُٹھے
تاب اُٹھنے کی تو مجھ میں ستم ایجاد نہیں

صرف دو چار قدم کا ہے تفاوت ورنہ
کالے کوسوں تو یہاں سے عدم آباد نہیں

جانے کیا خواب میں دیکھا ہے خدا خیر کرے
آج قابو میں ہمارا دلِ ناشاد نہیں

تھا یہ ارمان کہ شبِ وصل کریں گے شکوے
جب وہ آئے تو رہا ظلم و ستم یاد نہیں

بعد مردن بھی رہیں گے مرے ذرّے قائم
مٹنے والی مری تعمیر کی بنیاد نہیں

یا وہ حالت کہ نظر میں تھی ہر اک منزلِ دوست
یا یہ عالم کہ رہا گھر بھی مجھے یاد نہیں

مجھکو رونا ہے تو یہ ہے۔ کہ مری قسمت سے
وہ بھی کہتے ہیں کہ تو قابلِ بیداد نہیں
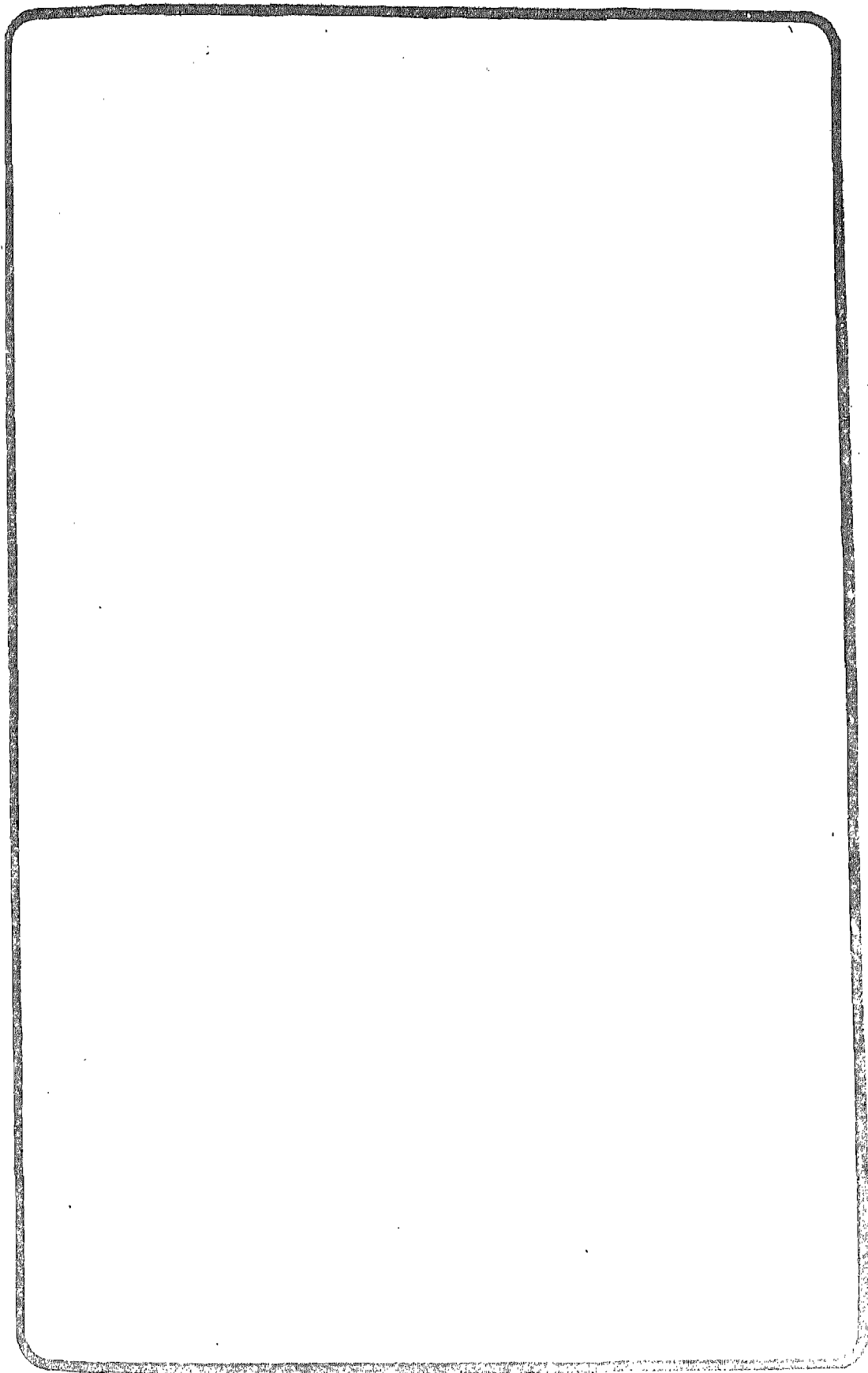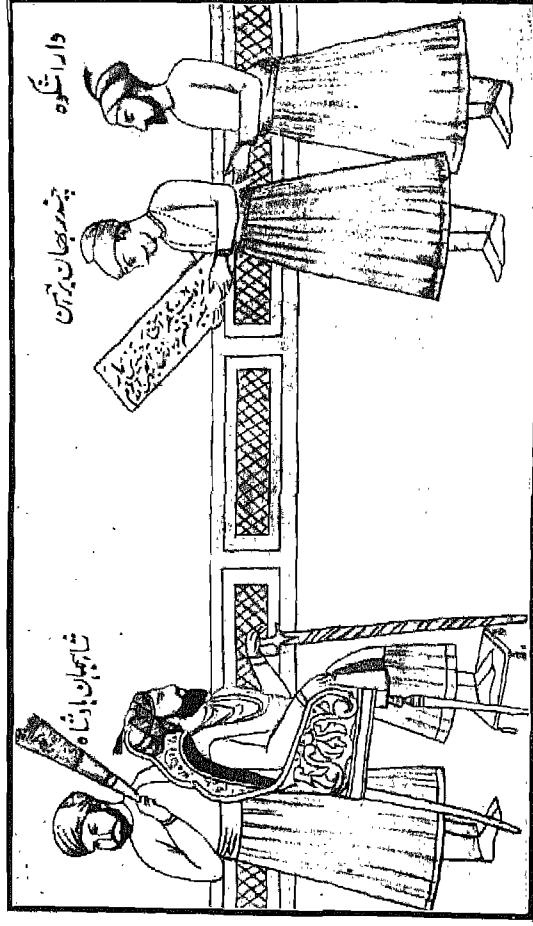
داراشکوہ نے چندربھان برہمن کو شاہجہاں کے حضور میں
پیش کیا ہے

پنڈت دھرم چند کول۔جلالی

پنڈت بشمبر ناتھ سپرو۔ صابرؔ

پنڈت کشن لال اٹل - اٹل

بقیہ ضمیمہ جلد اوّل

اٹل ۔ پنڈت کشن لال اٹل صاحب خلف پنڈت موتی لال صاحب

آپ کی جائے ولادت دہلی ہے آپ نے جنوری ۱۹۲۱ء میں تقریباً ۸۴ سال کی عمر پاکر بمقام لکھنؤ رحلت کی ۱۸۸۱ء تک آپ مہاراجہ رام سنگھ جی صاحب والی جے پور کے دربار میں رہے اور اُس کے بعد کچھ عرصہ تک آپ نے مہاراجہ جسونت سنگھ جی صاحب والی جودھپور کی ملازمت کی۔

قصیدہ

شہنشاہِ اڈورڈ ہفتم بلا ۔۔۔ بمانا و محفوظ از ہر بلا
نہالِ گلستان ولیم دی فورتھ ۔۔۔ پرنس البرٹ ابنِ وکٹوریا
گرفت از سرِ تاج شاہنشہی ۔۔۔ سرت زینت و کردم اینک دُعا
بعیش و طرب زی بسے سالہاں ۔۔۔ کند مملکت روز افزوں خدا
رفیقت بماند ہمہ عمرِ تو ۔۔۔ شہنشاہ بانو الکزنڈرا
ہمہ خورّم و شاد یارانِ تو ۔۔۔ یکے دشمنت صد بلا در قفا
ترا خدمتے قبل ازیں کردہ ام ۔۔۔ بہ دربار جے پور بشنو شہا
بیاد آرمت شادمانیِ تو ۔۔۔ چو زیرِ گلو نشترنگ زد صدا
مبادا کہ گوشت گرانی کند ۔۔۔ زبس مختصر ساختم مدّعا
پئے سال ایں جشنِ عالم فروز ۔۔۔ بہ بینی بہ گوشم چہ آمد صدا
سہ پنجاہ و شش صد زہمت بہ ثلث ۔۔۔ سنِ عیسوی گشت تحنت بقا

۱۹۵۹ بکرمی ۔۔۔ ۱۹۰۳ء

قصیدہ در مدح شاہنشاہ ہند

نام لینے کو ترا دھوتا ہوں پہلے بھگوان — کیوڑہ و مشک سے سو بار زبان اور دہن
جارج پنجم تجھے آنند رکھے نارائن — آمین از ہر بشر و ہست دعا ایں از من
کوئی ہم پلّہ نہیں آج ترا دنیا میں — نہ تو فغفور نہ قیصر نہ تو زار رشئین
دولت و عظمت و شوکت جو تجھے ہے حاصل — پہونچے اس تک نہ بھرت اور نہ رام اور راون
آب و خاک آتش و باد ہیں ترے سب حکم میں دیکھ — احسن اللّٰہ کما احسن قد لا تمنن
چاند سورج سی بتو نم تری میری بالو — جب تلک ہیں مہ و خورشید فلک پر روشن
تیر امدّاح ہوں اور باپ کا بھی تیرے تھا — کیا ہوا پہنچا نہ خدمت میں اگر میں لندن
سارے اسرار ہیں قدرت کے مری پیش نظر — گھولا آنکھوں میں گروتے ہے کچھ ایسا انجن
بیٹھا خاموش تھا مدّت سے مگر وقت آیا — کہے دیتا ہوں میں حضرت کو مگر مختصراً
شادی ہے تخت نشینی کی تری عالم میں — پورب اور پچھم اور ایشاں اور اُتّر دکّھن
عیش و عشرت کا سرانجام ہے ہر چار طرف — چوک بازار محلّہ گلی کوچہ مسکن
تجھکو رعیّت تری دیتی ہے دعائیں لاکھوں — چین سکھ راج میں تیرے ہے یہ اےشاہ زمن
عقل تیری وہ جہانگیر کہ کیا نورجہاں — زور اکبر وہ کہ روباہ سے کم شیر افگن
مملکت کے ترے وزرا ہیں ارسطو اک اک — ایسکوتھ ۔ لارڈ کریو ۔ چرچل اور چمبرلین
ہارڈنگ ۔ بالفور اور مارلے منٹو لایڈ — مشفق ہند و ڈربن اور ہیوم اور کاٹن
نورتن جس کے ہوں مشہور ترے لاکھ رتن — ظرف سب عقل کے اور علم کے جامہ برتن
جو مقدر میں لکھا تھا مرے وہ پیش آیا — جو خداوند کو منظور وہ ہے مستحسن
چھوڑ بیٹھا ہوں میں سب میرا خدا رازق ہے — کچھ نہ چھوڑا ہے ابھی تک تو تمھارا دامن
لے کے آیا ہوں یہ نذرانہ حضورِ اقدس — تخت کے نیچے میں رکھتا ہوں جھکا کر گردن
تاج اور تخت کو تیرے ہو قیام اور قرار — جب تلک ہند میں بہتی ہیں یہ گنگ اور جمن
خرّم و شاد رہیں تیرے ہیں جتنے احباب — رہیں معذول و مرتد ترے سارے دشمن

خادماں در درگاہ میں معروض اپنا
صنعتِ قلب میں ہے نام اٹل لال کشن

رباعیات

آہن کی حفاظت جو کرے کوئی عبث
شیشہ کی حمایت جو کرے کوئی عبث
جو دوست نے لکھ دیا مقدر وہ صحیح
دشمن کی شکایت جو کرے کوئی عبث

ولہ

مرنا جو ضرور ہے تو کل اور کیا آج
کرنا منظور رہے تو پھر کل کیا آج
آفت جو کسی پر ہے مدد اُس کی کر
تیرا مقدور ہے تو پھر کل کیا آج

ولہ

اچھا ہے جو سرو کی طرح ہو آزاد
اچھا ہے نہ پھل نہ پھول ہو جیون شمشاد
گر کچھ ہے بُرا۔ تو ہے وہ۔ سروسامانی
جب کچھ بھی نہ ہو تو کیوں ہو ناشاد

ولہ

الٰہی میں ہوں بندۂ شرمسار
ترے عفو کا دل سے ہوں خواستگار
بچا اپنی رحمت سے میرے خدا
میں بخشش کا ہوں تیری اُمیدوار

ولہ

جستجو میں رہے سب صاحب راز
تیری قدرت کا نہ پایا انداز
بات اُلجھن کی ہے مت پوچھ اٹل
شب ہے کوتاہ کہانی ہے دراز

ولہ

شعبدہ باز ہے چرخِ بدکیش
دیتے کچھ دیر نہیں نوش نہ نیش
چاہے اک دم میں کرے شاہنشاہ
چاہے لحظہ میں بنادے درویش

ولہ

اپنا معبود سے رکھنا اخلاص
نکتہ بتلا دیا یہ خاص الخاص
بات تہ کی تمھیں کہدی ہے اٹل
پائیں گے موتی جو ہونگے غواص

ولہ

مَیں ہوں کوتاہ زباں تو ہے سمیع	پست ہوں میں تری درگاہ رفیع
میرا ایمان سوا تیرے - نہیں	تیری رحمت کو میں لایا ہوں شفیع

ولہ

الفت جو کھینچ لائی اِدھر اُن کو اے فلک
پہنچے گی میرے گھر کی زمیں آسمان تلک
دونوں یہ ماہ و خور نظر آویں گے خال دو
دکھلا دی میرے یار نے رخ کی اگر جھلک

ولہ

مجھسے راضی بھی کسی طور سے ہو	میری جانب سے کوئی اُس سے کہو
جان تک دینے کو میں ہوں حاضر	میری اک بات ہے گر وہ کہدو

ولہ

تُو خدا۔ہم ہیں خدائی تیری	نہیں منظور جدائی تیری
بن نہ منصور۔خبر دار اٹل	کہیں شامت نہ ہو آئی تیری

آخون - پنڈت ٹیکا رام جیو آخون

آپ سری نگر کشمیر میں ۱۸۳۰ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی میں اعلٰی تعلیم پانے کے بعد آپ نے ایک مکتب جاری کیا اور اس میں عوام کی خاطر درس و تدریس کا انتظام کر دیا۔ عمر بھر یہی ذریعہ معاش رہا۔ بہت سے اہل وطن آپ کی تعلیم سے مستفید ہوئے۔ آپ درحقیقت ایک اعلی پایہ کے اُستاد تھے۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ آپ کے کلام میں سے

صرف ایک تصنیف "کبک نامہ" دستیاب ہوئی ہے۔ آپ ۱۹۲۰ بکرمی میں تقریباً ۹۰ سال کی عمر پاکر اس عالم فانی سے کوچ کر گئے۔ پنڈت لسّہ کول صاحب المتخلص بہ بہار (جنکے حالات و کلام جلد اوّل میں درج کئے گئے ہیں) آپ کے قابل فخر فرزند تھے۔

کبک نامہ

چو کبک صبح نورانی بصد ناز	زکوہ چرخ کردہ خندہ آغاز
سیاہی بلبل آسا پرزد از باغ	حواصل سر کشید از بیضۂ زاغ
برون زد طوطی گردون بیتاب	زخورشید و شفق نورے و سرخاب
چہ نورے شاہباز پرتو انداز	زد از خط شعاعی بال پرواز
شد از روشن دلی سردار ہشیار	چو چشم بخت خود از خواب بیدار
بہر سو باز کرد آن چشم پرتاب	زمژگان نیشتر زد بر رگ خواب
دہن چون غنچہ وا کرد از تبسّم	زبان چون بلبل آمد در تکلّم
سمن بویان چو سرو استادہ گشتند	ہمہ ثابت قدم چون جادہ گشتند
بخدمت یک بیک از رائے صائب	زوندا حوال ہر مغلوب و غالب
یکے گفتا شبانگہ شمع سرکش	فگندہ بر سر پروانہ آتش
زتیغ شعلہ اش بے بال و پر ساخت	دماغش تیرہ از دود جگر ساخت
گواہی میدہد فانوس اینک	کہ خاکستر نشینش کرد بے شک
چہ گویم تا چہا از بے گناہی	بران بے خانمان کردہ سیاہی
اگر چہ بود سردار ہنر در	بہر مظلوم و ظالم رحمت آور
برائے غیرت ہر آتشین خو	زجوش این سخن زد چین برابرو

---

۱ در بیان صبح۔ ۲ روز۔ ۳ کنایہ از آفتاب است۔ ۴ سردار عبداللہ خان۔ ۵ غلامان۔ ۶ ظالم و مظلوم۔ ۷ سیاہی کردن کنایہ رز ظاہر شدن۔ ۸ ظالم۔

ندا زد از غضب بر کشتن شمع   زوند از خنجرِ کین گردنِ شمع
گسستہ رشتۂ جانش بیکدم   چو تارِ آہِ مشتاقان در ہم
بخون تر شدُ زبانِ شمعِ قاتل   زہے رحمت زہے سردارِ عادل
غرض نہ کشود لب در خندۂ تر   لباسِ تازہ چون گل کرد در بر
ز عکسِ خلعتِ زرّینِ برّاق   عیان شد پرتوِ عشرت در آفاق
کمر بندِ مرصّع بست و برجست   چو خورشید آمد و در بزم بنشست
چو جان بنشست بر مسند بہ تمکین   بہ گردش چون عناصر چار بالین
چو گلشن داد آب و رنگِ مجلس   کشادہ چشم ہر جانب چو نرگس
تعالی اللہ چہ بزمِ راحت اسباب   کہ مخمل از بساطش بود در خواب
بساط جانفزا و دلبری بود   نگر از خوش قماشیہا پری بود
دلیران صف زدند از تیک قالی   سرِ مسند برنگِ شیرِ قالی
شدہ از زرکش قباہائے خوانین[1]   ہوا چون برگِ گل از عکس رنگین
بہر سو جلوہ گر دیبائے چین بود   تو گفتی چرخِ اطلس بر زمین بود
ستادہ خیلِ زنگی با غلامان   بباغِ ارغوان گل کرد ریحان[2]
در آمد ناظرِ فرخندہ منظر   بدستش ہمچو نرگس کاسۂ زر
بدنبالش ہمہ خوانہائے زرّین   بدوشِ حاملان مطبوخِ شیرین
ز شربت در طبقہائے بلورین   گلِ حلوا شگفت از برگِ نسرین
غلط گفتم کہ در بستانِ خرّم   ز برگِ نسترن گل کرد شبنم
شد از لذّات نعمت آشکارا   برار بابِ تناول منّ و سلوا
ز شربت ہائے شیرین بسکہ تر بود   زبان در کام برگِ نیشکر بود
ز لذّت شکّرین کام و دہن شد   بہ نکہت شامہ ہمچشمِ ختن شد
چنان دست و دہن شد محوِ لذّات   کہ ناظر گشت منظورِ عنایات

۱؎ جمع خان۔ ۲؎ گل کردن۔ ظاہر کردن۔

پس آنگه در سرِ سردارِ ذی شان — سرے برزد ہوائے صیدِ مرغان
نشست از خسروی بر پشت شبدیز — بہ غیرت از رکابش چشم پرویز
چو پایش بر رکاب افگند پرتو — عنانِ صبر داد از کف مہِ نو
بہ سختی کرد ازبس خاک را گم — عیان میگشت ماہی از مہِ سُم
نمودے در بیابان از تگاپو — رکابش در نظرہا چشمِ آہو
بوصفِ نعلِ او عاجز ہلالی — زبانم تر شد اینک از زلالی[1]
زجستن جستنِ او سایہ در دشت — چو زاغ آشیان گم کردہ میگشت
زنعلش گرم جو شیدن شرارہ — تو گفتی کز ہلال آمد ستارہ
دُمش را مو بمو رنگِ حنا بود — بسانِ شعرِ رنگین خوشنما بود
عیان شد وقتِ جستن در بیابان — دُمِ او چون نگارِ مو پریشان
بہ شوخی ہمقدم چندان کہ گوئی — در آتش نعلِ او از گرم خوئی
زسُمّش خاک را عنبر بہ دامن — زیالش نافہ را منّت بہ گردن
بجز یالش کہ بوے مشک میداد — کہ دیدہ سنبلستان بر سرِ باد
سُمش را از حنا انوارِ مہ بود — شفق گون گشتہ ماہِ چاردہ بود
زبس کآن آب[2] گردش بود بیتاب — دُمِ او گاہِ جستن موجِ سیماب
بنامیزد عجب رخشِ فلک قدر — کہ در پایش ہلال و بر سرش بدر
برو سردار با صد عزّت و شان — چو بر تختِ روان[3] باشد سلیمان
برآن زینِ مرصّع با ہمہ جاہ — چو بیضا جلوہ گر در خانۂ ماہ[4]
بدنبالش روان گردانِ لشکر — ستادہ چون الف ہر یک برا شقر
نمایان آبِ خنجر از میان ہا — چو ماہی کو بچشم آید ز دریا
دلیران جلہ بر اسپانِ تازی — چو تُرکِ آسمان در ترکتازی

---

۱ نام شاعر۔ ۲ چہ شبرنگ اصلاحِ محسن کاشغکاری۔ ۳ تختِ روان اسپ را گویند۔ ۴ برج سرطان۔

بگرمی ہر سوارے بود بر زین	بہ پہلو شعلۂ سرکش تبر زین
زجوشِ سطوتِ غوغائے لشکر	نمود آن بادیہ صحرائے محشر
غرض در کوہ بعد از قطع ہامون	گذر کردند چون فرہاد و مجنون
خدیوِ محتشم فرماندہِ خاص	خرامان زیرِ رانش کبک رقّاص
سمندش غیرتِ بالِ پری بود	غلط گفتم غلط کبکِ دری بود
بگفتا ہر یکے در صیدِ کبکان	شود چون شہپرِ سیمرغ پرّان
زیکسو خیلِ افغانِ جفاکار	تو گفتی نالۂ پیچد بہ کہسار
زیکسو ہندیانِ لب پُر از شور	عیان گشت از سلیمان لشکرِ مور
زتیغ کوہ صیّادانِ سیّاف	چو سیمرغ آشکار از قلعۂ کاف
طپیدن کرد سر از جوشِ بسیار	رگِ کہسار ہمچون نبضِ بیمار
گریزان سو بسو کبکان پیاپے	زبیمِ محتسب ہمچون بطِ مے
زلشکر در کشاکش آنچنان بود	کہ کبک اندر نظر زاغِ کمان بود
ہمہ زان کوہ از وحشت گریزان	تو گفتی پر زند مرغِ سلیمان
زافغان ہر طرف کبکانِ دل تنگ	شرر آسا بدر جستند از سنگ
دلے ہر کبک زان ترکانِ صیّاد	چو جست از آشیان در دام افتاد
ہمہ گرمِ طپش در دام پیچان	بسانِ مرغِ دل در زلفِ خوبان
فشاندند اشکِ سُرخ از دیدۂ تر	زکبک آمد برون خونِ کبوتر
زتارِ آہِ کبکانِ دل افگار	سلیمانی صفت بستند زنّار
چنان خونین شد از کبکانِ بیتاب	کہ شد تختِ سلیمان کوہِ سرخاب
زجوشِ غم دلِ کبکان مایوس	سراپا داغ شد چون بالِ طاؤس
ہمہ بر تیرہ روزے قہقہہ زن	چو قمری طوقِ استغفا بگردن
زبیمِ خنجرِ گردان خونخوار	دلِ کبکان دو نیم آمد چو منقار

۱؎ سنگ سلیمان۔

مقید شد ازان فوجِ رسن ساز   ہزاران در قفس صد ہا رسن باز
نمودے در قفس ہر مرغِ غمناک   دلِ عاشق درونِ سینۂ چاک
نمایان در رسن کبکانِ دل خون   چو لختِ دل بتارِ آہِ مجنون
زبس کز دستبردِ فوجِ سیار   نشانِ کبک شد عنقا بہ کہسار
گذر کردند در میدان ز کہسار   بلند و پستِ گیتی شد نمودار
قضا را جمعے از کرگس دران حال   چو نسرین از بلندی فارغ البال
ہمہ اندر ہوا گرمِ پریدن   چو چشمِ بلبلان از شوقِ گلشن
چو این کبکانِ چنبر بستہ دیدند   زبانِ طعنہ بر ایشان کشیدند
کہ ہان اے کوہیانِ سست بازو   ہمہ بے پر چو شاہینِ ترازو
ازین لشکر چرا اندیشہ دارید   طپیدن چیست یکسر پر بر آرید
زبالِ خود شمارا ذوالفقار است   چہ باک اے بیدلان زین گیر و دار است
شنیدستم کہ یک کبکِ سخن ساز   بر ایشان زہرہ خندے کرد آغاز
کہ بر عمرِ درازِ خود منازید   ز حدِ خویش بالا تر منازید
بپردازید دل زین لافِ ہذیان   کہ اینجا کرگس و کبک است یکسان
رسانید این خبر را عقلِ ہشیار   چو مرغِ نامہ بر در گوشِ سردار
ندا بر زد کہ بازِ تیرِ پرواز   کشاید پر چو تیرِ ناوک انداز
شدند استادہ یکسر باز داران   بجوش اندر چو سیلِ کوہساران
رہا کردند بازان را چو شاہین   بصیدِ کرگسانِ خویشتن بین
پریدند آنقدر بازانِ صیاد   کہ نسرین از فلک آمد بفریاد
بصیدِ کرگسان گشتند طیار   ہمہ تیغِ دو دم در کف ز منقار
بچشمِ کرگسان از جوشِ سودا   جہان تاریک شد چون مرغِ عیسیٰ
زبس خوردند زخمِ تیغِ شہپر   شدند آشفتہ چون کنجشک لاغر
فتادہ ہر یکے با چشمِ خونریز   بگردن شمش پری از شہپرِ تیز

شمش پرتے از سلاح است۔

بزورِ بختِ سردارِ فسوں ساز مبدّل شد بکرگس عمرِ شہباز
شدند اندر کشاکش بسکہ مذبوح پرید آن کرگسان را طائرِ روح
درِ انعام از سردارِ ذیشان بیکدم باز شد بر بازداران
زسیم و زرعطا شد بخشِ ہرکس توگفتی بیضۂ بنہاد کرگس
پس از انعام شد سرگرمِ رفتن بیادِ شاہ باز آمد نشیمن
فرود آمد ز بادِ کوہِ تمکین بخانہ نقل کرد از خانۂ زین
چنین باشد رہِ شاہانِ عادل کہ برگردند خوش منزل بہ منزل

آغا - پنڈت نرنجن ناتھ آغا صاحب

آپ کا ذکر جلد اوّل میں کیا گیا ہے مگر آپ کی غزل کے نقل کرنے میں کاتب سے سخت غلطی ہوئی ہے۔ حضرت آغا نے اپنے مزید حالات زندگی مع چند غزلیات کے ارسال فرمائے ہیں جو شکریہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔ آپ کی صحیح تاریخ پیدائش ۱۴/ دسمبر ۱۸۶۷ء اور مقام ولادت مراد آباد ہے۔ سرکاری ملازمت کے زمانہ میں آپ مراد آباد۔ شاہجہاں پور۔ بدایوں۔ پیلی بھیت۔ بجنور۔ گورکھپور۔ اُناؤ۔ بستی اور متھرا میں رہے۔ اور آخر ۱۹۲۲ء میں بعد ختم ملازمت سی سالہ مظفر نگر سے مستفید پنشن ہوئے۔ ۱۸۹۶-۹۷ء میں آپ کو خوشنودی مزاج جناب لفٹننٹ گورنر کا سارٹیفکٹ ملا۔ اور ۲۔ نومبر ۱۹۰۸ء کے پبلک دربار بریلی میں جناب لفٹنٹ گورنر بہادر نے آپ کی خدماتِ پلیگ کی تعریف اپنی اسپیچ میں فرمائی اور سارٹیفکٹ عطا کیا۔ ۱۹۱۰ء کی نمائش الہ آباد میں جواہرات کے محکمہ میں آپ کی تعیناتی خاص طور پر کی گئی اور آپ کی حسن خدمات کے صلہ میں آپ کو سارٹیفکٹ دیا گیا۔ خدمات زمانۂ جنگ کے صلہ میں بھی آپ کو سارٹیفکٹ ملا ہے۔ آپ کے دادا پنڈت آفتاب رائے صاحب آغا ۱۸۵۴ء

نوٹ: عمرِ شاہباز یکسالہ است و عمر کرگس سہ صد و چند سال است۔
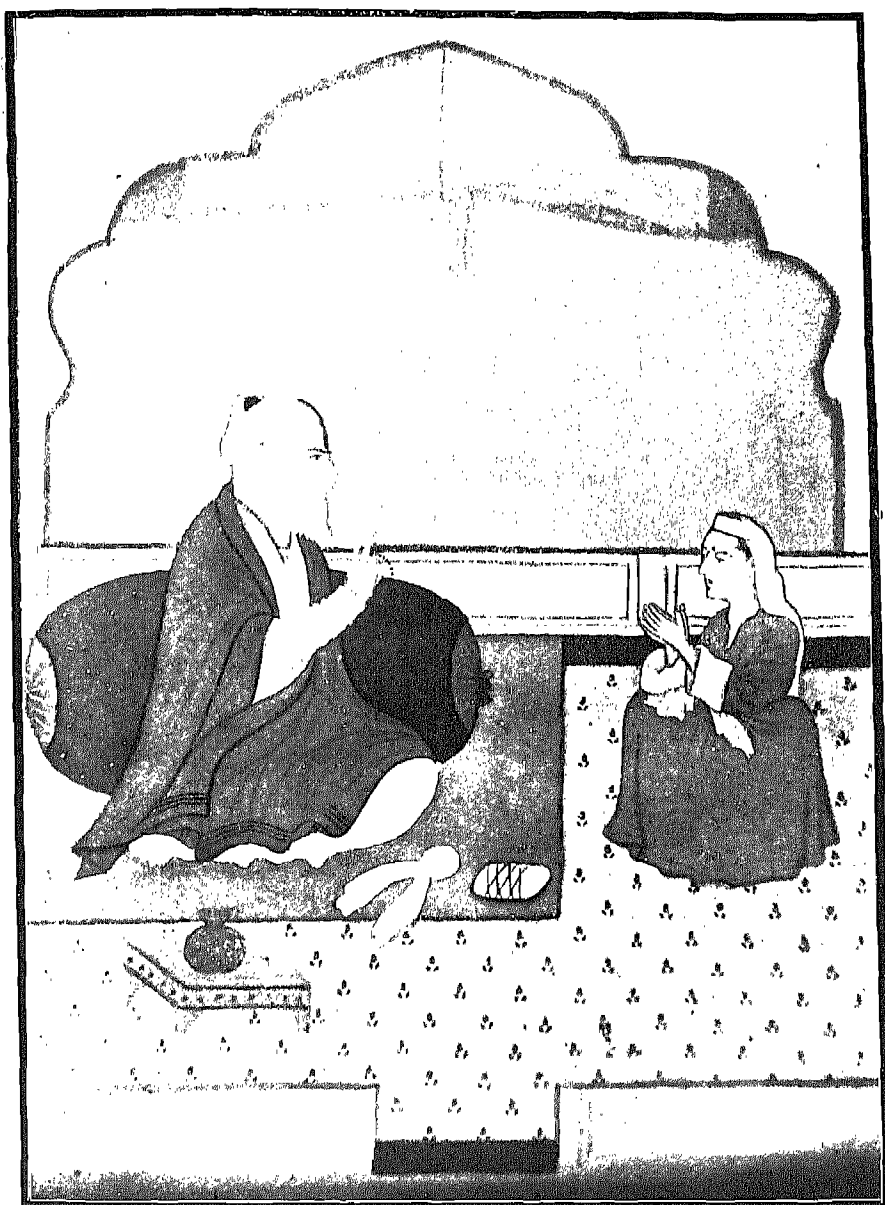
شریمتی روپ بھوانی-الک دختر پنڈت مادھوجو در

میں مستفید پنشن ہوئے تھے۔ لیکن ایام غدر ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ نے اُن کو خیر خواہ سمجھکر
پھر سلسلۂ ملازمت میں لیا اور غدر کی خیر خواہی میں ان کے پسر پنڈت دینا ناتھ آغا کو
تحصیلدار مقرر کیا اور تحصیل اترولی ضلع علیگڈھ میں جاگیر عطا کی جو ابتک موجود ہے
چند ریاست ہائے بندیلکھنڈ نے پنڈت نرنجن ناتھ صاحب کی خدمات سے مستفید ہونا
چاہا تھا مگر پنڈت صاحب نے ریاستوں کی ملازمت کو پسند نہیں کیا۔

وہ ہے بتکدے میں وہی ہے حرم میں ہے دونوں گھروں میں ٹھکانا کسی کا
تمھیں یاد ہو یا نہ ہو حضرت دل ہمیں یاد ہے دل لگانا کسی کا
کوئی دل کو دیکھے نہ ترچھی نظر سے خطا کر نہ جائے نشانا کسی کا
ذرا دیکھ لے چل کے صیاد تو بھی کہ اُٹھتا ہے اب آب و دانا کسی کا
ملا خوب آرام مٹی میں مل کر فلک بن گیا شامیانا کسی کا

ولہ

ذرّے ذرّے میں ترا حسن سراپا دیکھا تیری کثرت میں بھی وحدت کا تماشا دیکھا
ڈھونڈنے والے تجھے کوہ و بیاباں میں گئے ہم نے جب دیکھا تجھے دل میں ہی بیٹھا دیکھا

ولہ

شان دنیا میں تری ہم نے نرالی دیکھی خلق جتنی تھی ترے در پہ سوالی دیکھی
اور دیکھا جنھیں۔ تھے کین و دغا کے بندے اک فقط ذات تری عیب سے خالی دیکھی

الک - روپ بوائن صاحبہ عرف روپ بھوانی الک

آپ کے حالات زندگی جلد اوّل کے صفحات ۸۶ اور ۷۵۶ میں درج ہو چکے ہیں
اس سلسلہ میں پنڈت دینا ناتھ صاحب چکن مست مقیم سرینگر کو بڑی تلاش کے بعد
ایک اور مسودہ دستیاب ہوا ہے جس میں بالہ پنڈت در (برادر الک) اور شری روپ بھوانی
دونوں کے وہ مشہور خطوط درج ہیں جن کی ایک مدت سے تلاش در پیش تھی -
جلد اوّل میں روپا بھوانی کے جو اشعار شائع ہوئے ہیں وہ نا مکمل ہیں اور اُن میں
بعض اشعار بالا پنڈت کے غلطی سے شامل ہوگئے ہیں روپ بھوانی کے اشعار تو

کسی کسی کو یاد بھی ہیں مگر بالہ پنڈت کے منظوم خط کا تو کوئی شخص نام تک نہیں لیتا۔ غالباً سب کا یہ قیاس ہے کہ وہ خط نثر میں لکھا گیا ہوگا۔ لیکن نہیں حقیقت یہ ہے کہ دونوں خط منظوم تھے۔ الک کے پدر بزرگوار اُن کے گرو بھی تھے اور یہ اپنے باپ ہی کی تلقین کا نتیجہ تھا کہ الک کو زمرۂ عارفان میں ایک خاص جگہ ملی۔ الک کی تصویر کا دستیاب ہونا قریب قریب ناممکن تھا مگر اُن کے خاندان کے لوگ سرینگر کشمیر میں موجود ہیں اور جناب ڈاکٹر پنڈت بالکشن صاحب کول رائے بہادر کی خاص سعی و توجہ سے الک اور اُن کے باپ کی تصویریں ہاتھ آئیں جو زینت بخش صفحات تذکرہ ہذا ہیں۔

مسودہ مذکور کی پیشانی پر یہ عبارت درج ہے:۔

(عرضداشت منظوم من کلام بالہ پنڈت در مرید صادق (برادر حقیقی) شری روپ بھوانی صاحبہ کہ در ہندوستان رفتہ بود از آنجا نوشتہ فرستادہ است)

عرض حالِ سرگزشتم بشنوید — لاعلاجم چارہ سازِ من شوید
بودم از غفلت در ایامِ شباب — روز و شب مشغولِ ذکرِ خورد و خواب
ہم ز پائے کار غافل ہم ز سر — بودم از اصلِ خبر۔ پُر بے خبر
مدتے بودم ز الطافِ کمال — بہرہ مند از دولتِ قربِ وصال
قدر آن دولت بسے نشناختم — خود بدو راستی کج باختم

. . . . . .

وائے بر من جرمِ غفلت کردہ ام — سر بسر تقصیرِ خدمت کردہ ام
چون چنین جرمے ز من گشتہ ظہور — بر کنار اُفتادم از دریائے نور
صد بیاباں دور ماندم زان جناب — خانۂ ہجران شود یارب خراب
باز روئے از راہِ غفلت تافتم — بر درِ رحمت سُراغے یافتم
رفت در پائے دلم خارِ طلب — دم بدم شد گرم بازارِ طلب
پئے بسوئے رہ نہ بردم چند گاہ — دور ماندم زان درِ عالی پناہ
تا کہ روزے خضرِ وقتے شد دو چار — گو ز راہِ خلقتم شد دستیار
چونکہ پیمودم زرہ چندین قدم — ناگہان گشتہ کسگے سنگ رہم
آن نہ سگ ہم سنگِ گرگ و شیر بود — دہشتش از عالمے جان می ربود
سگ بہ یک لقمہ وفاداری کند — این سگ از خوردن جفاکاری کند

زین سگ درندہ یاران الحذر — الحذر اے زیرکان کردم خبر
چون سگِ بدخوے دامنگیر شُد — پس بپائے رفتنم زنجیر شُد
از کشاکشہائے آن سگ دم بدم — صد دلاسا کردہ رفتم یک قدم
قلعۂ دیدم چو رفتم چند گام — بُود در رفعت بسے عالی مقام
. . . . ؟ — تا بخلوت گاہ او پئے بُردمے
جانبِ خود ناگہان دیدم دوان — از نگہبانانِ آن دہ پہلوان
ہر یکے دیدم عیار و رہزنے — در رہِ یزدان شُدہ آہرمنے
ہر یکے در گمرہی غول شُدہ — سدِّ راہِ راہِ مقبول شدہ
ہر یکے راہے بجاہے مے نمُود — در حیائے دستگاہی مے نمُود
بسکہ با آنہان ندیدم کس حریف — در غریبی یافتم خود را نحیف
ناگہانم جذبۂ آن خضرِ راہ — از کشاکشہائے آنہاں شُد پناہ
جذبۂ توفیق چُون شد دستیار — یافتم پس بر درِ آن قلعہ بار
کوچۂ دیدم بسے تاریک و تنگ — . . . . ؟
راہِ کوچہ در حریمِ خاص بُود — رہنمائش جذبۂ اخلاص بُود
می شدے ہر گاہ سعادت راہبر — بر سرِ آن کُوچہ میکردم گزر
بر سرِ آن کُوچہ چون بادِ صبا — گاہ گاہے یافتم بُوئے وفا
بر سرِ آن کُوچہ ہستم خاکسار — تا بہ بینم نقشِ پائے آن نگار
لیک رہ در خلوتِ خاصم کجاست — گر نمائی راہِ آن خلوت بجاست
زانکہ از دل بندۂ آن درگہم — جذبہ فرمائے اے خضرِ رہم

داشتم حدِّ ادب چون در نظر
عرضِ حال خود نمودم مختصر

(شری روپہ بھوانی صاحبہ کا جواب)

(جواب باصواب بزبان معجز بیان شری روپہ بھوانی صاحبہ الک در ہندوستان نوشتۂ فرستادہ است)

دِل پسند افضلِ حق یار تو باد — در حریمِ خاصِ دل بار تو باد

مہربان پیوستہ اہلِ دل بہ تو / کامِ دل بادا ہمہ حاصل بہ تو
گوش کردم جملہ شرحِ نامہ ات / خوش بیاں باد از بانِ خامہ ات
گر بصورت دُوری از ہجرم منال / لیک در معنی بمن داری وصال
ہیچ دُوری نیست از ما تا بہ تو / درمیاں گر ہست منزل ہا بہ تو
نُورِ من بنگر بہر جا جلوہ گر / عام در حیوان و خاصہ در بشر
نُورِ پاکم درگرفت آفاق را / لیک داند ہرکہ شد مشتاقِ ما
رُتبۂ مشتاقِ ما بالاتر است / ہرکہ شد مشتاقِ ما نیک اختر است
نُورِ من تابندہ از ماہ و خور است / نورِ من رخشندہ در ہر اختر است
درحقیقت گشتہ از ما نامور / اِسم و جسم و رنگ و رُوئے ہر بشر
درحریمم نیست بارِ خود پرست / وصلِ ما یابد کسے گر خود برست
خود فروشی بابِ این بازار نیست / خود فروشاں را دریں جا کار نیست
ہستیِ خود بین بُود بارِ گران / خود فروشی ہست آزارِ گران
شیوۂ مردانِ رہ نبود خودی / از خودی بگذر بما واصل شُدی
بے نشاں آمد نشانِ بیخوداں / سر بنہ بر آستانِ بیخوداں
بیخوداں ہستند والا دستگاہ / شاہِ وقت و صاحبِ تاج و کلاہ
بیخوداں خود مظہرِ خاصِ حق اند / بیخوداں خود محوِ ذاتِ مطلق اند
باش فرمان بخشِ شہرِ بیخودی / آشنائے برّ و بحرِ بے خودی
تا بود قائم قرارِ کائنات / تا بُود دائم مدارِ شش جہات
باش از الطافِ ما اے جانِ جان / کامرانِ این جہان و آن جہان
بسکہ از تاثیرِ اُلفت ہائے ما / در دلت اسرارِ عرفان کردہ جا
واقفی خود از رموزِ فیضِ وصل / از فرع پے می بری زاں سوئے اصل
درحقیقت ہرچہ گفتم اے رفیق / یاد دلان بود از شرطِ طریق
از سدا تندِ دعا گوئے قدیم / کہ اوست بر درگاہ اخلاصت مقیم

صد دُعا بادا براحوالت شمُول
زانکہ می باشد دعائے او قبُول

انورؔ۔ پنڈت دیا شنکر کوچک صاحب خلف پنڈت گوری شنکر صاحب لکھنوی۔ شاگرد نسیمؔ دہلوی

آپ کے جد امجد پنڈت گلاب رائے صوبہ دار صوبۂ دادری دہلی کے قریب آخر زمانۂ سلطنت مغلیہ میں جاٹوں کے بلوہ میں قتل ہوئے۔ اور ان کی بیوہ دہلی میں ستی ہوگئیں ایک لڑکا پنڈت بھوانی شنکر اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔ پنڈت بھوانی شنکر لکھنو میں اپنے خسرال میں ندھان جی کول جائزہ نویس نواب آصف الدولہ کے پاس رہے۔ پنڈت گوری شنکر ان کے پسر کلاں نواب سعادت علی خاں کے داروغۂ جیب خاص تھے جنکی اولاد اکبر پنڈت دیا شنکر کوچک تھے اور انورؔ تخلص کرتے تھے۔ حضرت انورؔ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے آخر زمانہ میں پیدا ہوئے تھے ۱۸۵۷ء میں ان کی عمر کا اکیسواں سال تھا۔ ۱۹۱۱ء میں ۷۳ سال کی عمر پاکر بمقام لکھنؤ رہگرائے ملک بقا ہوئے۔ آپ کو فارسی۔ عربی اور سیاق میں اچھی دستگاہ تھی اور فن سپہ گری بھی اس زمانہ کے موافق بخوبی حاصل کر لیا تھا۔ زمانۂ واجد علی شاہ میں پانچ سال قبل غدر کیٹاری ضلع ہردوئی میں آپ تحصیلدار تھے۔ ۱۸۶۳-۶۴ء میں محکمۂ بندوبست ضلع کھیری میں منصرم رہے اور جب بندوبست ختم ہوگیا تو خانہ نشین ہوگئے۔ ہندو دھرم کے سخت پابند تھے انورؔ نے فارسی زبان میں ایک گنیش مہاتم بھی تصنیف کیا تھا جو نثر میں ہے۔ آپ کے برادر خورد پنڈت کرپا شنکر بھی شاعر تھے اور ان کا تخلص نورؔ تھا۔ حضرت انورؔ کا کلام سادگی زبان اور روانی طبع کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ آپ صاحب دیوان تھے جس کا قلمی نسخہ آپ کے فرزند پنڈت اقبال شنکر کوچک صاحب کے پاس موجود ہے۔

انتخاب دیوان انورؔ

کچھ نہ غنچہ ہی ترے فیض سے پُر زر آیا ۔۔۔ بلکہ دامان صدف میں بھی تو گوہر آیا
دم بدم شوقِ شہادت میں خلش ہے جاں کو ۔۔۔ آپ کے ہاتھ میں جس وقت سے خنجر آیا

میری دیوانگی نے سب کو کیا دیوانہ — جو مجھے دیکھنے آیا لئے پتھر آیا

ولہ

امید وفا بعد فنا کیا رکھے عاشق — وعدہ تو کبھی تجھ سے وفا ہو نہیں سکتا

پیاسا ہوں بہت شیشہ مے منہ سے لگادے — ساقی مرا چلو سے بھلا ہو نہیں سکتا

فرماتے ہیں حالِ دلِ مشتاق کو سن کر — بیتاب ہے کیوں۔ صبر ذرا ہو نہیں سکتا

ولہ

گلِ مراد کی جا داغِ گل ہوا حاصل — مرا ریاض غنیمت ہے رائگاں نہ ہوا

کبھی حرم میں کبھی دیر میں پھرا برسوں — تری تلاش میں سرگشتہ میں کہاں نہ ہوا

ولہ

کیوں نہیں سنتے ہو حال اپنے ہی دیوانے کا — رات دن شوق اگر ہے تمھیں افسانے کا

خاک اُڑا کر کبھی ہنستا ہے کبھی روتا ہے — آج کچھ اور ہے عالم ترے دیوانے کا

ولہ

موجدِ حشر تھے گر ابرو و چشم فتاں — جنبشِ لب میں بھی اعجازِ مسیحا دیکھا

داغ دل دیکھ کے میرا وہ یہ بولے ہنسکر — ہم نہ کہتے تھے کہ ہو جاؤگے رسوا۔ دیکھا

حسن کی حد نہ نہایت ہے بس اللہ رے حسن — قدرتِ حق نے تماشا جو دکھایا۔ دیکھا

ولہ

آچکے زیر قدم دشت و بیاباں کیا کیا — دیکھیں دکھلاتی ہے اب گردشِ دوراں کیا کیا

دردِ سر داغِ جگر۔ یاس و غم ہجرِ صنم — وائے تقدیر ہوے ہیں مرے مہماں کیا کیا

آہ دمساز تھی اور اشک مرے ہمدم تھے — کیا بیاں کیجئے گذرا شبِ ہجراں کیا کیا

میں تو ایسا نہ تھا افسوس ہزاروں افسوس
انور اس دل نے کیا مجھکو پشیماں کیا کیا

آشنا سب ہیں اپنے مطلب کے — بے غرض کس کو آشنا دیکھا

کوئی محبوب باوفا نہ ملا — آپ سے بھی تو دل لگا دیکھا

نور سے تیرے ہے جہاں روشن — ہم نے دیر و حرم میں جا دیکھا

نہ بنا تجھ سا۔ کلک قدرت سے — مہ کو کیا کیا گھٹا بڑھا دیکھا

ولہ

جس کو لینا چاہئے تھا خود بکے ہم اُس کے ہاتھ
عقل پر پتھر پڑے سودا یہ اُلٹا ہوگیا

چھپ سکے کب تک بناوٹ راز آخر کھل گیا
غیر سے بے پردگی اور ہم سے پردا ہوگیا

ابتدائے عشق ہے - گھبرا نہ انورؔ - صبر کر
دیکھ لینا آگے جو ہوگا - ابھی کیا ہوگیا

دل عہد شکن بت سے لگانا نہیں اچھا
اس کعبہ کو بتخانہ بنانا نہیں اچھا

آگاہ نہ کر مجھکو بہار آنے سے بلبل
دیوانہ کا سوتے سے جگانا نہیں اچھا

ولہ

سنگ دل بت نے کبھی منہ سے نہ سچ بات کہی
کچھ خدا لگتی بھی کہتا جو مسلماں ہوتا

معصیت کا نہیں اندیشہ ذرا انورؔ کو
خوف ہوتا - جو ترا نام نہ رحماں ہوتا

شمع و پروانہ - صبا - ساقی و پیمانۂ و جام
جو تری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا

اے جنوں تو بھی اسی راہ سے ہو خانہ خراب
فصل گل آتے ہی میں سوئے بیاباں نکلا

حسرت و یاس تھی تزئین جلوس میت
تیرا دیوانہ بھی کیا باسر و ساماں نکلا

ولہ

باغ میں بلبل جو لائی مژدۂ فصل بہار
گل خوشی کے مارے اپنے جامہ سے باہر ہوا

عاشق کا کل میں خود ہوں کھینچے گا کس کو قید
ضعف سے ہر خانۂ زنجیر اپنا گھر ہوا

خوف کیا نار جہنم سے بجھا دوں گا اُسے
بحر عالم میں مقید ہو کے دامن تر ہوا

عشق بوسہ میں تناسخ کا کہانتک ہو حساب
خاک میں مل مل کے شکل جام میں اکثر ہوا

ولہ

چاہتا ہے رفتہ رفتہ ہو نا ہمسر آفتاب
اس لئے عالم میں رہتا ہے منور آفتاب

بیشک اُسکے دل کو بھی کوئی ستمگر لے گیا
ڈھونڈھتا پھرتا ہے اس دلبر کو گھر گھر آفتاب

گرتۂ ناز ایک شعلہ عاشقوں کے دل کا ہے
دل جلوں کو کیا دکھاتا ہے تو جوہر آفتاب

کیا تجلی ہے صنم کے عارض پر نور کی
کانپتا ہے رعب سے ہر لحظہ تھر تھر آفتاب

کیوں ترقی ہو نہ اسکے حسن کی نام خدا
کرتا ہے شام و سحر تسلیم جھک کر آفتاب

دور ہے منزل اُٹھاؤ بستر اور باندھو کمر
خواب کب تک۔ سر پر آیا۔ دیکھو انورؔ آفتاب

چہرۂ پر نور سے اُلٹے اگر دلبر نقاب — مہر کے مُنہ پر اُڑھا دے شرم کی چادر سحاب
ساقیا وہ دن کہاں اب اور وہ مستی کہاں — اب تو خونِ دل ہے بادہ اور جگر جل کر کباب

ولہ

سمجھے ہم تو نے کہیں غنچہ دہن دیکھ لیا — بلبل اب شور نہ کر طرز سخن دیکھ لیا
روز اک ظلم نیا چرخ کہن دیکھ لیا — ہتھکنڈا تیرا تھا۔ جو رنج و محن دیکھ لیا
ہوس دیدِ گل اب دل کو نہیں اے بلبل — ہم نے جی بھر کے تماشائے چمن دیکھ لیا

ولہ

اُن کے کوچہ سے خاک اُڑا دی مری — اس قدر ہو گئی صبا گستاخ
شمع کے سر چڑھا ہی آتا ہے — کیا ہے پروانہ بے حیا گستاخ
یہ بھی رنگ اپنا اب جمانے لگی — خوب اب ہو گئی حنا گستاخ

ولہ

تصدق فتنہ دوراں ہے ان کے دَورِ داماں پر
گماں صبح محشر ہے مرے چاکِ گریباں پر
نہیں آتی ہے سرخی پنجۂ خوباں میں مہندی سے
حنائے سبز خوں روتی ہے اُنکے سوگواروں پر
اُڑاتی ہے صبا خاک اور بلبل نالے کرتا ہے
گریباں چاک ہے گل کا مرے چاکِ گریباں پر

ولہ

لذتِ عشق سے غافل ہے وہ بیدرد ہنوز — دلِ پُر درد کا ہم درد بتائیں کیونکر
آتشِ عشق لگا کے تو ہوے آپ الگ — آہ ہم دل کی لگی اپنی بجھائیں کیونکر
مجمعِ رنج و غم و درد و الم رہتا ہے — وہ تصور میں مرے آویں تو آئیں کیونکر
کارسازِ دو جہاں نام ہے اُن کا انورؔ
میرے مولا میری بگڑی نہ بنائیں کیونکر

صورت ہے میرے دل میں نہ آئینہ دیکھئے — حیران ہو نگے آپ بھی حیران کو دیکھ کر
کوئی نہ بے کسی کے سوا غمگسار تھا — رویا بہت میں گورِ غریباں کو دیکھ کر

ولہ

ہاتھ اُٹھایا جو تری کاکلِ پیچاں کی طرف — پاؤں پھیلا دئے زنجیر نے زنداں کی طرف
کیوں ستاتا ہے غریبوں کو امیری پہ نہ بھول — اک نظر دیکھ ذرا گورِ غریباں کی طرف
کشتۂ حسن ملیحاں ہوں پسِ مردن بھی — آنکھ ہر زخم جگر کی ہے نمکداں کی طرف

دو ترے ترک چشم مست - کرتے ہیں جنگ الگ الگ
ایک جگر پہ سیکڑوں - زخم خدنگ الگ الگ

لالہ و گل و یاسمن - ہیں تو کھلے بہم - مگر
سب کی ہے بو جدا جدا - سب کا ہے رنگ الگ الگ

رنگ کسی کا دیکھ کر - اپنا نہیں بدلتے ڈھنگ
مستِ الست رکھتے ہیں دل کی اُمنگ الگ الگ

کس پہ یہ دل کروں فدا دشمنِ جاں ہے ایک ایک
سب کی ہیں چتونیں جدا - رنگ ڈھنگ الگ الگ

نیک کہے کہ بد کوئی - رند ہے - اُس کو کیا غرض
انورِ تشنہ لب کی اب - گھٹتی ہے بھنگ الگ الگ

بگڑے نہ اُن کو دیکھ کے روزِ شمار دل — پیشِ خدا کرے نہ کہیں شرمسار دل
گُل خود کسی کی یاد میں کرتا ہے جامہ چاک — قربان اُس پہ کرتی ہے بلبل ہزار دل
اندھیر ہے جلا کے مجھے شمع رو یہاں — اللہ کو واں دکھاؤنگا یہ داغدار دل

ولہ

ہو کے بے بس چشم جادوگر سے ہم — جیتے جی ہارے ہیں دل - دلبر سے ہم
مفت کوئی لے تو دے ڈالیں اسے — تنگ آئے ہیں دلِ مضطر سے ہم
خونِ دل پینے کے عادی ہیں مدام — مست ہوں کیا بادۂ احمر سے ہم

کون سمجھے کون سمجھاوے کسے دل
روتا ہے اندر سے دل باہر سے ہم

کیا نظر نے تری کام دو جہاں کا تمام
بس اک نگاہ کے امیدوار ہم بھی ہیں

یہ رنگ و بو تری ہر دل پسند ہے گلرو
جو سب کی آنکھ میں کھٹکے وہ خار ہم بھی ہیں

سخن پرستی کا دعوی یہ شکل غنچہ نہیں
مثالِ نقش برآب اے نگار ہم بھی ہیں

کوئی سُنے نہ سُنے داستانِ ہجر انورؔ
فراقِ یار کے نامہ نگار ہم بھی ہیں

نہیں ہے پیچ اے دلبر تری زلفِ معنبر میں
ازل سے پڑ گیا ہے بل یہ عاشق کے مقدر میں

نگاہِ یار میں یا سینۂ عاشق میں ہے ساقی
مئے الفت نہ خم میں ہے نہ شیشہ میں نہ ساغر میں

وفا یاد آئی میری یا ہوا خوفِ خدا تجھکو
رُکا خنجر ہے۔ اس مہلت سے دو پہلو نکلتے ہیں

جہنم یا کہ جنت جس طرف جا ہو قدم رکھو
جہاں میں حاصلِ دولت سے دو پہلو نکلتے ہیں

وہ آ سکتے نہیں یا امتحاں ہے صبرِ انورؔ کا
بتِ عیّار کی غفلت سے دو پہلو نکلتے ہیں

ہر دو عالم سے فزوں وسعتِ دل رکھتا ہوں
کوئے جاناں کا مجھے دور سفر کچھ بھی نہیں

مجھسے پروانہ ہی بہتر ہے کہ جل مرتا ہے
میرے نالوں میں اثر مرغِ سحر کچھ بھی نہیں

نہ تو ہندو نہ میں مسلماں ہوں
عاشقِ زلف و روئے جاناں ہوں

رحم کا کس طرح میں خواہاں ہوں
اپنے اعمال سے پشیماں ہوں

کوئی ہندو بنا کوئی مومن
میں فقط جاں نثارِ جاناں ہوں

وہ گنہ بخش ہے تو میں انورؔ
سرگروہِ گناہگاراں ہوں

خدا کے واسطے ناصح تو رہنے دے اپنی
جو ابتدا میں نہ سنبھلے وہ کیا سنبھلتے ہیں

ہمارے دل کو وہ ہاں ہوں میں رکھتے تھے پہلے
خفا ہوئے ہیں تو رہ رہ کے پاس ٹلتے ہیں

آپ کا مثل آفتاب نہیں — آپ کے حسن کا جواب نہیں
بھوکے پیاسے عبث ہی مرتے ہو — خودکشی زاہدو صواب نہیں
بل مقدر کا اس کو کہتے ہیں — زلف جاناں میں پیچ و تاب نہیں
دیکھ لیں گے نقاب اُلٹو تو — لن ترانی کا کچھ حساب نہیں
کیا بھروسا ہے جام دے ساقی — دم میں ہم صورتِ حباب نہیں
درد سر کس طرح مٹے ساقی — دُرد ہی دے اگر شراب نہیں

شمع و پروانہ کی طرح انور
عشق سے دل کو رنج و تاب نہیں

پُرانا ہوا پر یہ قدرت ہے اُس میں — نیا رنگ ہے روز چرخ کہن میں
جو ہو عشقِ کامل کھلے چشم وحدت — وہ لیلی ملے قیس کے پیرہن میں
ہے تکمیل دونوں کو جور و وفا میں — تمھیں اپنے فن میں ہمیں اپنے فن میں
میں شکووں کو اُنکے رکھوں یاد کیونکر — سماتے نہیں ہیں دلِ پُرحزن میں
افسوس میرے دل میں رہیں دل کی حسرتیں — کچھ حال زار کہہ نہ سکا اضطراب میں
دیکھے جو بے ثباتیِ امواجِ بحر کو — کیوں پانی بھر بھر آوے نہ چشم حباب میں
تعظیم اُس کی گبر و مسلماں کریں نہ کیوں — جلوہ کسی کے حسن کا ہے آفتاب میں
ہجر میں مرجانے کا غم کیا کریں — آپ ہی ہم اپنا ماتم کیا کریں
نشۂ الفت کے جو سرشار ہیں — جام تیرا پی کے اے جم کیا کریں

انور ان پر جان جاتی ہے تو جائے
جانے والی چیز کا غم کیا کریں

یارو جاتے ہو کہاں تم اس طرح — کچھ عدم کی تو خبر آنے دو
لایا ہے شوقِ شہادت مجھکو — میرا قاتل ہے کدھر آنے دو
کون آئے مری غمخواری کو — آتے ہیں لختِ جگر آنے دو
یارب بتوں کے عشق میں دل مبتلا نہ ہو — زنجیر پائے شوق کی زلف رسا نہ ہو

ٹھکرائیے نہ گورِ غریباں کہ حشر ہو چلئے سنبھل کے پھر کوئی فتنہ بپا نہ ہو
ہے جوش گریہ گریہی فصلِ بہار میں اندیشہ ہے کہ زخم جگر پھر ہرا نہ ہو
قتل کرکے تو اک نظر دیکھو مجھکو دیکھو مرا جگر دیکھو
کون مانع ہے سیر عالم کا جس طرف چاہو تم اُدھر دیکھو
ہر دم آئینہ دیکھتے کیا ہو میری حسرت بھری نظر دیکھو
خندۂ گل سے تمھیں لطف سخن حاصل ہے نالۂ بلبلِ شیدا ہے ترنم مجھکو
راز ہستی و عدم دیکھ لیا آنکھوں سے آئینہ میں جو نظر آگئے مردم مجھکو
حال اس رند کا کیا ہوگا جو پیتا ہو شراب آتا ہے گریۂ مینا پہ تبسم مجھکو
عمر چندروزہ پہ گلزارِ جہاں میں انور
خندۂ گل کرتا ہے آتا ہے تبسم مجھکو
بتادیں ہم تمھارے کاکل و عارض کو کیا سمجھے
اُسے سایہ خدا کا اور اِسے نورِ خدا سمجھے
ادا قاتل ہوئی ہمنے صلہ الفت کا بھر پایا
لبِ شمشیر کے بوسہ ہی کو خوں بہا سمجھے
دیوانے ہیں سب تیرے رخ و زلف کے یکسر کچھ فرق مسلمان میں ہندو میں نہیں ہے
سمجھاتا ہے جو تو وہ سمجھتا تو ہوں ناصح پر کیا کروں یہ دل مرے قابو میں نہیں ہے
جتنا تم کوستے ہو اُتنی ہی عمر عاشق کی بڑی ہوتی ہے
بے حیا کیسی ہے یارو یہ اجل بے طلب آکے کھڑی ہوتی ہے
چہرہ پر تیرے عرق رہتا ہے۔ یا پھول پر اوس پڑی ہوتی ہے
دل لگانا تو ہے آسان انور
آفتِ ہجر کڑی ہوتی ہے
چرخ دکھلاتا ہے کیا تصویرِ ماہ و آفتاب دو جہاں جس سے منوّر ہیں وہ دلبر اور ہے
بلبل و پروانہ میں ہرگز نہیں سوز و گداز جس میں سودا عشق کا ہوتا ہے وہ سر اور ہے

چین لینے نہیں دیتا ہے کسی دم دلِ زار
دل سے دل بدلیں تو آجائیں بدلنے والے
ثمرۂ عشق تجھے اُن سے ملے کیا قمری
سروِ گلشن نہیں ہیں پھولنے پھلنے والے
سوزشِ عشق نے اک آگ لگا رکھی ہے
اور بھڑکانا نہ اُسے مہندی کے ملنے والے

کون سنتا ہے نصیحت کو تری اے انوؔر
ایسے بگڑے نہیں ہم ہوں جو سنبھلنے والے

آپ پر دل آنے سے گر جان گئی تو کیا ہوا
دل ہے آنے کے لئے اور جان جانے کے لئے
محفلِ دلبر میں جب تعظیم و جا ملتی نہیں
درد اُٹھتا ہے مرے دل کو بٹھانے کے لئے

شکرِ احسانِ بتاں سے گو سبکدوشی نہ ہو
ہے سرِ انوؔر خدا کے آستانے کے لئے

کچھ بھی کرتے نہ بنی دل نے کیا جب مجبور
تیرے کوچہ کی طرف ہار کے ناچار چلے
دیکھنے جلوہ کو تیرے عدم و ہستی میں
حضرتِ شیخ چلے صاحبِ زنار چلے
جب نشاں اُسکا کہیں بھی نہ ملا دونوں کو
چھوڑ کر دیر و حرم کافر و دیندار چلے
عشق کے راز سے واقف ہی نہ تھے پروانے
تجھ پہ جاں دینے کو اے شمع وہ بیکار چلے

ولہ

خاک اُڑا کر تہ و بالا ہے کیا عالم کو
تنگ آیا ہے جنوں خود ترے دیوانے سے
ہر دو جا دیکھ پڑے سنگِ نشانِ منزل
نہ لگا تیرا پتہ کعبۂ و بتخانے سے
اپنی گاتا ہے کسی کی نہیں سنتا ہرگز
تنگ محشر میں ہے عالم ترے دیوانے سے

ولہ

دیکھئے یاں سے کہاں پھر ہمیں لیجاتی ہے
لائی ہستی میں عدم سے تو محبّت تیری
جزو سے کُل کو تعلق ہے مگر کُل نہیں جزو
مظہرِ کثرتِ کونین ہے وحدت تیری
ہجر میں تیرے تصوّر سے بہل جاتا ہے دل
دلربا ایک سی ہے خلوت و جلوت تیری

تجھکو نسبت گلِ رعنا سے نہ دیگا انوؔر
تُو وہ گُل ہے کہ ہر اک رنگ ہے رنگت تیری

آپ ہی موسیٰ ہے خود ہی طوؔر ہے
وہ دوئی کے رنگ ہی سے دور ہے

وصل کس کو کہتے ہیں اور ہجر کیا
یار کے جلوے سے دل معمور ہے

دیر و کعبہ میں ترا مذکور ہے
بزم رنداں میں بھی تو مشہور ہے

ہم سے مخموروں کو کون اب دے شراب
آپ ہی ساقی نشے میں چور ہے

وہ گلابی جام ساقی کیا پئے
نشۂ الفت سے جو مسرور ہے

خوف وہ روزِ جزا کا کیوں رکھے
جبکہ انورؔ بندۂ مجبور ہے

اوتار۔ پنڈت اوتار کشن ٹنکو صاحب خلف پنڈت کرتا کرشن ٹنکو صاحب

آپ پنڈت کرتا کرشن ٹنکو صاحب کے سب سے بڑے فرزند ہیں۔ آپ کی تاریخ ولادت ۱۸ فروری ۱۸۹۴ء اور مقام پیدائش امرتسر ہے۔ آپ منشی ضمیر حسن خاں صاحب دلؔ شاہجہاں پوری سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے کی ڈگری لیکر آپ انگلستان بغرض تعلیم انجینیری تشریف لے گئے۔ لندن اور گلاسگو یونیورسٹی میں تعلیم پاکر ۱۹۱۸ء میں بعہدۂ اسسٹنٹ انجینیر مقرر ہو کر آخر فروری سنہ مذکور میں آپ ہندوستان میں واپس آگئے فی الحال آپ بمقام چھندواڑہ (صوبہ ممالک متوسط ناگپور) مقیم ہیں۔

شکوہ کر کے اس بھری محفل میں رسوا ہوگیا
اے دلِ بے صبر آخر تجھکو یہ کیا ہوگیا

میری خاکِ دل کا ذرّہ ذرّہ صحرا ہوگیا
ڈھل کر آیا آنکھ سے جو اشک دریا ہوگیا

ہم تو سمجھے تھے کہ ان کو دیکھ کر ہوگا سکون
آشنا ہو کر دوا سے درد دونا ہوگیا

سرگزشت اضطرابِ دل پہ ہنستا ہے کوئی
شکوۂ جور و جفا گویا تماشا ہوگیا

گریۂ پیہم سے رازِ کاوشِ پنہاں کھلا
اے دلِ نافہم کوئی تجھسے رسوا ہوگیا

ڈھونڈتے ہو کیا مرے پہلو میں اب رکھا ہے کیا
ایک دل تھا وہ بھی تو صرفِ تمنا ہوگیا

خود فراموشی سے دنیا میں ہے تحصیلِ کمال
بلبلا جو مٹ گیا وہ آبِ دریا ہوگیا

دامنِ تقدیر مل ہی جائیگا
بے تکلف دامنِ تدبیر کھینچ

ہے شبِ غم کس بلا کی تیرگی
اے تصوّر یار کی تصویر کھینچ

دعویٔ عشق کہتے ہیں وہ سر بسر غلط
سب اضطرابِ قلب غلط چشمِ تر غلط

پنڈت اوتار کشن تکو۔ اوتار

راہِ وفا میں منزلِ رحمت کہاں نصیب
رہرو غلط ہے راہ غلط راہبر غلط

ذوقِ نظر الگ الگ فہم بشر الگ الگ
سارے ثمر الگ الگ سب کا اثر الگ الگ

جانتا ہے وہ پر غضب اُڑ نہیں سکتا صید اب
کھول دیا قفس کو جب کر دئے پر الگ الگ

غافل! نفس کی قید یہ ظاہر حیات ہے
کب تک رہیگی بند ہوا اس حباب میں

میرا شمار جرم فرشتے نہ کر سکے
محشر کا دن تمام ہوا اس حساب میں

دلِ بے آرزو راہِ وفا میں ایک نعمت ہے
نہ شکوا ہے جفاؤں کا نہ ارماں ہے نہ حسرت ہے

صنم کو دیکھ کر ہم دیکھتے ہیں قدرتِ صانع
ہماری بت پرستی درحقیقت اک عبادت ہے

بقائے دائمی دشوار ہے دنیائے فانی میں
فسانہ خضر کا بھی اک کہانی ہے حکایت ہے

دلِ حسرت زدہ! وہ رحمتِ حق جوش پر آئی
کہ ناتاثیر آشنا میرا اک اشکِ ندامت ہے

کیا فائدہ جو لب ہوں نا آشنا فغاں سے
ہوتا ہے راز افشا جب چشم خوں فشاں سے

یوں تو بہت نشیمن ہیں گلشنِ جہاں میں
ہے برق کو عداوت میرے ہی آشیاں سے

حالِ زبوں ہے میرا اک درس اس جہاں میں
عبرت کریں گے حاصل سب میری داستاں سے

ظلمت کو دخل کیا ہے اب میرے غمکدے میں
ہر داغِ دل ہے روشن سوزِ تپِ نہاں سے

بنانے سے بگڑ جاتا ہے میرا کام اے ہمدم
مری تقدیر کرتی ہے مری تدبیر کے ٹکڑے

نکالا تیر گو تو نے خلش باقی رہی پھر بھی
ابھی تک چبھ رہے ہیں دل میں میرے تیر کے ٹکڑے

اگر سودا سلامت ہے تری زلفِ مسلسل کا
اُڑا دیگا یہ وحشی آہنی زنجیر کے ٹکڑے

میں عاصی ہوں مگر اے زاہدو غرقِ ندامت ہوں
کئے خود جوشِ رحمت نے مری تقصیر کے ٹکڑے

نہ ارماں ہو نہ حسرت ہو نہ شکوہ اور شکایت ہو
خدایا آرزو یہ ہے دلِ بے آرزو دیدے

اللہ اللہ اس قدر شوقِ اسیری ہے مجھے
آپ چن لایا ہوں میں اپنے قفس کی تیلیاں

کوئی قسمت بدل نہیں سکتا
جو لکھا ہے وہ ٹل نہیں سکتا

جب تک نہ چشم صرفِ تماشا کرے کوئی
مشکل ہے قلبِ تنگ کا در وا کرے کوئی

مَے کا منت کش نہیں مستانۂ ابرِ بہار
سایہ افگن سر پہ ہے میخانۂ ابرِ بہار

اُس میں مضمر ہے یقینی اُنکے جلووں کی جھلک ہوگیا ہے دل مرا دیوانۂ ابرِ بہار
بادہ نوشی اُسکے حق میں بادہ نوشی ہوگئی مست ہے پرواز میں پروانۂ ابرِ بہار
میں وہ رندِ بادہ کش ہوں جسنے توبہ توڑدی جب کبھی دیکھا رخِ مستانۂ ابرِ بہار

ولہ

اسیر تو نہیں ہیں ہم جو گھبرا کر کریں نالے سنبھالا ہوش جب سے ہم قفس کو آشیاں سمجھے
اسیری میں دلِ بیتاب کو اس طرح بہلایا قفس کو آشیاں صیّاد کو ہم باغباں سمجھے
سمجھ میں بات ہی کوئی نہ بزمِ ناز کی آئی فقط جلنا ہی ہم اس انجمن میں شمع ساں سمجھے

تمھاری ہی سمجھ اُلٹی تم اے اوتار ہو ناداں
ذرا سوچو تو کس بے مہر کو تم مہرباں سمجھے

چشم و دل جوش سے لبریز ہیں پُرکیف ہے روح ساقیٔ عشق نے بخشے مجھے پیمانے چند
نگہِ غور سے کر میکدۂ دہر کی سیر اس میں مدہوش بہت لوگ ہیں فرزانے چند
حسنِ لیلیٰ ہے نہ وہ شورشِ عشقِ مجنوں اگلے وقتوں کے فقط رہ گئے افسانے چند

سیرِ جنت میں نہیں عذر مجھے اے اوتار
پاس رکھ دے مرے لیکن کوئی پیمانے چند

ممکن نہیں اگرچہ ملاقات چاند کی پھر بھی پسند دل کو ہے ہر بات چاند کی
تکتے ہیں راہ خاک کے ذرّات چاند کی ملتی ہے ہر مہینہ میں اک رات چاند کی

ٹھنڈی سہانی ہوتی ہے کیا ذات چاند کی
بھاتی ہے کیک دل کو بہت رات چاند کی

ہوتا ہے بعدِ شام عیاں آسمان پر چھاتا ہے اپنے نور سے سارے جہان پر
پڑتی ہے روشنی تری کون و مکان پر مرتا ہوں اے مسافرِ شب تیری آن پر

ٹھنڈی سہانی ہوتی ہے کیا ذات چاند کی
بھاتی ہے کیک دل کو بہت رات چاند کی

کچھ دن ہوئے کہ شکل تھا اک نونہال کی اب وقت پاکے بن گیا صورت کمال کی
تعریف کیا کروں ترے حسن و جمال کی تجھ میں غضب ہے شان کمال و زوال کی

ٹھنڈی سہانی ہوتی ہے کیا ذات چاند کی
بھاتی ہے کیک دل کو بہت رات چاند کی
ہے گھٹنے بڑھنے سے کبھی کم سن کبھی جواں — کیا کھیل کھیلتا ہے ترا چاند آسماں
اسکے طلسم سحر کا میں کیا کروں بیاں — دو ہفتے آشکار تو دو ہفتے ہے نہاں
ٹھنڈی سہانی ہوتی ہے کیا ذات چاند کی
بھاتی ہے کیک دل کو بہت رات چاند کی

بدرؔ۔ پنڈت بلبدر جیو صاحب در۔ متوطن کشمیر

آپ کے حالات زندگی معلوم نہ ہو سکے

قحط سالی کشمیر

بہ کشمیر از سرِ قحط است ہر سو شور و افغانے — کسے از شامتِ طالع نہ بیند صبح تا بانے
نماندہ آب و تابے در رخِ دریا دلان ہرگز — کہ سیلابِ الم از ہر طرف بنمود طغیانے
چو گندم چاکِ دل باشد عیان از نانوا ہردم — کہ ننہادش جہان از بد خمیری صورتِ نانے
چو گرز بزّاز را کارش گرہ اندر گرہ آمد — گزشت از خوش قماشی دست زد ہردم بہ دامانے
نیابد باغبان جز میوۂ افسوس در بستان — کفیدہ دل برائے دانہ باشد ہمچو رمّانے (انار)
ز دستِ آرہ کش پیدا دمادم نبض منشاری — لبِ نانے ندید و لب ہمی خاید بہ دندانے
مغنّی را ستار آسا جدا شد بند بند از ہم — بزرگ و کوچک از اہلِ عیالش کردہ افغانے
چو زلفِ خویش پیچیدہ بخود ہر نوچہ از غم — ز رازِ دل نوشتہ مو بمو حالِ پریشانے
نماید بیگمان خیاط قطعِ رشتہ داری ہا — کہ چشمش در قفا چون سوزن است از خوفِ جہانے
ہمے قصّاب خون گرید کباب آسا ز دلسوزی — بہ میدانِ شہادت میکند ہر لحظہ جولانے
نماندہ پیشِ باورچی کبابے از پئے مہمان — ز آہِ آتشین لختِ جگر را کردہ بریانے
چو صابون کف بہ لب می آورد گازر زجان کاہی — بجائے جامہ از جان دست شستہ ز آبِ طوفانے
بہ فکرِ دانہ ہمچون خوشہ ہر دم سرنگون ساقی — چو تاکش نیست خیر از پیچ و تابے ہیچ سامانے

گر بہراجۂ جم جاہ شد آگاہ زین کشور که سازد روز و شب از انتظام ملک برہانے
ز نظمش ہیچ کس آزردہ نبود بہر آذوقہ مگر حاسد کہ با او دمبدم پابند زندانے
بیا بدر را سخن کوتاہ کن خوش دل نشین اکنون
کہ از احسانِ شہ یابی بہ دردِ نفس درمانے

قصیدہ در توصیف پنڈت شوہ کاک در

دی شب چو ہنگام سحر - بر داشتم از خواب سر
ناگاہ آمد از درم - آن سرو قدِ سیم بر
چون شمع روافروختہ - چون دود مو آسوختہ
صد رشتۂ جان سوختہ از یک نگاہ شعلہ ور
از ناز نازش دمبدم - صد دل کفیدہ یک قلم
تاب و توان یک دانہ ہم - ننہادہ در چشم بشر
زیبا قد و زشتی گزین - آہستہ گوے و تیز بین
خالی ز مہر و پُر ز کین - محنت دہ و آرام بر
از تنگنائے آن دہن - یا شد طبیعت رائے زن
گر دو نفس در حلقِ من ساعت بہ ساعت تنگ تر
تا چند وصفِ آن میان - آورد خواہم در میان
ہر دم کمر باز د زبان - سازد حکایت مختصر
اے آنکہ نامش شیوہ جی - مشہور تر شد بر زمی
در ہیچ تعریفش کمی نبود ز فرطِ زیب و فر
طے کردہ اندر حاتمی - زندہ کردہ جانِ آدمی
پے بُردہ خصمِ ماتمی از رشکش اندر شور و شر
در ہر زمین و ہر زمان - در ہر دیار و ہر مکان
مدحش سرآمد بیگمان از مہترین تا خور و تر

ہر فاضل و ہر سافلے - ہر جاہل و ہر عاقلے
ہر ظالم و ہر عادلے - ہر عاجز و ہر بختور
قوم ویران آباد ازو - مردم بسے دلشاد ازو
شد زندہ نام داد ازو - من بعد در ہر بوم و بر
حالی زجا برخیز و شو - در درگہِ او تیز رو
تا آنکہ لطفِ نو بہ نو - خواہد نمودن بہ تو بر
گفتم زہے اے نازنین - کردی دلم فرحت گزین
زین نکتہ ہائے دل نشین - بردی غمم را سربسر
لیکن برش اے مہربان - دربانِ بس ناقص زبان
بارم ندادہ یک زمان - تا می شدستم بہرہ ور
گفتا ہہل این افترا - وین شکوہ از دل کن رہا
کن جانِ خود زین پس فدا - در خدمتش شام و سحر
خود را رسانیدم برت - زامید بگرفتم درت
حاضر شدم چون چاکرت - رستم ز رنجِ بے شمر
گر من خطا کردم خطا - تو عے نیامد او را
خود ساختی قدرِ مرا - نزدیکِ ہر کس پست و تر
قدرِ ورا افراختی عزِّ مرا نگداختی
وہ وہ چہ زیبا ساختی - اے قدر دانِ خوش گہر
گشتم بہ شکلِ خویشتن - بیزار تر از اہرمن
پس رخت خود سوے وطن ہر دم شدم آسیمہ سر
فی الحال اے صاحب کرم - در خدمتت باز آمدم
آزردگی تا از برم - نہ ہد ترا در دل خبر
باشد چو از تو بر سرم - زینگونہ الطاف و کرم
سازم دعایت دمبدم - بخشد خدا وندش اثر

تاگل بود بارنگ و بو - تامل بجوشد در سبو
تا ظل ز شاہان سو بسو - باشد غریبان را بسر
بختِ تو بادا برترین - از گنبدِ چرخِ برین
رُختِ تو ہمچو حورِ عین - زیبندہ در چشمِ بشر
یارت بجا خصمت فنا - این در غنا آن در عنا
این در عُلا آن در بلا - این شادمان آن موبہ گر

قصیدہ در تعریف مہاراجہ سری پرتاب سنگھ صاحب بہادر آنجہانی

رسید موکبِ فصلِ بہار در کشمیر — بہ برگِ عیش و طرب کرد عالمے تسخیر
دمید صبحِ وصال و رمید شامِ فراق — چمید ہر طرفے گلرخے بصد توقیر
شگفت غنچہ در اطرافِ بوستان گلگل — رہاند خاطرِ بلبل ز خار خارِ خطیر
زعین ناز درآمد بجلوہ نرگسِ مست — فزود روشنیِ چشمِ مردمانِ بصیر
گلِ خطائے ازبس صواب کار ربہا — چو نافہ کرد معطّر دماغِ اہلِ ضمیر
ہزارہ داد صلائے و رو و صد در صد — ہزار و فاختہ آمد زشوقِ وے بہ صفیر
زسرخرویِ خود لالہ درمیانِ چمن — وداعِ داغِ محن از قلوبِ میر و فقیر
خدیوِ نیو مہاراجۂ فریدون فر — معینِ خلقِ جہان و امینِ ربِّ قدیر
بہ دُرجِ امجد چو دُرِّ یتیم بے ہمتا — بہ برجِ عرج چو مہرِ منیر در تنویر
بہ جیش ثانیِ خاقان بہ عیش چون خسرو — بہ عقل آصفِ دوران بہ شکل بدرِ منیر
زشرمِ مکرمتش بسکہ آب شد دریا — گذاشت مضمر ازین رو بہ قعرِ دُرِّ کثیر
نگشت ہیچ تنے خم ز بارِ کشمکشے — مگر کمان بکفِ غازیانِ شیر نظیر
ندیدہ غارتِ دستش کسے درین دنیا — مگر بگاہِ عطا گنج زاید از تحریر
بلند کوکبہ پرتاب برگزین پورس — کہ ہست نورِ رخش ہمچو مہرِ عالمگیر

زبانِ مدح بروئیش کشادہ شام و سحر — جوان و پیر و امیر و فقیر و خورد و کبیر
دبیرِ بارگہش ویدہ لعل پنڈت در — خمیدہ ہمچو کمان از خطش دمادم تیر
علیم و فاضل و دانا و شعردان و گزین — فہیم و عاقل و بینا دل و نکو تدبیر
دوم برام[1] مسمی چو راجی ہر دم — نمودہ انس جہان را بانس خود خوگیر
اسیرِ الفتش آنگونہ وحشیانِ جہان — کہ رام رام بود و ردِ شان زہے تسخیر
سوم امر[2] کہ زید روز و شب بہ عیش و طرب — ہزار سال بہ افضال[3] ہائے ربِّ قدیر
کنم کتابتِ تعریفِ حضرتش تا چند — نئے قلم ہمہ دم نالہ میدہد ز صریر
اگر صفاتِ شہنشہ بصد زبان سازم — ہنوز گفتہ نباشم یکے ز عشرِ عشیر
ولے ز بہرِ جوابِ قصیدۂ خاور — بخامہ این قدر اشعار ساختم تسطیر
خموش بدر و سخن ختم دعاے شاہ بکن — کہ ایزدش دہد از فضلِ خویشتن تاثیر
ہمیشہ تا کہ کشد خار سر ز پہلوے گل — ہمارہ تا کہ بود گل بباغ جلوہ پذیر

چو خار ردِّ نظر باد حاسدش بجہان
چو گل شگفتہ جبین حا[4] فدش بصدر سریر

برہمن ـ پنڈت طوطہ رام صاحب بٹ ـ مدرس اوّل فارسی مدرسہ سرینگر کشمیر

نظم ذیل ست کرم سبھا کے دوسرے جلسہ میں پنڈت طوطہ رام صاحب نے پڑھی تھی اور مراسلہ کشمیر بابت ماہ اگست ۱۸۷۶ء میں شایع کی گئی تھی جسکو پچپن سال کی مدت منقضی ہو چکی ہے۔ اُس کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو۔

اے دل اے دل تو از سخن رانی — چند از ذکر فخر میخواہی
تو چنیں فخر شعر میسازی — فاخرانہ بہ مدح می نازی

---

[1] راجہ رام سنگھ جی آنجہانی۔ [2] مراد از راجہ امر سنگھ جی کہ پدر بزرگوار مہاراجہ ہری سنگھ بہادر بود۔ [3] جمع الجمع۔ [4] بمعنی دوست۔

بہ حقارت بہ سیم و زر نگری / بہ کراہت بہ مال و زر نگری

ساترِ عیب زر بہ بینم و بس / چارۂ خود ز زر گزینم و بس

مرد زردار سرورِ زمنست / مال و زر دلنواز جان و تنست

در دمے دلنوازِ جانے شد / راحتِ ساعتے و آسانے شد

قوتِ جان صوتِ جانفزایش بود / مژدہ را مژدہ زان نوا افزود

دل ز بس اعتراض رازِ نہاں / از سرِ دلدہی نمود عیاں

تا زمانے کہ جاں بدن را بار / باشد و باشد آں زرش درکار

شعر کز مدحت و ثنا خوانیست / زندگی دہ چو آبِ حیوانیست

شاعر از وصفِ کس ہمی خواند / تا ابد یادگار می ماند

یادگارِ جہانیاں سخن است / دید و دانست این و آن سخن است

شور و سوز زمانہ ہم سخن است / بیگماں۔جاں سخن۔جہاں چو تن است

رازِ ماضی و حال و مستقبل / در زماں آورد سخن بہ دل

بہ تعصب کشادہ دستِ دغا / وز سرِ غصب و جور و زور و دغا

خلق را در عذاب میکردند / کشتۂ و جاں کباب میکردند

رخنہ اندازِ رسم گشتندے / عہد و پیماں ہم شکستندے

ہمہ ہندو نژاد دادکناں / زیں ستم بودہ اند نالہ زناں

شکر صد شکر کارسازِ جہاں / چارۂ کار آشکار و نہاں

چوں چنیں دھرم راج یافت ظہور / از زماں رفتہ شد قصور و فتور

سری مہاراجہ صاحبِ ذیشاں / واہبِ فیض بخش و فیض رساں

ناظم الملک لازم الاوصاف / جازم العدل عازم الانصاف

حامیِ حوزۂ عدالت و داد / نامیِ روضۂ صلاح و سداد

نام رنبیر سنگھ و نامی تر / از ہمہ ناظماں گرامی تر

بادجایش بہ تخت جم جا دید ۔۔۔ باد یاروے سرخ وبخت سپید
نیز دیوانِ خاص کرپا رام ۔۔۔ بادش ایام عیش وناز بکام
دیدۂ دہر گرچہ دید بسے ۔۔۔ در فضالت چنو ندید کسے
ہم امینِ اماں وزیر چنوں ۔۔۔ قامعِ بیخ اعتساف وجنوں
کاں بہ تفصیل آورم بہ بیاں ۔۔۔ از ہمہ وصفش آشکار ونہاں
ہم پدیدار کرد دھرم سبھا ۔۔۔ ہر کسے را از دست فیض ونوا
ہر کس از خاص وعام خوشحال اند ۔۔۔ گوشہاے ملال می مالند
بخششِ او بہ ہر طریق مزید ۔۔۔ بے تعصب بہ ہر فریق رسید
پس دعایش پسند بشمارم ۔۔۔ زیں سپس ہم دعا بود کارم
تا بود گردشِ خزان وبہار ۔۔۔ تا بود دورِ دورِ لیل ونہار
باد در رنگِ گل بسر سبزی ۔۔۔ با دلِ تازہ از طرب ورزی
طالبِ نفع عام کرپا رام ۔۔۔ کردہ مندر بنا مفید عام
باد آوازۂ ثنا خوانیش ۔۔۔ ہر زماں بر زباں زدِ یوانیش
اندراں مندرِ خجستہ مکاں ۔۔۔ ہست امکانِ کانِ عزت وشاں
زیں مکان است سود ہر مقصود ۔۔۔ زیں مکان است بود ہر بہبود
ایں مکان معبدِ زمین وزماں ۔۔۔ ایں مکاں مقصدِ ہم این وہم آں
ہر مکاں را شرف بود بہ مکیں ۔۔۔ بمکیں راست زیں مکاں تمکیں
پس گروہِ زہندوانِ شریف ۔۔۔ ایں مکاں بس پسند دید شریف
جلسۂ ساختند خوش برپا ۔۔۔ آں ہمہ عاقلانِ خوش سیما
از دل آں جلسہ خوش پسندیدند ۔۔۔ ہمہ پیش پسند تر دیدند
باہم از خرّمی جلیس شدند ۔۔۔ با ہمہ ہمدمی انیس شدند

بہ طرازِ مراسلہ کشمیر کان بہ لکھنؤ طبع شد از تدبیر
برہمن گفت در نظیرش بین
ست کرم زیں سبھا ست در تزئیں

تاریخ ست کرم سبھا

ناہید بہ مہر ورزی از تیر پرسید ز جلسہ چیست تاثیر
از چرخ کشیدہ سر فرو گفت ست کرم سبھا ست حسنِ کشمیر
سمت ۱۹۳۳ب

بقا - پنڈت ست رام بقایا صاحب

آپ پنڈت کیشو جیو صاحب بقایا کے صاحبزادے تھے - پنڈت کیشو جیو ایک مشہور تاجر تھے اور کابل و قندھار وغیرہ ممالک کے ساتھ تجارت کرتے تھے - شاہ شجاع کے زمانے میں آپ کے ایجنٹ مال لے کر کابل جا رہے تھے جن کو شاہ شجاع کے ہمراہیوں نے راستے میں لوٹ لیا - آپ اس ناقابلِ تلافی نقصان کا صدمہ برداشت نہ کر سکے اور زہر کھا کر خودکشی کر لی -

حضرت بقاؔ ۱۸۴۲ بکرمی میں بمقام سری نگر پیدا ہوئے اور محلہ کنہ کدل میں سکونت پذیر تھے - اٹھارہ برس کی عمر میں فارسی و عربی کی مروّجہ تعلیم ختم کر کے محکمۂ داغشال میں ملازم ہوئے اور کشمیری پنڈتوں کے مشہور خاندان پنڈت بیربل کول المعروف بہ بیربل راجہ کی صاحبزادی آپ سے منسوب ہوئیں - شیخ غلام محی الدین - کرنیل میاں سنگھ اور دیوان کرپا رام صاحب صوبہ داران کے پاس یکے بعد دیگرے آپ کچھ عرصے تک حضور نویس اور فارن سکرٹری کے

فرائض انجام دیتے رہے۔ پنڈت گنیش داس صاحب ور کے ساتھ ڈوگرہ خاندان کے دورانِ حکومت میں آپ محکمہ دول جنس میں بھی کام کرتے رہے اور اُن کے ساتھ حساب بقایا وغیرہ کے بیباق کرنے میں امداد دینے کی غرض سے لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں یہ کام بوجۂ احسن انجام دے کر اور خلعت فاخرہ سے سرافراز ہوکر باعزاز تمام واپس آئے۔ آپ نے ۱۹۰۲ بکرمی میں وفات پائی۔

آپ پنڈت راجہ کاک در صاحب فرخ کے دربار میں اکثر حاضر ہوا کرتے تھے اور دیگر شعراء کی صحبت میں شریک مشاعرہ ہوتے تھے۔ ایک موقع پر حضرت فرخ نے صائب کے مندرجۂ ذیل شعر کے مصرعۂ دوم پر چند شعرا سے گرہ لگانے کی استدعا کی ؎

چین و خطا بیکطرف آں مُو بیکطرف گلہا تمام یکطرف آں رو بہ یکطرف

اس وقت حضرتِ دیری بھی موجود تھے انھوں نے ذیل کے تین شعر کہے ؎

آں سروِ ناز با قد و بجو بیکطرف زیں چشم آبخیز رواں جُو بیکطرف

از وحشتِ دلم بہ بیاباں خبر کہ کرد مجنوں بیکطرف شد و آہو بیکطرف

دیری زشوقِ مصرعۂ صائب دلم شگفت گلہا تمام یکطرف آں رو بہ یکطرف

حضرتِ فرخ نے بھی ذیل کا شعر اُسی وقت کہا ؎

جو شم زند بہ سینۂ غم او بہ یکطرف ہوشم برد دو نرگسِ جادو بیکطرف

جب بقا کی باری آئی تو آپ نے فی البدیہ یہ شعر کہا ؎

تا پردہ برفتاد ازاں رو بیکطرف یکسو پرید رنگ زگل بُو بہ یکطرف

حضرت بقا بہت سا کلامِ منظوم بہ طورِ یادگار چھوڑ گئے تھے لیکن افسوس ہے کہ دستبردِ زمانہ سے تقریباً سارا کلام تلف ہو چکا ہے۔ آپ کی تصانیف میں سے "سوزن نامہ"، "دستور العمل" اور "بحرِ طویل" مشہور ہیں۔ انکے علاوہ

ایک دیوان اور متفرق اشعار بھی آپ سے یادگار رہے لیکن اس وقت سوائے "بحر طویل" اور چند منتشر اشعار کے ہم کو اور کچھ دستیاب نہیں ہوا۔ ہاں "دستور العمل" کی نقل بعض بزرگوں کے پاس اب بھی ملتی ہے۔ یہ کتاب نثر میں ہے اور ہوبہو سہ نثر ظہوری کا نمونہ پیش کرتی ہے۔

آپ کا کلام فصاحت و بلاغت سے معمور ہے۔ شستہ اور مسجع ومقفٰی فارسی نثر لکھنے میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے۔ فن سخن سے بھی کما حقہ واقف تھے۔

آپ کے چند اشعار اور "بحر طویل" جو بصد مشکل و بعد تلاش دستیاب ہوئے تھے جلد اوّل میں درج کئے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں صفحہ ۱۲۷ و ۲۸، (ضمیمہ) جلد اوّل۔

بُلبُل - پنڈت واسہ کول صاحب اوگرہ

نیز جلد اول صفحہ ۲۳۲، ملاحظہ ہو

گل چاک کردہ پیرہن از رشک روے کیست — مشکِ ختن بباد ز تا تارِ موے کیست

موے دماغ بوے گلِ باغ جنّت است — ایں نکہت اے صبا ز خس و خارِ کوے کیست

برقِ عتاب خرمنِ مہر و وفا بسوخت — آتش زدہ است در دلم ایں شعلہ خوے کیست

دیوانہ ہیچ جاے قرارے نے کُند — در پاے عقل حلقۂ زنجیر موے کیست

آیا صبا ز کاکُلِ او نکہتے گرفت — آشفتگی دماغِ دلم را ز بوے کیست

بے گلرخے بہار خزاں است در نظر
بلبل فغاں و نالہ ات از آرزوے کیست

بدل داغے چناں دارم کہ باغش رو نما باید
برُخ نورے چناں داری چراغش رونما باید

دلے روشن چناں دارم کزو روید سیہ روئی
بے میگوں چناں داری ایاغش رو نما باید

براہ عشقت اے دلبر کہ عقل و ہوش در سر شد
دلے گم گشتہ دارم سراغش رونما باید

ازان زلفینِ مشکک آگیں کہ شد زنجیر پائے دل
اگر آرد صبا بوئے دماغش رو نما باید
میانِ بارگاہِ عشق تاج وتخت پامال است
ہمائے بخت درپیشِ کلا غش رونما باید
بہ بلبل درغم عشقت چنان دردے میسّر شد
کہ صد گلزارِ آسایش بداغش رونما باید

خاشاکِ کوئے یار گلِ بسترِ من است — خورشید در نقاب زمہ پیکرِ من است
خالِ سیاہ بر رخ زیبا چہ خوشنما است — زین خال نیست بلکہ سیہ اخترِ من است
درکیشِ عشق سبحہ وزنّار باہم اند — زنّارِ سبحہ بر کمرِ کافرِ من است
خون در دلم بہ گرمیِ عشق تو جوش زد — فصّادِ چشم غمزۂ تو نشترِ من است

ولہ

زبندِ درد وغم وارستم امشب — کہ از جام وصالش مستم امشب
سزد گرمے نہم پا بر دوعالم — کہ دستِ او گرفتہ دستم امشب
زبندِ این وآن آزادم امروز — اسیرِ تارِ زلفش ہستم امشب
برو بگذار بلبل صحبتِ گل
کہ دل بر خاکِ کویش بستم امشب

چہ خونہا کہ از چشم ترمے فشانم — چہ گلہا ز لختِ جگر مے فشانم
بہ تیغ غم تو ندارم جو ہر — زچشم ار چہ لعل وگہر مے فشانم
شوم فارغ از پرتو شمع ومشعل — چو شب لعلِ تر تا سحر مے فشانم

ولہ

دوش آتش در دلم زد آتشین رخسارکے — کافرے شوخے ستمگر دلبرے طرارکے
رنجکے افگندہ در بر نازک وتر ہمچو گل — شبنم آسا بر سر گل بر سرش دستارکے
بیکسانہ سر نہادم بر سرِ بالینِ باغ — نیست جز غم مونسے جز آہِ غم غمخوارکے
صبر وطاقت باخت دل افتادہ رازش برملا — تاکے این جورِ تغافل بر سرِ بے خارکے

بردجانِ بلبل از یک خندۂ شکر شکن
شوخکے غدّارکے طرّارکے دلدارکے

دل را شکایتے ایست کہ بسیار نازک است — لب بستہ بہتر است کہ دلدار نازک است
در پیچ و تابِ طرۂ دلدارِ مشک مو — اے شانہ ہوشدار کہ این تار نازک است
گر چشمِ مستِ او نہ کند سوے ما نگاہ — اے دل بداں کہ خاطرِ بیمار نازک است
محرم بدردِ غم نبود غیرِ سینہ ام — این رازِ دلنواز براغیار نازک است
ترسم کہ سینہ خون شود از ہجومِ درد
محرم بروکہ پردۂ اسرار نازک است

ناز نینا بہرِ تو از جاہ و سامان رفتہ ام — بہرِ شوقِ روے تو از دین و ایمان رفتہ ام
بسکہ در ہجرانِ تو جاری شدہ دریاے خون — درمیانِ موجِ طوفان تا گریبان رفتہ ام
بود دل دریا و روبیت جمع لیک از عشوۂ — ہمچو تارِ زلفِ مشکینت پریشان رفتہ ام

ولہ

ہر گہ کہ قامتِ خوش و زیبا روان کند — بر عاشقان قیامتِ کبرے بپا کند
ناخن زدہ است در دلم آن سروِ گلعذار — پامالِ دستِ جورِ دلم چون حنا کند
عمرم بسر رسید و نشد وعدہ اش بسر — دل صبر و جان شکیب بگو تا کجا کند
ہر گوشہ لالہ میدمد از اشکِ لعل رنگ
بلبل اگر ز ہجرتِ گل قصہ ہا کند

بیک جلوہ دل و جانم بخاک انداختی رفتی — چو زلفِ خود پریشان روزگارم ساختی رفتی
دل از کف رفتگان را شد قیامت آن زمان برپا — چو بالائے بلا پیما بناز افراختی رفتی
قدم بر جور و بد عہدی و بے مہری چو بنہادی — دل از مہر و وفا و عہدِ خویش پرداختی رفتی
دل و جان را بخاک و خون فگندی پائمالِ غم — چو شمشیرِ تغافل بر سرِ من آختی رفتی
بہ کین بر ادہمِ ناز و تغافل بسکہ زین کردی
بجانِ بلبلِ نالان بہ تندی تاختی رفتی

واسوخت بلبل

دوستان شکوۂ بے برگ و نواۓ بینید | زردیِ رنگِ رخِ بے سروپاۓ بینید
دستبرد ستم ہوش رباۓ بینید | تازہ اندازہ نما ناز و اداۓ بینید
طرزِ غارتگریِ عشوہ نماۓ بینید | خون شدہ جانِ من از جور و جفاۓ بینید

دردمندم دلِ ما را ز دوا چارہ کنید
مردم از جور و جفا بہرِ خدا چارہ کنید

اینچہ نازاست کہ نا آمدہ باز آمدۂ | بہرِ قتلِ دلِ ما عشوہ طراز آمدۂ
بارخِ تازہ و با زلفِ دراز آمدۂ | چشمِ بد دور کہ بسیار بناز آمدۂ
دائم از بہرِ کسے ہمدمِ راز آمدۂ | بہرِ ما فتنہ نما سینہ گداز آمدۂ

یارِ من این ہمہ اغیار پرستی نہ سزد
مگر از مذہبِ تو یار پرستی نہ سزد

بوۓ گلزارِ ارم در خسِ کوۓ است مرا | خار خارِ دل و جان از گلِ روۓ است مرا
کار با سنگدلے عربدہ جوۓ است مرا | دل بہ سوداۓ بتے سلسلہ موۓ است مرا
سوختہ جان و دل از شعلہ خوۓ است مرا | چشمِ پُر روشنیِ روۓ نکوۓ است مرا

نیست جز کوے تو جاۓ بکجا خواہم رفت
جز غمت نیست دواۓ بکجا خواہم رفت

بُرد آرامِ دلم جلوۂ دلجوۓ کسے | کرد دربندِ بلا حلقۂ گیسوۓ کسے
دلِ دیوانہ شدہ از ہوسِ روۓ کسے | بہرِ پامالِ کسے خاکِ سرِ کوۓ کسے
رشکِ آمیزِ تلطف کنَدم خوۓ کسے | نظرش سوۓ کسے و نگہش سوۓ کسے

چہ کنم غیرِ رقیبم نفسے ممکن نیست
بال واکردہ نشینم نفسے ممکن نیست

اے ستم گارہ درونم ز جفا سوختۂ | طرزِ غارتگری از بیش کہ آموختۂ
از پئے سوختنم شمعِ رخ افروختۂ | جانِ مسکینِ من از تیرِ نگہ دوختۂ

شیوۂ جور و جفا بہرِ کہ اندوختۂ جگرِ سوختہ را باز چرا سوختۂ

جانِ من این ہمہ بے مہر و وفائی تا چند

چند از جور و جفا طرزِ جدائی تا چند

گاہے از پنجۂ غم چاک جگرے سازم گاہے از گردِ الم خاک بہ سر میسازم

گز بیدادِ تو با دیدۂ تر میسازم گاہ با تیغِ غمت سینہ سپر میسازم

از غمت بہرِ جگر تیر و تبر میسازم بدلِ بے خبرِ خویش خبر میسازم

چند از جور خوری خونِ دلِ مسکینے

شادمان باش نگاہے بہ سوئے غمگینے

انتخاب از گلشنِ عندلیب

در ابتدائے قصّہ ـــ

پس از حمدِ ذاتِ خداوندِ پاک کہ کون و مکان آفریدہ ز خاک

درآرایش آرم بساطِ سخن کشم نو طرازے ز دورِ کہن

چنین گوید آن داستان گوے مرد کہ طبعش بہارِ سخن تازہ کرد

نئے گلکش از نیشکر خاستہ بہارے ز دانش بر آراستہ

بہ ملکِ بنارس در اقصائے آن کہ آنجا بود معبدِ ہندوان

برہمن جوانے ہنرمند بود کہ در سادہ لوحی خردمند بود

نکو روے و خوشخوے و شیرین زبان ولے بے شعور از سرشتِ زنان

زنے داشت پاکیزہ روے چو حور کہ رویش بہ خورشید میداد نور

بہارِ رخش نو بہارِ جہان سزاوارِ دوش و کنارِ شہان

شکر چاشنی گیرِ نوشِ لبش گرو بردہ از مشتری غبغبش

دو چشم فسون سازِ او فتنہ زا موکل بہر غمزۂ فتنہ ہا

نہالِ قدش سروِ باغِ کمال مروّج ز دُرجِ دہانش جمال

ز زلفِ مسلسل در آغوشِ او سیہ پوش گشتہ برو دوشِ او

نمک پاشِ دلہا شکر پاسخش — منور تر از ہور نورِ رخش
گران قیمت از گردنش لعل و دُر — سراپائیش از فتنہ و ناز پُر
عقیقین لبش لعلِ نوشینۂ — بلورین ستنے یاسمین سینۂ
بتے در ہمہ کار پرکار بود — بہ پرکاریِ خویش عیار بود
فسون ساز چون چشمِ جادوے خویش — رسن باز چون سنبلِ موئے خویش
بخوبش پیکرے در چمن لالۂ — بخوبی مہِ چہاردہ سالۂ
گلِ از بہشتے برین آمدہ — مہے ز آسمان بر زمین آمدہ
دو زنّارِ زلفِ مسلسل شکن — در افگندہ در گردنِ برہمن
نہ خواب و قرارش بجز روے او — گرفتار در دامِ گیسوے او
زتاراجِ زلفِ سیہ مستِ او — دلِ خویشتن دادہ در دستِ او
دمے بے وصالش قرارے نداشت — بلے با خودش اختیارے نداشت
دم صبحدم تا بوقتِ مسا — نگشتے از و یکنفس ہم جدا
زنِ پاکدامن بخدمت درست — بظاہر پرستی کمر کردہ چست
بباطن سرش را ہواے دگر — بخاطر نہادہ ولاے دگر
قدش جلوہ سازِ دگر گلشنے — دلش صید بازِ شکار افگنے
بروئے جوانے بر آشفتہ بود — زعشقش شب و روز آشفتہ بود
دل از کف زعشقِ گلے دادہ بود — شکارے بدامش در افتادہ بود
جگر چاک از بہرِ دلدار داشت — بسر خاک از بہرِ طرّار داشت
ہمے جست تدبیرے از بہر کار — کہ اخراج شوہر کند زان دیار

سرشت و بیوفائی زن کے متعلق کہتے ہیں ؎

سرشتِ زنان چون بنا کردہ اند — بآب و گلِ مکر پروردہ اند
زخوے زنان بوے خوبی مجوے — میاویز خود را بدین رنگ و بوے
خمیرِ زن آغشتۂ خامی است — برو دل نہادن زناکامی است

اگر پاکباز است زو ہم بترس
وگر بے نماز است زو ہم بترس

طریق زنان نیست جز پیچ پیچ
مکن اعتماد ش بپا کی بہ ہیچ

بیا بلبل اکنون سخن کن تمام
کہ طرز ملال است طول کلام

کہن اوستادان کہ دانا بُدند
درین داستان داستان ہا زدند

انتخاب از "گلزار بلبل"

حمد و ثنا اس طرح شروع کرتے ہیں ؎

اے مبدع ہر بلند و پستی
موجود کن وجود و ہستی

اے محرم راز دردمندان
مقصود دل نیاز مندان

اے ذات تو بے زوال و بیچون
انعام تو از کلام بیرون

اے مبدع آسمان و انجم
وے مخترع وجود مردم

اے ور گہت از شریک خالی
شاہنشہ ملک لایزالی

اے از تو تمام کار عالم
وے لطف تو پردہ دار عالم

اے در رہت عقل گشتہ گمراہ
با تست کمند وہم کوتاہ

اے وہم و خیال و فکرت و ہوش
در وصف تو ساکت اند و خاموش

اے تاج دہ سر بلندان
وے مرہم زخم دردمندان

اے ذات تو از صفات بیرون
زادراک تو کائنات دل خون

اے بر در تو امید عالم
افلاک بر آستان تو خم

اے مالک ملکت قدیمی
ستار و رحیمی و کریمی

اے ذات تو از تغیر خالی
بر تست مثال بے مثالی

اے بر کرمت امید جاوید
از نور تو ذرہ ایست خورشید

اے وصف تو چون نمود آغاز
از چنگ فتادہ زہرہ را ساز

اے روشنی درون احباب
از نور تو پر توے است مہتاب

اے درد مرا دوا ست از تو
وے چارۂ کار ماست از تو

اے چارہ نمائے ما تو ہستی ما بندہ خدائے ما تو ہستی
مقصود توئی بہر نمودے معبود توئی بہر وجودے
دربارگہِ تو بندہ پرور خورشید غلام و ماہ چاکر
جُز درگہِ تو درے دگر نیست با سروریت سرے دگر نیست
بر لطفِ تو ہر دو چشم دارند بر درگہِ تو امید دارند
محروم نہ گردد از درت کس فریادرسِ جہان توئی بس
اے خاک درِ تو آبِ عالم وے گردِ رہت عبیرِ آدم
یارب بمن از رہِ عطیہ کن عفو جرائم و خطیہ
از ظلمتِ جہل ایمنی بخش وز پرتوِ خویش روشنی بخش
جُز ذاتِ تو دیگرے ندارم جُز درگہِ تو درے ندارم
اے بر درِ خویشتن بخوانم وے بر درِ دیگرے مرانم
گر بارِ گناہِ من گران است دریائے محیطِ بیکران است
از راہِ کرم بہ من زبان دہ وز نام و نشانِ خود نشان دہ

ساقی سے خطاب اور طلبِ شراب کے بارے میں ؎

ساقی بیش آر جامِ بادہ بند از سرِ شیشہ کن کشادہ
آن بادہ کہ قوّتِ روان است روشن کنِ دیدۂ مغان است
ساقی ز شرابِ ناب جامے در دہ بہ مذاقِ تلخکامے
ساقی قدحے ز لعلِ گلرنگ در دہ کہ دلم ز غصہ شد تنگ
آن بادہ کہ فایقِ جوانی است بخشندۂ عیشِ جاودانی است
آن مے کہ چو لعلِ آبدار است ہم مرہمِ سینۂ فگار است
آن مے کہ دہد بدیدہ نورے بخشد بہ دل و جگر سرورے
ساقی ہمہ آشنا بہ بیش اند بیگانہ مشو کہ یارِ خویش اند
ساقی ز نوازشے کہ داری در شیشہ چوارشے کہ داری

دردہ کہ غمم ہم سر آید
بلبل گلزارِ خود سرآید

در تعریفِ بہار ے

چون گشت زمین زگل مزیّن   شد چشمِ جہان چو چشمہ روشن
بگرفت بہار جامِ بادہ   شد نالۂ بلبلان کشادہ
بشگفت گل و دمید سنبل   زد جوش بہارِ آتشِ گل
بر تختِ چمن بصد تجمّل   بنشست بناز خسروِ گل
گل بر سرِ تخت تکیہ دادہ   نرگس بر خش نظر نہادہ
سنبل در زیرِ شاخ بادام   چون زلفِ مسلسل و لارام
نیری زکمالِ حسن مدہوش   بامرز نکوش دوش بردوش
نسرین بہ چمن نواختہ کوس   زو بر رخِ نسترن بسے بوس
از بیم و غمِ خزانِ توسن   شمشیر بکف گرفتہ سوسن
نرگس بہ چمن نظر کشادہ   بر دست گرفت جامِ بادہ
گل بر سرِ تخت چون سلیمان   نافرمان گشتہ بندہ فرمان
رعنا از عشقِ یار سوزان   چون کوزۂ آتشی فروزان
در باغ بہار کردہ خانہ   در زلفِ بنفشہ کردہ شانہ
از شبنم گشتہ سبزہا پُر   شد تختۂ لاجورد پُر دُر
در صحنِ چمن نشستہ دلشاد   شمشاد و خدنگ سروِ آزاد
صد قمری و صد ہزار بلبل   افگندہ بہ صحنِ باغ غلغل
بلبل بر شاخِ گل غزلخوان   داؤد صفت شدہ خوش الحان
بر شاخِ چنارِ سبز پہلو   زد فاختہ نالہائے کوکو

در فصلِ چنین بہارِ دلکش
گردیدہ جہان زگل پریوش

قطعۂ بدیہہ

جان سوخت زِ آتشِ جدائی جانانۂ ما خبر ندارد
گشتیم خراب از مئے عشق مستانۂ ما خبر ندارد
افسانہ شدیم در غمِ او ز افسانۂ ما خبر ندارد
کردیم خراب کعبۂ دل بتخانۂ ما خبر ندارد
افروخت برون درون ہمہ سوخت کاشانۂ ما خبر ندارد

شد مست ز جامِ عشق بلبل
پیمانۂ ما خبر ندارد

ترجیع بند۔

بندِ اوّل

اے بارخ گل تو رشکِ ناری چہ لالہ چہ گل چو نو بہاری
تا دست رسد نمیگذارم از دامنِ دستِ عجز و زاری
خون شد دل و دیدہ گشت طوفان از نالہ و اشکِ بے قراری
رحم آر برین دلِ جگر خون من غمخوارم تو غمگساری
در عشقِ تو او فتادہ ہستم بردار بہ شفقتے کہ داری

برخیزم و گوشۂ گزینم
با نالۂ و آہ خود نشینم

بندِ دوم

از خارِ فراقِ یارِ دلدار گلزار بچشمِ من شدہ خار
از جور و جفا چہا نکردی از مہر و وفا دلِ تو بیزار
ز احوالِ دلم خبر چہ پرسی بے یار بود ہمیشہ بیمار
دور از تو ز فرقتت چہ گویم بیمارم و بیقرار و بیدار
شوخ کہ بہ غمزہ ہائے کُشت یا رب بہ پناہ خود نگہدار

از پختگیِ جنونِ عشقم گشت است جگر کفیدہ چون نار
برخیزم و گوشۂ گزینم
با نالہ و آہِ خود نشینم

بند سوم

در عشق تو ہر کہ داغ دارد از ہر دو جہان فراغ دارد
زلفِ سیہت بہ گرد رخسار دزدے کہ بکف چراغ دارد
آن چشم کہ مست خشم و ناز است از خونِ دلم ایاغ دارد
دل از رہِ عقل گشتہ گمراہ در راہِ غمت سراغ دارد
با داغِ دلم چہ نسبت آرد آن لالہ کہ کوہ و راغ دارد
برخیزم و گوشۂ گزینم
با نالۂ و آہ خود نشینم

بند چہارم

بر بود دلم بتے بہ نازے شوخے بہ کرشمہ فتنہ بازے
خورشید رخے بہ طلعتِ ماہ در وادیِ نازیکہ تازے
دین برد بہ یک نظارہ دل نیز آہو چشمے و سحر سازے
عمرے است ز عشقِ تو کہ دارم در سینہ فراقِ جان گدازے
در مذہبِ حسن و عشق وارد نازِ ز تو و ز من نیازے
در محنت و غم دلم ندارد جز یادِ رخت انیسِ رازے
برخیزم و گوشۂ گزینم
با نالۂ و آہِ خود نشینم

بند پنجم

از حالِ دلم خبر نداری از نالۂ من اثر نداری
اے چشمِ نمِ توکم چرا شد زین بیش مگر جگر نداری

بے مہری و بے وفائیت چند — بوے ز وفا مگر نداری
دل در رہِ عشق پا ز سر کن — در سر سرِ سر اگر نداری
پامال جفا و جور کردی — چون از دلِ ما خبر نداری
مُردم از دردِ ہجر مُردم — بر تربتِ من گذر نداری

بر خیزم و گوشۂ گزینم
با نالہ و آہ خود نشینم

بند ششم

با روے تو با چمن چہ سازم — بے موئے تو با ختن چہ سازم
در عشق مرا نماندہ جانے — بے عشق بہ جان و تن چہ سازم
خود جامۂ دل دریدم از غم — با جامۂ و با کفن چہ سازم
بے یار بہار زار چہ بینم — بے نار بہ نارون چہ سازم
امّید طرب جہان نہ دادہ — یارب بہ غم و محن چہ سازم

بر خیزم و گوشۂ گزینم
با نالۂ و آہ خود نشینم

بند ہفتم

در راہِ غمت بہ دیدہ رفتیم — اے واے ترا نہ دیدہ رفتیم
در عشقِ تو عشرتِ جہان را — نا دیدۂ و ناشنیدہ رفتیم
از دستِ تظلّمِ فراقت — پیراہنِ دل دریدہ رفتیم
با درد تو از فراق مُردیم — در گور کفن دریدہ رفتیم
اندر تہِ خاک ہم ز دردت — اے واے نیا رمیدہ رفتیم

بر خیزم و گوشۂ گزینم
با نالۂ و آہِ خود نشینم

بند ہشتم

در عشق تو از جہان گذشتم
اے جانِ جہان زجان گذشتم
از شوقِ تو اے دُرِ صفاخیز
چو اشک روان روان گذشتم
از ہجر تو اے بتِ ستم کیش
نا دیدہ جہان زجان گذشتم
از بادِ خزانِ ہجرت اے یار
چون لالۂ و ارغوان گذشتم
در فرقتِ گلرخت چو بلبل
با نالۂ و با فغان گذشتم

برخیزم و گوشۂ گزینم
با نالۂ و آہِ خود نشینم

بہار۔ پنڈت لسہ کول صاحب خلف پنڈت ٹیکارام جیو آخون

آپ کے حالات و کلام اس تذکرہ کی جلد اوّل میں درج ہو چکے ہیں۔ آپ کے مطبوعۂ کلام کے علاوہ دو قصیدے اب دستیاب ہوئے ہیں جو انھوں نے اس زمانے کے کشمیری پنڈت روساء کی مدح میں لکھے تھے۔ ان کو ناظرین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

آمد بہار و سبزہ ز ہر سو کشید سر
از سبز وار داد نشان باغِ کاشمر
بلبل بیا کہ مطربِ بزمِ چمن توئی
بر چنگ نالہ زن رہ نوروز را دگر
بر گردِ چشمہ سبزۂ نورستہ میدہد
از خطِ نو دمیدۂ و چاہِ ذقن خبر
سرخاب وش ز عکسِ گلِ لعل و لالہ ہا
ہر طائرے بر اوجِ ہوا گشتہ سرخ پر
آمیخت بوے گل بہوا بسکہ طرفہ نیست
گردد گلاب ریز اگر ابر چون مطر
از تپشِ ہجرِ گل دلِ بلبل فگار بود
صبحِ بہار پنبہ نہادش بزخم بر
ہر نخل از شگوفہ درم ریز گشتہ است
گل ہم بدست کردہ زبس مہرِ مشت زر
بہر نثارِ تارکِ اقبالِ مقبلی
کز ماہ تاب بردہ بہ پیشانیِ چو خور

مہتاب برج جاہ کہ تاب مہ رخش / براوج چرخ دیدۂ خورشید کردہ تر
از بس نشاطِ سالِ نو و فالِ فرخش / بنشستہ بر وسادۂ دولت بجاہ و فر
بنہادہ پا بپایۂ والائے قدر و شاں / بکشادہ دستِ جود چو دریا بہ خشک و تر
اے سایہ‌ات سعید تر از سایۂ ہما / وے پایۂ ز گنبدِ اخضر رفیع تر

دیگر

رسید مژدہ کہ ایام عیش و ناز آمد / بجوئبارِ امید آبِ رفتہ باز آمد
باین نوید دلِ دوستان ببالیدہ / ز تابِ رشکِ گلِ خصم در گداز آمد
شگفت غنچۂ دلہائے خویش و بیگانہ / چو این نسیم بشارت باہتزاز آمد
کہ یعنی از شرفِ نجم لطفِ شاہِ زمان / بحالِ پنڈت[1] جواہر دلنواز آمد
چہ پنڈتے[2] کہ سرِ دست جاہ با صد شان / بپائمردیِ تائید جلوہ ساز آمد
ایا چو ابر کفت دُر فشاند چون نیسان / صدف بہ پیشِ تو بکشادہ کام آز آمد
ز دستگیریِ الطافِ ظلِ سبحانی / ستارۂ تو بصد نور برفراز آمد
چو در علاقۂ نوپائے رنجہ فرمودی / ز دورِ دولتِ جاوید پیش باز آمد
چو عندلیب پس از سالہا بہار حزین / بباغِ محفلِ جاہت ترانہ ساز آمد
گرفتہ پنجۂ او دامنِ اجابت را / پئے دعائے تو دستش بہ سر دراز آمد
عنانِ توسنِ اقبال در کفت بادا / سمندِ چرخ بزین تاکہ تیز تاز آمد

بیتاب - پنڈت نابہ رام ترکی صاحب

آپ کے کلام کا نمونہ تذکرۂ "بہارِ گلشنِ کشمیر" کی جلدِ اول میں نذرِ ناظرین کیا گیا ہے بڑی جستجو اور تلاش کے بعد مختلف ذرائع سے جو حالات دستیاب ہوئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

آپ بیتاب تخلص کرتے تھے چنانچہ آپ کے ایک منظوم خط کے مقطع میں تخلص

[1] پنڈت [2] پنڈتے۔

موجود ہے اور آپ کی مشہور تصنیف "جنگ افغانان و سکھان" میں بھی اس کو استعمال کیا گیا ہے۔

آپ ۱۸۳۳ بکرمی مطابق ۱۷۷۶ء میں رعنا واڑی سرینگر کشمیر میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے کی مروجہ تعلیم کے مطابق خاطر خواہ تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد آپ سرکاری ملازمت میں بہ حیثیت کاروار (عامل) کے فرائض انجام دیتے رہے اور عمر کا بیشتر حصہ موضع برنگ علاقۂ اننت ناگ میں اسی ملازمت کے سلسلے میں بسر کیا۔

اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت سے فارسی و عربی میں آپ نے مہارت تامہ حاصل کی تھی۔ اپنے وقت کے اعلیٰ درجہ کے شاعر تسلیم کئے جانے کے علاوہ آپ حاضر جوابی اور فی البدیہ شعر کہنے میں کافی شہرت رکھتے تھے اور پنڈت راجہ کاک صاحب متخلص بہ فرخ کے دربار میں شریکِ مجلس ہو کر دادِ سخن دیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں ایک موقع پر حضرت فرخ کے سامنے کسی صاحب نے جب ملا محمد توفیق کشمیری کا یہ شعر پڑھ کر اس کی تعریف کی اور ان سے اس کی داد چاہی ؎

شکستہ رنگیِ من با طبیب در جنگ است علاجِ دردِ سرم حسن صندلی رنگ است

تو پنڈت راجہ کاک نے خود بھی اس شعر کی تعریف کی اور حاضرینِ مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا کوئی شخص اسی بحر اور قافیہ میں ایسا ہی عمدہ شعر کہہ سکتا ہے؟ منجملۂ دیگر شعراء کے حضرت بیتاب بھی اس موقع پر حاضر تھے انھوں نے عرض کی جناب میں اسی پایہ کا بلکہ اس سے بہتر شعر اسی زمین اور قافیہ میں ابھی عرض کئے دیتا ہوں بشرطیکہ انعام کا وعدہ فرمایا جائے حضرت فرخ نے جو اول درجے کے علم دوست اور سخن پرور تھے انعام کا وعدہ کیا جس پر بیتاب نے کہا ؎

سیاہ بختم و از بختِ خویش خورسندم چرا کہ بختِ من و زلفِ یار ہمرنگ است

حاضرینِ مجلس یہ شعر سن کر پھڑک اٹھے۔ چاروں طرف سے واہ واہ اور سبحان اللہ کے نعرے بلند ہوئے اور حضرت فرخ نے اسی وقت حکم دیا کہ فوراً پنڈت تابہ رام کے گھر ایک سو خروار (یعنی تقریباً دو سو من) شالی بھیجدی جائے۔ جس کی تعمیل کی گئی۔

حضرت بیتاب نے "جنگِ افغانان و سکھان" کے علاوہ منظوم "رنجیت نامہ" اور "اکبر نامہ"

دو کتابیں تصنیف فرمائی تھیں لیکن افسوس ہے کہ آجکل یہ دونوں نایاب ہیں - اسی طرح آپ کی غزلیات کا مجموعہ بھی دستبردِ زمانہ سے تلف ہو چکا ہے ۔ صرف "جنگِ افغان و سکھان" کی غیر مطبوعہ نقل بعض بزرگانِ قوم کے پاس موجود ہے ۔ جس کے مطالعہ سے آپ کی طباعی زورِ طبیعت ۔ روانی اور جوش و خروش کا پتہ ملتا ہے ۔ آپ کی رزمیہ نظم میں ایک ایسا نو طرز رنگ پایا جاتا ہے جو فردوسی اور نظامی کے کلام کو یکجا اور آمیختہ کرنے سے پیدا ہو سکتا ہے اور اس کلام میں وہ جوہر موجود ہیں جن پر فارسی شاعری کو ناز ہو سکتا ہے ۔ آپ تاریخ گوئی علم ہندسہ و تنجیم اور دیگر مسائل میں بھی کافی دسترس رکھتے تھے ۔ ۷۱ سال کی عمر پاکر آپ ۱۹۰۴ بکرمی مطابق ۱۸۴۸ء میں راہیِ ملکِ عدم ہوئے ۔

بیتاب - پنڈت شیام پرشاد گنجور صاحب اکبرآبادی

کشمیری پنڈتوں کے فرقہ میں ایک بیوہ لڑکی کی شادی آگرہ میں ہوئی تھی اور اس سوشل رفارم کے خیر مقدم میں چک بست مرحوم نے ایک نظم "برق اصلاح" تصنیف کی تھی جو صبحِ وطن (مجموعۂ کلام نظم چک بست) میں درج ہے ۔ اُس کے جواب میں حضرت بیتاب نے دو نظمیں "جور اصلاح" نمبر ۱ و نمبر ۲ کہی ہیں جو خوب دلچسپ اور پُر لطف ہیں ۔ یہ دونوں نظمیں بیتاب کی زور طبع کا ایک نفیس نمونہ ہیں ۔

جور اصلاح نمبر ۱

مرحبا قوم میں جھگڑے کے اُٹھانے والو ۔۔۔ اور سوتے ہوئے فتنہ کے جگانے والو
دل پہ ہٹ دھرمی کے سکے کے جمانے والو ۔۔۔ آبرو قوم کی دنیا میں گنوانے والو
واہ کر کشتیِ عصمت کا کنارا تمنے
بحرِ عالم میں ہے معصوموں کو مارا تمنے

کل تک عصمت کا نہ اک تار تھا جس کا ٹوٹا ۔۔۔ آج صد حیف اُسے تم نے سراسر لوٹا
ہوا بدعہد کی سچائی کا دعویٰ جھوٹا ۔۔۔ آن کی آن میں عصیاں کا پہاڑ آ ٹوٹا

خود بھی ناشاد ہوئے اوروں کو ناشاد کیا
ظلم مذہب پہ کیا قوم کو برباد کیا

چمنِ عصمت و غیرت کو کیا ہے ویراں　　بلبلِ باغِ فضیلت ہے بہت ہی نالاں
عاقبت اپنی بگڑنے کے کئے ہیں ساماں　　دشمنِ قوم بھلا ایسے میسر ہیں کہاں
قوم تھراتی ہے کرتب کو تمھارے سن کر
دھرم خاموش ہوا اپنا یہاں سر دھن کر

ست کو قائم جو رکھیں اور کمائیں جو ثواب　　اُس کا کچھ فہم رکھیں قوم کی گردن پہ عذاب
روشِ پاک کو جو لوگ بتاتے ہیں خراب　　اُس پہ نازل ہو خداوند ترا قہر و عتاب
جو کہ ہیں قوم کی بربادی کی تدبیروں میں
ڈال دو باندھ کے فولاد کی زنجیروں میں

دھرم پرور وہ نہیں ہوتے کبھی بھی معذور　　صبر کی دیتا ہے توفیق خدا ان کو ضرور
ملک کی رسم کو کہتے ہیں نرالا دستور　　مہرباں۔ عقل کا ہے آپ کی یہ سارا قصور
جو رضا جو ہیں اُنھیں صدمۂ بیداد نہیں
لب پہ شکوہ نہیں۔ نالہ نہیں فریاد نہیں

حیف ہے دھرم کی بنیاد ہلی جاتی ہے　　آبرو قوم کی مٹی میں ملی جاتی ہے
ہائے کیا ظلم ہے رسم عملی جاتی ہے　　مذہب و دین کی شانِ ازلی جاتی ہے
خود غرض قوم کو گمراہ بنا دیتے ہیں
جھوٹ کا سچ یہی حضرات دکھا دیتے ہیں

یہ ہوا جوش کا ہٹ دھرموں پہ عالم طاری　　عقل بھی کھوئی گئی اُنکی گرہ کی ساری
رسم معیوب کو کرتے ہیں جو یہ اب جاری　　ہائے کمبختوں نے جیتی ہوئی بازی ہاری
سر سے بدنامی کے ٹیکے کبھی مٹنے کے نہیں
بیر بکھرے ہیں یہ ایسے کہ سمٹنے کے نہیں

نیک و بد سے نہیں آگاہ یہ ہیں کورے نہنگ　　ہوش میں اب یہ نہیں ان کو نشہ کی ہے ترنگ

گو پشیمان ہیں پر دل میں یہ اُن کے ہے اُمنگ　　بے حیائی ہی سہی پھر بھی جماتے رہو رنگ
کون ملتا نہیں ڈھونڈھے سے طرفداروں میں
ذکر تو یہ بھی نہیں حیف گنہگاروں میں
آؤ ایمان کے جانے کا تماشا دیکھیں　　آنکھ سے شرم کا اُٹھتا ہوا پردا دیکھیں
دھرم کے خون کا بہتا ہوا دریا دیکھیں　　غرق ہوتا ہے گنہگار کا بیڑا دیکھیں
چاک ہے جامۂ دیں نقشِ رفو باقی ہے
رکھیو خیاطِ ازل شرم کہ تو باقی ہے
خود غرض نفس پرست جمع ہوئے ہیں عیار　　کیا عجب قوم کے سر سے جو اُتاریں دستار
سچ ہے نافہموں سے ہے بحث کا کرنا بیکار　　عہد پہ قائم نہ رہے اور یہ ہمت گئے ہار
ایسی اصلاح کی تاثیر کہاں ہوتی ہے
ایسی حرکات سے کب قوم جواں ہوتی ہے
جبکہ یاروں کے جھپٹے میں کوئی حور ہوئی　　قید مذہب کی طبیعت سے سبھی دور ہوئی
بزم خلوت میں ہوئی یا کہ سرِ طور ہوئی　　الغرض ہو کے رہی بات جو منظور ہوئی
ننگ ہیں فکر نہیں دین کی بربادی کا
جھنڈا ہاتھوں میں لئے پھرتے ہیں آزادی کا

جورِ اصلاح نمبر ۲

مرحبا قوم کی بربادی کے بانی تم ہو　　رشکِ فردوس ہو شداد کے ثانی تم ہو
جس کو نمرود نے چھوڑا وہ نشانی تم ہو　　سچ تو یہ ہے کہ بد افعالی کے بانی تم ہو
قوم کی عزت و توقیر کو کھویا تم نے
ہائے منجدھار میں بیڑے کو ڈبویا تم نے
اس قدر ظلم پہ کیوں آپ نے باندھی ہے کمر　　کیوں یتیموں کو اسیری کا دکھایا منظر
مر کے چھُٹ جانے کا افسوس تو ہوتا دم بھر　　جیتے جی ہائے چھُٹی جاتی ہے ماں سے دختر

واہ شاباش ہے کیا رسم نکالی تم نے
ظالموں ظلم کی بنیاد یہ ڈالی تم نے

مل گئی خاک میں سب گلشنِ قومی کی بہار
اب تو ظاہر نظر آتے ہیں خزاں کے آثار

ہائے پیدا ہوئے کلجگ میں کلنکی اوتار
چمنِ قوم کو برباد کیا آخر کار

راستہ قوم کے بچّوں کا بھی کھویا تم نے
نام بھی اپنے بزرگوں کا ڈبویا تم نے

عصمت و عزّت و حرمت کا نہیں آپ کو پاس
غیرت و شرم پھٹکتی ہی نہیں آپ کے پاس

ہم سمجھتے ہیں کہ ہے ٹھیک ہمارا یہ قیاس
بیحیائی کا عبث آپ نے پہنا ہے لباس

قوم میں آپ کے سر سہرا ہے اس شادی کا
تمغہ مل جائے گا بیواؤں کی بربادی کا

آپ کی جرأتِ اصلاح کا کیا کیجے بیاں
جس کا زنہار نہ تھا قوم کو کچھ وہم و گماں

اب نظر آئے ہیں کچھ فہم و فراست کے نشاں
دیکھئے اب یہ اُلوالعزمیاں پہنچیں گی کہاں

دین و ایمان نہیں شرم و حیا پاس نہیں
مرد آزاد ہیں دل میں کوئی وسواس نہیں

اس کی پروا نہیں گر ہو گئے رسوائے انام
پر کیا آپ نے کس ہمّت و جرأت کا یہ کام

آپ کے سر کی قسم آپ کا دنیا میں ہے نام
دور سے کرتی ہے قوم آپ کو جھک جھک کے سلام

شکر ہے آپ کی کوشش سے ہوا یہ سمبند
خوب مخمل میں دوشالہ کا لگایا پیوند

کُل کیا انجمنِ قوم سے الفت کا چراغ
اُن کے قِح سے نہ مٹے گا کبھی تا عمر یہ داغ

ڈھونڈھ کر جوڑے کے جوڑے کا لگا لائے سراغ
کیا بڑے کاموں میں حضرات کا لڑتا ہے دماغ

رشک کرتے ہیں زمانہ کے مدبّر اُن پر
نفس امّارہ ہے ہر طرح سے قادر اُن پر

واہ کیا تخمِ حسد قوم میں بویا افسوس
حیف ہے حرفِ محبّت کو بھی دھویا افسوس
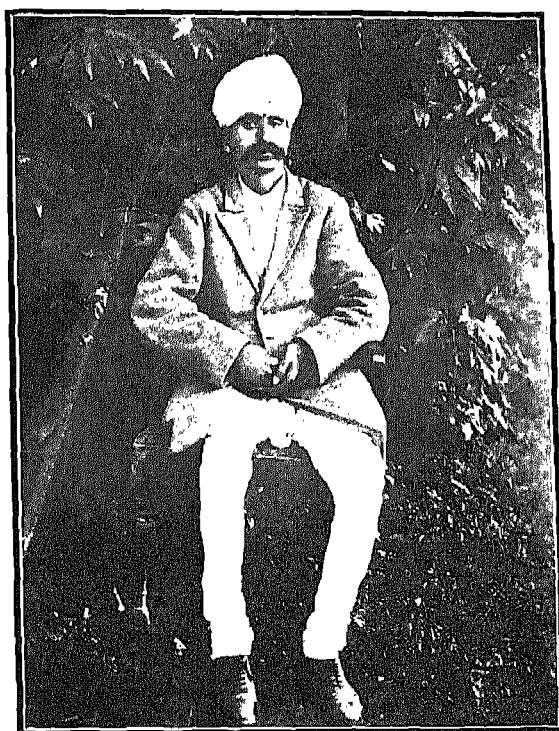
پنڈت نندلال در۔ بیغرض

خونِ معصوم سے دامن کو بھگویا افسوس نام کشمیر کا واللہ ڈبویا ۔ افسوس
اُس سے پوچھے کوئی جس گھر کی یہ بربادی ہو
آپ ترغیب یہ دیتے ہیں کہ ہاں شادی ہو
چھپ کے ماں باپ سے یہ رشتۂ الفت کیا خوب قبل شادی کے دولھن کی ہوئی رخصت کیا خوب
بیاہ کی بھی ابھی آئی نہیں نوبت ۔ کیا خوب پی لیا پہلے ہی قارورۂ عفت ۔ کیا خوب
مغربی طرز و مراسم کے مقلّد تم ہو
اس نئے ڈھنگ کی دامادی کے موجد تم ہو
ہائے ان نفس پرستوں نے نہ سوچا انجام جھوٹ سچ کہہ کے کیا قوم کو ناحق بدنام
جب چڑھاتے ہیں مئے سرخ کے یہ جام پہ جام خواہشِ نفس میں حوروں سے یہ کرتے ہیں کلام
دھرم بھی دین بھی ایمان بھی تم پر صدقے
ہم تو آزاد ہیں یہ جان بھی تم پر صدقے

بیغرض ۔ پنڈت نندلال در صاحب خلف پنڈت ٹیکا لال در صاحب ساکن سرینگر کشمیر

آپ کے دادا پنڈت واسہ کاک در عہد عظیم خانی میں ہرکارہ باشی یعنے سپرنٹنڈنٹ پولیس کے عہدۂ جلیلہ پر مامور تھے اور عہدۂ وزیر فوج تک ترقی پائی ۔ جس وجہ سے حکام وقت نے ناراض ہو کر آپ کو سزائے قتل دی تھی اس کے اظہار کی یہاں ضرورت نہیں ہے ۔ واسہ کاک شاعر تھے اور باسکر تخلص کرتے تھے ۔ اپنی موت سے ایک ماہ پہلے انھوں نے ایک شعر کہا تھا جس کو ایک قسم کی پیشین گوئی کہنا چاہئے ۔ وہ شعر حسب ذیل ہے :-

گفتش از بہر بارغ باسکر ہاتفے از غیب گفتا "خشک شد"

بیغرض صاحب کے والد بھی شاعر تھے اور قانع اُن کا تخلص تھا ۔ افسوس کہ دونوں صاحبوں کا کلام ضائع ہو گیا ہے ۔ آپ کی عمر چالیس سال ہے اور شری پرتاب مڈل اسکول میں

ایک عرصہ سے مدرّس ہیں۔ آپ کا مجموعۂ کلام جامِ وحدت المعروف ترانۂ بیغرض دو جلدوں میں ترتیب دیا جا رہا ہے۔ آپ کو فخر تلمذ کسی سے حاصل نہیں ہے۔

گفتم ببوسم خاکِ پا گفتا بہ کوئے من در آ
گفتم ندانم راہ او گفتا برو دیوانہ باش

گفتم مزن تیرِ جفا گفتا ہمیں از من وفا
گفتم چساں بینم ترا گفتا کہ در بتخانہ باش

گفتم کہ بنشیں روبرو گفتا دوئی را دور کن
گفتم کہ قربانت شوم گفتا کہ چوں پروانہ باش

گفتم کہ میرم در غمت گفتا کہ دل شادم شود
گفتم زکوٰۃ حُسن دہ گفتا کہ چوں پیمانہ باش

گفتم کجا داری مکاں گفتا مکانم لامکاں
گفتم توئی جانِ جہاں گفتا توہم جانانہ باش

گفتم چہ باشد نام تو گفتا ز دنیا بیغرض
گفتم بہ پیشت چوں رسم گفتا ز خود بیگانہ باش

شدم بیخود چو مجنوں در پئے دیدار آں لیلےٰ
بہ شوقِ سنگِ طفلاں ہر طرف دیوانہ میرقصم

رسیدم عاقبت در خدمتِ ساقی بہ میخانہ
بہ گردِ شمع رویش چوں پرِ پروانہ میرقصم

دائم ازیں دُنیائے دوں۔ رفتست ہرکس سرنگوں
ازو ہم ہستی شو بروں تا واصلِ دلبر شوی

لبسِ دوئی را پارہ کُن در خود شناسی چارہ کُن
نخلِ خودی از بیخ و بُن برکن کہ نیک اختر شوی

در ذاتِ او تکرار سئے۔ اقرار سئے۔ انکار سئے
برخیز و در کش جام مے تا خود بخود رہبر شوی

شریمتی پران کشوری کچلو - پرآن

اُردو

گلشن میں اب چلنے لگی کیسی ہوائے صرصری رخصت ہوئی سب خوشدلی ہر ایک بے آرام ہے
ماضی تمہارا کیا ہوا کیوں حال سے بدحال ہو ہمت اگر کچھ تم میں ہو ہر خار رہ گلفام ہے
بس غافلو ہشیار ہو غفلت کی نیندیں سو چکے سر پر تمہارے کھیلتی شمشیر خون آشام ہے

ولہ

شب فرقت بلا سے بد ہے ٹالے سے نہیں ٹلتی نہ پوچھو دل لگانے کی سزا میں نے یہ پائی ہے
نہیں سنتا وہ ظالم۔ بیغرض شکوا ہے لاحاصل میں تنہا اس طرف اور اُس طرف ساری خدائی ہے

ولہ

اے خالق کون و مکاں اے مالک ہر دو جہاں اُجڑا ہوا ہے آشیاں ہے تنگ ہم پر آسماں
گلشن میں ہے بادِ خزاں بلبل ہوئی ہے نیم جاں کشتی پہ ہے طوفاں دواں ہے موج بحر بیکراں

ولہ

حسن باطن اور ہے شکل و شمائل پر نہ جا بے خبر کھاتا ہے دھوکا ظاہری تصویر سے

پرآن۔ پران کشوری کچلو صاحبہ اہلیہ پنڈت پرتھی ناتھ کچلو صاحب وکیل

آپ پنڈت بشمبھر ناتھ رینہ صاحب سب جج مرحوم کی دختر تھیں ۱۸۵۲ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئیں اور ۱۳ ۱۹۱۳ء میں بمقام لاہور سرگباس ہوئیں۔ صرف ہندی کی تعلیم معمولی حاصل کی تھی مگر شعر اور بھجن کہنے کا بیحد شوق تھا۔ کبھی کبھی بھجن وغیرہ بناتی رہتی تھیں آپ کو ہمیشہ اس بات کا افسوس رہا کہ اعلیٰ تعلیم اُن کو کیوں نہیں دی گئی۔

پرتھم گورو گنیش کو ہاتھ جوڑ سرناے پاپچھے جو کچھ کاریہ ہو واکو کرو اُوپاے
مَیں مورکھ اگیان ہوں نہ کچھ بُدھی موے شرن گہی اُس ناتھ کے وہی کرے سو ہوے

پرآن داسی کی بنتی سُن لیو کرتار
بھگتی۔ مکتی۔ سکھ۔ سمپدا دیو پدارتھ چار

پربھوجی مرا سنکٹ بیگ ہرو اب کا ہے دیر کرو
سندر روپ سروپ تہارو رتنوں سے ادھک کھرو
تن من دھن تمہیں پر واروں تم سے کون بڑو
اتی آنند مگن من میرو جب سے دھیان دھرو
پران داسی ہری گن گاوے تجھ میں لین رہو

اِس جہاں میں کوئی بھی اپنا نہیں غمخوار ہے جھوٹی مایا موہ میں پھنسنا یونہی بیکار ہے
تن سے من سے جان سے دل سے تمہاری یاد ہے تو مرا سوامی نرنجن تو ہی نرآکار ہے
غور سے دیکھا جو میں نے ہر جگہ پایا تجھے پھر نہ کیوں امید رکھوں تو ہی تارن ہار ہے
جیویں سب سنتان میرے اور سدا پھولیں پھلیں یہ دعا تجھ سے ہمیشہ اے مرے کرتار ہے

پران ہے چرنوں کی داسی عرض اُسکی ہے یہی
مجھکو بھگتی اور مکتی دے تو بیڑا پار ہے

کرتے جو ہیں سب سے بھلا وہ ہی بھلا پھل پائینگے
کرپا اگر ہوگی تیری وہ پھر نہیں بہ‍ے کھائینگے
جن کے دلوں میں کھوٹ ہے دیتے وہ سب کو چوٹ ہیں
کرنی سے وہ ڈرتے نہیں آخر کو خود پچھتائیں گے
چھوڑا جنھوں نے دھرم کو جانا نہ اپنے کرم کو
سب تیاگ بیٹھے شرم کو بھگتی کہاں وہ پائیں گے
کرتے جو تجھکو یاد ہیں رہتے وہ ہر دم شاد ہیں
چنتا اُنھیں ویاپے نہیں جو پریم سے چت لائیں گے
دل میں یہ ہے نِشچے مرے درشن کبھی ہونگے ترے
سُمرن ترا دن رات ہے۔ پھر کیوں مجھے بسرائینگے

ایشور را سوائے تیرے کوئی نظر نہ آیا چاروں طرف اُجالا تیرا ہی جگ میں چھایا
شترو ہیں چار تن میں دیتے یہ دُکھ ہیں بھاری ان کے ہنن کے کارن کیا یتن بنایا
کرنے سے یوگ ابھیاس قابو میں یہ ہیں آتے جیتا جنھوں نے ان کو رستہ انھوں نے پایا

پنڈت ٹیکارام صاحب کول

آپ کا تخلص معلوم نہ ہوا۔ آپ کشمیری پنڈتوں کے ایک معزز خاندان میں ۱۸۵۸ء بکرمی میں پیدا ہوئے۔ آپ پنڈت راجہ کول صاحب کے صاحبزادے تھے۔ والدہ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب پنڈت تیلک چند منشی رئیس اعظم کشمیر کے ساتھ وابستہ ہے۔ پانچ۔ چھ سال کی عمر میں سایۂ پدری آپ کے سر سے اُٹھ گیا۔ اور آپ نے اپنے ننہال میں تعلیم و تربیت پائی۔ تعلیم کا شوق بچپن ہی سے بدرجۂ غایت تھا۔ اس پر ایک علم دوست گھرانے کی بود و باش اور تربیت نے سونے پر سہاگے کا کام دیا۔ آپ نے اس وقت کے ایک مشہور عالم بخشی دیارام راجوری سے ریاضی کی مشہور کتاب "لیلاوتی" میں سبق لئے آپ نے ایک اصطرلاب ایجاد کیا تھا۔ جو آجکل غالباً لندن کے میوزیم میں ہے۔ وہاں کب اور کس طرح پہنچا۔ یہ ایک دلخراش واقعہ ہے۔ جس کا ذکر یہاں مناسب نہیں۔

آپ نے عربی اور نجوم میں ایک شیعہ عالم مسمی آیہ بابا سے تعلیم حاصل کی ۱۹۱۴ء بکرمی میں مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب آنجہانی نے آپ کے علم و فضل کی قدردانی کرتے ہوئے آپ کو اپنے دربار کے نورتنوں میں شامل ہونے کا افتخار بخشا اور دفتر دیوانی میں ایک معزز عہدے پر سرفراز فرمایا۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب کے دربار کے نورتن حسب ذیل اصحاب تھے:۔

(۱) دیوان کرپا رام صاحب۔ (۲) وزیر پنّوں۔ (۳) پنڈت مہانند جو صاحب ور رئیس کشمیر۔ (۴) پنڈت رام جیو صاحب ور رئیس کشمیر۔ (۵) دیوان بدری ناتھ صاحب مدن (۶) پنڈت صاحب جیو۔ (۷) پنڈت ٹیکا رام صاحب کول۔ (۸) خواجہ مختار شاہ صاحب عشائی۔ (۹) خواجہ ثناء اللہ صاحب شال۔

آپ نے فارسی نثر میں متعدد کتابیں لکھی ہیں جن میں سے اکثر علم نجوم سے

متعلق ہیں۔ ایک قلمی نسخہ تاریخ کشمیر کا بھی آپ کی تصنیف ہے جو نامکمل ہے۔ نظم کا ایک غیر مطبوعہ پلندہ بھی آپ سے یادگار تھا جو تلف ہو گیا ہے۔ چند اوراق پریشان اسوقت تک موجود ہیں جن سے اصلیت کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ آپ نے شریمد بھگوت گیتا کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا جس کی کوئی نقل کشمیر میں دستیاب نہیں ہوئی لیکن اُس کا تذکرہ رائے بہادر پنڈت جانکی ناتھ مدن دہلوی مرحوم نے اپنی مترجمہ شریمد بھگوت گیتا موسوم بہ "فلسفۂ الوہیت" کے دیباچہ میں یوں کیا ہے:۔

"چنانچہ ایک فارسی ترجمہ مولفۂ حضرت فیضی وزیر محمد اکبر بادشاہ۔ دوسرا مرتبہ پنڈت ٹیکارام کشمیری میرے مطالعہ سے گذرا ہے اور چند سال ہوئے کہ بمقام کوروچھتر منشی کنہیا لال صاحب الکھ دھاری نے پنڈت ٹیکا رام صاحب کے اس فارسی ترجمہ سے اُردو میں ترجمہ کیا ہے اور اس کا نام "گیان پرکاش رکھا ہے"۔

پنڈت سہج رام صاحب خازن آپ کے نہایت گہرے دوست تھے۔ انھوں نے آپ کی وفات حسرت آیات پر ایک پُر درد مرثیہ لکھا ہے جس میں آپ کی علمی استعداد اور شاعرانہ قابلیت وغیرہ کا ذکر موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے وقت کے ایک نامور علّامہ اور شاعر تھے۔

آپ ۱۹۳۴ بکرمی میں ۵۶ سال کی عمر پاکر سرینگر میں راہی ملک بقا ہوئے۔ افسوس ہے کہ آپ کی کوئی مکمل نظم دستیاب نہیں ہوئی۔ ایک کرم خوردہ نسخہ سے ذیل کے چار شعر دو مختلف قصیدوں سے بصد مشکل پڑھے جا سکے۔

قصیدہ نمبر ۱

برعلویاں نہاد قوام مرکبات   از سفلیاں بسر شدہ نظّام کائنات
مقبول کرد آنکہ نظام جہاں کند   از نطق و خلق و لطف و سیاسات و التفات

قصیدہ نمبر ۲

از عدالت از سخاوت از شجاعت میکند   فتنہ درخواب و جہاں خرّم عدو در اضطراب
بہر نظم ملک از دیوانئے فضل و کمال   ساخت رائے صائبش دیواں کرپارام انتخاب

چالاک ۔ پنڈت لچھمن بٹ صاحب ولد پنڈت ست رام صاحب

آپ اکاؤنٹینٹ جنرل کے دفتر میں ملازم تھے ۔ علم ہندسہ میں ماہر اور دفتر کی کارروائی میں طاق تھے نہایت جفاکش اور محنتی بھی تھے ۱۹۵۴ بکرمی مطابق ۱۸۹۷ء میں وفات پائی ۔

سی غزلی

اے ترکِ ناز ناز تو بردہ قرار ما — ترکانہ تاخت ترک نگاہت دیار ما

ازخارِ خارِ عشق کہ بردیم در لحد — سر زد بجاے سوسن خار از مزار ما

آرام جان و دل نتواں یافت در بہشت

چالاک پا مکش ز سر کوے یار ما

بیا کہ بے تو نخفت ست چشم من امشب — بہ دیدنِ تو شدہ دیدہ جملہ تن امشب

بہ بوے آنکہ نسیمے بروز نفحۂ مویت — نشستہ با دلِ آشفتہ یاسمن امشب

بہ شوقِ نرگس بیمار وسرخوشت نرگس — بہ عین ضعف فتادہ است در چمن امشب

بخار خارِ غم ہجر تو گلے چالاک

چو گُل دریدسراپاے پیرہن امشب

پر پروانہ وار از عشقِ شمع ساق او سوزم — کشم آہِ جگر چون دُود گہ از راست گہ از چپ

پے تادیب مجنونِ دلم لیلیٰ وشے زنجیر — کشاد از زلفِ مشک آمود گہ از راست گہ از چپ

پریدہ آب و رنگ رویم از سیلاب اشکِ گرم — گہر بارانِ آتش بود گہ از راست گہ از چپ

ولہ

تا بسر سوداے عشقِ آن بتِ طناز ہست — این سرِ سودا پسندم پائمالِ ناز ہست

تیر مژگانش دل و جانم بہم بر دوختہ — زہ بہ ترک چشم مستش وہ چہ تیر انداز ہست

توبہ بشکن بر درِ میخانہ سر نہ در سجود — باز آئی دل چہ غم از توبہ کاین ما ساز ہست

ولہ

جانم بہ فدا ایش دل و جان بردہ بہ یغما — آن ترک دل آزار و سر انداز و کلہ کج

جُو پاے وصالِ بت شیرین حرکاتم — بر سینہ زنم تیشہ گہے راست و گہ کج

جانم بلب آمد زحریفانِ دغا باز
چالاک کہ بازند یکے نقش بدہ کج

چرا بندیم دل بر کارِ دنیا — چرا با این و آن جنگیم برہیچ
چنان بیخود شدم از بادہ چالاک
ندارم از سر و سامان خبر ہیچ

حاصلِ دورِ جہان نیست بجز جام و قدح — قوّتِ روحِ روان نیست بجز جام و قدح
حسنش امروز بصد رنگ نماید بنظر — ظاہرا باعث آن نیست بجز جام و قدح
حاملِ بارِ غمم ساقیِ غمخوار کجاست — کہ سُرورِ دل و جان نیست بجز جام و قدح
حالیا بر درِ میخانہ نشینم چالاک
سببِ راحتِ جان نیست بجز جام و قدح

خدارا رحم کن بر حالم اے شوخ — کہ از ہجرِ تو ہر دم نالم اے شوخ
خرابم در فراقِ چشمِ مستت — نمی بینی چرا احوالم اے شوخ
خدا شاہد کہ رندِ لاابالم — نہ چون زاہد ہمہ محتالم (حیلہ گر) اے شوخ

ولہ

دانۂ خالِ ہندویش یکسر — رہزنِ کاروانِ ایمان شد
دُور کن پردہ تا بگوید ماہ — آفتاب از افق نمایان شد
دیدۂ گل فشانِ تو چالاک
دیدہ پُرخون کنِ گلستان شد

ذکرِ لعلِ لبت چہا ست لذیذ — جانِ شیرین چنان کجاست لذیذ
ذوقِ یک حرفِ شکر افشانش — زہمہ نقلہا مراست لذیذ
ذرۂ قطرہ ورنہ رشحۂ دہ — ساقیا زانکہ مے دواست لذیذ

ولہ

زہے نرگسِ مستِ گلزارِ باز — چہ مردم فریب است سرشارِ ناز
زر و گوہر و دُر ندارم بکف — بہ نقدِ روانم خریدارِ ناز

ولہ

ساقیِ سیمین بتان شمعِ شبستانم بس — لبِ نوشین دہنان قوّتِ دل و جانم بس

سوے ظلمات مشو خضر مشو راہنما مرا — قطرۂ چاہ ذقن چشمۂ حیوانم بس
سیم و زر لعل و گہر گر نبود گو کہ مباش — بہ نثارش گہر اشک بہ دامانم بس
سنبلِ باغِ جنان دل نکشاید چالاک
بچۂ از سرِ آن زلف پریشانم بس

شوخِ من در عشق تو غمگینم و غمخوار باش — مرہمِ داغِ جگر سوزِ دلِ افگار باش
شوق گلروسے بدستِ غم گریبانم درید — دامن از من چین گلِ شادیٔ چشم خار باش
شاد باش اے عندلیب از ہجر گل نالہ کش — با خیالِ روے دل بند و درِ گلزار باش
شد خزان آمد بہاران خاطرم گلگل شگفت
از نہالِ خورّمی چالاک برخوردار باش

صداے قلقلِ مے دل نوازد — ولے جان پرور آمد شیرِ اخلاص
صبا در کوسے جانان رو خبر دہ — زحالِ بندیِ زنجیرِ اخلاص
صفِ ترکانِ مژگانش نمودند — دلم آماج گاہ تیرِ اخلاص
ضعفِ صیام جان بلب آورد ساقیا — افطار از ان مروّقِ خوشبو مراست فرض

ولہ

ضایع نہ ساختم پئے محراب عمرِ خود — یک سجدہ سوے آن خمِ ابرو مراست فرض
طالعِ کس را مبین بر قسمتِ خود باش خوش — جبہہ دیدہ جبہہ را سودن غلط باشد غلط
طلعت چون مہرِ او چالاک چشم خیرہ کرد
بر جمالش دیدہ بکشودن غلط باشد غلط

ظاہر از تو کسے نیست بہ دنیا محظوظ — کہ نشد از لبِ لعلِ تو دلِ ما محظوظ
ظلمت آباد جہان تیرہ نماید بہ نظر — مدتے تو نشد از زلف چلیپا محظوظ

ولہ

عارضے داری عجیب و قامتے داری بدیع — لالۂ گلنار داری وہ چہ گلزاری بدیع
عمر من بادا فدایت دل ز دستم بردۂ — دلبرا در دلفریبی وہ چہ دلداری بدیع
عشوۂ ترکانۂ چشمِ سیہ مستش بہ بین
میکند چالاک ما با مردم آزاری بدیع

غیرِ لعلت حرام ماست ایاغ تابِ رویت بہ بزم ماست چراغ
غمِ ہجران بہ داغ سوخت دلم آہ ازین درد سینہ سوز بہ داغ
غنچۂ لب مگر بہ خندہ کشود کہ در آید شمیم خوش بہ دماغ
غمزۂ راہزن دلِ چالاک
در ربود و از و کجاست سراغ

فوجِ مژگانِ تو چون خیلِ بلا بستند صف شد دلِ مجروحِ ماتیرِ حوادث را ہدف
فردِ رویت دفترِ حسن است خالت منتخب پیشکارِ خط چہ نیکو صفحہ بگرفتہ بکف
فرخ آن ساعت بود چالاک ساقی میدہد
مطرب آید در نواز و چنگ و بربط نائے و دف

قادرا از قدرتِ خود وارہانم از فراق رحمتے بفرست بر جانم بجانم از فراق
قلقلِ مے در نواز و لعلِ میگون در کشا ساقیا جان بر لبم از غم رہانم از فراق
قصۂ ہجران چسان چالاک خواہم شرح داد
آتشے افتاد گویا بر زبانم از فراق

کجائی اے بتِ دلجوئے چالاک کہ از عشقِ تو دل خون سینہ شد چاک
کجا پروائے من یابم رہائی ہزاران ہمچو من بستی بہ فتراک
ز بیم در سر ہوائے چترِ شاہی کہ آسودہ سرم از سایۂ تاک
کلامت شکرِ طوطی فریب است
ولے تلخ است از غم کامِ چالاک

گلِ رویت ز روئے باغِ رضوان بردہ آب و رنگ لبِ جان بخش تو از آبِ حیوان بردہ آب و رنگ
گر اندر عشقِ گیسویت شوم کافر عجب نبود کہ کفرِ ہندوئے زلفت ز ایمان بردہ آب و رنگ
گمانم میشود چالاک آن گلرو بہ باغ آمد
کہ تابِ رشک از روئے گلستان بردہ آب و رنگ

لالہ از داغ غمت خون جگر نوش کند
شدہ از حسنِ گلِ روے تو گلنار خجل

لیلی از داغ جگر لالہ ستان پیدا کرد
کہ ز مجنون شدہ از زردیِ رخسار خجل

وله

من نہ تنہا جامۂ جان می درم گل نیز ہم
من گرفتارم بہ گیسوے تو سنبل نیز ہم

مست بگذشتی بہ گلشن با عذارِ لالہ گون
بر فگندی جعدِ عنبر بو کاکل نیز ہم

مایۂ جان است یاقوتِ لبِ میگون او
جو شد از شوقش دلِ ما و خم و گل نیز ہم

میرسد شاید بہ گلگشتِ چمن آن گلعذار
نالہ و افغان کند قمری و بلبل نیز ہم

نواے بلبل ز شوقِ رویت فغان قمری ز زاریِ من
دریدہ گل را جگر ز حسرت بریدہ و لہا ز سروِ گلشن

نسیم عنبر شمیم زلفت صبا بہ گلشن مگر در آورد
چمن گرفتہ پئے نثار تو سنبل و یاسمن بہ دامن

نہ در سرِ من ہواے شاہی نہ در دلِ من غم تباہی است
ہمین مرادم بس است چالاک بُدو و دیدن بدو رسیدن

ہست فصلِ نو بہار و رُو و در باغم شگفت
گل ز اشک و لالہ از داغ جگر سنبل ز آہ

ہمدمِ من شد رقیب و ہمدمِ غم شد دلم
دمبدم دردم مدہ رحمے ہمی کن گاہ گاہ

ہمتِ عشق است این چالاک کاندر کوے او
دیدۂ دُر ریزِ من دُردانہ ہا ریزد براہ

ہر کہ در راہ در دسر دادہ
داور آورا سرِ دگر دادہ

ہمہ کامِ دل حاصلم گردید
طالعم وصل او اگر دادہ

ہر کہ آرامِ دل ہوس دارد
سر بہر کار و ہر در دادہ

وله

واے از نازِ بلا انگیز تو
کشتہ ام بسمل ز تیغِ تیز تو

وا وی این کجا این نور دید
اے خوشا روے تجلی ریز تو

وہ چہ پُر تاب است بیتابم نمود
سنبلِ تر بر گلِ نوخیز تو

حضوری۔ پنڈت ہرہ کول صاحب ساکن سرینگر کشمیر۔

آپ پنڈت گوپال کول صاحب غیورؔی کے صاحبزادے اور محلہ زبرستان سری نگر میں سکونت پذیر تھے۔ آپ ۱۸۸۱ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے ذہین اور طبّاع سخنور مانے جاتے تھے بچپن ہی سے شعر و سخن کی طرف طبیعت مائل تھی اور اپنی خداداد ذہانت اور روشن دماغی کی بدولت کمسنی میں ایک اچھا نام پیدا کیا تھا۔ صرف ۲۶ سال کی عمر پاکر ۱۹۰۷ بکرمی میں جوانمرگ ہوئے لیکن باوجود اس قدر کم عمر پانے کے ایک دیوان یادگار چھوڑ گئے تھے۔ افسوس ہے کہ بباعث آتشزدگی وہ بھی تلف ہوگیا۔

حضرت حضورؔی ملٹری اکونٹنٹ کے اعلےٰ عہدے پر مامور تھے۔ آپ کی تحریر و تقریر کا سکّہ اس زمانے کے نامور لوگوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا طبیعت کے فیاض اور زندہ دل تھے۔ پنڈت تاراچند صاحب ترسل تحصیلدار آپ کے نواسے اس وقت تک بقید حیات ہیں۔

باوجود تلاش بسیار آپ کے کلام کا کوئی جزو ہاتھ نہ لگا۔ فقط چند اشعار جو آپ کے نبیرہ پنڈت ایشر کول صاحب دلتری کو یاد تھے۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ؎

تا حنا بستی ز خونِ چشمِ خوں افشانِ ما
پنجۂ مرجاں نمودی پنجۂ مژگانِ ما

پارہ پارہ چاک چاک اے واچو کتّاں ماہ من
از رخِ تاباں و محبت شد دلِ سوزانِ ما

بیخودم مخمورم و مستانہ ام مستم ز تو
دینِ ما ایمانِ ما وے جانِ ما جانانِ ما

پردہ از روے سمن سا بکشا
گرہ از زلف چلیپا بکشا

از پئے بوسہ وکنارم اے ماہ
بکشا بند قبا را بکشا

سینہ از داغ تو گلشن شدہ است
ماہ من چشم تماشا بکشا

ساقیا جام زرے کن لبریز
گرہ از شیشہ و مینا بکشا

تا شود جان حضوری آزاد
گرہ از زلف چلیپا بکشا

بستی از خون گل نگار امشب
پائمال تو شد بہار امشب

چہ فسوں آہ من ومید کہ شد
لشکر زلف تار مار امشب

ولہ

مطربے شب نہ رفت خانہ ہنوز
غزلے گوید عاشقانہ ہنوز

نازنیں ساقیا دمے بنشیں
گوش کن ساعتے ترانہ ہنوز

خورشید- پنڈت سورج پرشاد خورشید وکیل خلف پنڈت آسا رام

اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اُردو دیوان نظر سے گزرا۔ اُس کا انتخاب درج ذیل ہے۔ کلام میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے ۱۲۹۵ھ تک حیات تھے۔

پرنیاں شہ کو مبارک ہو گدا کو کمبل / جامہ بخشا ہے جنوں نے مجھے عریانی کا
میں تو دیتا ہوں دعا تم مجھے دشنام ہی دو / کچھ تو مل جائے صلہ مجھکو ثنا خوانی کا

ولہ

اقبالِ خداداد کی ہے اور ہی صورت / آئینہ بنانے سے سکندر نہیں ہوتا
کھلتی ہی نہیں دل کی کلی باغ جہاں میں / مٹھی میں جو غنچہ کی طرح زر نہیں ہوتا

ولہ

آج مختار ہیں جو ظلم وہ چاہیں کرلیں / حشر کو ہوگا مرے ہاتھ میں دامن اُن کا
ید بیضا کو ہتھیلی کا پھپھولا سمجھیں / دیکھیں جو حضرتِ موسیٰ رخِ روشن اُن کا

ولہ

خواب راحت ہے کہاں نادان دورِ چرخ میں / گردشِ ایام ہے اے دل یہ گہوارہ نہیں
گردشِ ایام سے پھرتا نہیں اپنا نصیب / اخترِ قسمت مرا ثابت ہے سیارہ نہیں

ولہ

کون سا افسوں نہیں تیری نگاہِ ناز میں / کان ہے جادو کی چشمِ شعبدہ پرداز میں
تھی کسے جوشِ جوانی میں خبر انجام کی / عشق بازی کھیل اک سمجھے تھے ہم آغاز میں

ولہ

نہیں جاتی اصالت آدمی کی صحبتِ بد سے / نہ ہوا آہن رہے جو پاس آہن کے طلا برسوں

ولہ

عشق لکڑی کو بھی ہے بے سروساماں کرتا / بید مجنوں میں گل و برگ و ثمر کچھ بھی نہیں

ولہ

نہ ذبح کر مجھے ظالم کہ صید لاغر ہوں / عبث لہو میں نہ بھر ہاتھ منتِ پر کے لئے
دہانِ زخم سے پوچھو سا زبانِ خنجر کو / مزے وصال کے کیا کیا نہ ہم نے مرکے لئے
غبار ہو کے پڑے دیدۂ رقیب میں ہم / لئے عدو سے جو بدلے تو ہم نے مرکے لئے

ولہ

اربابِ صفا رنگ کدورت سے بری ہیں / خورشید کے چشمے میں تو کائی نہیں ہوتی
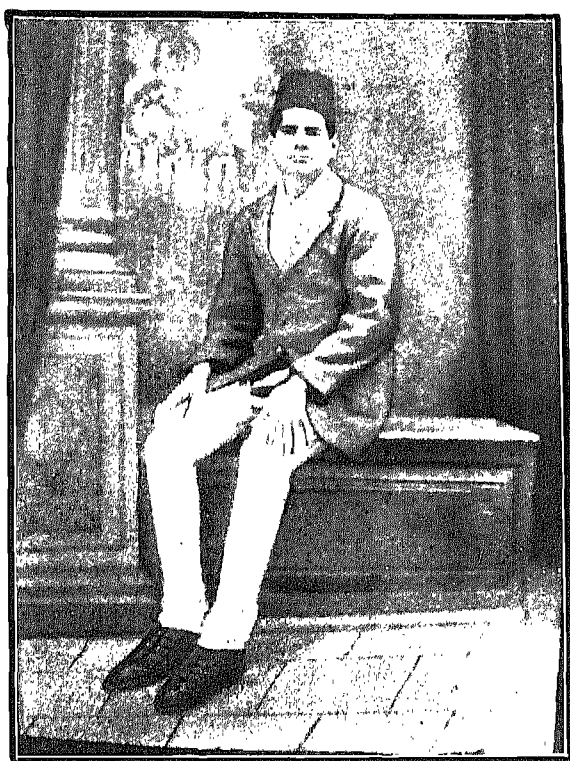
پنڈت مہاراج نراین در۔ ڈرؔ

ملکِ عدم کو اب کوئی پیاسا نہ جائیگا — قاتل نے آب تیغ کی رکھی سبیل ہے
ولہ
پھٹ جائیگا شکم غمِ دنیا بہت نہ کھا — اے بوالہوس غذا یہ نہایت ثقیل ہے
پھولو نہ بلبلو چمنِ بے ثبات پر — غنچوں کی جو چٹک ہے وہ کوسِ رحیل ہے

درؔ۔ پنڈت مہاراج نرائن در صاحب خلف پنڈت روپ نرائن در صاحب مسرورؔ

آپ جناب مہرؔ جانشین حضرت داغ دہلوی کے شاگرد ہیں آپ کی عمر بیس سال کی ہے۔ سینٹ پیٹرز کالج آگرہ میں طالب علم ہیں۔ شعر و سخن سے طبیعت کو لگاؤ ہے کبھی کبھی فکر سخن کرتے ہیں۔

روح کا جب سلسلہ تن سے شکستہ ہوگیا — زندگی ہی مٹ گئی یہ جسم مُردا ہوگیا
دل ہمارا اُن کی نظروں میں کھلونا ہوگیا — کھیل اُن کا ہوگیا اپنا تماشا ہوگیا
غیر سے رکھتے ہیں اُلفت مجھسے رکھتے ہیں عناد — یاالٰہی رنگ یہ دنیا کا کیسا ہوگیا

حضرتِ درؔ کو جگہ دی اس نے اپنی بزم میں
سب کی نظروں میں عدو کا رنگ پھیکا ہوگیا

دل مچل جاتا ہے میرا بادہ نوشی کے لئے — برق و رعد و گلستان و ابر و باراں دیکھ کر
رات دن لیتے ہیں بوسے ابروے خمدار کے — ڈرنے والے ہم نہیں شمشیر بُراں دیکھ کر
ولہ
دشت و جبل میں پھرتے ہیں آوارہ۔ گھر کہاں — خود رفتگانِ عشق کو خوف و خطر کہاں
مانا یہ ہم نے کعبہ بھی ہے اک خدا کا گھر — بتخانہ کا سا منظرِ دل کش مگر کہاں
ولہ
دمِ تولید بشر ہوتا ہے گریاں پیدا — نہیں ہوتا صفتِ گل کوئی خنداں پیدا
دردِ دل۔ دردِ جگر۔ زردیٔ رخ۔ حالِ تباہ — تیری فرقت میں یہ ہیں موت کے ساماں پیدا
ولہ
باغِ عالم کی بہت ہمنے بہاریں دیکھیں — مرکے کیا جانئے کیا حشر ہو اور کیا دیکھیں
عندلیبانِ چمن پھولوں میں پھولے نہ سمائیں — وہ چمن میں جو تجھے اے چمن آرا دیکھیں

دل وہ کیا جس میں نہ ہو دردِ محبت اے درؔ
سر وہ کیا جس میں نہ اس زلف کا سودا دیکھیں

گو بظاہر وہ بہت دور نظر آتا ہے اُس کا ہر شے میں مگر نور نظر آتا ہے
جب سے اُس مہر منوّر کا ہے جلوہ اسمیں دل مرا نور سے معمور نظر آتا ہے

شب کو بے پردہ جو وہ حور شمائل ہوجائے رنگ بے رنگ ترا اے مہ کامل ہوجائے
اے فلک ہو تری بزم مہ و انجم پھیکی زینتِ بزم جو میرا مہ کامل ہوجائے

اہل تدبیر کا کہنا ہے یہی حضرتِ درؔ
کہ جو تقدیر سے منکر ہو وہ عاقل ہوجائے

دل کے بہلانے کی صورت جب کوئی ہوتی نہیں
ہجر میں کرتا ہوں میں باتیں تری تصویر سے
وہ اگر دیکھے ہمارا سوزِ دل۔ سوزِ جگر
آفریں نکلے دہانِ آسمانِ پیر سے
وہ عنایت وہ مروّت وہ محبّت اب نہیں
ہوگئے برگشتہ تم کیوں عاشقِ دلگیر سے
غم ہی کھائیں گے جو مرجائیں بلا سے مرجائیں
یہ نہ چھوٹے گی غذا آپ کے بیماروں سے
زندگی اچھی ہے دنیا میں کہ موت اچھی ہے
کوئی پوچھے تو سہی آپ کے بیماروں سے
تو نے قیدی جو ستمگار بھرے ہیں اتنے
تنگ آجائے قفس بھی نہ گرفتاروں سے
دیکھو ہم صبر و تحمل کی ہیں اک زندہ مثال
شکوے کرتے نہیں ظلموں کے ستمگاروں سے
دیکھتے ہم ہیں ترے حسن کے جلوے اُن میں
اُنس ہے ہم کو اسی واسطے گلزاروں سے

قتل ہوگا کیا کوئی بیداد کا مارا ہوا ‌ ‌ ‌ اک ہجوم سر فروشاں کوچۂ قاتل میں ہے
دیر و کعبہ کو بھی سب بھولے ہوئے ہیں آجکل ‌ ‌ ‌ ایک میلہ سا لگا رہتا تری محفل میں ہے

ولہ

دوا ممکن ہے ملنی ہر مرض کی یوں تو دنیا میں ‌ ‌ ‌ دوائے دردِ دل لیکن بڑی مشکل سے ملتی ہے
بھٹکتے پھرتے ہو کیوں حضرتِ دردؔ ہجرِ جاناں میں ‌ ‌ ‌ مسرت وصل کی تو الفتِ کامل سے ملتی ہے

ولہ

انساں کی زندگی کا بھی کیا اعتبار ہو ‌ ‌ ‌ حالت وہی ہے اُس کی جو حالت حباب کی
جس سمت جسکو شوق ہو۔ جائے وہ اُس طرف ‌ ‌ ‌ راہیں کھلی ہوئی ہیں عذاب و ثواب کی

ولہ

یہ تو کیونکر کہوں میں کشتۂ بیداد نہیں ‌ ‌ ‌ داورِ حشر مجھے اُس کے ستم یاد نہیں
حشر میں دادِ طلب کونسا ناشاد نہیں ‌ ‌ ‌ کون ہے جس کی زباں پر تری فریاد نہیں
ہجر میں مجھ پہ جو گذری ہے وہ دُہراتا ہوں ‌ ‌ ‌ تازہ کچھ آپ سے کہنی مجھے روداد نہیں
آہ و زاری میں کٹی عمر مگر اے بلبل ‌ ‌ ‌ گوشِ گل تک کبھی پہنچی تری فریاد نہیں
آپ کی یاد بھی ہے غیر کے شکوے بھی ہیں ‌ ‌ ‌ دل میں اک آپ نہیں تو یہ دل آباد نہیں
ہے جو اے بت تجھے یوں اہلِ نظر سے پردا ‌ ‌ ‌ واد کو کیا یہ ترا حسن خداداد نہیں

سُن کے بلبل کی فغاں غنچۂ گل نے یہ کہا
لبِ خاموش سے بڑھکر کوئی فریاد نہیں

رباعی

عزت۔ دولت خدا نے بخشی تجھکو ‌ ‌ ‌ دل تجھکو دیا۔ فروتنی بھی تجھکو
کر فخر نہ اس شکوہ پر اے دردؔ ‌ ‌ ‌ مل جائے سزا نہ اس خودی کی تجھکو

درؔد۔ پنڈت مادھو پرشاد صاحب کول شرغہ خلف پنڈت گنگا پرشاد صاحب کول شرغہ

آپ ۱۸۶۵ء میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ بہ سلسلہ ملازمت محکمہ مال سے تعلق رہا ابتدا میں بہ حیثیت پیشکار بعدازاں عہدہ ہائے سررشتہ دفتر و جنرل سپرنٹنڈنٹ پر مقرر رہے کل مدت ملازمت اضلاع اودھ میں صرف ہوئی۔ کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف۔ اے تک آپ نے انگریزی تعلیم پائی تھی ۱۹۲۲ء میں بمقام فیض آباد اس دار فانی سے رحلت کی۔ ایام طفولیت سے شعر گوئی کا آپ کو شوق تھا اور وقتاً فوقتاً فکر سخن کرتے رہے مگر اپنے کلام کے یکجا کرنے کی پرواہ نہیں کی۔ باضابطہ شاعری کا دعویٰ نہ تھا نہ کسی کی شاگردی کی۔ وسط عمر سے طبیعت کا میلان گیان اور بھگتی کی جانب تھا اور اس رنگ کی جھلک آپ کے کلام میں نمایاں ہے۔ جہاں کہیں قیام کیا وہاں پروپکار اور دھرم سمبندھی کاموں میں بہت سرگرمی سے مصروف رہے۔ صدہا اشخاص ان سے دلی الفت رکھتے تھے اور نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ کے برادر بزرگ پنڈت اقبال کشن صاحب کول شرغہ بنارس میں مقیم ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

زلف دکھلا کر ہمیں شیدا کیا ۔۔۔ مار بھی ڈالا بہت اچھا کیا
دل پہ بھی باقی نہیں کچھ اختیار ۔۔۔ تھا ہمارا۔ آپ نے اپنا کیا
جان و دل لیکر لیا ہے رنج و غم ۔۔۔ بیٹھے بیٹھے خوب یہ سودا کیا
ہر گھڑی ساتھی دغا پر ہیں تُلے ۔۔۔ ہمنے کیا معلوم اُن کا کیا کیا

آخرش راز محبت کھل گیا
لاکھ ہمنے دردؔ سے پردا کیا

تُو کیا ہے۔ تونے اپنا کچھ کرّو فر نہ جانا ۔۔۔ ہستی کو تونے اپنی اے خیر تر نہ جانا
آنسو بہائے ناحق۔ رسوا کیا اُنھیں بھی ۔۔۔ پاس ادب کو تونے اے چشم تر نہ جانا
کشتیِ عمر اپنی چلتی رہی ہمیشہ ۔۔۔ اوروں کو چلتے دیکھا اپنا سفر نہ جانا

پنڈت مادھو پرشاد کول ثمرغہ ۔ دردؔ

مرنے کا درؔد ہم کو افسوس ہے تو یہ ہے
مرنے کو مر گئے ہیں ۔ مرنا مگر نہ جانا

درد ہے دل میں رواں ہیں اشک چشم زار سے
موت بہتر ہے الٰہی عشق کے آزار سے

ناتوانی ہجرِ دلبر میں کچھ ایسی بڑھ گئی
ہم دبے جاتے ہیں اپنی زندگی کے بار سے

بیخودی طاری ہوئی ۔ جاتے رہے ہوش و حواس
یہ مزا پایا تمہارے شربتِ دیدار سے

کچھ نہ کچھ مصروفیت ہر وقت کی درکار ہے
ورنہ ڈر ہے کیا نہ ہو جاوے دلِ بیکار سے

کسر نفسی ۔ دردِ دل ۔ صبر اور ہمت چاہیئے
کام بن جاتے ہیں سب انسان کے ان چار سے

عاشقِ صادق ہی اُس کا بندۂ مقبول ہے
وہ صنم تسبیح سے راضی نہ خوش زنّار سے

آدمی پہچاننا اے درؔد مشکل ہے بہت
کچھ پتہ چلتا ہے لیکن شکل سے گفتار سے

کبھی تو کوئی یہ دل میں سوچے کہ زندگی کا مآل کیا ہے
قرار کس کو ہے اس جہاں میں فنا ہے کیا انتقال کیا ہے

ستم کا تم کو مزہ ہے ۔ کر لو ۔ مری محبت کو آزما لو
رضا و تسلیم اپنی خو ہے کروں جو شکوہ مجال کیا ہے

جو زندہ ہیں اُن کو مارتے ہیں جو مردہ ہیں اُن کو ہیں جلاتے
بپا ہے ٹھوکر سے حشر اُن کی روش یہ کیسی ہے چال کیا ہے

تمہاری الفت چھپا رکھی ہے کہ غیر بدنام کر نہ پاویں
ہوا محبت کا راز ظاہر تو عاشقی کا کمال کیا ہے

جو باعث رنج میں نے پوچھا تو دردؔ اس طرح رو کے بولا
فلک کی گردش نے ہے ستایا بتاؤں کیا میرا حال کیا ہے

تڑپ کا شوق مجھکو اُس کو تڑپانے کی عادت ہے
میں اُس کے کام آتا ہوں وہ میرے کام آتا ہے

دلِ پُر درد کو فرقت میں اک تسکین ہوتی ہے
زباں پر جس گھڑی دل سے خدا کا نام آتا ہے

تری جنّت مبارک تجھکو ناصح ہم سے مطلب کیا
ہمیں تو کوچۂ معشوق میں آرام آتا ہے

نفس کی آمد و شد سے نہ ہونا بیخبر اے دل
انھیں تاروں سے ہر دم کوچ کا پیغام آتا ہے

تیرے گیسو و رخ کا بے حجابانہ نظارہ ہو
یہی ارمان دل میں دردؔ صبح و شام آتا ہے

ولہ

رہنما بھی ہے تری راہ میں رہزن بھی ہے
جا بجا خار ہیں نقّارۂ گلشن بھی ہے

دل سے اے دردؔ بہت کام سمجھ کر لینا
دوست بھی ہے یہی تیرا یہی دشمن بھی ہے

غم کا کیا غم ہے زمانہ میں ہے کس شئے کو قیام
عیش و عشرت نہ رہی یہ بھی گذر جائے گا

دل کو دنیا کی محبت ہے نہ عقبیٰ کی طلب
نہیں معلوم یہ کمبخت کدھر جائے گا

جیتے جی غم سے فراغت ہو یہ ناممکن ہے
دردِ دل ہوگا اگر دردِ جگر جائے گا

دل ہو ارمان سے خالی یہ کہاں قسمت ہے
دو چلے آئیں گے اور ایک اگر جائے گا

کوئے قاتل میں قدم خوب سمجھ کر رکھنا
تن سے پہلے ترا اس راہ میں سر جائے گا

ہم وہ عاشق ہیں کسی طرح نہ چھوڑینگے تجھے
بھاگ کر ہم سے بھلا دردؔ کدھر جائے گا

جمال یار کو کہتے ہو تم کہ ہاں دیکھا
کلیم ہوش میں آؤ ابھی کہاں دیکھا

وہی چراغ وہی گل وہی قمر وہی برق
نئے لباس میں دیکھا اُسے جہاں دیکھا

کہیں تو دیکھ چکے ہیں یقین ہے دل کو　　مگر یہ یاد نہیں ہے تمھیں کہاں دیکھا
دکھائی ترک تعلق نے شان بے رنگی　　بڑھے مکاں سے آگے تو لامکاں دیکھا

ولہ

معرفت کے لئے ہے ترک تعلّق لازم　　خوب سمجھے گا وہ تنہا کو جو تنہا ہو گا
مرگ کے بعد ہے بیدار دلوں کو آرام　　نیند بھر کر وہی سوئے گا جو جاگا ہو گا
ہم نے اندیشۂ پیری میں جوانی کاٹی　　رات بھر خوف رہا صبح کو اب کیا ہو گا
دل کو آغاز محبّت میں نہ سمجھو تھوڑا　　بڑھتے بڑھتے یہی قطرہ کبھی دریا ہو گا

دیکھ اے دردؔ جدا ہو نہ دلِ محزوں سے
اور اُبھے گا یہ بیمار جو تنہا ہو گا

رباعی

اپنے قابو میں اگر اپنی طبیعت ہوتی　　شکوہ ہوتا نہ کسی سے نہ شکایت ہوتی
جیتے جی آتشِ الفت میں اگر جل جاتے　　ڈر نہ محشر کا نہ کچھ فکر قیامت ہوتی

درویشؔ - پنڈت رام ناتھ تیمنی صاحب

آپ کا ذکر تذکرہ ہذا کی جلد اول میں آچکا ہے۔ جلد مذکور کے شائع ہونے کے بعد آپ کی ایک قلمی بیاض پنڈت موہن لال نہرو صاحب سے جو آپ کے نواسہ ہیں دستیاب ہوئی۔ چنانچہ چند منتخب اشعار و نظمیں اُس بیاض سے لے کر اس جلد میں درج کی جاتی ہیں۔ ناظرین حضرت درویشؔ کی روانیِ طبع اور سلاست بیان کو ملاحظہ فرمائیں۔

اے قبلۂ دو عالم و اے کعبۂ زمین　　وے آنکہ رحمتِ تو بہر کس فرا رسید
خواہم کہ زحمتت دہم از سرگزشتِ خویش　　وینست آنچہ بر سرِ من از قضا رسید
اے قدرداں ہنوز ندیدم رخِ رفاہ　　ہاں دستِ من بخدمتِ شایستہ نارسید
لب آشنا بہ آہ نہ کردی چو نے مگر　　نشتر بہ استخوانِ دل از دردہا رسید
حیفے کہ از فلک بہ منِ زار رفتہ است　　من دانم و دلم کہ بہ دامم جفا رسید

سوداے خام پختم و عمرے گداختم لیکن نہ دست بر اثرِ کیمیا رسید
فرما اشارتے کہ ز درویش خیر خواہ
دستِ دعا تواں بہ درِ کبریا رسید

من وضع چنین گرفتہ تا کے مانم آں رائے متین گرفتہ تا کے مانم
چون زلف بہ پیچ و تاب سازم چندا چون مار زمین گرفتہ تا کے مانم
بے جستن چارہ ہمچو بیمار ضعیف پُر درد چنین گرفتہ تا کے مانم
این مملکت جنون سلیماں کردار در زیر نگین گرفتہ تا کے مانم
بگزار کزین کمان برانم چون تیر تا ابروے چین گرفتہ تا کے مانم
شد قافیہ تنگ این ردیف اے درویش
این سخت زمین گرفتہ تا کے مانم

پابوس برین نشستہ تا کے باشم بس صبر گزین نشستہ تا کے باشم
صیاد صفت امیدوارِ نخچیر عمرے بہ کمین نشستہ تا کے باشم
مانندِ درخت خشک بر جا یکجا پابند زمین نشستہ تا کے باشم
اندر قفس مجاز بے دانہ و آب چون مرغِ غمین نشستہ تا کے باشم
یا سے بہ دلم نشست و برخاست امید بر جاست چو این نشستہ تا کے باشم
دردا کہ دلم نمی نشیند ہرگز اے کعبۂ دین نشستہ تا کے باشم
بگذار کہ محفلِ جنون گرم کنم با عقلِ قرین نشستہ تا کے باشم
درویش خوش ست سیر چون آبِ روان چون آب زمین نشستہ تا کے باشم
اے طبع خموش فغانِ قلقلم برخاست پر سوز شد این نشستہ تا کے باشم
درویش در دگر کشا یند ز غیب
برخیز حزین نشستہ تا کے باشم

بہ طبع از من درویش مژدہ ہا امروز رسید نامۂ رنگین مبتلا امروز
درآ درآ ز در اے پیک چشم ما روشن نشین نشین بہ سر و چشم ما۔ بیا امروز

بیا بیا کہ بہ چشمان منتظر یک دم — زخاکِ پاے تو سازیم توتیا امروز
بہ روے سنبل وگل دوختم نظر گوئی — زنثرِ تازہ و ہم نظم طبع زا امروز
بہ جامِ ماست دگر بادۂ صفا امروز — بہ جامِ ماست مگر گردشِ ثنا امروز
بہ جامِ بادۂ مضمون بہ چشم می رقصد — مراگناہِ سخن بخش ساقیا امروز
دمِ خوش ست بیا مرغِ طبع رنگینم — کشاے بال و پرِ جودت و ذکا امروز
زہے قلم کہ رقم کرد نامۂ رنگین — زہے رقم کہ از ان خیزد این صدا امروز
بیا تو سوسن اگر در دہان زبان داری — تو عندلیبی اگر خوش نوا سرا امروز
کجا من و ز کجا ہمچو طالعِ بیدار — مگر بہ خواب تماشا کنم ولا امروز
زبسکہ گاہ بہ دامان نہ چیدہ ام منِ زار — چنین بہار کہ بینم بہ چشمِ وا امروز
ندیدہ رنگِ طرب چشمِ خونچکاں برسد — کہ پنجۂ مژہ چون بستۂ حنا امروز
تو غرقِ آبی اگر نارسیدہ بر ساحل — خبر رسان برِ آن یارِ آشنا امروز
کہ در تلاطمِ امواجِ رنگِ نو دارد — شکستہ کشتیِ احوالِ من شنا امروز
شہیدِ چشمِ تو در خاک و خون می غلطد — نگاہ کن کہ ہمین است خون بہا امروز
بہ طبع حیف کہ سرمایۂ نمیدارم — سواے شوق کہ پُر حسرتیست تا امروز
وگرنہ نذرِ تو می ساختم دُرِ غلطان — بہ آب و رنگ بہ از لعلِ بے بہا امروز

قباے سادۂ عریانیِ مرا درویش
ز توست این ہمہ تن نقشِ بوریا امروز

ہرچہ رمزِ اوست نشناسد دلِ حیرانِ ما — ہرچہ حمدِ اوست ناید از زبانِ جانِ ما
می ترا ود چون کنم ہست انچہ در آوندِ من — می بر داز خود دلم را قدرتِ سبحانِ ما
اوست خلاقِ جہان و ما ہمہ مخلوقِ او — ما ہمہ فرمان بر و اُو صاحبِ فرمانِ ما
اوست لازم ما ہمہ ملزوم ما موج اوست بحر — ما ہمہ کشتی در آب و اوست کشتیبانِ ما
اوست بحرِ قدرت و ما گوہرِ نایابِ او — ما ہمہ لعلِ گران و قدرت او کانِ ما
اوست یکتا و توانا ناتوانا ما ہمہ — ما ہمہ نا قایم او قیوم در عرفانِ ما

ظاہر و پنہان چو روشن شمع در فانوس اوست
او بود پنہان و ظاہر ہمچو در تن جانِ ما

در محیطِ کُنہ اُو گاہے نشد نہ آشنا
آب بگذشت از سر ہر غوطہ زن ارمانِ ما

آرے آرے کُنہ اُو بیچون و بیحدّ و چرا ہست
حدکم ہم از کمش افزون زاین و آنِ ما

قدرتش افزون نست از اندازۂ وہم و خیال
نُدرتش مستحو نست اندر ظاہر و پنہانِ ما

بس کن اے درویش اندر وادیِ عرفان مپوے
زانکہ این رہ بست بیرون از حدِ امکانِ ما

شمع او ہم نور اُو ہم شعلہ اُو ہم طُور اُو
آیۂ نورِ علی نور ست در قرآنِ ما

ہم زمین ہم تخم او ہم نخل و شاخ و برگ اُو
غنچۂ اُو گُل اُو ثمر اُو در سرا بستانِ ما

نامزد شد گاہ رام و گاہ شکتی در جہان
گاہ آدم شد گہے حوا زہے سبحانِ ما

بس کن اے دل کاندرین رہ نیست جائے دم زدن
قافیہ تنگ است بر ہر فردِ انس و جانِ ما

اے کہ ذاتت۔ خاک بر بادِ ہوا ایم را۔ پناہ
اے کہ آبِ عفو نست و آتشِ عصیانِ ما

اے کہ آن قیّوم دانائی کہ ہمتائے تو نیست
اے کہ جز ذکرت زدن حرفے بود کفرانِ ما

اے کہ ذاتت لاشریک و عالم الغیب آمدہ
اے کہ از حکمِ تو شد بر خلق ہا رحجانِ ما

خامہ ام را ہمنوائے نے بدستِ خویش کن
سازِ تارِ سوزِ عشقت وہ بہر الحانِ ما

رحم کن رحم اے توانائے قدیر اے ذو المنین
کن قبول این انکسار و عجزِ بے پایانِ ما

جامہ در بر کشد ترا چہ کنم
نہ کنم جامہ گر قبا چہ کنم

بہ جنون شد تمام کارِ خرد
مرضِ عشق را دوا چہ کنم

جان سپارم بزلفت ار نکنم
بازیِ با سیہ بلا چہ کنم

خامہ را نیز حرف مصنون ست
مدحتِ چشم سرمہ سا چہ کنم

بر تنم نقشِ بوریا درویش
زالوِ خوش بود سوا چہ کنم

اے کہ مشتاقِ رخت از ذکر و جستجوے توام
گُل بہ بختم گو نباشد سرخوشِ بوئے توام

صاحبا از بسکہ می ماند بہ محرابِ حرم
پشت خم در سجدہ پیشِ طاقِ ابروئے توام

روے من ز آئینہ ات ہم چشم دارد حیرتے ۔ اے کہ من آئینہ سان حیرانِ روے توام
مرغِ بے بال و پرم اے طوطیِ شیرین زبان ۔ خوش نوا بلبل بہ شوقِ نو گلِ روے توام
من بد ار نیکم تو بر لطفِ عمیمت کن نگاہ
صاحبا درویش مسکینم دعا گوے توام

مخمس

مشرق تا غرب بلاے زدہ سر می بینم ۔ وز دکن تا بہ شمال آفت و شر می بینم
یا الہ اینچہ غضب پیش نظر می بینم ۔ اینچہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنۂ و شر می بینم
حیف صد حیف ز برگشتہ زمانِ ناکام ۔ خواہشِ خیر ہمہ صورتِ شر گیرد تمام
چہ توان کرد کہ ہر چند بہ آسانیِ کام ۔ ہمہ کس روز بہی می طلبند از ایام
مشکل اینست کہ ہر روز بتر می بینم

اردو قصیدہ

رحیقِ روح فزاے خوشی کا پی کر جام ۔ سرورِ عیش سے تر ہے دلِ خواص و عوام
ہر اک کو شغل ہے اور شوقِ بادۂ تفریح ۔ مئے طرب کا ہر اک بزم میں ہے رقصان جام
لگی ہے دخترِ رز شادی اس قدر منہ سے ۔ کہ لب سے چھٹتی نہیں طفلِ دل کے صبح و شام
نہ رند ہی مئے فرحت پرست ہیں تنہا ۔ شراب عیش کے صوفی بھی جرعہ کش ہیں تمام
صنم پرست ہیں کیفِ نشاط سے سرخوش ۔ سیاہ مست ہیں مستیِ فرح سے اصنام
نہیں صراحیِ عشرت سے بانگِ قلقل ہے ۔ یہ میکشانِ طرب کو نوید کا ہے پیام
نوید دہ ہے کہ چون بادہ دیکھے کیفِ سرور ۔ بناے صوفی کو متوالا اول و انجام
سپہر گونج رہا ہے صداے نوبت سے ۔ دہلتا سینہ میں ہے چرخ پر دلِ بہرام
یقین ہے بلبلِ تصویر میں بھی جاں پڑ جاے ۔ جو دیکھے رقص و نواے بتانِ گل اندام
فزوں ہے نوشہ سے مجلس کی اور زیبائش ۔ ہو زیبِ انجمنِ نجم جوں قمر سے تمام
نسیمِ نکہتِ گل پیرہن کی اُس کی جو پاے ۔ شگوفہ چاک کرے اپنا جامۂ اکمام

چھڑاتے دل ہیں شجاعت کے آگے تیری دلیر ❊ بہ شکل روبہ چھپاتا ہے آپ کو ضرغام
بہ یکدم اس اسدِ چرخ کو کرے چو رنگ ❊ دکھائے جوہرِ بُرّش اگر تری صمصام
وہ برق تاب علَم ہو تو کس کو تاب آوے ❊ غضب ہو گر نہ ترحم ترا ہو۔ اُس کا نیام
یہ کر دُعا کہ سلامت رہے تو با شوکت ❊ زمین و چرخ رہیں جب تلک بنا ہے قیام

دیگر

مبارک آئے چمن میں قدوم فصلِ بہار ❊ کہ تو نہالوں سے رنگین ہو گیا گلزار
چمن چمن کا ہے نشو و نما سے عرصہ تنگ ❊ روش روش پہ ہے سبزے کی گرمیِ بازار
کہیں ہے رقص میں طاؤس مست طنّازی ❊ کہیں ہے جلوہ گرِ ناز کبکِ خوش رفتار
پلاتے رند ہیں زاہد کو بادۂ گلگوں ❊ ہوئی ہے شیخ کو منظورِ خاطرِ خمّار
سما سُرور کا پا کر کہا مرے دل نے ❊ صلاحِ وقت ہے درویش اب نہ کر صرار
مجھے یہ اخترِ روشن کی وصف میں تھی دھن ❊ کہ آسمان کے تارے زمیں پہ لاؤں اُتار
مگر یہ طبعِ نگاریں نے مصلحت سمجھی ❊ کہ گرم مطلعِ رنگیں ہوا ور گوش گذار
صنم ہے ابر ہے ساقی میں تیرے سر کے نثار ❊ پلا دے جلد مجھے جامِ بادۂ گلنار
حمل سے خسرو خاور ہوا ہے جلوہ نما ❊ بنا ہے دائرۂ دہر مطلع الانوار
فروغِ چشم تمنّا ہے چشم ما روشن ❊ لگن ہے شمع ہے پروانہ وار جاں ہے نثار
الٰہی وہ صدف بخت کا دُرِ یکتا ❊ بہ آب و تاب رکھے جگ میں گرمیِ بازار

الٰہی گلشنِ امید والدین میں اب
چمن چمن گُلِ خنداں سے ہو ہمیشہ بہار

دلگیر۔ پنڈت دینا ناتھ صاحب مٹو۔ ساکن محلہ روگناتھ مندر سری نگر کشمیر

آپ سنہ ۱۹۱۰ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا پنڈت کرشن داس مٹو اس وقت کے گورنر کے میر منشی تھے اور برسر اقتدار۔ آپ کے والد پنڈت امرناتھ صاحب مٹو پنجاب اور کشمیر میں مختلف دفاتر میں کام کرتے رہے اور اب دو تین سال سے پنشن یاب ہیں۔

حضرت دلگیر نے فارسی اور اُردو میں اچھی تعلیم پائی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات ایف اے اور منشی عالم پاس کئے ہیں طبیعت موزوں پائی ہے۔ زیادہ تر کشمیری زبان میں شعر کہتے ہیں۔ کبھی کبھی اردو میں بھی طبع آزمائی کرتے ہیں۔ آپ ایک جوشیلے نوجوان ہیں اور آپ کی طبیعت جوش و خروش سے پُر ہے۔ اس وجہ سے کلام کا بیشتر حصہ یا تو پولیٹکل رنگ میں ڈوبا ہوا ہے یا دھارمک رنگ میں رنگا ہوا۔ ملک اور قوم کی خدمت انجام دینے پر کمربستہ رہتے ہیں۔

آپ پنجاب کے مختلف ہندو نیشنل ہائی اسکولوں میں کئی سال تک بحیثیت ہیڈ پرشین ٹیچر کے کام کرتے رہے۔ آخر کار حب وطن کی کشش آپ کو دوبارہ کشمیر کھینچ لائی اور اب گورنمنٹ ہائی اسکول مظفرآباد (کشمیر) میں سینیئر پرشین ٹیچر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

کئے بن دیکھے جو اُس نے مری تحریر کے ٹکڑے\
اُسی دم ہوگئے گویا مری تقدیر کے ٹکڑے

گریباں زاہدوں کے جب نہیں محفوظ وحشت سے\
نہ کیوں ناصح کے ہوں پھر دامن تزویر کے ٹکڑے

گرہ جب اُس نے دی ناز و ادا سے اپنی زلفوں میں
ہم سب جُڑ گئے یہ عشق کی زنجیر کے ٹکڑے
نہ بولے وہ اگر دل کھول کر سب کچھ عبث سمجھو
ہوا کیا جو سمیٹے عزت و توقیر کے ٹکڑے
بھلا کب چھوڑے وہ اپنے وطن کی پاک مٹی کو
جسے گھر بیٹھے ہی مل جاتے ہوں تقدیر کے ٹکڑے
دم آمد ترش روئی دم رخصت سخن سازی
یونہی کرتا رہا ہے وہ دلِ دلگیر کے ٹکڑے

ما خدا و اریم غیر ال انبیا قبلِ آدم بودہ است آئین ما
حلقۂ ایمانِ ما در گوش کن جانِ من خواہی اگر صدق و صفا

تحریکِ انجمنِ امداد قرضۂ کشمیر

مدتوں سے دیکھ کر اہلِ وطن کو خستہ حال
کیا کہوں میں کس قدر رہتا تھا ہر دم پُر ملال
سر میں سودا تھا یہی دل میں یہی ارمان تھا
کاش مل جائیں ذرائع قوم جن سے ہو نہال
کل نہ پڑتی تھی کسی پہلو بھی مجھ کو الغرض
زندگی بھی ہو گئی تھی بے شبہ جاں کا وبال
منّتِ ذاتِ احد جس نے کہ بھیجا ایک دل
ہاتفِ غیبی بہ شکلِ نوجوانِ خوش خصال
آتے ہی اس نے طرب افزا بشارت دی مجھے
بھاگ نکلا میں اُسی دم غم کے خم سے بال بال
اور پوچھے گر کوئی تو میں یہ سچ سچ کہہ ہی دوں
اس میں ہے مضمر بقائے خورد سال و پیر زال

ہے بشارت کیا وہ گویا نوشدارُو سربسر
کلفتیں جس سے وطن کی ہوگئیں سب پائمال
یعنی عرصہ سے یہاں ہے بہرِ محتاج و غنی
اتحادی انجمن امدادِ قرضہ کی بنی
اس کی ہے تنظیم ایسی پختہ جس سے بیگماں
ہے مساوی حق کا دعویدار ہر خورد و کلاں
درسِ کم خرچی و ہمدردی سے کرتی دور ہے
مجلسی اور اقتصادی رنگ کی سب خامیاں
تاکہ کرکے جمع سرمایہ رہیں آزاد سب
ظلم ساہوکار سے ہوتا نہ کوئی نیمجاں
علم کی وسعت زراعت کی ترقی ہو مدام
اور بیش از بیش ہو بیداریِ اہلِ جہاں
اتحادِ باطنی ہو اور ایثارِ نفس
بلکہ اصلاحاتِ قومی کا ہر اک ہو ترجماں
جان لو کیسی فراغت بخش ہے تحریک یہ
خود مہاراجہ بہادر جس کی ہوں روحِ رواں
اس سے حاصل فیضِ اہلِ ملک کو ہو بس سدا
ہاں یہی دلگیر کی تجھ سے دعا ہے اے خدا

دل جو پامالِ خیالِ دیدِ جاناں ہوگیا
گویا عکسِ شمع پر پروانہ قرباں ہوگیا

ایک طفلِ اشک کی شوخی ہی کی برکت سے ہے
اہلِ محفل پر جو روشن رازِ پنہاں ہوگیا

لوگ کہتے تھے سنبھل جاؤں گا لیکن ہائے اب
فرطِ سودا باعثِ چاکِ گریباں ہوگیا

غلغلِ قمری و شورِ عندلیبِ زار سے
باغِ عالم صورتِ صحنِ دبستاں ہوگیا

ساتھ گلچیں کے جو دیکھا آرہا صیاد ہے
دور ہی سے طائرِ بے پر ہراساں ہوگیا

ظلمتِ گیسو سے تھا دلگیرؔ جو بھٹکا ہوا
مصحفِ رخ دیکھ کر شیدائے ایماں ہوگیا

مناجات

مخفی ہے غیب میں گو رازِ قیام تیرا　　لیکن عیاں ہے ہر سو قدرت کا کام تیرا
تو نے ہی جان بخشی ایمان تو نے بخشا　　احسان کیوں نہ مانیں سب خاص و عام تیرا
دنیا کی نعمتوں میں عقبیٰ کی رحمتوں میں　　سب دیکھتے ہیں جلوہ ہر صبح و شام تیرا
نقشِ حیات بھی کچھ جادو اثر نہ ہوتا　　رنگیں اگر نہ ہوتا سنگیں نظام تیرا
آتشکدہ ہو مندر یا دیر ہو یا مسجد　　ہر اک جگہ ہے ہوتا چرچا مدام تیرا
دُکھ درد جس سے پل میں ٹل جائیں ہر بشر کے　　ہے واقعی وہ زندہ جاوید نام تیرا

اے کاش اب چھلکتا دلگیرؔ کے بھی دل میں
نور و سرور بن کر برکت کا جام تیرا

روشن - پنڈت مہتاب چیو ترسل ساکن سرینگر کشمیر

آپ سنہ ۱۸۹۶ بکرمی میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۹۴۵ بکرمی میں بمقام سرینگر ۴۹ سال کی عمر پاکر عالم بقا کو سدھارے۔ فارسی علم و ادب کے علاوہ آپ سنسکرت میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے۔

حضرت روشنؔ کا شمار کشمیر کے روساء میں تھا۔ کچھ عرصے تک تحصیلداری کے فرائض انجام دینے کے بعد بہ عہدۂ وزیر وزارت بھی کام کرتے رہے۔ دربار کشمیر میں آپ کی اچھی عزت تھی۔ کہتے ہیں کہ حبہ کدل اور فتحکدل کے درمیان آپ نے ایک شمبو مندر تعمیر کرا کے سنکلپ کیا تھا۔

آپ ایک اچھے سخن فہم اور صاحبِ مذاق بزرگ تھے اور شعر و سخن کے قدردان ہونے کے علاوہ خود بھی شعر کہتے تھے اور حق تو یہ ہے کہ اگرچہ آپ

کوئی باضابطہ دیوان یا تصنیف یادگار کے طور پر نہیں چھوڑ گئے تاہم جو کچھ قلیل اور منتشر کلام آپ کا دستیاب ہوا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ خوب کہتے تھے۔ گردشِ روزگار اور انقلابِ زمانہ نے آپ کا سارا منتشر کلام بھی محفوظ نہ رہنے دیا۔ چند اشعار جو پنڈت تاراچند صاحب ترسل ریٹائرڈ تحصیلدار رئیس کے ذریعے دستیاب ہوئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ؎

ازآبِ روئیش وزتابِ موئیش ازرشکِ کوئیش وززہرِ خوئیش

سیماب لرزاں سنبل پریشاں جنت پشیماں حنظل گریزاں

تنہا نہ روشن سر زد بہ صحرا ازدردِ ہجرش مفتون وشیدا

فرہاد ومجنوں درکوہ وہاموں بے برگ وساماں افتاں وخیزاں

ولہ

چہ باک ازچینِ ابروے کمانداران سلطانم

کہ از تیرِ قناعت دوختم چشم تمنا را

ولہ

نازش بجاں خریدم وبازیش دادہ ام طفلست خورد سال چہ داند حساب را

ولہ

زلفت کہ تکیہ بروَرقِ گل بناز کرد ہندو نگر کہ پاے بہ مصحف دراز کرد

ولہ

دلم بابختِ خود ہر لحظہ درجنگ است مے سوزم

زمن شاہِ جہاں بے وجہ دل تنگ است مے سوزم

بدورش ہر یکے باآب وتاب وعیش وآرام است

نہ جز من ایں چنیں بے آب وبے رنگ است مے سوزم

ولہ

بارے وگر سر زد جنوں افغاں کجا فریاد کو

تا درسِ عشق از بر کند مجنوں کجا فرہاد کو

دی درچمن با طوقِ زر میرفت سرو نازِ من
میگفت باخود زیرِ لب قمری کجا شمشاد کو

خواب پریشاں دیدہ ام زلفش بدستِ غیر بود
از رشکِ خونم جوش زد نشتر کجا فصّاد کو

ساقی پیاپے بے عدد ئے دہ ز بدمستی مترس
رندانِ دریا نوش را مستی کجا تعداد کو

روشن زداغت سینہ ام ایمن ززنگ آئینہ ام
فارغ دلِ بے کینہ ام چوں من کجا آزاد کو

رباعی

اے خواجہ دریں جہاں ز بے تبری روزاں و شباں در طلبِ سیم وزری
سرمایۂ تو دریں جہاں یک کفن است آں ہم بہ گمانست بری یا نہ بری

ساغر ۔ پنڈت امرناتھ زتشی صاحب

آپ کی ایک غزل رسالہ زمانہ بابت ماہ نومبر ۱۹۲۸ء میں نظر سے گذری جو درج ذیل ہے۔ چونکہ اس کا علم نہ تھا کہ آپ کہاں قیام پذیر ہیں اس وجہ سے اور مزید حالات آپ کے دریافت نہ ہو سکے۔

اک تری لَو لگائے بیٹھے ہیں اور سب کچھ بھلائے بیٹھے ہیں
تیری محفل میں تیرے پروانے شمع ہستی بجھائے بیٹھے ہیں
صدقے تیر افگنی کے اے صیاد سیکڑوں زخم کھائے بیٹھے ہیں
کون ہے راز دار پہلو میں درد اپنا چھپائے بیٹھے ہیں
کس طرح کوئی سامنے آئے آستینیں چڑھائے بیٹھے ہیں
شیخ صاحب کو آج کیا سوجھی میکدے میں نہائے بیٹھے ہیں
گویا کچھ جانتے نہیں ساغر
کیسی گردن جھکائے بیٹھے ہیں

پنڈت اقبال کرشن - سحر

سحرؔ۔ پنڈت اقبال کرشن صاحب صاحب فرزند اکبر پنڈت امرناتھ صاحب شیداؔ لکھنوی

آپ پنڈت مہاراج کرشن صاحب ندیمؔ کے برادر کلاں ہیں اور پنڈت کنہیا لال صاحب عاشقؔ آپ کے جد بزرگوار تھے۔ تین پشت سے شاعری آپ کے خاندان میں چلی آتی ہے۔ آپ کی تاریخ ولادت ۲۱/اگست ۱۸۶۳ء ہے۔ گڈھا امیٹھی ضلع سلطانپور اودھ میں آپ پیدا ہوئے اور وہیں زیر سایۂ عاطفت جناب عاشقؔ فارسی کی تعلیم گھر کے مکتب خانہ میں پائی۔ ۱۸۸۲ء میں انگریزی تعلیم کے لئے لکھنؤ آئے وہاں چھ ماہ پڑھکر جب گرمی کی تعطیل ایک ماہ کی ہوئی تو سلطانپور چلے گئے یہاں حضرت سحرؔ کچہری کلکٹری میں امیدوار ہوگئے اور حضرت ندیمؔ نے ضلع ہائی اسکول میں داخل ہوکر انٹرینس تک تعلیم پائی۔ سحرؔ محکمۂ نہر میں ایک عرصہ تک ملازم رہے اور مختلف شہروں میں گھوم کر اب لکھنؤ میں قیام پذیر ہیں اور پنشنر ہیں۔ آپ کو مولانا صفیؔ لکھنوی سے تلمذ ہے۔ آپ کے کلام کی صفائی وسلاست ملاحظہ ہو۔

اک شعبدۂ قدرت ہے کون ومکاں جس کا ۔۔۔ ہے اور نہیں بھی ہے ہاں نام ونشاں جس کا
دیوانہ ہے اک عالم جس کے رخ روشن پر ۔۔۔ نیرنگیٔ قدرت میں جلوہ ہے عیاں جس کا
بلبل کے ترانوں میں اور آتش گل میں بھی ۔۔۔ سودا ہے عیاں جس کا ہے سوز نہاں جس کا
ہاں منظرِ قدرت ہے یہ پیکرِ انسانی ۔۔۔ پیرایۂ صنعت میں صانع ہے یہاں جس کا

ہستی وعدم سب کچھ اے سحرؔ اُسی کا ہے
ہے فصل بہار اُس کی ہے دورِ خزاں جس کا

قطعہ

سرو پر قمری ہے گل پر بلبلِ شیدا فدا ۔۔۔ دل حسینوں پر ہوا مائل تو اُس کی کیا خطا
کیا ہوا اُن کو یہ کیوں بیتاب ہیں کیا راز ہے ۔۔۔ آنکھ کھُلنے کا طریقہ ہے یہی آئی صدا

دیگر

ایک مدت سے یہ حیرت اے دلِ ناشاد ہے
خانۂ ہستی ہے دنیا یا عدم آباد ہے

سو گئے تو مر گئے جاگے تو زندہ ہو گئے
روز مرتے روز جیتے ہیں یہ کیا افتاد ہے

دیگر

سحر اب یہ کشمکش ہے کچھ دنوں کی اور بس
آ رہی ہے کان میں صوتِ درا بانگِ جرس

جا ملو گے قافلہ والوں سے تم بھی ایک دن
وِرد اب اس کا رہے اللہ و بس باقی ہوس

غزلیات

محسوس کر رہا ہوں جنوں کے اثر کو میں
بہلا رہا ہوں آج دلِ بیخبر کو میں

دل کو چُرا کے خاک میں مجھکو ملا دیا
مل جائے تو چُراؤں کسی کی نظر کو میں

رحمت سے ناامید نہیں گرچہ رند ہوں
کر لوں گا سرد اشک سے نارِ سقر کو میں

عریاں ہوں آج مثلِ درختِ خزاں نصیب
لے بختِ سبز تیرے بھی دیکھوں اثر کو میں

جلتا ہوں اور سوز ہے یہ میرا دائمی
اے سحر یہ دکھاؤں گا شمعِ سحر کو میں

عشق کے مقتل میں عاشق سر کٹانے بھی ہیں
جان دیکر اپنی ہستی سے گذر جاتے بھی ہیں

ہاں غرورِ حسن کا باعث اک آئینہ بھی ہے
اپنی صورت دیکھکر وہ آپ اتراتے بھی ہیں

ہائے ان الفت کے دیوانوں کی کیا حالت ہے یہ
جوش میں آ آ کے کچھ روتے بھی ہیں گاتے بھی ہیں

کیا مزے کی بات ہے یہ عاشقِ روے بتاں
شوق سے دیتے ہیں دل اور دیکے پچھتاتے بھی ہیں

غور سے رنگِ چمن کو دیکھ اے سحرِ حزیں
پھول کھلتے بھی ہیں اور کھل کھل کے مُرجھاتے بھی ہیں

چھپا یا تھا بہت کچھ ضبط نے اس سوزشِ غم کو
مگر دکھلا دیا وحشت نے اپنا رنگ عالم کو

اُڑے ہیں سوزِ غم سے اشک میرے آہ بن بن کر
اُڑا دیتی ہے تابِ مہر جیسے آبِ شبنم کو

بہت کچھ کر چکا ہوں حسرتوں کی میں عزا داری
اب اُن کا وقت ہے تیار رہوں وہ میرے ماتم کو
خدا کا کچھ نہیں بنتا بگڑتا کفر و ایماں سے
غلط فہمی سے ہم کھوتے ہیں ربط و ضبطِ باہم کو
گناہوں کا ہے ڈر جنت میں بھی اے طالبِ جنت
سزائیں مل چکی ہیں یاد رکھ حوّا و آدم کو

آپ کا طرز جفا اور ہمرا اندازِ وفا سب پہ روشن ہے نہ شرماؤ نہ شرمانے دو
خوں کے قطروں سے انا الحق کی صدا سُن لینا اک ذرا دار پہ منصور کو چڑھ جانے دو
چیرہ دستی ہے اسیروں سے تغافل کرنا پا بجولاں کو ذرا پاؤں تو پھیلانے دو
دیدیا دل ہے حسینوں کو تو اے حضرتِ سحر
کیا تردد ہے جو کھو جائے تو کھو جانے دو

موجِ ہوا بھی صورتِ برقِ سحاب ہے بحرِ فنا میں ہستیِ انساں حباب ہے
دیکھیں وہ سب کو اور نہ دیکھے کوئی انہیں پردہ اسی کا ہے یہی رازِ نقاب ہے
ہونے کو ہوں قریب مگر دل سے دُور ہوں یہ قرب اور فاصلہ بھی لاجواب ہے
اے سحر دیکھ بھال کے ملنے گا اُن سے آج
تیور بگڑ رہے ہیں کسی پر عتاب ہے

سخنور۔ پنڈت بیربل کول عرف جان۔ ساکن سرینگر کشمیر

آپ ۱۸۵۲ء بکرمی مطابق ۱۷۹۶ء میں بمقام سرینگر کشمیر پیدا ہوئے۔ محلہ ٹینکی پورہ میں سکونت پذیر تھے۔ فارسی میں اس زمانے کی مروجہ تعلیم خاطر خواہ پائی تھی۔ عمر بھر درس و تدریس کا کام انجام دیتے رہے۔ ۱۹۱۴ء بکرمی مطابق ۱۸۶۹ء میں انتقال کیا۔

آپ کے کلام میں سلاست اور روانی موجود ہے۔ تشبیہات و استعارات کے

برتنے میں کافی مشق بہم پہنچائی تھی۔ صنائع و بدائع سے بھی آپ کا کلام بے نیاز نہیں، نثر نویسی میں مشاق اور اپنے وقت کے استاد سمجھے جاتے تھے۔ آپ نے مہابھارت کا مکمل ترجمہ فارسی نثر میں کیا ہوا ہے جو اگرچہ غیر مطبوعہ ہے اس وقت تک موجود ہے۔ قصہ ہائے بکرماجیت منظوم بھی آپ کی ایک قابل قدر تصنیف ہے۔ آپ اعلیٰ درجے کے خوشنویس بھی تھے چنانچہ اب بھی کشمیر کے بعض مشہور خاندانوں میں آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں پائی جاتی ہیں۔ کلام کا بیشتر حصہ تلف ہوا ہے۔ فقط چند غزلیں اور ایک قصیدۂ حمد و ثنا دستیاب ہوا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

حمد و ثنا بطورِ قصیدۂ تمہیدی در ابتداء ''مہابھارت فارسی''

بہ بارگاہِ خداوندِ عزّ و جل

اے تاج بخشِ تخت نشینانِ روزگار — بر درگہِ مقدّسِ تو چرخ پردہ دار
لبریز از ثنائے تو گنجینۂ سخن — چون دامنِ صدف ز گہرہائے تاجدار
این گنبدِ فلک کہ کشیدست سر باوج — دہلیزۂ زصحنِ جنابِ تو تنگبار
این ابر قطرہ ایست زعمّانِ جودِ تو — قطرہ بہ دُر فشانیِ وصفت گہر نثار
این آفتاب ہست چو شمعے فراز طاق — این ماہِ چاردہ چو چراغے بہ کنجِ تار
این ہفت طبقۂ زمین از قدرتت در آب — برگِ گلے کہ میبرد ش موج بر کنار
جائیکہ عقلِ کل بہ نوا زخمہ کج زند — بر تارِ ارغنونِ ثنایت ز انکسار
کے جاے من کہ الکن و بے راے و بے ہُشم — کز نالہاے زار زنم زخمہ بہ تار
ہاتف بہ مژدہ گفت کہ ہاں دم مکش بہ عجز — سودِ تو در تضرّع و عزّت ز افتقار
دستے کہ بہرِ او نہ بچیند گلے ز شاخ — بے برگ و بار شاخ درختے بہ شورہ زار
آن سر کہ جبہ سائے نشد در صنم کدہ — ہے واں یقیں کہ ہمچو کدوئیست پُر ز مار
آن لب کہ تر زبان نہ شود در ثنائے او — برگِ گلے کہ باد نشانید در غبار
در ہر دلے کہ آتشِ عشقش نہ شعلہ زن — در دم شود چو شعلۂ جوالہ بے شرار

گفتم کہ چون کنم بہ یکے دل دو صد بلا　　اندر رہِ ارادتِ من خار بست مار
گاہے بجذبِ لمس چو پیلانِ منگلوس　　پایم ز اوج گاہ بغلطد بہ چاہسار
ہیہات پنج رہزنِ مکارہ در رہ اند　　ریزند آبم از سرِ دستان برہگذار
نے زاد و نے رفیق درین راہِ ترسناک　　راہم گہے بہ دشت فتد گہ بکوہسار
انصاف دہ کہ چون گذرانم درین سفر　　از دستِ رہزنان چنین خاکِ پُر غبار
گفتا صبور باش و بہ بازوے دل بہ بند　　تعویذِ اسمِ او کہ رہی از گزندِ مار
تا قوس وار خم نہ شود تیرِ قامتت　　رہ راست کے بری بسرِ کوچۂ نگار
مے دوز بر جمالِ دلارائے بت نظر　　حربا مثال بر رُخِ خورشید تا بدار
مشتاق شو چنان کہ نداری خبر ز خویش　　پیوستہ ہمچو ذرہ بخورشید دار کار
مدہوشیم بطبع اثر کرد و در فگند　　چشمانِ من بخواب چو میخوارہ در خمار
دیدم بخواب خویشتن اندر صنمکدہ　　بر پائے بت نہادہ سرِ خود بانکسار
ناگاہ در رسید صدائے دلم بگوش　　برخاستم ز جائے کہ جوید بدبر بار
دیدم شگفتہ روے یکے نور پارۂ　　کز جبہ اش فروغِ سحر بود آشکار
خاکسترے بروے کشیدہ ز آتشے　　کز چوب نخل طور بنور است شعلہ بار
چون تختۂ بلور مصفّا و موج زن　　چون ماہِ چاردہ بہ افق گشتہ نور بار
چون رشتہ ہاے پرتوِ خورشید بر جبین　　خوش قشقۂ ز صندلِ تر کردہ آشکار
در پا فتادمش چو فتد سایہ بر زمیں　　برہشت گونہ سجدہ نہادم مدارِ کار
او از سرِ کرم بسرم دست بر کشید　　از خاک بر گرفت ز الطافِ بیشمار
در دستِ من سپرد خرد نامۂ بمہر　　گفتا کزین صحیفہ ہمی باش کامگار
دستم ز کار رفت چو بگرفتہ ام بکف　　چون دستِ نازکانِ گل اندام از نگار
نشناختم رموزِ چنین نکتۂ غریب　　بودم ز نشۂ مئے اندیشہ در خمار
تا آنکہ لطفِ رام شد آرام بخشِ من　　آمد ز ورطہ زورقِ من باز برکنار
لفظاً بلفظ باز نمود از سرِ کرم　　رمزِ دو صد ہزار مضامینِ آبدار

چون ذرہ ام گرفت زخاکم باوج برد | آن آفتابِ مطلع اعزاز و افتخار
لب بردہان نہاد سخنور کہ ہان مران | زین بیشتر بعرصۂ اظہار راہوار
زن نعلِ واژگونہ بختلی خرام لب | شبگیر کن براہِ فصیحانِ روزگار

سرشار۔ پنڈت رتن ناتھ در صاحب لکھنوی

حال زلفِ رسا نہیں معلوم | ابتدا انتہا نہیں معلوم
نہیں لیتے ہیں کو سنے میں وہ نام | کس سے سمجھے خدا۔ نہیں معلوم
ٹالے ٹلتی نہیں ہے ہجر کی رات | ہے کہاں کی بلا نہیں معلوم
پیچ پر پیچ دے رہے ہیں وہ | گیسوؤں کی خطا نہیں معلوم
بحر عالم میں ہم ہیں مثل حباب | اپنا بگڑا بنا نہیں معلوم
مُنہ چڑھاتے ہو ہوش میں آؤ | اپنا بگڑا بنا نہیں معلوم
خضرِ رہ کو حال خود اپنا | صورتِ نقشِ پا نہیں معلوم

ہاتھ میں اُس کے تیغ ہے سرشار
آے کس کی قضا نہیں معلوم

سرور۔ پنڈت لچھمی رام صاحب ہاکسر

ماخوذ از مراسلہ کشمیر فروری ۱۸۷۸ء

گاہ بہ شیرینِ جلوہ نما گہ عشوہ گری در صورتِ لیلےٰ
دادہ سرے در راہِ غمت فرہاد بہ کوہ و قیس بہ صحرا

گشتہ بہ دورِ حسن تو جانانِ وہ چہ عیان آثار قیامت
کز خط و رویت ہست بعالم شام و سحر پیوستہ بہ یکجا

اے دل و جان قربانِ سرِ تو بر سرِ دلہا رحم کُن آخر
شانۂ مکش لے وائے خدا را زلفِ دوتار اشوخ خود آرا

خستۂ چشمِ مستِ تو نرگس بستۂ دامِ زلفِ تو سنبل
بندۂ قدّت سروِ صنوبر کشتۂ رویت لالۂ حمرا

آہ کسے کے جان بہ سلامت از تو برد آوا کہ باشد
تیغِ قضا آن ابروے پُرخم فوجِ بلا مژگان صف آرا

حلقہ بگوشِ گوشِ تو گوہر گوہرِ گوشت غیرتِ اختر
اے بَر و دوشت رشکِ سحر، پا لغز نظر، آغوش مصفا

چند تغافل چون نکنی از رحم نگاہے آہ بجاش
کردہ فداے عشقِ تو جانان جان و دل و دین سرورِ شیدا

سرمستِ مئے جامِ الست است دلِ ما — از روزِ ازل بادہ پرست است دلِ ما
تا مستِ مے عشقِ تو گردید ز مستی — افشاندہ بہ ہستی سر و دست است دلِ ما
تیرِ نگہِ کیست ندانم کہ ز زخمش — تا فرق بخون غرق نشست است دلِ ما
وارستہ ز بندِ غم و دردِ دو جہان است — دل خوش بہ غمِ عشقِ تو بست است دلِ ما
سرور کہ درستش کند الّا کہ شکستن
خو کردہ ز جورش بشکست است دلِ ما

ندانستے پری جلوہ گری را — ز تو آموخت فنِ دلبری را
بلا بالاے من طرزِ خرامت — ہمی سازد خجل کبکِ دری را
بہ پیشِ قدِ دلجوے تو شمشاد — کمر بستہ بجان خدمتگری را
نمود آن نرگسِ جادوگرِ تو — بہ عالم تازہ سحرِ سامری را
بنہ سر بر سرِ خاکِ درِ دوست
برون کن سرور از سر سروری را

اے دل چنین بخون چہ طپیدی چہ شد ترا — از تیغِ غمزۂ کہ شہیدی چہ شد ترا
صد فصلِ نو بہار گذشت و درین چمن — بلبل تو نالۂ نہ کشیدی چہ شد ترا
پیراہنت قبا و بہ خونہا طپیدہ — اے گل تو از صبا چہ شنیدی چہ شد ترا

شب ہائے ہجر سوختم اے وائے ہمچو شمع　　اے صبح وصل چون نہ دمیدی چہ شد ترا
کاہیدہ در غم خم ابروے کیستی　　آہ اے ہلال از چہ خمیدی چہ شد ترا
سرور زکیست اینہمہ افغان و آہ تو
در کنج غم چنین چہ خزیدی چہ شد ترا

ساقیا دہ آب آتش فام را　　زن بجان آتش غم ایام را
بے غمم کن ز انقلاب روزگار　　اے سرت گردم بگردان جام را
چند گوئی زاہد از صوم و نماز　　چون من در عاشقی بدنام را
من کجا آئین دینداری کجا　　کن برون از سر خیال خام را
دین و دل دادم بہ عشق کافرے　　خیر بادے گو ز من اسلام را
گر ندیدی از خد و خطش نگر　　جلوہ گر یکجا تو صبح و شام را
شد نگاہش رہزن دین و دلم　　برد از من طاقت و آرام را
بشنوند از من خدا را ہمدمان　　شرح درد و محنت و آلام را
شب بہ محفل آمد آن شیرین دہن　　یافت ہر کس از لب او کام را
سوے من چشمش نگاہے ہم نکرد　　بنگرید این گردش ایام را
جان بلب آمد و لے زان لب نشد　　کام جان حاصل من ناکام را
قمری و بلبل گذشت از سرو و گل　　دید تا آن سرو گل اندام را
کاکلش گستردہ در ہر رہگذر　　بہر صید مرغ دلہا دام را
کے بود یارب بکام دل کشم　　تنگ در بر آن بت خودکام را
رم کن اے سرور ز خود در خود بخود
رام کن آن شوخ بارم رام را

اے دیدہ از تو سر شدہ جیحون چہ شد ترا　　اے دل طپیدۂ ہمہ در خون چہ شد ترا
امشب صداے نالہ نہ آمد ز کوہ و دشت　　کوہکن چہ پیشت آمد و مجنون چہ شد ترا
اے گل تو در چمن گل روے کہ دیدۂ　　رنگ رخ تو گشت دگرگون چہ شد ترا

بلبل ز باغبان چہ شنیدی کہ در چمن   گل بانگ نالۂ نزدی چون چہ شد ترا
گردِ سرِ درِ سرِ کوے کہ گشتۂ   سرگشتۂ ز بہر کہ گردون چہ شد ترا
کارِ تو صبح و شام دلا آہ و نالہ بود   خاموش از براے چہ اکنون چہ شد ترا
تیرِ نگاہ کیست کہ جا کردہ در دلت
سرورؔ روان ز چشم تو خون شد چہ شد ترا

اے لبت خون بہ جگر کردہ بدخشانے را   رشک افزا شدہ روے تو گلستانے را
آہ زین چرخِ جفا پیشہ کہ در فصلِ بہار   میکند جامہ قفس مرغِ خوش الحانے را
لب پر شور تو اے کانِ ملاحت بشکست   آہ بر داغِ دلم طرفہ نمکدانے را
بشکند پنجۂ دستے کہ بہ شب ہاے فراق   نتوان کرد ازو پارہ گریبانے را
پئے گلگشت تو اے رشکِ چمن ریخت بخون   دیدہ در کوے تو خوش رنگ گلستانے را
سرورؔ امشب چہ حزین آہ و فغانے داری
عشقت آمیخت بہ دل درد فراوانے را

بہار آمد بدہ ساقی شرابِ ارغوانی را   کہ تا زین آب سازم سبز نخلِ زندگانی را
بعشق نوجوانے دادہ ام دل در کہن سالی   بہ پیری کردم از سر تازہ ایامِ جوانی را
شبِ ہجران خیالِ کاکلِ بالا بلا شوخے   کند نازل بہ فرقِ دل بلاے آسمانی را
چرا از حور و غلمان میزنی لافِ عبث ہر دم   ندیدی زاہدا روے فلان ابنِ فلانی را
بتوصیفِ لبِ لعلِ تو شد عذب البیان سرورؔ
کہ گیرد وام طوطی از لبش شیرین بیانی را

ہمچو رندان نبود بادہ کشی پیشۂ ما   بادۂ ما ہمہ خونِ دل و دل شیشۂ ما
نیست خورشید کہ بر روے فلک میتابد   جستہ از سنگ شرارے ز دمِ تیشۂ ما
بسکہ در یادِ تو سرمست انا الحق شدہ ام   سرِ منصور زند سر ز رگ و ریشۂ ما
خاک گشتیم براہِ وے و وے واے نکرد   بر سرِ ما گذرے شوخ جفا پیشۂ ما
دلِ ما گشتہ خراب از نگہِ خوش نگہان   آہوان شیر شکار اند درین بیشۂ ما

ده چه خوش گلبنِ رنگین گلستان عمیم   آب از خونِ جگر یافته هر ریشهٔ ما

وصفِ ذاتِ تو حبیبا چه بگوید سرور
نیست در بزمِ صفاتت رهِ اندیشهٔ ما

عشوه خونریز کند نرگسِ فتّانِ ترا   سرمه شد سنگ فشان خنجرِ مژگانِ ترا

یاد از چشمهٔ حیوان نه نمودی هرگز   خضر میدید اگر چاه زنخدانِ ترا

چون نه رُمّان گزد از سنگ به دندان لبِ خویش   داده پان رنگ دگر آن لب و دندانِ ترا

بارخِ زرد که در گردِ جهان میگردد   دیده خورشید مگر آن رخِ رخشانِ ترا

خوار و آوارهٔ و حیران و پریشان شدهٔ
داده برباد که سرور سر و سامانِ ترا

از گلِ لختِ جگر پُر جیب و دامانیم ما   طرفه باغیم و بهاریم و گلستانیم ما

گر حواس آشفته ایم اے همنشینِ ما مرنج   در غمِ گیسو پریشانئے پریشانیم ما

تربتِ ما در چراگاهِ غزالان واجب است   کشتهٔ چشمِ سیاهِ خوش نگاهانیم ما

گشته ام از دستِ غم آوارهٔ دشتِ جنون   از ازل خوکرده با چاکِ گریبانیم ما

بسکه از خود رفته محوِ صورتِ جانانه ایم   روزگارے شد که چون آئینه حیرانیم ما

بے رخش از سرگذشتِ ما مپرس اے همنشین   هر شب از غم تا سحر چون شمعِ سوزانیم ما

بے خطر از انقلابِ روزگاران گشته ایم   بخت برگردیدهٔ برگشته مژگانیم ما

هر دم از افغان و آهِ آتشین و چشمِ تر   رعد نالان برق سوزان ابرِ گریانیم ما

بندهٔ فرمانبرِ سلطانِ عشقم از ازل   تا ابد بر هر دو عالم دست افشانیم ما

منعما بینوایان را به چشمِ کم مبین   بر بساطِ بوریا شیرِ نیستانیم ما

جیبِ ما از قطره هائے اشکِ ما پُر گوهر است   بحرِ سامان در غمش چون ابرِ نیسانیم ما

روزگارے شد که در یادِ لبِ خندانِ یار   همچو رُمّان بر جگر افشرده دندانیم ما

هر زمان عیدِ دگر در دیده باشد جلوه گر   محوِ دیدارِ کسے چون چشمِ قربانیم ما

روشن است از پرتوِ پیشانیٔ ما آفتاب   جبهه سائے آستانِ کوئے جانانیم ما

بادلِ پُر داغ و چشمِ خونچکان از غم طپان در گلستانِ غمش طاؤسِ رقصانیم ما
سرورِ مظہر صفت دمسازِ آہ و نالہ ایم
تا نفس باقیست چون نے نالہ سامانیم ما

تابان نہ اند شب بفلک این ستارہ ہا برجستہ اند ز آتشِ آہم شرارہ ہا
روے حیات جز لبِ جان بخش او ندید ہر چند کرد عیسیٰ بیچارہ چارہ ہا
ہرگز نکرد در دلِ سنگینِ او اثر خون شد ز نالہ ام جگرِ سنگ خارہ ہا
گردیدہ است خاکِ درش رشکِ لالہ زار چشمم کہ ریخت در دلِ پُر داغ پارہ ہا
سرور چہ تاب تا برخت دیدہ وا کند
اے خیرہ بر جمالِ تو چشمِ نظارہ ہا

بشور آمد جنون در دیدۂ من نالہ شد پیدا گرہ شد نالۂ من در لبش تبخالہ شد پیدا
جمالش جلوۂ کرد آشکارا ماہ تابان شد خطِ مشکین بر رویش حلقۂ زد ہالہ شد پیدا
شبے از سرد مہری ہاے جانان گریہ سر کردم ز چشمم قطرۂ اشکے چکیدہ ژالہ شد پیدا
چہ رنگین آتشے زد در دلم عشقش کہ در گلشن شرارے جست از داغم چراغِ لالہ شد پیدا
چو شد سرگرم رقص آن آتشین رخسارۂ سرور
تو گوئی از تجلی شعلۂ جوالہ شد پیدا

چند ز سینہ برکشم نالۂ واے واے را رخصتِ یک نگہ بدہ نرگسِ سرمہ ساے را
سازم از آہ و نالہ ہا شورِ قیامتے بپا بے تو شبے چو سر کنم گریۂ ہاے ہاے را
منع ز عشقِ دلبران میکند آن سیہ زبان راہ بخلوتم مدہ ناصحِ ژاژ خاے را
چشمِ ترے چو نیستش در غمِ عشقِ کافرے آہ چہ سود از وضوست زاہدِ خود ستاے را
فصلِ گل ست وصلِ گل ساقیِ گلعذار کو تا بکشم بکامِ دل بادۂ دلکشاے را
خندہ زند بر آفتاب اخترِ برج روشنم گیرم اگر شبے بہ بر آن بتِ مہ لقاے را
اے سرِ من فداے تو بر سرِ دل مکن جفا شانہ مکش خداے را طرّۂ مشکساے را
شاہ توئی و من گدا نیست عجب اگر کند چون تو شہے نوازشے ہمچو منِ گداے را

بیتو بہ چشم خونچکان ہست طپان بخاک وخون
بر سرِ سرور اے صنم کن گذرے خداے را

کردۂ رشکِ گلستان جیب و دامانِ مرا
دادۂ رنگ دگر اے گریہ سامانِ مرا

برد دل زلفِ سیاہش زو بجان آتش زخش
نرگس کافر نگاہش سوخت ایمانِ مرا

گرچہ از حیرانیم آئینہ میگوید ز او
خوش بگو کاکل تو ہم حالِ پریشانِ مرا

کے شود بہ درد دل بے نوش دار وے لبش
اے مسیحا ہرزہ میسازی تو درمانِ مرا

شد جہان از دیدۂ خونبار من رشکِ چمن
بیتوان ابرِ بہاران گفت مژگانِ مرا

در برم یک شب سرت گردم بیا از روے مہر
ماہِ من رشکِ سحر کن شام ہجرانِ مرا

گفتہ ام سرور سخن از بسکہ در وصفِ حبیب
حوریان در خلد میخوانند دیوانِ مرا

بہ دل جا کردہ ام عشقِ نگارِ شوخ و شنگے را
درونِ خانۂ خود دادۂ رہ خانہ جنگے را

شکستہ تا بدامن بستہ چشم ز دیدنِ عالم
چہ حظ از عاشقی آن چشم کورِ پاے لنگے را

منہ از رنج دنیا بار کلفت بر دلِ روشن
مدہ در خلوتِ آئینۂ خود بار زنگے را

زحسرت چون نگردد خون دلِ یاقوت رمانی
لبِ لعل تو از پان کردہ پیدا تازہ رنگے را

منم سرگشتۂ وشتِ جنون عمریست اے سرور
چہ میگوئی منِ دیوانۂ بے نام و ننگے را

خداوندا بکن آباد این ویران دیارے را
بدہ جمعیتِ خاطر پریشان روزگارے را

زداز آئینۂ دل زنگ کلفت ہاے دورانم
مدہ رہ در حریم خلوتِ جانم غبارے را

بہ امیدِ عطاے آمدم بر در گہت یارب
مکن نومید از درگاہِ خود امیدوارے را

ز بس ناکردہ کارم سر فرو در جیبِ غم دارم
بدہ در کارِ خوش دستے منِ ناکردہ کارے را

دلم افسردہ تر از سرد مہری ہاے دورانست
فگن از آتشِ عشقِ خودم در جان شرارے را

حبیبا عالمے از فیضِ عامت بہرہ ور باشد
چہ باشد گر نوازی ہمچو سرور خاکسارے را

پنڈت سندر لال شرغہ صاحب
برادر پنڈت موتی لال شرغہ صاحب

آپ فن موسیقی کے ماہر کامل تھے۔ ذیل کی ٹھمریاں وغیرہ آپ کی تصنیف کی ہوئی ہیں۔

ٹھمری در بھیرویں

مُرلیا باجے کوئی اُور - ہر ہری بانس کی ہری ری بنسوریا جیسے کوُکے دیکھو مور　مُرلیا باجے کوئی اُور

جوگیا اساوری

میں تو بیٹھی ہوں دھونی رمائے　سیام نہیں آئے مدھ بن سے

گوری

اُڑ جا رے پکھیرو - دن تو رہ گیا تھوڑا - اُڑ جا رے پکھیرو دن

رام کلی

مَیں تورے بل بل جاؤں پتنگوا مورے پیا کی کھبر پائے آ میں تورے

ایضاً

پیالا مجھ بھر دے ری　پیالا مجھ　ہم تم پیویں چھکے چھکاویں ورجنا دیکھ ڈری　پیالا مجھ بھر دے ری

ساون

جات نگریا میں بھولی ڈگریا - اب سُدھ لو موری رام رے - جات نگریا
ایک تو ندیا اگم بہت ہے　ناگا نٹھی میں دام رے　بن گُن کے
نیّا پار لگاؤ - کرشن تمھارا نام رے - جات نگریا میں بھولی

سوہنی

تِل نے پائی ہے جگہ تیرے زنخداں کے تلے　ہے ستارہ کوئی روشن مہِ تاباں کے تلے

ٹھمری سارنگ

بلیاں مَیں لُوں گی تور
مت جا ایسی دھوپن میں - بلیاں میں لوں گی تور - دھرتی تپت
تپت ہے گھام پرت ہے - مت جا ایسی دھوپن میں

سُرُوَر - پنڈت ہیم نراین کول صاحب

فن موسیقی میں آپ دستگاہ کامل رکھتے تھے - ذیل کی ٹھُمریاں آپ کی تصنیفات میں سے ہیں

ہولی

سانجھ بھئی اب جانے دے گھر مرلی نا بجارے بہاری
مُرلی سُنت بھئی ایسی باوَری تم بن نہ سوجھے کوئی گردھاری
بھبوت رمائے جوگن بن بیٹھی نرکھت ہیں سب نر اور ناری
تن کی سُرت نا بدن کی کھبر مُرلی نا بجارے بہاری
مُرلی بھئی موے پران کی گاہک داگ دیوے کریجوا میں کاری
اسوَن کی جھڑ لاگ رہی سگری دیہہ سَون اٹھت چنگاری
کُمکُو رنگ بھیو پیئر پیئر مُرلی نا بجارے بہاری
بھورسے بسری ہوں پنیا بھرن کو پاگت بھئی سُن مُرلی بہاری
اَب تو پریم سُون گروا لاگ جا جاسے بجھے یہ اگن ہماری
(گلا)
پیّاں پڑب اور جورب کر مُرلی نا بجارے بہاری
(کلائی)

ہولی

پا لاگی کر جوری شیام موسے کھیلو نہ ہوری

گوئیں چراؤن میں ہنسی ہول   ساس نند کی چوری
سگری چُنر رنگ میں نہ بھجوؤ   اتنی سنو بات موری
شیام موسے کھیلو نہ ہوری

چھین جھپٹ مورے ہاتھ سے گاگر   جور سے بہیّاں مروری
دل دھڑکت ہے سانس چڑھت ہے   دینہہ کپٹ گوری گوری
شیام موسے کھیلو نہ ہوری

پھاگ کھیل کے تمنے رسے موہن   کاگت کینھی موری
سکھین میں استاد کے آگے   ہوئیھوں تھوری تھوری
شیام موسے کھیلو نہ ہوری

دیگر

عبیر گلال نہ موپر ڈارو   نہ مارو پچکاری
آدھی دینہہ سب دیکھ پریگی   سارئی بھجوؤ نہ ساری
کہیں گے لوگ متواری

تم چاتر ہولی کے کھلیّا   ہم ڈرپوک اناری
تاک جھانک لگا مت موہن   جاؤں تورے بلہاری
نہ کر مو ہے جان سے عاری

لاکھ کہی تم ایک نہ مانی   بنتی کر کے ہاری
یا ہو گھری استاد سے جاکے   کہیوں حکیکت ساری
کہاں جاؤ گے گردھاری

سعادت ۔ پنڈت دامودر ترسل صاحب

آپ ۱۹۰۱ء بکرمی میں بمقام سری نگر کشمیر پیدا ہوئے۔ کچھ عرصے تک تحصیلدار رہے مہاراجہ رنبیر سنگھ آنجہانی کے عہد حکومت میں جب کشمیر میں سخت قحط رونما ہوا تو آپکو سیّد غلام جیلانی شاہ صاحب سپیشل قحط آفیسر کا اسسٹنٹ بنایا گیا۔ اس حیثیت میں آپ نے اپنے فرائض منصبی نہایت تن دہی اور جانفشانی سے انجام دئے۔ آپ غزل قصیدہ اور مثنوی کہنے میں اچھی مہارت رکھتے تھے لیکن افسوس ہے کہ کلام کا بیشتر حصّہ تلف ہو چکا ہے۔ آپ نے ایک "شہر آشوب" بھی لکھا تھا جس کی اہل مذاق اس وقت تک تعریف کرتے ہیں لیکن اس کی بھی کوئی نقل دستیاب نہیں ہوتی۔ آپ ۱۹۴۰ء بکرمی میں وفات پا گئے۔ ذیل کی غزل آپ کے کلام کا ایک نمونہ ہے ؎

زبارِ رنگِ حنا پنجۂ بُتم خم شد — عرق بہ عارضِ آن گلعذار شبنم شد
سرود کہ آب برد ز آبِ قلزم و جیحون — چنان ز ہجرِ رخ یار دیدہ پُر نم شد
بہ عیش کوش دلا کان نگارِ سیم اندام — ز بعدِ عمر ز مانۂ بوصل ہمدم شد
بہ تیر تم چو حجاب نقاب بر رُخ زد — حیا و شرم چسان درمیانہ محرم شد
ز نیزہ ہائے مژہ گرچہ گشت تیر انداز — بہ عشوہ ہائے کمان سوز ہچو مرہم شد
ز بہرِ دوختنِ زخمِ سینۂ عاشق — بہ سوزنِ مژہ و تارِ زلف مریم شد

بگوشِ ہوش شنواے سعادت آن دلبر
بخندۂ لبِ میگون نشاطِ عالم شد

حضرتِ سعادت وانتر کے گاؤں میں ایک عرصے تک بہ سلسلۂ ملازمت مقیم رہے۔ بہار کا موسم آیا اور سرینگر میں جھیل ڈل۔ نشاط باغ اور شالامار میں خوب چہل پہل رہی۔ لوگ موسم بہار کا لطف اٹھانے کی غرض سے سیر و تفریح میں مصروف تھے۔ ان کا دل بہت چاہا کہ سرینگر آکر وہ بھی اپنے دوستوں اور ہمدموں کے ساتھ اس لطف میں شریک ہوں لیکن ان کی درخواستِ رخصت نامنظور ہوئی

شریمتی سوشیلا ٹنّکو عرف شریمتی برجکشوری سوشیلا

اس کا ذکر انھوں نے ذیل کے اشعار میں کیا ہے۔ ؎

خوشا سالِ نو دخل کردہ بہ کشور　　ہوائے زمستان برون شد زکشمر
شگوفہ زگلشن سر آوردہ بیرون　　بہار این طرف با ارم گشتہ ہمسر
بہ تالاب آب و بہ شب ماہِ تابان　　سفینہ چو مرغاب آبش چو کوثر
ہمہ گلرخش لالہ خدّ و سمنبر　　زخوشبوئے گیسو ہوا پُر زعنبر
بہ قد سروِ بستان و شہلا بہ چشمان　　سرین ہمچو نسرین و لب ہمچو شکر
سکون داشتے گر درین شہر قارون　　نہ کردے بدبخت اندر زمین زر
ترانہ بہ ہر کو و ترکانہ ہر سو　　کف و دف زنان گشتہ مردم بہ ہر در

چہ داند سعادت بہ بند از اجازت
برون بردہ زین رخت خود را بہ دانتر

سوشیلا شریمتی سوشیلا ٹکو عرف شریمتی برجکشوری۔ دختر پنڈت جگموہن ناتھ آگرہ مرحوم

آپ جنوری ۱۸۹۸ء میں بمقام الہ آباد پیدا ہوئیں۔ جہاں آپ کے دادا پنڈت کدار ناتھ آگرہ عہدۂ ڈپٹی کلکٹری سے مستفید پنشن ہو کر سکونت پذیر تھے۔ پنڈت اوتار کرشن ٹکو کی آپ زوجہ ہیں۔ گو آپ کی تعلیم کسی اسکول میں نہیں ہوئی مگر زیر نگرانی والدین آپ کی تعلیم اس خوبی کے ساتھ ہوئی کہ علاوہ ہندی کے آپ کی لیاقت زبانِ انگریزی و اردو قابلِ تحسین ہے۔ آپ کے شوہر بمقام جھنڈ واڑہ (سی۔ پی) اسسٹنٹ انجینیر بی۔ این۔ ڈبلیو ریلوے کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔ وہ خود شاعر ہیں اور نیز اُن کی قابل زوجہ اُردو میں فکر سخن کرتی ہیں۔ ذیل کی دو نظموں کا انتخاب ہم رسالۂ بہار کشمیر سے اخذ کر کے ناظرین کے تفننِ طبع کی غرض سے پیش کرتے ہیں۔

بحث تھی یہ تو اصولی مشفقِ شیریں زباں　　اشتعالِ طبع کا باعث ہوا کیا مہرباں
بندہ پرور مجھکو ہو دعویٔ سخن کا کس طرح　　مدتوں سے ہے وطن پنجاب، پنجابی زباں
یہ سُنا تھا آپ کا طرزِ بیاں دلچسپ ہے　　شاعری کا آپ کی ہے معتقد سارا جہاں
ساری کوشش کی ہے صرفِ داستانِ حسن و عشق　　بتکدہ کا آپ نے چوما ہے سنگِ آستاں
مرحبا شانِ سلاست۔ حبذا ذوقِ سلیم　　خوب دی دادِ فصاحت آپ نے اے مہرباں

یہ فصاحت - یہ بلاغت یہ سلاست آپکی / اس پہ سونے پر سُہاگا اکبرآبادی زباں
چشم بد بیں دور - مطلع انوار ہے / جوہر پاکیزگی ہے دونوں مصرعوں سے عیاں
ٹھنڈے دل سے آپنے سوچی کبھی یہ بات بھی / کیا ہیں وصف اردہنگنی کے کیا ہیں اُسمیں خوبیاں
ہے شریکِ رنج و غم - گو شاملِ راحت نہ ہو / آپ گو برہم ہوں لیکن وہ سدا ہے مہرباں
جامِ شیریں بادۂ الفت سے بھرتی ہے مدام / عفو کرتی ہے بُرائی - وصف سے ہے تر زباں
بیٹیاں ہوں یا ہوں بہنیں - آپ کی شیدا ہیں وہ / ہے محبت اُن کی گویا ایک بحرِ بیکراں
کچھ ثبوتِ الفتِ ہمشیر کی حاجت نہیں / نخلِ الفت کے ثمر دونوں ہیں - بیٹے بیٹیاں
آپ کے دم سے شجاعت میں ہے دم باقی ضرور / ہم نہ ہوتیں گر تو مٹ جاتا محبت کا نشاں
دیکھئے مَردوں کی خودداری کا یہ ادنیٰ ثبوت / لیڈیوں کے سامنے اُٹھتی ہیں اُن کی ٹوپیاں
شاستروں نے مرد کی اردہنگنی ہم کو کہا / اور بیٹر ہاف کہتا ہے ہمیں سارا جہاں
نذر کرتی آپ کو ہم ہیں جواہر بے بہا / ہے ہماری ہی بدولت نسل کا قائم نشاں
آپ موجد ہیں ہر اک ایجاد کے مانا - مگر / موجدوں کے کون موجد ہیں یہ کہئے مہرباں
دہر ناقص ہے یہاں تکمیل ہے کسکو نصیب / اک مکمل ذات حق کی ہے بلا ریب و گماں

اے سوشیلا جس بلندی پر نشیمن ہے مرا
طبع موزوں کی وہاں پہنچیں گی کیا طغیانیاں

دیگر

سُن چکے ماہِ گذشتہ میں ہو مردوں کا بیاں / اب سنو میری زبانی عورتوں کی داستاں
زورِ بازو پہ اگر مَردوں کو ناز و زُعم ہے / ہیں تحمل اور شکیب و صبر کی ہم پُتلیاں
بھیم وارجن کی اگر طاقت پہ تم کو ناز ہے / دروپدی اور پدمنی سی ہم میں بھی تھیں رانیاں
رامچندر نے پتا کا گر بچن پالن کیا / تھی پتی برت دھرم میں سیتا بھی یکتائے زماں
تم پھرو آزاد و آوارہ جہاں میں دربدر / طالبِ فرماں رہیں ہم اور پابندِ مکاں
عقل میں کچھ کم نہیں ہیں شکل میں بہتر ہیں ہم / تم توانا ہو یہ مانا - اور ہم ہیں ناتواں
کیوں نہ ہم چلّائیں چیخیں شیوۂ بیداد پر / کیوں نہ فریادی بنیں ہم بھی تو رکھتے ہیں زباں

اور ہمیں دیکھو کہ تم سے اس قدر کمزور ہیں — اس پہ بھی مہر و وفا کی ہیں مجسم دیویاں
مہرباں میرے ذرا تو کیجئے انصاف و غور — ابتری میں ہے ہماری آپ کا ہی تو زیاں
ایک پہئے کی کبھی گاڑی چلا کرتی نہیں — تیر گر ٹوٹا ہوا ہے تو کماں بارِ گراں
ہم تو وہ ہیں جان بھی قربان کر دیں آپ پر — آپ ہم سے ہو رہے ناحق کو ہیں یوں بدگماں
یہ تو بتلاؤ کہ آخر حاصلِ محنت ہے کیا — کیا کیا ہے آج تک جس پر ہو کرتے شیخیاں
ہو چکا بس ہو چکا اب انتظامِ قوم و ملک — آپ کی بد انتظامی پر ہے روتا آسماں
آزمائش میں ہوئے ہو بے طرح ناکامیاب — اب یہی بہتر ہے ہم کو دو حکومت کی عناں
آگیا اب دورِ آزادیِ نسواں ۔ آگیا — مدتوں کے بعد پاؤں کی کٹیں گی بیڑیاں
خواہشِ حشمت نہیں ہم کو نہ شوقِ انتقام — بے غرض اور نیک دل ہیں ہم سے مت ہو بدگماں

شاد - پنڈت دیا رام رینہ صاحب متوطن کشمیر

آپ سدن گاؤں کے جو تحصیل بڑگام کشمیر میں واقع ہے باشندے تھے اور وہیں سنہ ۱۸۹۵ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ فارسی کی تعلیم ایک فاضل اُستاد سے پائی تھی تحصیل علم سے فارغ ہو کر بطور حلقہ دار کے ملازم ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ سلسلۂ ملازمت منقطع ہو گیا۔ اس وقت آپ نے ایک مکتب جاری کیا اور عمر کے آخری حصہ تک درس تدریس ہی کو ذریعہ معاش ٹھہرایا۔ کہتے ہیں کہ اس علاقے کے اکثر باشندے اکتسابِ علم میں آپ سے مستفید ہوئے۔ آپ کا خاندان نمبر داری خاندان کے نام سے مشہور تھا۔

حضرت شاد صاحب زمین و جائداد تھے۔ بیشتر وقت ریاضت و عبادت میں گذار دیتے تھے۔ رامائن اور دیگر مذہبی کتب کے مطالعہ کا بیحد شوق تھا چنانچہ فارسی رامائن منظومۂ رامداس کو دل سے پسند کرتے تھے۔ خوشنویس بھی اعلیٰ درجے کے تھے۔ آپ سنہ ۱۹۶۰ بکرمی میں اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔ افسوس ہے کہ باوجود تلاش آپ کے کلام کا نمونہ خاطر خواہ دستیاب ہو سکا

فقط ذیل کے اشعار ایک مہربان کی زبانی سُننے میں آئے۔ ان سے حضرت شاؔد کا زورِ کلام عیاں ہے۔

معشوق وگل وباغ وایاغ است وئل وئے — امروز اگر سے نخوری کے بخوری کے
شد خشک چو طنبور رگ و ریشۂ زاہد — از شوقِ دف و چنگ۔ خم زلف۔ نم ئے
مائیم ومدا یم قدح خویش بکن پیش — افسانہ زکاؤس وفریدون وجم وکے

از حیرتِ شمع رخت افتادہ در طرفِ چمن
یکسو صبا۔ یکجا خزاں۔ یکسو گل ویکجا سمن
برقع ز عارض بر فگن تا عالمے شیدا شود
بعضے ز رُو۔ چندے ز مُو۔ جمعے ز لب من از دہن
چون در تکلم میروی از حیرتت گم میکنند
سوسن زبان۔ قمری فغان۔ طوطی نوا۔ بلبل سخن

شاکرؔ۔ پنڈت شیو ناتھ کول صاحب

رٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ کسٹمس اینڈ اکسائز گوالیار گورنمنٹ

نظم تعزیت انتقال پُر ملال جنت آرامگاہ سریمتی چنکو راجہ صاحبہ سندھیا سینیر مہارانی

نظر کیوں عالمِ ہُو آرہا ہے سارے لشکر میں — الٰہی خیر! کیوں ماتم بپا ہے آج ہر گھر میں
بھرا ہے آج کیوں اشکوں کا دریا دیدۂ تر میں — یہ کیسی ٹیس ہوتی ہے ہمارے قلب مضطر میں

صدا آئی کہ جنت کو گئیں چنکو مہارانی
جنھیں کہتے تھے سب مجموعۂ اوصاف لاثانی

ہوئیں بیمار کچھ ایسی کہ مشکل ہو گئی صحت — نہ کچھ کام آئیں تدبیریں۔ نہ کام آیا زر و دولت
ہوا حاصل نہ کچھ بھی۔ رائیگاں سب کی گئی حکمت — بالآخر بمبئی سے وہ سدھاریں جانب جنت

گئیں پہلو میں وہ شوہر کے اپنے۔ باغ جنت میں
نہ حظ آیا انھیں جب۔ حکمرانی ریاست میں

خیالات اپنے شوہر کے رہے مدِّ نظر اُن کو　　رہا کرتی تھی اُن کی یاد ہی آٹھوں پہر اُن کو
رہا تھا شوق سب کی پرورش کا عمر بھر اُن کو　　دعائیں رات دن دیتا تھا دل سے ہر بشر اُن کو

ہمیں جب اُن کے اوصافِ حمیدہ یاد آتے ہیں
تو رو رو کر لہو ہم اپنی انکھوں سے بہاتے ہیں

متانت میں فراست میں سخاوت میں شجاعت میں　　وہ خود ہی تھیں جواب اپنا۔ ذہانت میں لیاقت میں
ذکاوت دی تھی خالق نے قیامت کی طبیعت میں　　وہ ایسا کون تھا جس سے نہ تھیں واقف ریاست میں

نظامِ سلطنت میں کیوں نہ ہوتیں ایسی لاثانی
کہ تھیں آخر وہ مادھو راؤ سندھے کی مہارانی

تمنّا اک یہی دل میں ہمارے رہ گئی باقی،　　ہوئی حسرت نہ اُن کے آخری دیدار کی پوری
خیال ایسا کسے تھا۔ اور یہ اُمید کس کو تھی　　کہ جا کر اس سفر سے پھر وہ واپس ہی نہ آئیں گی

غضب ہے اُن کی پابوسی کا ہم کو رہ گیا ارماں
الم اس کا ہے بے غایت قلق اس کا ہے بے پایاں

اسی غم میں انھیں ہم نے کبھی ڈھونڈھا گلستاں میں　　کبھی پھرتے رہے آوارہ ہم کوہ و بیاباں میں
کبھی دیکھا انھیں ہم نے فضائے چرخ گرداں میں　　کبھی ڈھونڈھا کئے ہم پردہ ہائے ابر باراں میں

انھیں ہر چند ڈھونڈھا جا بجا۔ لیکن نہیں پایا
گئے ہم لامکاں تک بارہا۔ لیکن نہیں پایا

تسلّی اپنے دل کو دے رہے ہیں ہم یہ کہہ کہہ کر　　کہ اب گجرا مہارانی کا دستِ رحم ہے سر پر
سُنیں گی دردمندوں کی صدائیں یہ بھی خوش ہو کر　　کہ ہیں خوش خو۔ رحیم و خوش مزاج و معدلت گستر

رعایا پر کریں گی یہ بھی اب فضل و کرم اپنا
خدا چاہے تو کر دیں گی یہ ممنونِ نعم اپنا

بہت کچھ ہم کو ہے اُمید ان سے بھی مروت کی　　کہ یہ کانِ مسرّت ہیں کلیدِ گنج راحت کی
مہارانی ہیں آخر۔ کیوں نہ ہو ان کی اچھی عادت کی　　زبانوں پر رہے گی مدح ان کی بھی سخاوت کی

رہے دورِ حکومت یا الٰہی ان کا اب قائم
سرِ پیرِ فلک ان کے قدم پر خم رہے ہر دم
وہ چندان سے ہو زینت مسندِ شاہی کی اب یارب رہیں یہ تیرے ظلِ عاطفت میں روز و شب یارب
خوش و خرم رہیں ان کی نگہبانی میں سب یارب مٹے سب کے دلوں سے یک بیک رنج و تعب یارب
زمانہ میں ہو ان کی دھوم۔ ایسی حکمرانی ہو
سخاوت حاتم طائی کی۔ ان کے آگے پانی ہو
رہے ماں کا مہاراجہ جیاجی راؤ پر سایا رہیں یہ تندرست و شادماں جبتک رہے دنیا
نہ نکلے ان کا شاہانِ جہاں میں کوئی ہمپایا جو کچھ اوصاف ہیں شاہوں میں یہ اُنہیں ہیں یکتا
رہے شاکر ہمیشہ ان کے سر پر فضلِ ربّانی
بڑھے اقبال و دولت۔ ابر میں جبتک رہے پانی

مخمس

درصفت برج زبانی کرشن مہاراج کے

بتکدوں میں ہے اُدھر جلوہ فگن حسنِ بتاں لب جمنا ہے ادھر جلوۂ حسن خوباں
دل غم دیدہ بھی پاتے ہیں یہاں غم سے اماں برج ہے صنع قدرت کا عجب کارستاں
جس طرف دیکھئے آتا ہے نظر طرفہ سماں
غیر ملکوں سے بھی آتے ہیں یہاں دانشمند خوبیاں اس کی تہ دل سے وہ کرتے ہیں پسند
مدح بس اس کی جو ہوتی ہے زباں تھک کر بند چپہ اس کا یہ کہتا ہے بہ آوازِ بلند
جنتِ عدن مرے سامنے ہے غولستاں
ان سے کیا رسم محبت کی نکالے کوئی راہ نظر آسے نہ صفت کوئی بھی جب خاطر خواہ
قدر اُن کو نہ فغاں کی نہ پسند اُن کو آہ لذت عشق ہی سے جب وہ نہیں ہیں آگاہ
کسی مصرف کے رہے پھر تو نہ حور و غلماں
لطف الفت ہی نہ ہو۔ اُن کا میسر ہو جو وصل درد فرقت ہی نہ ہو۔ اُن سے جو ہر سو اپنے فصل

نہ انہیں فصل سے مطلب۔ نہ انہیں حسرتِ وصل   گرچہ ظاہر میں وہ آزاد ہیں لیکن دراصل

ہاتھ میں ہتکڑیاں پاؤں میں ہیں بیکڑیاں

ہے نہ اُن کا کوئی مسلک۔ نہ ہے کوئی مشرب   جانتا کوئی نہیں اُن کا حسب اور نسب

اُن سے دل کیسے لگائے کوئی جانباز کہ جب   ہجر سے وصل سے ہرگز نہیں اُن کو مطلب

جس کسی کو وہ ملیں اس کا اُٹھائیں فرماں

یہ کہاں اُن میں۔ دکھائیں وہ نرالی رفتار   یہ کہاں اُن میں۔ کریں وہ دلِ عاشق کو شکار

یہ کہاں اُن میں۔ نیا غمزہ دکھائیں ہر بار   یہ کہاں اُن میں۔ کہ بوسہ سے کریں وہ انکار

یا کہ دلالہ کے گھر جا کے رہیں وہ مہماں

کبھی ہو جائیں شرارت سے نظر سے اوجھل   نورِ حسن اپنا دکھا کر کبھی کر دیں بے کل

کبھی لوٹیں خرد و ہوش کو کر کے چھل بل   جیسی پٹی وہ پڑھائے وہ کریں اُس پہ عمل

تا کہ عشاق کے امراض میں آئے ہیجاں

اُن کا سادہ ہے چلن اور زباں ہے سیدھی   سب حسینوں کی روش ایسی کہاں ہے سیدھی

کچھ نہیں لطف وہاں۔ بات جہاں ہے سیدھی   سیدھے سادے ہیں وہ اور اُنکی زباں ہے سیدھی

آپ کو آپ کہیں۔ ناں کو بولیں وہ ناں

وہ زباں کیا۔ نہ ہو گویائی کی جس میں قوت   وہ بیاں کیا نہ ہو الفاظ کی جس میں شوکت

خوش بیانی بھی تو ہے ایک خدا کی رحمت   یہ کہاں اُن میں کہیں ناں کو وہ نانِ نعمت

اور پانی کو بتانے لگیں آبِ حیواں

مُنہ سے نکلے نہ سخن۔ بند رہے اُن کا دہن   لالہ ساں داغ جگر کھائیں وہ ہو رنج و محن

اس میں کچھ شک نہیں اے شاکر آوارہ وطن   منفعل ہو کے وہ خود ہی کریں نیچی گردن

برج والوں کی جو دیکھیں وہ کبھی چھلبلیاں

یہ کہاں وہ کہاں دونوں کا تقابل ہو کیا   سامنے مہر جہانتاب کے ہے کیا ذرّا

اُس کا تو حال سنا آنکھ سے اس کو دیکھا   بیسیوں بڑھ ہیں یہاں ہے جو وہاں اک ٹوبا

برج کے ایک بھی مالی کو نہ پائے رضواں

دلفریب اسکے نظر آئیں نہ کیوں نظّارے ایسے منظر تو کبھی ہمنے نہ دیکھے نہ سُنے
ہو شگفتہ دل پژمردہ بھی۔ دیکھے جو اُسے ہر جگہ پیڑ کھڑے۔ پھول کھلے۔ پھل ہیں لگے
شہر اگر باغ بنا راغ بنا نخلستاں

پھول پھل ایسے کہاں ایسے کہاں ہیں اشجار بُلبلیں ایسی کہاں ایسے کہاں ہیں گلزار
ایسے چشمے ہیں کہاں ایسے کہاں آبِ گزار آؤ جب چاہو یہاں پاؤگے ہر وقت بہار
خواہ ہو فصل زمستاں کہ وہ ہو تابستاں

ہم کو مرغوب حکومت ہے نہ تاج اور نہ تخت راج مل جائے تو اُس میں بھی مصیبت ہے سخت
ہو میسر یہ زمیں ہم کو تو ہم ہوں ذی بخت گوال بالوں کی طرح کھیلتے ہیں جملہ درخت
گیند نیبو کی ہے گنّے کا بنا ہے چوگاں

فرشِ سبزہ ہے کہیں اور کہیں لطفِ چمن ہے کہیں شور عنادل کہیں پھولوں کی پھبن
اس کی تعریف میں قاصر ہے زبانِ سوسن کہیں گیندے کا بھرا کوہ دکھائے دامن
کہیں سرسوں کو ہتھیلی پہ جمائے میداں

آدمی کیوں نہ رہے محو وہاں اُٹھ پہر ایک سے ایک جہاں شئے نظر آئے بہتر
دیکھو پھولوں کو۔ تو ہو فرحتِ قلبِ مضطر دیکھو ٹیسو کو۔ تو ہولی کا سماں آئے نظر
رنگ میں ڈوب رہا ہے وہ برنگ یاراں

لطف ہی اور ہو کچھ اور ہی حاصل ہو مزا ڈھنگ ہی اور ہو کچھ۔ اور ہو کچھ رنگ نیا
وہ سماں ہو کہ فلک اُن پہ ہو جھک جھک کے فدا کونپلیں پھوٹیں تو ہاتھ آئے شگوفہ ہی نیا
مہر جب مہر سے ہو برج حمل میں تاباں

کیوں نہ معلوم ہو اک ایک کی آنکھوں کو بھلی چُلبلی۔ شوخ نظر۔ ہوش رُبا۔ دل کی کلی
مست۔ سرسبز۔ گھنی۔ روح فزا۔ پھولی پھلی چترِ شاہی کو لئے ہاتھ میں ہو مورسلی
شاہِ گُل دینے لگے رخشِ صبا کو جولاں

کون کہتا ہے نہیں ہے مرضِ غم کی دوا مرضِ غم کی دوا۔ برج کی ہے آب و ہوا

اس کا منظر ہے دل افروز و مسرت افزا — موتیا کھلتی ہے کھلتی ہے چنبیلی چمپا
کیا چلے گرمی کی جب باد رہے عطر فشاں

غنچے غنچے میں وہ پھولوں کی مہک چار طرف — ڈالی ڈالی پہ وہ چڑیوں کی چہک چار طرف
چپّے چپّے پہ وہ سبزے کی لہک چار طرف — مُندی مُندی سی وہ تلسی کی مہک چار طرف
اور جمنا کی وہ لہریں جو بجھائیں عطشاں

جس کو سمجھے تھے بُرا پھل وہی پھل ہے اچھا — اور اچھوں میں بھی اچھوں سے وہ اچھا نکلا
معرکہ بحث کا اُن دونوں میں جب گرم ہوا — کیا ہی کھرّی کو نیولے نے دکھایا نیچا
نفع و نقصاں کے جو دونوں کی ملائی میزاں

مخمس

ہدایت آخری سری کرشن مہاراج بہ ارجن دراز دست

کیا تردد تجھکو ہے اب تجھکو کیا انکار ہے — حق پرستی جب ترا مشرب تری رفتار ہے
تجھ کو مجھسے اُنس ہے مجھکو بھی تجھسے پیار ہے — شکر کر ارجن کہ کیا طالع ترا بیدار ہے
تو اُسے دیکھے جسے جلوے سے ننگ و عار ہے

آج تک امّید ہی امّید پر بیٹھے رہے — بس نہیں چلتا تھا کچھ۔ کرتے بھی کیا مجبور تھے
رہتے تھے بیتاب اس کے دیکھنے کے واسطے — سب ملائک منتظر مدت سے تھے اس دید کے
یہ ترا صدقہ ہے اور یہ واجب الاظہار ہے

محو و بیخود یاد میں خالق کی رہنا روز و شب (ق) — ہوں نظر میں ایک سے عیش و طرب رنج و تعب
ہیں یہ باتیں ہیچ۔ شک ان میں نہ لاؤ بے سبب — وید پڑھنا۔ جگ کا کرنا۔ خیر اور خیرات سب
ایسے جلوے میں ہر اک لاچار ہے بیکار ہے

دُور دنیا کے علائق سے جو رہتا ہے بشر — جو نہیں رکھتا ہے دل میں آرزوئے مال و زر
دھیان میں میرے رہا کرتا ہے جو آٹھوں پہر — سب سے یکسو ہو کے جو مجھ سے لڑاتا ہے نظر
میں بھی اس کو دیکھتا ہوں یہ مرا اسرار ہے

ہو کے سب سے بے غرض دن رات رٹتا ہے مجھے　　جان بھی دینے کو ہے تیار میرے واسطے
ہے نہ دنیا میں کوئی مجھسے سوا پیارا اُسے　　جو کرے وہ میری خاطر ہو دھرے میرے لئے
سادگی میں میرا عاشق کیا غضب ہشیار ہے

ہو وہی مرغوب اُسکو ۔ کام میں جیسا کروں　　خواہ بیجا ۔ خواہ زیبا ۔ خواہ نازیبا کروں
وہ بھی چاہے دل سے انکو جنکو میں چاہا کروں　　ہو محبت اُسکو اُنسے ۔ جنکو میں پیدا کروں
بے طمع ہو بے غرض ہو جب وہ میرا یار ہے

درد دُکھ جو ہو مری خاطر وہ خوش ہو کر سہے　　یاد میں میری رہے ہر دم ۔ نہ کچھ مُنہ سے کہے
کچھ نہ وہ پروا کرے ۔ آنکھوں سے گو دریا بہے　　مجھسے چاہے مجھکو اور میری پرستش میں رہے
دوسری صورت سے جب دیکھو تبھی بیزار ہے

تو بھی کہدے صاف مجھسے اپنے دل کا مدعا　　پوچھ لے وہ اور جو کچھ رہگیا ہو پوچھنا
بات جو کچھ کہنی تھی مجھکو ۔ میں وہ تجھسے کہہ چکا　　جو بتانا تھا بتایا دیکھ کیا باقی رہا
ایک نکتہ ہے جو تیرے حق میں اب درکار ہے

تو کسیکی بھی نہ سن ۔ ہو وہ گدا یا بادشاہ　　کر عمل میرے کہے پر ۔ ورنہ تو ہو گا تباہ
مثل شاکر تو بھی اسکو مان اے گم کردہ راہ　　ترک کر سب ملّتیں لے مجھ اکیلے کی پناہ
یہ مرا ذمّہ ہے ارجن تیرا بیڑا پار ہے

شاکر ۔ پنڈت پریم نرائن صاحب کول

آپ اپنے زمانہ میں مشہور شاعروں میں تھے اور آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی کم نہ تھی میانہ قد ۔ دوہرا بدن ۔ رنگت گوری چِٹّی تھی ۔ جسٹس شمبھو ناتھ غوغائی ہائیکورٹ جج کلکتہ کی دختر آپ کو منسوب تھیں ۔ پنڈت کنھیالال صاحب عاشق لکھنوی کے ہمعصر تھے اور انکو اپنا مخلص جانتے تھے ۔ ۱۹۰۴ء میں حضرت شاکر کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھی ۔ آپ کے کلام کی صفائی ۔ خوش اسلوبی اور سلاست بیان خراج تحسین سخندانان کامل سے حاصل کر چکی ہے ۔ آپ نے ایک مثنوی موسوم بہ بہار کشمیر اُسی رنگ

ہیں کہی ہے جو مثنوی گلزار نسیم کا ہے اِس مثنوی میں حضرت شاکر نے اپنا زور طبع خوب دکھایا ہے اور اِسی طرز کی دیگر مثنویوں سے بہار کشمیر اگر گوے سبقت نہیں لے گئی ہے تو اُس کا پایہ کسی طرح کم نہیں ہے۔ سلاست بیان۔ لطف زبان اور محاورات اِس مثنوی کی جان ہیں اور اِس میں شک نہیں کہ حضرت شاکر قادر الکلام تھے۔ زمانہ دراز گذرا یہ مثنوی زیور طبع سے آراستہ ہوئی تھی مگر اب نایاب ہے لکھنؤ بھر میں صرف حضرت ندیم لکھنوی کے پاس ایک نسخہ موجود ہے چنانچہ اُسکا انتخاب تذکرہ ہذا میں درج کیا جاتا ہے۔

مثنوی بہار کشمیر

بسم اللہ عشق سوز دل ہے — آغاز سرشک متصل ہے
گو شمع کا کٹ چکا ہے سر بھی — لو اُسکی اُدھر لگی ہے پھر بھی
صد شکر کہ اب ہے طبع موزوں — آمادۂ حمد ذات بیچوں
ہر شے میں ہوا ظہور اُسکا — ذرّہ ذرّہ ہے نور اُس کا
خلّاق زمین و آسماں ہے — رزّاق وحوش و انس جان ہے
ہیں مردم و مرغ و مور و ماہی — ممنون عنایت الٰہی

تھا عشق ایاز فخر محمود
سبحان اللہ شان معبود

آغاز داستان

پیدا ہونا آرام دل کا فرّخ سیر شاہ چین کے محل میں

اقلیم خطا میں اک شہنشاہ — تھا صاحب ملک و دولت و جاہ
فرّخ سیر کہتے تھے اُسے سب — سر پر اُس کے تھا سایۂ رب
لڑنے میں دلیر مثل رستم — تھی فتح و ظفر انیس و ہمدم
اک قہر خدا تھی فوج شاہی — دشمن کے لئے پئے تباہی
یوں تو سب کچھ تھا تخت اور تاج — پر وارث تخت کا تھا محتاج

آئی جو سیاہی پر سپیدی جمنے لگا رنگ نا امیدی
پیری دیتی تھی یہ گواہی ہے عمر چراغِ صبحگاہی
ہر وقت خدا سے التجا تھی بیٹا ملے باپ کی دعا تھی
کی اُس کی دعا خدا نے مقبول گلشن میں امید کے کھلا پھول
سرسبز ہوا نہالِ امید خاور سے ہوا طلوع خورشید
کھولی قسمت کا چمکا اختر نکلا بطنِ صدف سے گوہر
قدرت نظر آئی کبریا کی صورت نہ تھی شان تھی خدا کی
آرامِ دل اُس کا نام رکھا تعلیم سے اُس کے کام رکھا
اک روز گیا تھا وہ پریرو صحرا کو پئے شکار آہو
اک تاجرِ پارسی تھا محمود زردار تھا اور صاحبِ جود
وارد ہوا دشت میں وہ ناگاہ پہنچا جاکر جہاں تھا وہ ماہ
جو جو اشیائے خوشنما تھیں شہزادہ کو اُس نے سب دکھائیں
آخر کو دکھائی ایک تصویر تھی سورۂ نور کی وہ تفسیر
تصویر کی جان تھی معنیِ حسن صورت سے عیاں تھے معنیِ حسن
رگ رگ میں بھری تھی دلربائی ٹپکی پڑتی تھی خوش ادائی
لاکھوں میں تھیں اُس کی آنکھیں چیدہ بینائی کی تھیں وہ نور دیدہ
جادو تھیں بلا تھیں زہر تھیں وہ آفت تھیں غضب تھیں قہر تھیں وہ
دیکھے جو وہ ابروانِ خمدار قربان ہو ماہِ نو کی تلوار
اللہ کا تھا الف نہ تھی ناک یا جلوۂ شمعِ بزمِ لولاک
عارض تھے اِدھر اُدھر مقابل تھی شمس و قمر میں حد فاصل
موزوں نہ تھا سرو پیشِ قامت تھا مصرعِ شاہ بیتِ قدرت
زلفیں تھیں سیاہی میں بلا کی ہمرنگ تھیں شامِ کربلا کی
سب خال تھے بے مثال اُسکے تارِ رگِ جان تھے بال اُسکے

شہزادہ نے دیکھکر وہ تصویر
کھوئی یک لخت عقل و تدبیر

محمود نے عرض کی بصد سوز
ہے یہ تصویر حسن افروز

ایران کی ہے یہ شاہزادی
ٹھہری نہیں ابتک اسکی شادی

سیماب کی طرح دل تھا بیتاب
آتا ہی نہ تھا خیال میں خواب

محمود کو ساتھ لے کے اپنے
غربت کی طرف چلا وطن سے

روتا ہوا یادِ دلربا میں
پہنچا اک دشت پُر فضا میں

یوں باندھ کے گھوڑے بیخبر سوے
جیسے کوئی گھوڑے بیچ کر سوئے

اُٹھائے جانا دو پریوں کا آرام دل کو

سب شادی و غم ہیں نقش برآب
دنیا ہے مثالِ عالم خواب

ملکِ داراب میں تھا اک شاہ
دختر رکھتا تھا غیرتِ ماہ

قامت تھی جو راستی میں خوشتر
اس وجہ سے نام تھا صنوبر

شوخی تھی بجائے خوں رگوں میں
رنگت ہو جس طرح نگوں میں

اک ملک حبش کا شاہزادہ
رکھتا تھا جو شادی کا ارادہ

داماد کو حسن کے زشت منظر
رنجیدہ تھا والدِ صنوبر

نسبت نہ تھی اُس کو دل سے منظور
پر بختِ سیاہ سے تھا مجبور

پریاں جاتی تھیں دو اُدھر سے
پاتک تھیں سبز و سرخ سر سے

دیکھا جو انھوں نے یہ تماشا
تخت اپنا زمین پر آتارا

غافل سوتا جو اُس کو پایا
دل شوق سے اُن کا گدگدایا

بس دیکھ کے حسن کا وہ عالم
دونوں نے یہ کی صلاح باہم

یہ سرو ہے قابلِ صنوبر
شادی اس سے جو ہو تو بہتر

یہ سوچ کے تخت پر اُڑایا
انسان کو آسماں دکھایا

اک آن میں پہنچیں ملک داراب
تھا ساتھ وہ مستِ بادۂ خواب

نوشہ کے پدر سے بے تکلف
جا کر کہا اک یہاں ہے یوسف

لازم ہے اُسے بناؤ دولھا
شاید کھا جائے شاہ دھوکا
خدام نے حکم شہ جو پایا
دولھا کی جگہ اُسے بٹھایا
سن کر اوصاف حسنِ شوہر
دل میں ہوئی خوش بہت صنوبر
ہرچند حیا تھی مانعِ کار
لیکن کرتا تھا عشق اصرار
آخر نہ رہی جو ضبط کی تاب
پیاسی تھی چلی وہ ڈھونڈنے آب
باتیں جو ہوئیں اِدھر اُدھر کی
نکلی آخر کو بات شر کی
شہزادہ نے اُس کی کی تشفی
وعدہ ملنے کا کر کے حتمی
کہہ سُن کے ہوا پری سے رخصت
آرام کی اُس سے لی اجازت

گرفتار ہونا آرام دل کا باغِ طلسم میں

اتنے میں ہوئی اذاں سحر کی
آواز آنے لگی گجر کی
چڑیاں پیڑ دل پہ بولتی تھیں
اُڑنے کو پر اپنے تولتی تھیں
مسجد گرجا شوالا درگاہ
ہر ایک جگہ تھا ذکرِ اللہ
بابِ رحمت کھلا ہوا تھا
ہنگام اجابتِ دعا تھا
اک سیلِ نورِ آسماں تھا
سبحان اللہ عجب سماں تھا
پریوں نے جو دیکھا رنگ محفل
شہزادہ کو سوتا پایا غافل
فوراً اُسے تخت پر لٹا کر
محمود کے پاس رکھا لا کر
شہزادہ نے سب کہی حقیقت
پھر آگے سفر کی آئی نوبت
صحرا وہ نمونۂ قضا تھا
یا ثانیِ دشتِ کربلا تھا
تھی گرمیِ آفتابِ محشر
ہر ذرّہ بنا تھا شکلِ اخگر
میداں میں نظر پڑی عمارت
آئی آرام دل کی شامت
بیتاب تو تھا ہی پاس جا کر
دروازہ کو کھول پہنچا اندر
دیکھا تو وہ تھا طلسم کا باغ
گلزار ارم کو جس سے تھا داغ

طوبےٰ تھا ہر اک نہال اُس کا — ہر پھول تھا بے مثال اُس کا
جتنے تھے کنارِ جو صنوبر — تھے رشک قدِ بتانِ خود سر
پھولا پھلا جو ہر اک شجر تھا — افسوں میں بہار کا اثر تھا
ہر سمت تھی کثرتِ حسیناں — گلزار بنا تھا اک پرستاں
اُن سب کی جو اک پری تھی افسر — ہنسکر لگی کہنے وہ ستمگر
مہمان ہمارا اب کہاں ہے — لاؤ اُسے جلد وہ جہاں ہے
پایا پریوں نے جستجو سے — گل کو پہچانا رنگ و بو سے
وہ اُلٹے ہی پاؤں سب پھر آئیں — شہزادہ کو ہاتھوں ہاتھ لائیں
بولی میں ہوں دخترِ شہ قاف — ظاہر ہیں جہاں میں جسکے اوصاف
آرام دل اُس کی سُن کے تقریر — کہنے لگا دل میں وائے تقدیر
قینچی سی زبان چلا رہی ہے — بے پر کی پری اُڑا رہی ہے
افسوس چلا فسوں پری کا — ماریگا مجھے جنوں پری کا
اقرار میں اپنا خوں ہے کرنا — انکار میں سر سے ہے گذرنا
دونوں شکلوں میں ہو گی ان بن — روے ماندن نہ پاے رفتن
کچھ بس نہ چلا تو کہنا مانا — کر سکتا نہ تھا کوئی بہانا
بولا شادی کا کرکے اقرار — ہوگا نہ خلاف اس کے زنہار
میں بعد نکاحِ حسن افروز — شادی تم سے کرونگا اک روز
پھر دی۔ ہو کر پری نے شاداں — شہزادہ کو خاتمِ سلیماں
بخشی تھی خدا نے اُس میں تاثیر — کرلیتی تھی ساحروں کو تسخیر

قید ساحرہ میں آرام دل کا گرفتار ہونا

مضمون کو کیا قلم نے تسخیر — جادو سے بھری ہے اسکی تحریر
ایران کا کرکے بس ارادہ — سوداگر اور شاہزادہ
پہنچے تبریز میں قضا را — تپ چڑھتی تھی سُن کے نام جسکا

اک دخترِ بادشاہ تبریز
رفتار تھی جس کی فتنہ انگیز

آنکھیں تھیں غضب بلا کے گیسو
اس پردہ پڑھی ہوئی تھی جادو

بالغ جو ہوئی پری بنی وہ
گوسالہ سے سامری بنی وہ

جوہر کی طرح سے خود نمائی
آئینۂ دل میں تھی سمائی

شہزادہ کو ساحرہ نے افسوس
انساں سے بنایا شکل طاؤس

ہوتی نہ تھی قید سے رہائی
کچھ اُس کے بنائے تھی نہ بنتی

رہجاتی تھی جاں نکل نکل کر
ہارا قالب بدل بدل کر

جب کوئی بھی بن پڑی نہ تدبیر
بیٹھا خاموش تن بہ تقدیر

حسن افروز کا آرام دل کی تصویر پر عاشق ہونا

کیونکر کرے حالِ عشق تحریر
خامہ حیران ہے شکلِ تصویر

دیکھی شہزادی نے جو تصویر
دل میں لگا اُسکے عشق کا تیر

جاری ہوئے اشک آہ نکلی
دل کے لئے غم کی راہ نکلی

چھپتی ہے کہیں شرارتِ عشق
سینہ میں بڑھی حرارتِ عشق

جب دل نے نہ مانا لیکے خامہ
لکھا آرام دل کو نامہ

نامۂ حسن افروز

اے مظہرِ شانِ کبریائی
وے روح و روانِ آشنائی

اے مونسِ جانِ بیقراراں
آرام دلِ امیدواراں

اے مایۂ حسن و کانِ خوبی
بوے گلِ بوستانِ خوبی

سلطانِ قلمروِ دل و جاں
غارتگرِ ہوش و صبر و ایماں

کیا ہو صفتِ پیمبرِ عشق
ہو کس سے ثنائے سرورِ عشق

پانی میں لگاتا آگ ہے یہ
بے وقت کا گاتا راگ ہے یہ

جاتا نہیں دل سے داغ اسکا
ہوتا نہیں گل چراغ اسکا

اب مجھکو بھی راہ پر ہے لایا
اس جن کا پڑا ہے مجھ پہ سایا

کیا جانئے کیا پڑھا ہے افسوں ۔۔۔ لیلیٰ سی بنا یا مجھکو مجنوں
یعنے یہ عشق خانماں سوز ۔۔۔ ہے اب مہمان حسن افروز
جب سے دیکھی ہے تیری تصویر ۔۔۔ بُت بن گئی - حالِ دل ہے تغئیر
کس سے کہوں کیا تھی کیا ہوئی میں ۔۔۔ مرتی نہیں بے حیا ہوئی میں
برپا قامت نے کی قیامت ۔۔۔ کیا بیٹھے بٹھائے آئی شامت
ہوں بندۂ چشم و خال گیسو ۔۔۔ ان سب نے کیا ہے مجھ پہ جادو
بے تیرے شراب ناب سم ہے ۔۔۔ کھانے کے نام کی قسم ہے
سہتی فرقت کی ہوں جفائیں ۔۔۔ تصویر کی لیتی ہوں بلائیں
جلد آ کوئی دم کی زندگی ہے ۔۔۔ بس کیا لکھوں آگے بندگی ہے

شہزادہ کا قید ساحرہ سے رہا ہونا

مدت میں مرادِ دل بر آئی ۔۔۔ یوسف کی ہے قید سے رہائی
خاتم قیدی نے دیکھ پائی ۔۔۔ سوجھی اُسے صورتِ رہائی
یاد آئے سفید دیو کے بال ۔۔۔ بازو سے نکال کھینچے فی الحال
شہزادہ کا دیکھ کر یہ نقشہ ۔۔۔ چہرہ اُس ساحرہ کا اُترا
بگڑی - جھلّائی - روئی - روٹھی ۔۔۔ دی ہار کر اُس نے وہ انگوٹھی
خاتم شہزادہ نے جو پائی ۔۔۔ اور قید سے بھی ملی رہائی
اک پیڑ تلے وہ جا کے ٹھہرا ۔۔۔ جس طرح شجر کے نیچے سایا
ازبسکہ سفر سے ناتواں تھا ۔۔۔ سایہ اُسے جسم پر گراں تھا
محمود بھی آتا تھا جلو ریز ۔۔۔ افتاں خیزاں بہ سوئے تبریز
جب کہہ چکے اپنی سب کہانی ۔۔۔ محمود نے دی اُسے نشانی
یعنی خط و مُہرِ حسن افروز ۔۔۔ دیکر بولا کہ اے غم اندوز
اب دفعِ ملال میں نہیں شک ۔۔۔ امید وصال میں نہیں شک

ملاقات حسن افروز و آرام دل

جو تھیں پئے انتظار آنکھیں — بھر آئیں وہ ہو کے چار آنکھیں
پچھلا صدمہ جو دل شکن تھا — دریا اشکوں کا موج زن تھا
فرقت میں پڑی تھی جو جو افتاد — اُس وقت وہ آتی تھی ہر اک یاد
آخر نکلا بخار دل کا — رو کر دھویا غبار دل کا
تقریر اُن میں ہوئی زبانی — اپنی اپنی کہی کہانی
سب حال صنوبر و پری کا — سن کر دلبر نے مُنہ بنایا
کہتی تھی کہ اب نہ لو مرا نام — اُن دونوں سے رکھو اپنا تم کام
پروا نہیں تم کو میری زنہار — مُنہ دیکھے کا ہے یہ آپ کا پیار
تقدیر میں میری جو لکھا ہے — لاریب وہ مرضیِ خدا ہے
ہو کر یہ چھیڑ چھاڑ اُس دم — دو ساز سے مل گئے وہ باہم
اچھے ناسور ہو گئے سب — شکوے کا فور ہو گئے سب
اک رات کو دونوں بلبل و گل — تھے باغ میں مستِ نشۂ مُل
آمد کی خبر جو اُن کی پائی — پھولوں نے زبس خوشی منائی
ہر پھول تھا باغ باغ اُس کا — ملتا ہی نہ تھا دماغ اُس کا
مرغانِ چمن تھے غم سے آزاد — خوفِ گلچیں نہ بیم صیاد
جو مرغ تھا طائرِ حرم تھا — جو تختہ تھا روکشِ اِرم تھا
قمری کی جو خوشنما تھی ہنسلی — بلبل کے بھی زیبِ سر تھی چوٹی
سوسن کی بھی کیا زباں کھلی تھی — تعریف کے قصد پر تلی تھی
آتی جو ندا اسے مرحبا تھی — غنچوں کے چٹکنے کی صدا تھی
شاخیں تھیں خمیدہ بہرِ تعظیم — کرتی تھیں کسی کو جھک کے تسلیم
نہروں میں حباب اُچھل رہا تھا — آئینۂ آب خود نما تھا
ہر گل بیدار ہو رہا تھا — تنہا سبزہ ہی سو رہا تھا

کمبخت کا جاے ستیا ناس
وارد ہوا ایک دیو کرناس

شہزادی پہ ہوگیا وہ مائل
لیکر اُڑا مثل نالۂ دل

اُس جن نے پری کو جب اُڑایا
کوہِ البرز میں چھپایا

کچھ دیر میں جب کہ ہوش آیا
کہتی تھی فلک نے کیا دکھایا

یہ کوہ کہاں ۔ کہاں مرا باغ
دل کو گل کے عوض ملا داغ

آزار جنوں نہ تھا پری کو
جن کا سایہ ہوا پری کو

آرام دل اُس کا تھا دلارام
ہر دم تھا اُسی کی یاد سے کام

شہزادہ جو پیشتر گیا تھا
دلبر کی تلاش کر رہا تھا

اُس گل کا کہیں پتا نہ پایا
آیا نہ نظر پری کا سایا

رنجِ سفر و اذیتِ خار
سب کھینچ کے پہنچا تا دربار

شہزادی کو اُس نے پایا محبوس
اُس وقت وہ کر رہی تھی افسوس

اوّل واجب تھا قتلِ دشمن
چھینا اژدر کو مار کر من

اے طبعِ ملول شادماں ہو
ہمنفس بول قلم کی ہمزباں ہو

شادی کا بس اب پہن تو جامہ
ہو شاخِ حنا بجاے خامہ

کاغذ ہو حنائی شکلِ تصویر
شنجرف کے رنگ کی ہو تحریر

ڈوبے ہوے رنگ کے ہوں مضموں
روحِ رنگیں ہو جن پہ مفتوں

طاؤسِ قلم ہو جب خراماں
گلچینِ نظر ہو گل بداماں

ظاہر اب آہ کا اثر ہے
ہوتی شبِ ہجر کی سحر ہے

ایران کے علاقہ سے گذر کر
اک دشت میں ٹھہرا ان کا لشکر

شہزادہ نے دیکھا اک کبوتر
پانی پہ گرا جو ہو کے مضطر

اک بازو میں اُسکے خط کو پایا
فوراً شہزادی کو دکھایا

کھولا دونوں نے اُسکو مل کر
دیکھا تو وہ تھا خطِ صنوبر

غمنامۂ اشتیاق تھا وہ
مکتوب غمِ فراق تھا وہ

ہر لفظ میں دردِ دل بھرا تھا
درماں کی طلب کا مدعا تھا

لکھا تھا کہ دیکھیں کیا ہوا نجام
آیا شہزادۂ سیہ فام

جلد آؤ تو مجھ کو دیکھ لوگے
ورنہ پھر آکے کیا کروگے

پڑھکر مضمونِ خطِ جاناں
اک دم میں کیا مدد کا ساماں

داراب کے ملک میں پہنچ کر
دیکھا دشمن کو حملہ آور

شہزادہ نے پھرتی سے لیا کام
لاکھوں کئے قتل وہ بد انجام

یوسف کو سمائی دھن وطن کی
بلبل کو تھی آرزو چمن کی

پھر سوئے وطن چلا وہاں سے
کرتا ہوا شکرِ رب زباں سے

شاداں فرحاں وطن میں پہنچا
مانند صبا چمن میں پہنچا

ماں باپ کے دیکھ کر رواں اشک
کھایا فرقت نے وصل پر رشک

سب چھوٹے بڑے ہوئے بغل گیر
باہم ہوے مل کے شکر و شیر

جو دل کی مرادیں تھیں بر آئیں
یارب یوہیں شاد ہوں سب آئیں

غزل

اے لامکان بود حرم کبریائے تو
ہرجا نظر فگندہ ندیدم سوائے تو

نے ابتدا نشانِ تو گنجد نہ انتہا
ثابت نمی شود خبر و مبتدائے تو

از جن و انس و حور و ملک جملہ کائنات
کس نیست کو بجاں نبود مبتلائے تو

صد کاروانِ روح رواں اندریں سرا
آمادۂ رحیل بہ بانگِ درائے تو

منصور وار بانگ انا الحق زنم اگر
خیزد ز تارِ تارِ رگِ من نوائے تو

دستِ دعا بہ جانبِ گردوں کند بلند
ملا بہ وہم ایں کہ بود عرش جائے تو

شاکر خموش مصرعۂ نشنیدہ مگر
خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تو

شرغہ۔ پنڈت امرناتھ شرغہ صاحب

آپ پنڈت موتی لال شرغہ صاحب المتخلص بہ عاجزؔ کے فرزند ہیں۔ جناب عاجزؔ کا کلام بلاغت نظام اور اُن کی سوانحعمری اس جلد کے شروع میں درج ہیں۔ پنڈت امرناتھ صاحب کا ذکر جناب عاجزؔ کے سوانحعمری میں آچکا ہے۔ پنڈت صاحب موصوف اب بمقام ھرار (گوالیار) سکونت پذیر ہیں۔

زندگی انساں کی ہے مثلِ حباب ❊ ہے نہیں دریا یہ ہے موج سراب
دیکھتے ہیں جو کہ چشم ہوش سے ❊ آتی ہے اُن کو نظر مانند خواب
غافل و ناداں تری ہے کیا بساط ❊ ہے فقط اک قطرۂ ناچیز آب
آج ہستی ہے تو کل کچھ بھی نہیں ❊ جو بنا ہے آج ہوگا کل خراب
چل دیا بچپن جوانی آگئی ❊ آگئی پیری گیا وقت شباب
اس دوروزہ زندگی پر یہ گھمنڈ ❊ اور اکڑ اتنی ۔ دلِ خانہ خراب
اب تو شرغہؔ رکھ سنبھل کر تو قدم ❊ آگئی پیری گیا وقتِ شباب

رباعی

ہشیار رہو اے بشر یہ مستی کیسی ❊ نخوت و غرور خود پرستی کیسی
کاغذ کی طرح یہ کایا گل جائیگی ❊ شرغہؔ تو کیا ہے تیری ہستی کیسی

دیگر

جس نے دُنیا کو ایک اُلجھن سمجھا ❊ مال و دولت کو کالی ناگن سمجھا
نیکی و بدی میں فرق سمجھا جس نے ❊ شرغہؔ وہی بس اپنا جیون سمجھا

شمیم - پنڈت شام کرشن صاحب وکیل

احوال واقعی بذریعہ استوتی

ان تیری چتونوں نے کیا بھرم کو مٹایا
اے ناتھ برتھ کا ہے تو نے چمن کھلایا
رج اور تم ستوگن مایا کے تینوں بالک
دے کر انھیں کھلونا اک گیان کا کھلایا
لائی ہے رنگ کیا کچھ اہل جہاں کی رنگت
نیرنگیوں کا اک رنگ دلدار نے بنایا
لاکھوں کروڑوں عالم حیرانیوں میں حیراں
جب سے برتھ وِدیا پرچار کر سنایا
اے صاحب کرامت اے واقف حقیقت
دانائے سرِّ عالم اے کاشف الہدایا
دلدارِ دلربائی سرشارِ دلکشائی
بھنڈار تو نے کیسا سازستوتی بنایا
سمجھایا ہر طرح سے دکھلایا ہر وضع سے
پر وہ ہیں کم جنھوں نے تیرا ہے بھید پایا
عالم بہت سے آئے جو مست زعم میں تھے
پر اک نظر نے تیری سب چھیل کر دکھایا
ہے بخت اُس کا ہنستا پایا ہے اس نے رتبہ
قدموں پہ تیرے جس نے دل سے ہے سر جھکایا
سایہ کی طرح ہر دم قدموں سے لگ رہا ہے
لیکن بتا تو اے دل کیا نور تو نے پایا

دل نے جلا ہے پائی تجھ سے ہے لو لگائی

تیری دیا نے جس پر ڈالا ہے اپنا سایا

کیا راجگان راجا کیا ہے کسان و فقرا

دربار سے ہے تیرے ان سب نے فیض پایا

حاصل ہو تاکہ راحت خاکِ قدم سے تیری

درشن کو تیری شاہا عاصی شمیمؔ آیا

شنکر۔ پنڈت گوری شنکر سپرو صاحب خلف پنڈت کیشو ناتھ سپرو صاحب

آپ کی والدہ محترمہ جسٹس پنڈت شنبھو ناتھ صاحب غوغائی جج کلکتہ ہائیکورٹ کی دختر تھیں۔ آپ ۱۸۶۹ء میں بمقام کلکتہ پیدا ہوئے تھے اور ۲۲ راکتوبر ۱۹۳۱ء کو یکایک دل کی حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے بمقام کانپور رہگرائے ملک بقا ہوئے آپ نے کلکتہ اور کانپور میں تعلیم حاصل کرکے تین سال تک کانپور میں وکالت کی اُس کے بعد محکمۂ پولس میں بعہدۂ کورٹ انسپکٹر شاہجہاں پور۔ آگرہ۔ فرخ آباد جھانسی۔ بنارس اور فیض آباد میں قریب تیرہ۱۳ سال کے نہایت خوبی وقابلیت کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو انجام دیا۔ آپ کی نامزدگی بعہدۂ سپرنٹنڈنٹ ہوگئی تھی مگر بوجہ ضعف بصارت قبل از وقت پنشن لیکر بمقام کانپور خانہ نشین ہونے پر مجبور ہوئے اور اپنا بقیہ حصہ عمر عبادت ایزدی میں صرف کیا۔ آپ کی ایک تصنیف موسوم بہ "جوشِ محبت" اُردو، ناگری میں شائع ہو چکی ہے۔ آپ کا کچھ کلام مکرمی پنڈت کامیشر ناتھ صاحب کی توجہ سے دستیاب ہوا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے

فرقت میں بڑھا ایسا کہ پل بھر نہیں گھٹتا　　یہ روزِ غم و رنج و مصیبت نہیں گھٹتا

وہ آٹھ پہر رہتا ہے کاہش میں فلک پر　　کب حسرتِ رخ میں مہ کامل نہیں گھٹتا

کیوں دل کی خریداری میں کرتے ہو پس و پیش　　چھوٹا سا یہ سودا ابھی نہیں تم سے نپٹتا

سو ٹکڑے ہوا کرتے ہیں پیراہنِ تن کے — کب جوششِ وحشت میں گریباں نہیں پھٹتا

شنکر کے سوا دھیان کسی کا نہیں مجھکو
میں دل سے شب و روز یہی نام ہوں رٹتا

تجھے در پردہ ہم سے کیوں ہے رنجش — کوئی بھید اس میں ہے اے عیار ہوگا
ملیں گے حشر میں کہتا ہے وہ شوخ — اب اس سے بڑھ کے کیا اقرار ہوگا
مری رودادِ غم آلود سن کر — پریشاں اور بھی غمخوار ہوگا

جاں صدمۂ فرقت سے نکل جائے تو اچھا — یہ ساری بلا سر سے ہی ٹل جائے تو اچھا
فرقت میں نہیں کوئی انیسِ دلِ پُر درد — گر آہ و فغاں سے یہ بہل جائے تو اچھا
افروختہ ہے آتشِ غم سینہ کے اندر — اس آگ سے کُل جسم ہی جل جائے تو اچھا
بیمارِ محبت کو شفا ہوتی ہے مشکل — لینے کو خبر پیک اجل آئے تو اچھا
آوارہ ہے دل کوچۂ الفت میں بتوں کے — سمجھانے سے کمبخت سنبھل جائے تو اچھا

اک جلوۂ شنکر سے منوّر ہو دل اپنا
یہ تیرگیِ بخت بدل جائے تو اچھا

نہیں پھوٹے یہ آبلے دل کے ابتک — ہوئی اُن میں پیدا جلن اور تپک ہے
نہ پہلو تہی دیکھ پہلو نشیں ہو — مرے دردِ پہلو میں ہوتی چمک ہے

یہ فضل و کرم دیکھ کس کا ہے شنکر
ترے پردۂ دل میں کس کی جھلک ہے

میں دستِ افسوس مل رہا ہوں چراغ سحری سا جل رہا ہوں
اک آگ دل میں ہے پھُنک رہا ہوں۔ جلے کو کیوں تم جلا رہے ہو

جہاں میں دو دن کا ہے بسیرا کہیں ہے شام اور کہیں سویرا
ذرا ایں ہوگا اجل کا پھیرا یہ کس کا بستر لگا رہے ہو

نہ دشمن کی ہو جیسی حالت مری ہے — کوئی کیوں سُنے جو مصیبت مری ہے

کہیں اُس کو سُن کر نہ رحم آئے تم کو ۔۔۔ کہ پُر درد ساری حکایت مری ہے
جنوں میں کوئی دشت و صحرا نہ چھوڑا ۔۔۔ یہ سودائے الفت میں وحشت مری ہے

بُرائی کا بدلہ ہے دنیا میں نیکی
اسے یاد رکھنا نصیحت مری ہے

شوق ۔ پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب

اِدھر مُڑ کر ذرا کاشانۂ دل دیکھتے جاؤ ۔۔۔ یہی تو عشق کی ہے پہلی منزل دیکھتے جاؤ
ارے او مرنے والو شوقِ بسمل دیکھتے جاؤ ۔۔۔ اِدھر آؤ ذرا اندازِ قاتل دیکھتے جاؤ
ہمارا بخت واژوں ۔ ناؤ ٹوٹی ۔ ناخدا غائب ۔۔۔ محیطِ عشق میں گرداب و ساحل دیکھتے جاؤ
نہ پوچھو دل جلوں سے کیا گذر جاتی ہے الفت میں ۔۔۔ مثالِ شمعِ سوزاں رنگِ محفل دیکھتے جاؤ
تماشا ہے تلاطم میں وہ موجوں کی ہم آغوشی ۔۔۔ حبابوں سے ہے ہم آغوش ساحل دیکھتے جاؤ
قیامت ہے نہیں سنتے گرفتارانِ الفت کی ۔۔۔ کہیں کیا سختیِ قیدِ سلاسل دیکھتے جاؤ
تمنّاؤں کو جلتے خاک میں تم نے نہیں دیکھا ۔۔۔ اِدھر آؤ مآلِ حسرتِ دل دیکھتے جاؤ

وہاں پہنچا ہو شوقِ لا اُبالی تو عجب کیا ہے
کچھ آگے بڑھ چلو وہ عرش منزل دیکھتے جاؤ

لبِ فریاد وا کیوں ہو سرِ شور و فغاں کیوں ہو
زمیں پر حشر قبل از وقت زیرِ آسماں کیوں ہو

کسی پر ہمنفس اظہارِ سوزِ جاں ستاں کیوں ہو
صدائے دردِ دل نکلے تو ہم رنگِ فغاں کیوں ہو

اسی پر جب نیازِ بندگی کا حصر ٹھہرا ہے
نہ میرے سجدۂ سر کو بتوں کا آستاں کیوں ہو

بنے گا کون خضرِ راہ پھر صحرا نوردوں میں
ہمارا پائے وحشت زیرِ زنجیرِ گراں کیوں ہو

تجھے معلوم ہو جائے جو حدِ جورِ بے پایاں
زمیں سے تا فلک ظالم یہ شورِ الاماں کیوں ہو

چھپی باتوں سے سوزِ عشق کی ہے دردِ دل واقف
پھر اس محرم سے کے ہوتے دشمنِ جاں رازداں کیوں ہو

ہمیں تو ایک ساغر بھی کہیں مانگے نہیں ملتا ۔۔۔ چلو بھی میکدہ کو بیعتِ پیرِ مغاں کرلیں
کہاں کی ناصیہ سائی کہاں کی آستاں بوسی ۔۔۔ وہی ہے خانۂ حق بیٹھ کر سجدہ جہاں کرلیں
مجالِ ضبط بھی نواب جواب صاف دیتا ہے ۔۔۔ اُڑا جاتا ہے رنگِ رُخ اسے کیونکر نہاں کرلیں
خدائی کا ہے دعویٰ ان بتوں کو دیکھئے کیا ہو ۔۔۔ اُدھر بھی ایک سجدہ آؤ پھر امتحاں کرلیں

رہی جاتی ہے باقی اک خلش دل میں۔ کہاں تک ہیں
چلو چلتے چلاتے یہ بھی صرفِ دشمناں کرلیں

اُس کی تصویر کا نقشہ کسی صورت میں نہیں ۔۔۔ جلوہ افروز کوئی چشم بصیرت میں نہیں
حدِ احساسِ گنہ پردۂ رحمت میں نہیں ۔۔۔ لطف عصیاں میں جو پایا وہ ندامت میں نہیں
بے خبر دیکھ تو نیرنگیِ عالم کی فضا ۔۔۔ جس سے رونق تھی وہی بزمِ محبت میں نہیں
شوخ چشمی تری کہتی ہے نظر بازوں سے ۔۔۔ پردۂ رازِ مجاز اور حقیقت میں نہیں
مست ہو جانے کو ہیں اُن کی نگاہیں کافی ۔۔۔ حاجتِ بادۂ و خم بزمِ حقیقت میں نہیں
دیکھنے کے لئے ہم دور سے آئے تھے۔ مگر ۔۔۔ ایک دیوانہ بھی دیوانِ قیامت میں نہیں

عکس افگن دلِ عاشق میں خیالی پیکر
آئینہ ہے کوئی تصویرِ حقیقت میں نہیں

دل کہاں تھا جو ہم فدا کرتے ۔۔۔ رہ کے دنیا میں کیا وفا کرتے
اک قیامت گذر گئی شب بھر ۔۔۔ رات کاٹی خدا خدا کرتے
مرحبا مرحبا دلِ غم کش ۔۔۔ تھک گئے وہ بھی اب جفا کرتے
بابِ ایجاب آہ۔ وا نہ ہوا ۔۔۔ ہو گئی صبح تک دعا کرتے
آ ہی جاتی جو موت فرقت میں ۔۔۔ جان دیدیتے اور کیا کرتے

جان دیتے ہی بن پڑی آخر — اور کیا ترکِ مدعا کرتے
نہ اُٹھی وہ نقابِ رُخ نہ اُٹھی — تھک گئے ہونٹ التجا کرتے
تھا وہ آنکھوں میں دیکھنا تھا جسے — چشم کیا وقتِ مرگ۔ وا کرتے
وائے برحالِ عاشقِ محزوں — عمر جس کی کٹی وفا کرتے
ہم تھے حرماں نصیب دنیا میں — کیا غمِ ترکِ ما سوا کرتے
دل میں احساس ہی نہ تھا باقی — درد ہوتا تو کچھ دوا کرتے
جاتے کعبہ میں بت پرستی کو — یہ بھی اک فرض تھا ادا کرتے

شوقؔ پھر لطفِ سوزشِ دل تھا
شعلے اُٹھ اُٹھ کے گر بجھا کرتے

علاجِ دردِ جگر چارہ ساز رہنے دے — مزہ اسی میں ہے سوز و گداز رہنے دے
فریبِ ناز بقدرِ نیاز رہنے دے — جنونِ عشق میں کچھ امتیاز رہنے دے
چھپائے رازِ محبت کوئی ہزار۔ مگر — نگاہِ شوق بھی کمبخت راز رہنے دے
ابھی تو دور بہت ہے وہ آستانۂ ناز — ابھی سے سجدے جبینِ نیاز رہنے دے
وہ دورِ بادۂ رنگیں وہ دلفریب نظر — خدا ہی ہے جو مجھے پاکباز رہنے دے
حریفِ حسنِ حقیقت نہیں نظر کوئی — پئے حجاب نقابِ مجاز رہنے دے
نہاں ہے وحدت و کثرت میں ایک ہی جلوا — فریب اے نگہِ امتیاز رہنے دے
سوال کی کبھی عادت نہیں مگر پھر بھی — مجھے بھی کچھ مرے عاجز نواز رہنے دے
نہ پوچھ دل نے خطا کی کہ تیرے ناوک نے — جو کچھ ہوا سو ہوا۔ دل نواز رہنے دے
حریمِ ناز میں ظاہر ہے بیزبانیِ شمع — اُسی کو محرمِ راز و نیاز رہنے دے

وہ زود رنج ہے اور وقت مختصر اے شوقؔ
حکایتِ گلہ ہائے دراز رہنے دے

فکرِ خرد و ہوش سے بیگانہ بنا دے — اے جلوۂ رسوا مجھے دیوانہ بنا دے
اے حسنِ ازل اپنی اداؤں کا تصدق — اندیشۂ کونین سے بیگانہ بنا دے

پابوسیِ جاناں کی تمنا تو نہ رہ جائے — کچھ ہو مجھے خاکِ درِ جانانہ بنا دے
بے کیف نہ رہ جائے کہیں قصۂ الفت — رودادِ دلِ زار کو افسانہ بنا دے
آیا ہوں میں اب بارگہِ ناز میں اے حسن — سر خم ہے اسے سجدۂ شکرانہ بنا دے
رہ جائے بہکنے سے نہ ساقی کوئی میکش — ہر دَور کو تو گردشِ مستانہ بنا دے
دیکھا کروں کب تک میں یہ نیرنگِ تماشا — اے کاش مجھے اپنا ہی دیوانہ بنا دے
جل بجھ کے کہیں خانۂ دل بھی ہو اے شوق
اس کو تو کسی شمع کا پروانہ بنا دے

نئی روداد ہے دل کی نرالا جس کا عنواں ہے
بتائیں کیا عجب مضمونِ اوراقِ پریشاں ہے
مرے ناز و نیازِ عشق میں اک رازِ پنہاں ہے
عیاں ہے حسن کے پردے میں در پردہ نمایاں ہے
خوشا قسمت حریمِ ناز کا وہ اٹھ گیا پردا
نگاہِ شوق سے مت پوچھ کیا دیکھا جو حیراں ہے
نہ وہ خونبانہ افشانی نہ وہ اب جوشِ گریہ ہے
مری اتری ہوئی تصویر سے آئینہ حیراں ہے
ترے تیرِ نظر سے کوئی سیکھے ناوک اندازی
کھٹک ہے دل میں، پہلو میں خلش سینہ میں پیکاں ہے
مزہ دیتی تھی کیا کیا بیخودیِ دل کی بیتابی
وہی دل ہے کہ اب اس کا کوئی خواہاں نہ پرساں ہے
جہانتک دھجیاں مل جائیں بکھری میرے دامن کی
سمجھ لینا وہیں تک وسعتِ حدِ بیاباں ہے
ہمارا قصۂ غم بر زبانِ بے زبانی ہے
زبانِ شمع کیا کہتی وہ خود ہی سوختہ جاں ہے
زمیں کا چپہ چپہ چھان ڈالا شوقِ وحشت میں
مگر دیکھا کہ ہر جا گردشِ گردونِ گرداں ہے

پنڈت امرناتھ صاحبین ۔ شیدؔا

شیدا۔ پنڈت امرناتھ صاحب جبین رازدان صاحب خلف پنڈت کنہیالال صاحب

تذکرہ ہٰذا کی جلد اوّل میں صفحہ ۵۳۳ سے صفحہ ۵۳۵ تک آپ کا کلام درج ہے۔ آپ کا دیوان اور فوٹو جلد اول کے طبع ہونے کے بعد دستیاب ہوا اور سوانحعمری بھی اسی کے ساتھ معلوم ہوے۔ آپ ماہ دسمبر ۱۸۳۷ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے اور آپ کی تعلیم صرف فارسی میں ہوئی۔ آپ بہت کم عمری میں اسسٹنٹ کمشنر "مسٹر ایڈمنڈ پرنسیس" کے اجلاس پر اہلمد مقرّر ہو گئے تھے۔ ۱۸۵۸ء میں پنجاب سے معہ خاندان روانہ ہو کر کوچ مقام کرتے ہوئے لکھنؤ آئے جہاں آپ کے والد پیشتر بہمرہی کرنل مانٹ گمری آ گئے تھے۔ لکھنو آکر آپ کو ضلع کی نظارت ملی۔ جب مسٹر کارنیگی ڈپٹی کمشنر لکھنؤ نے راجہ لال مادھو سنگھ تعلقہ دار ریاست گڈھ ایمیٹھی سے آپ کے والد کی سفارش کر کے انھیں منصرم ریاست مقرر کرایا تو حضرت شیدا بھی نظارت سے مستعفی ہو کر وہاں چلے گئے۔ راجہ صاحب نے آپ کو مصاحب خاص اور اپنا معتمد بنایا۔ تا زیست آپ اُسی ریاست میں رہے آپ کا ناتمام دیوان فارسی ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے۔ فارسی میں ایک مثنوی دریائے عشق اور اُردو میں بہار عشق تصنیف کی۔ فارسی مثنوی مطبوعہ اور اُردو قلمی آپ کے فرزند پنڈت مہاراج کشن صاحب ندیم کے پاس موجود ہے۔ خیالات شیدا کے نام سے ایک کتاب بزبان فارسی تصوّف میں تصنیف کی تھی یہ بھی طبع ہو گئی تھی مگر اب نایاب ہے ۲۱۔ مارچ ۱۹۰۴ء کو بمقام لکھنؤ بعارضۂ طاعون آپ نے وفات پائی۔

درصفت بنارس

جبین سودنیاز انسب بسنگ آستان اینجا خوشا آوردہ اے نادان ترا بخت جوان اینجا

ہزاران سجدہ بر ہر گام لازم زانکہ ہست اے دل پرستشگاہ اعلیٰ خطۂ ہندوستان اینجا

بنارس سرزمین پاک وافضل معبد عالم ملایک را تمنا کے شنویم از مردمان اینجا

صفائے بخت زآبِ گنگ حاصل ظاہر و باطن — تجلّی خیز گردد کوہِ جسمِ عاصیان اینجا
بہ یک نظّارہ کم گردد اگر خروارہا باشد — زجنسِ معصیت گردد سبک۔ بارِ گران اینجا
مقامِ پاک وحدت خیز۔ کز دیدِ بتانِ او — شود مستغنی از جنّت طلبگارِ جنان اینجا
فرو گسترده خوانِ نعمتِ ہر دو جہان۔ تو بہ — خطا کردم۔ کہ خود گردیدہ نعمت میزبان اینجا
بہ کامل اعتقاد اینجا گدائی بہتر از شاہی — ملاذِ تر ز نعمت ہائے دنیا۔ پارہ نان اینجا
بہ چشمِ دل کشد حورِ بہشتی میل از خاکش — یقین باد اکہ صد فردوس و جنّت بیگمان اینجا
ہر آنکو داد در سمتِ اجل خود را۔ بکن باور — کہ شد واصل بحق۔ ہم یافت عمرِ جاودان اینجا
مرا از ماہ تا ماہی۔ نیامد در نظر مثلش — کہ ہست از دو جہان بیرون۔ زمین و آسمان اینجا
ز پنج عنصر نشان جوئی۔ اگر بشنو بگوشِ دل — عطا بخشش۔ کرم عفو و عنایت مہربان اینجا
دلم مست است از حسنِ گلو سوزش بسا خواہم — سخن از بس لطافت خود نیاید بر زبان اینجا
خلافِ شرع و عقل است از کسے چون و چرا گوید — شود کافر اگر آرد بدل شکّ و گمان اینجا

بہ وصفش دم زدن شیدا چہ خبط است۔ این نمیدانی
بیان گم کرد در توصیف۔ کلکِ دو زبان اینجا

رباعیات

یکسو شدہ رہ برو کہ راہے یابی
گر بر ہمہ دیدہ ہوس بکشائی
از نیک و بد جہان پناہے یابی
از سوزِ درونِ خویش آہے یابی

دیگر

دیدم بجود و خیال کردم بہ دگر
لیکن ہمہ از خودی ست این جملہ حجاب
فی الجملہ ہمہ یکیست ہر فردِ بشر
بیخود چو شوم سرِ حق آید بہ نظر

دیگر

زابتدا این دلِ بیتاب طپیدن دارد
می نماید ہمہ شیدا بہ سوئے اصل رجوع
بلبلے ہست تہیّائے پریدن دارد
زین سبب مرغِ دلم شوقِ رسیدن دارد

قطعات

بسے بہ طرفِ گل و گلستان نظر کردم — بسے بہ دردِ خزان آہ و نالہ سر کردم
کنون نہ خواہشِ جنّت نہ بخشش دوزخ — بہ دل تفاخرِ اعراف سر بسر کردم

ولہ

در دیر و حرم دوئی شمارند جہان　　ہر دو بہ دو دیدہ من یکے می بینم

یک گام بہ دیر و در حرم گام دگر　　بیجا ہمہ این تاز و تگے می بینم

غزلیات

الٰہی دُرفشان از حمد کُن دُرجِ دہانِ ما　　پسندِ خاطرِ اہلِ زبان گردان بیانِ ما

دہانِ من اگر یارب سخن را نذرِ تو راند　　بہ اسمِ پاکِ تو جنبد اگر جنبد زبانِ ما

بجود در حیرتم آیا کدام و از کجا ہستم　　چہ میپرسی ز من اے جانِ من نام و نشانِ ما

زروزِ حشر باکے نیست شیدا اندرین عالم

زمینم خاکِ جسم و دودِ آہم آسمانِ ما

در عشقِ بتان دل زبرم گم شدہ مارا　　اے ہادیٔ من راہ نما راہ خدارا

تسکین دہِ دل شو بہ امیدِ شبِ وصلت　　چون غنچہ دمِ صبح مکن چاک قبارا

این گلشنِ ہستی ہمہ گلگشتِ طلسم است　　بینی۔ چو بہم چشم زنی۔ ملک بقارا

ولہ

اے آہ و نالہ کاش بہ غمخوارِیم رسد　　از دست رفت صبر و شکیبم توان و تاب

ساقی بہ لطف میدہدت جامِ غم مخور　　اے دل بنوش بادہ عذاب است یا ثواب

ولہ

عشق شد از من بہ عالم من ز عشقم نامور　　بر زبانِ خلق چندین داستان داریم ما

ناصحا منعم مکن از نالۂ و آہ و فغان　　خود بہ دل انصاف کن آخر زبان داریم ما

از من اے شیدا مشو بیزار کاین بے سود نیست

عرضِ حالِ خویش در ضمنِ فغان داریم ما

ربط و ضبطِ دردِ ہجر بے وفا کردیم ما　　زین نمط این بوالہوس دل را سزا کردیم ما

بر سرِ بالینم آن بت آمد و پرسید حال　　از سکوت آہِ رسارا۔ نارسا کردیم ما

مرحبا صبر و تحمّل آفرین جوشِ جنون　　خویش را وقفِ ستم۔ جور و جفا کردیم ما

ولہ

سرمستِ الستی ز شریعت چہ سروکار　　بوسہ بہ لبِ چشم بدہ جام و سبو را

بردار ز چشمِ دلِ خود پردۂ غفلت　　بگذار بہ ذوقِ احدی این من و تو را

برخنجرِ تسلیم و رضا نہ ز سرِ شوق　　خواہی چو حیاتِ ابدی پارے گلو را

بہر چہ تلاشِ صنم خود کُنی اے دل ساکن شدہ در خویش بہ بین صورت اورا
مقبول شود تاکہ نمازت دلِ شیدا
لازم کہ بہ مے پاک کنی دست وضو را

حسرت بسوخت در دلِ من آب دیدہ را پرداد یاس۔ طائرِ رنگِ پریدہ را
فرقت چہ۔ وصل چیست۔ ہواؤ ہوس کدام ہوش و حواس تنگ بود دل رمیدہ را
محوِ خیال باش دلا خواہی ار وصال
از خامشی بدوز دہانِ دریدہ را

آرزوے دگرم در دلِ خود رفتہ نماند جرعۂ تازۂ مئے عشق بہ کام است اینجا
مشربم رندی و ہم سنّتِ من بادہ کشی گر زمے ترک کنم زیست حرام است اینجا
شیخ از گردشِ تسبیح بخود نازان است مرغِ دل را اگر این دانہ و دام است اینجا
نکند کار براو آتشِ دوزخ شیدا
ہر کرا بادۂ گلرنگ بجام است اینجا

این گہرباری من بین کہ اگر مردم چشم شکوہ آرد بلب از وسعتِ دامان چہ عجب
فصلِ گل حبِّ وطن میدہدم یاد اگر سر کند وحشی من راہِ بیابان چہ عجب

ولہ

ناطاقتم چنان زجفائے فراقِ یار برلب نیامدست فغان عمرہا گذشت
شیدا مپرس ہیچ ندانم ز دستِ ہجر
بر دل گذشتنی است چہ رنج و چہا گذشت

ناصح بہ ذہنِ خویش خرا با تیم مدان لا مذہبی بہ دہر۔ ہمین حکم دینِ ماست
از شہر رو بہ وشت نہادم ز دستِ ہجر ہر جا کہ پا زدیم عدو در کمینِ ماست
شیدا مپرس از ستمِ یار بے وفا
عشق ستمگرے ز نوشتِ جبینِ ماست

عاقلی عجلت مکن در کار خویش انجام کار جاہلان را تہمت ناکردہ کاری میرسد
بپیر من این نکتہ از دفتر نمودست انتخاب بیخبر از خود بہ اوجِ ہوشیاری میرسد

در فراق و بے کسی شیدا اشو دست از امید
مژدۂ وصل از سروش فضلِ باری میرسد

موجِ ہمچشمیِ طوفان دیدۂ تر میزند — شورِ آہ و نالہ ام پہلو بہ محشر میزند
ناصحا مخراش گوشِ من بہ پندِ این و آن — گفتگویت بر رگِ جان زخم نشتر میزند
مرحبا جوشِ جنون این چاکِ بے تدبیرِ من — دستِ حیرت بر سرِ عقلِ رفوگر میزند
داغِ دل شکلِ ارم اشکِ روان چون سلسبیل — دیدۂ پُر نم کنون چشمک بہ کوثر میزند
ساقیِ لیل و نہار از من چرا این بیرخی — واژگون بر دورِ من ہر لحظہ ساغر میزند
شیشۂ دل را مجلا کُن بفضلِ احدیت — ہر کجا خواہی کہ بینی دلربا سر میزند

دوش شیدا بر درِ میخانہ از پا اوفتاد
جامِ مے امروز با ساقیِ کوثر میزند

سالکِ راہِ جنونم واقفِ اسرارِ عشق — کاملِ رمزِ محبت راست سودائے دگر
عاشقِ خود رفتہ را یکسان نماید ہجر و وصل — حیف آرم در دلِ مضطر تمنائے دگر
فہمِ معنیِ کلامِ عاشقان بس مشکل است — گفتگوئے عشق دارد رمز و ایمائے دگر

گلشنِ ایجاد شیدا سر بسر وقفِ خزان است
بس ہمی خواہم کہ گیرم جائے در جائے دگر

بہ یمنِ مقدمت اے حضرتِ فراق سلام — رہینِ منتِ صبریم این کمالم بس
کرا دماغ بجز رمزِ عشق گوش کند — سرے کہ ہست ہمین دوش را وبالم بس
زبان خموش دہن دوختم بہ صبر و شکیب — بہ درسِ عشق ز دل رفت قیل و قالم بس

کمال عاجزم از سخت جانیِ شیدا
دگر مپرس ولا حالِ انفعالم بس

چون شب کہ پردہ داریِ عشاق میکند — دل را بود بہ درد و الم - رازدار داغ
اظہارِ کیفِ ہجر زِ من - این کرا دماغ — گوید دہانِ عرض شدہ حالِ زار داغ
منت کشم ز ہجر کہ از لطفِ او بمن — ہمدرد آہ و نالہ شد و غمگسار داغ

بیتابیم بہ عشق ببین - باصد آرزو   جان خواستگارِ درد - دلم خواستگارِ داغ

حاجت بہ شمع چیست کہ در عشق شعلہ رو
شیدا چو کارِ شمع کند بر مزار - داغ

آتشے کو تا شرر در گنبدِ اخضر زنم   نالۂ از دل برآرم شور در محشر زنم
بارگاہے کو کہ دادِ جور دریابم ازو   کو جنابے تا سرِ تسلیم را بر در زنم
فکر این و آن چہ سودائے دل رضائے او بجو   بر سرِ عقل و خرد تا چند خاکستر زنم
چشم جام و دل صراحی - میکنم خونِ جگر   ساقیِ خود خود شوم لب بر لبِ ساغر زنم

باش مرغِ دل مرو در کوئے گلرویانِ دھر
من نمیخواہم چنین آتش بمشتِ پر زنم

خدارا بندہ ام تا زندہ ام رحمے بحالِ من   گذشت عمرے کہ از دستِ جفا دست و گریبانم
مدہ پیرِ فلک از دست خود مہمان نوازی را   بہ غربت از وطن افتادہ روزے چند مہمانم
ز داغِ ہجر از بس سوخت جانم بس عجب نبود   طلوعِ آفتابِ حشر باشد از گریبانم

مریدِ عشقم و پابندِ الفت - مشربم رندی
بحالِ خود خوشم شیدا مپرس از دین و ایمانم

بہ غمِ ہجر مبتلا چہ کنم   آہ این درد را دوا چہ کنم
سر نوشتم خدا چنین بنوشت   شکوہ از یارِ پُر جفا چہ کنم
از فغان ناصحا مشو مانع   مردم از ہجرِ دلربا چہ کنم

نالۂ و آہ را کنون - اثرے
نیست شیدا - بجز رضا چہ کنم

بہ ضمنِ خامشی نالہ فروشِ حسرت دیدم   دلیلِ دادخواہی ہاست با جور و جفا سازم

بہ اندک نیستم منت کشِ پیرِ فلک شیدا
بلند از بیکسی سویش چرا دستِ دعا سازم

ہر چند مختصر کنم اظہارِ دردِ ہجر   پہلو زند بہ طولِ کلام - اختصارِ من

یارب شدا اضطراب نصیبِ من از ازل گاہے نیار مید دلِ بیقرارِ من

ولہ

صاحب نظرا دیدِ بتان یک نظرے کن بازارِ جہان را نظرے خوش گذرے کن
گر اہلِ دلی ولولۂ عشق بہ جوش آر بگذر ز ہوس ہا و نظر بر دگرے کن
تا چند بہ کنجِ ہوسی پاے بہ دامن از خانہ برآ جستجوے نیک درے کن
شیدا ہمہ جا دانہ و دام است درین راہ
ہشدار و زما با دلِ نادان خبرے کن

قسمت شد از ازل بمن این آہ و نالہ ہا دلدادہ ام چگونہ نگویم کہ ہاے تو
ترسم چگونہ آہ کشم گریہ چون کنم ہم دل مقام تُست ہم این چشم جاے تو
تاکے جفا ز آہِ ستم دیدگان بترس اے بت ہمان خداے منست و خداے تو

ولہ

میروم از خود بہ یادِ حسرتِ دیدار لیک شوق می آرد کشانم در حصارِ آرزو
اشکِ مژگان در چکیدن پایبندِ حیرت است از تردد فارغم اندر کنارِ آرزو
سوختم در حسرتِ وصل و فنا شمن ازان در دلِ بے صبرِ خود کردم فرارِ آرزو
چند شیدا پا بہ زنجیرِ ہوس باشی بہ دہر
از حسابِ فہم بگذشتہ شمارِ آرزو

مرضِ من نشود بہ بہ مداواے کسے مگر آن دم نہم سر بہ کفِ پاے کسے
عاشقم - عاشقِ سرگشتۂ و رسواے جہان در دلم نیست بجز جاے کسے جاے کسے
واعظا پند مفرما بحقِ این شیدا
خود فراموشم و حیران بہ تمناے کسے

پروانۂ آن شمعم جان دادنم آسانست چون شمع ز سر تا پا می سوزم و می سازم
مرغیم ستم دیدہ یارب مددے مددے یاراے فغانم نے نے طاقتِ پروازم
تفتیش مفرمائید حالِ دلِ این شیدا
واجب نہ بود حاشا افشاے چنین رازم

زصورتِ معنیش نشناختم سہو و خطا کردم دلِ فرزانۂ خود در سرِ نازو ادا کردم

به وادی کاروان سالارِ عشقم ناصحا خامش | بگو پیرزے که آه و ناله آوازِ درا کردم
بر سرِ اوجِ فلک تابنده اختر یافتم | کاملِ راهِ حقیقت عشق رهبر یافتم
جوششِ سودائے دل از گریه افزون‌تر شود | ریختم از دیده آبے لیک اخگر یافتم

از هوائے این و آن شیدا خدا را درگذر
در همه علمِ جهان این نکته برتر یافتم

مقیمِ ملکِ عشقم انسِ یارانِ وطن دارم | به دل از ناله و آه و فغان یک انجمن دارم
زبانم شمع سان لال است در اظهارِ آن ناصح | به عشقِ شعله‌رو در دل چه لطفِ سوختن دارم
چه می‌پرسی چه با من کرد شاهِ عشق می‌نازم | نصیبِ هرکس و ناکس نباشد آنچه من دارم

همه سامانِ عشرت سوخت شمعِ خانه‌ام شیدا
به پهلو نیست دل آتش به زیرِ پیرهن دارم

اگرچه در نظر یکسر خموشم | ولے بر اهلِ دل فریاد کوشم
مریدِ عشقم و عیشم همین بس | فغانِ گریه باشد نائے و نوشم
ز بس رندم ندارم باک از حشر | قیامت خیز باشد یک خروشم
چه افسون زد نگاهِ نیم مستش | که از دل صبر و از سر رفت هوشم

ز دستِ عشق شیدا جام برگیر
ندا آمد همین دوش از سروشم

مرحبا حضرتِ دل آنچه تو با ما کردی | آفرین حوصلهٔ گم شده پیدا کردی
پیش ازین آه بسے دست و گریبان بودم | رازِ سربستهٔ الفت همین افشا کردی
عقل و هوشِ من ازین کار به حیرت در رفت | وحشتم وادی و هم محوِ تماشا کردی

دم بخود باش به فرقت دلِ شیدا خاموش
از فغان صورتِ محشر همه برپا کردی

وفا دشمن ستمگارے نگارے | به هجرت گشته شیدا زرد و زارے
جگر پر سوزم و بر لب فغان‌ها | دلِ پر درد و چشمِ اشکبارے

کنوں می بینم انجامش چہ باشد | بہ دست و دامن اُفتاد است کارے
مرا اے سرگروہِ بے وفا یاں | بہ ذیلِ جاں نثاراں کُن شمارے

نہ زیبد عشق را شیداؔ ہر آنکو
نہ صبر آرد نباشد بُرد بارے

شیفتہ۔ پنڈت شیام کرشن صاحب گورٹو

(ماخوذ از رسالہ "شانِ سرورؔ" لاہور مارچ ۱۹۳۲ء۔ رسالہ مذکور میں یہ درج نہ تھا کہ آپ کہاں قیام پذیر ہیں)

مکالمۂ گل و بُلبل

بُلبلِ شیدا نے پوچھا گل سے یوں روزِ بہار | اے گلِ رعنا ترے دامن سے کیوں لپٹے ہیں خار
صبحِ صادق نے تجھے کس غم سے پژمُردہ کیا | کیوں بہے جاتے ہیں آنسو چشم سے زار و نزار
کھلکھلا کر ہنس کے یوں گل نے کہا بُلبل سے پھر | جو بیاں تو نے کیا سب کھیل ہے ناپائدار
ہر رگِ گُل ہو گیا کانٹا خزاں کے دَور میں | جو کھٹکتا رہ گیا بُلبل کے دل میں مثلِ خار
تجھکو لازم ہے کسی گل سے نہ ہرگز دل لگا | یاد میں اُس باغباں کے کر تو اپنی جاں نثار

جس نے گُل کو رنگ و بو بُلبل کو ہے نالہ دیا
گُل پہ گُل افضل دئے ہیں شیفتہؔ کو صد ہزار

صبا۔ مرزا راجہ شنکر ناتھ صاحب

آپ کے دو شعر جلد اول میں درج ہیں۔ حضرت کیفی دہلوی نے صباؔ کی ایک غزل ارسال فرمائی ہے جو بصد شکر یہ درج کی جاتی ہے۔ یہ غزل ایک قلمی نسخہ مجالس رنگین کی مجلس شصت و پنجم سے نقل کی گئی ہے۔

بیاں کیا کیجئے جو کچھ کہ ہم پر درد و غم ہوگا | میاں جاتے ہو تم یاں سے عجب برپا الم ہوگا
تمھاری یاد میں گذریگا مجھکو رات دن روتے | نہیں معلوم اور دل پر مرے کیا کیا ستم ہوگا

اگر تُو مبتلا ہوتا کسو پر تو سمجھتا کچھ
تری جانے بلا جو کچھ کہ مجھ پر اے صنم ہوگا

غضب بیرحم ہے جو تجھکو رحم آتا نہیں مطلق
جو کوئی اور دیکھے گا مجھے وہ چشم نم ہوگا

غلط سمجھا ہے تو پیارے۔ رہے یہ یاد کیا امکاں
قرار اس دل کو میرے آہ تجھ بن ایک دم ہوگا؟

ہمیشہ داغ پر یہ داغ کھاتا ہے مرا سینہ
کوئی دن میں جو دیکھوگے تو یہ رشکِ ارم ہوگا

صبا کسواسطے ہوتا ہے مضطر دل میں تُو اپنے
لکھالایا ہے جو قسمت میں وہ کب بیش وکم ہوگا

صبا۔ پنڈت کیلاس کول صاحب میگزین۔ساکن زمیندار محلہ متصل حبہ کدل سرینگر کشمیر

آپ پنڈت لالہ کول صاحب کے صاحبزادے تھے اور ۱۸۶۹ بکرمی مطابق ۱۸۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب آنجہانی کے درباری پنڈت جناب رام کشن صاحب نے آپ کی قابلیت اور تدبر کو مدِّ نظر رکھ کر آپ کو مہاراجہ صاحب کے حضور میں پیش کیا اور ریاست میں کسی ذمہ دار عہدہ پر مامور کئے جانے کی سفارش کی چنانچہ آپ جموں میں میگزین (محکمۂ بارُود و فوج وغیرہ) کے افسر اعلیٰ مقرر کئے گئے۔ آپ کے برادرِ خورد پنڈت راجہ کول بھی اسی طرح اپنی قابلیت اور ذہانت کی بدولت سرینگر میں میگزین کے افسر تعینات کئے گئے۔ اسی وجہ سے آپ کا خاندان میگزین کے نام سے مشہور ہوا۔

حضرتِ صبا اپنے وقت کے ایک قابل۔ عالی دماغ اور ذی استعداد عالم و شاعر سمجھے جاتے تھے۔ مشہور ہے کہ اُس وقت کے دیگر اساتذہ آپ کے آگے زانوے ادب تہ کرتے تھے اور بعض بعض موقعوں پر آپ سے استفادہ بھی کرتے تھے۔ آپ علم نجوم و ہندسہ میں بھی صاحبِ کمال تھے۔ عربی فارسی میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ اچھے اچھے صاحبِ مذاق پُرانے اُستادوں کے اشعار کے معانی اور تشریح سمجھنے کے لئے آپ سے وقتاً فوقتاً امداد طلب کرتے تھے۔

آپ فقط عالم اور شاعر ہی نہ تھے بلکہ ایک اچھے مدبر اور کارپرداز بھی تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے ذمہ دار عہدہ کے فرائض تادم مرگ بوجہ احسن انجام دئے۔ آپ ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں سرگباس ہوئے۔

آپ کے کلام میں سلاست اور کہنہ مشقی کا رنگ پایا جاتا ہے۔ لیکن اس میں ایک نقص یہ ضرور ہے کہ کشمیری زبان کے الفاظ اور تراکیب زبان فارسی کے ساتھ غیر مربوط طرز میں اور بے پروائی سے استعمال کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ دستبرد زمانہ سے آپ کے کلام کا بیشتر حصہ تلف ہوا ہے۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

دلا پرہیز از سحر نگاہ دلربائے او — کہ آہو گشت سودائی ز چشم سرمہ سائے او
خیال جلوہ اش از سر نمے گردد برون ہرگز — کہ طرح سرنوشتم ریختند از نقش پائے او

ولہ

صبح وصال چون دمد روے نما کہ ایچنین — شام فراق چون بود زلف کشا کہ ایچنین

ولہ

بسمل شدے آن مژہ خنجر نہ شدے گر — دل خون شدے تیر تو نشتر نہ شدے گر
از دور دو چشم تو کہ میداد نشانم — خضر رہ من گردش ساغر نہ شدے گر
کے بستمے این رشتۂ زنار بہ گردن — از سرکشی آن زلف چو کافر نہ شدے گر
گرد گل روے تو صبا راہ نمے یافت
بوے خط مشکین تو رہبر نہ شدے گر

تو بالاے سرو فتنہ من شیدا بہ گلروئے — کشم من نالہ چون بلبل تو ہم کن شیون القمری
ز سبزان جہان ہرگز نمے بیند صبا یاری
عبث داری خیال سرو و از دل افگن القمری

باشد بدل خیال لب یار شیشہ را — ریزد شراب لعل ز گفتار شیشہ را
بنماے روے تا ز دلم خون چکد برون — از آفتاب بادہ بجوش آر شیشہ را
آباد کرد چشم خرابت دل صبا
بینم مدام آب ز خمار شیشہ را

خندان چو سرو من بہ چمن جلوہ گر شود — بیدل شود صنوبر و گل پردہ در شود
آئی اگر دمے بہ سر من پئے نثار — چشم سفید سیم و سرشکم گہر شود
روزم سیاہ شد چو فگندی بروے زلف — بر چین زرو نقاب کہ شامم سحر شود

مستانہ جلوہ گر بہ چمن چون شود صبا
مینا ز سرو جام ز گل در نظر شود

لعل لبش چون بہ سخن میرسد — آب بہ دُر ناب بہ من مے رسد
گرم سخن چون شوی اے مست ناز — ہوش بہ سر جوش بہ تن مے رسد

ول

چنان شعلہ در سینہ زد سوز عشقش — کہ شد رشتۂ شمع تار گریبان
بہار است از جوش گلہاے حسنش — بیا اے جنون ساز گار گریبان
چکد خون داغ تو از سینہ بیرون — کند گل عجب لالہ زار گریبان
ماہ من از چہ کشی از من شیدا دامن — نہ زدم چاک بہ جیب از غم تو تا دامن
خود بخود سوختم از سوز تو بر آتش رو — اے ستمگر مزن از زلف چلیپا دامن
سرو دارد ز قدش خواہش موزونی خویش — زان نمودہ است بہ گلشن چو گدا وا دامن
عجب نبود اگر از ناز چشمش بر نمے گردد — ز بالین کے شنیدستی کہ سر بیمار بر دارد

بود انداز گلگشت چمن جانانہ ما را
بگو بلبل صبا را کز سر رہ خار بردارد

اشک بے اختیار را چہ کنم — طفل دیوانہ وار را چہ کنم
میگرفتم قرار اندر صبر — این دل بیقرار را چہ کنم
کروے درد دل بہ سینہ نہان — دیدۂ اشکبار را چہ کنم

من نخواہم صبا خراب شوی
چشم مخمور یار را چہ کنم

لالہ از موجِ شک آن رخ گلگون — از عدم داغدار مے آید
گفتمش دل نہم چو آئینہ پیش — گفت از وے غبار مے آید

کے جدا ماند بہار از جوششِ مستانہ ہا　　کز سرِ ہر شاخ زُد گل خندہ چون پیمانہ ہا
اشکِ من بر یادِ زلفش گر مکرر شد چہ شد　　رشتہ را دائیم بود سررشتہ بادُردانہ ہا
از دو چشمِ مستِ او پُرخون دلِ من شد صبا
آرے آرے شیشہ پُر میگردد از میخانہ ہا

گر ز حرفِ لبِ میگونِ تو سازم تفسیر　　یکقلم خامہ سیہ مست شود در تحریر
چہ عجب حلقہ زد از زلف بگردِ چشمش　　ہیچ خونخوارہ ندیدم کہ بود بے زنجیر

وله

جوہرِ آئینہ یا تحریرِ لوحِ سرنوشت　　بر سرِ پیشانیش چین اینچنین یا آنچنان
غنچۂ باغِ حیات یا چشمۂ آبِ بقا　　در تکلم آن دہان بین اینچنین یا آنچنان

وله

بہ بین در زیرِ ابرو چشمِ مستِ یار اے زاہد　　بزیرِ طاقِ محرابے نشستہ بادہ پیمائے
ازان سو غمزہ زن نرگس وزین سو چشمِ جادوئش　　تماشا در تماشا ہست آیا ران تماشائے

بہار آمد جنون سرزد خرد بردار دست از من　　کہ چون مجنون نہم پائے ز صحرائے بصحرائے

وله

دلم بگذاشتی اے غم گزیدی ہمدمے دیگر　　چہ دیدی از دلم برگو بیا بنشین دمے دیگر
خیالِ طاقِ ابروئے بدلداری مگر زاہد　　کہ گردد از قدت در سجدہ ہا ظاہر خمے دیگر

وله

لالہ تنہا نے ز داغِ روے او صحرائی است　　نافہ ہم از بوے چینِ گیسوئیش سودائی است
ہر سرِ سرکش فتد بر خاک آخر از خودی　　در چمن فوّارہ ہردم سرنگون ازمائی است
از ملامت کے زمردم وارہم زین اشکِ شور　　طفل چون بدخوے باشد باعث رسوائی است

وله

ز زخمِ غم رگِ جانم بہ نالہ چون چنگ است　　خموش باش مغنّی مزن بتار انگشت
چہ طرفہ گر دلم آسودہ شد ز پیکانش　　کہ نبضِ تب زدہ را میدہد قرار انگشت

در بحرِ عشق آب ز چشمِ پُر آبِ ما　　گرداب موج میزند از پیچ و تابِ ما
از دل خیالِ شعرِ تو ہرگز نمے رود　　روزِ ازل مگر شدہ شاغر خطابِ ما
جو شد بہار خیز صبا کن ز سرو گل
مینا و جام از پئے دورِ شرابِ ما

بہ عشقِ روے او چون شمع مے سوزیم در ہر دم　　نماید ہمچو فانوسے بہ تن این پیرہن ما را

صبا بہرِ تماشا گردِ گلشن ہا عبث گردی
بود از سینۂ پُر داغ در ہر دم چمن ما را

شد گرہ نالہ در دل از خو تم شیشہ چون پُر شود صدا نکند
در خیالِ رخِ تو گُل بہ چمن چہ کند جامہ گر قبا نکند
ترکِ بوس و کنار گلرویان
من اگر میکنم صبا نکند

اشکم ز زخمِ ناوکش از دل جہد بیرون بالا ز خاک دانہ کشد سر بہ کاوشی
گاہے کشی بہ غمزہ گہ از ناوکِ نگہ کے جان بر دکسے بجہان زین کشاکشی
آشفتگی صبا ز دلت کم کجا شود مائل بہ عشقِ کاکلِ خوبانِ مہوشی

ولہ

بگاہِ خشم رُخت را حجاب مے باید چو مہر گرم فروزد سحاب مے باید
ببوئے گیسوئے جانان رسیدن آسان نیست کہ ہمچو نافۂ چین پیچ و تاب مے باید
کلاہِ کبر ز مائی منہ صبا بر سر
ترا کہ چشم ترے چون حباب مے باید

گردشِ چشمِ تو مگر دیدہ است کاہو از شرمِ تو رمیدن گرفت
پردہ برانداز بروے اے صنم گُل بہ چمن جامہ دریدن گرفت
گشت صبا باد زنش در چمن
چون عرق آلودہ چمیدن گرفت

ساقی ز شیشہ بادہ مگردان کہ جامِ من زان چشمِ پُر خمار بود در نظارہ ام
از من روان شدی شدیکبار جان ز من باز آمدی و آمدہ عمرِ دوبارہ ام
آن شعلہ خو بہ صحنِ چمن شد مگر صبا
شبنم بہ گُل ز دور نماید شرارہ ام
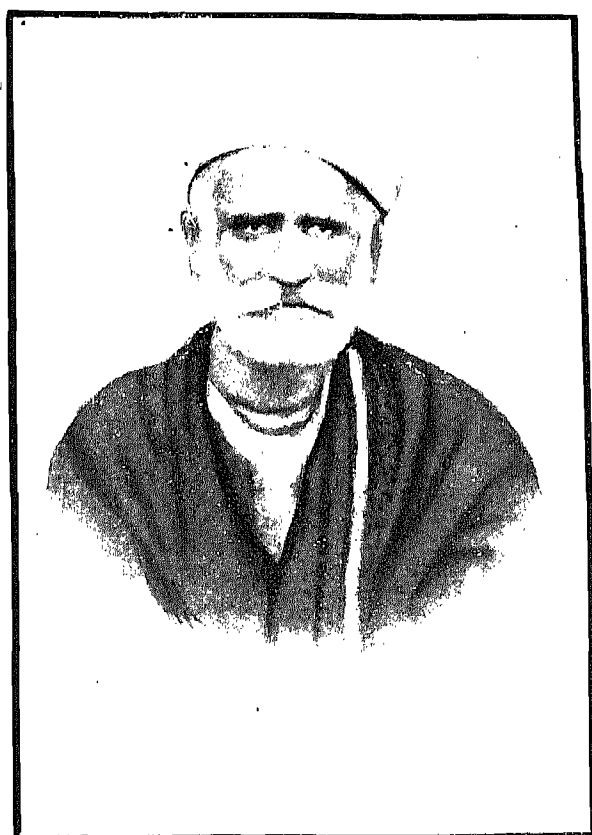
پنڈت بشن نرائن ہاکسر - صبر

صبر۔ پنڈت بشن نراین ہاکسر صاحب دہلوی

آپ ایک بزرگ صاحب علم و کمال تھے۔ آپ نے سری بھاگوت نظم میں تصنیف کی تھی جس کا نام مادھورج لیلا ہے۔ آپ کا کچھ حصۂ عمر بمقام چھور ضلع متھرا بہ سلسلہ ملازمت گذرا تھا آپ کو تاریخ گوئی میں ایک خاص ملکہ تھا اور آپ کے مادۂ تاریخ قابل تحسین ہوتے تھے۔ آپ کے چار فرزند تھے یعنے پنڈت دھرم نراین صاحب۔ پنڈت پریم نراین صاحب۔ پنڈت سروپ نراین صاحب اور پنڈت شام نراین صاحب عرف کنہیا لال صاحب۔

پنڈت بشن نراین صاحب آخر حصۂ عمر میں کبھی اندور اور کبھی گوالیار اپنے فرزندان گرامی کے پاس رہا کرتے تھے۔ ۱۸۸۹ء یا ۱۸۹۰ء میں ۸۵ سال کی عمر پاکر بمقام لشکر گوالیار آپ نے انتقال کیا۔ کرنل کیلاس نراین ہاکسر صاحب کے آپ جدامجد تھے۔

مادھورج کرشن لیلا

یہ وہ ہی شام سندر ہے کہ ساگر جبکا ہے آلا ۔۔۔ بخواب ناز سجا سیس پر یہ تھا سہی بالا
جگایا دیوتاؤں نے شنرتی کو گاکے چوتالا ۔۔۔ کیا اس وقت پرتھوی نے گؤ کے روپ میں نالا
ہوئی اُس وقت یہ بانی کہ پرگھٹے برج گوپالا

یہ سن کر مژدۂ جاں بخش پرتھوی خوش ہوئی پالے ۔۔۔ گئی اپنے ٹھکانے پروہ تھی دل میں یقیں دھالے
ہدایت کے بموجب دیوتا بھی لوٹ کر سارے ۔۔۔ وہ آئے برج کی بھومی میں ہر کر روپ سب نیارے
عجائب روپ میں گوپی انوکھے روپ میں گوالا

جو مارے بہن پیاری کے چھ بیٹے کنس راجا نے ۔۔۔ حمل وہ ساتواں گرنا کہا راجہ سے دایا نے
مگر بہو کیا یا اُس کو روہنی کے پیٹ مایا نے ۔۔۔ نہ جانا بھید قدرت کا یہ راجہ نے نہ جانے

که قدرت نے سبھوں کے دل پہ پردہ موہ کا ڈالا

ہوئی جب روہنی حامل اُسے گوکل میں پہونچایا — کہ رہو سے نند کے گھر میں وہ پوشیدہ تنِ تنہا

مبادا حال سن کر کنس کچھ فتنہ کرے برپا — مگر غفلت کا پردہ سب کے دل پر آن کر چھایا

ہوا اوتار پیدا شیش موسل اور ہل والا

پھر اس نے دیوکی کو روپ اپنا خاص دکھلایا — یہی بسدیو کے کاندھے پہ چڑھ کر نند گھر آیا

پھر البسدیو لڑکی کو جسودا کی وہ لے آیا — جو سونپی دیوکی کو بند دروازوں کو تب پایا

یہ وہ ہی شام سندر ہے جسودا نے جسے پالا

وہ لڑکی روئی جاگے لوگ سن کر حال کنس آیا — کھلا دروازہ بھیتر سے وہ لڑکی چھین کر لایا

اُسے جب جان سے مارا وہ بولی اے فرومایا — تیرا دشمن ہوا پیدا جسے تو نے نہیں پایا

وہی ماریگا تجھکو پھر ہے تیرا کون رکھوالا

سُنی جب کنس نے بانی تو اُسکے دل میں آیا ڈر — سبھوں سے مصلحت پوچھی کہا سب نے یہ مل جل کر

کہ مارو رات کے لڑکے ترا بیری بھی جاوے مر — بُلائے کنس نے راکھش دیا یہ حکم تب یکسر

کہ مارو میرے بیری کو بتاؤں تم کو بھوپالا

یہ وہ ہی شام سندر ہے سکٹ کو جس نے توڑا ہے — اسی نے پوتنا کا دودھ چھاتی چڑھ نچوڑا ہے

ترناسر لے اُڑا اس نے زمیں پر اُسکو موڑا ہے — گئے راکھش بہت گوکل کسی کو بھی نہ چھوڑا ہے

یہ وہ ہی شام سندر ہے بنا جو نند کا لالا

شکایت کی سکھاؤں نے اسی نے برج برج کھائی — یہ سُن کر ماں جسودا حال اُس کا دیکھنے آئی

جو کھولا مُنہ کو نزلو کی اُسے شری مُکھ میں دکھلائی — تعجب اور دہشت سے بہت اُس وقت گھبرائی

کری چنتا ہرن اُس کی دوبارا موہ میں ڈالا

بلوتی تھی جسودا دودھ پینے دودھ کان آیا — پلاتی تھی کہ ہانڈی دودھ میں یکدم اُبھان آیا

بچلنے اُسکو دوڑی اسکا اسکو کچھ نہ دھیان آیا
یہ دیکھا شام نے اُسکی محبت میں گمان آیا
بھرا ماکھن مہی کا ماٹ پھوڑا خاک میں ڈالا

جو توڑا ماٹ دودھ کا مان جسودا اس پہ جھنجھلائی
پکڑ منتی سے باندھا ہاتھ اوکھل تک اسے لائی
وہاں مضبوط باندھا دوسرے دھندے کی یاد آئی
پھری گھر کو اُدھر وہ اس نے فرصت جو ادھر پائی
اُس اوکھل کو اُڑا اجملا رجن کے بیچ میں ڈالا

تب اُن پیڑوں سے نکلیں نازنیں دو صورتیں پیاری
ثنا کر کے گئیں گوالن نے باتیں گھر کہیں ساری
یہ سن کر ماجرا سارا گئی دوڑی وہ مہتاری
نہ جانا بھید قدرت کا یہ جانا تھی بلا بھاری
دیا دان اور صدقہ گھر میں لے آئی اُسی بالا

اسی کی دیکھ لیلاؤں کو برہما آیا حیرت میں
لے آئے گوال بچھڑے اُن کو رکھا خواب غفلت میں
جو پھر دیکھا تو سب موجود ڈوبا بحر وحشت میں
اسی نے عالم وحدت سے اُسکو ڈالا کثرت میں
ہزاروں مثل خود دیکھے ثنا خواں پیش گوپالا

ہوا برہما کو جب ظاہر کہ یہ ہے بشن کا مظہر
رہا گھر گوال بچھڑے اُسنے پرکما... کری از سر
نہ دیکھا پھر وہ اُس کا روپ جو تھا جلوہ گر ظاہر
وہی تھا ایک تن گردھر ہوا رخصت وہ استت کر
کمنڈل ہاتھ میں مالا بغل میں ہرگ کا چھالا

سکھا اور دھین نے پانی پیا جمنا کا زہر الا
ہوئے مدہوش اُن کو دیکھ سوچے من میں سب گوالا
کہ ہم کو رات دن لیلا یہاں کرنی ہے بھوپالا
رہیگا اس جگہ کالی تو ہوگا سُکھ نہ و بالا
کیا ہشیار سب کو اور ایک دوڑا گیا گوالا

رچائی گیند کی بازی گرا جمنا میں وہ جا کے
سکھاؤں نے کہا گردھر ہمارا گیند دو لا کے
کدم پر چڑھ کے موہن لال کودے بیچ جمنا کے
وہاں کالی جو سوتا تھا جگایا اُسکو ٹھکرا کے
کیا جمنا کو نرمل اور ٹالا وہاں سے وہ کالا

گروڑ کے خوف سے کالی رہا کرتا تھا اُس دہ پر
جو آویگا وہ اُس جا پر گرینگے اُسکی سب شہ پر

چرن لگنے سے گردھر کے مٹا کالی کا سارا جور یہ وہ ہی شام سندر ہے نکالا جس نے وہ اژدر
نہ بولا وہ گرڑ اُس سے گیا جس جا وہ زہرالا

کہی ایک روز گوالوں نے بنا کر بات گردھر سے کہ میوے تال بن شیریں ہیں زیادہ قند و شکر سے
ہمیں ہے آرزو کھانے کی لیکن خوف ہے خر سے اگر تو بھی مدد دیوے چلے ہمراہ خاطر سے
بر آئے آرزو دل کی ہماری وہ مرے سالا

لگی داوا اگنی جنگل میں تو اُس دن گوال گھبرائے نہ پایا راستہ جانے کا اُنکے پاس تب آئے
بچایا اُن کو اُس آفت سے سب کو دیکھ مُسکائے بجاتے بین سب کے ساتھ وقتِ شام گھر آئے
گئے گھر اپنے اپنے گوال بچھڑے سوے گوسالا

زمیں پر چیر سکھیوں کے کدم پر جا پڑے جب سب نہاتی تھیں وہ جمنا میں رہیں حیران سب کی سب
تو دل میں سب نے یہ سوچا کریں ہم دھیان گردھر آ کیا جب دھیان گردھر کا ملے سب چیر اُن کے تب
گئیں دل میں وہ راضی ہو وہاں سے برج کی بالا

گئی بہت روند پر جس روز جگ کرنے وہاں بامن سکھاؤں نے کہا اس سے کہ ہم بھوکے ہیں اے موہن
کہا جاؤ وہاں مانگو مری جانب سے تم بھوجن گئے مانگا جو اُن سے بھوگ بولے عقل کے دشمن
کہ ہیگا یہ کنہیا گوال ایسے سو پھریں گوالا

جو پہونچا خاص انکے پاس پھر پیغام گردھاری جو دل کے صاف تھے فوراً اُمڈ آئے وہ یکباری
مہا پرشاد بھر کر تھالیوں میں کر کے تیار ری جہاں موہن براجے تھا وہاں پہونچے وہ سب آری
نہ پوچھا ساتھیوں سے اور نہ کچھ دیکھا نہ کچھ بھالا

کیا کرتے تھے سارے برج والے اندر کی پوجا کہ برساویگا مینہ بر وقت ہر شے ہووے گی پیدا
ہوا مانع یہی گھنشام برج پر اندر رنے کو پایا اسی نے نکھ پی گرد ور دھر کی اُسکے مان کو کھویا
وہ موسل دھار مینہ پڑتا تھا جسکے ساتھ تھا ژالا

تب آیا اندر کہ جو دیکھا زور گردھر کا ہوا ثابت اُسے اُس دم کہ یہ ہے روپ ایشر کا

ہوا رخصت وہ اسنٹ کرمٹا طوفان محشر کا — اگرچہ سب نے دیکھا یہ کرشمہ شام سندر کا
مگر آنکھوں پہ سب کی پڑ گیا پھر موہ کا جالا

پکڑ کر لے گئے آبی موکل نند بابا کو — چھڑا کر وہاں سے لے آیا دیا آنند بابا کو
وہ زہری سانپ جب لپٹا کیا پا بند بابا کو — اُس آفت سے چھڑایا سکھ دیا وہ چند بابا کو
نہ جانا نند نے اُس کو خداوند تہ و بالا

ارادہ راس کا کرکے بجو جب بین موہن کو — سنا سب بج کے لوگوں نے شبد اُس کا گئے بن کو
جو پریت اس نے کری سب نے تو آیا کچھ غرور انکو — ہوا نظروں سے پوشیدہ مگر تھا ساتھ اک خوش مجو
اُسے بھی راہ میں چھوڑا جو دیکھا اُس کا دل کالا

یہ فرقت میں پڑے پھرتے تھے اُسکو ڈھونڈتے ہر جا — لتاؤں کنج میں بن بن کے اس کو ہر جگہ ڈھونڈھا
پتا پایا نہیں لیکن وہ گوپی مل گئے تنہا — تھکے اور ہار کر بیٹھے وہ ہر جانب سے ہو یکجا
جو خون آنکھوں سے روتے تھے بہا اشکوں کا اک نالا

جمع ہو کر کے باہم سب الم بنیاد کرتے تھے — کبھی گریہ کبھی خندہ کبھی بیداد کرتے تھے
وہ نقلیں اُس کی لیلاؤں کی کر دل شاد کرتے تھے — غرض ہر طرح اُس کا نام لے لے یاد کرتے تھے
یکایک بیچ میں پرگھٹ ہوا آنکھوں میں اُجیالا

سما جب راس کا باندھا سبھی کھٹرا گ پھونچے واں — ہزاروں طرح کے باجے ہزاروں طرح کا ساماں
ہزاروں گوپکاییوں کے پکڑ کر ہاتھ ناچا کاہن — دکھایا عالم کثرت کا پھر جلوہ تعالیٰ شان
کنھیّا روپ مثلِ چاند گوپی روپ تھا ہالا

کیا اس نے اُنھیں رخصت وہ گھر آئے سحر ہوتے — وہاں سب آدمی گھر کے پڑے تھے خواب میں سوتے
نہ کھانا سن کے تو بحر تحیّر میں کہیں غوطے — یہ ہے قدرت میں سب طاقت کرے سب کام ان ہوتے
وہاں گذری وہ ساری رات مثلِ عالم بالا

گوالن ہو کے اِک ٹھوری گئیں مل نند کی پوری — دکھایا کرشن کی اوری کہ یہ کرتا ہے مُنہ زوری

اور اس نے اینٹ بھر جھوری ہماری مٹکیاں پھوڑی ‏ جسودہ مُوہ کی بوری کہا تم کیا کہو ہو ری
کرو ہو تم چغل خوری یہ کیا جانے مرا بالا

تب اُس میں ایک اُٹھ بولی کہ اس نے میرا دُدھ کھایا ‏ کہا پھر دوسری نے بھی ہرے پانی کو لوٹ آیا
یہ بولی تیسری میّا مرا ماکھن یہ کھا آیا ‏ کہا چوتھی نے سروائٹ مرا خاوند بہکایا
شکایت سے تھیں سب لبریز دل کا کھول کر نالا

گلہ ہر چند کرتی تھیں بظاہر وہ جسودھا سے ‏ گئیں تھیں دشمنوں کو اُسکے وہ تو اپنی نہر دھا سے
یہ سُن کر سب کی باتیں ماں نے جو پوچھا کنہیّا سے ‏ سبھی دعوی سے کر انکار بولا کرشن میّا سے
تیری سوگند میں سچا ہے سب جھوٹی ہیں کنکا لا

بسنتی کو کلا بولی رچی گردھر نے تب ہولی ‏ گلال اور ارگجا رولی پسا کیسر بہت گھولی
گوالوں کی بنا ٹولی دئے سب رنگ بھر جھولی ‏ گئی برکھ بھان کی پولی پکارے ہولی ہے ہولی
کہاں ہیں برج کے بالا کہ کھیلے جس سے نندلالا

یہ سن کر سب ہوئے مسرور اور بولے کہ لے للاّ ‏ تو ٔساماں کر کے سب تیار گردھر کو لے آس جا
بہم کھیلیں گے ہم ہولی سکھا گوالوں سے لپٹ جا ‏ اُنھوں سے لیویں بدلا اور کریں پانی سے بھی پتلا
سبھوں کا تن کریں افشاں و نیلے ہاتھ مُنہ کالا

وہ للاّ لے گئے موہن کو سب کے پاس پہونچا یا ‏ سکھا پہونچے سکھاؤں پاس اُنکے دل کو بھر مایا
سبوچہ نشۂ صافی کا بھر کر سامنے لایا ‏ پلائے اُن کو بھر بھر جام قدرے آپ بھی کھایا
نشہ وحدت کا تھا بھاری پر اب اس سے ہوا بالا

ہوئے آنند پی کر صاف کھیلے مل کے سب ہولی ‏ کری بھر مار پچکاری کی تن پر آنکھ میں رولی
کسی کے پاس تھی رولی کسی نے ہلدی تھی گھولی ‏ کوئی ملتا تھا آنکھ اپنی کسی نے آنکھ تھی کھولی
ادھر تھے گوال سب مسرور اُدھر گردھر تھا خوشحالا

گوالوں نے جمع ہو کر رچایا کھیل چڈّھی کا ‏ بشکل گوال اک راکھش وہاں جا کر ہوا پیدا

چڑھا کندھے پہ لیجا کھوہ میں وہ اُن کو چھپا آیا　　بہت سے ہو گئے غائب جو موہن لال نے دیکھا
نہ تھے حاضر بہت سے گوال اُن کو جب کہ پڑتالا

اشارہ پاکے گردھر کا چڑھے اُس پر سری بلرام　　وہ لیکر اُن کو بھی پہونچا قریب کوہ نافرجام
سنی آواز گوالوں کی پڑے تھے کھوہ میں ناکام　　یہ دیکھا بل نے راکھس کا کیا فی الفور کام انجام
ہوے دم بھر میں یک ٹھوری وہاں پر وہ سبھی گوالا

پرلمبھا سر اگھا سر اور بچھا سر اس نے مارے ہیں　　یکا سر سنکھ چوڑا سر برکھا سر سے بچھارے ہیں
اسی نے دیت کیشی اور بھوماسر بھی ملے ہیں　　اسی سے کنس راجہ کے رفیق دیار ہارے ہیں
اسی نے آفتوں ساری کو سارے برج سے ٹالا

گوالن دودھ وہ لیکر چلی جاتی تھیں متھرا کو　　ملے رستہ میں موہن لال بولے دان ہمارا دو
اُنھوں نے یہ کہا ہنس کر نئے دانی کہاں کے ہو　　کہیں جا کنس راجہ سے پکڑوا دیں نہ ہم تم کو
یہ اٹکھیلی سبھی بھولیں پڑیگا اُس سے جب پالا

اسی کو لے گیا ایک روز برج سے بیچ متھرا کے　　دکھایا اس نے اپنا روپ اُس کو بیچ دریا کے
سُن اُسکی عجز وزاری چل کے پہونچے شہر میں جاکے　　کھُلی قسمت جو دھوبی اور درزی اور مالی کے
لئے جامہ کئی موزوں ملا چندن دئے مالا

صبحدم نند بابا سے اجازت لے کشن بلرام　　گئے سیدھے اکھاڑے کو وہاں حاضر تھے خاص و عام
درِ دولت پہ ہاتھی مست جسکا کو بلیا تھا نام　　ہوا مانع جو جانے سے خفا ہو کر کے یہ گھنشام
گرا اُس کو زمیں پر دانت جھاڑے جس طرح پالا

اکھاڑے میں گئے واں مشتک اور چانور حاضر تھے　　وہ اول ہی سے دونوں انکے لیلاؤں کے ناظر تھے
ولیکن خوف راجہ سے صلح کرنے سے قاصر تھے　　لڑے کشتی بہت قسموں کی اس فن میں وہ ماہر تھے
مرے آخر وہ دونوں یہ ہوئے غالب رہے بالا

محل میں کنس کے پہونچا یہ فارغ ہو کے کشتی سے　　رفیقوں میں وہ بیٹھا تھا قوی الانگی پشتی سے

جو اُس کا عنصری جامہ بنا تھا بد سرشتی سے   وہ اُس کو دیکھ کر بولا کلام بد درشتی سے

پکڑ کر باندھ لو مارو یہ آیا کال سا کالا

یہ غوغا سُن کے تب گردھر وہاں جا سب کو للکارا   رفیق اور سب مصاحب اُس جگہ تھے اور کُٹم سارا

سُنی آواز سب بھاگے نہ دیکھا پھیر رخسارا   ہوا تب کنس بے چارہ نہ جانے کا کہیں یارا

گرا تاج اور پکڑ چوٹی گھسیٹھ اُس کھال میں ڈالا

گئی جب کر چکا مامان کی اُس نے پرم پد پایا   بہم گوالوں میں ہو نا چار جمنا گھاٹ پر آیا

کیا اُس جا پہ آرام اور کچھ جل پان فرمایا   لقب اُس گھاٹ سندر نے جبھی بسرام ہے پایا

کہ اُس جا پرچم نصرت کو ٹھا لگا گاڑ کر بھالا

غرض مادھو جی لیلا جبکہ پوری کر چکا گوپال   ملا نانا پتا ماتا سے آپس میں ہوئے خوش حال

کیا جب نند کو رخصت لکھوں میں اُسکا کیا احوال   کہ میرا دل نہیں پر جا زباں بھی ہو گئی ہے لال

پھر آخر او گر سیبن ہی کو کیا متھرا کا بھوپالا

یہ وہ ہی شام سندر ہے کہ بندرابن میں من کھایا   اسی نے بیٹھ میرے دل میں اس مندر کو بنوایا

بنا کا سال سموت یوں لشن پنڈت سے فرمایا   شری متھرا میں بندرابن سے نندن نند یہ آیا

بھاری موکٹ دھارے شام سندر بانسری والا

سمبت ۱۹۲۰ ب

تاریخ وفات پنڈت لالجی پرشاد تکّو صاحب وزیر اعظم ریاست بھاولپور

لالجی صاحب آں شفیق بدل   زیں جہاں چوں بہ لامکاں رفتی

صبر در دل نماند ہوش بجا   زندگی شد وبال جاں رفتی

سالِ تاریخ از پئے تسکیں   فکر کردم چو از میاں رفتی

بہر سموت کشید دل جیفہ   اے دریغا ازیں جہاں رفتی

تاریخ وفات پنڈت رامناتھ تیمنی صاحب ۔ تخلص درویش

ہیہات کہ رام ناتھ پنڈت　　جو خلق کا بیچ ہو گیا ہے
دنیا سے گیا بہ سوے فردوس　　واماندوں پہ حشر ہو گیا ہے
تاریخ صنایع و بدایع　　لکھنا کہ گہر پرو گیا ہے
درویش خطاب اپنا کرتا　　تاریخ میں نامی ہو گیا ہے

ہاتف نے کہا بسالِ ہجری
درویش بہشت کو گیا ہے
سنہ ۱۲۹۹ ہجری

ایضاً در سموت

گفت ہاتف بہ سموت ایں تاریخ　　بہ جناں رام ناتھ پنڈت رفت
سمت ۱۹۴۴ ب

تاریخ وفات پنڈت لچھمی رام سرور صاحب ہاکسر

مُرد منشی چو لالہ لچھمی رام　　رفت بر آسماں صداے دریغ
سال تاریخ آں بہشت مقام　　جست یا در چو مبتلاے دریغ

ہاتفِ غیب از سرِ حسرت
برکشید آہ وگفت واے دریغ

تاریخ وفات پنڈت نند کشور صاحب عرف آتل

گفت ہاتف سالِ ہجری از سپہر　　مُرد پنڈت نند کشور ہے ہے بیفزودہ سال
۳۰-۱۳۳۰-تخرجہ ۳۰
سنہ ۱۳۰۰ھ

دیگر

چوں نند کشور مُرد پئے سالِ عیسوی　　اے واے اے دریغ بہ نامش فزوں کنید
۶۲۰　　۱۲۵۴　　۶۱۸۴۳

تاریخ وفات نظیر اکبر آبادی

نظیرِ شاعرِ نازک خیالِ اکبرآبادی چوزین دنیا گذشت و خاطرِ شعرا مکدر شد
مورخ زا نمیان در فکر تاریخش بدو گفتا مخمس بے سروپا۔بیت بیدل۔فرد بے سرشد
(خمس۔بیت۔رد سے تاریخ نکلتی ہے)

ضمیر۔پنڈت گنگا داس صاحب دہلوی۔
شاگرد حضرت شاہ نصیر

فصاحت و بلاغت میں اپنے آپ نظیر تھے۔علم رَمل سے واقف اور شاعر خوش گفتار تھے۔اُس زمانہ کے لحاظ سے زبان شستہ تھی اور طرز بیان میں شگفتگی۔ایک قطعہ جس میں ہولی کی دھوم دھام بیان کی ہے اور چند اشعار درج کئے جاتے ہیں۔بادی النظر میں یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ بسنت کی محفل تھی اُس زمانہ میں ولایتی رنگوں کا رواج نہ تھا۔اور ٹیسو کے پھولوں کے رنگ سے ہولی کھیلی جاتی تھی۔اس قطعہ کو بغیر انتخاب کے درج کیا جاتا ہے تاکہ واضح ہو کہ اُس زمانہ میں ہندوستانی تہذیب کا رنگ کیا تھا۔

قطعہ

شب کو گیا میں ہولی کی محفل میں اے ضمیر دلچسپ کیا ہی خوب تھا ہر اک مکان زرد
اس انجمن کی تجھ سے میں تعریف کیا کروں پہنے لباس بیٹھے تھے سب مہربان زرد
اک رنگ میں تھے شیخ و برہمن رنگے ہوئے یکرنگی کا جہاں تھا وہ یکتا مکان زرد
روشن کئے تھے جھاڑ نشیمن کے گرد کُل تھیں زعفرانی سب چھتیں اور سائبان زرد
حوریں نژاد رنڈیاں بیٹھی تھیں صف بصف ہولی کے کنٹھے پہنے ہوئے نوجوان زرد
پشواز چست اُن کی مرے دل میں کھپ گئی تھا حاشیہ کناری کا اور درمیان زرد
ڈالے سبھی تھے ہار گلوں کے گلوں کے بیچ سرخوش تھے اپنے حسن میں سب گلرخان زرد

پچکاریوں کی لہروں کی تھی مار ایک سمت
کیسر کے رنگ سے تھا زمیں آسمان زرد
رنگوں سے قمقموں کی تھی آپس میں مار دھاڑ
تھا سرخ گھر کبھی تو کبھی تھا مکان زرد
ان سب کے درمیان میں مسند پہ دلربا
سونے کا آگے رکھے ہوئے پاندان زرد
القصہ اپنے حسن میں ہر ایک شاہِ وقت
پر دیکھ اس کو ہو گئے سب بدگمان زرد
اُس شب سے میری آنکھوں میں یرقان ہو گیا
یاں تک کہ میرے ہو گئے سب استخوان زرد

اشعار

لو بگڑ بیٹھے ذرا سی بات پر
تھی نہ یہ امید ہمکو آپ سے
جس کو دیکھا کانپتا ہے وہ شرارت سے تری
برق کو بھی ابر میں ہم تو تپاں دیکھا کئے
میں بتاتا ہوں ضمیر اب کچھ تجھے بھی ہے خیال
چشم خواب آلودہ اُس کی فتنۂ بیدار ہے

ضمیر۔ پنڈت نراین داس اوگھل صاحب

صبح نسرین گردۂ چاکِ گریبانِ کسے است
شام سنبل چہرۂ زلفِ پریشانِ کسے است
شاخ گل با غنچہ از خاک شہیدان سر بزد
ہر سر تیرے بخون آغشتہ پیکانِ کسے است
از سر مژگان تراوش ہائے خونم بہر چیست
گر نہ پنہان در دلم زخم نمایانِ کسے است
نیست بر گلگون قبایش جلوہ گر موجِ اُتو
پیچ وتاب یادگارِ رشتۂ جانِ کسے است
زخم دل خمیازہ کش بر شودۂ الماس نیست
آزر ومندِ نوازش از نمکدانِ کسے است
این دلِ پُرخون کہ سر تا پا مشبک شد ضمیر
زیرِ مشقِ نیزہ بازی ہائے مژگانِ کسے است

ندارم آشنائے از خرد بیگانہ در پہلو
منم دیوانہ بایستے مرا دیوانہ در پہلو
مرا بر بستر افگندہ است رشکِ صورتِ زیبا
کہ میخوابد ترا ہر شب چہ گستاخانہ در پہلو
ہجوم غم بہ انداز زیارت ہر زمان آید
زدل تاریخم طرح مصیبت خانہ در پہلو
شب ہجران بروے فرش گل خوابم نمی آید
رگِ گل می خلد چون خار۔ بے جانانہ در پہلو

بود سرمایۂ آزار صحبت با پریشانان زربطِ زلف جانان چاک دارد شانہ در پہلو
چکد بے لعلِ میگون تو خون از غنچۂ مینا زموجِ بادہ دارد تیغ با پیمانہ در پہلو
چہ پرسی حالِ مجنون راکہ دارد از غمِ لیلیٰ فغان و مساز۔ وحشت ہمنشین۔ ویرانہ در پہلو
چو از مے رخ برافروزی مکن بے غم زبیتابی کہ ہر جا شمع روشن شد طپد پروانہ در پہلو

نیاید خواب و دل بیتاب نہ دارد طپش در بر
ضمیر امشب فزون شد دردم از افسانہ در پہلو

گرد طرفِ دامنِ سروِ قبا پوشِ تو ام پائمالِ جلوۂ محشر در آغوشِ تو ام
از تکلم شرم اگر داری تبسم را چہ شد غنچہ سان خونین جگر از لعلِ خاموشِ تو ام
گردش از دوران نصیبم شد برنگِ جامِ مے تا بہ لا گردانِ چشمِ مستِ خون نوشِ تو ام

نوٹ۔ اشعار مندرجۂ بالا حضرت ضمیر کے دیوان مطبوعہ میں درج نہیں ہیں۔

طالب۔ پنڈت نندلال کول صاحب ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل

متوطن سری نگر کشمیر

تصویرِ قوم

ہے دل میں آج اپنی قوم کا دُکھڑا سناؤں میں
زبانِ کلک سے کچھ دردِ دل اپنا بتاؤں میں
صدائے نالۂ غم سے ندیموں کو رُلاؤں میں
رگِ غیرت کو مُردہ دل کی بھی حرکت میں لاؤں میں

نہانی آنچہ در دل سوزِ غم دارم عیاں سازم
زچشمِ خونچکانِ خامہ دریاے رواں سازم

میں عاشق ہوں عروسِ حبِّ قومی کا حسینوں میں
مجھے الفت ہے معشوقِ وطن کی نازنینوں میں
تلاشِ نامداری مجھکو ہے قومی نگینوں میں
عزیزوں۔ رازداروں۔ دوستوں میں ہمنشینوں میں

کہ در دیر و کلیسا ؤ مساجد یک جرس باشد
اگر در خانہ کس باشد ہمیں یک حرف بس باشد

کلید قفلِ درِ دل ہو یارب داستاں میری
کرے قومی رگوں پر کارِ جرّاحی زباں میری
کرے اک ولولہ پیدا یہ آہِ ناتواں میری
نسیمِ روح افزا بن کے نکلے ہر فغاں میری

گلے بویم کہ ہر یک برگِ او رنگِ صفا دارد
دلِ درد آشنا جویم کہ احساسِ وفا دارد

نہ کوئی خضر بن کر راستہ سیدھا دکھاتا ہے
نہ کوئی منزلِ مقصود کا مسلک بتاتا ہے
غضب ہے خاک میں چرخِ کہن ہم کو ملاتا ہے
وہ حالت ہو گئی اب تو کلیجہ مُنہ کو آتا ہے

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

بتا اے قوم آخر اس قدر تو ناتواں کیوں ہے؟
بتا تجھ سے جہاں میں بر سرِ کیں آسماں کیوں ہے؟
بگولہ کی طرح سرگشتہ تیرا کارواں کیوں ہے؟
ٹھکانے کا پتہ ملتا نہیں کیا، بے زباں کیوں ہے؟

تجھے کس مُنہ سے دعویٰ ہو سکے گا! استقامت کا
فضیلت کا لیاقت کا ذہانت کا نجابت کا

نکل آئے گی اک دن آرزو تو دل میں رہنے دے
ابھی اس شمعِ افسردہ کو تو محفل میں رہنے دے

حسیرِ جستجو کو نشۂ منزل میں رہنے دے
سرابِ نجد کے ذرّوں کو تو محمل میں رہنے دے
ابھی ہے ابتداے عشق دیکھیں انتہا کیا ہو
دکھاتا کیا ہے چرخِ پیر قسمت کا لکھا کیا ہو
بہت آگے بڑھے ہیں دیکھتا سب کارواں والے
پہ حڑھاہے دن ہوئے بیدار ہیں خوابِ گراں والے
بڑھے جاتے ہیں اس گھُڑ دوڑ میں ہندوستاں والے
مگر پستی میں ہیں کشمیر کے اونچے نشاں والے
سُنائیں کن کو دردِ دل یہاں پر کون سُنتا ہے
الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد یہاں ہر ایک چُنتا ہے
نہیں غم دل میں گر بیٹھیں مری باتیں سناں ہوکر
نہیں کچھ فکر گر اُٹھ جائے کوئی سرگراں ہوکر
جو ہمّت ہو تو جیتو ہفتخواں کو ناتواں ہوکر
بنو تم جانِ عالم دو جہاں میں نیمجاں ہوکر
اُتر جاتی ہے دل میں قوم کے طالب صدا تیری
بھکاری قوم کا بن کر تو دیتا پھر یونہی پھیری

خطاب بہ خواب

اے مظہرِ کیفیّتِ آرامِ دل و جاں　　اے مخزنِ سرمایۂ تسکینِ فراواں
اے دافعِ آزارِ خیالاتِ پریشاں　　حسرت کشِ دیدارِ تبسّم کے شبستاں
اے مسکنِ آسائشِ پہلو کے نگہباں
ہوں محو تیری دھن میں نہ کیوں خوابِ مسرت　　وارفتۂ خوابیدہ ہوں بے راہ طریقت
ہے تیری خموشی میں نہاں رازِ حقیقت　　تاریکیٔ شب میں ہے تو دمسازِ طبیعت

اے برقع برانداز رخِ حسنِ حقیقت
نیرنگئ جادو ہے تو یا شاہدِ خوشخو اک غمزۂ دلکش ہے کہ ہے عشوۂ دلجو
خمیازہ میں تیرے ہے نہاں حرکتِ یا ہو یا دیدۂ دل وا ہوئے ہیں تجھ سے ہر اک سو
دیدارِ خدا ہو گیا آیا جو نظر تو

پاس آنکھ شوق میں رکھوں تجھے مستور اور دامنِ مژگاں کو کروں نور سے معمور
لوں کروٹیں پھر ذوق سے ہو جاؤں میں مسرور ہو تیری دل آرائی کہیں مجھ سے نہ پھر دور
الطاف و کرم تیرا تو عالم میں ہے مشہور

مایوس کیا کیوں ہے تمنائی کو اپنے مٹی میں ملاتے نہیں سودائی کو اپنے
پامال نہیں کرتے ہیں شیدائی کو اپنے

آ آ! کہ تجھے آنکھوں پہ اپنی میں بٹھاؤں آجا کہ تجھے تاجِ سر اپنا میں بناؤں
آجائے جو تو تو نہ کیوں میں آپ سے جاؤں

تو آئے تو بھولے مجھے سارا غمِ دنیا حتیٰ کہ فراموش ہو اندیشۂ عقبیٰ
سب کون و مکاں پر ہو مجھے خواب کا دھوکا

آ دامنِ دل گو ہر آرام سے بھر دے اور کشمکشِ دہر سے بے واسطہ کر دے
یہ تجھ سے ہو کہتے ہیں کہ ہر کارے و مردے

اب حالِ دل اپنا نہیں اظہار کے قابل رفتار کے قابل ہوں نہ گفتار کے قابل
ہوں طالبِ دید اور ترے دیدار کے قابل

نوحۂ انتقال پُر ملال سری مہاراجہ پرتاب سنگھ صاحب بہادر والیٔ ریاست جموں و کشمیر

پُر سوز شورِ مرگ کی آہ و فغاں ہے آج ہیہات انقلاب زمین و زماں ہے آج
عالم دکھائی دیتا ہے مصروفِ درد و غم رخصت دلوں سے ہو رہی تاب و تواں ہے آج
رنج و الم کا ٹوٹ پڑا سر پہ اک پہاڑ کیا قہر ہے کہ ڈوبے زمیں آسماں ہے آج

کل تک تھی جس سے رونقِ گلزارِ کاشمیر
اے وائے کیا کہیں کہ وہ خلد آشیاں ہے آج
اس صدمۂ عظیم سے دل چاک چاک ہے
افسوس ہے کہ رحلتِ فخرِ جہاں ہے آج

دل ہر بشر کا آتشِ غم سے کباب ہے
پرتاب کی یہ موت نہیں انقلاب ہے

پر جاکے دل کو صبر کی ہمّت کہاں ہے اب؟
وہ غمگسارِ وقتِ مصیبت کہاں ہے اب؟
تھا دم سے جس کے امن اک آئینِ روزگار
وہ پاسبانِ ملک و رعیّت کہاں ہے اب؟
اکرام میں بھی جس کے تدبّر کی شان تھی
وہ یادگارِ اہلِ حکومت کہاں ہے اب؟
پروردہ جس کے فیض سے سب با وفا ہوئے
وہ قدردانِ حسنِ عقیدت کہاں ہے اب؟
لطف و کرم پہ جس کے عدو کو بھی ناز تھا
وہ حق گزارِ عدل و محبّت کہاں ہے اب؟

بگڑے نصیب اپنا تو پھر کیا کرے کوئی
کیا خاک زندگی کا بھروسا کرے کوئی

وہ مالکِ قلوب رعایا نہیں رہا
وہ دلنوازِ اہلِ زمانا نہیں رہا
وابستہ جس سے آرزوئیں تھیں ابھی بہت
وہ سازگارِ بزمِ تمنّا نہیں رہا
کیوں ہر طرف سے آئے نہ آوازِ نوحہ گر
نازاں تھے جس پہ مذہب و دنیا نہیں رہا
اس مرگِ جانگزا نے ستم ہے وہ ڈھا دیا
رنج و الم کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا
تہذیب جس کی ذات سے پائی تھی ملک نے
کشمیر میں تھا جس سے اُجالا نہیں رہا

دل ہر بشر کا آج سراپا ملال ہے
کیا ہو سکے بیان عجب غیر حال ہے

اے شاہ تجھ سے بڑھ کے کوئی مہرباں نہ تھا
بدخواہ تیرا کوئی نہ تھا بدگماں نہ تھا
تھا دھرم میں دیا میں تو اپنی نظیر آپ
تیری مثال کوئی تہِ آسماں نہ تھا
تو دیکھتا تھا ہندو و مسلم کو ایک آنکھ
تجھ سے عزیز تر تو کوئی حکمراں نہ تھا
اپنے پرائے تھے ترے اوصاف کے غلام
وہ کون ہے جو دل سے ترا مدح خواں نہ تھا
مرحوم میں جو وصف تھے وہ بے نظیر تھے
چرچا تمام ہند میں ان کا کہاں نہ تھا

صد حیف اُٹھا سایہ امیر و غریب کا
رونا ہے آج اپنے ہی اُلٹے نصیب کا

اپنی دعا ہے اب تجھے جنّت نصیب ہو
ہر اک کے دل کو صبر کی ہمّت نصیب ہو
تختِ شہی پہ ہیں جو ہری سنگھ جلوہ گر
عزّت سے ان کو شانِ حکومت نصیب ہو
مہراج کا ہو راج مبارک جہان کو
ہر آن دورِ حشمت و شوکت نصیب ہو
لگ جائیں چار چاند ریاست کو ان سے پھر
محفوظ ہر بلا سے ہوں عظمت نصیب ہو
بیڑا لگائیں پار ہمارے یہ ناخدا
لوگوں کو ان کے فیض سے راحت نصیب ہو

ہو جائیں تیز گام ترقی کی راہ میں
وقعت بڑھے ہماری بھی سب کی نگاہ میں

یارب عروج پر رہے رتبہ حضور کا
باعث بنیں وہ خلق کے عیش و سرور کا
ہو عدل ان کے نام سے روشن جہان میں
باقی رہے نشان نہ فساد اور فتور کا
پرتاب کی مثال ہوں ثابت وہ حکمراں
شہرہ ترقی پر رہے ان کے شعور کا
سایہ ہمارے سر پہ رہے ان کا دیرپا
تسکین بخش ہو وہ دلِ ناصبور کا
بے مثل ان کے عدل و حکومت کا طرز ہو
راج ان کا کل جہان میں ہو بقعہ نور کا

طالبؔ کرم سے ان کے کھلا یہ چمن رہے
سرسبز ان کے راج میں اپنا وطن رہے

طایع۔ پنڈت ویدھ لعل صاحب دَر۔ ساکن سرینگر کشمیر

خاک برگشتیم واز کوے بتِ منزلِ ما
ماند افسوس بسے درد و ہوس در دلِ ما
ہمچو پروانہ بہ شمعِ رخِ جاناں سوزم
جلوۂ حسنِ رخِ یار بود قاتلِ ما
بسکہ سرگرمِ نغانیم پس از مردن ہم
عوضِ سبزہ دمد شعلۂ آہ از گلِ ما
خیزد آوازِ انا الحق چہ خوش از سینۂ من
جلوہ گاہِ شجرِ طور بود محفلِ ما

ساغرِ عشقِ بتاں گیر تو طایعؔ شب و روز
کہ جز از عشق نباشد بجہاں حاصلِ ما

قصیدہ در تہنیتِ جشن مہاراجہ سرہری سنگھ بہادر بتقریب عروسیِ اوّل که درآن ایّام بلقبِ مہاراج کمار مشہور بود

جشنِ طُوےِ پورِ شاہِ ماست ما ساغر زنیم — ساغرِ میخوردہ ساغر درپئے ساغر زنیم
ساغرِ مے نیست کافی خم بنوشم سربسر — ما بہ مستی دست و پا بر دشمنِ داور زنیم
مے بہ کشتی میکشم در بحر میسازم شنا — کشتئ مے را دران دریاے مے لنگر زنیم
زو جہاں پُرتاب و اسمِ نامیش پرتاب سنگھ — ما بیادِ طوے پورش دمبدم ساغر زنیم
اسمِ پورِ شہ ہری سنگھ است با صد فرّ و ہنگ — خرگہِ جشنِ نکوئش بر سرِ اختر زنیم
بزمِ شادی گرم و ما از شادمانی شادمان — نعرہ ہائے مرحبا بر گنبدِ اخضر زنیم
جشن را با حسن و خوبی زیب و زینت داد شاہ — ما بر نگین شعرہا ہر نقطہ بر گوہر زنیم

طویِ پورِ شاہِ ما فرخندہ و زیبندہ باد
شاہِ ما و پورِ شہ رخشندہ و پایندہ باد

قصیدہ در مدح مہاراجہ پرتاب سنگھ صاحب بہادر آنجہانی والیِ ریاست جموں و کشمیر

چون صبحِ آفتاب ز خاور نمود سر — برخاستم بہ عزمِ زمین بوس دادگر
دادم ندا بخادمِ خود ہان چہ میکنی — برخیز و رود و اسپہ و زین کُن برخش بر
من درمیانِ راہ کہ آمد ز در نگار — با قدّ چون صنوبر و با خدّ چون قمر
زلفش تمام حلقہ و غنجش ہمہ فریب — چشمش ہمہ کرشمہ و لطفش ہمہ شکر
بر در ستادہ ماند زبان بر کشاد و گفت — یکشاے چشم و آئینۂ چہرِ من نگر
دادم ندا بہ ساقی و گفتم کہ مے بیار — زان مے کہ مے فزاید بہ فرحِ دلِ بشر
ساقی بطِ شراب پُر از بادۂ مذاب — در داد و بر گرفت پریروے سیم بر
مے بادہ خورد و مے زلبش ریخت شہدِ ناب — مے موکشاد و مے ز برش بیخت مشک تر

شُد مدّتے مدید کہ مہجورِ خدمتم ۔ از شاہِ ناموے سخاخوے وخوش سیر
پرتاب سنگھ آنکہ شہنشاہِ عالم است ۔ جاہش براز گمان وجلالش براز نظر
اے شخصِ روزگار بذاتِ تو مستعان ۔ وے نورِ آفتاب برائے تو مشتہر
اے مستجارِ ملّت و وے مفخرِ زمان ۔ اے فیض بخشِ دولت واے شاہِ ذوالوقر
اے دستِ تو بگاہِ عطا ابرِ آذری ۔ وے تیغِ تو بگاہِ وغا برقِ جان شکر
تا در جہان بود ز بد و نیک داستان ۔ تا بر فلک بود مہ و خورشید جلوہ گر

بادا ہمے نصیبِ تو از کردگارِ پاک
اقبال و بخت و نصرت و فیروزی و ظفر

آمد گہِ عیش و طرب اے شوخ سمن بر ۔ کو مطرب و کو ساقی کو شیشہٴ و ساغر
وجد است و سُرور است بہر کوئے و بہر سوئے ۔ عیش است و نشاط است بہر بوم و بہر در
زین جشنِ ہمایون کہ نمودست جہاندار ۔ رقصد ز طرب زہرہ بدین گنبدِ اخضر
ساقی ہلہ تا چند تانّی و تامّل ۔ برخیز و دف و چنگ و نے و تار و مے آور
زان مے کہ زبس صاف درون است تو گوئی ۔ مہریست درخشندہ عیان در دلِ ساغر
زان بادۂ گلرنگ کہ ناخوردہ ز ذوقش ۔ از وجد ہمے رقص کند روح بہ پیکر
زان مے کہ اگر قطرہ چکد در دلِ خارا ۔ تا حشر ہمے روید ازو لالۂ احمر
القصّہ چو ما مست شویم اے بُتِ طنّاز ۔ من از مئے لعلِ تو و تو از مئے خُلّر
آنگاہ چو مستانہ بیکے نامہ نگاریم ۔ در مدحِ شہنشاہِ ملک خوے فلک فر
فرمان دہِ آفاق خداوند جوان بخت ۔ دارائے زمان شاہِ جہان قاعدِ لشکر
خورشیدِ جہانتاب بہ پرتاب مسمیٰ ۔ در دیدہ کشد خاکِ رہش مہرِ منوّر
فوّارہ صفت خون جہدش از رگِ شریان ۔ گر نامِ حسامش شنود خصمِ بد اختر
یک شعلہ ز برقِ غضبش آتشِ سوزان ۔ یک رشحہ ز دستِ کرمش چشمۂ کوثر
از مہرِ تو ریحاں دمد از صخرۂ صمّا ۔ وز قہرِ تو آتش جہد از چشمۂ کوثر
بزمِ خرد از شخصِ وجودِ تو مزیّن ۔ جسمِ ہنر از خاکِ قدومِ تو منوّر

شاہا زکرم بین کہ بدوران تو طالع
چون است طلبگارِ عطائے تو مکرّر

قصیدۂ دیگر بتقریب جشنِ عروسی مہاراجہ سر ہری سنگھ جی بہادر والیِ جموں و کشمیر

رسید مژدۂ شادی بہ خلق در کشمیر
بہ برگِ عیش و طرب کرد عالمے تسخیر

دمید صبحِ وصال و شگفت گلبنِ دل
چمید ہر طرفے گلرُخے بصد توقیر

شگفت غنچہ در اطراف بوستان گلگل
رہاند خاطرِ بلبل زخارِ خارِ خطیر

زعینِ ناز درآمد بجلوہ نرگسِ مست
فزود روشنیِ چشم مردمانِ بصیر

گلِ خطائی و مشکِ ختن فشاند چنان
چو نافہ کرد معطّر دماغ اہلِ ضمیر

ہزارہ خواند مبارک بصد ہزار زبان
بہ جشنِ طوے شہنشاہ زادۂ کشمیر

زسرخ روئی خود لالہ در میانِ چمن
زدود داغِ محن از قلوبِ میر و فقیر

گرفتہ کاسہ بکف پیشِ شاہ نُہمرازان
کہ کار و کاسۂ خود را پُرازطلاے زریر

نمود مطربِ خوش لحن تارو ماپرالم
سرود جشنِ مبارک بہ والیِ کشمیر

خدیوِ کشمر و جموں وجودِ فضل و کرم
معینِ خلقِ جہان و امینِ ربِّ قدیر

بہ عہدِ وے شدہ آباد ملک در ہر حال
زعہدِ وے شدہ آزاد و ناتوان ز شریر

نشانِ شاہی آراست جشنِ طوے پسر
حضور راجہ ہری سنگھ مہر و ماہِ منیر

عروسِ شاہ بماناد تا ابد خوشحال
بہ عیش و عشرتِ تابندہ ہمچو مہرِ منیر

پرتاب سنگھ مہاراج زیب و زینتِ تاج
تا مہر و ماہ تابد تا بہ ملکِ کشمیر

تصنیف کرد طالع تاریخ جشنِ شاہی
برخواند پیشِ سرکار از صافیِ ضمیر

دیوان پنڈت سہج رام تکّو صاحب

آپ کے مورث اعلیٰ دیوان پنڈت نندہ رام تکّو وزیر اعظم کابل تھے۔ آپ کا مقام ولادت امرت سر تھا اور وہیں یکم جنوری ۱۸۷۴ء کو بعمر ۴۹ سال رہگرائے ملک بقا ہوئے کچھ عرصہ تک آپ شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں نائب بخشی اور بخشی کے عہدوں پر ممتاز رہے۔ گورنمنٹ انگریزی میں مثل خوان شروع میں مقرر ہوئے اُسکے بعد ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ضلع اور سپرنٹنڈنٹ فارسی کمشنری امرتسر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ عہدۂ تحصیلداری آپ کو دیا جاتا تھا مگر بوجوہ اُس کو آپ نے پسند نہیں کیا۔ پرنسپ صاحب کمشنر بندوبست اور جنرل ٹیلر کمشنر امرت سر کی مشترکہ سفارش پر گورنمنٹ نے آپ کو براہ راست اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر کیا تھا مگر افسوس ہے کہ حکم تقرری آپ کی وفات کے ایک ہفتہ بعد پہونچا۔ امیر شیر علیخاں جب کابل سے پنجاب میں تشریف لائے اور امرت سر میں ان کا مقام ہوا تو امیر موصوف نے لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب سے دریافت کیا "کسے ہست از خانوادۂ دیوان نند رام۔ یاد دارم کہ مسکن او امرتسر بود" اس پر بعد تلاش دیوان سہج رام امیر کابل کی خدمت میں پیش کئے گئے امیر صاحب نے بہ کمال عنایت دیوان صاحب کو کابل لے جانا چاہا مگر اپنی والدہ کی خلاف مرضی وہاں جانے سے مجبور رہے۔ جب دیوان نندہ رام وزیر اعظم دربار کابل تھے اُسی زمانہ میں اُن کے چھوٹے بھائی دیوان ہرداس صاحب تکّو صوبۂ کشمیر میں اور دیوان راہچند صاحب امرتسر میں تشریف رکھتے تھے۔ دیوان سہج رام صاحب کے فرزند پنڈت کرتا کشن تکّو صاحب عہدۂ تحصیلداری سے مستفید بپنشن ہو کر گورداسپور میں سکونت پذیر ہیں۔ دیوان صاحب موصوف کی صرف ایک غزل دستیاب ہوئی ہے وہ درج کیجاتی ہے۔

غزل

آمد گلِ بہار نیامد نگارِ ما — وقتِ بہار نیز نشد تیرہ کارِ ما

بلبل ترانہ گوست کہ گل در چمن رسید — دل صرفِ نالہ شد کہ نیامد نگارِ ما

ہر گل نمونہ ایست ز رخسارۂ کسے — ہر لالہ پارۂ ز دلِ داغدارِ ما

سنبل ز تابِ زلفِ کسے میدہد نشاں — بلبل زند فغاں چو دلِ بیقرارِ ما

چوں لالہ داغ از جگرِ ما نہ شستۂ — ابرِ بہار ہیچ نکردی تو کارِ ما

در شہرِ یار ما نتوانیم خود رسید — بادِ صبا مگر نرساند غبارِ ما

باشد کہ باز آید و غمخوارِ ما شود — دلدارِ ما اگر شنود حالِ زارِ ما

در راہِ انتظارِ کسے خاک گشتہ ایم
بارے بیا تو بر سرِ من خاکِ مزارِ ما